نحن نقص علیک احسن القصص

تذکرہ انبیاء
و
صالحین

ہم آپ کے لئے

تذکرہ انبیاءؑ و صالحینؒ

انبیائے کرامؑ صحابہ کرامؓ
اور اولیاءؒ
شہداء و غازیانِ اسلام
اور
تاریخِ دنیا
کے حیرت انگیز
واقعات

مصنف

استاذ العلماء

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نام کتاب ______ تذکرۂ انبیاء و صالحین

تصنیف ______ علامہ محمد لیاقت علی رضوی

کمپوزنگ ______ ورڈ ز[illegible]

باہتمام ______ ملک شبیر حسین

سن اشاعت ______ مئی 2014

سرورق ______ [illegible]

طباعت ______ اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

ہدیہ ______ -/800 روپے

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر 40 اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

shabbirborther786@gmail.com

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے قرآن کریم میں پوری کوشش کی ہے۔ تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی [illegible] اس کی اصلاح کی جا سکے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔



ترتیب

﴿حضرت اسماعیل علیہ السلام﴾

﴿حضرت اسحاق علیہ السلام﴾

﴿حضرت یعقوب علیہ السلام﴾

﴿حضرت یوسف علیہ السلام﴾

﴿حضرت شمعون علیہ السلام﴾

﴿حضرت داؤد علیہ السلام﴾

﴿حضرت ایوب علیہ السلام﴾

﴿حضرت الیاس علیہ السلام﴾

﴿حضرت لقمان﴾

﴿حضرت لوط علیہ السلام﴾

﴿حضرت شعیب علیہ السلام﴾

﴿حضرت موسیٰ علیہ السلام﴾

﴿حضرت یونس علیہ السلام﴾

﴿حضرت سلیمان علیہ السلام﴾

﴿حضرت صالح علیہ السلام﴾

﴿حضرت عزیر علیہ السلام﴾

﴿حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام﴾

﴿حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ﴾

﴿حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ﴾

﴿حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ﴾

﴿حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ﴾

﴿حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ﴾

﴿واقعات صحابیات﴾

﴿ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا﴾

﴿حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا﴾

تذکرہ انبیاء
و
صالحین

مقدمہ کتاب

٩ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الذی شَرَحَ قُلُوبَ الْعَارِفِينَ بِنُورِ هِدَايَتِهِ وَزَيَّنَهَا بِالْإِيمَانِ وما أَلْهَمَهَا من حِكْمَتِهِ أَحْمَدُهُ حَمْدَ عَارِفٍ لِعَظَمَتِهِ مُقِرٍّ بِوَحْدَانِيَّتِهِ وَعَلَى من خَتَمَ بِهِ الرِّسَالَةَ أَفْضَلَ صَلَاتِهِ وَتَحِيَّتِهِ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفَى الْمَخْصُوصِ بِإِظْهَارِ مِلَّتِهِ على الْمِلَلِ كُلِّهَا وَدَوَامِ شَرِيعَتِهِ إِلَى آخِرِ الدَّهْرِ وَنِهَايَتِهِ وَعَلَى آلِهِ الْكِرَامِ وَجَمِيعِ صَحَابَتِهِ وَعَلَى التَّابِعِينَ لهم إِلَى يَوْمِ الدِّينِ بِإِحْيَاءِ سُنَّتِهِ أَمَّا بَعْدُ .فاني(محمد لياقت على الرضوى القادرى بن محمد صادق العثمانكا،الجونيه) اردت ان احرر الكتاب بواقعات الانبياء والصديقين والشهداء والصالحين بتوفيق الله تعالى جل جلاله وعز شانه .

بسم اللہ کے فضائل وفوائد کا بیان

بسم الله الرحمن الرحیم کے فضائل وفوائد بے شمار ہیں جن میں سے کچھ عرض کیے جاتے ہیں ایک یہ ہے کہ یہ پاک کنجی ہے بلکہ ہر دنیاوی اور دینی کام کی بھی کنجی ہے کیونکہ جو کام اس کے بغیر کیا جائے ناقص رہتا ہے۔

بسم اللہ پڑھنے سے قفل کھل جانے کا واقعہ

تفسیر روح البیان میں بسم اللہ کے ماتحت ایک حدیث بیان کی گئی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے اور جنتوں کی سیر فرمائی۔ تو وہاں چار نہریں بلاحظہ فرمائیں ایک پانی کی۔ دوسری دودھ کی۔ تیسری شراب طہور کی۔ اور چوتھی نہر شہد کی تھی، جبرائیل امین سے دریافت کیا گیا کہ یہ نہریں کہاں سے آرہی ہیں حضرت جبرئیل امین نے عرض کیا کہ مجھے اس کی خبر نہیں۔ دوسرے فرشتے نے عرض کیا کہ ان چاروں کا چشمہ میں دیکھاتا ہوں۔ ایک جگہ لے گیا وہاں ایک درخت تھا۔ جس کے نیچے ایک عمارت بنی ہوئی تھی اور دروازے پر قفل لگا ہوا تھا۔ اور اس کے نیچے سے یہ چاروں نہریں نکل رہی تھیں۔ ارشاد فرمایا: یہ دروازہ کھولو۔ عرض کیا اس کی چابی میرے پاس نہیں۔ بلکہ آپ کے پاس ہے۔ **بسم الله الرحمن الرحیم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کو اس قفل کو ہاتھ لگایا تو دروازہ کھل گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر جا کر ملاحظہ فرمایا کہ اس عمارت میں چار ستون ہیں اور ہر ستون پر بسم اللہ لکھی ہے اور ''بسم اللہ کی ''میم'' سے پانی جاری ہے لفظ ''اللہ'' کی ''ہ'' سے دودھ جاری ہے۔ ''رحمٰن'' کی ''میم'' سے شراب طہور جاری ہے۔ اور ''رحیم'' کی ''میم'' سے شہد جاری ہے۔ اندر سے آواز آئی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی امت

میں سے جو شخص "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھے گا وہ ان چاروں نہروں کا مستحق ہوگا۔

بسم اللہ کی برکت سے عذاب سے بچنے کا واقعہ

اسی طرح تفسیر کبیر میں بسم اللہ کی تفسیر کے تحت لکھا ہے کہ فرعون نے خدائی کے دعوے سے پہلے ایک مکان بنوایا تھا اور اس کے بیرونی دروازے پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھی تھی۔ جب اس نے خدائی دعویٰ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تبلیغ کی لیکن اس نے آپ کی تبلیغ قبول نہ کی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے خلاف دعائے ضرر کی۔ تو وحی آئی، اے موسیٰ (علیہ السلام)! یہ تو اسی قابل ہے کہ اسے ہلاک کر دیا جائے لیکن اس کے دروازے پر "بسم اللہ" لکھی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ عذاب سے بچا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے فرعون کے گھر پر عذاب نہ آیا بلکہ وہاں سے نکال کر دریا میں ڈبو دیا گیا۔

کفن پر بسم اللہ لکھنے کی وصیت کا واقعہ

تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ ایک اللہ کے ولی نے وصال کے وقت وصیت کی تھی کہ میرے کفن میں "بسم اللہ" لکھ کر رکھ دینا۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ قیامت کے دن میری دستاویز ہوگی جس کے ذریعے رحمت الٰہی کی درخواست کروں گا۔

بسم اللہ کی برکت زہر کے اثر نہ کرنے کا واقعہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی شخص زہر لایا اور کہنے لگا کہ اگر آپ اس زہر کو پی کر سلامت رہے تو ہم سمجھیں گے کہ اسلام سچا ہے۔ آپ نے "بسم اللہ" پڑھ کر وہ زہر پی لیا اللہ کے فضل سے کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ شخص یہ دیکھ کر اسلام لے آیا۔

بادشاہ روم ہرقل نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خط لکھا کہ مجھے سر درد کی بہت شکایت ہے کچھ علاج کیجئے۔ آپ نے اس کے پاس ایک ٹوپی بھیج دی۔ جب بادشاہ وہ ٹوپی اوڑھتا تھا تو درد جاتا رہتا تھا اور جب اتار دیتا تو درد شروع ہو جاتا۔ اس کو اس بات پر سخت تعجب ہوا۔ آخر کار اس نے چاہا کہ دیکھوں کہ اس ٹوپی میں کیا ہے لہٰذا اس نے اس ٹوپی کو کھلوایا۔ تو دیکھا کہ اس میں ایک پرچہ ہے جس پر لکھا تھا "بسم اللہ الرحمن الرحیم"۔

بسم اللہ کی برکت سے عذاب قبر سے نجات کا واقعہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ اس میت کو عذاب ہو رہا ہے یہ دیکھ کر چند قدم آگے تشریف لے گئے اور وہاں سے استنجاء کر کے واپس تشریف لائے اب جو اس قبر پر سے گزرے تو دیکھا کہ اس قبر میں نور ہی نور ہے اور وہاں رحمت الٰہی کی بارش ہو رہی ہے۔ آپ بہت حیران ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا یا اللہ! مجھے اس کا راز بتایا

جائے۔ارشادفرمایا اے روح اللہ! یہ بندہ سخت گناہگار تھا جس کی وجہ سے عذاب میں گرفتار تھا لیکن اس نے اپنی بیوی حاملہ چھوڑی تھی اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اور آج اسے مکتب بھیجا گیا استاذ نے اسے بسم اللہ پڑھائی۔ تو ہماری رحمت کو حیا آئی کہ میں زمین کے اندر اس شخص کو عذاب دوں کہ جس کا بچہ زمین پر میرا نام لے رہا ہے

بسم اللہ کی برکت سے بوٹی میں شفا آجانے کا واقعہ

ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیٹ میں نہایت سخت درد ہوا، حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ ارشاد ہوا کہ جنگل کی فلاں بوٹی کھاؤ۔ چنانچہ آپ نے کھائی۔ اور فوراً آرام آگیا۔ کچھ دنوں بعد دوبارہ پھر وہی بیماری ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی دوائی استعمال کی مگر درد میں زیادتی ہوگئی۔ عرض کیا یا اللہ! اس میں کیا راز ہے کہ ایک ہی دوا میں تاثیر دو طرح کی ہے ایک مرتبہ اس نے مجھے شفادی ہے اور دوسری مرتبہ اس نے میرے مرض اور زیادہ بڑھا دیا ہے۔ الٰہی اس میں راز کیا ہے۔ ارشاد ہوا اے موسیٰ! پہلی دفعہ تم میری طرف سے اس بوٹی کی طرف گئے تھے اور دوسری مرتبہ تم اپنی طرف سے بوٹی کی طرف گئے ہو حالانکہ شفا تو صرف میرے نام میں ہے۔ میرے نام کے بغیر دنیا کی ہر چیز زہر قاتل ہے اور میرا نام اس کا تریاق ہے۔

بسم اللہ پڑھنے والا ڈوبنے سے بچ جائے گا

حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی پر سوار ہوتے وقت پڑھا تھا۔ ''**بسم اللہ مجرھا و مرسھا ان ربی لغفور رحیم** ''اس وجہ سے بیڑا پار ہوا۔ لہٰذا جو شخص کشتی میں سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھ لے تو ان شاء اللہ وہ ڈوبنے سے بچے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ملکہ بلقیس کو خط لکھا تو اس میں یہ لکھا ''**انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم** ''اس کی برکت سے بلقیس کو قبول حق نصیب ہوا اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آئی۔ اور پورا ملک یمن حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضے میں آیا۔

بسم اللہ کی برکت ہی وہ نعمت ہے جسے انسان اگر زندگی میں پڑھتا رہے تو ثواب ہی ثواب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ کھانا کھانے سے پہلے اگر بسم اللہ پڑھ لی جائے تو انسان اپنے سب سے بڑے دشمن شیطان سے بچ جاتا ہے۔ اسی طرح جب مسلمان کو قبر میں اتارا جائے تو ''**بسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ** ''(صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھا جائے۔ (تفسیر روح البیان، معانی نعیمی)

قصہ اور واقعہ کا معنی ومفہوم

قصص، یہ مصدر ہے معنی ہیں کسی چیز کے پیچھے لگنا مطلب دلچسپ واقعہ ہے قصہ، محض کہانی یا طبع زاد افسانے کو نہیں کہا جاتا بلکہ ماضی میں گزر جانے والے واقعے کے بیان کو قصہ کہا جاتا ہے۔ یہ گویا ماضی کا واقعی اور حقیقی بیان ہے۔

ہم نے اس کتاب میں قرآن مجید سے، احادیث مبارکہ سے، کتب سیرت سے اور دیگر کئی مستند کتابوں سے بہت بڑی تعداد میں واقعات کو لکھ دیئے ہیں۔ جن سے انسان سے سبق، عبرت، خوف خدا کا جذبہ، ایمان کا جذبہ، عزت، غیرت، تقوی، خلوص، سچائی، ایمانداری، دیانتداری، خوش اخلاقی، حسن سلوک، ادب واحترام، شریعت کی پاسداری، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی

پاسداری، عاجزی وانکساری، زہد، جہاد، حیاء، صداقت، انصاف، شجاعت، شہادت اور اسی طرح ایک انسان اپنی زندگی کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک زندگی کے کئی اہم موڑ جہاں اس کو رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کتاب اس کیلئے باعث رہنما ہے۔

یقیناً واقعات کے نتائج اہل دنیا پر واضح ہیں۔ کہ کئی لوگ واقعات سے سبق حاصل کر کے اپنی زندگیوں کو سنوار چکے ہیں۔ کیونکہ واقعات کو سمجھنا اور اس کی حقیقت کو پالینے کے بعد ایک زندہ ضمیر انسان اس سے حاصل ہونے والے نتیجے کے باعث راہ راست اختیار کر لیتا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو میرے لئے، میرے والد گرامی اور تمام اہل اسلام قارئین کیلئے باعث رحمت ونجات کا سبب بنائے۔ آمین۔

﴿محمد لیاقت علی رضوی بن محمد صادق عثمانکا﴾

واقعات انبیائے کرامؑ

نبی اور رسول کی تعریف

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ نے اس کی طرف کی گئی وحی کی تبلیغ کیلئے بھیجا ہو۔ رسول کی بھی یہی تعریف ہے۔ اور ان میں کوئی فرق نہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ رسول وہ انسان ہے جس کے پاس شریعت ہو اور اس پر کتاب نازل کی گئی ہو یا اس کیلئے پہلی شریعت کا کچھ حصہ منسوخ کیا گیا ہو۔ (مسائرہ مع المسامرہ ص ۲۰۷، دائرہ معارف الاسلامیہ مکران)

رسول اور نبی میں فرق

علامہ تفتازانی نبی اور رسول کی مذکورہ دونوں تعریفیں لکھنے کے بعد لکھتے ہیں۔ رسول، نبی سے خاص ہے رسول وہ جس کی اپنی شریعت ہو اور اس کے پاس کتاب ہو، اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث میں رسولوں کی تعداد کتابوں سے زیادہ بیان کی گئی ہے۔ اس لئے رسول کی تعریف میں یہ تاویل کی گئی ہے کہ اس کے پاس کتاب ہو یا سابقہ شریعت میں سے کچھ احکام اس کیلئے مخصوص کیے گئے ہوں جیسے حضرت یوشع علیہ السلام۔ (شرح المقاصد ج ۵، ص ۶، ایران)

انبیاء کرام، رسولان عظام، کتابوں اور صحائف کی تعداد

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رسول کتنے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین سو تیرہ جم غفیر ہیں میں نے کہا بہت اچھے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آدمؑ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی ہے پھر ان کو اپنے سامنے بنایا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں آدم، شیث اور خنوخ، اور یہ ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا۔ اور نوح اور چار نبی عرب ہیں، ھود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی، اے ابوذر! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے کتابیں کتنی نازل کی ہیں؟ آپ نے فرمایا: سو صحیفے، چار کتابیں، شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے، خنوخ پر دس صحیفے نازل کیے گئے، ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے ہیں اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۱۶۷، بیروت)

نبی کی شرائط کا بیان

علامہ ابن ہمام نے نبی کی درج ذیل شرائط بیان کی ہیں۔(۱) نبی کا مذکر ہونا شرط ہے کیونکہ مؤنث ہونا نقص ہے۔(لہٰذا کوئی عورت نبی نہیں ہو سکتی۔اور نہ پہلے ہوئی)

(۲) عقل اور خلقت کے اعتبار سے نبی اپنے زمانے میں سب سے کامل ہو،لیکن یہ کمال بعثت کے وقت ضروری ہے کیونکہ بعثت سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ انہوں نے بعثت کے وقت لکنت کے ازالہ کیلئے دعا کی۔

(۳) ذہانت اور رائے کی درستگی کے اعتبار سے وہ سب سے کامل ہو کیونکہ نبی پوری قوم کے معاملات کا منتظم اور ان کی مشکلات کا مرجع ہوتا ہے۔(۴) نبی کے آباء واجداد میں کوئی ایسا وصف نہ ہو جس کی وجہ سے ان کو حقیر جانا جاتا ہو اور اس کی ماں کی عفت اور پارسائی پر تہمت نہ ہو(۵) نبی کا دل سخت نہ ہو، کیونکہ انسان کے جسم کے باقی جسم کی سلامتی کا مدار اس کے دل پر ہوتا ہے۔
(۶) نبی میں کوئی ایسی جسمانی بیماری یا عیب نہ ہو جس سے لوگ متنفر ہوتے ہوں جیسے برص، جذام۔(۷) وہ وقار کے خلاف اور معیوب کام نہ کرتا ہو جیسے بازاروں میں راستہ چلتے ہوئے کسی چیز کو کھانا۔(۸) جو پیشے لوگوں میں معیوب سمجھے جاتے ہوں جیسے حجامت کرنا، نبی ایسے پیشے نہ کرتا ہو۔ کیونکہ نبوت میں مخلوق میں سب سے زیادہ عزت والا منصب ہے۔تا کہ لوگ اسے احترام کی نگاہ سے دیکھیں۔اس لئے وہ وقار کے منافی کسی متبذل پیشے میں نہ ہو۔
(۹) اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد وہ کفر سے بالاجماع معصوم ہو۔(۱۰) نبی کے صدق کو ظاہر کرنے کیلئے معجزہ کا اظہار بھی شرط ہے۔

نبی علیہ السلام کی خصوصیات

علامہ حلیمی نے کتاب المنہاج میں لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا دوسرے انسانوں سے جسمانی اور روحانی قوتوں میں مختلف ہونا ضروری ہے۔(تفسیر کبیر، ج ۲، ۴۳۳، دار الفکر، بیروت) حواس ظاہرہ پانچ ہیں۔ ا۔قوت باصرہ۔۲قوت سامعہ۔۳قوت شامہ۔۴قوت ذائقہ۔۵قوت لامسہ۔

نبی علیہ السلام کی قوت باصرہ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام مقرب بندوں سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی قوت عطا فرمائی ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لئے تمام روئے زمین سمیٹ دی گئی ہے اور میں نے اس کے تمام مشارق و مغارب کو دیکھ لیا۔(صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۹۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

نبی علیہ السلام کی قوت سامعہ کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے بڑھ کر سننے کی قوت عطا فرمائی ہے۔جیسا کہ حدیث مبارکہ میں

ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ایک پتھر جہنم میں گرایا جارہا ہے جو ابھی تک جہنم کی تہہ تک نہیں پہنچا آپ نے اس کی آواز کو سنا۔

اسی طاقت کا اظہار حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ سے بھی ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے چیونٹی کی آواز کو سن لیا۔جب چیونٹی نے کہا"قالت نملة یا ایھا النمل ادخلو مساکنکم"**ترجمہ**:ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو!اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ قوت سامعہ کے ذریعے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس آواز کو سن لیا۔

نبی علیہ السلام کی قوت شامہ کا بیان

نبی علیہ السلام کو اللہ تعالی نے جو سونگھنے کی قوت دی ہے وہ بھی تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کا واقعہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو اپنی قمیص دی کہ اسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دو،اور قافلہ وہ قمیص لیکر روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:"انی لاجد ریح یوسف" (یوسف،۹۴) مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو کئی دنوں کی مسافت کے فاصلہ سے سونگھ لی تھی۔

نبی علیہ السلام کی قوت ذائقہ کا بیان

اسی طرح اللہ تعالی نے انبیاء کرام علیہم السلام کو چکھنے کی قوت بھی باقی تمام انسانوں سے افضل و اعلی عطا فرماتا ہے جس کی وجہ سے یہ مقدس ہستیاں دوسروں سے ممتاز ہوتی ہیں۔جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کا ایک ٹکڑا چکھا تو فرمایا:اس میں زہر ہے۔

نبی علیہ السلام کی قوت لامسہ کا بیان

صحیح بخاری کی حدیث مبارکہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت نماز میں جنت میں موجود انگور کے گوشوں کو پکڑ لینے کا ارادہ فرمایا۔اور اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوگئی۔

نبی علیہ السلام کی قوت محرکہ کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج پر جانا،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھالیا جانا حضرت ادریس اور حضرت الیاس کا آسمانوں پر اٹھایا جانا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور قرآن مجید میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مصاحب نے پلک جھپکنے سے پہلے تخت ان کے سامنے حاضر کردیا۔ترجمہ:جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں اس (تخت) کو آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لے آتا ہوں۔(النمل،۴۰)

جب اللہ نے اپنے نبی مکرم حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک امتی،ایک ولی کو اتنی قوت عطا فرمائی ہے تو اس سے اندازہ فرمائیں کہ اللہ تعالی نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو کس قدر قوت عطا فرمائی ہوگی۔**سبحان اللہ**

نبی علیہ السلام کی قوت حافظہ کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا وہ سب بیان فرمادیا اور اسی طرح جنتیوں کے

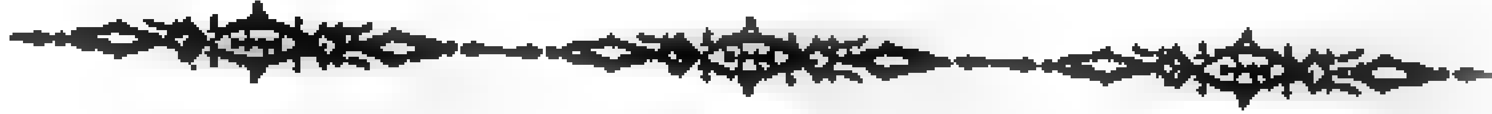
جنت میں جانے تک کے احوال اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے کے احوال بھی بیان فرمادیئے۔اسی طرح علم "ما کان وما یکون" یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت حافظہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

نبی علیہ السلام کی قوت متصرفہ کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب ہونے والے سورج کو واپس مقام عصر پر لائے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف ہے اور یہ شان جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نصیب فرمائی ہے اسے قوت متصرفہ کہتے ہیں۔

نبی علیہ السلام کی قوت جاذبہ کا بیان

اللہ تعالی اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو قوت وطاقت عطا فرماتا ہے جیسے وحی کا نازل ہونا اور وحی کے اس بوجھ کو اٹھانا یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی قوت جاذبہ کا کمال ہے جو وحی جیسے یا اللہ سے ہم کلام ہونے کی شدت کو برداشت کر لیتی ہے۔
اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کا دیدار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت جاذبہ کا کمال ہی تھا جس نے اپنے اندر اس قدر نور والی قدرت کو سمالیا۔



حضرت آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کے دن پیدا ہوئے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے سے جنات زمین میں آباد تھے۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں فرشتے بدھ کے دن پیدا ہوئے اور جنات کو جمعرات کے دن پیدا کیا اور جمعہ کے دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔

حضرت حسن اور حضرت قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی تھی کہ ابن آدم ایسا ایسا کریں گے اس بنا پر انہوں نے سوال کیا ابوجعفر محمد بن علی فرماتے ہیں بجل نامی ایک فرشتہ ہے جس کے ساتھی ہاروت ماروت تھے۔ اسے ہر دن تین مرتبہ لوح محفوظ پر نظر ڈالنے کی اجازت تھی۔

ایک مرتبہ اس نے آدم علیہ السلام کی پیدائش اور دیگر امور کا جب مطالعہ کیا تو چپکے سے اپنے ان دونوں ساتھیوں کو بھی اطلاع کر دی۔ اب جو اللہ تعالیٰ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا تو ان دونوں نے یہ سوال کیا لیکن یہ روایت غریب ہے اور صحیح مان لینے پر بھی ممکن ہے کہ ابوجعفر نے اسے اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے اخذ کیا ہو۔

پھر اس روایت میں ہے کہ دو فرشتوں نے یہ سوال کیا۔ یہ قرآن کی روانی عبارت کے بھی خلاف ہے۔ یہ بھی روایت مروی ہے کہ یہ کہنے والے فرشتے دس ہزار تھے اور وہ سب کے سب جلا دیئے گئے۔

فرشتوں کے علم کے امتحان کا واقعہ

امام ابن جریر فرماتے ہیں اس سوال کی انہیں اجازت دی گئی تھی اور یہ بھی معلوم کرا دیا گیا تھا کہ یہ مخلوق نافرمان بھی ہو گی تو انہوں نے نہایت تعجب کے ساتھ اللہ کی مصلحت معلوم کرنے کے لئے یہ سوال کیا نہ کہ کوئی مشورہ دیا یا انکار کیا یا اعتراض کیا ہو۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی پیدائش شروع ہوئی تو فرشتوں نے کہا نا ممکن ہے کہ کوئی مخلوق ہم سے زیادہ بزرگ اور عالم ہو تو اس پر یہ امتحان اللہ کی طرف سے آیا اور کوئی مخلوق ہم سے زیادہ بزرگ اور عالم ہو تو اس پر یہ امتحان اللہ کی طرف سے آیا اور کوئی مخلوق امتحان سے نہیں چھوٹی۔ زمین اور آسمان پر بھی امتحان آیا تھا اور انہوں نے سرخم کر کے اطاعت الٰہیہ کے لئے آمادگی ظاہر کی فرشتوں کی تسبیح و تقدیس سے مراد اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا نماز پڑھنا بے ادبی سے بچنا، بڑائی اور عظمت کرنا

ہے۔فرماں برداری کرنا سبوح قدوس وغیرہ پڑھنا ہے۔
قدس کے معنی پاک کے ہیں۔پاک زمین کو مقدس کہتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوتا ہے کہ کونسا کلام افضل ہے جواب دیتے ہیں وہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت کا بیان

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰۗىِٕكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِــُٔوْنِىْ بِاَسْمَاۗءِ هٰٓؤُلَاۗءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ، (البقرہ 31)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام (اشیاء کے) نام سکھائے پھر سب (اشیاء کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔
یہاں سے اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر بھی فضیلت دی۔
یہ واقعہ فرشتوں کے سجدہ کرنے کے بعد کا ہے لیکن اللہ کی جو حکمت آپ کے پیدا کرنے میں تھی اور جس کا علم فرشتوں کو نہ تھا اور اس کا اجمالی بیان اوپر کی آیت میں گزرا ہے اس کی مناسبت کی وجہ سے اس واقعہ کو پہلے بیان کیا اور فرشتوں کا سجدہ کرنا جو اس سے پہلے واقعہ ہوا تھا بعد میں بیان کر دیا تاکہ خلیفہ کے پیدا کرنے کی مصلحت اور حکمت ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شرافت اور فضیلت حضرت آدم کو اس لئے ملی کہ انہیں وہ علم حاصل ہے جس سے فرشتے خالی ہیں، فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام بتائے یعنی ان کی تمام اولاد کے علاوہ سب جانوروں، زمین، آسمان، پہاڑ، تری، خشکی، گھوڑے، گدھے، برتن، چرند، فرشتے، تارے وغیرہ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے نام بتائے گئے۔
امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ فرشتوں اور انسانوں کے نام معلوم کرائے گئے تھے کیونکہ اس کے بعد عرضھم آتا ہے اور یہ ذی عقل لوگوں کے لئے آتا ہے۔لیکن یہ کوئی ایسی معقول وجہ نہیں جہاں ذی عقل اور غیر ذی عقل جمع ہوتے ہیں وہاں جو لفظ لایا جاتا ہے وہ عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے ہی لایا جاتا ہے جیسے قرآن میں ہے آیت (وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ) 24 . النور:45) اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو پانی سے پیدا کیا جن میں سے بعض تو پیٹ کے بل گھسٹتے ہیں بعض دو پیروں پر چلتے ہیں بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے پس اس آیت سے ظاہر ہے کہ غیر ذی عقل بھی داخل ہیں مگر صیغے سب ذی عقل کے ہیں۔
علاوہ ازیں عرضھن بھی حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں ہے اور حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں عرضھا بھی ہے۔
صحیح قول یہی ہے کہ تمام چیزوں کے نام سکھائے تھے ذاتی نام بھی صفاتی نام بھی اور کاموں کے نام بھی، جیسے کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ گوز کا نام تک بھی بتایا گیا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور مٹی کو اٹھانے کا واقعہ

جنات کئی ہزار سال پہلے حضرت آدم کی پیدائش سے قبل دنیا پر آباد تھے۔پروردگار عالم جلالہ نے جب حضرت آدم علیہ السلام

کو پیدا کرنا چاہا تو حضرت جبرائیل کو فرمایا کہ روئے زمین سے ہر رنگ کی مٹی سفید سرخ سیاہ شور شیریں نرم سخت میں سے ایک مشت حال اُٹھا کر لا کہ میں ایک مخلوق پیدا کرتا ہوں۔ جب حضرت جبرائیل زمین کے پاس گئے اور چاہا کہ ایک مشت خاک اُٹھائے تو زمین نے پوچھا کس واسطے اتنی کم کرتا ہے۔

جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ اس سے ایک مخلوق پیدا کرے گا جو زمین پر رہیں گے نیک اور بد بھی ہونگے۔ عذاب اور ثواب اُن کے واسطے ہوگا۔ پھر زمین نے عرض کیا کہ میں اللہ کی عزت کی پناہ پکڑتی ہوں کہ تو مجھ سے مٹی نہ اُٹھا کیونکہ لوگ نافرمانی کی وجہ سے جہنم میں جلیں گے۔ حضرت جبرائیل زمین کی فریاد سن کر واپس چلے گئے اور عرض کی الٰہی زمین تیری عزت کی پناہ چاہتی ہے۔ میں تیرے نام کی عزت سے مٹی کو اُٹھا نہ سکا۔

پھر حق تعالیٰ جل جلالہ نے حضرت میکائیل کو بھیجا وہ بھی واپس آ گئے۔ پھر پروردگار عالم نے اسرافیل علیہ السلام کو بھیجا وہ بھی اسی طرح خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ پھر پروردگار عالم نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا تو عزرائیل علیہ السلام نے زمین کی منت سماجت وزاری نہ سنی اور کہا کہ میں اللہ کے حکم کو تیری منت وزاری پر نہیں چھوڑ سکتا۔ میں خدا تعالیٰ کا تابعدار ہوں۔ ملک الموت فرشتہ مٹی لیکر واپس آ گیا پھر اللہ نے روحوں کے قبض کرنے کا کام اسی کے سپرد کیا۔

انتالیس دن غم اور ایک دن کی خوشی کی بارش کا واقعہ

پھر چالیس دن اس پر بارش کرنے کیلئے کعبہ مکرمہ میں رکھنے کا حکم دیا۔ انتالیس دن غم اور ایک دن خوشی کی بارش برسائی گئی فرشتوں نے خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسی خاک کا گارا بنایا پھر وہ کیچڑ خشک کیا گیا۔ جیسا کمہار برتن خشک پر وہ برتن آواز کرتا ہے پھر اس گارے کو خدا کے حکم سے وادی لقمان جو مکہ اور طائف کے راستے عرفات سے متصل ہے۔ لے جا کر فرشتوں نے ڈالا۔ پھر اللہ نے اپنے دست قدرت سے اس گارے سے حضرت آدم علیہ السلام کا خوبصورت قالب بنایا پھر فرشتے اس قالب کو دیکھکر حیران ہو گئے اس کے گرداگرد پھرتے رہے اور ابلیس بھی اس قالب کو دیکھنے آیا اور تعجب سے کہا کہ یہ اندر جسم خالی ہے جگہ جگہ خلل ہیں۔ یہ بغیر سیر ہونے پر نہ ہوگا اور سیر ہو گیا تو پھٹ جائے گا اور چلنے پھرنے میں سُست ہوگا۔ اور اس سے کوئی کام نہ ہو سکے گا۔ مگر جب سینہ بائیں طرف سے دیکھا تو کہنے لگا کہ یہ حجرہ بغیر دروازہ کے ہے۔

روح کے سر کی جانب سے داخل ہونے کا واقعہ

میں نہیں جانتا کہ اس میں کیا چیز پوشیدہ ہے شاید یہ وہی لطیفہ ربانی ہے کہ جس کے سبب سے خلافت کو استحقاق حاصل کرے بعض روایات میں ہے کہ غالباً چالیس سال تک وہاں ہی بے جان پڑا رہا جب پروردگار عالم نے چاہا تو اس قالب میں روح کو داخل ہونے کا حکم دیا۔ حکم دیا داخل ہو جا اے روح اس بدن میں جب روح کے حکم سے سر کی طرف داخل ہوتی ہے تو جہاں جہاں تک روح پہنچتی گئی وہ خاکی بدن جو ٹھیکری کی طرح تھا گوشت پوست ہڈی سے بدلتا گیا جب روح ستر تک پہنچی تو حضرت آدم نے اُٹھنے کا ارادہ کیا تو زمین پر گر گیا۔

پھر اللہ نے فرمایا پیدا کیا گیا جلد باز انسان پھر اسی حالت میں آدم علیہ السلام کو چھینک بھی آئی تو الہام الٰہی سے آدم علیہ السلام نے کہا کہ الحمد للہ اسکے جواب میں اللہ نے فرمایا یَرحمُکَ اللہ یعنی تیرے پر اللہ رحم کرے۔ اسکے بعد اللہ کے حکم سے ایک فرشتہ بہشت سے ایک جوڑ الایا اور آدم علیہ السلام کو خلعت الٰہی سے مشرف و مکرم کیا اور عزت و احترام سے تخت پر جمعہ المبارک کے دن بٹھایا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت وخلافت کا اعزاز

حضرت آدم علیہ السلام کی اس بہت بڑی بزرگی کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا بہت بڑا احسان فرمایا اور خبر دی کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ اس کی تصدیق میں بہت سی حدیثیں ہیں ایک تو حدیث شفاعت جو ابھی بیان ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے کرا دیجئے جو خود بھی جنت سے نکلے اور ہم سب کو بھی نکالا۔ جب دونوں پیغمبر جمع ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم وہ آدم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح تم میں بھی پھونکی اور اپنے فرشتوں سے تمہیں سجدہ کرایا۔

ابن عباس فرماتے ہیں ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلہ میں سے تھا جنہیں جن کہتے تھے جو آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے تھے۔ اس کا نام حارث تھا اور جنت کا خازن تھا۔ اس قبیلے کے سوا اور فرشتے سب کے سب نوری تھے۔ قرآن نے بھی ان جنوں کی پیدائش کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے آیت (وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ) 55 . الرحمن: 15) آگ کے شعلے کی جو تیزی سے بلند ہوتے ہیں اسے مارج کہتے ہیں جس سے جن پیدا کئے گئے تھے اور انسان مٹی سے پیدا کیا گیا۔ زمین میں پہلے جن بستے تھے۔

جنات کے فساد کے سبب ہلاکت کا بیان

انہوں نے فساد اور خون ریزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرشتوں کا لشکر دے کر بھیجا انہی کو "جن" کہا جاتا تھا۔ ابلیس نے لڑ بھڑ کر مارتے اور قتل کرتے ہوئے انہیں سمندر کے جزیروں اور پہاڑوں کے دامنوں میں پہنچا دیا اور ابلیس کے دل میں یہ تکبر سما گیا کہ میں نے وہ کام کیا ہے جو کسی اور سے نہ ہو سکا۔ چونکہ دل کی اس بدی اور اس پوشیدہ خودی کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تھا۔ جب پروردگار نے فرمایا کہ زمین میں خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں تو ان فرشتوں نے عرض کیا کہ ایسے کو کیوں پیدا کرتا ہے جو اگلی قوم کی طرح فساد و خونریزی کریں تو انہیں جواب دیا گیا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی ابلیس کے دل میں جو کبر و غرور ہے اس کا مجھی کو علم ہے تمہیں خبر نہیں پھر آدم علیہ السلام کی مٹی اٹھائی گئی جو چکنی اور اچھی تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام کے جسد خاکی کے حوال کا بیان

جب اس کا خمیر اٹھا تب اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور چالیس دن تک وہ یونہی پتلے

کی شکل میں رہے ابلیس آتا تھا اور اس پر لاتا مار کر دیکھتا تھا تو وہ بجتی مٹی ہوتی جیسے کوئی کھوکھلی چیز ہو پھر منہ کے سوراخ سے گھس کر پیچھے کے سوراخ سے اور اس کے خلاف آتا جاتا رہا اور کہتا رہا کہ درحقیقت یہ کوئی چیز نہیں اور اگر میں اس پر مسلط کیا گیا تو اسے برباد کر کے چھوڑ دوں گا اور اسے مجھ پر مسلط کیا گیا تو اسے برباد کر کے چھوڑ دوں گا اور اسے مجھ پر مسلط کیا گیا تو میں ہرگز تسلیم نہ کروں گا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان میں روح پھونکی اور وہ سر کی طرف سے نیچے کی طرف آئی تو جہاں جہاں تک پہنچتی گئی خون گوشت بنتا گیا۔ جب ناف تک روح پہنچی تو اپنے جسم کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فوراً اٹھنا چاہا لیکن نیچے کے دھڑ میں روح نہیں پہنچی تھی اس لئے اٹھ نہ سکے اسی جلدی کا بیان اس آیت میں ہے آیت (وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا) 17۔الاسراء:11) یعنی انسان بے صبرا اور جلد باز ہے نہ تو خوشی نہ رنج میں۔ جب روح جسم میں پہنچی اور چھینک آئی تو کہا آیت (الحمد للہ رب العلمین) اللہ تعالیٰ نے جواب دیا دعا (یرحمک اللہ) پھر صرف ابلیس کے ساتھی فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا لیکن ابلیس کا وہ غرور و تکبر ظاہر ہو گیا اس نے نہ مانا اور سجدے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں اس سے بڑی عمر والا ہوں۔ اور اس سے قوی اور مضبوط ہوں۔ یہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں اور آگ مٹی سے قوی ہے۔ اس کے انکار پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے ناامید کر دیا اور اسی لئے اسے ابلیس کہا جاتا ہے۔ اس کی نافرمانی کی سزا میں اسے راندہ درگاہ شیطان بنا دیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو انسان جانور زمین سمندر پہاڑ وغیرہ کے نام بتا کر ان کو ان فرشتوں کے سامنے پیش کیا جو ابلیس کے ساتھی تھے اور آگ سے پیدا شدہ تھے اور ان سے فرمایا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ میں زمین میں اسے خلیفہ نہ بناؤں تو ذرا مجھے ان چیزوں کے نام تو بتا دو۔ جب ان فرشتوں نے دیکھا کہ ہماری اگلی بات سے الہ العالمین ناراض ہے تو وہ کہنے لگے کہ اللہ عزوجل تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے سوا کوئی اور غیب کو جانے ہماری توبہ ہے اور اقرار ہے کہ ہم غیب داں نہیں۔ ہم تو صرف وہی جان سکتے ہیں جس کا علم تو ہمیں دے دے۔ جیسے تو نے ان کے نام صرف حضرت آدم علیہ السلام کو ہی سکھائے ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم انہیں ان تمام چیزوں کے نام بتا دو چنانچہ انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا اے فرشتو! کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان و زمین کے غیب کا جاننے والا صرف میں اکیلا ہی ہوں اور کوئی نہیں۔ میں ہر پوشیدہ چیز کو بھی ویسا ہی جانتا ہوں جیسے ظاہر کو اور تم سب اس سے بے خبر ہو۔

مٹی کے مختلف رنگوں کے سبب اختلاف رنگ و نسل کا بیان

ایک اور حدیث میں بھی اسی طرح مروی ہے جس کے متن میں کچھ کمی زیادتی بھی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ زمین کی مٹی لینے کے لئے جب حضرت جبرائیل گئے تو زمین نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں کہ تو مجھ میں سے کچھ گھٹائے وہ واپس چلے گئے پھر ملک الموت کو بھیجا۔ زمین نے ان سے بھی یہی کہا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اللہ کا حکم پورا کئے بغیر واپس چلا جاؤں چنانچہ انہوں نے تمام روئے زمین سے ایک ایک مٹھی مٹی لی۔ چونکہ مٹی کا رنگ کہیں سرخ تھا

کہیں سفید کہیں سیاہ اسی وجہ سے انسانوں کی رنگتیں بھی طرح طرح کی ہوئیں لیکن یہ روایت بھی بنو اسرائیل کی روایات سے ماخوذ ہے غالباً اس میں بہت سی باتیں پیچھے کے لوگوں کی ملائی گئی ہیں۔ صحابی کا بیان ہی نہیں اگر صحابی کا قول بھی ہو تو بھی انہوں نے بعض اگلی کتابوں سے لیا ہوگا۔

ابلیس کا تعارف اور انکار سجدے کا بیان

حاکم اپنی مستدرک میں بہت سی ایسی روایتیں لائے ہیں اور ان کی سند کو بخاری سے مشروط کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم حضرت آدم کو سجدہ کرو تو اس خطاب میں ابلیس بھی داخل تھا اس لئے کہ گو وہ ان میں سے نہ تھا لیکن ان ہی جیسا اور ان ہی جیسے کام کرنے والا تھا اس لئے اس خطاب میں داخل تھا اور پھر نافرمانی کی سزا بھگتی۔

ابن عباس کہتے ہیں نافرمانی سے پہلے وہ فرشتوں میں تھا۔ عزازیل اس کا نام تھا زمین پر اس کی رہائش تھی اجتہاد اور علم میں بہت بڑا تھا اور اسی وجہ سے دماغ میں رعونت تھی اور اس کی جماعت کا اور اس کا تعلق جنوں سے تھا۔ اس کے چار پر تھے۔ جنت کا خازن تھا زمین اور آسمان دونوں کا سلطان تھا۔

حضرت حسن فرماتے ہیں۔ ابلیس کبھی فرشتہ نہ تھا اس کی اصل جنات سے ہے جیسے کہ آدم کی اصل انس سے ہے اس کی اسناد صحیح ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور شہر بن حوشب کا بھی یہی قول ہے۔

سعد بن مسعود کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنات کو جب مارا تب اسے قید کیا تھا اور آسمان پر لے گئے تھے وہاں کی عبادت کی وجہ سے رہ پڑا۔ ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ایک مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا انہیں حضرت آدم کو سجدہ کرنے کو کہا۔ انہوں نے انکار کیا جس پر وہ جلا دیئے گئے پھر دوسری مخلوق پیدا کی ان کا بھی یہی حشر ہوا پھر تیسری مخلوق پیدا کی انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔

ابلیس کی ابتداء آفرینش ہی کفر و ضلالت پر تھی کچھ دن ٹھیک ٹھاک رہا لیکن پھر اپنی اصلیت پر آ گیا۔ سجدہ کرنے کا حکم بجالانا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آدم علیہ السلام کا اکرام تھا۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ سجدہ سلام اور عزت و اکرام کا تھا جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے۔ کہ انہوں نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھالیا اور سب کے سب سجدہ میں گر پڑے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ابا یہی میرے اس خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچا کر دکھایا۔ اگلی امتوں میں سجدہ تعظیم جائز تھا لیکن ہمارے دین میں یہ منسوخ ہو گیا۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں کو اپنے سرداروں اور علماء کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دینے والا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ ان کا ان پر بہت بڑا حق ہے۔

امام رازی نے اسی کو ترجیح دی ہے بعض کہتے ہیں کہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تھا۔ حضرت آدم بطور قبلہ (یعنی سمت) کے تھے

جیسے قرآن کریم میں ہے آیت (اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ) 17 ۔ الاسراء: 78)
لیکن اس میں بھی اختلاف ہے اور پہلے ہی قول کا زیادہ صحیح ہونا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ یہ سجدہ حضرت آدم کے اکرام بڑائی احترام اور سلام کے طور پر تھا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ماتحت تھا کیونکہ اس کا حکم تھا جس کی بجا آوری ضروری تھی۔ امام رازی نے بھی اسی قول کو قوی قرار دیا ہے اور اس کے سوا دوسرے اقوال کو ضعیف قرار دیا ہے ایک تو حضرت آدم علیہ السلام کا بطور قبلہ کے ہونا جس میں کوئی بڑا شرف ظاہر نہیں ہوتا۔ دوسرے سجدے سے مراد پست عاجز ہونا نہ کہ زمین میں ماتھا لگا کر حقیقی سجدہ کرنا لیکن یہ دونوں تاویلیں ضعیف ہیں۔

سب سے پہلا گناہ تکبر اور تعظیم نبوت سے انکار تھا

حضرت قتادہ فرماتے ہیں سب سے پہلا گناہ یہی تکبر ہے جو ابلیس سے سرزد ہوا۔ صحیح حدیث میں ہے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اسی تکبر کفر و عناد کی وجہ سے ابلیس کے گلے میں طوق لعنت پڑا اور رحمت سے مایوس ہو کر جناب باری سے دھتکارا گیا۔ یہاں "کان صار" کے معنی میں بتلایا گیا ہے جیسے کہ آیت (فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ) 11 ۔ ھود: 43) اور آیت (فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ) 7۔ الاعراف: 19) شاعروں کے شعروں میں بھی اس کا ثبوت ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ کافر ہو گیا ابن فورک کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کافروں میں سے تھا۔

محض خرق عادات واقعات کا سرزد ہونا موجب کرامت نہیں

امام قرطبی اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہاں ایک مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے ہاتھ سے کچھ کرامتیں سرزد ہو جانا اس کے ولی اللہ ہونے کی دلیل نہیں گو بعض صوفی اور رافضی اس کے خلاف بھی کہتے ہیں کہ اس لئے کہ ہم اس بات کا کسی کے لئے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ ایمان ہی کی حالت میں اللہ سے جا ملے گا اسی شیطان کو دیکھئے ولی ہی نہیں بلکہ فرشتہ بنا ہوا تھا لیکن آخر سردار کفر و کفار ہو گیا۔

علاوہ ازیں ایسی خلاف عادت و عقل باتیں جو بظاہر کرامات نظر آتی ہیں اولیاء اللہ کے سوا اور لوگوں کے ہاتھوں سے بھی سرزد ہوتی ہیں بلکہ فاسق فاجر مشرک کافر سے بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت (فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ) 44 ۔ الدخان: 10) کی آیت دل میں سوچ کر جب ابن صیاد کافر سے پوچھا کہ میں نے کیا سوچا ہے تو اس نے کہا تھا دخ۔ بعض روایات میں ہے کہ غصہ کے وقت وہ اتنا پھول جاتا کہ اس کے جسم سے تمام راستہ رک جاتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے اسے مارا۔ دجال کی تو ایسی بہت سی باتیں احادیث میں وارد ہیں مثلاً اس کا آسمان سے بارش برسانا زمین سے پیداوار اگانا زمین کے خزانوں کا اس کے پیچھے لگنا ایک نوجوان کو قتل کر کے پھر جلانا وغیرہ وغیرہ۔

حضرت لیث بن سعد اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر تم کسی کو پانی پر چلتے ہوئے اور ہواؤں میں اڑتے ہوئے دیکھو تو اسے ولی نہ سمجھ بیٹھو جب تک کہ اس کے تمام اعمال و افعال قرآن و حدیث کے مطابق نہ پاؤ۔ اس سجدے کا حکم زمین و

آسمان کے تمام فرشتوں کو تھا گو ایک جماعت کا قول یہ بھی ہے کہ صرف زمین کے فرشتوں کو یہ حکم تھا لیکن یہ ٹھیک نہیں قرآن کریم میں ہے آیت (فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ 30 اِلَّآ اِبْلِيْسَ) 15 . الحجر:31-30) یعنی ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا پس اول تو جمع کا صیغہ لانا پھر "کلھم" سے تاکید کرنا پھر "اجمعون" کہنا اس کے بعد صرف ابلیس کا استثناء کرنا ان چاروں وجوہات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم عام تھا۔

حضرت حواء علیہا السلام کی پیدائش کا بیان

جنت میں رہنے سے پہلے حضرت حوا پیدا کی گئی تھیں۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اہل کتاب وغیرہ کے علماء سے بروایت ابن عباس مروی ہے کہ ابلیس کے مردود قرار دینے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ظاہر کر کے پھر ان پر اونگھ کی فوقیت طاری کر دی گئی اور ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا۔ جب آنکھ کھول کر حضرت آدم نے انہیں دیکھا تو اپنے خون اور گوشت کی وجہ سے ان میں انس و محبت ان کے دل میں پیدا ہوئی۔ پھر پروردگار نے انہیں ان کے نکاح میں دیا اور جنت میں رہائش کا حکم عطا فرمایا۔ بعض کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد حضرت حوا پیدا کی گئیں۔

حضرت ابن عباس ابن مسعود وغیرہ صحابہ سے مروی ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکالنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جگہ دی گئی۔ لیکن تن تنہا تھے اس وجہ سے ان کی نیند میں حضرت حوا کو ان کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ جاگے، انہیں دیکھا تو پوچھا تم کون ہو اور کیوں پیدا کی گئی ہو؟ حضرت حوا نے فرمایا میں ایک عورت ہوں اور آپ کے ساتھ رہنے اور تسکین کا سبب بننے کے لئے پیدا کی گئی ہو تو فوراً فرشتوں نے پوچھا فرمایئے ان کا نام کیا ہے؟ حضرت آدم نے کہا "حوا" انہوں نے کہا اس نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ فرمایا اس لئے کہ یہ ایک زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی آواز آئی، اے آدم اب تم اور تمہاری بیوی جنت میں با آرام و اطمینان رہو اور جو چاہو کھاؤ۔ لیکن ایک خاص درخت سے روکنا دراصل امتحان تھا۔

بعض کہتے ہیں یہ انگور کی بیل تھی۔ کوئی کہتا ہے۔ گیہوں کا درخت تھا۔ کسی نے سنبلہ کہا ہے۔ کسی نے کھجور، کسی نے انجیر کہا ہے۔ کسی نے کہا ہے اس درخت کے کھانے سے انسانی حاجت ہوتی تھی جو جنت کے لائق نہیں۔ کسی نے کہا ہے، اس درخت کا پھل کھا کر فرشتے ہمیشہ کی زندگی پا گئے ہیں۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کوئی ایک درخت تھا جس سے اللہ نے روک دیا۔ نہ قرآن سے اس کا تعین ثابت ہوتا ہے نہ کسی صحیح حدیث سے۔ مفسرین میں اختلاف ہے اور اس کے معلوم ہونے سے کوئی اہم فائدہ اور نہ معلوم ہونے سے کوئی نقصان نہیں۔
(تفسیر ابن جریر)

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کیسے قبول ہوئی

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین پر آنے کے بعد تین سو برس تک ندامت کی وجہ سے سر اٹھا کر آسمان کی طرف نہیں دیکھا اور روتے ہی رہے۔

روایت ہے کہ اگر تمام انسانوں کے آنسو جمع کیے جائیں، تو اتنے نہیں ہوں گے، جتنے آنسو حضرت داؤد علیہ السلام کے خوفِ الٰہی سے زمین پر گرے اور اگر تمام انسانوں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے آنسوؤں کو جمع کیا جائے، تو حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو ان سب لوگوں سے زیادہ ہوں گے۔ (تفسیر صاوی، البقرۃ) بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ پڑھ کر دعا مانگی کہ

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّهٗ لَايَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ ۔

یعنی اے اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔ تیرا نام برکت والا ہے اور تیری بزرگی بہت ہی بلند مرتبہ ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو بخش دے۔ (تفسیر جمل علی الجلالین، بقرہ)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ دعا کی۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا اور اگر تو ہمیں رحم فرما کر نہ بخشے گا، تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (تفسیر جلالین، ص، پ، الاعراف)

لیکن حاکم و طبرانی و ابونعیم و بیہقی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پر عتابِ الٰہی ہوا، تو آپ توبہ کی فکر میں حیران تھے۔ ناگہاں اس پریشانی کی عالم میں یاد آیا کہ وقت پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا کہ عرش پر لکھا ہوا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اسی وقت میں نے سمجھ لیا تھا کہ بارگاہِ الٰہی میں وہ مرتبہ کسی کو میسر نہیں، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ ملا کر عرش پر تحریر فرمایا ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنی دعا میں رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا کے ساتھ یہ عرض کیا کہ اسئلك بحق محمد ان تغفرلی اور ابن منذر کی روایت میں یہ کلمات بھی ہیں کہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَكَرَامَتِهٖ عَلَيْكَ اَنْ تَغْفِرَلِيْ خَطِيْئَتِيْ

یعنی اے اللہ! تیرے بندہ خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ و مرتبہ کے طفیل میں اور ان کی بزرگی کے صدقے میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے، میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ کو بخش دے۔ یہ دعا کرتے ہی حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمادی اور توبہ مقبول ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، پ، البقرۃ)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ، (پ 1، البقرۃ: 37))

پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے، تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی، بیشک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

حضرت آدم علیہ السلام کی قبولیت توبہ اور وسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو انہوں نے اللہ کے حضور معروضہ کیا: اے میرے پروردگار! میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں تو مجھے بخش دے، اللہ تعالی نے فرمایا: اے آدم! تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جانتے ہو ابھی تو وہ دنیا میں تشریف نہیں لائے ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! تو نے جب مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور اپنی روح خاص مجھ میں پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ قوائم عرش پر

" لا إله إلا الله محمد رسول الله "

لکھا ہوا پایا، تو میں جان گیا کہ تو نے اپنے نام مبارک کے ساتھ انہیں کا نام پاک ملایا ہے جو ساری مخلوق میں سب سے زیادہ تجھے پسندیدہ ومحبوب ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ کہا، بیشک وہ ساری مخلوق میں میرے پاس سب سے زیادہ محبوب ترین ہیں، تم ان کے وسیلہ سے دعا کرو میں ضرور تم کو مغفرت عطا کروں گا، اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے وسیلہ سے بحق فلاں وبجاہ فلاں کہہ کر دعا مانگنی جائز اور حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ دسویں محرم کو قبول ہوئی، جنت سے نکلتے وقت دوسری نعمتوں کے ساتھ عربی زبان بھی،

☆ مستدرك على الصحيحين، كتاب تواريخ المتقدمين من الأنبياء والمرسلين، حديث نمبر: 4194-☆ معجم اوسط طبراني حديث نمبر: 6690-☆ معجم صغير طبراني، باب الميم، من اسمه محمد، حديث نمبر: 989 ☆ دلائل النبوة للبيهقي، جماع أبواب غزوة تبوك،اب ما جاء في تحدث رسول الله صلى الله عليه وسلم بنعمة ربه عز وجل، حديث نمبر: 2243 - ☆ مجمع الزوائد، ج، 8ص،198 ،حديث نمبر: 13917- ☆ جامع الاحاديث والمراسيل ,مسند على بن ابى طالب، حديث نمبر: 33457-☆ كنز العمال، كتاب الفضائل من قسم الأفعال ،الفصل الثالث في فضائل متفرقة تنبيء عن التحدث بالنعم، حديث نمبر: 32138 --- ☆ تفسير در منثور , سورة البقرة: 37-- ☆ تفسير الكشف والبيان للثعلبي، سورة البقرة : 37-- ☆ تفسير روح البيان، ج، 2،ص:376،سورة المائدة: 16--- ☆ الشريعة لابى بكر محمد بن الحسين بن عبد الله الآجُرِّيُّ البغدادى(متوفى 360 هـ) كتاب الإيمان والتصديق بان الجنة والنار مخلوقتان، حديث نمبر: 938-☆ المواهب اللدنية ,ج,1,ص,82,-☆ شرح المواهب للزرقاني,ج,1,ص119,-- ☆ خصائص كبرى ،باب خصوصيته صلى الله عليه وسلم بكتابة اسمه الشريف مع اسم الله تعالى على العرش وسائر ما في الملكوت-- ☆ سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد , جماع أبواب بعض الفضائل والآيات الواقعة قبل مولده صلى الله عليه وسلم, الباب الخامس في كتابة أسمه الشريف مع اسم الله تعالى على العرش ،ج1ص85-☆ السيرة النبوية لابن كثير، ج، 1 ص،320-- ☆ خلاصة الوفا باخبار دار المصطفى صلى الله عليه واله وسلم , الفصل الثاني " في توسل الزائر به صلى الله عليه وسلم إلى ربه تعالى-- ☆ البداية والنهاية لابن كثير باب خلق آدم عليه السلام -☆حجة الله على العلمين في معجزات سيد المرسلين صلى الله عليه واله وسلم ، 23-☆ الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيتمى . مطلب في جماعة يصلون على النبي، النبى صلى الله عليه وسلم-☆ تاريخ دمشق لابن عساكر، حرف الألف،

آپ سے بھلا دی گئی تھی اور بجائے اس کے سریانی زبان آپ کی زبان پر جاری کر دی گئی تھی۔ مگر توبہ قبول ہونے کے بعد پھر عربی زبان بھی آپ کو عطا کر دی گئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص، پ، البقرۃ)

(۳) چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا اجتہادی تھی اور اجتہادی خطا معصیت نہیں ہے۔ اس لئے جو شخص حضرت آدم علیہ السلام کو عاصی یا ظالم کہے گا، وہ نبی کی توہین کے سبب سے کافر ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے۔ وہ اپنے بندہ خاص حضرت آدم علیہ السلام کو جو چاہے، فرمائے۔ اس میں ان کی عزت ہے۔ دوسرے کی کیا مجال کہ خلاف ادب کوئی لفظ زبان پر لائے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے کلمات کو دلیل بنائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم و توقیر اور ان کے ادب و اطاعت کا حکم فرمایا ہے۔

لہٰذا ہم پر یہی لازم ہے کہ ہم حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے تمام انبیاء کرام کا ادب و احترام لازم جانیں اور ہرگز ہرگز ان حضرات کی شان میں کوئی ایسا لفظ نہ بولیں، جس میں ادب کی کمی کا کوئی شائبہ بھی ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور چالیس سال ہبہ کرنے کا واقعہ

آدم علیہ السلام کی عمر اللہ تعالیٰ نے ہزار سال رکھی تھی۔ آدم نے چالیس سال اپنی عمر میں سے داؤد علیہ السلام کو ہبہ کیے تھے۔

جب آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی تو ملک الموت ان کے پاس آیا آدم علیہ السلام نے کہا کیا میری عمر کے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ ملک الموت نے کہا آپ نے چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دئیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم علیہ السلام نے انکار کیا ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے وہ بھول گئے ان کی اولاد بھی بھولتی ہے۔ (ترمذی)

بہرحال اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال کر دی اور داؤد علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ سال کر دی۔ (ابوداؤد)

ہابیل کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک بیٹا دیا انہوں نے ان کا نام شیث علیہ السلام رکھا۔ اور اپنی وفات سے پہلے شیث علیہ السلام کو وصیت کی۔ جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔ فرشتے اپنے ساتھ کفن اور خوشبو لے کر آئے تھے۔ پھر فرشتوں نے انہیں غسل دیا، کفن پہنایا، اور نماز جنازہ پڑھی، قبر کھودی اور لحد میں دفن کیا۔ پھر کہا اے بنی آدم یہ ہے تکفین و تدفین وغیرہ کا طریقہ۔ (حاکم، طبرانی کبیر) آدم علیہ السلام کا انتقال جمعہ کے روز ہوا۔ (صحیح ابن خزیمہ)

قابیل و ہابیل اور واقعہ قتل

روئے زمین پر سب سے پہلا قاتل قابیل اور سب سے پہلا مقتول ہابیل ہے "قابیل و ہابیل" یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ ان دونوں کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حواء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ اور ایک حمل کے لڑکے کا دوسرے حمل کی لڑکی سے نکاح کیا جاتا تھا۔ اس دستور کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کا نکاح "لیوذا" سے جو ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی کرنا چاہا۔ مگر قابیل اس پر راضی نہ ہوا کیونکہ اقلیما زیادہ خوبصورت تھی اس لئے وہ

اس کا طلب گار ہوا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو سمجھایا کہ اقلیما تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے وہ تیری بہن ہے۔ اس کے ساتھ تیرا نکاح نہیں ہوسکتا۔ مگر قابیل اپنی ضد پر اڑا رہا۔ بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ تم دونوں اپنی اپنی قربانیاں خداوند قدوس عزوجل کے دربار میں پیش کرو۔ جس کی قربانی مقبول ہوگی وہی اقلیما کا حق دار ہوگا۔ اس زمانے میں قربانی کی مقبولیت کی یہ نشانی تھی کہ آسمان سے ایک آگ اتر کر اس کو کھا لیا کرتی تھی۔ چنانچہ قابیل نے گیہوں کی کچھ بالیں اور ہابیل نے ایک بکری قربانی کے لئے پیش کی۔

آسمانی آگ نے ہابیل کی قربانی کو کھالیا اور قابیل کے گیہوں کو چھوڑ دیا۔ اس بات پر قابیل کے دل میں بغض و حسد پیدا ہوگیا اور اس نے ہابیل کو قتل کر دینے کی ٹھان لی اور ہابیل سے کہہ دیا کہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا۔ ہابیل نے کہا کہ قربانی قبول کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور وہ متقی بندوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اگر تو متقی ہوتا تو ضرور تیری قربانی قبول ہوتی۔ ساتھ ہی ہابیل نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تو میرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تجھ پر اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلے پڑیں اور تو دوزخی ہو جائے کیونکہ بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔ آخر قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔ بوقت قتل ہابیل کی عمر بیس برس کی تھی اور قتل کا یہ حادثہ مکہ مکرمہ میں جبل ثور کے پاس یا جبل حرا کی گھاٹی میں ہوا۔ اور بعض کا قول ہے کہ بصرہ میں جس جگہ مسجد اعظم بنی ہوئی ہے منگل کے دن یہ سانحہ ہوا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

زمین پر پہلے قتل کی وجہ سے سات دن تک زلزلہ جاری رہا

روایت ہے کہ جب ہابیل قتل ہو گئے تو سات دنوں تک زمین میں زلزلہ رہا۔ اور وحوش و طیور اور درندوں میں اضطراب اور بے چینی پھیل گئی اور قابیل جو بہت ہی گورا اور خوبصورت تھا بھائی کا خون بہاتے ہی اس کا چہرہ بالکل کالا اور بدصورت ہوگیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو بے حد رنج و قلق ہوا۔ یہاں تک کہ ہابیل کے رنج و غم میں ایک سو برس تک کبھی آپ کو ہنسی نہیں آئی۔ اور سریانی زبان میں آپ نے ہابیل کا مرثیہ کہا جس کا عربی اشعار میں ترجمہ یہ ہے۔

تَغَيَّرَتِ الْبِلَادُ وَمَنْ عَلَيْهَا فَوَجْهُ الْاَرْضِ مُغْبَرٌّ قَبِيْحٌ
تَغَيَّرَ كُلُّ ذِيْ لَوْنٍ وَطَعْمٍ وَقَلَّ بَشَاشَةُ الْوَجْهِ الصَّبِيْحِ

تمام شہروں اور اُن کے باشندوں میں تغیر پیدا ہوگیا اور زمین کا چہرہ غبار آلود اور قبیح ہوگیا۔ ہر رنگ اور مزہ والی چیز بدل گئی اور گورے چہرے کی رونق کم ہوگئی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے شدید غضب ناک ہو کر قابیل کو پھٹکار کر اپنے دربار سے نکال دیا اور وہ بدنصیب اقلیما کو ساتھ لے کر یمن کی سرزمین "عدن" میں چلا گیا۔ وہاں ابلیس اس کے پاس آکر کہنے لگا کہ ہابیل کی قربانی کو آگ نے اس لئے کھالیا کہ وہ آگ کی پوجا کیا کرتا تھا لہٰذا تو بھی ایک آگ کا مندر بنا کر آگ کی پرستش کیا کر۔ چنانچہ قابیل پہلا وہ شخص ہے جس نے آگ کی

عبادت کی۔اور یہ روئے زمین پر پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور سب سے پہلے زمین پر خون ناحق کیا اور یہ پہلا وہ مجرم ہے جو جہنم میں سب سے پہلے ڈالا جائے گا۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ روئے زمین پر قیامت تک جو بھی خون ناحق ہوگا قابیل اس میں حصہ دار ہوگا کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا دستور نکالا اور قابیل کا انجام یہ ہوا کہ اس کے ایک لڑکے نے جو کہ اندھا تھا اس کو ایک پتھر مار کر قتل کر دیا اور یہ بدبخت نبی زادہ ہونے کے باوجود آگ کی پرستش کرتے ہوئے کفر و شرک کی حالت میں اپنے لڑکے کے ہاتھ سے مارا گیا۔

(روح البیان، ج، ص، پ، المائدۃ)

قتل ہابیل میں حسد کے نقصانات کے مختلف پہلوؤں کا واقعہ

مفسرین کے اقوال حسب ذیل ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد کے نکاح کا قاعدہ جو اوپر مذکور ہوا بیان فرمانے کے بعد مروی ہے کہ بڑا بھائی قابیل کھیتی کرتا تھا اور ہابیل جانوروں والا تھا، قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوب رو تھی۔ جب ہابیل کا پیغام اس سے ہوا تو قابیل نے انکار کر دیا اور اپنا نکاح اس سے کرنا چاہا، حضرت آدم نے اس سے روکا۔ اب ان دونوں نے خیرات نکالی کہ جس کی قبول ہو جائے وہ نکاح کا زیادہ حقدار ہے حضرت آدم اس وقت مکہ چلے گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے فرمایا زمین پر جو میرا گھر ہے اسے جانتے ہو؟ آپ نے کہا نہیں حکم ہوا مکہ میں ہے تم وہیں جاؤ، حضرت آدم نے آسمان سے کہا کہ میرے بچوں کی تو حفاظت کرے گا؟ اس نے انکار کیا زمین سے کہا اس نے بھی انکار کر دیا، پہاڑوں سے کہا انہوں نے بھی انکار کیا، قابیل سے کہا، اس نے کہا ہاں میں محافظ ہوں، آپ جائیے آ کر ملاحظہ فرمالیں گے اور خوش ہوں گے۔ اب ہابیل نے ایک خوبصورت موٹا تازہ مینڈھا اللہ کے نام پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ اللہ کیلئے نکالا۔

آگ آئی اور ہابیل کی نذر تو جلا گئی، جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی، اس کی کھیتی یونہی رہ گئی، اس نے راہ اللہ کرنے کے بعد اس میں سے اچھی اچھی بالیں توڑ کر کھالیں تھیں۔ چونکہ قابیل اب مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آسکتی، اس لئے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی اس نے کہا کہ "اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور؟ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مینڈھا جنت میں پلتا رہا اور یہی وہ مینڈھا ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کے بدلے ذبح کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے بہترین اور مرغوب و محبوب جانور اللہ کے نام اور خوشی کے ساتھ قربان کیا، برخلاف اس کے قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت ردی اور واہی چیز اور وہ بیدلی سے اللہ کے نام نکالی۔

ہابیل تنومندی اور طاقتوری میں بھی قابیل سے زیادہ تھا تاہم اللہ کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کا ظلم و زیادتی سہ لی اور ہاتھ نہ اٹھایا۔ بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدم نے اس سے کہا تو اس نے کہا کہ چونکہ آپ ہابیل کو چاہتے ہیں اور آپ نے اس کیلئے دعا کی تو اس کی قربانی قبول ہو گئی۔ اب اس نے ٹھان لی کہ میں اس کانٹے ہی کو اکھاڑ ڈالوں۔ موقع کا

منتظر تھا ایک روز اتفاقاً حضرت ہابیل کے آنے میں دیر لگ گئی تو انہیں بلانے کیلئے حضرت آدم نے قابیل کو بھیجا۔ یہ ایک چھری اپنے ساتھ لے کر چلا، راستے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوگئی، اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا کیونکہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی اس پر ہابیل نے کہا میں نے بہترین، عمدہ، محبوب اور مرغوب چیز اللہ کے نام نکالی اور تو نے بیکار بیجان چیز نکالی، اللہ تعالیٰ اپنے متقیوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے۔

حسد کی آگ نے بھائی کو قتل کروادیا

اس پر وہ اور بگڑا اور چھری گھونپ دی، ہابیل کہتے رہ گئے کہ اللہ کو کیا جواب دے گا؟ اللہ کے ہاں اس ظلم کا بدلہ تجھ سے بری طرح لیا جائیگا۔ اللہ کا خوف کر مجھے قتل نہ کر لیکن اس بیرحم نے اپنے بھائی کو مار ہی ڈالا۔ قابیل نے اپنی توام بہن سے اپنا ہی نکاح کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے ہیں، اسی لئے میں اس کا حقدار ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ قابیل نے گیہوں نکالے تھے اور ہابیل نے گائے قربان کی تھی۔ چونکہ اس وقت کوئی مسکین تو تھا ہی نہیں جسے صدقہ دیا جائے، اس لئے یہی دستور تھا کہ صدقہ نکال دیتے آگ آسمان سے آتی اور اسے جلا جاتی یہ قبولیت کا نشان تھا۔ اس برتری سے جو چھوٹے بھائی کو حاصل ہوئی، بڑا بھائی حسد کی آگ میں بھڑکا اور اس کے قتل کے درپے ہوگیا، یونہی بیٹھے بیٹھے دونوں بھائیوں نے قربانی کی تھی۔ نکاح کے اختلاف کو مٹانے کی وجہ نہ تھی، قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضا بھی یہی ہے کہ ناراضگی کا باعث عدم قبولیت قربانی تھی نہ کچھ اور۔

ایک روایت مندرجہ روایتوں کے خلاف یہ بھی ہے کہ قابیل نے کھیتی اللہ کے نام نذر دی تھی جو قبول ہوئی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں راوی کا حافظہ ٹھیک نہیں اور یہ مشہور امر کے بھی خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول کرتا ہے جو اپنے فعل میں اس سے ڈرتا رہے۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں لوگ میدان قیامت میں ہوں گے تو ایک منادی ندا کرے گا کہ پرہیزگار کہاں ہیں؟ پس پروردگار سے ڈرنے والے کھڑے ہوجائیں گے اور اللہ کے بازو کے نیچے جا ٹھہریں گے اللہ تعالیٰ نہ ان سے رخ پوشی کرے گا نہ پردہ۔ راوی حدیث ابوعفیف سے دریافت کیا گیا کہ متقی کون ہیں؟ فرمایا وہ جو شرک اور بت پرستی سے بچے اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے پھر یہ سب لوگ جنت میں جائیں گے۔ جس نیک بخت کی قربانی قبول کی گئی تھی، وہ اپنے بھائی کے اس ارادہ کو سن کر اس سے کہتا ہے کہ تو جو چاہے کر،

میں تو تیری طرح نہیں کروں گا بلکہ میں صبر وضبط کروں گا، تھے تو زور وطاقت میں یہ اس سے زیادہ مگر اپنی بھلائی، نیک بختی اور تواضع وفروتنی اور پرہیزگاری کی وجہ سے یہ فرمایا کہ تو گناہ پر آمادہ ہوجائے لیکن مجھ سے اس جرم کا ارتکاب نہیں ہوسکتا، میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں وہ تمام جہان کا رب ہے۔

قاتل ومقتول دونوں کے جہنمی ہونے کا بیان

بخاری ومسلم میں ہے کہ "جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے تو قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں۔" صحابہ نے پوچھا قاتل تو

خیر لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔ حضرت سعد بن وقاص نے اس وقت جبکہ باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورین کو گھیر رکھا تھا کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "عنقریب فتنہ برپا ہوگا۔ بیٹھا رہنے والا اس وقت کھڑے رہنے والے سے اچھا ہوگا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا"۔ کسی نے پوچھا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی میرے گھر میں بھی گھس آئے اور مجھے قتل کرنا چاہے"۔ آپ نے فرمایا پھر بھی تو حضرت آدم کے بیٹے کی طرح ہو جا۔ ایک روایت میں آپ کا اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔

حضرت ایوب سختیانی فرماتے ہیں "اس امت میں سب سے پہلے جس نے اس آیت پر عمل کیا وہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان ہیں"۔ ایک مرتبہ ایک جانور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے اور آپ کے ساتھ ہی آپ کے پیچھے حضرت ابوذر تھے، آپ نے فرمایا ابوذر بتاؤ تو جب لوگوں پر ایسے فاقے آئیں گے کہ گھر سے مسجد تک نہ جاسکیں گے تو تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا جو حکم رب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو فرمایا صبر کرو۔

پھر فرمایا جبکہ آپس میں خونریزی ہوگی یہاں تک کہ ریت کے تھر بھی خون میں ڈوب جائیں تو تو کیا کرے گا؟ میں نے وہی جواب دیا تو فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ جا اور دروازے بند کر لے کہا پھر اگر چہ میں نہ میدان میں اتروں؟ فرمایا تو ان میں چلا جا، جن کا تو ہے اور وہیں رہ۔ عرض کیا کہ پھر میں اپنے ہتھیار ہی کیوں نہ لے لوں؟ فرمایا پھر تو تو بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو جائے گا بلکہ اگر تجھے کسی کی تلوار کی شعائیں پریشان کرتی نظر آئیں تو بھی اپنے منہ پر کپڑا ڈال لے تاکہ تیرے اور خود اپنے گناہوں کو وہی لے جائے۔

حضرت ربعی فرماتے ہیں ہم حضرت حذیفہ کے جنازے میں تھے، ایک صاحب نے کہا میں نے مرحوم سے سنا ہے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی ہوئی حدیثیں بیان فرماتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر تم آپس میں لڑو گے تو میں اپنے سب سے دور دراز گھر میں چلا جاؤں گا اور اسے بند کر کے بیٹھ جاؤں گا، اگر وہاں بھی کوئی گھس آئے گا تو میں کہدوں گا کہ لے اپنا اور میرا گناہ اپنے سر پر رکھ لے، پس میں حضرت آدم کے ان دو بیٹوں میں سے جو بہتر تھا، اس کی طرح ہو جاؤں گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر رکھ لے جائے۔ یعنی تیرے وہ گناہ جو اس سے پہلے کے ہیں اور میرے قتل کا گناہ بھی۔ یہ مطلب بھی حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ میری خطائیں بھی مجھ پر آپڑیں اور میرے قتل کا گناہ بھی۔

میدان قیامت میں قاتل کی تلاش کا واقعہ

لیکن انہی سے ایک قول پہلے جیسا بھی مروی ہے، ممکن ہے یہ دوسرا ثابت نہ ہو۔ اسی بنا پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے سب گناہ اپنے اوپر بار کر لیتا ہے اور اس معنی کی ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں۔ بزار میں ایک حدیث ہے کہ "بے سبب کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے"۔ گو یہ حدیث اوپر والے معنی میں نہیں، تاہم یہ بھی صحیح نہیں اور اس روایت

کا مطلب یہ بھی ہے کہ قتل کی ایذاء کے باعث اللہ تعالیٰ مقتول کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔اب وہ قاتل پر آ جاتے ہیں۔یہ بات ثابت نہیں ممکن ہے بعض قاتل ویسے بھی ہوں، قاتل کو میدان قیامت میں مقتول ڈھونڈھتا پھرے گا اور اس کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لے جائے گا۔اور سب نیکیاں لے لینے کے بعد بھی اس ظلم کی تلافی نہ ہوئی تو مقتول کے گناہ قاتل پر رکھ دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ بدلہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ سارے ہی گناہ بعض قاتلوں کے سر پڑ جائیں کیونکہ ظلم کے اس طرح کے بدلے لئے جانے احادیث سے ثابت ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ قتل سب سے بڑھ کر ظلم ہے اور سب سے بدتر۔واللہ اعلم۔

نفس امارہ کی پیروی کرتے ہوئے قتل کر دیا

امام ابن جریر فرماتے ہیں مطلب اس جملے کا صحیح تر یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ اور میرے قتل کے گناہ سب ہی اپنے اوپر لے جائے، تیرے اور گناہوں کے ساتھ ایک گناہ یہ بھی بڑھ جائے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تجھ پر آ جائیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا ملتی ہے، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مقتول کے عمر بھر کے گناہ قاتل پر ڈال دیئے جائیں، اور اس کے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو؟ باقی رہی یہ بات کہ پھر ہابیل نے یہ بات اپنے بھائی سے کیوں کہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے آخری مرتبہ نصیحت کی اور ڈرایا اور خوف زدہ کیا کہ اس کام سے باز آ جا، ورنہ گنہگار ہو کر جہنم واصل ہو جائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کرنے ہی کا نہیں، سارا بوجھ تجھ ہی پر ہو گا اور تو ہی ظالم ٹھہرے گا اور ظالموں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔اس نصیحت کے باوجود اس کے نفس نے اسے دھوکا دیا اور غصے اور حسد اور تکبر میں آ کر اپنے بھائی کو قتل کر دیا، اسے شیطان نے قتل پر ابھار دیا اور اس نے اپنے نفس امارہ کی پیروی کر لی ہے اور لوہے سے اسے مار ڈالا۔

شیطان کا عمل قتل سکھانے کا واقعہ

ایک روایت میں ہے کہ یہ اپنے جانوروں کو لے کر پہاڑیوں پر چلے گئے تھے، یہ ڈھونڈھتا ہوا وہاں پہنچا اور ایک بھاری پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا، یہ اس وقت سوئے ہوئے تھے۔بعض کہتے ہیں مثل درندے کے کاٹ کاٹ کر، گلا دبا کر ان کی جان لی۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا، یہ اس کی گردن مروڑ رہا ہے تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اسے دوسرا پتھر زور سے دے مارا، جس سے وہ جانور اسی وقت مر گیا، یہ دیکھ اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ یہی کیا یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اب تک زمین پر کوئی قتل نہیں ہوا تھا، اس لئے قابیل اپنے بھائی کو گرا کر کبھی اس کی آنکھیں بند کرتا، کبھی اسے تھپڑ اور گھونسے مارتا۔یہ دیکھ کر ابلیس لعین اس کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ پتھر لے کر اس کا سر کچل ڈال، جب اس نے کچل ڈالا تو لعین دوڑتا ہوا حضرت حوا کے پاس آیا اور کہا قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا، انہوں نے پوچھا قتل کیسا ہوتا ہے؟ کہا اب نہ وہ کھاتا پیتا ہے نہ بولتا چالتا ہے، نہ ہلتا جلتا ہے کہا شاید موت آ گئی اس نے کہا ہاں وہی موت۔اب تو مائی صاحبہ چیخنے چلانے لگیں،

اتنے میں حضرت آدم آئے پوچھا کیا بات ہے؟ لیکن یہ جواب نہ دے سکیں، آپ نے دوبارہ دریافت فرمایا لیکن فرط غم و رنج

کی وجہ سے ان کی زبان نہ چلی تو کہا اچھا تو اور تیری بیٹیاں ہائے وائے میں ہی رہیں گی اور میں اور میرے بیٹے اس سے بری ہیں۔ قابیل خسارے ٹوٹے اور نقصان والا ہو گیا، دنیا اور آخرت دونوں ہی بگڑیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جو انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے، اس کے خون کا بوجھ آدم کے اس لڑکے پر بھی پڑتا ہے، اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے زمین پر خون ناحق گرایا ہے۔

قاتل کا منہ کا سورج کی جانب ہو جانے کا واقعہ

مجاہد کا قول ہے کہ "قاتل کے ایک پیر کی پنڈلی کو ران سے اس دن سے لٹکا دیا گیا اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا، اس کے گھومنے کے ساتھ گھومتا رہتا ہے، جاڑوں اور گرمیوں میں آگ اور برف کے گڑھے میں وہ معذب ہے"۔ حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ "جہنم کا آدھوں آدھ عذاب صرف اس ایک کو ہو رہا ہے، سب سے بڑا معذب یہی ہے زمین کے ہر قتل کے گناہ کا حصہ اس کے ذمہ ہے"۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں "اس پر اور شیطان پر ہر خون ناحق کا بوجھ پڑتا ہے"۔ جب مار ڈالا تو اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرے، کس طرح اسے چھپائے؟ تو اللہ نے دو کوے بھیجے، وہ دونوں بھی آپس میں بھائی بھائی تھے، یہ اس کے سامنے لڑنے لگے، یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا، پھر ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش کو رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی، یہ دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں بھی یہ ترکیب آ گئی اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔

مقتول بھائی کو دفن کرنے میں پریشان ہونے کا واقعہ

حضرت علی سے مروی ہے کہ از خود مرے ہوئے ایک کوے کو دوسرے کوے نے اس طرح گڑھا کھود کر دفن کیا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ سال بھر تک قابیل اپنے بھائی کی لاش اپنے کندھے پر لادے لادے پھرتا رہا، پھر کوے کو دیکھ کر اپنے نفس پر ملامت کرنے لگا کہ میں اتنا بھی نہ کر سکا، یہ بھی کہا گیا ہے مار ڈال کر پھر پچھتایا اور لاش کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور اس لئے بھی کہ سب سے پہلی میت اور سب سے پہلا قتل روئے زمین پر یہی تھا۔

اہل توراۃ کہتے ہیں کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اللہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے بھائی ہابیل کو کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے کیا خبر؟ میں اس کا نگہبان تو تھا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سن تیرے بھائی کا خون زمین میں سے مجھے پکار رہا ہے، تجھ پر میری لعنت ہے، اس زمین میں جس کا منہ کھول کر تو نے اسے اپنے بیگناہ بھائی کا خون پلایا ہے، اب تو زمین میں جو کچھ کام کرے گا وہ اپنی کھیتی میں سے تجھے کچھ نہیں دے گی، یہاں تک تم زمین پر عمر بھر بے چین بھٹکتے رہو گے پھر تو قابیل بڑا ہی نادم ہوا۔ نقصان کے ساتھ ہی پچھتاوا گویا عذاب پر عذاب تھا۔ اس قصہ میں مفسرین کے اقوال اس بات پر تو متفق ہیں کہ یہ تو دونوں حضرت آدم کے صلبی بیٹے تھے اور یہی قرآن کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔

اور یہی حدیث میں بھی ہے کہ روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے اس کا ایک حصہ بوجھ اور گناہ کا حضرت آدم کے اس پہلے لڑکے پر ہوتا ہے، اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا ہے۔

لیکن حسن بصری کا قول ہے کہ "یہ دونوں بنی اسرائیل میں تھے، قربانی سب سے پہلے انہی میں آئی اور زمین پر سب سے پہلے حضرت آدم کا انتقال ہوا ہے" لیکن یہ قول غور طلب ہے اور اس کی اسناد بھی ٹھیک نہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ واقعہ بطور ایک مثال کے ہے "تم اس میں سے اچھائی لے لو اور برے کو چھوڑ دو"۔

صدمہ قتل کی وجہ سے آدم علیہ السلام سال بھر مسکرائے نہیں

یہ حدیث مرسل ہے کہتے ہیں کہ اس صدمے سے حضرت آدم بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی، آخر فرشتوں نے ان کے غم کے دور ہونے اور انہیں ہنسی آنے کی دعا کی۔ حضرت آدم نے اس وقت اپنے رنج و غم میں یہ بھی کہا تھا کہ شہر اور شہر کی سب چیزیں متغیر ہو گئی۔ زمین کا رنگ بدل گیا اور وہ نہایت بدصورت ہو گئی، ہر ہر چیز کا رنگ و مزہ جاتا رہا اور کشش والے چہروں کی ملاحت بھی سلب ہو گئی۔

اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اس مردے کے ساتھ اس زندہ نے بھی گویا اپنے تئیں ہلاک کر دیا اور جو برائی قاتل نے کی تھی، اس کا بوجھ اس پر آ گیا، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قابیل کو اسی وقت سزا دی گئی چنانچہ وارد ہوا ہے کہ اس کی پنڈلی اس کی ران سے لٹکا دی گئی اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ گھومتا رہتا تھا یعنی جدھر سورج ہوتا ادھر ہی اس کا منہ اٹھا رہتا۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جتنے گناہ اس لائق ہیں کہ بہت جلد ان کی سزا دنیا میں بھی دی جائے اور پھر آخرت کے زبردست عذاب باقی رہیں ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے۔ تو قابیل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں آتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی تعداد کا بیان

قاضی ناصر الدین بیضاوی اپنی کتاب "نظام التواریخ" میں حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کے فرزندوں کی تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں: "حوا جب بھی حاملہ ہوتی تھیں ایک بیٹے اور ایک بیٹی کو ایک ساتھ جنم دیتی تھیں اور ہر بطن کی مادہ کو دوسرے بطن کے نر کے ساتھ بیاہا دیا جاتا تھا (یعنی ایک بطن کی مادہ کو دوسرے بطن کے نر سے شادی کی جاتی تھی)، وہ اس سلسلہ میں آگے لکھتے ہیں: اس (حوا) نے ایک سو بیس بطن سے فرزندوں کو جنم دیا اور قابیل چوتھے بطن کا بیٹا تھا- ہابیل کے ہلاک ہونے کے پانچ سال بعد ایک بطن سے آدم کا ایک بیٹا پیدا ہوا اور اس کے ہمراہ بیٹی نہیں تھی اس کا نام "شیث" رکھا گیا اور فرمایا وہ ہابیل کے بدلے میں ایک اور مبارک بیٹا ہے اور وہ پیغمبر ہو گا (1)- اس نظریہ کے مطابق حضرت آدم و حوا کے ۲۳۹ فرزند تھے-

طبری نے اپنی تاریخ میں اس نظریہ کی حسب ذیل تین تشریحیں لکھی ہیں: ۱- بیٹے اور بیٹیوں پر مشتمل ۱۲۰ فرزند- ۲- چالیس بیٹے اور بیٹیاں- ۳- ۲۵ بیٹے اور ۴ بیٹیاں مزید معلومات کیلئے ملاحظہ ہو۔ (تاریخ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۱، ص ۱۴۵)

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے درجات کا بیان

اولاد آدم سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلیں ان کی پیٹھوں سے روز اول میں نکالیں۔ پھر ان سب سے اس بات کا اقرار لیا کہ

رب، خالق، مالک، معبود صرف وہی ہے۔ اسی فطرت پر پھر دنیا میں ان سب کو ان کے وقت پر اس نے پیدا کیا۔ یہی وہ فطرت ہے جس کی تبدیلی ناممکن ہے، بخاری و مسلم میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس دین پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے کہ بکری کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے لیکن پھر لوگ اس کے کان کاٹ دیتے ہیں، حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد و مخلص پیدا کیا پھر شیطان نے آ کر انہیں ان کے سچے دین سے بہکا کر میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیں۔

قبیلہ بن سعد کے ایک صحابی حضرت اسود بن سریع فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار غزوے کئے لوگوں نے لڑنے والے کفار کے قتل کے بعد ان کے بچوں کو بھی پکڑ لیا جب آپ کو اس کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا لوگ ان بچوں کو کیوں پکڑ رہے ہیں؟ کسی نے کہا حضور وہ بھی تو مشرکوں کے ہی بچے ہیں؟ فرمایا سنو تم میں سے بہتر لوگ مشرکین کی اولاد میں ہیں یاد رکھو ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر زبان چلنے پر اس کے ماں باپ یہودیت یا نصرانیت کی تعلیم دینے لگتے ہیں۔ اس کے راوی حضرت حسن فرماتے ہیں اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اللہ نے اولاد آدم سے اپنی توحید کا اقرار لیا ہے (ابن جریر) اس اقرار کے بارے میں کئی ایک حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے عرفہ دن اولاد ظاہر ہونے کا واقعہ

مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن دوزخی سے کہا جائے گا اگر تمام دنیا تیری ہو تو کیا تو خوش ہے کہ اسے اپنے فدیئے میں دے کر میرے عذابوں سے آج بچ جائے؟ وہ کہے گا ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تو اس سے بہت ہی ہلکے درجے کی چیز تجھ سے طلب کی تھی اور اس کا وعدہ بھی تجھ سے لے لیا تھا کہ میرے سوا تو کسی اور کی عبادت نہ کرے لیکن تو عہد توڑے بغیر نہ رہا اور دوسرے کو میرا شریک عبادت ٹھہرایا۔ مسند میں ہے نعمان نامی میدان میں اللہ تعالیٰ نے پشت آدم میں سے عرفے کے دن ان کی تمام اولاد ظاہر فرمائی سب کو اس کے سامنے پھیلا دیا اور فرمایا کہ میں تم سب کا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں ہم گواہ ہیں پھر آپ نے مبطلون تک تلاوت فرمائی۔ یہ روایت موقوف ابن عباس سے بھی مروی ہے واللہ اعلم۔

اس وقت لوگ چیونٹیوں کی طرح تھے اور تر زمین پر تھے۔ حضرت ضحاک بن مزاحم کے چھ دن کی عمر کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا جابر اسے دفن کر کے اس کا منہ کفن سے کھول دینا اور گرہ بھی کھول دینا کیونکہ میرا یہ بچہ بٹھا دیا جائے گا اور اس سے سوال کیا جائے گا جابر نے حکم کی بجا آوری کی، پھر میں نے پوچھا کہ آپ کے بچے سے کیا سوال ہوگا اور کون سوال کرے گا؟ فرمایا اس میثاق کے بارے میں جو صلب آدم میں لیا گیا ہے سوال کیا جائے گا۔ میں نے پوچھا وہ میثاق کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضرت ابن عباس سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو جتنے انسان قیامت تک پیدا ہونے والے ہیں سب کی روحیں آ گئیں اللہ نے ان سے عہد و پیمان لیا کہ وہ اسی کی عبادت کریں گے اس کے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانیں گے خود ان کے رزق کا کفیل بنا پھر انہیں صلب آدم میں لوٹا دیا۔ پس یہ سب قیامت سے پہلے ہی پہلے پیدا ہوں گے۔ جس نے اس وعدے کو پورا کیا

اور اپنی زندگی میں اس پر قائم رہا اسے وہ وعدہ نفع دے گا اور جس نے اپنی زندگی میں اس کی خلاف ورزی کی اسے پہلے کا وعدہ کچھ فائدہ نہ دے گا۔ بچپن میں ہی جو مر گیا وہ میثاق اول پر اور فطرت پر مرا۔ ان آثار سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اوپر والی حدیث کا موقوف ہونا ہی اکثر اور زیادہ ثبوت والا ہے۔

ابن جریر کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بنی آدم کی پیٹھ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلیں ایسی نکالیں جیسے کنگھی بالوں میں سے نکلتی ہے ان سے اپنی ربوبیت کا سوال کیا انہوں نے اقرار کیا فرشتوں نے شہادت دی اس لئے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اس سے غفلت کا بہانہ نہ کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا یہی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا تو آپ نے میرے سنتے ہوئے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم کو پیدا کیا اپنے داہنے ہاتھ سے ان کی پیٹھ کو چھوا اس سے اولاد نکلی فرمایا میں نے انہیں جہنم کیلئے پیدا کیا ہے یہ جہنمیوں کے اعمال کریں گے تو آپ سے سوال ہوا کہ پھر عمل کس گنتی میں ہیں؟ آپ نے فرمایا جو جنتی ہے اس سے مرتے دم تک جنتیوں کے ہی اعمال سرزد ہوں گے اور جنت میں جائیں گے ہاں جو جہنم کیلئے پیدا کیا گیا ہے اس سے وہی اعمال سرزد ہوں گے انہی پر مرے گا اور جہنم میں داخل ہوگا (ابوداؤد)

حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھوں کے درمیان نور رہونے کا واقعہ

اور حدیث میں ہے کہ اولاد آدم کو نکال کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور رکھ کر حضرت آدم کے سامنے پیش کیا حضرت نے پوچھا کہ یا اللہ یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تیری اولاد ہے ان میں سے ایک کے ماتھے کی چمک کو حضرت آدم کے سامنے پیش کیا حضرت نے پوچھا کہ یا اللہ یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تیری اولاد میں سے بہت دور جا کر ہیں ان کا نام داؤد ہے پوچھا ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال کہا یا اللہ چالیس سال میری عمر میں سے ان کی عمر میں زیادہ کر پس جب حضرت آدم کی روح کو قبض کرنے کیلئے فرشتہ آیا تو آپ نے فرمایا میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں، فرشتے نے کہا آپ کو یاد نہیں کہ آپ نے یہ چالیس سال اپنے بچے حضرت داؤد کو ہبہ کر دیئے ہیں۔ بات یہ ہے چونکہ آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد بھی انکار کی عادی ہے آدم خود بھول گئے ان کی اولاد بھی بھولتی ہے آدم نے خطا کی ان کی اولاد بھی خطا کرتی ہے، یہ حدیث ترمذی میں ہے امام ترمذی اسے حسن صحیح لکھتے ہیں اور روایت میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ کوئی ان میں جذامی ہے کوئی کوڑھی ہے کوئی اندھا ہے کوئی بیمار ہے تو پوچھا کہ یا اللہ اس میں کیا مصلحت ہے؟ فرمایا یہ کہ میرا شکر یہ کیا جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے نورانی چہروں والے

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ ان میں یہ زیادہ روشن اور نورانی چہروں والے کون ہیں؟ فرمایا یہ انبیاء ہیں۔ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں یہ ہمارا ذاتی عمل ہے یا کہ فیصل شدہ ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد کو ان کی پیٹھوں سے نکالا انہیں گواہ بنایا پھر اپنی دونوں مٹھیوں میں لے لیا اور فرمایا یہ جنتی ہیں اور یہ جہنمی۔ پس اہل جنت پر تو نیک کام آسان ہوتے ہیں اور دوزخیوں پر برے کام آسان ہوتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور قضیہ ختم کیا تو جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملنے والا ہے انہیں اپنی داہنی مٹھی میں لیا اور بائیں والوں کو بائیں مٹھی میں لیا پھر فرمایا اے دائیں طرف والو انہوں نے کہا لبیک وسعدیک فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں پھر سب کو ملا دیا کسی نے پوچھا یہ کیوں کیا؟ فرمایا اس لئے کہ ان کے لئے اور اعمال ہیں جنہیں یہ کرنے والے ہیں یہ تو صرف اس لئے کہلوایا گیا ہے کہ انہیں یہ عذر نہ رہے کہ ہم اس سے غافل تھے۔ پھر سب کو صلب آدم میں لوٹا دیا۔

اہل جنت اور اہل دوزخ کو الگ کرنے کا واقعہ

حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں اس میدان میں اس دن سب کو جمع کیا، صورتیں دیں، بولنے کی طاقت دی، پھر عہد و میثاق لیا اور اپنے رب ہونے پر خود انہیں گواہ بنایا اور ساتوں آسمانوں، ساتوں زمینوں اور حضرت آدم کو گواہ بنایا کہ قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں علم نہ تھا جان لو کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں نہ میرے سوا کوئی اور مربی ہے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا میں اپنے رسولوں کو بھیجوں گا جو تمہیں یہ وعدہ یاد دلائیں گے میں اپنی کتابیں اتاروں گا تا کہ تمہیں یہ عہد و میثاق یاد دلاتی رہیں سب نے جواب میں کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے تو ہی ہمارا معبود ہے تیرے سوا ہمارا کوئی مربی نہیں۔ پس سب سے اطاعت کا وعدہ لیا اب جو حضرت آدم علیہ السلام نے نظر اٹھا کر دیکھا تو امیر غریب اور اس کے سوا مختلف قسم کے لوگوں پر نظر پڑی تو آپ کہنے لگے کیا اچھا ہوتا کہ سب برابر ایک ہی حالت کے ہوتے تو جواب ملا کہ یہ اس لئے ہے کہ ہر شخص میری شکر گزاری کرے۔ آپ نے دیکھا کہ ان میں اللہ کے پیغمبر بھی ہیں ان سے پھر علیحدہ ایک اور میثاق لیا گیا جس کا بیان آیت (وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا) 33-الاحزاب:7)، میں ہے۔

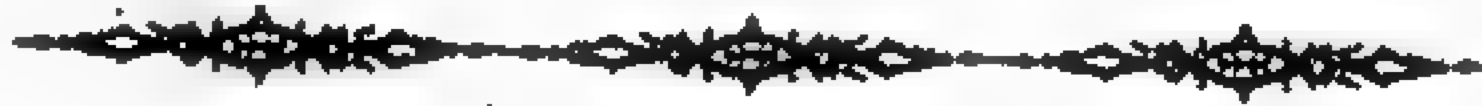
اسی عام میثاق کا بیان آیت (فطرۃ اللہ) میں ہے اسی لئے فرمان ہے آیت (ھذا نذیر من النذر الاولی) اسی کا بیان اس آیت میں ہے (وما وجدنا لاکثرھم من عھد) (مسند احمد)

حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت حسن، حضرت قتادہ، حضرت سدی اور بہت سے سلف سے ان احادیث کے مطابق اقوال مروی ہیں جن سب کے وارد کرنے سے بہت طول ہو جائے گا ماحصل سب کا یہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو آپ کی پیٹھ سے نکالا جنتی دوزخی الگ الگ کئے اور وہیں ان کو اپنے رب ہونے پر گواہ کر لیا یہ جن دو احادیث میں ہے وہ دونوں مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہیں اسی لئے سلف و خلف میں اس بات کے قائل گذرے ہیں کہ اس سے مراد فطرت پر پیدا کرنے ہے جیسے کہ مرفوع اور صحیح احادیث میں وارد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت (من بنی آدم) فرمایا اور آیت (من ظھورھم) کہا ورنہ من آدم اور من ظھرہ ہوتا۔ ان کی نسلیں اس روز نکالی گئیں جو کہ یکے بعد دیگرے مختلف قرنوں میں ہونے والی تھیں۔ جیسے فرمان ہے آیت (وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الانعام165) اللہ ہی نے تمہیں زمین میں دوسروں کا جانشین کیا ہے اور جگہ ہے وہی تمہیں زمین کے خلیفہ بنا رہا ہے اور آیت میں ہے جیسے تمہیں دوسرے لوگوں کی اولاد میں کیا۔

دنیا کا پہلا انسان اور پہلے گھر کا بیان

حدیث جو امام بیہقی نے روایت کی ہے جس میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا نے بحکم الہ بیت اللہ بنایا اور طواف کیا اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تو سب سے پہلا انسان ہے اور یہ سب سے پہلا گھر ہے یہ حدیث ابن لہیعہ کی روایت سے ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں، ممکن ہے یہ حضرت عبداللہ بن عمر کا اپنا قول ہو اور یرموک والے دن انہیں جو دو پورے اہل کتاب کی کتابوں کے ملے تھے انہی میں یہ بھی لکھا ہوا ہو۔ " مکہ " مکہ شریف کا مشہور نام ہے چونکہ بڑے بڑے جابر شخصوں کی گردنیں یہاں ٹوٹ جاتی تھیں ہر بڑائی والا یہاں پست ہو جاتا تھا، اس لئے اسے مکہ کہا گیا اور اس لئے بھی کہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ یہاں ہوتی ہے اور ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا ہے اور اس لئے بھی کہ یہاں لوگ خلط ملط ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ کبھی عورتیں آگے نماز پڑھتی ہوتی ہیں اور مردان کے پیچھے ہوتے ہیں جو اور کہیں نہیں ہوتا،

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں "فج" سے "تنعیم" تک مکہ ہے بیت اللہ سے بطحا تک بکہ ہے بیت اللہ اور مسجد کو بکہ کہا گیا ہے، بیت اللہ اور اس آس پاس کی جگہ کو بکہ اور باقی شہر کو مکہ بھی کہا گیا ہے، اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں مثلاً بیت العتیق، بیت الحرام، بلد الامین، بلد المامون، ام رحم، ام القری، صلاح، عرش، قادس، مقدس، ناسبہ، ناسسہ، حاطمہ، راس، کوثا البلدہ البینۃ العکبہ۔ اس میں ظاہر نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت و شرافت کی دلیل ہیں۔



حضرت شیث علیہ السلام

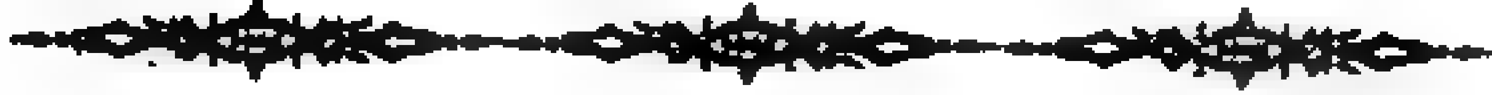
حضرت شیث علیہ السلام قتل ہابیل کے پانچ سال بعد پیدا ہوئے

علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہابیل کے قتل ہو جانے کے پانچ برس بعد حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر شریف ایک سوتیس برس کی ہو چکی تھی۔ آپ نے اپنے اس ہونہار فرزند کا نام "شیث" رکھا۔ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور عربی میں اس کے معنی "ھبۃ اللہ" یعنی "اللہ کا عطیہ" ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پچاس صحیفے جو آپ پر نازل ہوئے تھے ان سب کی حضرت شیث علیہ السلام کو تعلیم دی اور ان کو اپنا وصی و خلیفہ اور سجادہ نشین بنایا۔ اور ان کی نسل میں خیر و برکت ہونے کی دعائیں مانگیں۔ ہمارے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ (روح البیان، ج ۲، ص ۳۷۴، پ ۶، المائدۃ)

جب حضرت آدم علیہ السلام ہابیل کی مصیبت میں بے قرار رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین کو ان کے خاطر غمگین کی تسلی کے واسطے بھیجا کہ حق تعالیٰ تیرے سے ایک فرزند پیدا فرمائے گا اور اس کی نسل سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سردار بنی آدم پیدا ہوگا چنانچہ ہابیل کے مرنے سے پانچ سال بعد پیدا ہوئے حضرت شیث علیہ السلام جو حسن صورت میں اور خوبی سیرت میں مشابہ حضرتِ آدم کے تھے اور تمام اولاد سے حضرت آدم کے نزدیک زیادہ محبوب تھے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے قبل وفات کے انکو اپنا ولی عہد بنایا اور بطریق وصیت کے فرمایا کہ جب حضرت نوح کے زمانے میں طوفان واقع ہو تو اور تم اس زمانے کو پاؤ تو میری ہڈیوں کو کشتی میں رکھوائیو جو غرق ہونے سے محفوظ رہیں یا اپنی اولاد کو نصیحت کرنا کہ اس طرح سے عمل میں لاویں اور حضرت شیث اکثر اوقات حضرت آدم علیہ السلام کی زبان سے احوالِ بہشت لذت کے ساتھ سنتے تھے اور آسمانی صحیفوں کا مضمون بھی دریافت کرتے تھے اسی واسطے حضرت آدم علیہ السلام کے تجرد و خلق سے اور انس حق سے خلیفہ کیا تھا۔ اور لوگوں سے تنہا ہو کر دنیا کی لذتیں چھوڑ کر اکثر اوقات وظائف اور طاعات میں مشغول رہتے تھے۔

اور نفس کی ریاضت اور تہذیب و اخلاق ہمیشہ ان کے مدِ نظر رہتا تھا اور حضرت شیث کے زمانے میں بنی آدم دو قسم کے تھے۔ بعض متابعت حضرت شیث کی کرتے تھے اور بعض قابیل کی اولاد کی تابعداری میں مشغول تھے اور حضرت شیث کی نصیحت سے بعض تو راہِ راست پر آ گئے اور بعض بدستور نافرمانی پر قائم رہے۔ جب انکی عمر کے نو برس گزرے تو روح جسم مبارک سے پرواز کر کے عرشِ

معلی کو پہنچی اور حضرت شیث علیہ السلام کی بعض نصیحتوں میں یہ ہے کہ مومن حقیقی وہ ہے کہ جس میں یہ خصلتیں ہوں. اول تو خدا کو پہچاننا اور دوسرے نیک اور بد کو جاننا، تیسرے بادشاہ وقت کا حکم بجالانا، چوتھے ماں باپ کا حق پہچاننا اور انکی خدمت کرنا، پانچواں صلہ یعنی اپنائیت کے لوگوں سے نیکی اور محبت کرنا، چھٹے غصہ کو زیادہ حد سے نہ بڑھانا، ساتواں محتاجوں اور مسکینوں کو صدقہ دینا اور رحم کرنا، آٹھویں گناہوں سے پرہیز اور مصیبت میں صبر کرنا، نواں شکر الٰہی کا ذکر کرنا۔



حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے قلم سے لکھا

آپ کا نام اخنوخ ہے، آپ حضرت نوح علیہ السلام کے والد کے دادا ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ ہی پہلے رسول ہیں، آپ کے والد حضرت شیث بن آدم علیہ السلام ہیں، سب سے پہلے جس شخص نے قلم سے لکھا وہ آپ ہی ہیں، کپڑوں کے سینے اور سلے کپڑے پہننے کی ابتداء بھی آپ ہی سے ہوئی، آپ سے پہلے لوگ کھالیں پہنتے تھے، سب سے پہلے ہتھیار بنانے والے ترازو اور پیمانے قائم کرنے والے اور علمِ نجوم و حساب میں نظر فرمانے والے بھی آپ ہی ہیں، یہ سب کام آپ ہی سے شروع ہوئے، اللہ تعالیٰ نے آپ پر تیس صحیفے نازل کیے اور کتب الٰہیہ کی کثرتِ درس کے باعث آپ کا نام ادریس ہوا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے نیک اعمال و وصال کا واقعہ

حضرت ادریس علیہ السلام کا بیان ہو رہا ہے کہ آپ سچے نبی تھے اللہ کے خاص بندے تھے۔ آپ کو ہم نے بلند مکان پر اٹھالیا صحیح حدیث کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے کہ چوتھے آسمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کی۔

حضرت امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب و غریب اثر وارد کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ کل اولاد آدم کے نیک اعمال کے برابر صرف تیرے نیک اعمال میں اپنی طرف ہر روز چڑھاتا ہوں۔ اس پر آپ نے ذکر کیا میرے پاس یوں وحی آئی ہے اب تم ملک الموت سے کہو کہ وہ میری موت میں تاخیر کریں تو میں نیک اعمال میں اور اور بڑھ جاؤں۔ اس فرشتے نے آپ کو اپنے پروں میں بٹھا کر آسمان پر چڑھا دیا جب چوتھے آسمان پر آپ پہنچے تو ملک الموت کو دیکھا، فرشتے نے آپ سے حضرت ادریس علیہ السلام کی بابت سفارش کی تو ملک الموت نے فرمایا وہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا یہ ہیں میرے بازو پر بیٹھے ہوئے آپ نے فرمایا سبحان اللہ مجھے یہاں اس آسمان پر اس کی روح کے قبض کرنے کا حکم ہو رہا ہے چنانچہ اسی وقت ان کی روح قبض کر لی گئی۔ یہ ہیں اس آیت کے معنی۔

یہی روایت اور سند سے ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے بذریعہ اس فرشتے کو پچھوایا تھا کہ میری عمر کتنی باقی ہے؟ اور روایت

میں ہے کہ فرشتے کے اس سوال پر ملک الموت نے جواب دیا کہ میں دیکھ لوں دیکھ کر فرمایا صرف ایک آنکھ کی پلک کے برابر اب جو فرشتہ اپنے پر تلے دیکھتا ہے تو حضرت ادریس علیہ السلام کی روح پرواز ہو چکی تھی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ درزی تھے سوئی کے ایک ایک ٹانکے پر سبحان اللہ کہتے۔ شام کو ان سے زیادہ نیک عمل آسمان پر کسی کے نہ چڑھتے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ تو کہتے ہیں حضرت ادریس علیہ السلام آسمانوں پر چڑھا لئے گئے۔ آپ مرے نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بے موت اٹھا لئے گئے اور وہیں انتقال فرما گئے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے بلند مکان سے مراد جنت ہے۔

جنت سے باہر جانے سے انکار کرنے کا واقعہ

حضرت کعب احبار وغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مَلک الموت سے فرمایا کہ میں موت کا مزہ چکھنا چاہتا ہوں کیسا ہوتا ہے؟ تم میری روح قبض کر کے دکھاؤ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور روح قبض کر کے اسی وقت آپ کی طرف لوٹا دی آپ زندہ ہو گئے فرمایا کہ اب مجھے جہنم دکھاؤ تا کہ خوف الٰہی زیادہ ہو چنانچہ یہ بھی کیا گیا جہنم دیکھ کر آپ نے مالکِ داروغہ جہنم سے فرمایا کہ دروازہ کھولو میں اس پر گزرنا چاہتا ہوں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آپ اس پر سے گزرے پھر آپ نے مَلک الموت سے فرمایا کہ مجھے جنت دکھاؤ وہ آپ کو جنت میں لے گئے آپ دروازے کھلوا کر جنت میں داخل ہوئے تھوڑی دیر انتظار کر کے مَلک الموت نے کہا کہ آپ اب اپنے مقام پر تشریف لے چلئے فرمایا اب میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

حافظ ابن کثیر نے "البدایہ النہایہ" میں ذکر کیا ہے کہ حجرت آدم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کے بعد یہ تیسرے نبی ہیں۔ حضرت شیث علیہ السلام کا کوئی تذکرہ قرآن حکیم میں موجود نہین ہے۔ البتہ تاریخ وسیرت کی کتابوں میں مختصر تذکرہ ملتا ہے

حضرت ادریس علیہ السلام کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اخنوخ (ادریس علیہ السلام) بن یارد بن مہایل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔ آپ کے زمانے میں 72 زبانیں بولی جاتی تھیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے۔ ترجمہ "اور کتاب مین ادریس کو یاد کرو"

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں۔

(روح المعانی بحوالہ مستدرک حاکم)

اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نبی و رسول ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے تیس صحیفے نازل فرمائے (کمافی حدیث ابی ذر زمخشری) اور ادریس علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو علم نجوم اور حساب بطور معجزہ عطا کیا گیا (بحر محیط) حضرت ادریس علیہ السلام کی زبان سریانی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دس خصوصیات کے ساتھ مخصوص فرمایا تھا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی دس خصوصیات

1۔ آپ پیغمبر مرسل تھے۔ 2۔ آپ علیہ السلام پر 30 صحیفے نازل ہوئے 3۔ آپ علیہ السلام نے دنیا میں علم نجوم کو پیش

کیا۔4۔دنیا میں سب سے پہلے آپ علیہ السلام نے قلم سے خط تحریر فرمایا۔5 آپ علیہ السلام نے کپڑا سینے کی صنعت ایجاد کی۔6۔آپ علیہ السلام نے جنگ کے لئے اسلحہ ترتیب دیئے 7۔آپ علیہ السلام نے کفار کی اولاد کو قیدی بنایا۔8۔آپ علیہ السلام نے سنت جہاد جاری کی۔9۔آپ علیہ السلام نے سب سے پہلے گزی کا کپڑا زیب تن فرمایا۔

10۔حضرت شیث علیہ السلام کے بعد قابیل کی اولاد شیطان کے اغواء سے گمراہ ہوگ ہو چکے تھے۔حق تعالٰی نے ان کی ہدایت کے لئے نبوت اور رسالت پر مامور فرمایا تا کہ وہ انکو اپنے دین کی ترغیب دیں، عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے اور ہر روز 12 ہزار تسبیح پڑھا کرتے تھے۔آپ علیہا السلام کی مجلس میں فرشتے بھی حاظر رہتے تھے۔حضرت ادریس علیہ السلام اپنی امت سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تیس بار آسمان پر گیا ہوں اور اسرار علوی سے واقف ہوں۔حضرت ادریس علیہ السلام نے اپنی امت کو آنے والے رسولوں کی خبر دی۔حضرت ادریس علیہا السلام نے تمام دنیا کی سیاحت کی تھی۔سیاحت سے واپسی پر مصر تشریف لائے تو بفوائے ورفعنا مکانا علیا ۔تشریف لے گئے۔

حضرت ادریس علیہ السلام اللہ تعالٰی کی کتاب کے صحیفوں کا بکثرت درس دیا کرت تھے۔اس لئے آپ کا لقب "ادریس" ہو گیا اور اپ کا یہ لقب اس قدر مشہور ہو گیا کہ بہت سے لوگوں کو آپ کا اصلی نام معلوم ہی نہیں۔قرآن مجید میں آپ علیہ السلام کا نام "ادریس" ہی ذکر کیا گیا ہے

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب کا واقعہ

سب سے پہلے کافروں کی طرف رسول بنا کر بت پرستی سے روکنے کے لیے زمین پر حضرت نوح علیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں اگر تم غیر اللہ کی عبادت نہ چھوڑو گے تو عذاب میں پھنسو گے۔ دیکھو تم صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرتے رہو۔ اگر تم نے خلف ورزی کی تو قیامت کے کے دن کے دردناک سخت عذابوں میں مجھے تمہاری لینے کا خوف ہے۔

اس پر قومی کافروں کے روءسا اور امراء بول اُٹھے کہ آپ کوئی فرشتہ تو ہیں نہیں ہم جیسے ہی انسان ہیں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ ہم سب کو چھوڑ کر تم ایک ہی کے پاس وحی آئے۔ اور ہم اپنی آنکھو دیکھ رہے ہیں کہ ایسے رذیل لوگ آپ کے حلقے میں شامل ہو گئے ہیں کوئی شریف اور رئیس آپ کا فرماں بردار نہیں ہوا اور یہ لوگ بے سوچے سمجھے بغیر غور فکر کے آپ کی مجلس میں آن بیٹھے ہیں اور ہاں میں ہاں ملائے جاتے ہیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس نئے دین نے تمہیں کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچایا کہ تم خوش حال ہو گئے ہو تمہاری روزیاں بڑھ گئی ہوں یا خُلق وخَلق میں تمہیں کوئی برتری ہم پر حاصل ہو گئی ہو۔ بلکہ ہمارے خیال سے تم سب سے بھی جھوٹے ہو نیکی اور صلاحیت اور عبادت پر جو ودیعت ہمیں آخرت ملک کے دے رہے ہو ہمارے نزدیک تو یہ سب بھی جھوٹی باتیں ہیں۔ ان کفار کی بے عقلی تو دیکھئے اگر حق کے قبول کرنے والے نچلے طبقہ کے لوگ ہوئے تو کیا اس سے حق کی شان گھٹ گئی؟ حق حق ہی ہے خواہ اس کے ماننے والے بڑے لوگ ہوں خواہ چھوٹے لوگ ہوں۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ حق کی پیروی کرنے والے ہی شریف لوگ ہیں۔ چاہے وہ مسکین مفلس ہی ہوں اور حق سے روگردانی کرنے والے ہیں ذلیل اور رذیل ہیں گو وہ غنی مالدار اور مارا امراء ہوں۔

دین میں غریبوں و مسکینوں کی پہل کرنے کا واقعہ

ہاں یہ واقع ہے کہ سچائی کی آواز کو پہلے پہل غریب مسکین لوگ ہی قبول کرتے ہیں اور امیر کبیر لوگ ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔ فرمان قرآن ہے کہ تجھ سے پہلے جس جس بستی میں ہمارے انبیاء آئے وہاں کے بڑے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے آپ باپ دادوں کو جس دین پر پایا ہے ہم تو انہیں کی خوشہ چینی کرتے رہیں گے۔

شاہ روم ہرقل نے جو ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ شریف لوگوں نے اس کی تابعداری کی ہے یا ضعیف لوگوں نے؟ تو اس نے یہی جواب دیا تھا کہ ضعیفوں نے جس پر ہرقل نے کہا تھا کہ رسولوں کے تابعدار یہی لوگ ہوتے ہیں۔ حق کی فوری قبولیت بھی کوئی عیب کی بات نہیں، حق کی وضاحت کے بعد رائے فکر کی ضرورت ہی کیا؟ بلکہ ہر عقل مند کا کام یہی ہے کہ حق کو ماننے میں سبقت اور جلدی کرے۔ اس میں تامل کرنا جہالت اور کند ذہنی ہے۔ اللہ کے تمام پیغمبر بہت واضح اور صاف اور کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ میں نے جسے بھی اسلام کی طرف بلایا اس میں کچھ نہ کچھ جھجک ضرور پائی سوائے ابوبکر کے کہ انہوں نے کوئی تردد و تامل نہ کیا واضح چیز کو دیکھتے ہی فوراً بے جھجک قبول کر لیا ان کا تیسرا اعتراض نہ ہم کوئی برتری تم میں نہیں دیکھتے یہ بھی ان کے اندھے پن کی وجہ سے ہے اپنی ان کی آنکھیں اور کان نہ ہیں اور ایک موجود چیز کا انکار کریں تو فی الواقع اس کا نہ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ یہ تو نہ حق کو دیکھیں نہ حق کو سنیں بلکہ اپنے شک میں غوطے لگاتے رہتے ہیں۔ اپنی جہالت میں ڈبکیاں مارتے رہتے ہیں۔ جھوٹے مفتری خالی ہاتھ رذیل اور نقصانوں والے ہیں۔

قوم نوح کا مانگا ہوا عذاب اسے مل گیا

قوم نوح جب عذابوں کی مانگ جلدی مچائی تو آپ نے اللہ سے دعا کی الٰہی زمین کسی کافر کو رہتا بستا نہ چھوڑ۔ پروردگار میں عجز آ گیا ہوں، تو میری مدد کر۔ اسی وقت وحی آئی کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اور کوئی اب ایمان نہ لائے گا تو ان پر افسوس نہ کر نہ ان کا کوئی ایسا خاص خیال کر۔ ہمارے دیکھتے ہی ہماری تعلیم کے مطابق ایک کشتی تیار کر اور اب ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر، ہم انکا ڈبو دینا مقرر کر چکے ہیں۔

بعض سلف کہتے ہیں حکم ہوا کہ لکڑیاں کاٹ کر سکھا کر تختے بنالو۔ اس میں ایک سو سال گزر گئے پھر مکمل تیاری میں سو سال اور نکل گئے ایک قول ہے چالیس سال لگے واللہ اعلم۔ امام محمد بن اسحٰق توراۃ سے نقل کرتے ہیں کہ ساگ کی لکڑی کی یہ کشتی تیار ہوئی اس کا طول اسی ہاتھ تھا اور عرض پچاس ہاتھ کا تھا۔ اندر باہر سے روغن کیا گیا تھا پانی کاٹنے کے پر پرزے بھی تھے قتادہ کا قول ہے کہ لمبائی تین سو ہاتھ کی تھی۔

ابن عباس کا فرمان ہے کہ طول بارہ سو ہاتھ کا تھا اور چوڑائی چھ سو ہاتھ کی تھی۔ کہا گیا ہے کہ طول دو ہزار ہاتھ اور چوڑائی ایک سو ہاتھ کی تھی واللہ اعلم۔ اس کی اندرونی اونچائی تیس ہاتھ کی تھی اس میں تین درجے تھے ہر درجہ دس ہاتھ اونچا تھا۔ سب سے نیچے کے حصے میں چوپائے اور جنگلی جانور تھے۔ درمیان کے حصے میں انسان تھے اور اوپر کے حصے میں پرندے تھے۔ ان میں چھوٹا دروازہ تھا، اوپر سے بالکل بند تھی۔

کشتی نوح کی داستان ایک فوت شدہ کی زبانی سننے کا واقعہ

ابن جریر نے ایک غریب اثر عبداللہ بن عباس سے ذکر کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم سے درخواست کی کہ اگر آپ بحکم الٰہی کسی ایسے مردہ کو جلاتے جس نے کشتی نوح دیکھی ہو تو ہمیں اسے معلومات ہوتیں آپ نے انہیں لے کر ایک ٹیلے پر پہنچ

کر وہاں کی مٹی اُٹھائی اور فرمایا جانتے ہو یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے۔ آپ نے فرمایا یہ پنڈلی ہے حام بن نوح کی پھر آپ نے ایک لکڑی اس ٹیلے پر مار کر فرمایا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو اسی وقت ایک بڑھا سا آدمی اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو بڑھاپے میں مرا تھا۔ اس نے کہا نہیں مرا تو تھا جوانی میں لیکن اب دل پر دہشت بیٹھی کہ قیامت قائم ہوگئی اس دہشت نے بوڑھا کر دیا۔ آپ نے فرمایا اچھا حضرت نوح کی کشتی کی بابت اپنی معلومات بیان کرو۔

اس نے کہا وہ بارہ سو ہاتھ لمبی اور چھ سو ہاتھ چوڑی تھی تین درجوں کی تھی۔ ایک میں جانور اور چوپائے تھے، دوسرے میں انسان، تیسرے میں پرند، جب جانوروں کا گوبر پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ حضرت نوح کی طرف وحی بھیجی کے ہاتھی کی دم ہلاؤ۔ آپ کے ہلاتے ہی اس سے خنزیر نر مادہ نکل آئے اور وہ میلا کھانے لگے۔ چوہوں نے جب اس کے تختے کترنے شروع کئے تو حکم ہوا کہ شیر کی پیشانی پر انگلی لگا۔ اس سے بلی کا جوڑا نکلا اور چوہوں کی طرف لپکا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا کہ حضرت علیہ اسلام کو شہروں کے غرقاب ہونے کا علم کیسے ہو گیا؟ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے کوئے کو خبر لینے لیے بھیجا لیکن وہ ایک لاش پر بیٹھ گیا، دیر تک وہ واپس نہ آیا تو آپ نے اس کے لیے ہمیشہ ڈرتے رہنے کی بددعا کی۔ اسی لیے وہ گھروں سے مانوس نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ لے کر آیا اور اپنے پنجوں میں خشک مٹی لایا اس سے معلوم ہو گیا کہ شہر ڈوب چکے ہیں۔ آپ نے اس کی گردن میں کھرہ کا طوق ڈال دیا اور اس کے لیے امن وانس کی دعا کی پس وہ گھروں میں رہتا سہتا ہے۔ حواریوں نے کہا اے رسول اللہ آپ انہیں ہمارے ہاں لے چلئے کہ ہم میں بیٹھ کر اور بھی باتیں ہمیں سنائیں۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے ساتھ کیسے آ سکتا ہے جب کہ اس کی روزی نہیں۔

پھر فرمایا اللہ کے حکم سے جیسا تھا ویسا ہی ہو جا، وہ اسی مٹی ہو گیا۔ نوح علیہ السلام تو کشتی بنانے میں لگے اور کافروں کو ایک مذاق ہاتھ لگ گیا وہ چلتے پھرتے انہیں چھیڑتے اور باتیں بناتے اور طعنہ دیتے کیونکہ انہیں جھوٹا جانتے تھے اور عذاب کے وعدے پر انہیں یقین نہ تھا۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام فرماتے اچھا دل خوش کر لو وقت آ رہا ہے کہ اس کا پورا بدلہ لے لیا جائے۔ ابھی جان لوگے کہ کون اللہ کے عذاب سے دنیا میں رسوا ہوتا ہے اور کس پر اخروی عذاب آ چمٹتا ہے جو کبھی ٹالے نہ ٹلے۔

قوم نوح پر عذاب الٰہی کا نزول

حسب فرمان ربی آسمان سے موسلا دھار لگاتار بارش برسنے لگی اور زمین سے بھی پانی ابلنے لگا اور ساری زمین پانی سے بھر گئی اور جہاں تک منظور رب تھا پانی بھر گیا اور حضرت نوح کو رب العالمین نے اپنی نگاہوں کے سامنے چلنے والی کشتی پر سوار کر دیا۔ اور کافروں کو ان کے کیفر کردار کو پہنچا دیا۔ تنور کے ابلنے سے بقول ابن عباس یہ مطلب ہے کہ روئے زمین سے چشمے پھوٹ پڑے یہاں تک کہ آگ کی جگہ تنور میں سے بھی پانی ابل پڑا۔ یہی قول جمہور سلف وخلف ہے کا ہے۔

گدھے کی دم میں شیطان کے لٹکنے کا واقعہ

حضرت علی سے مروی ہے کہ تنور صبح کا نکلا اور فجر کا روشن ہونا ہے یعنی صبح کی روشنی اور فجر کی چمک لیکن زیادہ غالب پہلا قول ہے۔ مجاہد اور شعبی کہتے ہیں یہ تنور کوفے میں تھا۔ ابن عباس سے مروی ہے ہند میں ایک نہر ہے۔ قتادہ کہتے ہیں جزیرہ میں ایک نہر ہے جسے عین الوردہ کہتے ہیں۔ لیکن یہ سب اقوال غریب ہیں۔ الغرض ان علامتوں کے ظاہر ہوتے ہیں نوح علیہ السلام کو اللہ کا حکم ہوا کہ اپنے ساتھ کشتی میں جاندار مخلوق میں سے ہر قسم کا ایک ایک جوڑا نر مادہ سوار کرلو۔ کہا گیا ہے کہ غیر جاندار کے لیے بھی یہی حکم تھا۔ جیسا نباتات۔ کہا گیا ہے کہ پرندوں میں سب سے پہلے درہ کشتی میں آیا اور سب سے آخر میں گدھا سوار ہونے لگا۔ ابلیس اس کی دم میں لٹک گیا جب اس کے دو اگلے پاؤں کشتی میں آ گئے اس کا اپنا دھڑ اٹھانا چاہا تو نہ اٹھا سکا کیونکہ دم پر اس ملعون کا بوجھ تھا۔ حضرت نوح جلدی کر رہے تھے یہ بہترا چاہتا تھا مگر پچھلے پاؤں چڑھ نہیں سکتے تھے۔

شیر کی چھینک سے بلی نکلنے کا واقعہ

آخر آپ نے فرمایا آ جا تیرے ساتھ ابلیس بھی ہو آیا تب وہ چڑھ گیا اور ابلیس بھی اس کے ساتھ ہی آیا۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ شیر کو اپنے ساتھ لے جانا مشکل ہو گیا، آخر اسے بخار چڑھ آیا تب اسے سوار کر لیا۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب تمام مویشی اپنی کشتی میں سوار کر لیے تو لوگوں نے کہا شیر کی موجودگی میں یہ مویشی کیسے آرام سے رہ سکیں گے؟ پس اللہ تعالیٰ نے اسے بخار ڈال دیا۔ اس سے پہلے زمین پر یہ بیماری نہ تھی۔ پھر لوگوں نے چوہے کی شکایت کی یہ ہمارا کھانا اور دیگر چیزیں خراب کر رہے ہیں تو اللہ کے حکم سے شیر کی چھینک میں سے ایک بلی نکلی جس سے چوہے دبک کر کونے کھدرے میں بیٹھ رہے۔ حضرت نوح کو حکم ہوا کہ اپنے گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لو مگر ان میں سے جو ایمان نہیں انہیں ساتھ نہ لینا۔ آپ کا لڑکا حام بھی انہیں کافروں میں تھا وہ الگ ہو گیا۔ یا آپ کی بیوی کہ وہ بھی اللہ رسول کی منکر تھی اور تیری قوم کے تمام مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لے لیکن ان مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔

ساڑھے نو سو سال کے قیام کی طویل مدت میں آپ پر بہت ہم کم لوگ ایمان لائے تھے ابن عباس فرماتے ہیں کل اسی آدمی تھے جن میں عورتیں بھی تھیں کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب بہتر (۷۲) اشخاص تھے۔ ایک قول ہے صرف دس آدمی تھے ایک قول ہے حضرت نوح تھے اور ان کے تین لڑکے تھے سام، حام، یافث اور چار عورتیں تھیں۔ تین تو ان تینوں کی بیویاں اور چوتھی حام کی بیوی اور کہا گیا ہے کہ خود حضرت نوح کی بیوی۔ لیکن اس میں نظر ہے بظاہر یہ ہے حضرت نوح ہلاک ہونے والوں میں ہلاک ہوئی۔ اس لیے کہ وہ اپنی قوم کے دین پر ہی تھی تو جس طرح لوط علیہ اسلام کی بیوی قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی اسی طرح یہ بھی واللہ اعلم واحکم۔

کشتی نوح پر کون کون سوار ہوا؟

حضرت نوح جنہیں اپنے ساتھ لے جانے چاہتے تھے ان سے فرمایا کہ آؤ اس میں سوار ہو جائے اس کا پانی پر چلنا اللہ کے نام

کی برکت سے ہے اور اسی طرح اس کا آخر ٹھہراؤ بھی اسی پاک نام سے ہے۔ ایک قرآت میں مجرھا و مرسھا بھی ہے۔ یہی اللہ کا آپ کو حکم تھا کہ جب تم اور تمہارے ساتھی ٹھیک طرح بیٹھ جاؤ تو کہنا الحمد اللہ الی نجانا من القوم الظالمین O اور یہ بھی دعا کرنا کہ رب انزلنی منزلا مبارکا وانت خیر المنزلین O اس لیے مستحب ہے کہ تمام کاموں کے شروع میں بسم اللہ پڑھ لی جائے خواہ کشتی پر سوار ہونا ہو، خواہ جانور پر سوار ہونا ہو، جیسے فرمان باری ہے کہ اسی اللہ نے تمہارے لیے تمام جوڑے پیدا کیے ہیں اور کشتیاں اور چوپائے تمہاری سواری کے پیدا کیے ہیں کہ تم ان کی پیٹھ پر سوار کرو، الخ۔

حدیث میں بھی اس کی تاکید اور رغبت آئی ہے، سورہ زخرف میں اس کا پورا بیان ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ طبرانی میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میری اُمت کے لیے ڈوبنے سے بچاؤ ان کے اس قول میں ہے سوار ہوتے ہوئے کہیں بسم اللہ الملك وما قدر و الله حق قدره پوری آیت بسم الله مجر ها و مرسها ان ربی لغفور رحیم اس دعا کے آخر میں اللہ کا وصف غفور رحیم اس لیے لائے کہ کافروں کی سزا کے مقابلے میں مومنوں پر رحمت وشفقت کا اظہار ہو۔ جیسے فرمان ہے تیرا رب جلد سزا کرنے والا اور ساتھ ہی غفور رحیم بھی ہے۔ اور آیت میں ہے ان ربکا لذوا مغفرة للناس علی ظلمھم ون ربك لشدید العقاب O یعنی تیرا پروردگار لوگوں کے گناہوں کو بخشنے والا بھی ہے اور سخت سزا دینے والا بھی ہے۔ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں رحمت وانتقام کا بیان ملا جلا ہے۔

روئے زمین پر پھیلنے والے پانی کا واقعہ

پانی روئے زمین پر پھر گیا ہے، کسی اونچے سے اونچے پہاڑ کی بلندی سے بلند چھوٹی بھی دکھائی نہیں دیتی بلکہ پہاڑوں سے اوپر پندرہ ہاتھ اور بقولے اسی میل اوپر کو ہو گیا ہے باوجود اس کی کشتی نوح بحکم الٰہی برابر صحیح طور پر جا رہی ہے۔ خود اللہ اس کا محافظ ہے اور وہ خاص اس کی عنایت ومہر ہے۔ جیسے فرمان ہے انا لما طغی الماء حمل نا کم فی الجاریته الخ، یعنی پانی میں طغیانی کے وقت ہم نے آپ تمہیں کشتی میں چڑھا لیا کہ ہم اسے تمہارے لیے نصیحت بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھ لیں اور آیت میں ہے کہ ہم نے تمہیں اس تختوں والی کشتی پر سوار کرایا اور اپنی حفاظت میں پار اتارا اور کافروں کو ان کے کفر کا انجام دیکھا دیا اور اسے ایک نشان بنا دیا کیا اب بھی کوئی ہے جو عبرت حاصل کرے؟ اس وقت حضرت نوح نے اپنے صاحبزادے کو بلایا یہ آپ کے چوتھے لڑکے تھے اس کا حام تھا یہ کافر تھا اسے آپ نے کشتی میں سوار ہونے کے وقت ایمان کی اور اپنے ساتھ بیٹھ جانے کی ہدایت کی تاکہ ڈوبنے سے اور کافروں کے عذاب سے بچ جائے۔ مگر اس بدنیتی نے جواب دیا کہ نہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں میں پہاڑ پر چڑھ کر طوفان باراں سے بچ جاؤں گا۔

ایک اسرائیلی روایت میں ہے کہ اس نے شیشے کی کشتی بنائی تھی واللہ اعلم۔ قرآن میں تو یہ ہے کہ اس نے یہ سمجھا کہ یہ طوفان پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں پہنچنے کا میں جب جا پہنچوں گا تو یہ پانی میرا کیا بگاڑے گا؟ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ آج عذاب الٰہی سے کہیں پناہ نہیں وہی بچے گا جس پر اللہ کا رحم ہو۔ یہاں عاصم معصوم کے معنی میں ہے جیسے طاعم مطعوم کے معنی

میں اور کا سی سکو کے معنی میں آیا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی ہیں جو ایک موج آئی اور پسر نوح کو لے ڈوبی۔

طوفان نوح علیہ السلام کی روداد

روئے زمین کے سب لوگ اس طوفان میں جو درحقیقت غضب الٰہی اور مظلوم پیغمبر کی بددعا کا عذاب تھا غرق ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ عزوجل نے زمین کو اس پانی کے نگل لینے کا حکم دیا جو اس کا اگلا ہوا اور آسمان کا برسایا ہوا تھا۔ ساتھ ہی آسمان کو بھی پانی برسانے سے رک جانے کا حکم ہوگا۔ پانی گھٹنے لگا اور کام پورا ہو گیا یعنی تمام کافر نابود ہو گئے، صرف کشتی والے مومن ہی بچے۔ کشتی بحکم ربی جودی پر رکی۔ مجاہد کہتے ہیں یہ جزیرہ میں ایک پہاڑ ہے سب پہاڑ ڈبو دیئے گئے تھے اور یہ پہاڑ بوجہ اپنی عاجزی اور تواضع کے غرق ہونے سے بچ رہا تھا یہیں کشتی نوح لنگر انداز ہوئی۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں مہینے بھر تک یہیں لگی رہی اور سب اتر گئے اور کشتی لوگوں کی عبرت کے لیے یہی ثابت و سالم رکھی رہی یہاں تک کہ اس اُمت کے اول لوگوں نے بھی اسے دیکھ لیا۔ حالانکہ اس کے بعد کی بہترین اور مضبوط سینکڑوں کشتیاں بنیں بگڑیں بلکہ راکھ اور خاک ہو گئیں۔ ضحاک فرماتے ہیں جودی نام کا پہاڑ موصل میں ہے۔ بعض کہتے ہیں طور پہاڑ کو ہی جودی بھی کہتے ہیں۔ زر بن جیش کو ابواب کندہ سے داخل ہو کر دائیں طرف کے زاویہ میں نماز بکثرت پڑھتے ہوئے دیکھ کر نوبہ بن سالم نے پوچھا کہ آپ جو جمع کے دن برابر یہاں اکثر نماز پڑھا کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کشتی نوح یہیں لگی تھی۔

ابن عباس کا قول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں بال بچوں سمیت کل اسی آدمی تھے۔ ایک سو پچاس دن تک وہ سب کشتی میں ہی رہے۔ الہ تعالیٰ نے کشتی کا منہ مکہ شریف کی طرف کر دیا۔ یہاں وہ چالیس دن تک بیت اللہ شریف کا طواف کرتی رہی۔ پھر اسے الہ تعالیٰ نے جودی کی طرف روانہ کر دیا، وہاں وہ ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کوئے کو بھیجا کہ وہ خشکی کی خبر لائے۔ وہ ایک مردار کے کھانے میں لگ گیا اور دیر لگا دی۔ آپ نے ایک کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ اور پنجوں میں مٹی لے کر واپس آیا۔ اس سے حضرت نوح علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ پانی سوکھ گیا ہے اور زمین ظاہر ہو گئی ہے۔ پس آپ جودی کے نیچے اترے اور وہیں ایک بستی کی بنا ڈالی جسے ثمانین کہتے ہیں۔ ایک ایک دن صبح کو جب لوگ جاتے تو ہر ایک کی زبان بدلی ہوئی تھی۔ ایسی زبانیں بولنے لگے جن میں سب سے اعلیٰ اور بہترین عربی زبان تھی۔ ایک کو دوسرے کا کلام سمجھنا محال ہو گیا۔ نوح علیہ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے سب زبانیں معلوم کرا دیں، آپ ان سب کے درمیان مترجم تھے۔ ایک کا مطلب دوسرے کو سمجھا دیتے تھے۔

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ کشتی نوح مشرق مغرب کے درمیان چل پھر رہی تھی پھر جودی پر ٹھہر گ ۔۔ حضرت قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں رجب کی دسویں تاریخ مسلمان اس میں سوار ہوئے تھے پانچ ماہ تک اسی میں رہے انہیں لے کر کشتی جودی پر مہینے بھر تک ٹھہری رہی۔ آخر محرم کے عاشورے کے دن وہ سب اس میں سے اترے۔ اسی قسم کی ایک مرفوع حدیث بھی ابن جریر میں ہے، انہوں نے اس دن روزہ بھی رکھا۔ واللہ علم۔

یوم عاشوراء کو کشتی نوح کا جودی پہاڑ پر پہنچنے کا واقعہ

مسند احمد میں ہے کہ نبی صلی اللہ وعلیہ وسلم نے چند یہودیوں کو عاشورے کے دن روزہ رکھے ہوئے دیکھ کران سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دریا سے پا اتارا تھا اور فرعون اس اس کی قوم کو ڈبو دیا تھا۔ اور اسی دن کشتی نوح جودی پر لگی تھی۔ پس ان دونوں پیغمبروں نے شکر الٰہی کا روزہ اس دن پر رکھا تھا۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا پھر موسیٰ علیہ اسلام کا سب سے زیادہ حق دار میں ہوں اور اس دن کے روزے کا میں زیادہ مستحق ہوں۔ پس آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں سے جو آج روزے سے ہو وہ تو اپنا روزہ پورا کرے اور جو ناشتہ کر چکا ہو وہ بھی باقی دن کچھ نہ کھائے۔ یہ روایت اس سند سے تو غریب ہے لیکن اس کے بعض حصے کے شاہد صحیح حدیث میں بھی موجود ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ظالموں کو خسارہ، ہلاکت اور رحمت حق سے دوری ہوئی۔ وہ سب ہلاک ہوئے ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچا۔

طوفان نوح میں ماں اور بچے کے غرق ہونے کا واقعہ

تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ قوم نوح میں سے کسی پر بھی رحم کرنے والا ہوتا تو اس بچے کی ماں پر رحم کرتا۔ حضرت نوح اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک ٹھہرے آپ نے ایک درخت بویا تھا جو سو سال تک بڑھتا اور بڑا ہوتا رہا پھر اس کاٹ کر تختے بنا کر کشتی بنانی شروع کی۔ کافر لوگ مذاق اڑاتے کہ یہ اس خشکی میں کشتی کیسے چلائیں گے؟ آپ جواب دیتے تھے کہ عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے جب آپ بنا چکے اور پانی زمین سے ابلنے اور آسمان سے برسنے لگا اور گلیاں اور راستے پانی سے ڈوبنے لگے تو اس بچے کی ماں جسے اپنے اس بچے سے غایت درجے کی محبت تھی وہ اسے لے کر پہاڑ کی طرف چلی گئی اور جلدی جلدی اس پر چڑھنا شروع کیا، تہائی حصے پر چڑھ گئی لیکن جب اس نے دیکھا کہ پانی وہاں بھی پہنچا تو اور اوپر کو چڑھی۔ دو تہائی کو پہنچی جب پانی وہاں بھی پہنچا تو اس نے چوٹی پر جا کر دم لیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچ گیا جب گردن گردن پانی چڑھ گیا تو اس نے اپنے بچے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اونچا لیا لیکن پانہ وہاں بھی پہنچا اور ماں بچہ دونوں غرق ہو گئے۔ پس اگر اس دن کوئی کافر بچنے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بچے کی ماں پر رحم کرتا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے کہ کعب احبار، مجاہد اور ابن جبیر سے بھی اس بچے اور اس کی ماں کا یہی قصہ مروی ہے۔

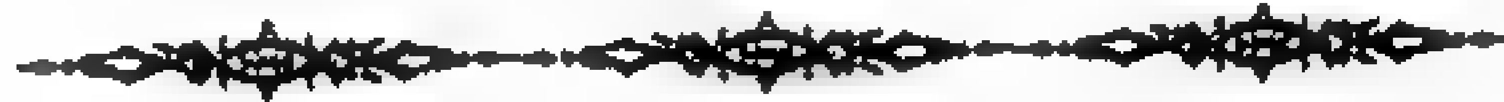
ایک سال کے بعد کشتی نوح سے نیچے اترنے کا واقعہ

کشتی ٹھہری اور اللہ کا سلام آپ پر اور آپ کے تمام مومن ساتھیوں پر اور ان کی اولاد میں سے قیامت تک جو ایماندار آنے والے ہیں سب پر نازل ہوا۔ ساتھ ہی کافروں کے دنیوی فائدے سے مستفید ہونے اور پھر عذاب میں گرفتار ہونے کا بھی اعلان ہوا۔ پس یہ آیت قیامت تک کے مومنوں کی سلامتی اور برکت اور کافروں کی سزا پر مبنی ہے۔

امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب جناب باری جل شانہ نے طوفان بند کرنے کا ارادہ فرمالیا تو روئے زمین پر ایک ہوا بھیج

دی جس نے پانی کو ساکن کر دیا اور اس کا اُبلنا بند ہو گیا ساتھ ہی آسمان کے دروازے بھی جواب تک پانی برسا رہے تھے بند کر دیے گئے۔ زمین کو پانی کے جذب کر لینے کا حکم ہو گی اس وقت پانی کم ہونا شروع ہو گیا اور بقول اہل توراۃ کے ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ کشتی نوح جودی پر لگی۔

دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں کھل گئیں۔ اس کے چالیس دن کے بعد کشتی کے روزن پانی کے اوپر دکھائی دینے لگے پر آپ نے کوے کو پانی کی تحقیق کے لیے بھیجا لیکن وہ پلٹ کر نہ آیا، آپ نے کبوتر کو بھیجا جو واپس آیا۔ اپنے پاؤں رکھنے کو اسے جگہ نہ ملی، آپ نے اپنے ہاتھ پر لے کر اسے اندر لے لیا، پھر ساتھ دن کے بعد اسے دوبارہ بھیجا۔ شام کو وہ واپس آیا، اپنی چونچ میں زیتون کا پتہ لیے ہوئے تھا اس سے اللہ کے نبی نے معلوم کر لیا کہ پانی زمین سے کچھ ہی اونچا رہ گیا ہے۔ پھر سات دن کے بعد بھیجا اب کی مرتبہ وہ نہ لوٹا تو آپ نے سمجھ لیا کہ زمین بالکل خشک ہو چکی ہے۔ الغرض پورے ایک سال کے بعد حضرت نوح علیہ اسلام نے کشتی کا سرپوش اُٹھایا اور آواز آئی کہ اے نوح! ہماری نازل کردہ سلامتی کے ساتھ اب اتر آؤ۔



حضرت ھود علیہ السلام

قوم عاد کی طرف پیغام حق جانے کا واقعہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو ہم نے نبی بنا کر بھیجا یہ لوگ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد تھے۔ یہ عاد اولیٰ ہیں۔ یہ جنگل میں ستونوں میں رہتے تھے۔ فرمان ہے آیت (الم تر کیف فعل ربك بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلها فی البلاد) یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ عاد ارم کے ساتھ تیرے رب نے کیا کیا؟ جو بلند قامت تھے دوسرے شہروں میں جن کی مانند لوگ پیدا ہی نہیں کیے گئے۔ یہ لوگ بڑے قوی طاقتور اور لانبے چوڑے قد کے تھے جیسے فرمان ہے کہ عادیوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور نعرہ لگایا کہ ہم سے زیادہ قوی کون ہے؟

کیا انہیں اتنی بھی تمیز نہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا یقیناً ان سے زیادہ طاقت والا ہے۔ وہ ہماری آیتوں سے انکار کر بیٹھے ان کے شہر یمن میں احقاف تھے، یہ ریتلے پہاڑ تھے۔

حضرت علی نے حضر موت کے ایک شخص سے کہا کہ تو نے ایک سرخ ٹیلہ دیکھا ہوگا جس میں سرخ رنگ کی راکھ جیسی مٹی ہے اس کے آس پاس پیلو اور بیری کے درخت بکثرت ہیں وہ ٹیلہ فلاں جگہ حضر موت میں ہے اس نے کہا امیر المومنین آپ تو اس طرح کے نشان بتا رہے ہیں گویا آپ نے بچشم خود دیکھا ہے آپ نے فرمایا نہیں دیکھا تو نہیں لیکن ہاں مجھ تک حدیث پہنچی ہے کہ وہیں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی بستیاں یمن میں تھیں اسی لئے ان کے پیغمبر وہیں مدفون ہیں آپ ان سب میں شریف قبیلے کے تھے اس لئے کہ انبیاء ہمیشہ حسب نسب کے اعتبار سے عالی خاندان میں ہی ہوتے رہے ہیں لیکن آپ کی قوم جس طرح جسمانی طور سے سخت اور زور دار تھی اسی طرح دلوں کے اعتبار سے بھی بہت سخت تھی جب اپنے نبی کی زبانی اللہ کی عبادت اور تقویٰ کی نصیحت سنی تو لوگوں کو بھاری اکثریت اور ان کے سردار اور بڑے بول اٹھے کہ تو تو پاگل ہو گیا ہے ہمیں اپنے بتوں کی ان خوبصورت تصویروں کی عبادت سے ہٹا کر اللہ واحد کی عبادت کی طرف بلا رہا ہے۔

یہی تعجب قریش کو ہوا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس نے سارے معبودوں کو عبادت سے ہٹا کر ایک کی عبادت کی دعوت کیوں دی؟ حضرت ہود نے انہیں جواب دیا کہ مجھ میں تو بیوقوفی کی بفضلہ کوئی بات نہیں۔ میں تو تمہیں کلام اللہ پہنچا رہا ہوں تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور امانت داری سے حق رسالت ادا کر رہا ہوں۔ یہی وہ صفتیں ہیں جو تمام رسولوں میں یکساں ہوتی ہیں یعنی پیغام حق

پہنچانا، لوگوں کی بھلائی چاہنا اور امانتداری کا نمونہ بننا۔

تم میری رسالت پر تعجب نہ کرو بلکہ اللہ کا شکر بجالاؤ کہ اس نے تم میں سے ایک فرد کو اپنا پیغمبر بنایا کہ وہ تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراوے۔ تمہیں رب کے اس احسان کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اس نے تمہیں ہلاک ہونے والوں کے بقایا میں سے بنایا۔ تمہیں باقی رکھا اتنا ہی نہیں بلکہ تمہیں قوی ہیکل، مضبوط اور طاقتور کر دیا۔ یہی نعمت حضرت طالوت پر تھی کہ انہیں جسمانی اور علمی کشادگی دی گئی تھی۔ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو تا کہ نجات حاصل کر سکو۔

قوم عاد کا باغیانہ رویے کا واقعہ

قوم عاد کی سرکشی، تکبر، ضد اور عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہی ہے کہ ہم اللہ واحد کے پرستار بن جائیں اور باپ دادوں کے پرانے معبودوں سے روگردانی کر لیں؟ سنو اگر یہی مقصود ہے تو اسکا پورا ہونا محال ہے۔ ہم تیار ہیں اگر تم سچے ہو تو اپنے اللہ سے ہمارے لئے عذاب طلب کرو۔ یہی کفار مکہ نے کہا تھا کہنے لگے کہ یا اللہ محمد کا کہا حق ہے اور وہ واقعی تیرا کلام ہے اور ہم نہیں مانتے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور سخت المناک عذاب ہمیں کر۔ قوم عاد کے بتوں کے نام یہ ہیں صمد۔ صمود هبا۔ ان کی اس ڈھٹائی کے مقابلے میں اللہ کا عذاب اور اس کا غضب ثابت ہو گیا۔ رجس سے مراد رجز یعنی عذاب ہے ناراضی اور غصے کے معنی یہی ہیں۔

پھر فرمایا کہ تم ان بتوں کی بابت مجھ سے جھگڑ رہے ہو جن کے نام بھی تم نے خود رکھے ہیں یا تمہارے بڑوں نے۔ اور خواہ مخواہ بیوجہ انہیں معبود سمجھ بیٹھے ہو یہ پتھر کے ٹکڑے محض بے ضرر اور بے نفع ہیں۔ نہ اللہ نے ان کی عبادت کی کوئی دلیل اتاری ہے۔ ہاں اگر تم مقابلے پر اتر ہی آئے ہو تو منتظر رہو میں بھی منتظر ہوں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ مقبول بارگاہ رب کون ہے اور مردود بارگاہ کون ہے؟ کون مستحق عذاب ہے اور کون قابل ثواب ہے؟ آخر ہم نے اپنے نبی کو اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو نجات دی اور کافروں کی جڑیں کاٹ دیں۔

سرکش قوم عاد کو ہوا کا آسمان کی جانب اٹھا لینے کا واقعہ

قرآن کریم کے کئی مقامات پر جناب باری عزوجل نے ان کی تباہی کی صورت بیان فرمائی ہے کہ ان پر خیر سے خالی، تند اور تیز ہوائیں بھیجی گئیں جس نے انہیں اور ان کی تمام چیزوں کو غارت اور برباد کر دیا۔ عاد لوگ بڑے زناٹے کی سخت آندھی سے ہلاک کر دیئے گئے جو ان پر برابر سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی۔

سارے کے سارے اس طرح ہو گئے جیسے کھجور کے درختوں کے تنے الگ ہوں اور شاخیں الگ ہوں۔ دیکھ لے ان میں سے ایک بھی اب نظر آ رہا ہے؟ ان کی سرکشی کی سزا میں سرکش ہوا ان پر مسلط کر دی گئی جو ان میں سے ایک ایک کو اٹھا کر آسمان کی بلندی کی طرف لے جاتی اور وہاں سے گراتی جس سے سر الگ ہو جاتا دھڑ الگ گر جاتا۔ یہ لوگ یمن کے ملک میں، عمان اور حضر موت میں رہتے تھے، ادھر ادھر نکلتے اور لوگوں کو مار پیٹ کی جبراً قہراً ان کے ملک و مال پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے۔ سارے کے سارے بت

پرست تھے۔

قوم عاد پر تین سال تک قحط پڑ جانے کا واقعہ

حضرت ہود علیہ السلام جوان کے شریف خاندانی شخص تھے ان کے پاس رب کی رسالت لے کر آئے، اللہ کی توحید کا حکم دیا، شرک سے روکا لوگوں پر ظلم کرنے کی برائی سمجھائی لیکن انہوں نے اس نصیحت کو قبول نہ کیا۔ مقابلے پر تن گئے اور اپنی قوت سے حق کو دبانے لگے۔ گو بعض لوگ ایمان لائے تھے لیکن وہ بھی بیچارے جان کے خوف سے پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔ باقی لوگ بدستور اپنی بے ایمانی اور ناانصافی پر جمے رہے، خواہ مخواہ فوقیت ظاہر کرنے لگے، بیکار عمارتیں بناتے اور پھولے نہ سماتے۔ ان سب کاموں کو اللہ کے رسول ناپسند فرماتے، انہیں روکتے، تقوے کی، اطاعت کی ہدایت کرتے لیکن یہ کبھی تو انہیں بے دلیل بتاتے، کبھی انہیں مجنوں کہتے آپ اپنی برات ظاہر کرتے اور ان سے صاف فرماتے کہ مجھے تمہاری قوت طاقت کا مطلقاً خوف نہیں جاؤ تم سے جو ہو سکے کر لو۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی بھروسے کے لائق نہ عبادت کے قابل ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز پست اور لاچار ہے۔ سچی راہ اللہ کی راہ ہے۔ آخر جب یہ اپنی برائیوں سے باز نہ آئے تو ان پر بارش نہ برسائی گئی تین سال تک قحط سالی رہی۔ عاجز ہو گئے تنگ آ گئے آخر یہ سوچا کہ چند آدمیوں کو بیت اللہ شریف بھیجیں وہ وہاں جا کر اللہ سے دعائیں کریں۔

یہی ان کا دستور تھا کہ جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو وہاں وفد بھیجتے اس وقت ان کا قبیلہ عمالیق حرم شریف میں بھی رہتا تھا یہ لوگ عملیق بن آدم بن سام بن نوح کی نسل میں سے تھے ان کا سردار اس زمانے میں معاویہ بن بکر تھا۔ اس کی ماں قوم عاد سے تھی جس کا نام جاہدہ بنت خبیری تھا عادیوں نے اپنے ہاں سے ستر شخصوں کو منتخب کر کے بطور وفد مکے شریف کو روانہ کیا۔ یہاں آ کر یہ معاویہ کے مہمان بنے۔ پر تکلف دعوتوں کے اڑانے، شراب خوری کرنے اور معاویہ کی دو لونڈیوں کا گانا سننے میں اس بیخودی سے مشغول ہو گئے کہ کامل ایک مہینہ گذر گیا۔ انہیں اپنے کام کی طرف مطلق توجہ نہ ہوئی۔

معاویہ ان کی یہ روش دیکھ کر اور اپنی قوم کی بری حالت سامنے رکھ کر بہت کڑھتا تھا لیکن یہ مہمان نوازی کے خلاف تھا کہ خود ان سے کہتا کہ جاؤ۔ اس لئے اس نے کچھ اشعار لکھے اور ان ہی دونوں کنیزوں کو یاد کرائے کہ وہ یہی گا کر انہیں سنائیں۔ ان شعروں کا مضمون یہ تھا کہ اے لوگو جو قوم کی طرف سے اللہ سے دعائیں کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو کہ اللہ عادیوں پر بارش برسائے جو آج قحط سالی کی وجہ سے تباہ ہو گئے ہیں بھوکے پیاسے مر رہے ہیں بڈھے بچے مرد عورتیں تباہ حال پھر رہے ہیں یہاں تک کہ بولنا چالنا ان پر دوبھر ہو گیا ہے۔ جنگلی جانور ان کی آبادیوں میں پھر رہے ہیں کیونکہ کسی آدمی میں اتنی قوت کہاں کہ وہ تیر چلا سکے۔ لیکن افسوس کہ تم یہاں اپنے من مانے مشغلوں میں منہمک ہو گئے اور بے فائدہ وقت ضائع کرنے لگے۔ تم سے زیادہ برا وفد دنیا میں کوئی نہ ہو گا یاد رکھو اگر اب بھی تم نے مستعدی سے قومی خدمت نہ کی تو تم برباد اور غارت ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر ان کے کان کھڑے ہوئے یہ حرم میں گئے اور دعائیں مانگنا شروع کیں اللہ تعالیٰ نے تین بادل ان کے سامنے پیش کئے ایک سفید ایک سیاہ ایک سرخ اور ایک آواز آئی کہ ان میں سے ایک اختیار کر لو اس نے سیاہ بادل پسند کیا آواز آئی کہ تو نے سیاہ پسند کیا جو عادیوں میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑے گا نہ باپ کو

نہ بیٹے کو سب کو غارت کر دے گا سوائے بنو لویز یہ کے۔

قوم عاد پر عذاب خدا نازل ہونے کا واقعہ

یہ بنو لویز یہ بھی عادیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مکہ میں مقیم تھے ان پر وہ عذاب نہیں آئے تھے یہی باقی رہے اور انہی میں سے عاد اخری ہوئے۔ اس وفد کے سردار نے سیاہ بادل پسند کیا تھا جو اسی وقت عادیوں کی طرف چلا۔ اس شخص کا نام قیل بن غز تھا۔ جب یہ بادل عادیوں کے میدان میں پہنچا جس کا نام مغیث تھا تو اسے دیکھ وہ لوگ خوشیاں منانے لگے کہ اس ابر سے پانی ضرور برسے گا حالانکہ یہ وہ تھا جس کی یہ لوگ نبی کے مقابلہ میں جلدی مچا رہے تھے جس میں المناک عذاب تھا جو تمام چیزوں کو فنا کر دینے والا تھا۔ سب سے پہلے اس عذاب الٰہی کو ایک عورت نے دیکھا جس کا نام ممید تھا یہ چیخ مار کر بیہوش ہوگئی۔ جب ہوش آئی تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا آگ کا بگولہ جو بصورت ہوا تھا جسے فرشتے گھسیٹے لئے چلے آتے تھے۔ برابر سات راتیں اور آٹھ دن تک یہ آگ والی ہوا ان پر چلتی رہی اور عذاب کا بادل ان پر برستا رہا۔

تمام عادیوں کا ستیاناس ہوگیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے مومن ساتھی ایک باغیچے میں چلے گئے وہاں اللہ نے انہیں محفوظ رکھا وہی ہوا ٹھنڈی اور بھینی بھینی ہو کر ان کے جسموں کو لگتی رہی جس سے روح کو تازگی اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی رہی۔ ہاں عادیوں پر اس ہوا نے سنگباری شروع کر دی، ان کے دماغ پھٹ گئے۔ آخر انہیں اٹھا اٹھا کر دے پٹا سر الگ ہو گئے دھڑ الگ جا پڑے یہ ہوا سوار کو سواری سمیت ادھر اٹھا لیتی تھی اور بہت اونچے لے جا کر اسے اوندھا دے پٹختی تھی۔ یہ سیاق بہت غریب ہے اور اس میں بہت سے فوائد ہیں۔ عذاب الٰہی کے آجانے سے حضرت ہود کو اور مومنوں کو نجات مل گئی رحمت حق ان کے شامل حال رہی اور باقی کفار اس بدترین سزا میں گرفتار ہوئے۔

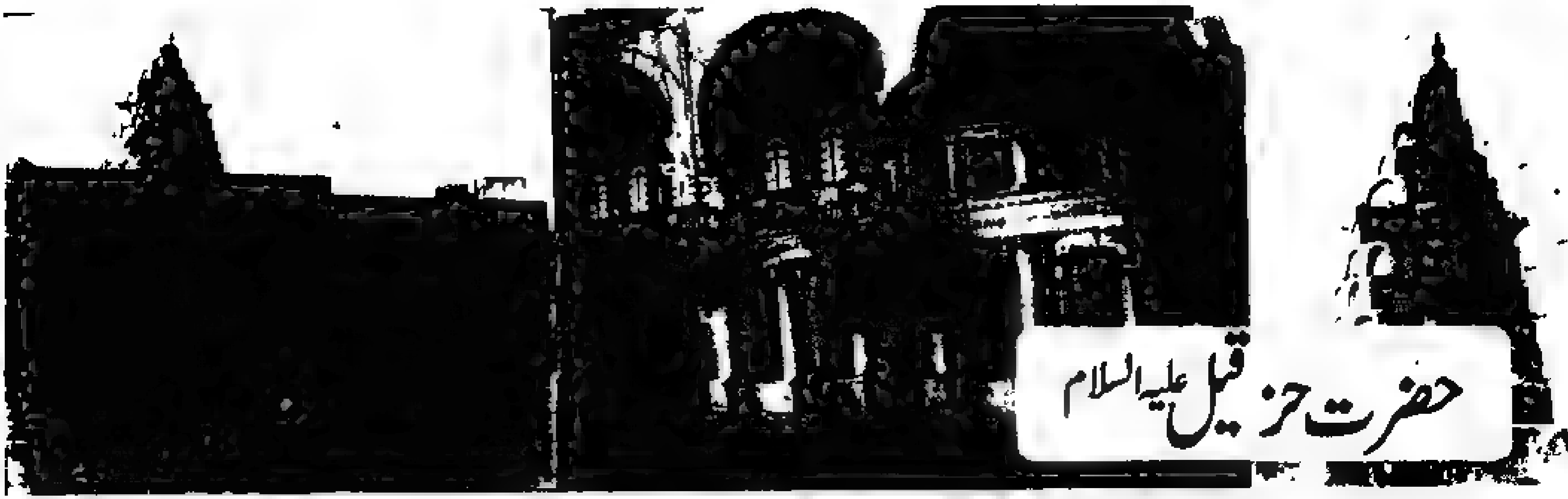
عادیوں کو عذاب سے نجات دینے والے کا عجیب واقعہ

مسند احمد میں ہے حضرت حارث بکری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اپنے ہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں علا بن حضرمی کی شکایت لے کر چلا جب میں ربذہ میں پہنچا تو بنو تمیم کی ایک بڑھیا لاچار ہو کر بیٹھی ہوئی ملی۔ مجھ سے کہنے لگی اے اللہ کے بندے مجھے سرکار رسالت مآب میں پہنچنا ہے۔ کیا تو میرے ساتھ اتنا سلوک کرے گا کہ مجھے دربار رسالت میں پہنچا دے؟ میں نے کہا آؤ چنانچہ میں نے اسے اپنے اونٹ پر بٹھا لیا اور مدینے پہنچا دیکھا کہ مسجد لوگوں سے بھری ہوئی ہے سیاہ جھنڈے لہرا رہے ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلوار لٹکائے کھڑے ہیں میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں کہیں لشکر بھیجنے والے ہیں۔ میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی منزل میں تشریف لے گئے۔ میں آپ کے پیچھے ہی گیا۔ اجازت طلب کی اجازت ملی جب میں نے اندر جا کر سلام کیا تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کیا تم میں اور بنو تمیم میں کچھ چشمک ہے؟

میں نے کہا حضور اس کے ذمہ دار وہی ہیں۔ میں اب حاضر خدمت ہو رہا تھا تو راستے میں قبیلہ تمیم کی ایک بڑھیا عورت مل گئی جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی اس نے مجھ سے درخواست کی اور میں اسے اپنی سواری پر بٹھا کر یہاں لایا ہوں وہ دروازے پر بیٹھی ہوئی ہے۔ آپ نے اسے بھی اندر آنے کی اجازت دی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی روک کر دیجئے۔ اس پر بڑھیا تیز ہو کر بولی اگر آپ نے ایسا کر دیا تو پھر آپ کے ہاں کے بے بس کہاں پناہ لیں گے؟ میں نے کہا سبحان اللہ! تیری اور میری تو وہی مثل ہوئی کہ بکری اپنی موت کو آپ اٹھا کرلے گئی، میں نے ہی تجھے یہاں پہنچایا، مجھے اس کے انجام کی کیا خبر تھی؟ اللہ نہ کرے کہ میں بھی عادی قبیلے کے وفد کی طرح ہو جاؤں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ ہی عادیوں کے وفد کا قصہ کیا ہے؟ باوجود یہ کہ آپ کو مجھ سے زیادہ اس کا علم تھا لیکن یہ سمجھ کر کہ اس وقت آپ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے قصہ شروع کر دیا کہ حضور جس وقت عادیوں میں قحط سالی نمودار ہوئی تو انہوں نے قیل نامی ایک شخص کو بطور اپنے قاصد کے بیت اللہ شریف دعا وغیرہ کرنے کیلئے بھیجا۔

یہ معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر مہمان بنا۔ یہاں شراب و کباب اور راگ رنگ میں ایسا مشغول ہوا کہ مہینے بھر تک جام لنڈھاتا رہا اور معاویہ کی دو لونڈیوں کے گانے سنتا رہا ان کا نام جرادہ تھا۔ مہینے بھر کے بعد مہرہ کے پہاڑوں پر گیا اور اللہ سے دعا مانگنے لگا کہ باری تعالیٰ میں کسی بیمار کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کے فدیئے کے لئے نہیں آیا یا اللہ عادیوں کو تو وہ پلا جو پلایا کرتا تھا اتنے میں وہ دیکھتا ہے کہ چند سیاہ رنگ کے بادل اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں ان میں سے ایک غیبی صدا آئی کہ ان میں سے جو تجھے پسند ہو قبول کر لے۔ اس نے سخت سیاہ بادل کو اختیار کیا اسی وقت دوسری آواز آئی کہ لے لے خاک راکھ جو عادیوں میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑے۔ عادیوں پر ہوا کے خزانے میں سے صرف بقدر انگوٹھی کے حلقے کے ہوا چھوڑی گئی تھی جس نے سب کو غارت اور تہ و بالا کر دیا۔ ابو وائل کہتے ہیں۔ یہ واقعہ سارے عرب میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔

جب لوگ کسی کو بطور وفد کے بھیجتے تھے تو کہہ دیا کرتے تھے کہ عادیوں کے وفد کی طرح نہ ہو جانا۔ اسی طرح مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے سنن کی اور کتابوں میں بھی یہ واقعہ موجود ہے۔



حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے چالیس ہزار مردوں کے زندہ ہونے کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ لوگ چار ہزار تھے اور روایت میں ہے کہ آٹھ ہزار تھے، بعض نو ہزار کہتے ہیں، بعض چالیس ہزار بتاتے ہیں، بعض تیس ہزار سے کچھ اوپر بتاتے ہیں، یہ لوگ ذروروان نامی بستی کے تھے جو واسط کی طرف ہے، بعض کہتے ہیں اس بستی کا نام اذرعات تھا، یہ لوگ طاعون کے مارے اپنے شہر کو چھوڑ کر بھاگے تھے، ایک بستی میں جب پہنچے وہیں اللہ کے حکم سے سب مر گئے۔

اتفاق سے ایک نبی اللہ کا وہاں سے گزرا، ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر دوبارہ زندہ کر دیا، بعض لوگ کہتے ہیں ایک چٹیل صاف ہوادار کھلے پر فضا میدان میں ٹھہرے تھے اور دو فرشتوں کی چیخ سے ہلاک کئے گئے تھے جب ایک لمبی مدت گزر چکی ان کی ہڈیوں کا بھی چونا ہو گیا، اسی جگہ بستی بس گئی تب خرقیل نامی ایک نبی وہاں سے نکلے انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حکم دیا کہ تم کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم سب جمع ہو جاؤ، چنانچہ ہر ہر جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا پھر اللہ کا حکم ہوا ندا کرو کہ اے ہڈیو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست رگیں پٹھے بھی جوڑ لو،

چنانچہ اس نبی کے دیکھتے ہوئے یہ بھی ہو گیا، پھر آواز آئی کہ اے روحو اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ ہر روح اپنے اپنے قدیم جسم میں آ جائے چنانچہ یہ سب جس طرح ایک ساتھ مرے تھے اسی طرح ایک ساتھ جی اٹھے اور بیساختہ انکی زبان سے نکلا (سبحانك لا الہ الا انت) اے اللہ تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، یہ دلیل ہے قیامت کے دن اسی جسم کے ساتھ دوبارہ جی اُٹھنے کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا بھاری فضل و کرم ہے کہ وہ زبردست ٹھوس نشانیاں اپنی قدرت قاہرہ کی دکھا رہا ہے لیکن باوجود اس کے بھی اکثر لوگ ناقدرے اور ناشکرے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی جگہ بچاؤ اور پناہ نہیں یہ لوگ وبا سے بھاگے تھے اور زندگی کے حریص تھے تو اس کے خلاف عذاب آیا اور فوراً ہلاک ہو گئے۔

مسند احمد کی اس حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب شام کی طرف چلے اور سرغ میں پہنچے تو ابو عبیدہ بن جراح وغیرہ سرداران لشکر ملے اور خبر دی کہ شام میں آج کل وبا ہے چنانچہ اس میں اختلاف ہوا کہ اب وہاں جائیں یا نہ جائیں، بالآخر عبدالرحمٰن بن عوف جب آئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب وبا کسی جگہ آئے اور تم وہاں ہو تو وہاں سے اس کے ڈر سے مت بھاگو، اور جب تم کسی جگہ وبا کی خبر سن لو تو وہاں مت جاؤ۔

حضرت عمر فاروق نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر وہاں سے واپس چلے گئے (بخاری مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے جو اگلی امتوں پر ڈالا گیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

آسمان سے آنے والی بلاؤں سے زمینی شیر کے انکار کا واقعہ

منقول ہے کہ بنو امیہ کا بادشاہ عبدالملک بن مروان جب ملک شام میں طاعون کی وبا پھیلی تو موت کے ڈر سے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے شہر سے بھاگ نکلا اور ساتھ میں اپنے خاص غلام اور کچھ فوج بھی لے لی اور وہ طاعون کے ڈر سے اس قدر خائف اور ہراساں تھا کہ زمین پر پاؤں نہیں رکھتا تھا بلکہ گھوڑے کی پشت پر سوتا تھا۔ دوران سفر ایک رات اس کو نیند نہیں آئی۔ تو اس نے اپنے غلام سے کہا کہ تم مجھے کوئی قصہ سناؤ۔ تو ہوشیار غلام نے بادشاہ کو نصیحت کرنے کا موقع پا کر یہ قصہ سنایا کہ ایک لومڑی اپنی جان کی حفاظت کیلئے ایک شیر کی خدمت گزاری کیا کرتی تھی تو کوئی درندہ شیر کی ہیبت کی وجہ سے لومڑی کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا اور لومڑی نہایت ہی بے خوفی اور اطمینان سے شیر کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی۔

اچانک ایک دن ایک عقاب لومڑی پر جھپٹا تو لومڑی بھاگ کر شیر کے پاس چلی گئی اور شیر نے اس کو اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا۔ عقاب دوبارہ جھپٹا اور لومڑی کو شیر کی پیٹھ پر سے اپنے چنگل میں دبا کر اڑ گیا۔ لومڑی چلا چلا کر شیر سے فریاد کرنے لگی تو شیر نے کہا کہ اے لومڑی! میں زمین پر رہنے والوں درندوں سے تیری حفاظت کر سکتا ہوں لیکن آسمان کی طرف سے حملہ کرنے والوں سے میں تجھے نہیں بچا سکتا۔ یہ قصہ سن کر عبدالملک بادشاہ کو بڑی عبرت حاصل ہوئی اور اس کی سمجھ میں آ گیا کہ میری فوج ان دشمنوں سے تو میری حفاظت کر سکتی ہے جو زمین پر رہتے ہیں مگر جو بلائیں اور وبائیں آسمان سے مجھ پر حملہ آور ہوں،

ان سے مجھ کو نہ میری بادشاہی بچا سکتی ہے نہ میرا خزانہ اور نہ میرا لشکر میری حفاظت کر سکتا ہے۔ آسمانی بلاؤں سے بچانے والا تو بجز خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ سوچ کر عبدالملک بادشاہ کے دل سے طاعون کا خوف جاتا رہا اور وہ رضاء الٰہی پر راضی رہ کر سکون واطمینان کے ساتھ اپنے شاہی محل میں رہنے لگا۔ (تفسیر روح البیان، ج 1، ص 378، پ 2، البقرۃ 244)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

آپ کے والد کا نام آزر سمجھا جاتا ہے جو درحقیقت انکے چچا تھے۔ اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ عربی میں چچا کو بھی باپ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ آپ کا شجرہ نسب ابراہیم بن فاحور بن سارُخ بن ارغو بن نافع بن عابر بن شالخ بن قینان بن ارفخ شد بن سام بن نوح دیا گیا ہے۔ ثعلبی اور ابن تاثیر نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ بعض مؤرخین نے آپ کے والد گرامی کا نام تارح لکھا ہے جو سب سے زیادہ درست روایت ہے۔

محبوب جدا جدا ہوں تو منزل جدا ہو جاتی ہے

مجنوں کو خبر ملی کہ لیلیٰ آ رہی ہے۔ خوشی ومسرت کے جذبات سے لبریز وہ استقبال کی تیاریاں کرنے لگا۔ تیاریوں کی تکمیل کے بعد اونٹنی پر سوار ہوا۔ اور استقبال کو چل دیا۔ اونٹنی کا بچہ گھر میں تھا۔ مجنوں تو لیلیٰ کی طرف جلد پہنچنے کی فکر میں تھا۔ جبکہ اونٹنی کا دل گھر میں بندھے ہوئے اپنے بچے کی طرف تھا۔ مجنوں جتنا زیادہ اسے تیز چلانے کی کوشش کرتا اونٹنی اتنا ہی موقع پا کر پیچھے کی طرف دوڑ لگا دیتی۔

مجنوں سمجھ گیا دو مختلف عاشقوں کا محبوب اگر ایک نہ ہو تو وہ دونوں مل کر ایک طرف کو نہیں چل سکتے۔ اس نے اونٹنی کو چھوڑا کہ تو اپنی منزل اپنے بچے کی طرف اور میں چلتا ہوں اپنی منزل اپنی محبوبہ اپنی لیلیٰ کی طرف۔ ہذا فراق بینی وبینک

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا قبلہ ایک نہ تھا۔ دونوں کی منزل مختلف تھی، وہ کبھی ایک منزل کی طرف اکھٹے سفر نہیں کر سکتے تھے۔ پیٹ کے بندے کا قبلہ دستر خوان ہوتا ہی۔ اس کا ہر قدم ادھر ہی ہوگا وہ دو اور دو کو بھی چار روٹیاں ہی کہے گا۔ وہ کعبۃ اللہ شریف اور بیت اللہ شریف کی طرف سفر نہیں کر سکتا۔

جسم کی منزل پستی ہے۔ اور جان وروح کی منزل بلندی کی طرف پرواز ہے۔ دونوں ایک بس میں سفر نہیں کر سکتے۔ جان کو جسم کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اگر اکھٹے چل بھی پڑیں تو دونوں اپنی اپنی منزل پر رکتے جائیں گے۔ ان کو ایک دوسرے سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔

مقصد الگ ہوں تو نگاہیں الگ ہو جاتی ہیں

ایک کبوتر کسی جوہری کا موتی لے کر اڑ گیا۔ کبوتر باز بھی کبوتر کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اور جوہری بھی، دونوں کی منزل بظاہر ایک ہی تھی۔ لیکن مقصد ایک نہیں تھا۔ کبوتر اڑتا اڑتا ایک بلند اور خوبصورت مینار پر جا بیٹھا۔ وہاں ہزاروں لوگ اس مینار کو دیکھنے

آئے ہوئے تھے۔ان کی نظر بھی مینار پر تھی۔کبوتر باز کی نظر بھی مینار پر تھی اور جوہری کی نظر بھی مینار پر تھی۔لیکن کسی کو کسی دوسرے سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ منزل ایک نہیں تھی ،محبوب ایک نہیں تھا۔بڑی کوشش سے کبوتر مینار سے اڑانے میں کامیاب ہوئے۔لیکن تھوڑی دور جا کر کبوتر کی چونچ سے وہ موتی گر پڑا۔جوہری وہیں ٹھہر گیا۔اب اکیلا کبوتر باز ہی کبوتر کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ اس کی منزل موتی نہیں کبوتر تھا۔اور جوہری کی منزل موتی تھا،کبوتر نہیں تھا۔

ابراہیم علیہ السلام اور نمرود دونوں ایک ہی بستی،ایک ہی شہر،ایک ہی ماحول اور ایک ہی خاندان کے افراد تھے۔لیکن مرکز مختلف تھا۔نقطہ نظر بھی مختلف تھا۔مقصود ایک نہ تھا۔ان کی منزل مختلف تھی۔محبوب جدا جدا تھے۔کوئی بہت قریب تک دیکھنے والا تھا۔اور کوئی بہت دور تک دیکھنے والا تھا۔کوئی کوتاہ نظر تھا۔اور دوسرا دوراندیش اور وسیع النظر۔ایک صرف ستاروں،چاند اور سورج تک نظر رکھتا تھا۔اس کی نظر صرف ان کی چمک دمک پر تھی۔ان کے ظاہر حسن پر تھی۔اور اس کے سارے ماننے والے۔اس کے ماحول میں پلنے والے سب اسی طرح تھے اور وہ صدیوں سے اس کے سوا اور کچھ نہ دیکھ سکے۔ایک دیکھنے والا آیا۔اس نے ستارہ دیکھا اس کی چمک دمک دیکھی۔اس کی اہمیت کا شان کا معترف ہوا۔اس نے چاند دیکھا۔اس کے حسن میں ڈوبا،اس کی میٹھی میٹھی پھوار پھینکنے والی چاندنی بھی دیکھی۔اور اس کی پاکیزگی اس کی عظمت اور لطافت وحسن کا اعتراف کیا۔اس نے سورج بھی دیکھا،اس کی رفتار دیکھی،اس کی کرنوں کے تیکھے تیر بھی دیکھے۔سارے عالم کو منور کرنا بھی دیکھا۔سارے ستاروں سارے چاندوں سے اس کے بڑے ہونے کا اعتراف بھی کیا۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ دیکھنے والے نے۔ایک ایسی بات بھی دیکھ لی جو صدیوں سے دیکھنے والوں میں سے کوئی نہ دیکھ سکا۔وہ لاکھوں ہزاروں میں صرف ایک تھا۔اور وہ ابراہیم تھا علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام

ابراہیم علیہ السلام نے ان کی شان رعنائی کے ساتھ ساتھ ان کے اندر چھپی ہوئی بے بسی اور بے چارگی بھی دیکھ لی۔ان کا گھٹنا ان کا بڑھنا ان کا غروب ہونا،ان کا ڈوب جانا،نہ اپنی مرضی سے چڑھ سکتا نہ اپنی مرضی سے ڈوب سکتا،اپنے طلوع وغروب میں بھی کسی کے محتاج گھٹنے بڑھنے میں بھی کسی کے محتاج یہ سب دیکھ لیا۔

پھر ابراہیم نے ان تمام مجبوروں اور مقہوروں کو مجبور کرنے والا ان کو بے بس کرنے والا ان کو طلوع کرنے والا ان کو غروب کرنے والا بھی دیکھ لیا۔جو پہلے ان میں سے کوئی بھی نہ دیکھ سکا۔پھر آپ مکمل طور پر اسی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

چمن میں ایک خوبصورت تتلی تھی۔رنگوں کی نزاکت کی کہکشاں ادھر ادھر پھدکتی پھرتی تھی۔بچوں کے لئے دلچسپی اور کھیل کا سامان،چمن میں پھول بھی تھے۔چنبیلی،موتیا،گلاب،نرگس،مروا،رات کی رانی،دن کا راجا،نہ جانے کیا کیا تھا۔کوئی ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ حسین وجمیل بناوٹ میں گم ہو گیا۔کوئی ان کے مختلف رنگ اور ان کے رنگوں کے اپنے اپنے انوکھے پن میں کھو گیا۔ان میں سے ایک صاحب جدھر دیکھتے سبحان اللہ،سبحان اللہ پکار اٹھتے۔

ہم نے ان سے پوچھا آپ نے کیا دیکھ لیا ہے۔جو ہر جگہ ہر مقام پر سبحان اللہ سبحان اللہ پکار اٹھتے ہو۔انہوں نے کہا کہ تم نے اس بھرے چمن میں کیا دیکھا۔ایک نے کہا میں نے ان پھولوں کی مہک دیکھی۔دوسرے نے کہا میں نے ان کی بناوٹ دیکھی۔

ایک صاحب بولے میں نے ان کی لطافت دیکھی۔ میں نے عرض کیا میں نے ان کے رنگ دیکھے۔ اس نے کہا میں نے ان میں رنگ بھرنے والا بھی دیکھ لیا ہے۔ میں نے پوچھا کہاں ہے؟ کہنے لگے یہیں کہیں چھپا بیٹھا ہے۔ ہم نے عرض کیا، جناب ہمیں تو نظر نہیں آتا۔ کہنے لگے اس کا نظر نہ آنا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ چیز موجود ہو، اور نظر نہ آئے تو لگتا ہے نظر کمزور ہی۔ اگر کوئی نظر کی کمزوری دور کرنے والا دانشور، حکیم، طبیب مل جائے وہ نظر چیک کر کے بتا سکتا ہے تمہاری قریب کی نظر کمزور ہے یا دور کی۔ اور کون سے نمبر کا شیشہ درکار ہے۔ اگر صحیح نمبر کی عینک مل جائے پھر اس سے دیکھو۔ تو حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔ کہ ایک پھول ہی نہیں۔ ایک چاند ستارہ اور سورج ہی نہیں بلکہ اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ تم جدھر دیکھو گے یار کا جلوہ نظر آئے گا۔

ابراہیم کی نظر درست تھی۔ کوتاہ اندیشوں اور اندھوں کے شہر اور بستی میں صرف ایک ابراہیم ہی تو تھا۔ جسے ستاروں چاندوں میں سورجوں میں، بلکہ ہر چیز میں سب میں وہ نظر آرہا تھا۔ اس کی نظر کا عدسہ صحیح کام کر رہا تھا۔ ان پر کروڑوں سلام۔

ابراہیم نے برملا اظہار کر دیا علی الاعلان کہہ دیا۔ لوگوں میں ان میں سے کس کو نہیں مانتا۔ یہ سب بے بس ہیں، بے چارے ہیں، مجبور ہیں، ہاں اگر مانتا ہوں تو اس کو مانتا ہوں جس کے ہاتھ میں ان سب کی باگ ڈور ہے۔ جو جب چاہے ان کو طلوع کر دے اور جب چاہے ان کو غروب کر دے۔ مجھے بس اس کی قدرت پر ایمان ہے۔ اس کے اتنے بڑے طشتوں پر ہونے پر بھی ایمان ہے۔

کنویں کا مینڈک سمندروں کی وسعتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ محسوسات کی دنیا کا خوگر ان دیکھے خدا کو کیسے پا سکتا ہے۔ انہوں نے برملا کہہ دیا۔ ابراہیم ایسا نہیں ہو سکتا۔ پیکر محسوس کی بات کرو۔ ان دیکھے معبود کی بات مت کرو۔ بس یہیں سے دونوں کے راستے مختلف ہو گئے۔ دونوں میں ٹھن گئی اور خوب ٹھن گئی، کفر کو اپنی طاقت، اپنی حکومت، اپنی ثروت اور اپنی کثرت کا بڑا گھمنڈ تھا۔ ہم یہ کر دیں گے، ہم وہ کر دیں گے، ہمارے اتنے سارے معبودوں کی توہین ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ ہمارے معبود بھی اس کو برداشت نہ کر سکیں گے۔ شاید انہیں ابھی اس کی خبر نہیں، انہیں پتہ چل گیا تو وہ تیرا تیا پانچہ کر دیں گے۔ لیکن پہلے ہم تجھ سے نپٹ لیں۔ صلاح و مشورے شروع ہو گئے۔ گلی گلی، کوچہ کوچہ، بحث و تمحیص شروع ہو گئی۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔

حضرت ابراہیم بھی کب خاموش رہنے والے تھے۔ بے شک وہ بظاہر تنہا تھے۔ لیکن ان کو یقین کامل تھا اور ہونا بھی چاہئے تھا کہ ان اللہ علی کل شئی قدیر بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ آپ نے بھی واشگاف الفاظ میں کہہ دیا انی لا اخاف ماتشرکون تم نے جو کرنا ہے کر لو۔ تم جس جس کو بھی اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ میں ان میں سے کسی سے بھی نہیں ڈرتا۔

دونوں طرف مخاصمت عروج پر پہنچی۔ طاقت و غرور کی پتنگ جتنی اونچی اڑتی ہے، اتنی ہی جلدی کٹ بھی جاتی ہے۔ درمیان میں سیانے پڑے۔ ایک دو بار باہمی گفتگو بھی ہوئی۔ مذاکرات بھی ہوئے۔ نمرود نے پوچھا اچھا ابراہیم اپنے رب کا تعارف کراؤ۔ وہ کیا کر سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میرا رب وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے۔ مارتا بھی ہے، کہنے لگا یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ ایک بے گناہ شخص کو اٹھایا اور پھانسی پر چڑھا دیا اور پھانسی چڑھنے والے کو اتار لیا۔ اور کہا دیکھو۔ زندگی اور موت تو میرے ہاتھ میں بھی ہے۔ کوئی اور بات کرو۔ آپ نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو مشرق سے سورج کو طلوع کرتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔ اگر تمہیں

بھی دعویٰ خدائی ہے تو تو بھی ایک دن صرف ایک دن سورج مغرب سے طلوع کر کے دکھا دو۔

اب اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ مبہوت الحواس ہو گیا۔ ہوش کے طوطے اڑ گئے۔ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ غصے کی آگ میں جلنے لگا اور اس نے اعلان کر دیا۔ ایسے شخص کے لئے آگ کا الاؤ روشن کرو اور اس میں اس کو جلا کر بھسم کر دو۔

آگ کے اندر بول کر ماں کو تسلی دینے والے بچے کا واقعہ

آگ کا الاؤ روشن کرنا کون سا مشکل تھا۔ کام شروع ہو گیا۔ ایک اور مشرک نے بھی آگ جلائی تھی اور بنی اسرائیل کو جمع کر کے کہا تھا۔ یا تو مجھے سجدہ کرو نہیں تو تمہیں اس آگ میں پھینک دوں گا۔

ایک عورت لائی گئی، کہ عورت کمزور دل ہوتی ہے۔ سوچا جلدی پسیج جائے گی۔ اسے کہا مجھے سجدہ کرو۔ نہیں تو تمہارا بچہ تم سے چھین کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ عورت کے انکار پر، بچہ چھین لیا گیا اور آگ میں پھینک دیا گیا۔ ماں تڑپ کر رہ گئی۔ تلملا اٹھی۔ شاید قدم ڈگمگا جاتے، لڑکھڑاتی اور تذبذب کا شکار ہو جاتی کہ بچے نے آگ میں پکار کر کہا۔ اماں دل چھوٹا نہ کر۔ میں بظاہر معدوم ہوں، حقیقت میں موجود ہوں، ڈرو نہیں۔

بعض لوگوں نے بچے کے رونے اور چیخنے کی آواز سنی تو سمجھے بچہ آگ کی جلن کی وجہ سے رو رہا ہے۔ حالانکہ وہ اس لئے رو رہا تھا کہ ابھی تک میری ماں اس آگ کے گلزار میں کیوں نہیں کود ی۔ بچے نے آواز دے کر کہا۔ اماں جلدی سے آگ میں چھلانگ لگا دو۔ تو نے دنیا کے کتے کی طاقت دیکھ لی۔ اب اندر آ۔ اور ابراہیم کے رب کی طاقت کا بھی مشاہدہ کر۔ اس آگ کے اندر جو گلاب اور چنبیلی کے پھول کھلے ہیں، انہیں بھی دیکھ آنکھوں کو ٹھنڈا کر اور ذہن کو معطر کر۔

میری ماں سن میں پیدا ہوتے وقت تیرے پیٹ سے باہر نکلنے سے ڈر رہا تھا۔ جب پیدا ہوا تو تیرے رحم کی بند کوٹھڑی سے نجات مل گئی۔ اب اس آگ میں آ کر اس دنیا کو ماں کے رحم کی بند کوٹھڑی کی صورت دیکھ رہا ہوں۔ میں تو تجھے ایک ماں کی محبت کی بناء پر بلا رہا ہوں۔ ورنہ مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں۔ ماں جلدی کر، اندر آ جا۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی بلا لے۔ وہ بھی آگ کے اندر شہنشاہ کا بچھا ہوا دستر خوان دیکھ لیں، اس نے پکار کر کہا لوگو! اندر آ جاؤ۔ دین کے میٹھے پانی کے سوا سب پانی عذاب ہیں، ان سب میں شہنشاہ سے دوری پیدا کرنے والا زہر بھرا ہوا ہے۔ لوگوں اندر آ جاؤ۔ چھلانگ لگا دو۔ تا کہ روح صاف اور لطیف ہو جائے اور حضرت ابراہیم کے رب کی قدرت دیکھ لو اور اس کے راز کو پاؤ۔

بچے کی آواز سن کر ماں نے بھی آگ میں چھلانگ لگا دی۔ پھر اس نے اسی طرح کہنا شروع کر دیا۔ بچے اور عورت کی کیفیت دیکھ کر لوگوں نے بھی آگ میں چھلانگیں لگانا شروع کر دیں۔ حتیٰ کہ پہلے جو سپاہی لوگوں کو بتوں اور حاکم کو سجدہ نہ کرنے والوں کو آگ میں پھینکنے کے لئے کھینچ کھینچ کر لا رہے تھے آگ کے دہکتے الاؤ سے ڈرا رہے تھے۔ اب لوگوں کو آگ میں چھلانگیں لگانے سے روکنے لگے۔ وہ حیران ہو رہے تھے کہ اب لوگ آگ کے ذریعے اپنے جسموں کو فنا کرنے کے لئے زیادہ عاشق کیوں ہو گئے ہیں۔

بادشاہ چیخ اٹھا۔ اور آگ سے مخاطب ہو کر غصے سے چلانے لگا۔ اے آگ تجھے کیا ہو گیا ہے تو ان کو جلاتی کیوں نہیں؟ تو تو اپنے پوجنے والوں کو معاف نہیں کرتی۔ آگ نے جواب دیا میں تیرے لئے تو اب بھی آگ ہی ہوں۔ ذرا تو میرے اندر آ۔ پھر دیکھ تو میری جلن کی جلن تا ابد الآباد تک نہیں بھلا سکے گا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

نمرود کی جلائی ہوئی آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ آگ کے انگارے دہک رہے ہیں۔ ابراہیم کو اس آگ میں پھینکنے کے تمام انتظامات پورے ہو گئے۔ سب سے بڑے شاہ کے قریبی مصاحبوں میں کھلبلی مچ گئی اور مچنی بھی چاہئے تھی کہ ان کے شاہ کا ایک بہت ہی چاہنے والا غیروں کے ہاتھوں مقتل کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ اچھا مال تو ہمیشہ سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ ساری دنیا اس وقت ہر طرف کھوٹا مال ہی بھرا ہوا تھا۔ صرف ابراہیم ہی ایک کھرا مال تھا۔

ایک بہت ہی قریبی مصاحب بھاگا بھاگا آیا۔ حضور کوئی حکم؟ آگ کو بجھا دوں۔ اس آگ میں ہی سب ان کو جھلسا کر عبرت کا نشان بنا دوں۔ ان سب کی بستیاں الٹ دوں۔ ہر حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔ پھر نہ کہنا، آڑے وقت میں کوئی مدد کو نہیں پہنچا۔

ابراہیم نے کہا۔ جبرائیل آپ کا شکریہ، یہ میرا اور میرے شاہ کا معاملہ ہے۔ آپ مہربانی فرمائیں۔ درمیان میں نہ آئیں۔

جے سوہنا میرے دکھ وچ راضی　　　تے میں سکھ نوں چو لہے ڈانواں

نمرود اور سارے نمرودیئے غصے سے لال پیلے ہو رہے تھے۔ اپنی یقینی کامیابی کی موہوم خوشی سے سرشار ہو رہے تھے۔ وہ چشم زدن میں اپنے معبودوں کے دشمن ابراہیم کو آگ میں جلتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ وقت مقرر پہنچا۔ منادی سن کر ساری مخلوق وقت مقرر سے پہلے اسٹیڈیم میں پہنچ چکی تھی۔ نمرود نے آگ میں پھینکنے والوں کو حکم دیا۔ ایک دو، تین پھر کیا ہوا؟ پھر

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

دریا کے پانی کو خشک ہو جانے کا حکم دینے والا۔ سارے بنی اسرائیلیوں میں ہر ایک کا تعارف کرا دینے والا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ان لاکھ انسانوں میں سے کسی کا پاؤں بھی گیلا نہ ہونے پائے اور سارے فرعونیوں سے متعارف کرا دینے والا۔ کہ اے دریا۔ ان میں کوئی بچ کر نہ جائے۔ زمین کو قارون کے لئے اژدھا بن کر نگل جانے کا حکم دینے والا۔ آج آگ کو حکم دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم کہ ہم نے حکم دیا اے آگ ہمارے ابراہیم کے لئے ٹھنڈی و سلامتی والی ہو جا۔

اے آگ کے دہکتے ہوئے انگارو۔ گلاب کے پھول بن جاؤ۔ اے آگ کی تپش، مہک اور خوشبو کا لبادہ اوڑھ لے۔ عرش بریں سے تحت الثریٰ تک کی مخلوق نے روز اول سے آج تک یہ نظارہ کبھی نہ دیکھا ہوگا، عقلیں گم ہیں، تجربے ناکام ہیں، آگ تو آخر آگ ہی ہوتی ہے، یہ نسیم بہار کیسے بن گئی۔ نمرود اور سارے نمرودیئے اس کی ساری ناپاک ذریت جل بھن کے رہ گئے۔ وہ اپنی بے بسی، بے کسی اور بے چارگی و ذلت آمیز رسوائی و شکست کی آگ میں جھلس کے رہ گئے۔ نفس کی آگ، ضمیر کی آواز، تو جہنم کے

شعلوں کو بھی شرماتی ہے اور جس آگ میں نمرود اور سارے نمرودیئے جلنے لگے تھے۔ وہ تو شاید جہنم کے کسی سب سے گہرے پاتال سے نکال کر دلائی گئی ہو گئی۔

ادھر ابراہیم حیرت زدہ بھی تھے اور امتحان میں سرخرو اور کامیاب ہونے پر شکر گزار بھی تھے اور پاس کرانے والے کے سپاس گزار بھی تھے۔ ادھر سے سرٹیفکیٹ بھی مل گیا واذا ابتلٰی ابراھیم بہ بکلمٰت فاتمھن کہ ابراہیم تو ایسا ہے اسے جب بھی کسی آزمائش میں ڈالا وہ کندن بن کر نکلا۔

ساری کائنات کا بادشاہ اپنے بندے اور اپنی پارٹی کی کامیابی پر ابراہیم کے لئے انعامات بانٹ رہا تھا۔ اور ساتھ ہی چلمن سے لگے پردے کی اوٹ میں۔ نمرودیوں کو اس آگ میں جلتا دیکھ کر مسکرا بھی رہا تھا اور بار بار کہہ رہا تھا۔ وکذلک نجزی المحسنین کہ ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ ہم صابروں کو، عزم و ہمت کے پیکروں کو اجر عظیم سے یونہی نوازا کرتے ہیں۔

اے چاند ستاروں، سورجوں اور کہکشاؤں کی اوٹ میں بیٹھنے والے، اے پھولوں اور تتلیوں کے حسن میں چھپ کر دعوت نظارہ دینے والے، اے کانٹوں کی چبھن اور ان کی چبھن سے اٹھنے والی ٹیسوں میں درد بن کر حرز جان بننے والے، اے میری ہر سانس کے آنے جانے کی ڈور، صرف اپنے ہاتھ میں سنبھالنے والے۔ اے میری چاہتوں، امنگوں، دھڑکنوں میں بسنے والے، تجھے جاننے والے جان گئے۔ پہچاننے والے پہچان گئے، تجھے پانے والے پا گئے۔ تیرا شکر کہ تو نے ہمیں ان سے پیار کرنے والوں میں شامل فرمایا۔ اب ایک درخواست ہے۔ لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا اس ہدایت کی برکھا کی برسات ہمارے آنگن میں بھر دینے والے، اس نعمت سے محروم نہ رکھنا۔

بڑے بت سے چھوٹے بتوں کا تباہی کا حال پوچھ لو

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بت پرستی سے روکا۔ اور جذبہ توحید میں آ کر آپ نے قسم کھائی کہ میں تمہارے ان بتوں کا ضرور کچھ نہ کچھ علاج کرونگا۔ اسے بھی قوم کے بعض افراد نے سن لیا۔ ان کی عید کا دن جو مقرر تھا حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم اپنی رسوم عید ادا کرنے کے لئے باہر جاؤ گے میں تمہارے بتوں کو ٹھیک کر دوں گا۔ عید کے ایک آدھ دن پیشتر آپ کے والد نے آپ سے کہا کہ پیارے بیٹے تم ہمارے ساتھ ہماری عید میں چلو تا کہ تمہیں ہمارے دین کی اچھائی اور رونق معلوم ہو جائے۔

چنانچہ یہ آپ کو لے چلا۔ کچھ دور جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم گر پڑے اور فرمانے لگے ابا میں بیمار ہو گیا۔ باپ آپ کو چھوڑ کر مراسم کفر بجالانے کے لئے بڑھ گئے اور جو لوگ راستے سے گزرتے آپ سے پوچھتے کیا بات ہے راستے پر کیسے بیٹھے ہو؟ جواب دیتے کہ میں بیمار ہوں۔ جب عام لوگ نکل گئے اور بڈھے بڑے لوگ رہ گئے تو آپ نے فرمایا تم سب کے چلے جانے کے بعد آج میں تمہارے معبودوں کی مرمت کر دوں گا۔ آپ نے جو فرمایا کہ میں بیمار ہوں تو واقعی آپ اس دن کے

اگلے دن قدرے علیل بھی تھے۔ جب کہ وہ لوگ چلے گئے تو میدان خالی پاکر آپ نے اپنا ارادہ پورا کیا اور بڑے بت کو چھوڑ کر تمام بتوں کا چورا کر دیا۔

اپنے ہاتھ سے ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس بڑے بت کے باقی رکھنے میں حکمت و مصلحت یہ تھی کہ اولاً ان لوگوں کے ذہن میں خیال آئے کہ شاید اس بڑے بت نے ان چھوٹے بتوں کو غارت کر دیا ہوگا؟ کیونکہ اسے غیرت معلوم ہوئی ہوگی کہ مجھ بڑے کے ہوتے ہوئے یہ چھوٹے خدائی کے لائق کیسے ہوگئے۔ چنانچہ اس خیال کی پختگی ان کے ذہنوں میں قائم کرنے کے لئے آپ نے کلہاڑا بھی اس کی گردن پر رکھ دیا تھا۔ جیسے مروی ہے۔ جب یہ مشرکین اپنے میلے سے واپس آئے تو دیکھا کہ ان کے سارے معبود منہ کے بل اوندھے گرے ہوئے ہیں۔ اور اپنی حالت سے وہ بتا رہے ہیں کہ وہ محض بے جان بے نفع ونقصان ذلیل وحقیر چیز ہیں۔ اور گویا اپنی اس حالت سے اپنے پجاریوں کی بیوقوفی پر مہر لگا رہے تھے۔

لیکن ان بیوقوفوں پر الٹا اثر ہوا کہنے لگے یہ کون ظالم شخص تھا جس نے ہمارے معبودوں کی ایسی اہانت کی؟ اس وقت جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ کلام سنا تھا، انہیں خیال آ گیا اور کہنے لگے وہ نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے اسے ہم نے اپنے معبودوں کی مذمت کرتے ہوئے سنا ہے۔

چنانچہ مجمع ہوا۔ سب چھوٹے بڑے آ گئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ملزم کی حیثیت سے موجود ہوئے اور آپ سے سوال ہوا کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ لغو حرکت تم نے کی ہے؟ اس پر آپ نے انہیں قائل معقول کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ کام تو ان کے اس بڑے بت نے کیا ہے۔ اور اس کی طرف اشارہ کیا جسے آپ نے توڑا نہ تھا پھر فرمایا کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ اپنے ان معبودوں سے ہی کیوں دریافت نہیں کرتے کہ تمہارے ٹکڑے اڑانے والا کون ہے؟ اس سے مقصود خلیل اللہ علیہ السلام کا یہ تھا کہ یہ لوگ خود بخود ہی سمجھ لیں کہ یہ پتھر کیا بولیں گے؟ اور جب وہ اتنے عاجز ہیں تو یہ لائق عبادت کیسے ٹھہر سکتے ہیں؟ چنانچہ یہ مقصد بھی آپ کا بفضل الٰہی پورا ہوا اور یہ دوسری ضرب بھی کاری لگی۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی باتیں سن کر انہیں خیال تو پیدا ہو گیا۔ اپنے آپ کو اپنی بیوقوفی پر ملامت کرنے لگے۔ سخت ندامت اٹھائی اور آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے بڑی غلطی کی، اپنے معبودوں کے پاس کسی کو حفاظت کیلئے نہ چھوڑا اور چل دیئے۔ پھر غور وفکر کر کے بات بنائی کہ آپ جو کچھ ہم سے کہتے ہیں کہ ان سے ہم پوچھ لیں کہ تمہیں کس نے توڑا ہے تو کیا آپ کو علم نہیں کہ یہ بت بےزبان ہیں؟ عاجزی حیرت اور انتہائی لاجوابی کی حالت میں انہیں اس بات کا اقرار کرنا پڑا اب حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو خاصا موقعہ مل گیا اور آپ فوراً فرمانے لگے کہ بےزبان بے نفع وضرر چیز کی عبادت کیسی؟ تم کیوں اس قدر بے سمجھ رہے ہو؟ تف ہے تم پر اور تمہارے ان جھوٹے خداؤں پر آہ کس قدر ظلم وجہل ہے کہ ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے اور اللہ واحد کو چھوڑ دیا جائے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا سلامتی والا ہو جانے کا واقعہ

یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان دلیل سے لاجواب ہو جاتا ہے تو یا نیکی اسے گھسیٹ لیتی ہے یا بدی غالب آ جاتی ہے۔ یہاں ان لوگوں کی بدبختی نے گھیر لیا اور دلیل سے عاجز آ کر قائل معقول ہو کر لگے اپنے دباؤ کا مظاہرہ کرنے آپس میں مشورہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال کر اس کی جان لے لو تا کہ ہمارے ان معبودوں کی عزت رہے۔ اس بات پر سب نے اتفاق کر لیا اور لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں یہاں تک کہ بیمار عورتیں بھی نذر مانتی تھیں تو یہی کہ اگر انہیں شفا ہو جائے تو ابراہیم علیہ السلام کے جلانے کو لکڑیاں لائیں گی۔

زمین میں ایک بہت بڑا اور بہت گہرا گڑھا کھودا لکڑیوں سے پر کیا اور انبار کھڑا کر کے اس میں آگ لگائی روئے زمین پر کبھی اتنی بڑی آگ دیکھی نہیں گئی۔ جب آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اس کے پاس جانا محال ہو گیا اب گھبرائے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کو آگ میں ڈالیں کیسے؟

آخر ایک کردی فارسی اعرابی کے مشورے سے جس کا نام ہیزن تھا ایک منجنیق تیار کرائی گئی کہ اس میں بیٹھا کر جھولا کر پھینک دو۔ مروی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت زمین میں دھنسا دیا اور قیامت تک وہ اندر اترتا جاتا ہے۔ جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا آپ نے فرمایا حسبی اللہ ونعم الوکیل،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے پاس بھی جب یہ خبر پہنچی کہ تمام عرب لشکر جرار لے کر آپ کے مقابلے کے لئے آ رہے ہیں تو آپ نے بھی یہی پڑھا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب آپ کو آگ میں ڈالنے لگے تو آپ نے فرمایا الٰہی تو آسمانوں میں اکیلا معبود ہے اور توحید کے ساتھ تیرا عابد زمین پر صرف میں ہی ہوں۔ مروی ہے کہ جب کافر آپ کو باندھنے لگے تو آپ نے فرمایا الٰہی تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تیری ذات پاک ہے تمام حمد و ثنا تیرے ہی لئے سزاوار ہے۔ سارے ملک کا تو اکیلا ہی مالک ہے کوئی بھی تیرا شریک و ساجھی نہیں۔

حضرت شعیب جبائی فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر صرف سولہ سال کی تھی۔ واللہ اعلم۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے سامنے آسمان و زمین کے درمیان ظاہر ہوئے اور فرمایا کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے جواب دیا تم سے تو کوئی حاجت نہیں البتہ اللہ تعالیٰ سے حاجت ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بارش کا داروغہ فرشتہ کان لگائے ہوئے تیار تھا کہ کب اللہ کا حکم ہو اور میں اس آگ پر بارش برسا کر اسے ٹھنڈی کر دوں لیکن براہ راست حکم الٰہی آگ کو ہی پہنچا کہ میرے خلیل پر سلامتی اور ٹھنڈک بن جا۔ فرماتے ہیں کہ اس حکم کے ساتھ ہی روئے زمین کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

حضرت کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس دن دنیا بھر میں آگ سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جوتیاں تو آگ نے جلا دیں لیکن آپ کے ایک رونگٹے کو بھی آگ نہ لگی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر

آگ کو صرف ٹھنڈا ہونے کا ہی حکم ہوتا تو پھر ٹھنڈک بھی آپ کو ضرر پہنچاتی اس لئے ساتھ ہی فرمادیا گیا کہ ٹھنڈک کے ساتھ ہی سلامتی بن جا۔

ضحاک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑا گڑھا بہت ہی گہرا کھودا تھا اور اسے آگ سے پر کیا تھا ہر طرف آگ کے شعلے نکل رہے تھے اس میں خلیل اللہ کو ڈال دیا لیکن آگ نے آپ کو چھوا تک نہیں یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اسے بالکل ٹھنڈا کر دیا۔ مذکور ہے کہ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے آپ کے منہ پر سے پسینہ پونچھ رہے تھے بس اس کے سوا آپ کو آگ نے کوئی تکلیف نہیں دی۔

سدی فرماتے ہیں سایہ یا فرشتہ اس وقت آپ کے ساتھ تھا۔ مروی ہے کہ آپ اس میں چالیس یا پچاس دن رہے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس زمانے میں جو راحت و سرور حاصل تھا ویسا اس سے نکلنے کے بعد حاصل نہیں ہوا کیا اچھا ہوتا کہ میری ساری زندگی اسی میں گزرتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے سب سے اچھا کلمہ جو کہا ہے وہ یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ سے زندہ صحیح سالم نکلے اس وقت آپ کو پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے دیکھ کر آپ کے والد نے کہا ابراہیم تیرا رب بہت ہی بزرگ اور بڑا ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس دن جو جانور نکلا وہ آپ کی آگ کو بجھانے کی کوشش کرتا رہا سوائے گرگٹ کے۔

حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے اور فاسق کہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ایک نیزہ دیکھ کر ایک عورت نے سوال کیا کہ یہ کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ آپ نے فرمایا گرگٹوں کو مار ڈالنے کے لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اس وقت تمام جانور اس آگ کو بجھا رہے تھے سوائے گرگٹ کے۔ یہ پھونک رہا تھا پس آپ نے اس کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے۔
پھر فرماتا ہے کہ ان کا مکر ہم نے ان پر الٹ دیا۔ کافروں نے اللہ کے نبی علیہ السلام کو نیچا کرنا چاہا اللہ نے انہیں نیچا دکھایا۔
حضرت عطیہ عوفی کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں جلائے جانے کا تماشا دیکھنے کے لئے ان کافروں کا بادشاہ بھی آیا تھا۔ ادھر خلیل اللہ کو آگ میں ڈالا جاتا ہے ادھر آگ میں سے ایک چنگاری اڑتی ہے اور اس کافر بادشاہ کے انگوٹھے پر آ پڑتی ہے اور وہیں کھڑے کھڑے سب کے سامنے اس طرح اسے جلا دیتی ہے جیسے روئی جل جائے۔

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ہجرت کا واقعہ

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے خلیل کو کافروں کی آگ سے بچا کر شام کے مقدس ملک میں پہنچا دیا۔ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تمام میٹھا پانی شام کے صخرہ کے نیچے سے نکلتا ہے۔
قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ کو عراق کی سرزمین سے اللہ نے نجات دی اور شام کے ملک میں پہنچایا۔ شام ہی نبیوں کا

ہجرت کدہ رہا۔ زمین میں سے جو گھٹتا ہے وہ شام میں بڑھتا ہے اور شام کی کمی فلسطین میں زیادتی ہوتی ہے۔ شام ہی محشر کی سرزمین ہے۔

یہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے، یہیں دجال قتل کیا جائے گا۔ بقول کعب آپ حران کی طرف گئے تھے۔ یہاں آ کر آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں کے بادشاہ کی لڑکی اپنی قوم کے دین سے بیزار ہے اور اس سے نفرت رکھتی ہے بلکہ ان کے اوپر طعنہ زنی کرتی ہے تو آپ نے ان سے اس قرار پر نکاح کر لیا کہ وہ آپ کے ساتھ ہجرت کر کے یہاں سے نکل چلے انہی کا نام حضرت سارہ ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ یہ روایت غریب ہے اور مشہور یہ ہے کہ حضرت سارہ آپ کے چچا کی صاحبزادی تھیں، اور آپ کے ساتھ ہجرت کر کے چلی آئی تھیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ ہجرت مکے شریف میں ختم ہوئی مکے ہی کی نسبت جناب باری فرماتا ہے کہ یہ اللہ کا پہلا گھر ہے جو برکت و ہدایت والا ہے، جس میں علاوہ اور بہت سی نشانیوں کے مقام ابراہیم بھی ہے۔ اس میں آ جانے والا امن و سلامتی میں آ جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ

اس بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان بن سام بن نوح تھا اس کا پایہ تخت بابل تھا اس کے نسب میں کچھ اختلاف بھی ہے، حضرت مجاہد فرماتے ہیں دنیا کی مشرق مغرب کی سلطنت رکھنے والے چار ہوئے جن میں سے دو مومن اور دو کافر، حضرت سلیمان بن داؤد اور حضرت ذوالقرنین، اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر، فرمان ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم نے اسے نہیں دیکھا، جو حضرت ابراہیم سے وجود باری تعالیٰ میں مباحثہ کرنے لگا،

یہ شخص خود اللہ ہونے کا مدعی تھا، جیسا اس کے بعد فرعون نے بھی اپنے والوں میں دعویٰ کیا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا رب نہیں جانتا، چونکہ ایک مدت مدید اور عرصہ بعید سے یہ بادشاہ چلا آتا تھا اس لئے دماغ میں رعونت اور انانیت آ گئی تھی، سرکشی اور تکبر، نخوت اور غرور طبیعت میں سما گیا تھا، بعض لوگ کہتے ہیں چار سو سال تک حکومت کرتا رہا تھا،

حضرت ابراہیم سے جب اس نے وجود باری تعالیٰ پر دلیل مانگی تو آپ نے نیست سے ہست اور ہست سے نیست کرنے کی دلیل دی جو ایک بدیہی اور مثل آفتاب روشن دلیل تھی کہ موجودات کا پہلے کچھ نہ ہونا پھر ہونا پھر مٹ جانا کھلی دلیل ہے۔ موجد اور پیدا کرنے والے کے موجود ہونے کی اور وہی اللہ ہے، نمرود نے جواباً کہا کہ یہ تو میں بھی کرتا ہوں، یہ کہہ کر دو شخصوں کو اس نے بلوایا جو واجب القتل تھے، ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو رہا کر دیا، دراصل یہ جواب اور دعویٰ کس قدر لچر اور بےمعنی ہے اس کے بیان کی بھی ضرورت نہیں، حضرت ابراہیم نے تو صفات باری میں سے ایک صفت پیدا کرنا اور پھر نیست کر دینا بیان کی تھی اور اس نے نہ تو انہیں پیدا کیا اور نہ ان کی یا اپنی موت حیات پر اسے قدرت، لیکن جہلاء کو بھڑکانے کیلئے اور اپنی علیت جتانے کیلئے باوجود اپنی غلطی اور مباحثہ کے اصول سے طریقہ فرار کو جانتے ہوئے صرف ایک بات بنالی، ابراہیم بھی اس کو سمجھ گئے اور آپ نے کند ذہن کے سامنے ایسی دلیل پیش کر دی کہ صورتاً بھی اس کی مشابہت نہ کر سکے،

چنانچہ فرمایا کہ جب تو پیدائش اور موت تک کا اختیار رکھتا ہے تو مخلوق پر تصرف تیرا پورا ہونا چاہئے، میرے اللہ نے تو یہ تصرف کیا کہ سورج کو حکم دے دیا ہے کہ وہ مشرق کی طرف سے نکلا کرے چنانچہ وہ نکل رہا ہے، اب تو اسے حکم دے کہ وہ مغرب کی طرف سے نکلے اس کا کوئی ظاہری ٹوٹا پھوٹا جواب بھی نہ اس سے بن پڑا اور بیزبان ہو کر اپنی عاجزی کا معترف ہو گیا اور اللہ کی حجت اس پر پوری ہو گئی لیکن چونکہ ہدایت نصیب نہ تھی راہ یافتہ نہ ہو سکا، ایسے بدوضع لوگوں کو اللہ کوئی دلیل نہیں سمجھاتا اور وہ حق کے مقابلے میں بغلیں جھانکتے ہی نظر آتے ہیں، ان پر اللہ کا غضب وغصہ اور ناراضگی ہوتی ہے اور اس کیلئے اس جہاں میں بھی سخت عذاب ہوتے ہیں، بعض منطقیوں نے کہا ہے کہ حضرت خلیل اللہ نے یہاں ایک واضح دلیل کے بعد دوسری اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کر دی، لیکن درحقیقت یوں نہیں بلکہ پہلی دلیل دوسری کا مقدمہ تھی اور ان دونوں میں سے نمرود کے دعویٰ کا بطلان بالکل واضح ہو گیا، اصل دلیل پیدائش وموت ہی ہے چونکہ اس کا دعویٰ اس ناسمجھ مشت خاک نے بھی کیا تو لازم تھا کہ جو بنانے بگاڑنے پر نہ صرف قادر ہو بلکہ بناؤ بگاڑ کا بھی خالق ہو اس کی ملکیت پوری طرح اسی کے قبضہ میں ہونی چاہئے اور جس طرح موت وحیات کے احکام اس کے جاری ہو جاتے ہیں اسی طرح دوسرے احکام بھی جاری ہو جائیں، پھر کیا وجہ ہے کہ سورج جو کہ ایک مخلوق ہے اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری نہ کرے اور اس کے کہنے سے مشرق کی بجائے مغرب سے نہ نکلے؟ پس ابراہیم نے اس پر اس مباحثہ میں کھلا غلبہ پایا اور اسے بالکل لاجواب کر دیا فالحمد للہ۔

حضرت سدی فرماتے ہیں یہ مناظرہ حضرت ابراہیم کے آگ سے نکل آنے کے بعد ہوا تھا اس سے پہلے آپ کی اس ظالم بادشاہ سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی، زید بن اسلم کا قول ہے کہ قحط سالی تھی، لوگ نمرود کے پاس جاتے تھے اور غلہ لے آتے تھے، حضرت خلیل اللہ بھی گئے، وہاں یہ مناظرہ ہو گیا بدبخت نے آپ کو غلہ نہ دیا،

خالی بوریوں میں عمدہ اناج بھر جانے کا واقعہ

آپ خالی ہاتھ واپس آئے، گھر کے قریب پہنچ کر آپ نے دونوں بوریوں میں ریت بھر لی کہ گھر والے سمجھیں کچھ لے آئے، گھر آتے ہی بوریاں رکھ کر سو گئے، آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ انہیں بوریوں کو کھولا تو دیکھا کہ عمدہ اناج سے دونوں پر ہیں، کھانا پکا کر تیار کیا، آپ کی بھی آنکھ کھلی دیکھا کہ کھانا تیار ہے، پوچھا اناج کہاں سے آیا، کہا دو بوریاں جو آپ بھر کر لائے ہیں، انہیں میں سے یہ اناج نکالا تھا، آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ جل شانہ کی طرف سے برکت اور اس کی رحمت ہے، اس نابنجار بادشاہ کے پاس اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا اس نے آکر اسے توحید کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی، دوبارہ دعوت دی لیکن انکار کیا تیسری مرتبہ اللہ کی طرف بلایا لیکن پھر بھی یہ منکر ہی رہا۔ اس بار بار کے انکار کے بعد فرشتے نے اس سے کہا اچھا تو اپنا لشکر تیار کر میں بھی اپنا لشکر لے آتا ہوں، نمرود نے بڑا بھاری لشکر تیار کیا اور زبردست فوج کو لے کر سورج نکلنے کے میدان میں آ ڈٹا، ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھروں کا ایک دروازہ کھول دیا، بڑے بڑے مچھر اس کثرت سے آئے کہ لوگوں کو سورج بھی نظر نہ آتا تھا، اللہ کی یہ فوج نمرودیوں پر گری اور تھوڑی دیر میں ان کا خون تو کیا ان کا گوشت پوست سب کھا گئی اور سارے کے سارے یہیں ہلاک ہو گئے، ہڈیوں کا

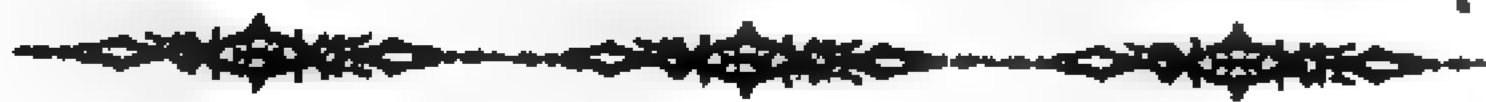
ڈھانچہ باقی رہ گیا، انہی مچھروں میں سے ایک نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا دماغ چاٹتا رہا ایسے عذاب میں وہ رہا کہ اس سے موت ہزاروں درجے بہتر تھی اپنا سر دیواروں اور پتھروں پر مارتا پھرتا تھا، ہتھوڑوں سے کچلواتا تھا، یونہی رینگ رینگ کر بدنصیب نے ہلاکت پائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

حج وہی کریں گے جنہوں نے آواز ابراہیم علیہ السلام کے جواب میں لبیک کہا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب یہ حکم ملا کہ اس گھر کے حج کی طرف تمام انسانوں کو بلا۔ مذکور ہے کہ آپ نے اس وقت عرض کی کہ باری تعالیٰ میری آواز ان تک کیسے پہنچے گی؟ جواب ملا کہ آپ کے ذمہ صرف پکارنا ہے آواز پہنچانا میرے ذمہ ہے۔ آپ نے مقام ابراہیم پر یا صفا پہاڑی پر ابو قبیس پہاڑ پر کھڑے ہو کر ندا کی کہ لوگو! تمہارے رب نے اپنا ایک گھر بنایا ہے پس تم اس کا حج کرو۔ پہاڑ جھک گئے اور آپ کی آواز ساری دنیا میں گونج گئی۔ یہاں تک کہ باپ کی پیٹھ میں اور ماں کے بطن میں تھے انہیں بھی سنائی دی۔ ہر پتھر درخت اور ہر اس شخص نے جس کی قسمت میں حج کرنا لکھا تھا با آواز لبیک پکارا۔

بہت سے سلف سے یہ منقول ہے، پھر فرمایا پیدل لوگ بھی آئیں گے اور سواریوں پر سوار بھی آئیں گے۔ اس سے بعض حضرات نے استدلال کا ہے کہ جسے طاقت ہو اس کے لئے پیدل حج کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے اس لئے کہ پہلے پیدل والوں کا ذکر ہے پھر سواروں کا۔ تو ان کی طرف توجہ زیادہ ہوئی اور ان کی ہمت کی قدر دانی کی گئی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ تمنا رہ گئی کہ کاش کہ میں پیدل حج کرتا۔ اس لئے کہ فرمان الٰہی میں پیدل والوں کا ذکر ہے۔ لکن اکثر بزرگوں کا قول ہے کہ سواری پر افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود کمال قدرت وقوت کے پاپیادہ حج نہیں کا۔ تو سواری پر حج کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اقتدا ہے پھر فرمایا دور دراز سے حج کے لئے آئیں گے خلیل اللہ السلام کی دعا بھی کی تھی کہ آیت (فاجعل افئدة من الناس تهوی الیهم) لوگوں کے دلوں کو اے اللہ تو ان کی طرف متوجہ کر دے۔ آج دیکھ لو وہ کونسا مسلمان ہے جس کا دل کعبے کی زیارت کا مشتاق نہ ہو؟ اور جس کے دل میں طواف کی تمنائیں تڑپ نہ رہی ہوں۔



تعمیر کعبہ کا واقعہ

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کو بیت اللہ کو تعمیر کرنے کا واقعہ

ایک مدت کے بعد حضرت ابراہیم کو اجازت ملی اور آپ تشریف لائے تو حضرت اسمٰعیل کو زمزم کے پاس ایک ٹیلے پر تیر سیدھے کرتے ہوئے پایا، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام باپ کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور باادب ملے جب باپ بیٹے ملے تو خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا اے اسماعیل مجھے اللہ کا ایک حکم ہوا ہے آپ نے فرمایا اباجان جو حکم ہوا ہو اس کی تعمیل کیجیے، کہا بیٹا تمہیں بھی میرا ساتھ دینا پڑے گا۔ عرض کرنے لگے میں حاضر ہوں اس جگہ اللہ کا ایک گھر بنانا ہے کہنے لگے بہت بہتر اب باپ بیٹے نے بیت اللہ کی نیو رکھی اور دیواریں اونچی کرنی شروع کیں، حضرت اسمٰعیل پتھر لا لا کر دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم چنتے جاتے تھے جب دیواریں قدرے اونچی ہو گئیں تو حضرت ذبیح اللہ یہ پتھر یعنی مقام ابراہیم کا پتھر لائے۔ اس اونچے پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم کعبہ کے پتھر رکھتے جاتے تھے اور دونوں باپ بیٹا یہ دعا مانگتے جاتے تھے کہ باری تعالیٰ تو ہماری اس ناچیز خدمت کو قبول فرما تو سننے اور جاننے والا ہے۔

بادل کے سائے تک بیت اللہ کی زمین ہونے کا واقعہ

یہ روایت اور کتب حدیث میں بھی ہے کہیں مختصر اور کہیں مفصلاً ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ذبیح اللہ کے بدلے جو دنبہ ذبح ہوا تھا اس کے سینگ بھی کعبۃ اللہ میں تھے اوپر کی لمبی روایت بروایت حضرت علی بھی مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب بھی کعبۃ اللہ شریف کے قریب پہنچے تو آپ نے اپنے سر پر ایک بادل سا ملاحظہ فرمایا جس میں سے آواز آئی کہ اے ابراہیم جہاں جہاں تک اس بادل کا سایہ ہے وہاں تک کی زمین بیت اللہ میں لے لو کمی زیادتی نہ ہو اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت اللہ بنا کر وہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے لیکن روایت ہی ٹھیک ہے اور اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ بنا پہلے رکھدی تھی لیکن بنایا بعد میں، اور بنانے میں بیٹا اور باپ دونوں شامل تھے جیسے کہ قرآن پاک کے الفاظ بھی ہیں

ایک اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضرت علی سے بناء بیت اللہ شروع کیفیت دریافت کی تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ میرا گھر بناؤ حضرت ابراہیم گھبرائے کہ مجھے کہاں بنانا چاہئے کس طرح اور کتنا بڑا بنانا چاہئے وغیرہ اس پر سکینہ نازل ہوا اور حکم ہوا کہ جہاں یہ ٹھہرے وہاں تم میرا گھر بناؤ آپ نے بنانا شروع کیا جب حجر اسود کی جگہ پہنچے تو حضرت اسمٰعیل سے کہا بیٹا کوئی اچھا سا پتھر ڈھونڈ لاؤ تو دیکھا کہ آپ اور پتھر وہاں لگا چکے ہیں، پوچھا یہ پتھر کون لایا؟ آپ نے فرمایا اللہ کے حکم سے

یہ پتھر حضرت جبرائیل آسمان سے لے کر آئے، حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اب جہاں بیت اللہ ہے وہاں زمین کی پیدائش سے پہلے پانی پر بلبلوں کے ساتھ جھاگ سی تھی یہیں سے زمین پھیلائی گئی،

حضرت علی فرماتے ہیں کعبۃ اللہ بنانے کے لیے حضرت خلیل آرمینیہ سے تشریف لائے تھے حضرت سدی فرماتے ہیں حجر اسود حضرت جبرائیل ہند سے لائے تھے اس وقت وہ سفید چمکدار یاقوت تھا جو حضرت آدم نے بنا کی،

مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت آدم ہند میں اترے تھے اس وقت ان کا قد لمبا تھا زمین میں آنے کے بعد فرشتوں کی تسبیح نماز و دعا وغیرہ سنتے تھے جب قد گھٹ گیا اور وہ پیاری آوازیں آنی بند ہو گئیں تو آپ گھبرانے لگے حکم ہوا کہ مکہ کی طرف رکھا اور اسے اپنا گھر قرار دیا، حضرت آدم یہاں طواف کرنے لگے اور مانوس ہوئے گھبراہٹ جاتی رہی حضرت نوح کے طوفان کے زمانہ میں یہ پھر اٹھ گیا اور حضرت ابراہیم کے زمانہ میں پھر اللہ تعالیٰ نے بنوایا حضرت آدم نے یہ گھر حرا طور زیتا جبل لبنان طور سینا اور جودی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا لیکن ان تمام روایتوں میں تفاوت ہے۔

بیت اللہ کے بارے میں بھیڑوں کی گواہی کا واقعہ

بعض روایتوں میں ہے کہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ بنایا گیا تھا، حضرت ابراہیم کے ساتھ بیت اللہ کے نشان بتانے کے لیے حضرت جبرائیل چلے تھے اس وقت یہاں جنگلی درختوں کے سوا کچھ نہ تھا کس دور عمالیق کی آبادی تھی یہاں آپ حضرت ام اسماعیل کو اور حضرت اسمٰعیل کو ایک چھپر تلے بٹھا گے ایک اور روایت میں ہے کہ بیت اللہ کے چار ارکان ہیں اور ساتویں زمین تک وہ نیچے ہوتے ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ ذوالقرنین جب یہاں پہنچے اور حضرت ابراہیم کو بیت اللہ بناتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا اللہ کے حکم سے اس کا گھر بنا رہے ہیں پوچھا کیا دلیل؟ کہا یہ بھیڑیں گواہی دیں گی پانچ بھیڑوں نے کہا ہم گواہی دیتی ہیں کہ یہ دونوں اللہ کے مامور ہیں، ذوالقرنین خوش ہو گئے اور کہنے لگے میں نے مان لیا الرزقی کی تاریخ مکہ میں ہے کہ ذوالقرنین نے خلیل اللہ اور ذبیح اللہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا واللہ اعلم۔

صحیح بخاری میں ہے قواعد بنیاد اور اساس کو کہتے ہیں یہ قاعدہ کی جمع ہے قرآن میں اور جگہ آیت (وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ) 24 ۔ النور:60) بھی آیا ہے اس کا مفرد بھی قاعدۃ ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتیں کہ تمہاری قوم نے جب بیت اللہ بنایا تو قواعد ابراہیم سے گھٹا دیا میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ اسے بڑھا کر اصلی بنا کر دیں فرمایا کہ اگر تیری قوم نے جب بیت اللہ بنایا تو قواعد ابراہیم سے گھٹا دیا میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ اسے بڑھا کر اصلی بنا کر دیں فرمایا کہ اگر تیری قوم کا اسلام تازہ اور ان کا زمانہ کفر کے قریب نہ ہوتا تو میں ایسا کر لیتا حضرت عبداللہ بن عمر کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمانے لگے شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کے پاس کے دو ستونوں کو چھوتے نہ تھے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے عائشہ اگر تیری قوم کا جاہلیت کا زمانہ نہ ہوتا تو میں کعبہ کے

خزانہ کو اللہ کی راہ میں خیرات کرڈالتا اور دروازے کو زمین دوز کر دیتا اور حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ میں اس کا دوسرا دروازہ بھی بنا دیتا ایک آنے کے لیے اور دوسرا جانے کے لیے چنانچہ ابن زبیر نے اپنے زمانہ خلافت میں ایسا ہی کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اسے میں دوبارہ بنائے ابراہیمی پر بناتا۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک دروازہ مشرق رخ کرتا اور دوسرا مغرب رخ اور چھ ہاتھ حطیم کو اس میں داخل کر لیتا جسے قریش نے باہر کر دیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پانچ سال پہلے قریش نے نئے سرے سے کعبہ بنایا تھا۔

بیت اللہ کی تعمیر میں پاک مال خرچ کرنے کا واقعہ

اس بنا میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شریک تھے آپ کی عمر پینتیس سال کی تھی اور پتھر آپ بھی اٹھاتے تھے محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی اس وقت قریش نے کعبۃ اللہ کو نئے سرے سے بنانے کا ارادہ کیا ایک تو اس لئے کہ اس کی دیواریں بہت چھوٹی تھیں چھت نہ تھی دوسرے اس لئے بھی کہ بیت اللہ کا خزانہ چوری ہو گیا تھا جو بیت اللہ کے بیچ میں ایک گہرے گڑھے میں رکھا ہوا تھا یہ مال "دویک" کے پاس ملا تھا جو خزائمہ کے قبیلے بنی ملیح بن عمرو کا مولی تھا ممکن ہے۔

چوروں نے یہاں لا رکھا ہو لیکن اس کے ہاتھ اس چوری کی وجہ سے کاٹے گئے ایک اور قدرتی سہولت بھی اس کے لیے ہو گئی تھی کہ روم کے تاجروں کی ایک کشتی جس میں بہت اعلیٰ درجہ کی لکڑیاں تھیں وہ طوفان کی وجہ سے جدہ کے کنارے آ لگی تھی یہ لکڑیاں چھت میں کام آ سکتی تھیں اس لیے قریشیوں نے انہیں خرید لیا اور مکہ کے ایک بڑھئی جو قبطی قبیلہ میں سے تھا کو چھت کا کام سونپا یہ سب تیاریاں تو ہو رہی تھیں لیکن بیت اللہ کو گرانے کی ہمت نہ پڑتی تھی اس کے قدرتی اسباب بھی مہیا ہو گئے۔

بیت اللہ کے خزانہ میں ایک بڑا اژدھا تھا جب بھی لوگ اس کے قریب بھی جاتے تو وہ منہ پھاڑ کر ان کی طرف لپکتا تھا یہ سانپ ہر روز اس کنوئیں سے نکل کر بیت اللہ کی دیواروں پر آ بیٹھتا تھا ایک روز وہ بیٹھا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پرندہ بھیجا وہ اسے پکڑ کر لے اڑا قریشیوں نے سمجھ لیا کہ ہمارا ارادہ مرضی مولا کے مطابق ہے لکڑیاں بھی ہمیں مل گئیں بڑھئی بھی ہمارے پاس موجود ہے سانپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے دفع کیا۔ اب انہوں نے مستقل ارادہ کر لیا کہ کعبۃ اللہ کو گرا کر نئے سرے سے بنائیں۔ سب سے پہلے ابن وہب کھڑا ہوا اور ایک پتھر کعبۃ اللہ کو گرا کر اتارا جو اس کے ہاتھ سے اڑ کر پھر وہیں جا کر نصب ہو گیا اس نے تمام قریشیوں سے خطاب کر کے کہا سنو بیت اللہ کے بنانے میں ہر شخص اپنا طیب اور پاک مال خرچ کرے۔ اس میں زناکاری کا روپیہ سودی بیوپار کا روپیہ ظلم سے حاصل کیا ہوا مال نہ لگانا۔

حجر اسود کو رکھنے پر اہل عرب کے جنگ پر تیار ہو جانے کا واقعہ

بعض لوگ کہتے ہیں یہ مشورہ ولید بن مغیرہ نے دیا تھا اب بیت اللہ کے حصے بانٹ لئے گئے دروازہ کا حصہ بنو عبد مناف اور زہرہ بنائیں حجر اسود اور رکن یمانی کا حصہ بنی مخزوم بنائیں۔ قریش کے اور قبائل بھی ان کا ساتھ دیں۔ کعبہ کا پچھلا حصہ بنو جمح اور سہم

بنائیں۔ حطیم کے پاس کا حصہ بنوعبدالدار بن قصف اور بنو اسد بن عبدالعزیٰ اور بنوعدی بن کعب بنائیں۔ یہ مقرر کر کے ابن بنی ہوئی عمارت کو ڈھانے کے لیے چلے لیکن کسی کو ہمت نہیں پڑتی کہ اسے مسمار کرنا شروع کرے۔

آخر ولید بن مغیرہ نے کہا لو میں شروع کرتا ہوں کدال لے کر اوپر چڑھ گئے اور کہنے لگے اے اللہ تجھے خوب علم ہے کہ ہمارا ارادہ برا نہیں ہم تیرے گھر کو اجاڑنا نہیں چاہتے بلکہ اس کے آباد کرنے کی فکر میں ہیں۔ یہ کہہ کر کچھ حصہ دونوں رکن کے کناروں کا گرایا قریشیوں نے کہا بس اب چھوڑ دو اور رات بھر کا انتظار کرو اگر اس شخص پر کوئی وبال آجائے تو یہ پتھر اسی جگہ پر لگا دینا اور خاموش ہو جانا اور اگر کوئی عذاب نہ آئے تو سمجھ لینا کہ اس کا گرانا اللہ کو ناپسند نہیں پھر کل سب مل کر اپنے اپنے کام میں لگ جانا چنانچہ صبح ہوئی اور ہر طرح خیریت رہی اب سب آگئے اور بیت اللہ کی اگلی عمارت کو گرا دیا یہاں تک کہ اصلی نیو یعنی بناء ابراہیمی تک پہنچ گئے یہاں سبز رنگ کے پتھر تھے کے ہلنے کے ساتھ ہی تمام مکہ کی زمین ہلنے لگی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ انہیں جدا کر کے اور پتھر ان کی جگہ لگانا اللہ کو منظور نہیں اس لئے ہمارے بس کی بات نہیں اس ارادے سے باز رہے اور ان پتھروں کو اسی طرح رہنے دیا۔

پھر ہر قبیلہ نے اپنے اپنے حصہ کے مطابق علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کئے اور عمارت بننی شروع ہوئی یہاں تک کہ باقاعدہ جنگ کی نوبت آگئی فرقے آپس میں کھنچ گئے اور لڑائی کی تیاریاں میں مشغول ہو گئے بنوعبدالدار اور بنوعدی نے ایک طشتری میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر حلف اٹھایا کہ سب کٹ مریں گے لیکن حجر اسود کسی کو نہیں رکھنے دیں گے اسی طرح چار پانچ دن گزر گئے پھر قریش مسجد میں جمع ہوئے کہ آپس میں مشورہ اور انصاف کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و دانائی نے سب قبائل کے دل جیت لئے

تو ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور عقلمند تھے کہا سنو لو تم اپنا منصف کسی کو بنا لو وہ جو فیصلہ کرے سب منظور کر لو۔ لیکن پھر منصف بنانے میں بھی اختلاف ہوگا اس لئے ایسا کرو کہ اب جو سب سے پہلے یہاں مسجد میں آئے وہی ہمارا منصف۔ اس رائے پر سب نے اتفاق کر لیا۔ اب منتظر ہیں کہ دیکھیں سب سے پہلے کون آتا ہے؟ پس سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ آپ کو دیکھتے ہی یہ لوگ خوش ہو گئے اور کہنے لگے ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہے ہم آپ کے حکم پر رضا مند ہیں۔ یہ تو امین ہیں یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

پھر سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ کو کہہ سنایا آپ نے فرمایا جاؤ کوئی موٹی اور بڑی سی چادر لاؤ وہ لے آئے۔ آپ نے حجر اسود اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس میں رکھا پھر فرمایا ہر قبیلہ کا سردار آئے اور اس کپڑے کا کونہ پکڑ لے اور اس طرح ہر ایک حجر اسود کے اٹھانے کا حصہ دار بنے اس پر سب لوگ بہت ہی خوش ہوئے اور تمام سرداروں نے اسے تھام کر اٹھا لیا۔ جب اس کے رکھنے کی جگہ تک پہنچے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے کر اپنے ہاتھ سے اسی جگہ رکھ دیا اور وہ نزاع و اختلاف بلکہ جدال و قتال رفع ہو گیا اور اس طرح اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اپنے گھر میں اس مبارک پتھر کو نصب کرایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے سے پہلے قریش آپ کو امین کہا کرتے تھے۔اب پھر اوپر کا حصہ بنا اور کعبۃ اللہ کی عمارت تمام ہوئی ابن اسحاق مورخ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کعبہ اٹھارہ ہاتھ کا تھا۔قباطی کا پردہ چڑھایا جاتا تھا پھر چادر کا پردہ چڑھنے لگا۔ریشمی پردہ سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے چڑھایا۔کعبہ کی یہی عمارت رہی یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی ابتدائی زمانہ میں ساٹھ سال کے بعد یہاں آگ لگی اور کعبہ جل گیا۔یہ یزید بن معاویہ کی ولایت کا آخری زمانہ تھا اور اس نے ابن زبیر کا مکہ میں محاصرہ کر رکھا تھا۔ان دنوں میں خلیفہ مکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیث سنی تھی اسی کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا پر بیت اللہ کو گرا کر ابراہیمی قواعد پر بنایا حطیم اندر شامل کر لیا، مشرق ومغرب دو دروازے رکھے ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا اور دروازوں کو زمین کے برابر رکھا آپ کی امارت کے زمانہ تک کعبۃ اللہ یونہی رہا یہاں تک کہ ظالم حجاج کے ہاتھوں آپ شہید ہوئے۔اب حجاج نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے کعبہ کو پھر توڑ کر پہلے کی طرح بنالیا۔

استخارہ کر کے بیت اللہ کی تعمیر کرنے کا واقعہ

صحیح مسلم شریف میں یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جب کہ شامیوں نے مکہ شریف پر چڑھائی کی اور جو ہونا تھا وہ ہوا۔اس وقت حضرت عبداللہ نے بیت اللہ کو یونہی چھوڑ دیا۔موسم حج کے موقع پر لوگ جمع ہوئے انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا بعد ازاں آپ نے لوگوں سے مشورہ لیا کہ کیا کعبۃ اللہ سارے کو گرا کر نئے سرے سے بنائیں یا جو ٹوٹا ہوا ہے اسکی اصلاح کر لیں؟ تو حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ آب جو ٹوٹا ہوا ہے اسی کی مرمت کر دیں باقی سب پرانا ہے رہنے دیں۔آپ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جاتا تو وہ تو خوش نہ ہوتا جب تک اسے نئے سرے سے نہ بناتا پھر تم اپنے رب عزوجل کے گھر کی نسبت اتنی کمزور رائے کیوں رکھتے ہو؟ اچھا میں تین دن تک اپنے رب سے استخارہ کروں گا پھر جو سمجھ میں آئے گا وہ کروں گا۔تین دن کے بعد آپ کی رائے یہی ہوئی کہ باقی ماندہ دیواریں بھی توڑی جائیں اور از سرے نو کعبہ کی تعمیر کی جائے چنانچہ یہ حکم دے دیا لیکن کعبے کو توڑنے کی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ڈر تھا کہ جو پہلے توڑنے کے لیے چڑھے گا اس پر عذاب نازل ہوگا لیکن ایک ہمت شخص چڑھ گیا اور اس نے ایک پتھر توڑا۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ ایذا نہیں پہنچی تو اب ڈھانا شروع کیا اور زمین تک برابر یکساں صاف کر دیا اس وقت چاروں طرف ستون کھڑے کر دیئے تھے اور ایک کپڑا تان دیا تھا۔اب بناء بیت اللہ شروع ہوئی۔حضرت عبداللہ نے فرمایا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنا وہ کہتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر لوگوں کا کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور میرے پاس خرچ بھی ہوتا جس میں بنا سکوں تو حطیم میں سے پانچ ہاتھ بیت اللہ میں لے لیتا اور کعبہ کے دو دروازے کرتا ایک آنے کا اور ایک جانے کا حضرت عبداللہ نے یہ روایت بیان کر کے فرمایا اب لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب کا نہیں رہا ان سے خوف جاتا رہا اور خزانہ بھی معمور ہے میرے پاس کافی روپیہ ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا پوری نہ کروں چنانچہ پانچ ہاتھ

حطیم اندر لے لی اور اب جو دیوار کھڑی کی تو ٹھیک ابراہیمی بنیاد نظر آنے لگی جو لوگوں نے اپنی آنکھوں دیکھ لی اور اسی پر دیوار کھڑی کی بیت اللہ کا طول اٹھارہ ہاتھ تھا اب جو اس میں پانچ ہاتھ اور بڑھ گیا تو چھوٹا ہو گیا اس لیے طول میں دس ہاتھ اور بڑھایا گیا اور دو دروازے بنائے گئے ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا ابن زبیر کی شہادت کے بعد حجاج بن عبدالملک کو لکھا اور ان سے مشورہ لیا کہ اب کیا کیا جائے؟ یہ بھی لکھ بھیجا کہ مکہ شریف کے عادلوں نے دیکھا ہے ٹھیک حضرت ابراہیم کی نیو پر کعبہ تیار ہوا ہے لیکن عبد الملک نے جواب دیا کہ طول کو تو باقی رہنے دو اور حطیم کو باہر کر دو اور دوسرا دروازہ بند کر دو۔

حجاج نے اس حکم کے مطابق کعبہ کو تڑوا کر پھر اسی بنا پر بنا دیا لیکن سنت طریقہ یہی تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی بناء کو باقی رکھا جاتا اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی چاہت یہی تھی لیکن اس وقت آپ کو یہ خوف تھا کہ لوگ بدگمانی نہ کریں ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں لیکن یہ حدیث عبدالملک بن مروان کو نہیں پہنچی تھی اس لئے انہوں نے اسے تڑوا دیا جب انہیں حدیث پہنچی تو رنج کرتے تھے اور کہتے تھے کاش کہ ہم یونہی رہنے دیتے اور نہ تڑاتے۔

چنانچہ صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حارث عبیداللہ جب ایک وفد میں عبدالملک بن مروان کے پاس پہنچے تو عبدالملک نے کہا میرا خیال ہے کہ ابو حبیب یعنی عبداللہ بن زبیر نے (اپنی خالہ) حضرت عائشہ سے یہ حدیث سنی ہوگی حارث نے کہا ضرور سنی تھی خود میں نے بھی ام المومنین سے سنا ہے پوچھا تم نے کیا سنا ہے؟ کہا میں نے سنا ہے آپ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ عائشہ تیری قوم نے بیت اللہ کو تنگ کر دیا۔ اگر تیری قوم کا زمانہ شرک کے قریب نہ ہوتا تو میں نئے سرے سے ان کی کمی کو پورا کر دیتا لیکن آؤ میں تجھے اصلی نیو بتا دوں شاید کسی وقت تیری قوم پھر اسے اس کی اصلیت پر بنانا چاہے تو آپ نے حضرت صدیقہ کو حطیم میں سے قریباً سات ہاتھ اندر داخل کرنے کو فرمایا اور فرمایا میں اس کے دروازے بنا دیتا ایک آنے کے لیے اور دوسرا جانے کے لیے اور دونوں دروازے زمین کے برابر رکھتا ایک مشرق رخ رکھتا دوسرا مغرب رخ جانتی بھی ہو کہ تمہاری قوم نے دروازے کو اتنا اونچا کیوں رکھا ہے؟ آپ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خبر نہیں فرمایا محض اپنی اونچائی اور بڑائی کے لیے کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور جسے چاہیں داخل نہ ہونے دیں جب کوئی شخص اندر جانا چاہتا تو اسے اوپر سے دھکا دے دیتے وہ گر پڑتا اور جسے داخل کرنا چاہتے اسے ہاتھ تھام کر اندر لے لیتے۔

عبدالملک نے کہا اسے حارث خود سنا ہے تو تھوڑی دیر تک تو عبدالملک اپنی لکڑی ٹکائے سوچتے رہے پھر کہنے لگے کاش کہ میں اسے یونہی چھوڑ دیتا صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے حضرت عبداللہ کو کوس کر کہا کہ وہ حضرت عائشہ پر اس حدیث کا بہتان باندھتا تھا تو حضرت حارث نے روکا اور شہادت دی کہ وہ سچے تھے میں نے بھی حضرت صدیقہ سے یہ سنا ہے اب عبدالملک افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں ہرگز اسے نہ توڑتا۔

قاضی عیاض اور امام نووی نے لکھا ہے خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام مالک سے پوچھا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں

پھر کعبہ کو حضرت ابن زبیر کے بنائے ہوئے کے مطابق بنادوں، امام مالک نے فرمایا آپ ایسا نہ کیجئے ایسا نہ ہو کہ کعبہ بادشاہوں کا ایک کھلونا بن جائے جو آئے اپنی طبیعت کے مطابق توڑ پھوڑ کرتا رہے چنانچہ خلیفہ اپنے ارادے سے باز رہے یہی بات ٹھیک بھی معلوم ہوتی ہے کہ کعبہ کو بار بار چھیڑنا ٹھیک نہیں۔

سیاہ فام حبشی کا کعبہ کو خراب کرنے کا واقعہ

بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعبہ کو دو چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی پھر خراب کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں وہ سیاہ فام ایک ایک پتھر الگ الگ کر دے گا اس کا غلاف لے جائے گا اور اس کا خزانہ بھی وہ ٹیڑھے ہاتھ پاؤں والا اور گنجا ہوگا میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا وہ کدال بجا رہا ہے اور برابر ٹکڑے کر رہا ہے غالباً یہ ناشدنی واقعہ (جس کے دیکھنے سے ہمیں محفوظ رکھے) یاجوج ماجوج کے نکل چکنے کے بعد ہوگا۔ صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم یاجوج ماجوج کے نکلنے کے بعد بھی بیت اللہ شریف کا حج و عمرہ کرو گے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان بنا لے یعنی مخلص بنا لے مطیع بنا لے موجود ہر شر سے بچا۔ ریا کاری سے محفوظ رکھ خشوع و خضوع عطا فرما۔

حضرت سلام بن ابی مطیع فرماتے ہیں مسلمان تو تھے ہی لیکن اسلام کی ثابت قدمی طلب کرتے ہیں جس کے جواب میں ارشاد باری ہوا قد فعلت میں نے تمہاری یہ دعا قبول فرمائی پھر اپنی اولاد کے لیے بھی یہی دعا کرتے ہیں جو قبول ہوتی ہے بنی اسرائیل بھی آپ کی اولاد میں ہیں اور عرب بھی قرآن میں ہے آیت (وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ) 7۔ الاعراف:159) یعنی موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت حق عدل پر تھی لیکن روانی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے لیے یہ دعا گو عام طور پر دوسروں پر بھی مشتمل ہو اس لیے کہ اس کے بعد دوسری دعا میں ہے کہ ان میں ایک رسول بھیج اور اس رسول سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ یہ دعا بھی پوری ہوئی جیسے فرمایا آیت (ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم) لیکن اس سے آپ کی رسالت خاص نہیں ہوتی بلکہ آپ کی رسالت عام ہے عرب عجم سب کے لیے جیسے آیت (قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا) 7۔الاعراف:158) کہہ دو کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ ان دونوں نبیوں کی یہ دعا جیسی ہے ایسی ہی ہر متقی کی دعا ہونی چاہئے۔ جیسے قرآنی تعلیم ہے کہ مسلمان یہ دعا کریں آیت (رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا) 25۔الفرقان:74) اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولادوں سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے انسان یہ چاہے کہ میری اولاد میرے بعد بھی اللہ کی عابد رہے۔ اور جگہ اس دعا کے الفاظ یہ آیت (وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ) 14۔ابراہیم:35) اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین کام جاری رہتے ہیں صدقہ، علم جس سے نفع

حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو دعا کرتی رہے (مسلم) پھر آپ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں مناسک دکھا یعنی احکام وذبح وغیرہ سکھا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کو لے کر کعبہ کی عمارت پوری ہو جانے کے بعد صفا پر آتے ہیں پھر مروہ پر جاتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ شعائر اللہ ہیں پھر منیٰ کی طرف لے چلے عقبہ پر شیطان درخت کے پاس کھڑا ہوا ملا تو فرمایا تکبیر پڑھ کر اسے کنکر مارو۔ ابلیس یہاں سے بھاگ کر جمرہ وسطیٰ کے پاس جا کھڑا ہوا۔ یہاں بھی اسے کنکریاں ماریں تو یہ خبیث نا امید ہو کر چلا گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ حج کے احکام میں کچھ دخل دے لیکن موقع نہ ملا اور مایوس ہو گیا یہاں سے آپ کو مشعر الحرام میں لائے پھر عرفات میں پہنچایا پھر تین پوچھا کہو سمجھ لیا۔ آپ نے فرمایا ہاں دوسری روایت میں تین جگہ شیطان کو کنکریاں مارنی مروی ہیں اور یہ شیطان کو سات سات کنکریاں ماری ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

قبلہ کی تبدیلی کا واقعہ

صحیح بخاری شریف میں حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن خود آپ کی چاہت یہ تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ شریف ہو۔ چنانچہ اب حکم آ گیا اور آپ نے عصر کی نماز اس کی طرف ادا کی۔ آپ کے ساتھ کے نمازیوں میں سے ایک شخص کسی اور مسجد میں پہنچا، وہاں جماعت رکوع میں تھی اس نے ان سے کہا اللہ کی قسم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف نماز پڑھ کر ابھی آ رہا ہوں۔ جب ان لوگوں نے سنا تو اسی حالت میں وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے، اب بعض لوگوں نے یہ کہا کہ جو لوگ اگلے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں ان کی نمازوں کا کیا حال ہے۔ تب یہ فرمان نازل ہوا کہ (وما کان اللہ) الخ یعنی اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو آپ اکثر آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے یہاں تک کہ آیت (قد نریٰ) الخ یعنی اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو آپ اکثر آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے یہاں تک کہ آیت جس پر فرمان (ما کان اللہ) الخ نازل ہوا اور ان کی نمازوں کی طرف سے اطمینان ہوا۔ اب بعض بیوقوف اہل کتاب نے قبلہ کے بدلے جانے پر اعتراض کیا، جس پر یہ آیتیں (سَیَقُوْلُ السُّفَھَآءُ) الخ نازل ہوئیں "شروع ہجرت کے وقت مدینہ شریف میں آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں ادا کرنے کا حکم ہوا تھا۔ یہود اس سے خوش تھے لیکن آپ کی چاہت اور دعا قبلہ ابراہیمی کی تھی۔ آخر جب یہ حکم نازل ہوا تو یہودیوں نے جھٹ سے اعتراض جڑ دیا۔ جس کا جواب ملا کہ مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں۔

اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ مکہ شریف میں آپ دونوں رکن کے درمیان نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سامنے کعبہ ہوتا تھا اور بیت المقدس کے صخرہ کی طرف آپ کا منہ ہوتا تھا، لیکن مدینہ جا کر یہ معاملہ مشکل ہو گیا۔ دونوں جمع نہیں ہو سکتے تھے تو وہاں آپ کو بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرنے کا حکم قرآن میں نازل ہوا تھا یا دوسری وحی کے ذریعہ یہ حکم ملا تھا

بعض بزرگ تو کہتے ہیں یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہادی امر تھا اور مدینہ آنے کے بعد کئی ماہ تک اسی طرف آپ نمازیں پڑھتے رہے گو چاہت اور تھی۔ یہاں تک کہ پروردگار نے بیت العتیق کی طرف منہ پھیرنے کو فرمایا اور آپ نے اس طرف منہ کر کے پہلے نماز عصر پڑھی اور پھر لوگوں کو اپنے خطبہ میں اس امر سے آگاہ کیا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی۔ حضرت ابوسعید بن معلیٰ فرماتے ہیں "میں نے اور میرے ساتھی نے اول اول کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے اور ظہر کی نماز تھی" بعض مفسرین وغیرہ کا بیان ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قبلہ بدلنے کی آیت نازل ہوئی۔

دو قبلوں والی مسجد کا واقعہ

اس وقت آپ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے، دو رکعت ادا کر چکے تھے پھر باقی کی دو رکعتیں آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف پڑھیں، اسی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی مسجد ذو قبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد ہے۔

حضرت نویلہ بنت مسلم فرماتی ہیں کہ ہم ظہر کی نماز میں تھے جب ہمیں یہ خبر ملی اور ہم نماز میں ہی گھوم گئے۔ مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ جا پہنچیں۔ ہاں اہل قبا کو دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت یہ خبر پہنچی بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے۔ اچانک کسی آنے والے نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رات کو حکم قرآنی نازل ہوا اور کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہو گیا۔ چنانچہ ہم لوگ بھی شام کی طرف سے منہ ہٹا کر کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناسخ کے حکم کا لزوم اسی وقت ہوتا ہے۔ جب اس کا علم ہو جائے گو وہ پہلے ہی پہنچ چکا ہو۔ اس لئے کہ ان حضرات کو عصر مغرب اور عشا کو لوٹانے کا حکم نہیں ہوا۔



غلافِ کعبہ اوراس کی ابتداء

غلافِ کعبہ کی رسم کوئی نئی رسم نہیں بلکہ قبل البعثت تبابعہ یمن سے اس کا آغاز ہوا اور شاہانِ یمن میں سے اسعد نامی ایک بادشاہ نے جو تبع الحمیر ی کے لقب سے مشہور تھا سب سے پہلے کعبہ مطہرہ کو غلاف پہنایا۔ ہم سب سے پہلے اس بادشاہ یمن کے متعلق کچھ تاریخی معلومات ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ اس کے بعد عہد جاہلیت میں غلاف کعبہ کا دوسرا دور تاریخ کی روشنی میں بیان کریں گے۔ پھر عہد رسالت میں عہد خلافت راشدہ میں کعبہ کو لباس پہنانے کا تذکرہ تاریخی اعتبار سے کریں گے۔ خلافت راشدہ کے بعد آنے والے ادوار میں مثلاً خلفاء عباسیہ، ان کے بعد سلاطین مصر اور سلاطین آل عثمان کے عہد میں غلاف کعبہ کی تاریخ اختصار کے ساتھ پیش کریں گے۔

نہایت مختصر وقت بلکہ چند گھنٹوں میں ہم نے یہ مواد شائقین کرام کے لیے زیارت غلاف کعبہ کی تقریب سعید کے موقعہ پر مہیا کیا ہے۔ اگر بالغ نظر حضرات اس میں کوئی کمی محسوس کریں تو ہم اس کے لیے پہلے سے معذرت خواہ ہیں۔

تبع ابو کرب تبان اسعد، ملك اليمن

شاہانِ یمن میں ایک بادشاہ تبع ابوکرم تبان اسعد گزرا ہے۔ یمن کا ہر بادشاہ تبع کہلاتا تھا جیسے زمانہ ماقبل میں فارس کے ہر بادشاہ کو کسریٰ اور مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ فراعنہ مصر کی طرح تبابعہ یمن تبابان ملک یمن ہوتے تھے۔ اسعد نامی بادشاہ یمن قبیلہ حمیری سے تھا اسی لیے اسے تبع الحمیر ی سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ قبیلہ بنی عدی بن نجار کے کسی یہودی مذہب رکھنے والے شخص نے جو مدینہ کا باشندہ تھا اصحابِ تبع میں سے کسی آدمی پر زیادتی کیا اور اسے معمولی سی بات پر قتل کر دیا۔ اس بنا پر تبع ان یہودیوں سے قتال کرتا رہا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ تبع ابھی یہودیوں کے قتال میں مصروف تھا کہ اس کے پاس بنی قریظہ کے احبار یہود میں سے دو حبر (یعنی عالم) آئے جو اپنے علم میں بڑے راسخ تھے۔ انہوں نے سنا تھا کہ تبع مدینہ اور مدین کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے کے درپے ہیں۔ ان دونوں نے اس سے کہا کہ اے بادشاہ! تو ایسا نہ کر۔ اگر تو اپنے اس ارادہ سے باز نہ آیا تو ہمیں خوف ہے کہ تیرے اس ارادہ فاسدہ کے بروئے کار آنے سے پہلے کہیں تجھ پر سخت عذاب نہ آ جائے۔ تبع نے کہا یہ کیوں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ شہر مدینہ اس نبی آخرالزمان کا مقام ہجرت ہے جو اس حرم سے قبیلہ قریش سے پیدا ہوگا اور مدینہ اس کا دار اور جائے قرار رہے گا۔ تبع یہ سن کر اپنے ارادہ سے باز آ گیا اور اس نے سوچا کہ یہ دونوں اہل علم ہیں۔ ان دونوں کی باتیں بھی اسے

بہت پسند آئیں اور وہ ان دونوں کا دین اختیار کر کے مدینہ سے واپس چلا گیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ تبع اور اس کی ساری قوم بتوں کے پجاری تھے۔ تبع مدینہ سے یمن کی طرف جاتے ہوئے مکہ کی طرف متوجہ ہوا۔ کیونکہ اس کا راستہ ہی مکہ کی طرف سے تھا جب وہ عسفان اور امج کے درمیان پہنچا تو اس کے پاس ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن سعد بن عدنان کے قبیلے کے چند افراد آئے اور وہ کہنے لگے کہ اے بادشاہ! کیا ہم ایک ایسے گھر کی طرف تیری رہنمائی نہ کریں جو اموال کثیرہ کا مخزن ہے۔ آپ سے پہلے تمام بادشاہ اس کی طرف سے غافل رہے۔ اس میں موتی، زبرجد، یاقوت اور سونا چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ تبع نے کہا کیوں نہیں! آپ ضرور میری راہنمائی کیجیے۔ انہوں نے کہا وہ ایک گھر ہے مکہ میں، مکے والے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے قریب اپنے مذہب کے مطابق عبادت کے طریقے بجالاتے ہیں۔ قبیلہ بنی ہذیل کے جن لوگوں نے اسے یہ مشورہ دیا تھا وہ چاہتے یہ تھے کہ تبع کسی طرح ہلاک ہو جائے کیونکہ وہ جان چکے تھے کہ جس بادشاہ نے بھی بیت اللہ شریف پر لشکر کشی کی وہ ضرور ہلاک ہو گیا۔ تبع ان لوگوں کے مشورہ کے مطابق عمل کرنے کے لیے جب تیار ہو گیا تو اس نے ان دونوں یہودی عالموں کے پاس پیغام بھیجا اور اس بارے میں ان سے دریافت کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جن لوگوں نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا تمام لشکر ہلاک ہو جائے۔ خدا کی قسم! ہم تمام روئے زمین میں اس کے سوا کوئی ایسا گھر نہیں جانتے جسے اللہ عزوجل نے اپنی ذات پاک کی طرف منسوب ہونے کا شرف بخشا ہو۔ اگر آپ نے ان کے مشورہ پر عمل کیا تو یقیناً آپ اور آپ کے تمام ساتھی ہلاک ہو کر رہ جائیں گے۔ پھر تبع نے ان یہودی عالموں سے دوبارہ سوال کیا کہ اگر بالفرض میں بیت اللہ پر حاضر ہوں تو مجھے وہاں کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ وہی کام کریں جو وہاں جا کر بیت اللہ کے آداب بجالانے والے کرتے ہیں۔ آپ وہاں طواف کعبہ کریں۔ اس کی تعظیم و تکریم بجالائیں اور اپنا سر منڈائیں۔ اور وہاں سے واپس آنے تک برابر عاجزی کرتے رہیں۔ اس کے بعد تبع نے ان دونوں یہودی عالموں سے پوچھا کہ آپ خود ایسا کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم وہ بے شک ہمارے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا گھر ہے اور وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہم نے آپ کو بتایا۔ مگر بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں جن لوگوں کا وہاں قبضہ ہے وہ ہمارے اور اس بیت اللہ کے درمیان حائل ہیں۔ انہوں نے کعبہ کے گرد و پیش بت نصب کیے ہوئے ہیں اور وہ خدا کے گھر کے نزدیک ان بتوں کے لیے جانوروں کا خون بہاتے ہیں۔ وہ لوگ اکثر اہل شرک ہیں اور شرک کی نجاست میں مبتلا ہیں۔ تبع ان کی نصیحت کو خوب سمجھا اور اسے ان کی باتوں کا پورا یقین ہو گیا۔ قبیلہ بنی ہذیل کے اس گروہ کو بلا کر اس نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے۔ پھر کعبہ کی حاضری دی۔ طواف کعبہ کیا اور حرم کعبہ کے نزدیک قربانی کی۔ اپنا سر منڈایا اور چھ دن مکہ میں قیام کیا۔ ان ایام میں وہ بہت سے جانور ذبح کر کے مکہ والوں کو کھلاتا رہا اور شہد پلا کر ان کی خاطر مدارات کرتا رہا۔ انہی دنوں اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ کو غلاف پہنا رہا ہے۔ پہلے اس نے موٹے کا موٹا غلاف پہنایا۔ پھر اس نے خواب دیکھا کہ وہ اچھا لباس پہنا رہا ہے۔ تو اس نے معافر کے کپڑوں کا بنا ہوا پہلے سے اچھا خانہ کعبہ کو پہنایا۔ پھر تیسری مرتبہ اس نے خواب میں دیکھا کہ میں اس سے بھی اچھا لباس خانہ کعبہ کو پہنا رہا ہوں۔ چنانچہ اس

نے بیدار ہونے کے بعد ایک خاص قسم کا قیمتی کپڑا جو اس زمانہ میں رانوں پر پہنا جاتا تھا جس کو ملاء کہتے ہیں اور بہترین یمنی چادروں کا لباس پہنایا۔ اور تبع لوگوں کے گمان کے موافق وہ پہلا شخص ہے جس نے خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا اور اپنے حکام کو اس کی وصیت کی جو قبیلہ بنی جرہم سے تھے اور ان سب کو امر کیا کہ وہ خانہ کعبہ کو ہمیشہ پاک صاف رکھیں۔ کسی قسم کا خون اور مردار اور کسی قسم کی آلائش و نجاست اس کے قریب نہ آنے پائے۔ تبع نے خانہ کعبہ کا ایک دروازہ بھی تعمیر کر دیا اور اس کی ایک کنجی بھی بنوادی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ملک تبع یہ سب کام کر کے اپنے ساتھیوں، تمام لشکروں اور دونوں یہودی عالموں کو ساتھ لے کر اپنے ملک یمن کی طرف متوجہ ہوا۔ جب اس میں داخل ہوا تو اس نے اپنی قوم کو بھی اپنے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ سب نے انکار کر دیا اور وہ آگ کی طرف اپنا مقدمہ لے گئے۔ ابراہیم بن محمد بن طلحہ کا بیان ہے کہ تبع جب یمن کے قریب آیا اور اس نے اپنے ملک میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو قبیلہ حمیر اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ جب تم نے ہمارے دین کو چھوڑ دیا تو اب تم ہم پر داخل نہیں ہو سکتے۔ تبع نے ان کو اپنے دین کی طرف بلایا اور کہا کہ یہ تمہارے دین سے بہتر ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آگ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرتے ہیں۔ تبع راضی ہو گیا۔ یمن میں ایک آگ تھی جس کے متعلق اہل یمن کا اعتقاد تھا کہ وہ باہمی اختلافات اور مقدمات کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ ظالم کو پکڑ لیتی ہے اور مظلوم کو نقصان نہیں دیتی۔ قوم حمیر کے لوگ اپنے بتوں اور باطل معبودوں کے ساتھ میدان میں آئے اور وہ دونوں یہودی عالم بھی اپنے مصاحف کو اپنی گردنوں میں لٹکائے ہوئے حاضر ہو گئے۔ سب لوگ اس جگہ بیٹھ گئے جہاں سے آگ باہر نکلتی تھی۔ اچانک آگ نکلی جب لوگوں کی طرف بڑھی تو لوگ بھاگنے لگے۔ تبع نے تمام لوگوں کو جھڑکا اور کہا کہ سب ٹھہرے رہیں۔ لوگ ٹھہر گئے۔ یہاں تک کہ آگ نے سب لوگوں کو ڈھانک لیا۔ بتوں کو اور تمام باطل معبودوں کو ان سب لوگوں کو جو بت لے کر آئے تھے، آگ نے جلا دیا اور وہ دونوں یہودی عالم اپنی گردنوں میں اپنے صحیفے لٹکائے ہوئے اس آگ کی لپیٹ سے باہر نکل آئے۔ ان کی پیشانیاں عرق آلود تھیں مگر آگ نے انہیں کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچایا تھا۔ یہ واقعہ دیکھ کر قبیلہ حمیر کے تمام لوگوں نے ان یہودی عالموں کا مذہب اختیار کر لیا۔ اسی وجہ سے یمن میں یہودیت نے جڑ پکڑی۔ ہم نے اس حدیث کی تفسیر میں جو نبی ؟ سے وارد ہوئی "لا تسبوا تبعا فانه قد کان اسلم" ہم نے ذکر کیا کہ سہیلی فرماتے ہیں کہ معمر نے ہمام بن منبہ سے روایت کی۔ وہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لا تسبوا اسعد الحمیری فانه اول من کسا الکعبة" "تم اسعد حمیری کو برا نہ کہو کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے کعبہ کو غلاف پہنایا۔"

سہیلی فرماتے ہیں کہ جب ان دونوں یہودی عالموں نے ملک تبع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی خوشخبری سنائی تو ملک تبع نے یہ شعر کہے۔ شهدت علی احمد انه رسول من الله باری النسم

"میں اس بات پر شاہد ہوں کہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس اللہ کے رسول ہیں جو تمام جانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔"

فلو مد عمری الی عمره لکنت وزیرا له وابن عم

"اگر میری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک دراز ہوئی تو میں ان کا بوجھ اٹھاؤں گا اور چچا زادوں کی طرف ان کی مدد

کروں گا۔"

وجاهدت بالسيف اعدائه وخرجت عن صدره كل هم

۔"اور تلوار لے کر میں ان کے دشمنوں سے لڑوں گا اور ان کے سینے سے ہر قسم کے رنج والم کو دُور کر دوں گا۔"

سُہیلی کہتے ہیں کہ انصار توارث کے ساتھ ان اشعار کو محفوظ کرتے چلے آئے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس یہ شعر تھے۔

"سُہیلی نے کہا کہ ابن ابی الدنیا محدث کتاب القبور میں لکھتے ہیں کہ صنعاء میں ایک قبر کھودی گئی۔"اس میں دو عورتیں پائی گئیں۔ان کے ساتھ چاندی کی ایک تختی تھی جس پر سونے کے پانی سے لکھا ہوا تھا یہ قبر لمیس اور حُبّی کی ہے جو دونوں ملک تبع کی بیٹیاں ہیں۔وہ دونوں اس حال میں مری ہیں کہ وہ شہادت دیتی تھیں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔اور اسی شہادت پر ان سے پہلے نیک لوگوں کی موت واقع ہوئی ہے۔(البدایہ والنہایہ مصری)

غلافِ کعبہ کا ایک دُوسرا دَور

علامہ ارزقی فرماتے ہیں کہ سعید ابن ابی سالب ابن مُلکیہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے بیان کیا کہ کعبہ کے لیے مختلف لباس بطور ہدایا بھیجے جاتے تھے۔جب لباس بوسیدہ ہو جاتا تھا تو اسے اتارنے کے بجائے اس پر دوسرا غلاف چڑھا دیا جاتا تھا اور زمانہ جاہلیت میں (عہدِ رسالت سے قبل تمام قریش قصی ابن کلاب کے وقت سے لے کر ابو ربیعہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن مخزومہ کے زمانہ تک) خانہ کعبہ کی غلاف پوشی کے سلسلہ میں باہمی تعاون کرتے تھے۔اور ہر قبیلہ پر اس کی حسب استطاعت ایک رقم مقرر کر دیتے تھے۔جب ابو ربیعہ کا دور آیا تو چونکہ وہ ایک متمول اور بہت بڑا تاجر تھا۔اس نے قریش سے کہا کہ ایک سال صرف تنہا میں غلاف کعبہ بناؤں گا اور ایک سال تمام قریش مشترکہ طور پر یہ خدمت انجام دیتے رہیں۔ابو ربیعہ کی حیات تک یہی دستور جاری رہا۔ چنانچہ قریش نے اس کا نام العدل رکھ دیا۔عدل کے معنی برابری کے ہیں یعنی لباس پوشانی کعبہ کے بارہ میں اس نے اپنی ایک ذات کو تمام قریش کے برابر قرار دیا۔اس لیے اس کی اولاد کو بنو العدل کہا جاتا تھا۔

عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں غلافِ کعبہ

علامہ ارزقی کا دوسرا بیان ہے کہ مجھے محمد بن یحیٰ نے بروایت مورخ واقدی خبر دی وہ اسمٰعیل بن ابراہیم بن ابی حبشہ سے روایت کرتے ہیں اور اسمٰعیل بن ابراہیم اپنے والد سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کو یمانی چادروں کا غلاف پہنایا۔

عہدِ فاروقی وعثمانی میں غلافِ کعبہ

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خانہ کعبہ کو کتان سے بنے

ہوئے مصری ساخت کے قباطی کپڑے کا غلاف پہنایا اور دورِ عثانی میں ہر سال دو غلاف پہنائے جاتے تھے۔ پہلے لباس کا بالائی حصہ بغیر سیا ہوا یوم ترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو لٹکا دیا جاتا تھا اور حصہ زیریں چھوڑ دیا جاتا تھا تاکہ ہجوم حجاج کے چھونے اور چومنے سے پھٹ نہ جائے۔ پھر یوم عاشورا کو حصہ زیریں کا لباس بالائی حصہ کے ریشمی لباس کے ساتھ ملا کر آویزاں کر دیا جاتا تھا اور یہ مکمل لباسِ کعبہ رمضان المبارک تک آویزاں رہتا اور رمضان کو یہ لباس بدل کر مذکورہ بالا قباطی کپڑے کا لباس پہنا دیا جاتا تھا۔

عہد مامون الرشید میں ملبوسِ کعبہ کی نوعیت

مامون الرشید عباسی نے اپنے دورِ حکومت میں کعبہ شریف کو سال میں تین مرتبہ لباس پہنانے کا حکم جاری کیا جس کی ترتیب یہ تھی کہ یوم ترویہ ذی الحجہ کو سرخ ریشمی لباس پہنایا جاتا اور یکم رجب کو قباطی، پھر عید الفطر کو سفید ریشمی۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ پھر مامون الرشید کو معلوم ہوا کہ یوم عاشورہ میں جو چادر یوم ترویہ والی اوپر کی سرخ ریشمی چادر کے ساتھ ملا کر پہنائی جاتی ہے وہ پورے سال تک نہیں ٹھہرتی اور عید الفطر کے موقع پر عید والی سفید ریشمی چادر بالائی کے ساتھ نیچے کی نئی چادر پہنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اس نے حکم دیا کہ عید رمضان میں بالائی حصہ کی نئی چادر پہنائی جاتی رہے۔

خلیفہ متوکل کے عہد میں اس ترتیب کی تبدیلی

خلیفہ متوکل کو اپنے عہد حکومت میں اس بات کا علم ہوا کہ کعبہ مطہرہ کے حصہ زیریں کی چادر ہجوم حجاج کے چھونے اور چومنے کی وجہ سے ماہ رجب سے پہلے ہی بوسیدہ ہو جاتی ہے تو اس نے حصہ زیریں کے لیے ایک اور چادر کا اضافہ کر دیا اور حکم دیا کہ اوپر کی سرخ ریشمی چادر زمین تک لٹکا دی جائے اور پھر ہر دو مہینے کے بعد اس کے اوپر ایک اور چادر پہنا دی جائے۔ یہ واقعہ ۲۴۰ھ کا ہے۔

شاہانِ مصر و یمن کے دور میں غلافِ کعبہ کا اہتمام

جب خلفائے عباسیہ کی شوکت و قوت کا دور ختم ہوا تو کعبہ شریفہ کا غلاف کبھی شاہانِ مصر کی طرف سے اور کبھی ملوکِ یمن کی طرف سے آتا رہا۔ آخر میں یہ سعادت مستقل طور پر سلاطین مصر کے حصہ میں آ گئی اور سلطان مصر ملک صالح ابن سلطان ملک ناصر قلاوون نے مصر میں دو مواضع بیسوس اور سندنیس خرید کر سال بسال غلاف کعبہ کی تیاری اور مصارف روانگی کے لیے وقف کر دیئے اور یہ سلسلہ مستقل طور پر جاری رہا۔ سلاطین مصر کا ایک طریقہ یہ بھی رہا کہ ہر نئے بادشاہ کے تخت نشین ہونے کے موقع پر اس سیاہ غلاف کعبہ کے ساتھ جو خانہ کعبہ کے ظاہری حصہ کو پہنایا جاتا تھا بیت اللہ شریف کے اندرونی حصہ کے لیے سرخ رنگ کا غلاف اور اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں حجرہ شریفہ نبویہ کے لیے سبز رنگ کا غلاف بھیجتے رہے۔ ان تینوں سیاہ، سرخ، سبز غلافوں پر "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُـحَـمَّـدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوتا تھا۔ اور ان کے حاشیوں پر مناسب آیات قرآنیہ یا اسماءِ اصحاب رسول اللہ ﷺ تحریر ہوتے تھے۔ کبھی یہ حاشیے سادہ بھی چھوڑ دیئے جاتے تھے۔

سلاطین آلِ عثمان کا دور اور اس دستور کا استمرار

گزشتہ ادوار کے بعد جب ممالک عربیہ سلاطین آلِ عثمان کے قبضہ میں آ گئے تو سلطان سلیم خاں ابن سلطان بایزید خاں مرحوم نے سیاہ غلاف ہائے کعبہ اور سبز غلاف مدینہ منورہ حسب دستور مستقل طور پر جاری رکھے۔ اس کے بعد سلطان سلیمان خاں کے عہد حکومت میں یہ سلسلہ حسب سابق جاری رہا۔ ایک زمانہ کے بعد موضع بیسوس اور موضع سندنیس جو غلاف کعبہ کی تیاری وروانگی کے اہتمام کے لیے وقف تھے، ویران ہو گئے اور ان کی آمدنی اس مصرف مبارک کے لیے کافی نہ ہو سکتی تو سلطان سلیمان خاں نے حکم دیا کہ مصر کے شاہی خزانے سے یہ مصارف پورے کیے جائیں اور اس کے بعد ان دونوں دیہات کے علاوہ چند مزید دیہات بھی غلاف کعبہ کے مصارف کے لیے وقف کر دیئے اور یہ وقف دوامی قرار پایا۔ (تاریخ قطبی طبع مصر)

پاکستان میں غلاف کعبہ کی تیاری

غلاف کعبہ اب تک مصر سے آتا رہا۔ حتیٰ کہ امسال یعنی ۱۳۸۲ھ میں یہ سعادت ہمیں نصیب ہوئی کہ خدائے قدوس کے پاک گھر کا مقدس غلاف سرزمین پاکستان میں کمال اعزاز و اکرام کے ساتھ تیار کیا گیا اور اب لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں پاکستانی مسلمان انتہائی عقیدت و محبت اور کمال عزت و عظمت کے جذبات اپنے دلوں میں لئے ہوئے اس کی زیارت سے مشرف ہو رہے ہیں۔ ہمیں اپنے رب کعبہ کے لطف و کرم سے اُمید ہے کہ ہمارے دلوں کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دُعائیں غلاف کعبہ کے دامن سے لپٹی ہوئی عنقریب حرم کعبہ میں پہنچ کر بارگاہِ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل کریں گی۔ (سید احمد سعید کاظمی امروہی)

ذبح ہو کر زندہ ہو جانے والے پرندے

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ایک مرتبہ خداوند قدوس کے دربار میں یہ عرض کیا کہ یا اللہ تو مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ فرمائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم کیا اس پر تمہارا ایمان نہیں ہے، تو آپ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں؟ میں اس پر ایمان تو رکھتا ہوں لیکن میری تمنا یہ ہے کہ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تا کہ میرے دل کو قرار آ جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم چار پرندوں کو پالو اور ان کو خوب کھلا پلا کر اچھی طرح ہلا ملا لو پھر تم انہیں ذبح کر کے اور ان کا قیمہ بنا کر اپنے گرد و نواح کے چند پہاڑوں پر تھوڑا تھوڑا گوشت رکھ دو۔ پھر ان پرندوں کو پکارو تو وہ پرندے زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آ جائیں گے اور تم مُردوں کے زندہ ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مرغ، ایک کبوتر، ایک گدھ، ایک مور۔ ان چار پرندوں کو پالا اور ایک مدت تک ان چاروں پرندوں کو کھلا پلا کر خوب ہلا ملا لیا۔ پھر ان چاروں پرندوں کو ذبح کر کے ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیا اور ان چاروں کا قیمہ بنا کر تھوڑا تھوڑا گوشت اطراف و جوانب کے پہاڑوں پر رکھ دیا اور دور سے کھڑے ہو کر ان پرندوں کا نام لے کر پکارا کہ یاایھا الدیک اے مرغ یاایتھا الحمامة اے کبوتر یاایھا النسو اے گدھ یاایھا الطاؤس اے مور آپ کی پکار پر ایک دم پہاڑوں سے گوشت کا قیمہ اڑنا شروع ہو گیا اور ہر پرند کا گوشت،

پوست، ہڈی، پر، الگ ہو کر چار پرند تیار ہو گئے اور وہ چاروں پرند بلا سروں کے دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئے اور اپنے سروں سے جڑ کر دانہ چگنے لگے اور اپنی اپنی بولیاں بولنے لگے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے مردوں کے زندہ ہونے کا منظر دیکھ لیا اور ان کے دل کو اطمینان و قرار مل گیا۔

اس واقعہ کا ذکر خداوند کریم نے قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں ان لفظوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ:-

واذ قال ابرھم رب ارنی کیف تحی الموتی ط قال اولم تومن ط قال بلی و لکن لیطمئن قلبی ط قال فخذ اربعة من الطیر فصر ھن الیك ثم اجعل علی کل جبل منھن جزء ا ثم ادعھن یاتینك سعیا ط واعلم ان اللہ عزیز حکیم ہ (پ3، البقرة:260)

ترجمہ کنزالایمان: اور جب عرض کی ابراہیم نے اے رب میرے مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے جلائے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔ فرمایا تو اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلا لے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بلا وہ تیرے پاس چلے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے اور جان رکھ کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

درس ہدایت:::: مذکورہ بالا قرآنی واقعہ سے مندرجہ ذیل مسائل پر خاص طور سے روشنی پڑتی ہے۔ ان کو بغور پڑھیے اور ہدایت کا نور حاصل کیجئے اور دوسروں کو بھی روشنی دکھائیے۔

مردوں کو پکارنا

چاروں پرندوں کا قیمہ بنا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہاڑوں پر رکھ دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ثم ادعھن یعنی ان مردہ پرندوں کو پکارو۔ چنانچہ آپ نے چاروں کو نام لیکر پکارا تو اس سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ مردوں کا پکارنا شرک نہیں ہے کیونکہ جب مردہ پرندوں کو اللہ تعالیٰ نے پکارنے کا حکم فرمایا اور ایک جلیل القدر پیغمبر نے ان مردوں کو پکارا تو ہرگز ہرگز یہ شرک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خداوند کریم کبھی بھی کسی کو شرک کا حکم نہیں دے گا نہ کوئی نبی ہرگز ہرگز کبھی شرک کا کام کر سکتا ہے۔ تو جب مرے ہوئے پرندوں کو پکارنا شرک نہیں تو وفات پائے ہوئے خدا کے ولیوں اور شہیدوں کا پکارنا کیونکر شرک ہو سکتا ہے، جو لوگ ولیوں اور شہیدوں کے پکارنے کو شرک کہتے ہیں اور یا غوث کا نعرہ لگانے والوں کو مشرک کہتے ہیں، انہیں تھوڑی دیر سر جھکا کر سوچنا چاہیے کہ اس قرآنی واقعہ کی روشنی میں انہیں ہدایت کا نور نظر آئے اور وہ اہل سنت کے طریقے پر صراط مستقیم کی شاہراہ پر چل پڑیں۔ (واللہ الموفق)

تصوف کا ایک نکتہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن چار پرندوں کو ذبح کیا ان میں سے ہر پرند ایک بری خصلت میں مشہور ہے مثلاً مور کو اپنی شکل و صورت کی خوبصورتی پر گھمنڈ رہتا ہے اور مرغ میں کثرت شہوت کی بری خصلت ہے اور گدھ میں حرص اور لالچ کی بری عادت ہے اور کبوتر کو اپنی بلند پروازی اور اونچی اڑان پر نخوت و غرور ہوتا ہے۔ تو ان چاروں پرندوں کے ذبح کرنے سے ان چاروں

خصلتوں کوذبح کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ چاروں پرندذبح کئے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کومردوں کے زندہ ہونے کا منظر نظر آیااوران کے دل میں نوراطمینان کی تجلی ہوئی۔ جس کی بدولت انہیں نفس مطمئنہ کی دولت مل گئی تو جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا دل زندہ ہوجائے اوراس کونفس مطمئنہ کی دولت نصیب ہوجائے اس کو چاہیے کہ مرغ ذبح کرے یعنی اپنی شہوت پر چھری پھیر دے اور مور کوذبح کرے یعنی اپنی شکل وصورت اورلباس کے گھمنڈ کوذبح کرڈالے اور گدھ کوذبح کرے یعنی حرص اورلالچ کا گلا کاٹ ڈالے اور کبوتر کوذبح کرے یعنی اپنی بلند پروازی اوراونچے مرتبوں کے غرورونخوت پر چھری چلادے۔ اگرکوئی ان چاروں بری خصلتوں کو ذبح کرڈالے گا تو انشاءاللہ عزوجل وہ اپنے دل کے زندہ ہونے کا منظراپنی آنکھوں سے دیکھ لے گااوراس کونفس مطمئنہ کی سرفرازی کاشرف حاصل ہوجائے گا۔(واللہ تعالیٰ اعلم)(تفسیر جمل،ج1،ص328،پ3،البقرۃ260)

حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور وعدے کی پاسداری

ابوالحجاز علیہ السلام حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام کا ذکر خیر بیان ہو رہا ہے آپ سارے حجاز کے باپ ہیں جو نذر اللہ کے نام کی مانتے تھے جو عبادت کرنے کا ارادہ کرتے تھے پوری ہی کرتے تھے۔ ہر حق ادا کرتے تھے ہر وعدے کی وفا کرتے تھے۔ ایک شخص سے وعدہ کیا کہ فلاں جگہ آپ کو ملوں گا وہاں آپ آ جانا۔

حسب وعدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام وہاں گئے لیکن وہ شخص نہیں آیا تھا۔ آپ اس کے انتظار میں وہیں ٹھیرے رہے یہاں تک کہ ایک دن رات پورا گزر گیا اب اس شخص کو یاد آیا اس نے آ کر دیکھا کہ آپ وہیں انتظار میں ہیں پوچھا کہ کیا آپ کل سے یہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا جب وعدہ ہو چکا تھا تو پھر میں آپ کیا آئے بغیر کیسے ہٹ سکتا تھا اس نے معذرت کی کہ میں بالکل بھول گیا تھا۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ تو کہتے ہیں یہیں انتظار میں ہی آپ کو ایک سال کامل گزر چکا تھا۔ ابن شوزب کہتے ہیں وہیں مکان کر لیا تھا۔ عبداللہ بن الحما کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے میں نے آپ سے کچھ تجارتی لین دین کیا تھا میں چلا گیا اور یہ کہہ گیا کہ آپ یہیں ٹھیرئے میں ابھی واپس آتا ہوں پھر مجھے خیال ہی نہ رہا وہ دن گزرا وہ رات گزری دوسرا دن گزر گیا تیسرے دن مجھے خیال آیا تو دیکھا آپ وہیں تشریف فرما ہیں۔

آپ نے فرمایا تم نے مجھ مشقت میں ڈال دیا میں آج تین دن سے یہیں تمہارا انتظار کرتا رہا۔ (خرائطی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس وعدے کا ذکر ہے جو آپ نے بوقت ذبح کیا تھا کہ اباجی آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ چنانچہ فی الاواقع آپ نے وعدے کی وفا کی اور صبر و برداشت سے کام لیا۔ وعدے کی وفا نیک کام ہے اور وعدہ خلافی بہت بری چیز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے ایمان والو وہ باتیں زبان سے کیوں نکالتے ہو جن پر خود عمل نہیں کرتے اللہ کے نزدیک یہ بات نہایت ہی غضبناک کی ہے کہ تم وہ کہو جو نہ کرو۔

سناٹے کی آغوش میں زندگی

اب جہاں پر بیت اللہ بنا ہوا ہے یہاں ایک ٹیلہ تھا اور سنسان بیابان تھا کوئی اپنے بسنے والا وہاں نہ تھا یہاں پہنچ کر ماں بیٹے کو بٹھا کر پاس تھوڑی سی کھجوریں اور مشکیزہ پانی کا رکھ کر آپ چلے گئے جب خلیل اللہ نے پیٹھ موڑی اور جانے لگے تو مائی حاجرہ نے

آواز دی اے خلیل اللہ ہمیں اس دہشت و وحشت والے بیابان میں یکہ و تنہا چھوڑ کر جہاں ہمارا کوئی مونس و ہمدم نہیں آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ لیکن حضرت ابراہیم نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس طرف توجہ تک نہ کی، منہ موڑ کر بھی نہ دیکھا حضرت ہاجرہ کے بار بار کہنے پر بھی آپ نے التفات نہ فرمایا تو آپ فرمانے لگیں اللہ کے خلیل آپ ہمیں کسے سونپ چلے؟ آپ نے کہا اللہ تعالیٰ کے۔ کہا اے خلیل اللہ کیا اللہ تعالیٰ کا آپ کو یہ حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں مجھے اللہ کا یہی حکم ہے یہ سن کر ام اسمٰعیل کو تسکین ہوگئی اور فرمانے لگیں پھر تشریف لے جایئے وہ اللہ جل شانہ ہمیں ہرگز ضائع نہ کرے گا اسی کا بھروسہ اور اسی کا سہارا ہے۔ حضرت ہاجرہ لوٹ گئیں اور اپنے کلیجہ کی ٹھنڈک اپنی آنکھوں کے نور ابن نبی اللہ کو گود میں لے کر اس سنسان بیابان میں اس ہو کے عالم میں لاچار اور مجبور ہو کر بیٹھ رہیں۔

حضرت ابراہیم جب ثنیہ کے پاس پہنچے اور یہ معلوم کر لیا کہ اب حضرت ہاجرہ پیچھے نہیں اور وہاں سے یہاں تک ان کی نگاہ کام بھی نہیں کر سکتی تو بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا آیت (رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ) 14۔ ابراھیم: 37) الہ العالمین میں نے اپنے بال بچوں کو ایک غیر آباد جنگل میں تیرے برگزیدہ گھر کے پاس چھوڑا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور انہیں پھلوں کی روزیاں دے شاید وہ شکر گزاری کریں آپ نے یہ دعا کر کے حکم اللہ بجا لا کر اپنی اہل و عیال کو اللہ کے سپرد کر کے چلے گئے ادھر حضرت ہاجرہ صبر و شکر کے ساتھ بچے سے دل بہلانے لگیں۔

جب تھوڑی سی کھجوریں اور ذرا سا پانی ختم ہو گیا اب اناج کا ایک دانہ پاس ہے نہ پانی کا گھونٹ خود بھی بھوکی پیاسی ہیں اور بچہ بھی بھوک پیاس سے بیتاب ہے یہاں تک کہ اس معصوم نبی زادے کا پھول سا چہرہ کملانے لگا اور وہ تڑپنے اور بلکنے لگا مامتا بھری ماں کبھی اپنی تنہائی اور بیکسی کا خیال کرتی ہے کبھی اپنے ننھے سے اکلوتے بچے کا یہ حال بغور دیکھتی ہے اور سہمی جاتی ہے معلوم ہے کہ کسی انسان کا گزر اس بھیانک جنگل میں نہیں، میلوں تک آبادی کا نام و نشان نہیں کھانا تو کہاں؟ پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں آ سکتا آخر اس ننھی سی جان کا یہ ابتر حال نہیں دیکھا جاتا تو اٹھ کر چلی جاتی ہیں اور صفا پہاڑ جو پاس ہی تھا اس پر چڑھ جاتی ہیں اور میدان کی طرف نظر دوڑاتی ہیں کہ کوئی آتا جاتا نظر آ جائے لیکن نگاہیں مایوسی کے ساتھ چاروں طرف ڈالتی ہیں اور کسی کو بھی نہ دیکھ کر پھر وہاں سے اتر آتی ہیں اور اسی طرح درمیانی تھوڑا سا حصہ دوڑ کر باقی حصہ جلدی جلدی طے کر کے پھر صفا پر چڑھتی ہیں اسی طرح سات مرتبہ کرتی ہیں ہر بار آ کر بچہ کو دیکھ جاتی ہیں۔

اس کی حالت ساعت بہ ساعت بگڑتی جا رہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں صفا مروہ کی سعی جو حاجی کرتے ہیں اس کی ابتدا یہی سے ساتویں مرتبہ جب حضرت ہاجرہ مروہ پر آتی ہیں تو کچھ آواز کان میں پڑتی ہے آپ خاموش ہو کر احتیاط کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں کہ یہ آواز کیسی؟ آواز پھر آتی ہے اور اس مرتبہ صاف سنائی دیتی ہے تو آپ آواز کی طرف لپک کر آتی ہیں اور اب جہاں زمزم ہے وہاں حضرت جبرائیل کو پاتی ہیں حضرت جبرائیل پوچھتے ہیں تم کون ہو؟ آپ جواب دیتی

ہیں میں ہاجرہ ہوں میں حضرت ابراہیم کے لڑکے کی ماں ہوں فرشتہ پوچھتا ہے ابراہیم تمہیں اس سنسان بیابان میں کسے سونپ گئے ہیں؟ آپ فرماتی ہیں اللہ کو فرمایا پھر تو وہ کافی ہے حضرت ہاجرہ نے فرمایا اے غیبی شخص آواز تو میں نے سن لی کیا کچھ میرا کام بھی نکلے گا؟

آبِ زم زم کا چشمہ جاری ہونے کا واقعہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین رگڑی وہیں زمین سے ایک چشمہ پانی کا ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے ہاتھ سے اس پانی کو مشک میں بھرنا شروع کیا مشک بھر کر پھر اس خیال سے کہ پانی ادھر ادھر بہہ کر نکل نہ جائے آس پاس باڑ باندھنی شروع کر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ ام اسمٰعیل پر رحم کرے اگر وہ اس طرح پانی کو نہ روکتیں تو زم زم کنویں کی شکل میں نہ ہوتا بلکہ وہ ایک جاری نہر کی صورت میں ہوتا اب حضرت ہاجرہ نے پانی پیا اور بچہ کو بھی پلایا اور دودھ پلانے لگیں فرشتے نے کہہ دیا کہ تم بیفکر رہو اللہ تمہیں ضائع نہ کرے گا جہاں تم بیٹھی ہو یہاں اللہ کا ایک گھر اس بچے اور اس کے باپ کے ہاتھوں بنے گا حضرت ہاجرہ اب یہیں رہ پڑیں زمزم کا پانی پیتیں اور بچہ سے دل بہلاتیں بارش کے موسم میں پانی کے سیلاب چاروں طرف سے آتے لیکن یہ جگہ ذرا اونچی تھی ادھر ادھر سے پانی گزر جاتا ہے اور یہاں امن رہتا کچھ مدت کے بعد جرہم کا قبیلہ خدا کے راستہ کی طرف سے اتفاقاً گزرا اور مکہ شریف کے نیچے کے حصہ میں اترا ان کی نظریں ایک آبی پرند پر پڑیں تو آپس میں کہنے لگے یہ پرندہ تو پانی کا ہے اور یہاں پانی کبھی نہ تھا ہماری آمد و رفت یہاں سے کئی مرتبہ ہوئی یہ تو خشک جنگل اور چٹیل میدان ہے یہاں پانی کہاں؟ چنانچہ انہوں نے اپنے آدمی اصلیت معلوم کرنے کے لیے بھیجے انہوں نے واپس آکر خبر دی کہ وہاں تو بہترین اور بہت سا پانی ہے اب وہ سب آئے اور حضرت ام اسمٰعیل سے عرض کرنے لگے کہ مائی صاحبہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم بھی یہاں ٹھہر جائیں پانی کی جگہ ہے آپ نے فرمایا ہاں شوق سے رہو لیکن پانی پر قبضہ میرا ہی رہے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہاجرہ تو چاہتی تھیں کہ کوئی ہم جنس مل جائے چنانچہ یہ قافلہ یہاں رہ پڑا حضرت اسمٰعیل بھی بڑے ہو گئے ان سب کو آپ سے بڑی محبت ہو گئی یہاں تک کہ آپ بالغ ہوئے تو انہی میں نکاح بھی کیا اور انہی سے عربی بھی سیکھی مائی ہاجرہ علیہا السلام کا انتقال یہیں ہوا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے اجازت ملی تو آپ اپنے لخت جگر کی ملاقات کے لیے تشریف لائے بعض روایات میں ہے کہ آپ کا یہ آنا جانا براق پر ہوتا تھا۔

دروازے کی چوکھٹ سے مراد بیوی ہونے کا واقعہ

ملک شام سے آتے تھے اور پھر واپس جاتے تھے یہاں آئے تو حضرت اسمٰعیل گھر پر نہ ملے اپنی بہو سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو جواب ملا کہ کھانے پینے کی تلاش میں یعنی شکار کو گئے ہیں آپ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ کہا برا حال ہے بڑی تنگی اور سختی ہے فرمایا اچھا تمہارے خاوند آ دیں تو انہیں سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔

حضرت ذبیح اللہ جب واپس آئے تو گویا آپ کو کچھ انس سا معلوم ہوا پوچھنے لگے کیا کوئی صاحب تشریف لائے تھے؟ بیوی نے کہا ہاں ایسی ایسی شکل وشباہت کے ایک عمر رسیدہ بزرگ آئے تھے؟ آپ کی نسبت پوچھا میں نے کہا وہ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہیں پھر پوچھا کہ گزران کیسی چلتی ہے؟ میں نے کہا بڑی سختی اور تنگی سے گزر اوقات ہوتی ہے پوچھا کچھ مجھ سے کہنے کو بھی فرما گئے ہیں؟ بیوی نے کہا ہاں کہہ گئے کہ وہ جب وہ آئیں میرا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں آپ فرمانے لگے بیوی سنو یہ میرے والد صاحب تھے اور جو فرما گئے ہیں اس سے مطلب یہ ہے کہ (چونکہ تم نے ناشکری کی) میں تم کو الگ کر دوں جاؤ میں نے تمہیں طلاق دی انہیں طلاق دے کر آپ نے اسی قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا ایک مدت کے بعد پھر حضرت ابراہیم باجازت الٰہی یہاں آئے اب کی مرتبہ بھی اتفاقاً حضرت ذبیح سے ملاقات نہ ہوئی بہو سے پوچھا تو جواب ملا کہ ہمارے لئے رزق کی تلاش میں شکار کو گئے ہیں آپ آیئے، تشریف رکھئے جو کچھ حاضر ہے تناول فرمایئے۔ آپ نے فرمایا یہ تو بتاؤ کہ گزر بسر کیسی ہوتی ہے؟ کیا حال ہے؟ جواب ملا الحمدللہ ہم خیریت سے ہیں اور بفضل رب کعبہ کشادگی اور راحت ہے اللہ کا بڑا شکر ہے حضرت ابراہیم نے کہا تمہاری خوراک کیا ہے؟ کہا گوشت پوچھا تم پیتے کیا ہو؟ جواب ملا پانی آپ نے دعا کی کہ پروردگار انہیں گوشت اور پانی میں برکت دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر اناج ان کے پاس ہوتا اور یہ کہتیں تو حضرت خلیل علیہ السلام ان کے لیے اناج کی برکت کی دعا بھی کرتے اب اس دعا کی برکت سے اہل مکہ صرف گوشت اور پانی پر گزر کر سکتے ہیں۔ اور لوگ نہیں کر سکتے آپ نے فرمایا اچھا میں تو جا رہا ہوں تم اپنے میاں کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ وہ اپنی چوکھٹ کو ثابت اور آباد رکھیں بعد ازاں حضرت اسمٰعیل آئے سارا واقعہ معلوم ہوا آپ نے فرمایا یہ میرے والد مکرم تھے مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں الگ نہ کروں۔

ذبیح اللہ علیہ السلام سے متعلق مختلف واقعات

خلیل اللہ جب اپنی قوم کی ہدایت سے مایوس ہو گئے۔ بڑی بڑی قدرتی نشانیاں دیکھ کر بھی جب انہیں ایمان نصیب نہ ہوا تو آپ نے ان سے ہٹ جانا پسند فرمایا اور اعلان کر دیا کہ میں اب تم میں سے ہجرت کر جاؤں گا میرا رہنما میرا رب ہے۔ ساتھ ہی اپنے رب سے اپنے ہاں اولاد ہونے کی دعا مانگی تا کہ وہ بھی توحید میں آپ کا ساتھ دے۔ اسی وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایک بردبار بچے کی بشارت دی جاتی۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے یہی آپ کے لیے صاحبزادے تھے اور حضرت اسحاق سے بڑے تھے۔ اسے تو اہل کتاب بھی مانتے ہیں بلکہ ان کی کتب میں موجود ہے کہ حضرت اسماعیل کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال کی تھی اور جس وقت حضرت اسحاق علیہ السلام تولد ہوتے ہیں اس وقت آپ کی عمر ننانوے برس کی تھی۔ بلکہ ان کی کتاب میں تو یہ بھی ہے کہ جناب ابراہیم کو اپنے اکلوتے فرزند کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ لیکن صرف اس لیے کہ یہ لوگ خود تو نبی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور نبی اللہ وذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے عرب ہیں۔ انہوں نے واقعہ کی اصلیت بدل دی اور اس فضیلت کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہٹا کر حضرت اسحاق کو دے دیا اور بیجا تاویلیں

کرتے اللہ کے کلام کو بدل ڈالا۔ اور کہا ہماری کتاب میں لفظ وحیدک ہے اس سے مراد اکلوتا نہیں بلکہ جو تیرے پاس اس وقت اکیلا ہے وہ ہے۔

یہ اس لیے کہ حضرت اسماعیل تو اپنی والدہ کے ساتھ مکے میں تھے یہاں خلیل اللہ کے ساتھ صرف حضرت اسحاق تھے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ وحید اسی کو کہا جاتا ہے جو اکلوتا ہو اس کا اور کوئی بھائی نہ ہو۔ پھر یہاں ایک بات اور بھی ہے کہ اکلوتے اور پہلوٹھی کے بچے کے ساتھ جو محبت ہوتی اور اس کے جو لاڈ پیار ہوتے ہیں عموماً دوسری اولاد کے ہونے پر پھر وہ باقی نہیں رہتے۔ اس لیے اس کے ذبیحہ کا حکم امتحان اور آزمائش کی زبردست کڑی ہے۔ ہم اسے مانتے ہیں کہ بعض سلف بھی اس کے قائل ہوئے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق تھے یہاں تک کہ بعض صحابہ سے بھی یہ مروی ہے لیکن یہ چیز کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہوتی۔

بلکہ خیال یہ ہے کہ بنو اسرائیل کی ایک شہرت دی ہوئی بات کو ان حضرات نے بھی بیدلیل اپنے ہاں لے لیا دور کیوں جائیں کتاب اللہ کے الفاظ میں ہی غور کر لیجیے کہ حضرت اسمٰعیل کی بشارت کا غلام حلیم کہہ کر ذکر ہوا اور پھر اللہ کی راہ میں ذبح کے لیے تیار ہونے کا ذکر ہوا۔ اس تمام بیان کو ختم کر کے پھر نبی صالح حضرت اسحاق کے تولد کی بشارت کا بیان ہوا۔ اور فرشتوں نے بشارت اسحاق کے موقع پر غلام علیم فرمایا تھا۔ اسی طرح قرآن میں ہے بشارت اسحاق کے ساتھ ہی ہے (وَمِنْ وَّرَاءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ 71) 11-ھود: 71) یعنی حضرت ابراہیم کی حیات میں ہی حضرت اسحاق کے ہاں حضرت یعقوب پیدا ہوں گے یعنی ان کی تو نسل جاری رہنے کا پہلے ہی علم کرایا جا چکا تھا اب انہیں ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا؟ اسے ہم پہلے بھی بیان کر چکے۔ البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا وصف یہاں پر بردباری کا بیان کیا گیا ہے۔ جو ذبح کے لیے نہایت مناسب ہے۔

اب حضرت اسماعیل بڑے ہو گئے اپنے والد کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ آپ اس وقت مع اپنی والدہ محترمہ کے فاران میں تھے حضرت ابراہیم عموماً وہاں جاتے آتے رہتے تھے یہ مذکور ہے کہ براق پر جاتے تھے اور اس جملے کے یہ معنی بھی ہیں کہ جوانی کے لگ بھگ ہو گئے لڑکپن کا زمانہ نکل گیا اور باپ کی طرح چلنے پھرنے کام کاج کرنے کے قابل بن گئے تو حضرت ابراہیم نے خواب دیکھا کہ گویا آپ اپنے پیارے بچے کو ذبح کر رہے ہیں انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور اس کی دلیل یہی آیت ہے۔ ایک مرفوع روایت میں بھی یہ ہے۔

ذبیح اللہ علیہ السلام کے صبر کی انوکھی مثال کا واقعہ

پس اللہ کے رسول نے اپنے لخت جگر کی آزمائش کے لیے کہ اچانک وہ گھبرا نہ اٹھے، اپنا ارادہ ان کے سامنے ظاہر کیا۔ وہاں کیا تھا۔ وہ بھی اسی درخت کے پھل تھے نبی ابن نبی تھے جواب دیتے ہیں اب پھر دیر کیوں لگا رہے ہو یہ باتیں بھی پوچھنے کی ہوتی ہیں جو حکم ہوا ہے اسے فوراً کر ڈالیے اور اگر میری نسبت کھٹکا ہو تو زبانی اطمینانی کیا کروں چھری رکھئے خود معلوم ہو جائے گا کہ میں کیسا کچھ صابر ہوں۔ انشاء اللہ میرا صبر آپ کا جی خوش کردے گا۔ سبحان اللہ جو کہا تھا وہی کر کے دکھایا اور صادق الوعد ہونے کا سرٹیفکیٹ اللہ

کی طرف سے حاصل کر ہی لیا۔

آخر باپ بیٹا دونوں حکم اللہ کی اطاعت کے لیے جان بکف تیار ہو جاتے ہیں باپ بچے کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اور باپ اپنے نور چشم لخت جگر کو منہ کے بل زمین پر گراتے ہیں تا کہ ذبح کے وقت منہ دیکھ کر محبت نہ آ جائے اور ہاتھ سست نہ پڑ جائے۔

مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی نور نظر کو ذبح کرنے کے لیے بحکم اللہ لے چلے تو سعی کے وقت شیطان سامنے آیا لیکن حضرت ابراہیم اس سے آگے بڑھ گئے، پھر حضرت جبرائیل کے ساتھ آپ جمرہ عقبہ پر پہنچے تو پھر شیطان سامنے آیا آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ پھر جمرہ وسطیٰ پاس آیا پھر وہاں سات کنکریاں ماریں۔ پھر آگے بڑھ کر اپنے پیارے بچے کو اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے لیے نیچے پچھاڑا، ذبیح اللہ کے پاک جسم پر اس وقت سفید چادر تھی کہنے لگے اباجی اسے اتار لیجیے تا کہ اس میں آپ مجھے کفنا سکیں۔ اس وقت بیٹے کو ننگا کرتے وقت باپ کا عجب حال تھا کہ آواز آئی کہ ابراہیم خواب کو سچا کر چکے۔ مڑ کر دیکھا تو ایک مینڈا سفید رنگ کا بڑے بڑے سینگوں اور صاف آنکھوں والا نظر پڑا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی لیے ہم اس قسم کے مینڈے (چھترے) چن چن کر قربانی کے لیے لیتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری روایت میں حضرت اسحاق کا نام مروی ہے۔ تو گو دونوں نام آپ سے مروی ہیں لیکن اول ہی اولیٰ ہے اور اسکی دلیلیں آ رہی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے بدلے بڑا ذبیحہ اللہ نے عطا فرمایا اس کی بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ جنتی چھترا تھا جو وہاں چالیس سال سے کھا پی رہا تھا۔ اسے دیکھ کر آپ اپنے بچے کو چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لیے۔ جمرہ اولیٰ پر آ کر سات کنکریاں پھینکیں پھر بھاگ کر جمرہ وسطیٰ پر آ گیا۔ سات کنکریاں ماریں اور وہاں سے مذبح میں لا کر ذبح کیا اس کے سینگ سر سمیت ابتداء اسلام کے زمانہ تک کعبے کے پرنالے کے پاس لٹکتے رہے تھے پھر سوکھ گئے۔ ایک مرتبہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

مراد شیطان کے ناکام کوششوں کا واقعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو حدیثیں بیان کر رہے تھے اور حضرت کعب کتاب کے قصے بیان کر رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہر نبی کے لیے ایک دعا قبول شدہ ہے اور میں نے اپنی اس مقبول دعا کو پوشیدہ کر کے رکھ چھوڑا ہے اپنی امت کی شفاعت کیلئے۔ اور فرمانے لگے تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں یا فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ صدقے جائیں پھر حضرت کعب نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا قصہ سنایا کہ جب آپ اپنے لڑکے حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرنے کے لیے مستعد ہو گئے تو شیطان نے کہا اگر میں اس وقت انہیں نہ بہکا سکا تو مجھے ان سے عمر بھر کے لیے مایوس ہو جانا چاہیے۔ پہلے تو یہ حضرت سارہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ ابراہیم تمہارے لڑکے کو کہاں لے گئے ہیں؟ مائی صاحبہ نے

جواب دیا اپنے کسی کام پر لے گئے ہیں اس نے کہا نہیں بلکہ وہ ذبح کرنے کے لیے لے گئے ہیں مائی صاحبہ نے فرمایا وہ اسے کیوں ذبح کرنے لگے؟ لعین نے کہا وہ کہتے ہیں اللہ کی طرف سے یہی حکم ہے جواب ملا پھر تو یہی بہتر ہے کہ وہ جلدی سے اللہ کے حکم کی بجا آوری سے فارغ ہو لیں۔ یہاں سے نامراد ہو کر بچے کے پاس آیا اور کہا تمہارے ابا تمہیں کہاں لے جاتے ہیں۔؟ فرمایا اپنے کام کے لیے کہا نہیں بلکہ وہ تجھے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں، فرمایا یہ کیوں؟ کہا اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں اللہ کا انہیں حکم ہے۔ کہا پھر تو واللہ انہیں اس کام میں بہت جلدی کرنی چاہیے۔ ان سے بھی مایوس ہو کر یہ ملعون خلیل اللہ کے پاس پہنچا۔ ان سے کہا بچے کو کہاں لے جا رہے ہو؟ جواب دیا اپنے کام کے لیے ملعون نے کہا نہیں بلکہ تم تو اسے ذبح کرنے کے لیے جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا یہ کیوں؟ بولا اس لیے کہ تمہارا خیال ہے کہ اللہ کا حکم تمہیں یونہی ہے، آپ نے فرمایا اللہ کی قسم پھر تو میں ضرور ہی اسے ذبح کر ڈالوں گا۔ اب ابلیس مایوس ہو گیا۔

شرکیہ عقائد سے پاک رہنے والوں کیلئے دعائے اسحاق کا بیان

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ اس تمام واقعے کے بعد جناب باری تعالیٰ نے حضرت اسحاق سے فرمایا کہ ایک دعا تم مجھ سے مانگو جو مانگو گے ملے گا حضرت اسحاق نے کہا پھر میری دعا یہ ہے کہ جس نے تیرے ساتھ شریک نہ کیا ہو اسے تو ضرور جنت میں لے جانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ میں دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لوں یا تو یہ کہ میری آدھوں آدھ امت بخشی جائے یا یہ کہ میں شفاعت کروں اور اسے اللہ تعالیٰ قبول فرمالے تو میں نے شفاعت کرنے کو ترجیح دی اس پر کہ وہ عام ہو گی ہاں ایک دعا تھی کہ میں وہی کرتا لیکن اللہ کا ایک نیک بندہ مجھ سے پہلے اس دعا کو مانگ چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق سے ذبح ہونے کی تکلیف دور کر دی تو ان سے فرمایا گیا کہ تو مانگ جو مانگے گا دیا جائے گا۔ تو حضرت اسحاق نے فرمایا واللہ شیطان کے بہکانے سے پہلے ہی میں اسے مانگ لوں گا اللہ جو شخص اس حالت میں مرا ہو کہ اس نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو اسے بخش دے اور جنت میں پہنچا دے۔

یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے لیکن سند اغریب اور منکر ہے اور اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں اور مجھے تو یہ بھی ڈر ہے کہ یہ الفاظ کہ (جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق سے) آخر تک راوی اپنے نہ ہوں جنہیں انہوں نے حدیث میں داخل کر دیئے ہیں۔ ذبیح اللہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، محل ذبح منیٰ ہے اور وہ مکے میں ہے اور حضرت اسماعیل یہیں تھے نہ کہ حضرت اسحاق وہ تو شہر کنعان میں تھے جو شام ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیارے بچے کو ذبح کرنے کے لیے لٹا دیتے ہیں جناب باری سے ندا آتی ہے کہ بس ابراہیم تم اپنے خواب کو پورا کر چکے۔

سدی سے روایت ہے کہ جب خلیل اللہ نے ذبیح اللہ کے حلق پر چھری پھیری تو گردن تانبے کی ہو گئی اور نہ کٹی اور یہ آواز آئی۔ ہم اسی طرح نیک کاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔ یعنی سختیوں سے بچا لیتے ہیں اور چھٹکارا کر دیتے ہیں۔ جیسے فرمایا اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ چھٹکارے کی صورت نکال ہی دیتا ہے اور اسے ایسی طرح روزی پہنچاتا ہے کہ اس کے گمان و وہم میں

بھی نہ ہو۔ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی کافی ہے اللہ اپنے کاموں کو مکمل کر کے چھوڑتا ہے ہر چیز کا اس نے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ فعل پر قدرت پانے سے پہلے ہی حکم منسوخ ہو سکتا ہے

ہاں معتزلہ اسے نہیں مانتے۔ وجہ استدلال بہت ظاہر ہے اس لیے کہ خلیل اللہ کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ہوتا ہے اور پھر ذبح سے پہلے ہی فدیئے کے ساتھ منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ صبر کا اور بجا آوری حکم پر مستعدی کا ثواب مرحمت فرما دیا جائے۔ اسی لیے ارشاد ہوا یہ تو صرف ایک آزمائش تھی کھلا امتحان تھا کہ ادھر حکم ہوا ادھر تیاری ہوئی۔ اسی لیے جناب خلیل اللہ علیہ السلام کی تعریف میں قرآن میں ہے ابراہیم بڑا ہی وفادار تھا۔

بڑے ذبیح کے ساتھ ان کا فدیہ ہم نے دیا۔ سفید رنگ بڑی آنکھوں اور بڑے سینگوں والا عمدہ خوراک سے پلا ہوا مینڈھا فدیئے میں دیا گیا جو ثبیر ببول کے درخت سے بندھا ہوا ملا۔ جو جنت میں چالیس سال چرتا رہا۔ منیٰ میں ثبیر کے پاس جو چٹان ہے اس پر یہ جانور ذبح کیا گیا یہ چیختا ہوا اوپر سے اترا تھا۔ یہی وہ مینڈھا ہے جسے ہابیل نے اللہ کی راہ میں قربان کیا تھا۔ اس کی اون قدرے سرخی مائل تھی اسکا نام جریر تھا۔

بعض کہتے ہیں مقام ابراہیم پر اسے ذبح کیا۔ کوئی کہتا ہے منیٰ میں نحر پر۔ ایک شخص نے اپنے تئیں راہ اللہ میں ذبح کرنے کی منت مانی تھی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے ایک سو اونٹ ذبح کرنے کا فتوٰی دیا تھا لیکن پھر فرماتے تھے کہ اگر میں اسے ایک بھیڑ ذبح کرنے کو کہتا تب بھی کافی تھا کیونکہ کتاب اللہ میں ہے کہ حضرت ذبیح اللہ کا فدیہ اسی سے دیا گیا تھا۔

اکثر لوگوں کا یہی قول ہے بعض کہتے ہیں یہ پہاڑی بکرا تھا۔ کوئی کہتا ہے نر ہرن تھا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھیڑ کے سینگ بیت اللہ شریف میں داخلے کے وقت اندر دیکھے تھے اور مجھے یاد نہ رہا کہ میں تجھے ان کے ڈھانک دینے کا حکم دوں جاؤ اسے ڈھک دو بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہئے جو نمازی کو اپنی طرف متوجہ کر لے۔

بیت اللہ میں نصب بھیڑ کے سینگوں کا واقعہ

حضرت سفیان فرماتے ہیں اس بھیڑ کے سینگ بیت اللہ میں ہی رہے یہاں تک کہ ایک مرتبہ بیت اللہ میں آگ لگی اس میں وہ جل گئے، یہ واقعہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل تھے اسی وجہ سے ان کی اولاد قریش تک یہ سینگ برابر اور مسلسل چلے آئے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے مبعوث فرمایا۔ واللہ اعلم۔ "ان آثار کا بیان جن میں ذبیح اللہ کا نام ہے "ابو میسرہ فرماتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے فرمایا کیا تو میرے ساتھ کھانا چاہتا ہے میں یوسف بن یعقوب نبی اللہ بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ ہوں (عبید بن عمیر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی کہ اے اللہ کیا وجہ ہے جو لوگوں کی زبانوں پر یہ چڑھا ہوا ہے کہ ابراہیم خلیل اور یعقوب کے اللہ کی قسم، تو جواب ملا اس لئے ابراہیم نے تو ہر ہر چیز پر مجھی کو ترجیح دی اور اسحاق علیہ السلام نے اپنے تئیں

میری راہ میں ذبح ہونے کے لئے سپرد کر دیا پھر بھلا اور چیزیں اسے پیش کر دینا کیا مشکل تھیں اور یعقوب کو میں جوں جوں بلاؤں میں ڈالتا گیا اس کے حسن ظنی میرے ساتھ بڑھتی ہی رہی۔

ابن مسعود کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے فخراً اپنے باپ دادوں کا نام لیا تو آپ نے فرمایا قابل فخر باپ دادا تو حضرت یوسف کے تھے جو یعقوب بن اسحاق اور ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ تھے۔ عکرمہ، ابن عباس، خود عباس، علی سعید بن جبیر، مجاہد، شعبی، عبید بن عمر، ابو میسرہ، زید بن اسلم، عبداللہ بن شقیق، زہری، قاسم بن ابو برزہ، مکحول، عثمان بن ابی عاص، سدی، حسن، قتادہ، ابوالہذیل، ابن سابط، کعب احبار رحمہم اللہ اجمعین، ان سب کا یہی قول ہے۔

اور ابن جریر بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے۔ صحیح علم تو اللہ کو ہی ہے مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب بزرگوں کے استاد حضرت کعب احبار ہیں۔ یہ خلافت فاروقی میں مسلمان ہوئے تھے اور کبھی کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قدیمی کتابوں کی باتیں سناتے تھے، لوگوں نے اسے رخصت سمجھ کر پھر ان سے ہر ایک بات بیان کرنی شروع کر دی اور صحیح غلط کی تمیز اٹھ گئی حق تو یہ ہے کہ اس امت کو اگلی کتابوں کی ایک بات کی بھی حاجت نہیں۔ بغوی نے کچھ اور نام بھی صحابہ تابعین کے بتلائے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے اگر وہ حدیث صحیح ہوتی تو جھگڑے کا فیصلہ تھا مگر وہ حدیث صحیح نہیں اس میں دو راوی ضعیف ہیں۔ حسن بن دینار متروک ہیں اور علی بن زید بن جدعان منکر الحدیث ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہے یہ بھی موقف، چنانچہ ایک سند سے یہ مقولہ حضرت ابن عباس کا مروی ہے اور یہی زیادہ ٹھیک ہے۔ واللہ اعلم۔

اب ان آثار کو سنئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل ہی تھے اور یہی ٹھیک اور بالکل درست بھی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہودی حضرت اسحاق کا نام جھوٹ موٹ لیتے ہیں ابن عمر مجاہد شعبی حسن بصری، محمد بن کعب قرظی، خلیفۃ المسلمین حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے سامنے جب محمد بن قرظی نے یہ فرمایا اور ساتھ ہی اس کی دلیل بھی دی کہ ذبح کے ذکر کے بعد قرآن میں خلیل اللہ کو حضرت اسحاق کے پیدا ہونے کی بشارت کا ذکر ہے اور ساتھ ہی بیان ہے کہ ان کے ہاں بھی لڑکا ہوگا یعقوب نامی جب ان کے ہاں لڑکا ہونے کی بشارت دی گئی تھی پھر باوجود ان کے ہاں لڑکا نہ ہوں کے اس سے پہلے ہی ان کے ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بہت صاف دلیل ہے میرا ذہن یہاں نہیں پہنچا تھا گو یہ میں بھی جانتا تھا کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل ہی ہیں پھر شاہ اسلام نے شام کے ایک یہودی عالم سے پوچھا جو مسلمان ہو گئے تھے کہ تم اس بارے میں کیا علم رکھتے ہو انہوں نے فرمایا امیر المسلمین سچ تو یہی ہے کہ جن کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا وہ حضرت اسماعیل ہی تھے لیکن چونکہ عرب ان کی اولاد میں سے ہیں تو یہ بزرگی ان کی طرف لوٹتی ہے اس حسد کے بارے میں یہودیوں نے اسے بدل دیا اور حضرت اسحاق کا نام لے دیا۔

حقیقی علم اللہ ہی کو ہے ہمارا ایمان ہے کہ حضرت اسماعیل حضرت اسحاق دونوں ہی طاہر و طیب اور اللہ کے سچے فرمانبردار تھے۔

کتاب الزہد میں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے صاجزادے حضرت عبداللہ نے اپنے والد سے جب یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل ہی تھے۔ حضرت علی حضرت ابن عمر ابوالطفیل ، سعید بن میتب ، سعید بن جبیر ، حسن ، مجاہد ، شعبی ، محمد بن کعب ، ابوجعفر محمد بن علی ابوصالح رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ امام بغوی نے اور بھی صحابہ اور تابعین کے نام گنوائے ہیں۔

ایک حدیث بھی اسی کی تائید میں مروی ہے اس میں ہے کہ شام میں امیر معاویہ کے سامنے یہ بحث چھڑی کہ ذبیح اللہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا خوب ہوا جو یہ معاملہ مجھ جیسے باخبر شخص کے پاس آیا سنو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے جب ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے اللہ کی راہ میں دو ذبح ہونے والوں کی نسل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی مال غنیمت میں سے کچھ دلوایئے اس پر آپ ہنس دیئے۔ ایک تو ذبیح اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ تھے دوسرے حضرت اسمٰعیل جن کی نسل میں سے آپ ہیں۔

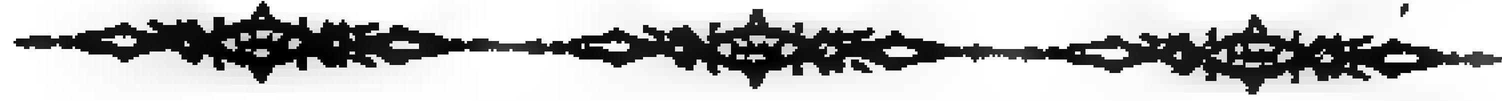
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ

حضرت عبداللہ کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کھودا تو نذر مانی تھی کی اگر یہ کام آسانی سے پورا ہو گیا تو اپنے ایک لڑکے کو راہ اللہ میں ذبح کروں گا جب کام ہو گیا اور قرعہ اندازی کی گئی کہ کس بیٹے کو اللہ کے نام پر ذبح کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کا نام نکلا۔ ان کے ننھیال والوں نے کہا آپ ان کی طرف سے ایک سو اونٹ راہ اللہ ذبح کر دیں چنانچہ وہ ذبح کر دیئے گئے اور اسماعیل کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ تو مشہور ہی ہے۔

ابن جریر میں یہ روایت موجود ہے اور مغازی امویہ میں بھی امام ابن جریر نے حضرت اسحاق کے ذبیح اللہ ہونے کی ایک دلیل تو یہ پیش کی یہ کہ جس علیم بچے کی بشارت کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت اسحاق ہیں قرآن میں اور جگہ ہے وبشرو بغلام علیم اور حضرت یعقوب کی بشارت کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچ گئے تھے اور ممکن ہے کہ یعقوب کے ساتھ ہی کوئی اور اولاد بھی ہوئی ہو اور کعبۃ اللہ میں سینگوں کی موجودگی کے بارے میں فرماتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ یہ بلاد کنعان سے لا کر یہاں رکھے گئے ہوں اور بعض لوگں سے حضرت اسحاق کے نام کی صراحت بھی آئی ہے، لیکن یہ سب باتیں حقیقت سے بہت دور ہیں۔ ہاں حضرت اسماعیل کے ذبیح اللہ ہونے پر محمد بن کعب قرظی کا استدلال بہت صاف اور قوی ہے۔ واللہ اعلم۔

پہلے ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے تولد ہونے کی بشارت دی گئی تھی یہاں اس کے بعد ان کے بھائی حضرت اسحاق کی بشارت دی جا رہی ہے۔ سورہ ہود اور سورہ حجر میں بھی اس کا ذکر گذر چکا ہے۔ نبیاً حال مقدرہ ہے یعنی وہ نبی صالح ہوگا۔ ابن عباس فرماتے ہیں ذبیح اللہ اسحاق تھے اور یہاں نبوت حضرت اسحاق کو بشارت ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ کے بارے میں فرمان ہے کہ ہم نے انہیں اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا دیا۔

حالانکہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے بڑے تھے تو یہاں بھی ان کی نبوت کی بشارت ہے۔ پس یہ بشارت اس وقت دی گئی جبکہ امتحان ذبح میں وہ صابر ثابت ہوئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ بشارت دو مرتبہ دی گئی پیدائش سے کچھ قبل اور نبوت سے کچھ قبل۔ حضرت قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ان پر اور اسحاق پر ہماری برکتیں ہم نے نازل فرمائیں، ان کی اولاد میں ہر قسم کے لوگ ہیں نیک بھی بد بھی۔



حضرت اسحاق علیہ السلام

مہمان فرشتوں کے ذریعے اسحاق علیہ السلام کی بشارت ولادت کا واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس وہ فرشتے بطور مہمان بشکل انسان آتے ہیں جو قوم لوط کی ہلاکت کی خوشخبری اور حضرت ابراہیم کے ہاں فرزند ہونے کی بشارت لے کر اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ وہ آ کر سلام کرتے ہیں۔ آپ ان کے جواب میں سلام کہتے ہیں۔ اس لفظ کو پیش سے کہنے میں علم بیان کے مطابق ثبوت ودوام پایا جاتا ہے۔ سلام کے بعد ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے سامنے مہمان داری پیش کرتے ہیں۔ بچھڑے کا گوشت جسے گرم پتھروں پر سینک لیا گیا تھا، لاتے ہیں۔ جب دیکھا کہ ان نو وارد مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے ہی نہیں، اس وقت ان سے کچھ بدگمان سے ہو گئے اور کچھ دل میں خوف کھانے لگے۔

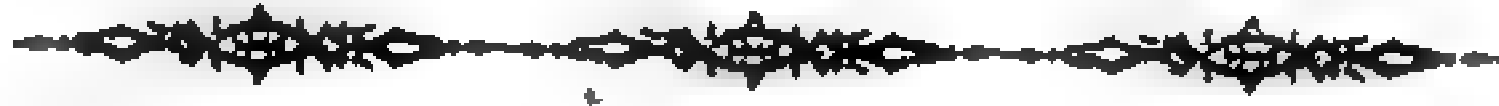
حضرت سدی فرماتے ہیں کہ ہلاکت قوم لوط کے لیے جو فرشتے بھیجے گئے وہ بصورت نوجوان انسان زمین پر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر پر اترے آپ نے انہیں دیکھ کر بڑی تکریم کی، جلدی جلدی اپنا بچھڑا لے کر اس کو گرم پتھوں پر سینک کر لا حاضر کیا اور خود بھی ان کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ گئے، آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ کھلانے پلانے کے کام کاج میں لگ گئیں۔ ظاہر ہے کہ فرشتے کھانا نہیں کھاتے۔ وہ کھانے سے رکے اور کہنے لگے ابراہیم ہم جب تلک کسی کھانے کی قیمت نہ دے دیں کھایا نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا ہاں قیمت دے دیجئے انہوں نے پوچھا کیا قیمت ہے، آپ نے فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرنا اور کھانا کھا کر الحمد للہ کہنا یہی اس کی قیمت ہے۔

اس وقت حضرت جبرائیل نے حضرت میکائیل کی طرف دیکھا اور دل میں کہا کہ فی الواقع یہ اس قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا خلیل بنائے۔ اب بھی جو انہوں نے کھانا شروع نہ کیا تو آپ کے دل میں طرح طرح کے خیالات گذرنے لگے۔ حضرت سارہ نے دیکھا کہ خود حضرت ابراہیم ان کے اکرام میں یعنی ان کے کھانے کی خدمت میں ہیں، تاہم وہ کھانا نہیں کھاتے تو ان مہمانوں کی عجیب حالت پر انہیں بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

حضرت ابراہیم کو خوف زدہ دیکھ کر فرشتوں نے کہا آپ خوف نہ کیجئے۔ اب دہشت دور کرنے کے لیے اصلی واقعہ کھول دیا کہ ہم کوئی انسان نہیں فرشتے ہیں۔ قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں کہ انہیں ہلاک کریں۔ حضرت سارہ کو قوم لوط کی ہلاکت کی خبر نے خوش کر دیا۔ اسی وقت انہیں ایک دوسری خوشخبری بھی ملی کہ اس ناامیدی کی عمر میں تمہارے ہاں بچہ ہوگا۔ انہیں عجب تھا کہ جس قوم پر

اللہ کا عذاب اتر رہا ہے، وہ پوری غفلت میں ہے۔ الغرض فرشتوں نے آپ کو اسحاق نامی بچہ پیدا ہونے کی بشارت دی۔ اور پھر اسحاق کے ہاں یعقوب کے ہونے کی بھی ساتھ ہی خوش خبری سنائی۔ اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی تو بشارت دی گئی تھی اور ساتھ ہی ان کے ہاں بھی اولاد ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ یہ سن کر حضرت سارہ علیہ السلام نے عورتوں کی عام عادت کے مطابق اس پر تعجب ظاہر کیا کہ میاں بیوی دونوں کے اس بڑھے ہوئے بڑھاپے میں اولاد کیسی؟

یہ تو سخت حیرت کی بات ہے۔ فرشتوں نے کہا امر اللہ میں کیا حیرت؟ تم دونوں کو اس عمر میں ہی اللہ بیٹا دے گا گو تم سے آج تک کوئی اولاد نہیں ہوئی اور تمہارے میاں کی عمر بھی ڈھل چکی ہے۔ لیکن اللہ کی قدرت میں کمی نہیں وہ جو چاہے ہو کر رہتا ہے، اے نبی کے گھر والو تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں، تمہیں اس کی قدرت میں تعجب نہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تعریفوں والا اور بزرگ ہے۔



حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس موت کے تین قاصدوں کے آنے کا واقعہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کا موت کے فرشتے (حضرت عزرائیل علیہ السلام) سے گہری دوستی تھی- ایک دن جب ملک الموت آئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا-

" کیسے آئے ہو؟ ملاقات کے لئے یا روح قبض کرنے کے لئے؟" ملک الموت نے جواب دیا- "ملاقات کے لئے آیا ہوں-" آپ علیہ السلام نے فرمایا- "مجھے آپ سے ایک خاص بات کہنی ہے کہ جب میرا وقت وفات قریب آئے تو مجھے پہلے بتا دینا- یعنی مجھے قاصد کے ذریعے خبر دے دینا-"

چنانچہ ملک الموت نے وعدہ کیا کہ موت سے پہلے قاصد روانہ کروں گا- جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام خود آ گئے- حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا- " آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ میں پہلے قاصد بھیج دوں گا لیکن آپ خود آ گئے-" حضرت عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا- "میں نے قاصد روانہ کیے تھے-" حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا- " کون سے قاصد آپ نے بھیجے تھے؟" حضرت عزرائیل علیہ السلام نے "میں نے تین قاصد آپ کو بھیجے- پہلا قاصد یہ تھا کہ آپ کے سیاہ بال سفید ہو گئے- پھر دوسرا قاصد کہ بدن سے چستی اور توانائی ختم ہوئی- اور تیسرا قاصد یہ کہ آپ کا بدن جھک گیا- کیا میرے تینوں قاصد آپ کے پاس نہیں آئے؟" اسی طرح ہر انسان کے پاس کوئی نہ کوئی نشانی ضرور بھیجی جاتی ہے لیکن غفلت کی بنا پر انسان ان نشانیوں پر غور نہیں کرتا- (مکاشفۃ القلوب)

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام کا گیارہ ستاروں والا خواب

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب دیکھا کہ آسمان سے گیارہ ستارے اترے اوران کے ساتھ سورج اور چاند بھی ہیں ان سب نے آپ کو سجدہ کیا، یہ خواب شب جمعہ کو دیکھا یہ رات شب قدر تھی۔ ستاروں کی تعبیر آپ کے گیارہ بھائی ہیں اور سورج آپ کے والد اور چاند آپ کی والدہ یا خالہ، آپ کی والدہ ماجدہ کا نام راحیل ہے۔

سدی کا قول ہے کہ چونکہ راحیل کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے قمر سے آپ کی خالہ مراد ہیں اور سجدہ کرنے سے تواضع کرنا اور مطیع ہونا مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حقیقۃً سجدہ ہی مراد ہے کیونکہ اس زمانہ میں سلام کی طرح سجدہ تحیت تھا، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر شریف اس وقت بارہ سال کی تھی اور سات اور سترہ کے قول بھی آئے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت زیادہ محبت تھی اس لئے ان کے ساتھ ان کے بھائی حسد کرتے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام اس پر مطلع تھے اس لئے جب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خواب دیکھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے تعبیر بیان کی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی تعبیر اور ہدایات

حضرت یوسف کا یہ خواب سن کر اس کی تعبیر کو سامنے رکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے تاکید کردی کہ اسے بھائیوں کے سامنے نہ دہرانا کیونکہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اور بھائی آپ کے سامنے پس ہونگے یہاں تک کہ وہ آپ کی عزت وتعظیم کے لیے آپ کے سامنے اپنی بہت ہی لاچاری اور عاجزی ظاہر کریں اس لیے بہت ہی ممکن ہے کہ اس خواب کو سن کر اس کی تعبیر کو سامنے رکھ کر شیطان کے بہکاوے میں آکر ابھی سے وہ تمہاری دشمنی میں لگ جائیں۔ اور حسد کی وجہ سے کوئی نامعقول طریق کار کرنے لگ جائیں اور کسی حیلے سے تجھے پست کرنے کی فکر میں لگ جائیں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیم بھی یہی ہے۔ فرماتے ہیں تم لوگ کوئی اچھا خواب دیکھو تو خیر اسے بیان کردو اور جو شخص کوئی برا خواب دیکھے تو جس کروٹ پر ہو وہ کروٹ بدل دے اور بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دے اور اس کی برائی سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے۔ اس صورت میں اسے وہ خواب کوئی نقصان نہ دے گا۔

مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خواب کی تعبیر جب تک نہ لی جائے وہ گویا پرند کے

پاؤں پر ہے۔ ہاں جب اس کی تعبیر بیان ہوگئی پھر وہ ہوجاتا ہے۔ اسی سے یہ حکم بھی لیا جاسکتا ہے۔ کہ نعمت کو چھپانا چاہئے۔ جب تک کہ وہ ازخود اچھی طرح حاصل نہ ہوجائے اور ظاہر نہ ہوجائے، جیسے کہ ایک حدیث میں ہے۔ ضرورتوں کے پورا کرنے پران کی چھپانے سے بھی مدد لیا کرو کیونکہ ہر وہ شخص جسے کوئی نعمت ملے لوگ اس کے حسد کے درپے ہوجاتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی بی بی لیا بنت لیان آپ کے ماموں کی بیٹی ہیں ان سے آپ کے چھ فرزند ہوئے (۱) روبیل (۲) شمعون (۳) لاوی (۴) یہودا (۵) زبولون (۶) یشجر اور چار بیٹے حرم سے ہوئے (۷) دان (۸) نفتالی (۹) جاد (۱۰) آشر، انکی مائیں زلفہ اور بلہہ۔ لیا کے انتقال کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی بہن راحیل سے نکاح فرمایا ان سے دو فرزند ہوئے (۱) یوسف (۲) بنیامین۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحب زادے ہیں انہیں کو اسباط کہتے ہیں۔

پوچھنے والوں سے یہود مراد ہیں جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال اور اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام کے خطہ کنعان سے سرزمین مصر کی طرف منتقل ہونے کا سبب دریافت کیا تھا۔ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات بیان فرمائے اور یہود نے ان کو توریت کے مطابق پایا تو انہیں حیرت ہوئی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتابیں پڑھنے اور علماء واحبار کی مجلس میں بیٹھنے اور کسی سے کچھ سیکھنے کے بغیر اس قدر صحیح واقعات کیسے بیان فرمائے۔ یہ دلیل ہے کہ آپ ضرور نبی ہیں اور قرآن پاک ضرور وحی الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم قدس سے مشرف فرمایا علاوہ بریں اس واقعہ میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں اور حکمتیں ہیں۔

بشارت خواب اور نصیحت کرنے کا واقعہ

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے لخت جگر حضرت یوسف علیہ السلام کو انہیں ملنے والے مرتبوں کی خبر دیتے ہیں کہ جس طرح خواب میں اس نے تمہیں یہ فضیلت دکھائی اسی طرح وہ تمہیں نبوت کا بلند مرتبہ عطا فرمائے گا۔ اور تمہیں خواب کی تعبیر سکھا دے گا۔ اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دے گا یعنی نبوت۔ جیسے کہ اس سے پہلے وہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو بھی عطا فرما چکا ہے جو تمہارے دادا اور پردادا تھے۔ اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے کہ نبوت کے لائق کون ہے؟

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو حسد نے آلیا

فی الواقع حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے واقعات اس قابل ہیں کہ ان کا دریافت کرنے والا ان سے بہت سی عبرتیں حاصل کرسکے اور نصیحتیں لے سکے۔ حضرت یوسف کے ایک ہی ماں سے دوسرے بھائی بنیامین تھے باقی سب بھائی دوسری ماں سے تھے۔ یہ سب آپس میں کہتے ہیں ہے کہ واللہ ابا جان ہم سے زیادہ ان دونوں کو چاہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ہم پر جو جماعت ہیں ان کو ترجیح دیتے ہیں جو صرف دو ہیں۔ یقیناً یہ تو والد صاحب کی صریح غلطی ہے۔

یہ یاد رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت پر دراصل کوئی دلیل نہیں اور آیت کا طرز بیان تو بالکل اس کے خلاف پر ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد انہیں نبوت ملی لیکن یہ چیز بھی محتاج دلیل ہے اور دلیل میں آیت قرآنی (قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۱۳۶) 2-البقرۃ:136) میں سے لفظ اسباط پیش کرنا بھی احتمال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ بطون بنی اسرائیل کو اسباط کہا جاتا ہے جیسے کہ عرب کو قبائل کہا جاتا ہے اور عجم کو شعوب کہا جاتا ہے۔ پس آیت میں صرف اتنا ہی ہے کہ بنی اسرائیل کے اسباط پر وحی الٰہی نازل ہوگئی انہیں اس لیے اجمالاً ذکر کیا گیا کہ یہ بہت تھے لیکن ہر سبط برادران یوسف میں سے ایک کی نسل تھی۔ پس اس کی کوئی دلیل نہیں کہ خاص ان بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے خلعت نبوت سے نوازا تھا واللہ اعلم۔

پھر آپس میں کہتے ہیں ایک کام کرو نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ یوسف کا پاپ ہی کاٹو۔ نہ یہ ہو نہ ہماری راہ کا کانٹا بنے۔ ہم ہی ہم نظر آئیں۔ اور ابا کی محبت صرف ہمارے ہی ساتھ رہے۔ اب اسے باپ سے ہٹانے کی دو صورتیں ہیں یا تو اسے مار ہی ڈالو۔ یا کہیں ایسی دور دراز جگہ پھینک آؤ کہ ایک کی دوسرے کو خبر ہی نہ ہو۔ اور یہ واردات کر کے پھر نیک بن جانا توبہ کر لینا اللہ معاف کرنے والا ہے یہ سن کر ایک نے مشورہ دیا جو سب سے بڑا تھا اس کا نام روبیل تھا۔ کوئی کہتا ہے یہودا تھا کوئی کہتا ہے شمعون تھا۔ اس نے کہا بھئی یہ تو ناانصافی ہے۔ بے وجہ، بے قصور صرف عداوت میں آ کر خون ناحق گردن پر لینا تو ٹھیک نہیں۔ یہ بھی کچھ اللہ کی حکمت تھی رب کو منظور ہی نہ تھا ان میں قتل یوسف کی قوت ہی نہ تھی۔ منظور رب تو یہ تھا کہ یوسف کو نبی بنائے، بادشاہ بنائے اور انہیں عاجزی کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا کرے۔ پس ان کے دل روبیل کی رائے سے نرم ہو گئے اور طے ہوا کہ اسے کسی غیر آباد کنویں کی تہ میں پھینک دیں۔

قتادہ کہتے ہیں یہ بیت المقدس کا کنواں تھا انہیں یہ خیال ہوا کہ ممکن ہے مسافر وہاں سے گزریں اور وہ اسے اپنے قافلے میں لے جائیں پھر کہاں یہ اور کہاں ہم؟ جب گڑ دیئے کام نکلتا ہو تو زہر کیوں دو؟ بغیر قتل کیے مقصود حاصل ہوتا ہے تو کیوں ہاتھ خون سے آلود کرو۔ ان کے گناہ کا تصور تو کرو۔ یہ رشتے داری کے توڑنے، باپ کی نافرمانی کرنے، چھوٹے پر ظلم کرنے، بیگناہ کو نقصان پہنچانے بڑے بوڑھے کو ستانے اور حقدار کا حق کاٹنے حرمت و فضیلت کا خلاف کرنے بزرگی کو ٹالنے اور اپنے باپ کو دکھ پہنچانے اور اسے اس کے کلیجے کی ٹھنڈک اور آنکھوں کے سکھ سے ہمیشہ کے لیے دور کرنے اور بوڑھے باپ، اللہ کے لاڈلے پیغمبر کو اس بڑھاپے میں ناقابل برداشت صدمہ پہنچانے اور اس بے سمجھ بچے کو اپنے مہربان باپ کی پیار بھری نگاہوں سے ہمیشہ اوجھل کرنے کے درپے ہیں۔ اللہ کے دو نبیوں کو دکھ دینا چاہتے ہیں۔ محبوب اور محب میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں، سکھ کی جانوں کو دکھ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ پھول سے نازک بے زبان بچے کو اس کے مشفق مہربان بوڑھے باپ کی نرم و گرم گودی سے الگ کرتے ہیں۔ اللہ انہیں بخشے آہ شیطان نے کیسی الٹی پڑھائی ہے۔ اور انہوں نے بھی کیسی بدی پر کمر باندھی ہے۔

بڑے بھائی کی رائے پر اتفاق کرنے کا واقعہ

بڑے بھائی روبیل کے سمجھانے پر سب بھائیوں نے اس رائے پر اتفاق کر لیا کہ یوسف کو لے جائیں اور کسی غیر آباد کنویں میں ڈال آئیں۔ یہ طے کرنے کے بعد باپ کو دھوکہ دینے اور بھائی کو پھسلا کر لے جانے اور اس پر آفت ڈھانے کے لیے سب مل کر باپ کے پاس آئے۔ باوجودیکہ تھے بداندیش بدخواہ برا چاہنے والے لیکن باپ کو اپنی باتوں میں پھنسانے کے لیے اور اپنی گہری سازش میں انہیں الجھانے کے لیے پہلے ہی جال بچھاتے ہیں کہ اباجی آخر کیا بات ہے جو آپ ہمیں یوسف کے بارے میں امین نہیں جانتے؟ ہم تو اس کے بھائی ہیں اس کی خیر خواہیاں ہم سے زیادہ کون کر سکتا ہے۔؟

(يَّرۡتَعۡ وَيَلۡعَبۡ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ 12) 12-یوسف:12) کی دوسری قرآت (آیت ترتع و نلعب) بھی ہے۔

باپ سے کہتے ہیں کہ بھائی یوسف کو کل ہمارے ساتھ سیر کے لیے بھیجئے۔ ان کا جی خوش ہوگا، دو گھڑی کھیل کود لیں گے، ہنس بول لیں گے، آزادی سے چل پھر لیں گے۔ آپ بے فکر رہیے ہم سب اس کی پوری حفاظت کریں گے۔ ہر وقت دیکھ بھال رکھیں گے۔ آپ ہم پر اعتماد کیجئے ہم اس کے نگہبان ہیں۔

انجانے خطرے کا اظہار ہونے کا واقعہ

نبی اللہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کی اس طلب کا کہ بھائی یوسف کو ہمارے ساتھ سیر کے لیے بھیجئے جواب دیتے ہیں کہ تمہیں معلوم ہے مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ تم اسے لے جاؤ گے مجھ پر اس کی اتنی دیر کی جدائی بھی شاق گزرے گی۔ حضرت یعقوب کی اس بڑھی ہوئی محبت کی وجہ یہ تھی کہ آپ حضرت یوسف کے چہرے پر خیر کے نشان دیکھ رہے تھے۔ نبوت کا نور پیشانی سے ظاہر تھا۔ اخلاق کی پاکیزگی ایک ایک بات سے عیاں تھی۔ صورت کی خوبی، سیرت کی اچھائی کا بیان تھی، اللہ کی طرف سے دونوں باپ بیٹوں پر صلوۃ وسلام ہو۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ممکن ہے تم اپنی بکریوں کے چرانے چگانے اور دوسرے کاموں میں مشغول رہو اور اللہ نہ کرے کوئی بھیڑیا آ کر اس کا کام تمام کر جائے اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ آہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اسی بات کو انہوں نے لے لیا اور دماغ میں بسا لیا کہ یہی ٹھیک عذر ہے، یوسف کو الگ کر کے ابا کے سامنے یہی من گھڑت گھڑ دیں گے۔ اسی وقت بات بنائی اور جواب دیا کہ ابا آپ نے کیا خوب سوچا۔ ہماری جماعت کی جماعت قوی اور طاقتور موجود ہو اور ہمارے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے؟ بالکل نا ممکن ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر تو ہم سب بیکار نکمے عاجز نقصان والے ہی ہوئے۔

بھائی اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو گئے

سمجھا بجھا کر بھائیوں نے باپ کو راضی کر ہی لیا۔ اور حضرت یوسف کو لے کر چلے جنگل میں جا کر سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یوسف کو کسی غیر آباد کنویں کی تہ میں ڈال دیں۔ حالانکہ باپ سے یہ کہہ کر لے گئے تھے کہ اس کا جی بہلے گا، ہم اسے عزت

ے ساتھ لے جائیں گے۔ ہر طرح خوش رکھیں گے۔ اس کا جی بہل جائے گا اور یہ راضی خوشی رہے گا۔ یہاں آتے ہی غداری شروع کر دی اور لطف یہ ہے کہ سب نے ایک ساتھ دل سخت کر لیا۔ باپ نے ان کی باتوں میں آ کر اپنے لخت جگر کو ان کے سپرد کر دیا۔ جاتے ہوئے سینے سے لگا کر پیار پچکار کر دعائیں دے کر رخصت کیا۔

باپ کی آنکھوں سے ہٹتے ہی ان سب نے بھائی کو ایذائیں دینی شروع کر دیں برا بھلا کہنے لگے اور چانٹا چٹول سے بھی باز نہ رہے۔ مارتے پیٹتے برا بھلا کہتے، اس کنویں کے پاس پہنچے اور ہاتھ پاؤں رسی سے جکڑ کر کنویں میں گرانا چاہا۔ آپ ایک ایک کے دامن سے چمٹتے ہیں اور ایک ایک سے رحم کی درخواست کرتے ہیں لیکن ہر ایک جھڑک دیتا ہے اور دھکا دے کر مار پیٹ کر ہٹا دیتا ہے مایوس ہو گئے سب نے مل کر مضبوط باندھا اور کنویں میں لٹکا دیا آپ نے کنویں کا کنارا ہاتھ سے تھام لیا لیکن بھائیوں نے انگلیوں پر مار مار کر اسے بھی ہاتھ سے چھڑا لیا۔ آدھی دور آپ پہنچے ہوں گے کہ انہوں نے رسی کاٹ دی۔ آپ تہ میں جا گرے، کنویں کے درمیان ایک پتھر تھا جس پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ عین اس مصیبت کے وقت عین اس سختی اور تنگی کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کی جانب وحی کی کہ آپ کا دل مطمئن ہو جائے آپ صبر و برداشت سے کام لیں اور انجام کا آپ کو علم ہو جائے۔ وحی میں فرمایا گیا کہ غمگین نہ ہو یہ نہ سمجھ کہ یہ مصیبت دور نہ ہو گی۔

سن اللہ تعالیٰ تجھے اس سختی کے بعد آسانی دے گا۔ اس تکلیف کے بعد راحت ملے گی۔ ان بھائیوں پر اللہ تجھے غلبہ دے گا۔ یہ گو تجھے پست کرنا چاہتے ہیں لیکن اللہ کی چاہت ہے کہ وہ تجھے بلند کرے۔ یہ جو کچھ آج تیرے ساتھ کر رہے ہیں وقت آئے گا کہ تو انہیں ان کے اس کرتوت کو یاد دلائے گا اور یہ ندامت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے اپنے قصور سن رہے ہوں گے۔ اور انہیں یہ بھی معلوم نہ ہو گا کہ تو وہ ہے۔

جام کے پیالے نے برادران یوسف کو سارا واقعہ سنا دیا

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب برادران یوسف حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے تو انہیں پہچان لیا لیکن یہ نہ پہچان سکے۔ اس وقت آپ نے ایک پیالہ منگوایا اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر اسے انگلی سے ٹھونکا۔ آواز نکلی ہی تھی اس وقت آپ نے فرمایا لو یہ جام تو کچھ کہہ رہا ہے اور تمہارے متعلق ہی کچھ خبر دے رہا ہے۔ یہ کہہ رہا ہے تمہارا ایک یوسف نامی سوتیلا بھائی تھا۔ تم اسے باپ کے پاس سے لے گئے اور اسے کنویں میں پھینک دیا۔ پھر اسے انگلی ماری اور ذرا سی دیر کان لگا کر فرمایا لو یہ کہہ رہا ہے کہ پھر تم اس کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر باپ کے پاس گئے اور وہاں جا کر ان سے کہہ دیا کہ تیرے لڑکے کو بھیڑیے نے کھا لیا۔ اب تو یہ حیران ہو گئے آپس میں کہنے لگے ہائے برا ہوا بھانڈا پھوٹ گیا اس جام نے تو تمام سچی سچی باتیں بادشاہ سے کہہ دیں۔ پس یہی ہے جو آپ کو کنویں میں وحی ہوئی کہ ان کے اس کے کرتوت کو تو انہیں ان کے بے شعوری میں جتائے گا۔

اندھیرے کنوئیں میں روشنی آجانے کا واقعہ

اس طرح کہ جب تک حضرت یعقوب علیہ السلام انہیں دیکھتے رہے وہاں تک تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے کندھوں

سوار کئے ہوئے عزت واحترام کے ساتھ لے گئے جب دور نکل گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظروں سے غائب ہو گئے تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو زمین پر دے ٹپکا اور دلوں میں جو عداوت تھی وہ ظاہر ہوئی جس کی طرف جاتے تھے وہ مارتا تھا اور طعنے دیتا تھا اور خواب جو کسی طرح انہوں نے سن پایا تھا اس پر تشنیع کرتے تھے اور کہتے تھے اپنے خواب کو بلاؤ وہ اب تجھے ہمارے ہاتھوں سے چھڑائے جب سختیاں حد کو پہنچیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے یہودا سے کہا خدا سے ڈر اور ان لوگوں کو ان زیادتیوں سے روک۔ یہودا نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ تم نے مجھ سے کیا عہد کیا تھا یاد کرو قتل کی نہیں ٹھہری تھی تب وہ ان حرکتوں سے باز آئے۔

چنانچہ انہوں نے ایسا کیا۔ یہ کنواں کنعان سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر حوالی بیت المقدس یا سرزمین اردن میں واقع تھا اوپر سے اس کا منہ تنگ تھا اور اندر سے فراخ۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پاؤں باندھ کر قمیص اتار کر کنوئیں میں چھوڑا جب وہ اس کی نصف گہرائی تک پہنچے تو رسی چھوڑ دی تا کہ آپ پانی میں گر کر ہلاک ہو جائیں۔ حضرت جبریل امین بحکم الٰہی پہنچے اور انہوں نے آپ کو ایک پتھر پر بٹھا دیا جو کنوئیں میں تھا اور آپ کے ہاتھ کھول دیئے اور روانگی کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قمیص جو تعویذ بنا کر آپ کے گلے میں ڈال دیا تھا وہ کھول کر آپ کو پہنا دیا اس سے اندھیرے میں روشنی ہو گئی۔ سبحان اللہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبارک اجساد شریفہ میں کیا برکت ہے کہ ایک قمیص جو اس بابرکت بدن سے مس ہوا اس نے اندھیرے کنوئیں کو روشن کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ملبوسات اور آثار مقبولان حق سے برکت حاصل کرنا شرع میں ثابت اور انبیاء کی سنت ہے۔

بواسطہ حضرت جبریل علیہ السلام کے یا بطریق الہام کہ آپ غمگین نہ ہوں، ہم آپ کو عمیق چاہ سے بلند جاہ پر پہنچائیں گے اور تمہارے بھائیوں کو حاجت مند بنا کر تمہارے پاس لائیں گے اور انہیں تمہارے زیر فرمان کریں گے اور ایسا ہوگا۔

کہ تم یوسف ہو کیونکہ اس وقت آپ کی شان ایسی رفیع ہوگی، آپ اس مسندِ سلطنت وحکومت پر ہوں گے کہ وہ آپ کو نہ پہچانیں گے۔ الحاصل برادرانِ یوسف علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈال کر واپس ہوئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص جو اتار لیا تھا اس کو ایک بکری کے بچہ کے خون میں رنگ کر ساتھ لے لیا۔

بھائیوں کی واپسی اور معذرت کرنے کا واقعہ

چپ چاپ ننھے بھیا پر، اللہ کے معصوم نبی پر، باپ کی آنکھ کے تارے پر ظلم وستم کے کے پہاڑ توڑ کر رات ہوئے باپ کے سرخ رو ہونے اور اپنی ہمدردی ظاہر کرنے کے لیے غمزدہ ہو کر روتے ہوئے پہنچے اور اپنے ملال کا یوسف کے نہ ہونے کا سبب یہ بتا گیا کہ ہم نے تیراندازی اور دوڑ شروع کی۔ چھوٹے بھائی کو اسباب کے پاس چھوڑا۔ اتفاق کی بات ہے اسی وقت بھیڑیا آ گیا بھائی کا لقمہ بنا لیا۔ چیر پھاڑ کر کھا گیا۔ پھر باپ کو اپنی بات صحیح طور پر جچانے اور ٹھیک باور کرانے کے لیے پانی سے پہلے بند باندھتے ہیں کہ ہم اگر آپ کے نزدیک سچے ہی ہوتے تب بھی یہ واقعہ ایسا ہے کہ آپ ہمیں سچا ماننے میں تامل کرتے۔ پھر جب کہ

پہلے ہی سے آپ نے اپنا ایک کھٹکا ظاہر کیا ہو اور خلاف ظاہر واقع میں ہی اتفاقاً ایسا ہی ہو بھی جائے تو ظاہر ہے کہ آپ اس وقت تو وہ ہمیں سچا مان ہی نہیں سکتے۔ ہیں تو ہم سچے ہی لیکن آپ بھی ہم پر اعتبار نہ کرنے میں ایک حد تک حق بجانب ہیں۔

قمیص یوسف علیہ السلام پر جھوٹے خون لگانے کا واقعہ

کیونکہ یہ واقعہ ہی ایسا انوکھا ہے، ہم خود حیران ہیں کہ ہو کیا گیا یہ تو تھا زبانی کھیل ایک کام بھی اسی کے ساتھ کر لائے تھے یعنی بکری کے ایک بچے کو ذبح کر کے اس کے خون سے حضرت یوسف کا پیراہن داغدار کر دیا کہ بطور شہادت کے ابا کے سامنے پیش کریں گے کہ دیکھو یہ ہیں یوسف بھائی کے خون کے دھبے ان کے کرتے پر۔ لیکن اللہ کی شان چور کے پاؤں کہاں؟ سب کچھ تو کیا لیکن کرتا پھاڑنا بھول گئے۔ اس کے لیے باپ پر سب مکر کھل گیا۔ لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضبط کیا اور صاف لفظوں میں گو نہ کہا تاہم بیٹوں کو بھی پتہ چل گیا کہ ابا جی کو ہماری بات جچی نہیں فرمایا کہ تمہارے دل نے یہ تو ایک بات بنا دی ہے۔ خیر میں تو تمہاری اس مذبوحی حرکت پر صبر ہی کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے اس دکھ کو ٹال دے۔ تم جو ایک جھوٹی بات مجھ سے بیان کر رہے ہو اور ایک محال چیز پر مجھے یقین دلا رہے ہو اور اس پر میں اللہ سے مدد طلب کرتا ہوں اور اس کی مدد شامل حال رہے تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔

ابن عباس کا قول ہے کہ کرتا دیکھ کر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تعجب ہے بھیڑیا یوسف کو کھا گیا اس کا پیراہن خون آلود ہو گیا مگر کہیں سے ذرا بھی نہ پھٹا۔ خیر میں صبر کروں گا۔ جس میں کوئی شکایت نہ ہو نہ کوئی گھبراہٹ ہو۔ کہتے ہیں کہ تین چیزوں کا نام صبر ہے اپنی مصیبت کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ اپنے دل کا دکھڑا کسی کے سامنے نہ رونا اور ساتھ ہی اپنے نفس کا پاک نہ سمجھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس موقعہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ کی پوری حدیث کو بیان کیا ہے جس میں آپ پر تہمت لگائے جانے کا ذکر ہے۔ اس میں آپ نے فرمایا ہے واللہ میری اور تمہاری مثال حضرت یوسف کے باپ کی سی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا اب صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری ان باتوں پر اللہ ہی سے مدد چاہی گئی ہے۔

کنویں سے بازار مصر تک جانے کا واقعہ

بھائی تو حضرت یوسف کو کنویں میں ڈال کر چل دیے۔ یہاں تین دن آپ کو اسی اندھیرے کنویں میں اکیلے گذر گئے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کنویں میں گرا کر بھائی تماشا دیکھنے کے لیے اس کے آس پاس ہی دن بھر پھرتے رہے کہ دیکھیں وہ کیا کرتا ہے اور اس کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے؟ قدرت اللہ کی کہ ایک قافلہ وہیں سے گزرا۔ انہوں نے اپنے سقے کو پانی کے لے بھیجا۔ اس نے اسی کونے میں ڈول ڈالا، حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی رسی کو مضبوط تھام لیا اور بجائے پانی کے آپ باہر نکلے۔ وہ آپ کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا رہ نہ سکا با آواز بلند کہہ اٹھا کہ لو سبحان اللہ یہ تو نوجوان بچہ آ گیا۔ دوسری قرأت اس کی یابشرای بھی ہے۔

سدی کہتے ہیں بشریٰ سقے کے بھیجنے والے کا نام بھی تھا اس نے اس کا نام لے کر پکار کر خبر دی کہ میرے ڈول میں تو ایک بچہ آیا ہے۔ لیکن سدی کا یہ قول غریب ہے۔ اس طرح کی قرآت پر بھی وہی معنی ہو سکتے ہیں اس کی اضافت اپنے نفس کی طرف ہے اور

یائے اضافت ساقط ہے۔اسی کی تائید قرآت یا بشرای سے ہوتی ہے جیسے عرب کہتے یا نفس اصبری اور یا غلام اقبل اضافت کے حرف کو ساقط کر کے۔اس وقت کسرہ دینا بھی جائز ہے اور رفع دینا بھی۔پس وہ اسی قبیل سے ہے۔

اور دوسری قرآت اس کی تفسیر ہے۔واللہ اعلم۔ان لوگوں نے آپ کو بحیثیت پونجی کے چھپا لیا قافلے کے اور لوگوں پر اس راز کا ظاہر نہ کیا بلکہ کہہ دیا کہ ہم نے کنویں کے پاس کے لوگوں سے اسے خریدا ہے،انہوں نے ہمیں اسے دے دیا ہے تاکہ وہ بھی اپنا حصہ نہ ملائیں۔

بھائیوں کے ہاتھ سے بیچ ہونے کا واقعہ

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ برادران یوسف نے شناخت چھپائی اور حضرت یوسف نے بھی اپنے آپ کو ظاہر نہ کیا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ کہیں مجھے قتل ہی نہ کر دیں۔اس لیے چپ چاپ بھائیوں کے ہاتھوں آپ بک گئے۔سقے سے انہوں نے کہا اس نے آواز دے کر بلا لیا انہوں نے اونے پونے یوسف علیہ السلام کو ان کے ہاتھ بیچ ڈالا۔اللہ کچھ ان کی اس حرکت سے بے خبر نہ تھا وہ خوب دیکھ بھال رہا تھا وہ قادر تھا کہ اس وقت اس بھید کو ظاہر کر دے لیکن اس کی حکمتیں اسی کے ساتھ ہیں اس کی تقدیر یونہی یعنی جاری ہوئی تھی۔خلق وامر اسی کا ہے وہ رب العالمین برکتوں والا ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک طرح تسکین دی گئی ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ قوم آپ کو دکھ دے رہی ہے میں قادر ہوں کہ آپ کو ان سے چھڑا دوں انہیں غارت کر دوں لیکن میرے کام حکمت کے ساتھ ہیں دیر ہے اندھیر نہیں بیفکر رہو،عنقریب غالب کروں گا اور رفتہ رفتہ ان کو پست کر دوں گا۔جیسے کہ یوسف اور ان کے بھائیوں کے درمیان میری حکمت کا ہاتھ کام کرتا رہا۔یہاں تک کا آخر انجام حضرت یوسف کے سامنے انہیں جھکنا پڑا اور ان کے مرتبے کا اقرار کرنا پڑا۔

بہت تھوڑے مول پر بھائیوں نے انہیں بیچ دیا۔ناقص چیز کے بدلے بھائی جیسا بھائی دے دیا۔اور اس کی بھی انہیں کوئی پرواہ نہ تھی بلکہ اگر ان سے بالکل بلا قیمت مانگا جاتا تو بھی دے دیتے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ قافلے والوں نے اسے بہت کم قیمت پر خریدا۔لیکن یہ کچھ زیادہ درست نہیں اس لیے کہ انہوں نے تو اسے دیکھ کر خوشیاں منائی تھی اور بطور پونجی اسے پوشیدہ کر دیا تھا۔پس اگر انہیں اس کی بے رغبتی ہوتی تو وہ ایسا کیوں کرتے؟پس ترجیح اسی بات کو ہے کہ یہاں مراد بھائیوں کا حضرت یوسف کو گھٹے ہوئے نرخ پر بیچ ڈالنا ہے۔بخس سے مراد حرام اور ظلم بھی ہے۔لیکن یہاں وہ مراد نہیں لی گئی۔کیونکہ اس قیمت کی حرمت کا علم تو ہر ایک کو ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام نبی بن نبی بن نبی خلیل الرحمٰن علیہ السلام تھا۔پس آپ تو کریم بن کریم بن کریم تھے۔پس یہاں مراد نقص کم تھوڑی اور کھوٹی بلکہ برائے نام قیمت پر بیچ ڈالنا ہے باوجود اس کے وہ ظلم و حرام بھی تھا۔بھائی کو بیچ رہے تھے اور وہ بھی کوڑیوں کے مول۔چند درہموں کے بدلے بیس یا بائیس یا چالیس درہم کے بدلے۔یہ دام لے کر آپس میں بانٹ لیے اور اس کی انہیں کوئی پرواہ نہ تھی انہیں نہیں معلوم تھا کہ اللہ کے ہاں ان کی کیا قدر ہے؟وہ کیا جانتے تھے کہ یہ اللہ کے نبی بننے والے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اتنا سب کچھ کرنے پر بھی صبر نہ ہوا قافلے کے پیچھے ہولئے اور ان سے کہنے لگے دیکھو اس غلام میں بھاگ نکلنے کی عادت ہے، اسے مضبوط باندھ دو، کہیں تمہارے ہاتھوں سے بھی بھاگ نہ جائے۔ اسی طرح باندھے باندھے مصر تک پہنچے اور وہاں آپ کو بازار میں لیجا کر بیچنے لگے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا مجھے جو لے گا وہ خوش ہو جائے گا۔ پس شاہ مصر نے آپ کو خرید لیا وہ تھا بھی مسلمان۔

بازار مصر سے شاہی محل تک جانے کا واقعہ

رب کا لطف بیان ہو رہا ہے کہ جس نے آپ کو مصر میں خریدا، اللہ نے اس کے دل میں آپ کی عزت و وقعت ڈال دی۔ اس نے آپ کے نورانی چہرے کو دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ اس میں خیر و صلاح ہے۔ یہ مصر کا وزیر تھا۔ اس کا نام قطفیر تھا۔ کوئی کہتا ہے اطفیر تھا۔ اس کے باپ کا نام روحیب تھا۔ یہ مصر کے خزانوں کا داروغہ تھا۔ مصر کی سلطنت اس وقت ریان بن ولید کے ہاتھ تھی۔ یہ عمالیق میں سے ایک شخص تھا۔ عزیز مصر کی بیوی صاحبہ کا نام راعیل تھا۔ کوئی کہتا ہے زلیخا تھا۔ یہ رعابیل کی بیٹی تھیں۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ مصر میں جس نے آپ کو خریدا اس کا نام مالک بن ذعر بن قریب بن عنق بن مدیان بن ابراہیم تھا۔

تین آدمیوں کی عقلمندی کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سب سے زیادہ دور بین اور دور رس اور انجام پر نظریں رکھنے والے اور عقلمندی سے تاڑنے والے تین شخص گزرے ہیں۔ ایک تو یہی عزیز مصر کہ بیک نگاہ حضرت یوسف کو تاڑ لیا گیا اور جاتے ہی بیوی سے کہا کہ اسے اچھی طرح آرام سے رکھو۔ دوسری وہ بچی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بیک نگاہ جان لیا اور جا کر باپ سے کہا کہ اگر آپ کو آدمی کی ضرورت ہے تو ان سے معاملہ کر لیجئے یہ قوی اور باامانت شخص ہے۔ تیسرے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ آپ نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو سونپی۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنا ایک اور احسان بیان فرما رہا ہے کہ بھائیوں کے پھندے سے ہم نے چھڑایا پھر ہم نے مصر میں لا کر یہاں کی سرزمین پر ان کا قدم جما دیا۔ کیونکہ اب ہمارا یہ ارادہ پورا ہونا تھا کہ ہم اسے تعبیر خواب کا کچھ علم عطا فرمائیں۔ اللہ کے ارادہ کو کون ٹال سکتا ہے۔ کون روک سکتا ہے؟ کون خلاف کر سکتا ہے؟ وہ سب پر غالب ہے۔ سب اس کے سامنے عاجز ہیں جو وہ چاہتا ہے ہو کر ہی رہتا ہے جو ارادہ کرتا ہے کر چکتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ علم سے خالی ہوتے ہیں۔

اس کی حکمت کو مانتے ہیں نہ اس کی حکمت کو جانتے ہیں نہ اس کی باریکیوں پر ان کی نگاہ ہوتی ہے۔ نہ وہ اس کی حکمتوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ جب آپ کی عقل کامل ہوئی جب جسم اپنی نشو و نما تمام کر چکا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی اور اس سے آپ کو مخصوص کیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نیک کاروں کو اسی طرح بھلا بدلہ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں اس سے مراد تینتیس برس کی عمر ہے۔ یا تیس سے کچھ اوپر کی یا بیس کی یا چالیس کی یا پچیس کی یا تیس کی یا اٹھارہ کی۔ یا مراد جوانی کو پہنچنا ہے اور اس کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔

الزام کی مدافعت اور بچے کی گواہی کا واقعہ

حضرت یوسف اپنے آپ کو بچانے کے لیے وہاں سے دروازے کی طرف دوڑے اور یہ عورت آپ کو پکڑنے کے اراد سے آپ کے پیچھے بھاگی۔ پیچھے سے کرتا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ زور سے اپنی طرف گھسیٹا۔ جس سے حضرت یوسف پیچھے کی طرف گر جانے کی قریب ہو گئے لیکن آپ نے آگے کو زور لگا کر دوڑ جاری رکھی اس میں کرتا پیچھے سے بالکل بے طرح پھٹ گیا اور دونوں دروازے پر پہنچ گئے دیکھتے ہیں کہ عورت کا خاوند موجود ہے۔ اسے دیکھتے ہی اس نے چال چلی اور فوراً ہی سارا الزام یوسف کے سر تھوپ دیا اور اپنی پاک دامنی بلکہ عصمت اور مظلومیت جتانے لگی۔ سوکھا سامنہ بنا کر اپنے خاوند سے اپنی بپتا اور پھر پاکیزگی بیان کرتے ہوئے کہتی ہے فرمائیے حضور آپ کی بیوی سے جو بدکاری کا ارادہ رکھے اس کی کیا سزا ہونی چاہیے؟ قید سخت یا بری مار سے کم تو ہرگز کوئی سزا اس جرم کی نہیں ہو سکتی۔

اب جب کہ حضرت یوسف نے اپنی آبرو کو خطرے میں دیکھا اور خیانت کی بدترین تہمت لگتی دیکھی تو اپنے اوپر سے الزام ہٹانے اور صاف اور سچی حقیقت کے ظاہر کر دینے کے لیے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ یہی میرے پیچھے پڑی تھیں، میرے بھاگنے پر مجھے پکڑ رہی تھی، یہاں تک کہ میرا کرتا بھی پھاڑ دیا۔ اس عورت کے قبیلے سے ایک گواہ نے گواہی دی۔ اور مع ثبوت و دلیل ان سے کہا کہ پھٹے ہوئے پیرہن کو دکھلوا اگر وہ سامنے کے رخ سے پھٹا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے اس نے اسے اپنی طرف لانا چاہا اس نے اسے دھکے دیئے۔ روکا منع کیا ہٹایا اس میں سامنے سے کرتا پھٹ گیا تو واقع قصوروار مرد ہے اور عورت جو اپنی بیگناہی بیان کرتی ہے وہ سچی ہے فی الواقع اس صورت میں وہ سچی ہے۔

اور اگر اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا پاؤ تو عورت کے جھوٹ اور مرد کے سچ ہونے میں شبہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ عورت اس پر مائل تھی یہ اس سے بھاگا وہ دوڑی، پکڑا، کرتا ہاتھ میں آ گیا اس نے اپنی طرف گھسیٹا اس نے اپنی جانب کھینچا وہ پیچھے کی طرف سے پھٹ گیا۔ کہتے ہیں یہ گواہ بڑا آدمی تھا جس کے منہ پر داڑھی تھی یہ عزیز مصر کا خاص آدمی تھا اور پوری عمر کا مرد تھا۔ اور زلیخا کے چچا کا لڑکا تھا زلیخا بادشاہ وقت ریان بن ولید کی بھانجی تھی پس ایک قول تو اس گواہ کے متعلق یہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا دودھ پیتا گہوارے میں جھولتا بچہ تھا۔

ابن جریر میں ہے کہ چار چھوٹے بچوں بچپن میں ہی کلام کیا ہے اس پوری حدیث میں ہے اس بچے کا بھی ذکر ہے اس نے حضرت یوسف صدیق کی پاک دامنی کی شہادت دی تھی۔ ابن عباس فرماتے ہیں چار بچوں نے کلام کیا ہے۔ فرعون کی لڑکی کی مشاطہ کے لڑکے نے۔ حضرت یوسف کے گواہ نے۔ جریج کے صاحب نے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے۔

مجاہد نے تو ایک بالکل ہی غریب بات کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں وہ صرف اللہ کا حکم تھا کوئی انسان تھا ہی نہیں۔ اسی تجویز کے مطابق جب زلیخا کے شوہر نے دیکھا تو حضرت یوسف کے پیراہن کو پیچھے کی جانب سے پھٹا ہوا دیکھا۔ اس کے نزدیک ثابت ہو گیا کہ یوسف سچا ہے اور اس کی بیوی جھوٹی ہے وہ یوسف صدیق پر تہمت لگا رہی ہے تو بیساختہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ یہ تو تم عورتوں کا

فریب ہے۔اس نوجوان پر تم تہمت باندھ رہی ہو اور جھوٹا الزام رکھ رہی ہو۔تمہارے چکر تو ہیں ہی چکر میں ڈال دینے والے۔

پھر حضرت یوسف سے کہتا ہے کہ آپ اس واقعہ کو بھول جائیے، جانے دیجئے۔اس نامراد واقعہ کا پھر سے ذکر ہی نہ کیجئے۔پھر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تم اپنے گناہ سے استغفار کرو نرم آدمی تھا نرم اخلاق تھے۔یوں سمجھ لیجئے کہ وہ جان رہا تھا کہ عورت معذور سمجھے جانے کے لائق ہے اس نے وہ دیکھا جس پر صبر کرنا بہت مشکل ہے۔اس لیے اسے ہدایت کر دی کہ اپنے برے ارادے سے توبہ کر۔سراسر تو ہی خطاوار ہے۔کیا خود اور الزام دوسروں کے سر رکھا۔(تفسیر ابن کثیر)

جریج کی گواہی میں بچے کے کلام کرنے کا واقعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جریج اپنے معبد میں عبادت کر رہے تھے اتنے میں ان کی ماں آئی، حمید کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اس طرح صفت بیان کی، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی صفت بیان کی تھی۔جب ان کی ماں نے انہیں بلایا تو انہوں نے کسی طرح اپنی ہتھیلی اپنی بھنوؤں پر رکھی تھی، پھر انکی طرف سر اٹھا کر اس کو آواز دی اور کہا اے جریج؛ میں تمہاری ماں ہوں تم مجھ سے بات کرو، جریج اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔جریج نے دل میں کہا۔اے اللہ ؛ایک طرف ماں ہے اور ایک طرف نماز ہے، پھر انہوں نے نماز کو اختیار کر لیا، ماں واپس لوٹ گئی، پھر دوبارہ آئی اور کہا اے: جریج؛ میں تمہاری ماں ہوں مجھ سے بات کرو۔جریج نے سوچا، کہ ایک طرف میری ماں ہے اور ایک طرف نماز ہے۔پھر انہوں نے نماز کو اختیار کر لیا۔

ان کی ماں نے کہا اے اللہ؛ جریج میرا بیٹا ہے میں اس سے بات کرتی ہوں اور یہ انکار کرتا ہے اے اللہ؛ اس کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک یہ بدکار عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے، آپ نے فرمایا: اگر وہ یہ دعا کرتی کہ جریج فتنہ میں پڑ جائے تو وہ فتنہ میں پڑ جاتا۔آپ نے فرمایا: ایک دنبوں کا چرواہا تھا جو جریج کے معبد میں ٹھہرتا تھا ایک دن بستی سے ایک عورت نکلی تو اس چرواہے نے اس کے ساتھ بدکاری کی، وہ حاملہ ہوگئی اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اس عورت سے پوچھا گیا یہ کس کا بچہ ہے؟ اس عورت نے کہا اس معبد والے کا بچہ ہے۔لوگ اپنے پھاوڑے اور کلہاڑے لیکر آئے اور اس کو آواز دی؛ جریج اس وقت نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے ان لوگوں سے بات نہیں کی، لوگوں نے اس معبد کو گرانا شروع کر دیا۔

جب جریج نے یہ معاملہ دیکھا تو ان کے پاس اتر کر آئے، لوگوں نے ان سے کہا: دیکھو یہ عورت کیا کہتی ہے؟ جریج مسکرائے پھر انہوں نے اس بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا میرا باپ دنبوں کا چرواہا ہے۔

جب لوگوں نے یہ جواب سنا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہارا معبد جو گرایا ہے اس کے عوض سونے اور چاندی کا معبد بنا دیتے ہیں جریج نے کہا نہیں، تم اس کو پہلے ہی کی طرح مٹی کا بنا دو یہ کہہ کر پھر وہ اوپر چلے گئے۔

(مسلم ج ۲ ص ۳۱۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حسن یوسف علیہ السلام کے جلوؤں کا واقعہ

اس داستان کی خبر شہر میں ہوئی، چرچے ہونے لگے، چند شریف زادیوں نے نہایت تعجب وحقارت سے اس قصے کو دوہرایا کہ دیکھو عزیز کی بیوی ہے اور ایک غلام پر جان دے رہی ہے، اس کی محبت کو اپنے دل میں جمائے ہوئے ہے۔ شغف کہتے ہیں حد سے گذری ہوئی قاتل محبت کو اور شغف اس سے کم درجے کی ہوتی ہے۔ دل کے پردوں کو عورتیں شغاف کہتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ عزیز کی بیوی صریح غلطی میں پڑی ہوئی ہے۔ ان غیبتوں کا پتہ عزیز کی بیوی کو بھی چل گیا۔ یہاں لفظ مکر اس لیے بولا گیا ہے کہ بقول بعض خود ان عورتوں کا یہ فی الواقع ایک کھلا مکر تھا۔ انہیں تو دراصل حسن یوسف کے دیدار کی تمنا تھی یہ تو صرف ایک حیلہ بنایا تھا۔

زنان مصر کا پھلوں کی بہ جائے انگلیوں کو کاٹ ڈالنے کا واقعہ

عزیز کی بیوی بھی ان کی چال سمجھ گئی اور پھر اس میں اس نے اپنی معزوری کی مصلحت بھی دیکھی تو ان کے پاس اسی وقت بلاوا بھیج دیا کہ فلاں وقت آپ کی میرے ہاں دعوت ہے۔ اور ایک مجلس، محفل، اور بیٹھک درست کر لی جس میں پھل اور میوہ بہت تھا۔ اس نے تراش تراش کر چھیل چھیل کر کھانے کے لیے ایک ایک تیز چاقو سب کے ہاتھ میں دیدیا یہ تھا ان عورتوں کے دھوکہ کا جواب انہوں نے اعتراض کر کے جمال یوسف دیکھنا چاہا اس نے آپ کو معذور ظاہر کرنے اور ان کے مکر کو ظاہر کرنے کے لیے انہیں خود زخمی کر دیا اور خود ان ہی کے ہاتھ سے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ آپ آئے۔ انہیں اپنی مالکہ کا حکم ماننے سے کیسے انکار ہو سکتا تھا؟ اسی وقت جس کمرے میں تھے وہاں سے آ گئے۔

عورتوں کی نگاہ جو آپ کے چہرے پر پڑی تو سب کی سب دہشت زدہ رہ گئیں۔ ہیبت وجلال اور رعب حسن سے بیخود ہو گئیں اور بجائے اس کے کہ ان تیز چلنے والی چھریوں سے پھل کٹتے ان کے ہاتھ اور انگلیاں کٹنے لگیں۔ حضرت زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ضیافت باقاعدہ پہلے ہو چکی تھی اب تو صرف میوے سے تواضع ہو رہی تھی۔ بیٹھے ہاتھوں میں تھے، چاقو چل رہے تھے جو اس نے کہا یوسف کو دیکھنا چاہتی ہو؟ سب یک زبان ہو کر بول اُٹھیں ہاں ہاں ضرور۔

اسی وقت حضرت یوسف سے کہلوا بھیجا کہ تشریف لائیے۔ آپ آئے پھر اس نے کہا جائیے آپ چلے گئے۔ آتے جاتے سامنے سے پیچھے سے ان سب عورتوں نے پوری طرح آپ کو دیکھا دیکھتے ہی سب سکتے میں آ گئیں ہوش حواس جاتے رہے۔ بجائے لیموں کاٹنے کے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ اور کوئی احساس تک نہ ہوا ہاں جب حضرت یوسف چلے گئے تب ہوش آیا اور تکلیف محسوس ہوئی۔ تب پتہ چلا کہ بجائے پھل کے ہاتھ کاٹ لیا ہے۔ اس پر عزیز کی بیوی نے کہا دیکھا ایک ہی مرتبہ کے جمال نے تو تمہیں ایسا از خود رفتہ کر دیا پھر بتاؤ میرا کیا حال ہو گا

عورتوں نے کہا واللہ یہ انسان نہیں۔ یہ تو فرشتہ ہے اور فرشتہ بھی بڑے مرتبے والا۔ آج کے بعد ہم کبھی تمہیں ملامت نہ کریں گی۔ ان عورتوں نے حضرت یوسف جیسا تو کہاں ان کے قریب ان کے مشابہ بھی کوئی شخص نہیں دیکھا تھا۔ آپ کو آدھا حسن قدرت نے عطا فرما رکھا تھا۔

چنانچہ معراج کی حدیث میں ہے کہ تیسرے آسمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی جنہیں آدھا حسن دیا گیا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت یوسف اور آپ کی والدہ صاحبہ کو آدھا حسن قدرت کی فیاضیوں نے عنایت فرمایا تھا۔ اور روایت میں تہائی حسن یوسف کو اور آپ کی والدہ کو دیا گیا تھا۔ آپ کا چہرہ بجلی کی طرح روشن تھا۔ جب بھی کوئی عورت آپ کے پاس کسی کام کے لیے آتی تو آپ اپنا منہ ڈھک کر اس سے بات کرتے کہ کہیں وہ فتنے میں نہ پڑ جائے اور روایت میں ہے کہ حسن کے تین حصے کیے گئے تمام لوگوں میں دو حصے تقسیم کیے گئے اور ایک حصہ صرف آپ کو اور آپ کی ماں کو دیا گیا۔ یا حسن کی دو تہائیاں ان ماں بیٹے کو ملیں اور ایک تہائی میں دنیا کے تمام لوگ اور روایت میں ہے کہ حسن کے دو حصے کیے گئے ایک حصے میں حضرت یوسف اور آپ کی والدہ حضرت سارہ اور ایک حصے میں دنیا کے اور سب لوگ۔ سہیلی میں ہے کہ آپ کو حضرت آدم کا آدھا حسن دیا گیا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کا نصف حسن یوسف علیہ السلام کو دیا گیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے کمال صورت کا نمونہ بنایا تھا اور بہت ہی حسین پیدا کیا تھا۔ آپ کی اولاد میں آپ کا ہم پلہ کوئی نہ تھا اور حضرت یوسف کو ان کا آدھا حسن دیا گیا تھا۔ پس ان عورتوں نے آپ کو دیکھ کر ہی کہا کہ یہ انسان نہیں ذی عزت فرشتہ ہے۔ اب عزیز کی بیوی نے کہا بتلاؤ اب تو تم مجھے عذر والی سمجھوگی؟ اس کا جمال و کمال کیا ایسا نہیں کہ صبر و برداشت چھین لے؟ میں نے اسے ہر چند اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن یہ میرے قبضے میں نہیں آیا اب سمجھ لو کہ جہاں اس میں یہ بہترین ظاہری خوبی ہے وہاں عصمت و عفت کی یہ باطنی خوبی بھی بینظیر ہے۔ پھر دھمکانے لگی کہ اگر میری بات یہ نہ مانے گا تو اسے قید خانہ بھگتنا پڑے گا۔ اور میں اس کو بہت ذلیل کروں گی۔

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے اس ڈھونگ سے اللہ کی پناہ طلب کی اور دعا کی کہ یا اللہ مجھے جیل خانے جانا پسند ہے مگر تو مجھے ان کے بد ارادوں سے محفوظ رکھ ایسا نہ ہو کہ میں کسی برائی میں پھنس جاؤ۔ اے اللہ تو اگر مجھے بچالے تب تو میں بچ سکتا ہوں ورنہ مجھ میں اتنی قوت نہیں۔ مجھے اپنے کسی نفع نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔ تیری مدد اور تیرے رحم و کرم کے بغیر نہ میں کسی گناہ سے رک سکوں نہ کسی نیکی کو کر سکوں۔ اے باری تعالیٰ میں تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں، تجھی پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ تو مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر دے کہ میں ان عورتوں کی طرف جھک جاؤں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔

اللہ تعالیٰ کریم و قادر نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو بال بال بچالیا، عصمت عفت عطا فرمائی، اپنی حفاظت میں رکھا اور برائی سے آپ بچے ہی رہے۔ باوجود بھرپور جوانی کے باوجود بے انداز حسن و خوبی کے، باوجود ہر طرح کے کمال کے، جو آپ میں تھا، آپ اپنی خواہش نفس کی بیجا تکمیل سے بچتے رہے۔ اور اس عورت کی طرف رخ بھی نہ کیا جو رئیس زادی ہے۔ رئیس کی بیوی ہے، ان کی مالک ہے، پھر بہت ہی خوبصورت ہے، جمال کے ساتھ ہی مال بھی ہے، ریاست بھی ہے، وہ اپنی بات کے ماننے پر انعام و اکرام کا اور نہ ماننے پر جیل کا اور سخت سزا کا حکم سنا رہی ہے۔ لیکن آپ کے دل میں اللہ کے خوف سمندر موجزن ہے، آپ اپنے اس

دنیوی آرام کو اور اس عیش اور لذت کو نام رب پر قربان کرتے ہیں اور قید و بند کو اس پر ترجیح دیتے ہیں کہ اللہ کے عذابوں سے بچ جائیں اور آخرت میں ثواب کے مستحق بن جائیں۔

بخاری مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سات قسم کے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے سائے تلے سایہ دے گا جس دن کوئی سایہ سوا اس کے سائے کے نہ ہوگا۔ (۱) مسلمان عادل بادشاہ (۲) وہ جوان مرد و عورت جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزاری (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو جب مسجد سے نکلے مسجد کی دھن میں رہے یہاں تک کہ پھر وہاں جائے (۴) وہ دو شخص جو آپس میں محض اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں اسی پر جمع ہوتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں (۵) وہ شخص جو صدقہ دیتا ہے لیکن اس پوشیدگی سے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر بائیں ہات کو نہیں ہوتی (۶) وہ شخص جسے کوئی جاہ و منصب والی جمال و صورت والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۷) وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا پھر اس کی دونوں آنکھیں بہ نکلی۔

جیل خانہ اور یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا راز سب پر کھل گیا۔ لیکن تاہم ان لوگوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ کچھ مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ میں رکھیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس میں ان سب نے یہ مصلحت سوچی ہو کہ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی ہے کہ عزیز کی بیوی اس کی چاہت میں مبتلا ہے۔ جب ہم یوسف کو قید کر دیں گے وہ لوگ سمجھ لیں گے کہ قصور اسی کا تھا اسی نے کوئی ایسی نگاہ کی ہوگی۔ یہی وجہ تھی کہ جب شاہ مصر نے آپ کو قید خانے سے آزاد کرنے کے لیے اپنے پاس بلوایا تو آپ نے وہیں سے فرمایا کہ میں نہ نکلوں گا جب تک میری برات اور میری پاکدامنی صاف طور پر ظاہر نہ ہو جائے اور آپ حضرات اس کی پوری تحقیق نہ کر لیں جب تک بادشاہ نے ہر طرح کے گواہ سے بلکہ خود عزیز کی بیوی سے پوری تحقیق نہ کر لی اور آپ کا بیقصور ہونا، ساری دنیا پر کھل نہ گیا آپ جیل خانے سے باہر نہ نکلے۔ پھر آپ باہر آئے جب کہ ایک دل بھی ایسا نہ تھا جس میں صدیق اکبر، نبی اللہ پاکدامن اور معصوم رسول اللہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ذرا بھی بدگمانی ہو۔ قید کرنے کی بڑی وجہ یہی تھی کہ عزیز کی بیوی کی رسوائی نہ ہو۔

جیل خانہ میں بادشاہ کے باورچی اور ساقی سے ملاقات

اتفاق سے جس روز حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ جانا پڑا اسی دن باشاہ کا ساقی اور نان بائی بھی کسی جرم میں جیل خانے بھیج دیئے گئے۔ ساقی کا نام بندار تھا اور باورچی کا نام مخلث تھا۔ ان پر الزام یہ تھا کہ انہوں نے کھانے پینے میں بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی تھی۔ قید خانے میں بھی نبی اللہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نیکیوں کی کافی شہرت تھی۔ سچائی، امانت داری، سخاوت، خوش خلقی، کثرت عبادت، اللہ ترسی، علم و عمل، تعبیر خواب، احسان و سلوک وغیرہ میں آپ مشہور ہو گئے تھے۔ جیل خانے کے قیدیوں کی بھلائی ان کی خیر خواہی ان سے مروت و سلوک ان کے ساتھ بھلائی اور احسان ان کی دلجوئی اور دلداری ان کے بیماروں کی

تیمارداری خدمت اور دواداروبھی آپ کا تشخص تھا۔

یہ دونوں ہی ملازم حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت ہی محبت کرنے لگے۔ ایک دن کہنے لگے کہ حضرت ہمیں آپ سے بہت ہی محبت ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تمہیں برکت دے۔ بات یہ ہے کہ مجھے تو جس نے چاہا کوئی نہ کوئی آفت ہی مجھ پر لایا۔ پھوپھی کی محبت، باپ کا پیار، عزیز کی بیوی کی چاہت، سب مجھے یاد ہے۔ اور اس کا نتیجہ میری ہی نہیں بلکہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اب دونوں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا ساقی نے دیکھا کہ وہ انگور کا شیرہ نچوڑ رہا ہے۔

ابن مسعود کی قرأت میں خمرا کے بدلے لفظ عنبا ہے، اہل عمان انگور کو خمر کہتے ہیں۔ اس نے دیکھا تھا کہ گویا اس نے انگور کی بیل بوئی ہے اس میں خوشے لگے ہیں، اس نے توڑے ہیں۔ پھر ان کا شیرہ نچوڑ رہا ہے کہ بادشاہ کو پلائے۔ یہ خواب بیان کرکے آرزو کی کہ آپ ہمیں اس کی تعبیر بتلائیے۔ اللہ کے پیغمبر نے فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں تین دن کے بعد جیل خانے سے آزاد کردیا جائے گا اور تم اپنے کام پر یعنی بادشاہ کی ساقی گری میں لگ جاؤ گے۔ دوسرے نے کہا جناب میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے آ آ کر اس میں سے کھا رہے ہیں۔

اکثر مفسرین کے نزدیک مشہور بات تو یہی ہے کہ واقعہ ان دونوں نے یہی خواب دیکھے تھے اور ان کی صحیح تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام سے دریافت کی تھی۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ درحقیقت انہوں نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا تھا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی آزمائش کے لیے جھوٹے خواب بیان کرکے تعبیر طلب کی تھی۔

جیل خانہ میں خوابوں کی تعبیر کا سلسلہ

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے دونوں قیدی ساتھیوں کو تسکین دیتے ہیں کہ میں تمہارے دونوں خوابوں کی صحیح تعبیر جانتا ہوں اور اس کے بتانے میں مجھے کوئی بخل نہیں۔ اس کی تعبیر کے واقعہ ہونے سے پہلے ہی میں تمہیں وہ بتادوں گا۔ حضرت یوسف کے اس فرمان اور اس وعدے سے تو یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف، تنہائی کی قید میں تھے کھانے کے وقت کھول دیا جاتا تھا اور ایک دوسرے سے مل سکتے تھے اس لیے آپ نے ان سے یہ وعدہ کیا اور ممکن ہے کہ اللہ کی طرف سے تھوڑی تھوڑی کرکے دونوں خوابوں کی پوری تعبیر بتلائی گی ہو۔ ابن عباس سے یہ اثر مروی ہے گو بہت غریب ہے۔ پھر فرماتے ہیں مجھے یہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ میں نے ان کافروں کا مذہب چھوڑ رکھا ہے جو نہ اللہ کو مانیں نہ آخرت کو برحق جانیں میں نے اللہ کے پیغمبروں کے سچے دین کو مان رکھا ہے اور اسی کی تابعداری کرتا ہوں۔ خود میرے باپ دادا اللہ کے رسول تھے۔ ابراہیم، اسحاق، یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ فی الواقع جو بھی راہ راست پر استقامت سے چلے ہدایت کا پیرو رہے۔ اللہ کے رسولوں کی اتباع کو لازم پکڑ لے، گمراہوں کی راہ سے منہ پھیر لے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اس کے دل کو پرنور اور اس کے سینے کو معمور کردیتا ہے۔ اسے علم و عرفان کی دولت سے مالا مال کردیتا ہے۔

اسے بھلائی میں لوگوں کا پیشوا کردیتا ہے کہ اور دنیا کو وہ نیکی کی طرف بلاتا رہتا ہے۔ ہم جب کہ راہ راست دکھا دیئے گئے

توحید کی سمجھ دے دیئے گئے شرک کی برائی بتا دیئے گئے۔ پھر ہمیں کیسے یہ بات زیب دیتی ہے؟ کہ ہم اللہ کے ساتھ اور کسی کو بھی شریک کرلیں۔ یہ توحید اور سچا دین اور یہ اللہ کی وحدانیت کی گواہی یہ خاص اللہ کا فضل ہے جس میں ہم تنہا نہیں بلکہ اللہ کی اور مخلوق بھی شامل ہے۔ ہاں ہمیں یہ برتری ہے کہ ہماری جانب یہ براہ راست اللہ کی وحی آئی ہے۔ اور لوگوں کو ہم نے یہ وحی پہنچائی۔ لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ اللہ کی اس زبردست نعمت کی جو اللہ نے ان پر رسول بھیج کر انعام فرمائی ہے ناقدری کرتے ہیں اور اسے مان کر نہیں رہتے بلکہ رب کی نعمت کے بدلے کفر کرتے ہیں۔ اور خود مع اپنے ساتھیوں کے ہلاکت کے گھر میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس دادا کو بھی باپ کے مساوی میں رکھتے ہیں اور فرماتے جو چاہے حطیم میں اس سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے دادا دادی کا ذکر نہیں کیا دیکھو حضرت یوسف کے بارے میں فرمایا میں نے اپنے باپ ابراہیم اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی۔

شاہی باورچی اور ساقی کے خواب کی تعبیر

اب اللہ کے برگزیدہ پیغمبران کے خواب کی تعبیر بتلا رہے ہیں لیکن یہ نہیں فرماتے کہ تیری خواب کی یہ تعبیر ہے اور تیرے خواب کی یہ تعبیر ہے تاکہ ایک رنجیدہ نہ ہو جائے اور موت سے پہلے اس پر موت کا بوجھ نہ پڑ جائے۔ بلکہ مبہم کر کے فرماتے ہیں تم دو میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کا ساقی بن جائے گا یہ دراصل یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے جس نے شیرہ انگور تیار کرتے اپنے تئیں دیکھا تھا۔ اور دوسرے جس نے اپنے سر پر روٹیاں دیکھی تھیں۔ اس کے خواب کی تعبیر یہ دی کہ اسے سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا مغز کھائیں گے۔ پھر ساتھ ہی فرمایا کہ یہ اب ہو کر ہی رہے گا۔ اس لیے کہ جب تک خواب کی تعبیر بیان نہ کی جائے وہ معلق رہتا ہے اور جب تعبیر ہو چکی وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ تعبیر سننے کے بعد ان دونوں نے کہا کہ ہم نے تو دراصل کوئی خواب دیکھا ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا اب تو تمہارے سوال کے مطابق ظاہر ہو کر ہی رہے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص خواہ مخواہ کا خواب گھڑ لے اور پھر اس کی تعبیر بھی دی دے دی جائے تو وہ لازم ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خواب گویا پرندے کے پاؤں پر ہے جب تک اس کی تعبیر نہ دے دی جائے جب تعبیر دے دی گئی پھر وہ واقع ہو جاتا ہے مسند ابو یعلی میں مرفوعاً مروی ہے کہ خواب کی تعبیر سب سے پہلے جس نے دی اس کے لیے ہے۔

شاہ مصر کا خواب اور تلاش تعبیر میں یوسف علیہ السلام تک رسائی

قدرت الٰہی نے یہ مقرر رکھا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے سے عزت و اکرام پاکیزگی برات اور عصمت کے ساتھ نکلیں۔ اس کے لیے قدرت نے یہ سبب بنایا کہ شاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے بھونچکا سا ہو گیا۔ دربار منعقد کیا اور تمام امراء ہر ؤسا، کاہن، منجم اور علماء کو خواب کی تعبیر بیان کرنے والوں کو جمع کیا۔ اور اپنا خواب بیان کر کے ان سب سے تعبیر دریافت کی۔ لیکن

کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اور سب نے لاچار ہو کر یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ کوئی باقاعدہ لائق تعبیر سچا خواب نہیں جس کی تعبیر ہو سکے۔ یہ تو یونہی پریشان خواب مخلوط خیالات اور فضول توہمات کا خاکہ ہے۔ اس کی تعبیر ہم نہیں جانتے۔ اس وقت شاہی ساقی کو حضرت یوسف علیہ السلام یاد آ گئے کہ وہ تعبیر خواب کے پورے ماہر ہیں۔ اس علم میں ان کو کافی مہارت ہے۔ یہ وہی شخص ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل خانہ بھگت رہا تھا یہ بھی اور اس کا ایک اور ساتھی بھی۔

اسی سے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ بادشاہ کے پاس میرا ذکر بھی کرنا۔ لیکن اسے شیطان نے بھلا دیا تھا۔ آج مدت مدید کے بعد اسے یاد آ گیا اور اس نے سب کے سامنے کہا کہ اگر آپ کو اس کی تعبیر سننے کا شوق ہے اور وہ بھی صحیح تعبیر تو مجھے اجازت دو۔ یوسف صدیق علیہ السلام جو قید خانے میں ہیں ان کے پاس جاؤں اور ان سے دریافت کر آؤں۔ آپ نے اسے منظور کیا اور اسے اللہ کے محترم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ امتہ کی دوسری قرأت امتہ بھی ہے۔ اس کے معنی بھول کے ہیں۔ یعنی بھول جانے کے بعد اسے حضرت یوسف علیہ السلام کا فرمان یاد آیا۔ دربار سے اجازت لے کر یہ چلا۔ قید خانے پہنچ کر اللہ کے نبی ابن نبی ابن نبی ابن نبی علیہ السلام سے کہا کہ اے نرے سچے یوسف علیہ السلام بادشاہ نے اس طرح کا ایک خواب دیکھا ہے۔ اسے تعبیر کا اشتیاق ہے۔ تمام دربار بھرا ہوا ہے۔ سب کی نگاہیں لگیں ہوئی ہیں۔ آپ مجھے تعبیر بتلا دیں تو میں جا کر انہیں سناؤں اور سب معلوم کر لیں۔ آپ نے نہ تو اسے کوئی ملامت کی کہ تو اب تک مجھے بھولے رہا۔ باوجود میرے کہنے کے تو نے آج تک بادشاہ سے میرا ذکر بھی نہ کیا۔ نہ اس امر کی درخواست کی کہ مجھے جیل خانے سے آزاد کیا جائے بلکہ بغیر کسی تمنا کے اظہار کے بغیر کسی الزام دینے کے خواب کی پوری تعبیر سنا دی اور ساتھ ہی تدبیر بھی بتا دی۔

فرمایا کہ سات فربہ گایوں سے مراد یہ ہے کہ سات سال تک برابر حاجت کے مطابق بارش برستی رہے گی۔ خوب تر سالی ہوگی۔ غلہ کھیت باغات خوب پھلیں گے۔ یہی مراد سات ہری بالیوں سے ہے۔ گائیں بیل ہی ہلوں میں جتتے ہیں ان سے زمین پر کھیتی کی جاتی ہے۔ اب ترکیب بھی بتلا دی کہ ان سات برسوں میں جو اناج غلہ نکلے۔ اسے بطور ذخیرے کے جمع کر لینا اور رکھنا بھی بالوں اور خوشوں سمیت تاکہ سڑے گلے نہیں خراب نہ ہو۔ ہاں اپنی کھانے کی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لینا۔ لیکن خیال رہے کہ ذرا سا بھی زیادہ نہ لیا جائے صرف حاجت کے مطابق ہی نکالا جائے۔ ان سات برسوں کے گزرتے ہی اب جو قحط سالیاں شروع ہوں گی وہ برابر سات سال تک متواتر رہیں گی۔ نہ بارش برسے گی نہ پیداوار ہوگی۔ یہی مراد ہے سات دبلی گایوں اور سات خشک خوشوں سے ہے کہ ان سات برسوں میں وہ جمع شدہ ذخیرہ تم کھاتے پیتے رہو گے۔

یاد رکھنا ان میں کوئی غلہ کھیتی نہ ہوگی۔ وہ جمع کردہ ذخیرہ ہی کام آئے گا۔ تم دانے بوؤ گے لیکن پیداوار کچھ بھی نہ ہوگی۔ آپ نے خواب کی پوری تعبیر دے کر ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ ان سات خشک سالیوں کے بعد جو سال آئے گا وہ بڑی برکتوں والا ہوگا۔ خوب بارشیں برسیں گی خوب غلے اور کھیتیاں ہوں گی۔ ریل پیل ہو جائے گی اور تنگی دور ہو جائے گی اور لوگ حسب عادت زیتون وغیرہ کا تیل نکالیں گے اور حسب عادت انگور کا شیرہ نچوڑیں گے۔ اور جانوروں کے تھن دودھ سے لبریز ہو جائیں گے کہ

خوب دودھ نکالیں پئیں۔

تعبیر کی صداقت اور شاہ مصر کا یوسف علیہ السلام کو وزارت سونپنا

خواب کی تعبیر معلوم کر کے جب قاصد پلٹا اور اس نے بادشاہ کو تمام حقیقت سے مطلع کیا۔ تو بادشاہ کو اپنے خواب کی تعبیر پر یقین آ گیا۔ ساتھ ہی اسے بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بڑے ہی عالم فاضل شخص ہیں۔ خواب کی تعبیر میں تو آپ کو کمال حاصل ہے۔ ساتھ ہی اعلیٰ اخلاق والے حسن تدبیر والے اور خلق اللہ کا نفع چاہنے والے اور محض بیطمع شخص ہیں۔ اب اسے شوق ہوا کہ خود آپ سے ملاقات کرے۔ اسی وقت حکم دیا کہ جاؤ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانے سے آزاد کر کے میرے پاس لے آؤ۔ دوبارہ قاصد آپ کے پاس آیا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا تو آپ نے فرمایا میں یہاں سے نہ نکلوں گا جب تک کہ شاہ مصر اور اسکے درباری اور اہل مصر یہ نہ معلوم کر لیں کہ میرا قصور کیا تھا؟ عزیز کی بیوی کی نسبت جو بات مجھ سے منسوب کی گئی ہے اس میں سچ کہاں تک ہے اب تک میرا قید خانہ بھگتنا واقعہ کسی حقیقت کی بنا پر تھا؟ یا صرف ظلم و زیادتی کی بناء پر؟ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا کر میرا یہ پیغام پہنچاؤ کہ وہ اس واقعہ کی پوری تحقیق کریں۔

حدیث شریف میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے اس صبر کی اور آپ کی اس شرافت وفضیلت کی تعریف آئی ہے۔ بخاری ومسلم وغیرہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شک کے حقدار ہم بہ نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بابت زیادہ ہیں جب کہ انہوں نے فرمایا تھا میرے رب مجھے اپنا مردوں کا زندہ کرنا مع کیفیت دکھا (یعنی جب ہم اللہ کی اس قدرت میں شک نہیں کرتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر کیسے شک کر سکتے تھے؟ پس آپ کی یہ طلب از روئے مزید اطمینان کے تھی نہ کہ از روئے شک۔ چنانچہ خود قرآن میں ہے کہ آپ نے فرمایا یہ میرے اطمینان دل کے لیے ہے۔ اللہ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم کرے وہ کسی زور آور جماعت یا مضبوط قلعہ کی پناہ میں آنا چاہنے لگے۔ اور سنو اگر میں یوسف علیہ السلام کے برابر جیل خانہ بھگتے ہوئے ہوتا اور پھر قاصد میری رہائی کا پیغام لاتا تو میں تو اسی وقت جیل خانے سے آزادی منظور کر لیتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر پر تعجب کا واقعہ

مسند احمد میں اسی آیت فاضلہ کی تفسیر میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں ہوتا تو اسی وقت قاصد کی بات مان لیتا اور کوئی عذر تلاش نہ کرتا۔ مسند عبدالرزاق میں ہے آپ فرماتے ہیں واللہ مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و کرم پر رہ رہ کر تعجب آتا ہے اللہ اسے بخشے دیکھو تو سہی بادشاہ نے خواب دیکھا ہے وہ تعبیر کے لیے مضطرب ہے قاصد آ کر آپ سے تعبیر پوچھتا ہے آپ فوراً بغیر کسی شرط کے بتا دیتے ہیں۔ اگر میں ہوتا تو جب تک جیل خانے سے اپنی رہائی نہ کرا لیتا ہرگز نہ بتلاتا۔ مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و کرم پر تعجب معلوم ہو رہا ہے۔ اللہ انہیں بخشے کہ جب ان کے پاس قاصد ان کی رہائی کا پیغام لے کر پہنچتا ہے تو آپ فرماتے ہیں ابھی نہیں جب تک کہ میری پاکیزگی، پاک دامنی اور بےقصوری سب پر تحقیق سے کھل نہ جائے۔ اگر میں انکی جگہ ہوتا تو میں تو دوڑ کر دروازے پر پہنچتا یہ روایت مرسل ہے۔

اب بادشاہ نے تحقیق کرنی شروع کی ان عورتیں کو جنہیں عزیز کی بیوی نے اپنے ہاں دعوت پر جمع کیا تھا اور خود اسے بھی دربار میں بلوایا۔ پھر ان تمام عورتوں سے پوچھا کہ ضیافت والے دن کیا گزری تھی؟ سب بیان کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ماشاللہ یوسف پر کوئی الزام نہیں اس پر بیسروپا تہمت ہے۔ واللہ ہم خوب جانتی ہیں کہ یوسف میں کوئی بدی نہیں اس وقت عزیز کی بیوی خود بھی بول اُٹھی کہ اب حق ظاہر ہو گیا واقعہ کھل گیا۔ حقیقت نکھر آئی مجھے خود اس امر کا اقرار ہے۔ کہ واقعی میں نے ہی اسے پھنسانا چاہا تھا۔ اس نے جو بروقت کہا تھا کہ یہ عورت مجھے پھسلا رہی تھی اس میں وہ بالکل سچا ہے۔

میں اس کا اقرار کرتی ہوں اور اپنا قصور آپ بیان کرتی ہوں تا کہ میرے خاوند یہ بات بھی جان لیں کہ میں نے اس کی کوئی خیانت دراصل نہیں کی۔

جیل خانے سے رہائی کا ایمان افروز واقعہ

اور اپنا مخصوص بنالوں چنانچہ اس نے معززین کی ایک جماعت، بہترین سواریاں اور شاہانہ ساز وسامان اور نفیس لباس لے کر قید خانہ بھیجی تا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ایوانِ شاہی میں لائیں۔ ان لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کا پیام عرض کیا آپ نے قبول فرمایا اور قید خانہ سے نکلتے وقت قیدیوں کے لئے دعا فرمائی، جب قید خانہ سے باہر تشریف لائے تو اس کے دروازہ پر لکھا یہ بلا کا گھر، زندوں کی قبر اور دشمنوں کی بدگوئی اور سچوں کے امتحان کی جگہ ہے پھر غسل فرمایا اور پوشاک پہن کر ایوانِ شاہی کی طرف روانہ ہوئے جب قلعہ کے دروازہ پر پہنچے تو فرمایا میرا رب مجھے کافی ہے، اس کی پناہ بڑی اور اس کی ثنا برتر اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر قلعہ میں داخل ہوئے، بادشاہ کے سامنے پہنچے تو یہ دعا کی کہ یاربّ میرے، تیرے فضل سے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور اس کی اور دوسروں کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، جب بادشاہ سے نظر ملی تو آپ نے عربی میں سلام فرمایا، بادشاہ نے دریافت کیا یہ کیا زبان ہے؟ فرمایا یہ میرے عم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان ہے پھر آپ نے اس کو عبرانی زبان میں دعا کی، اس نے دریافت کیا یہ کون زبان ہے؟ فرمایا یہ میرے ابا کی زبان ہے، بادشاہ یہ دونوں زبانیں نہ سمجھ سکا باوجودیکہ وہ ستر زبانیں جانتا تھا پھر اس نے حضرت سے جس زبان میں گفتگو کی آپ نے اسی زبان میں اس کو جواب دیا، اس وقت آپ کی عمر شریف تیس سال کی تھی اس عمر میں یہ وسعت علوم دیکھ کر بادشاہ کو بہت حیرت ہوئی اور اس نے آپ کو اپنے برابر جگہ دی۔

بادشاہ نے درخواست کی کہ حضرت اس کے خواب کی تعبیر اپنے زبان مبارک سے سناویں، حضرت نے اس خواب کی پوری تفصیل بھی سنادی۔ جس جس شان سے کہ اس نے دیکھا تھا باوجودیکہ آپ سے یہ خواب پہلے مجملاً بیان کیا گیا تھا اس پر بادشاہ کو بہت تعجب ہوا، کہنے لگا کہ آپ نے میرا خواب ہو بہو بیان فرمادیا خواب تو عجیب تھا ہی مگر آپ کا اس طرح بیان فرمادینا اس سے بھی زیادہ عجیب تر ہے، اب تعبیر ارشاد ہو جائے، آپ نے تعبیر بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اب لازم یہ ہے کہ غلّے جمع کئے جائیں اور ان فراخی کے سالوں میں کثرت سے کاشت کرائی جائے اور غلّے مع بالوں کے محفوظ رکھے جائیں اور رعایا کی پیداوار میں

سے خُمس لیا جائے، اس سے جو جمع ہوگا وہ مصر و حوالیِ مصر کے باشندوں کے لئے کافی ہوگا اور پھر خلقِ خدا ہر طرف سے تیرے پاس غلہ خریدنے آئے گی اور تیرے یہاں اتنے خزائن و اموال جمع ہوں گے جو تجھ سے پہلوں کے لئے جمع نہ ہوئے۔ بادشاہ نے کہا یہ انتظام کون کرے گا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح زلیخا سے ہو جانے کا واقعہ

سب ان کے تحت تصرّف ہے۔ اُمارت طلب کرنے کے ایک سال بعد بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا کر آپ کی تاج پوشی کی اور تلوار اور مہر آپ کے سامنے پیش کی اور آپ کو طلائی تخت پر تخت نشین کیا جو جواہرات سے مُرصّع تھا اور اپنا ملک آپ کو تفویض کیا اور قطفیر (عزیزِ مصر) کو معزول کر کے آپ کو اس کی جگہ والی بنایا اور تمام خزائن آپ کو تفویض کئے اور سلطنت کے تمام امور آپ کے ہاتھ میں دے دیئے اور خود مثل تابع کے ہو گیا کہ آپ کی رائے میں دخل نہ دیتا اور آپ کے ہر حکم کو مانتا، اسی زمانہ میں عزیزِ مصر کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کے انتقال کے بعد زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کر دیا، جب یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام زلیخا کے پاس پہنچے اور اس سے فرمایا کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے جو تو چاہتی تھی؟ زلیخا نے عرض کیا اے صدیق مجھے ملامت نہ کیجئے میں خوبرو تھی، نوجوان تھی، عیش میں تھی اور عزیزِ مصر عورتوں سے سروکار ہی نہ رکھتا تھا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حسن و جمال عطا کیا ہے، میرا دل اختیار سے باہر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم کیا ہے، آپ محفوظ رہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو باکرہ پایا اور اس سے آپ کے دو فرزند ہوئے افرائیم اور میشا اور مصر میں آپ کی حکومت مضبوط ہوئی، آپ نے عدل کی بنیادیں قائم کیں، ہر زن و مرد کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہوئی اور آپ نے قحط سالی کے ایام کے لئے غلوں کے ذخیرے جمع کرنے کی تدبیر فرمائی۔ اس کے لئے بہت وسیع اور عالی شان انبار خانے تعمیر فرمائے اور بہت کثیر ذخائر جمع کئے، جب فراخی کے سال گزر گئے اور قحط کا زمانہ آیا تو آپ نے بادشاہ اور اس کے خدم کے لئے روزانہ صرف ایک وقت کا کھانا مقرر فرما دیا، ایک روز دوپہر کے وقت بادشاہ نے حضرت سے بھوک کی شکایت کی، آپ نے فرمایا یہ قحط کی ابتداء کا وقت ہے پہلے سال میں لوگوں کے پاس جو ذخیرے تھے سب ختم ہو گئے، بازار خالی رہ گئے۔

اہلِ مصر حضرت یوسف علیہ السلام سے جنس خریدنے لگے اور ان کے تمام درہم دینار آپ کے پاس آ گئے۔ دوسرے سال زیور اور جواہرات سے غلّہ خریدے اور وہ تمام آپ کے پاس آ گئے، لوگوں کے پاس زیور و جواہر کی قسم سے کوئی چیز نہ رہی۔ تیسرے سال چوپائے اور جانور دے کر غلّے خریدے اور ملک میں کوئی کسی جانور کا مالک نہ رہا۔ چوتھے سال میں غلّے کے لئے تمام غلام اور باندیاں بیچ ڈالیں۔ پانچویں سال تمام اراضی و عملہ و جاگیریں فروخت کر کے حضرت سے غلّہ خریدا۔

اور یہ تمام چیزیں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ گئیں۔ چھٹے سال جب کچھ نہ رہا تو انہوں نے اپنی اولادیں بیچیں، اس طرح غلّے خرید کر وقت گذارا۔ ساتویں سال وہ لوگ خود بک گئے اور غلام بن گئے اور مصر میں کوئی آزاد مرد و عورت باقی نہ رہا، جو مرد تھا وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا غلام تھا، جو عورت تھی وہ آپ کی کنیز تھی اور لوگوں کی زبان پر تھا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ و

السلام کی سی عظمت وجلالت کبھی کسی بادشاہ کو میسر نہ آئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے کہا کہ تو نے دیکھا اللہ کا مجھ پر کیسا کرم ہے، اس نے مجھ پر ایسا احسانِ عظیم فرمایا اب ان کے حق میں تیری کیا رائے ہے؟

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھوکوں کے خیال سے سیر ہو کر نہ کھانے کا بیان

بادشاہ نے کہا جو حضرت کی رائے اور ہم آپ کے تابع ہیں۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے تمام اہل مصر کو آزاد کیا اور ان کے تمام املاک اور کل جاگیریں واپس کیں۔ اس زمانہ میں حضرت نے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں ملاحظہ فرمایا، آپ سے عرض کیا گیا کہ اتنے عظیم خزانوں کے مالک ہو کر آپ بھوکے رہتے ہیں؟ فرمایا اس اندیشہ سے کہ سیر ہو جاؤں تو کہیں بھوکوں کو نہ بھول جاؤں، سبحان اللہ کیا پاکیزہ اخلاق ہیں۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ مصر کے تمام زن و مرد کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدے ہوئے غلام اور کنیزیں بنانے میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام غلام کی شان میں آئے تھے اور مصر کے ایک شخص کے خریدے ہوئے ہیں بلکہ سب مصری ان کے خریدے اور آزاد کئے ہوئے غلام ہوں اور حضرت یوسف علیہ السلام نے جو اس حالت میں صبر کیا اس کی یہ جزا دی گئی۔ (تفسیر خزائن العرفان)

کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے وزیر مصر بن کر سات سال تک غلے اور اناج کو بہترین طور پر جمع کیا۔ اس کے بعد جب عام قحط سالی شروع ہوئی اور لوگ ایک ایک دانے کو ترسنے لگے تو آپ نے محتاجوں کو دینا شروع کیا، یہ قحط علاقہ مصر سے نکل کر کنعان وغیرہ شہروں میں بھی پھیل گیا تھا۔ آپ ہر بیرونی شخص کو اونٹ بھر کر غلہ عطا فرمایا کرتے تھے۔ اور خود آپ کا لشکر بلکہ خود بادشاہ بھی دن بھر میں صرف ایک ہی مرتبہ دوپہر کے وقت ایک آدھ نوالہ کھا لیتے تھے اور اہل مصر کو پیٹ بھر کر کھلاتے تھے پس اس زمانے میں یہ بات ایک رحمت رب تھی۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے پہلے سال مال کے بدلے غلہ بیچا۔ دوسرے سال سامان اسباب کے بدلے، تیسرے سال بھی اور چوتھے سال بھی۔ پھر خود لوگوں کی جان اور ان کی اولاد کے بدلے۔ پس خود لوگ ان کے بچے اور ان کی کل ملکیت اور مال کے آپ مالک بن گئے۔ لیکن اس کے بعد آپ نے سب کو آزاد کر دیا اور ان کے مال بھی ان کے حوالے کر دئے۔ یہ روایت بنو اسرائیل کی ہے جسے ہم سچ جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ ان آنے والوں میں برادران یوسف بھی تھے۔ جو باپ کے حکم سے آئے تھے۔ انھیں معلوم ہوا تھا کہ عزیز مصر مال متاع کے بدلے غلہ دیتے ہیں تو آپ نے اپنے دس بیٹوں کو یہاں بھیجا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی بنیامین کو جو آپ کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے نزدیک بہت ہی پیارے تھے اپنے پاس روک لیا۔ جب یہ قافلہ اللہ کے نبی علیہ السلام کے پاس پہنچا تو آپ نے تو بہ یک نگاہ سب کو پہچان لیا لیکن انہیں سے ایک بھی آپ کو نہ پہچان سکا۔ اس لئے کہ آپ ان سے بچپن میں ہی جدا ہو گئے تھے۔ بھائیوں نے آپ کو سوداگروں کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا انہیں کیا خبر تھی کہ پھر کیا ہوا۔ اور یہ تو ذہن میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ وہ بچہ جسے بحیثیت غلام بیچا تھا۔ آج وہی عزیز مصر بن کر بیٹھا ہے۔ ادھر حضرت یوسف علیہ السلام نے طرز گفتگو بھی ایسا اختیار کیا کہ انہیں وہم بھی نہ ہو۔ ان سے

پوچھا کہ تم لوگ میرے ملک میں کیسے آ گئے؟ انہوں نے کہا یہ سن کر کہ آپ غلہ عطا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے تو شک ہوتا ہے کہ کہیں تم جاسوس نہ ہو؟ انہوں نے کہا معاذ اللہ ہم جاسوس نہیں۔ فرمایا تم رہنے والے کہاں کے ہو؟ کہا کنعان کے اور ہمارے والد صاحب کا نام یعقوب نبی اللہ ہے۔ آپ نے پوچھا تمہارے سوا ان کے اور لڑکے بھی ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم بارہ بھائی تھے۔ ہم میں جو سب سے چھوٹا تھا اور ہمارے باپ کی آنکھوں کا تارا تھا وہ تو ہلاک ہو گیا۔ اسی کا ایک بھائی اور ہے۔ اسے باپ نے ہمارے ساتھ نہیں بھیجا بلکہ اپنے پاس ہی روک لیا ہے کہ اس سے ذرا آپ کو اطمینان اور تسلی رہے۔ ان باتوں کے بعد آپ نے حکم دیا کہ انہیں سرکاری مہمان سمجھا جائے اور ہر طرح خاطر مدارات کی جائے اور اچھی جگہ ٹھیرایا جائے۔

برادران یوسف علیہ السلام کو غلہ دینے کا واقعہ

اب جب انہیں غلہ دیا جانے لگا اور ان کے تھیلے بھر دئے گئے اور جتنے جانور ان کے ساتھ تھے وہ جتنا غلہ اٹھا سکتے تھے بھر دیا تو فرمایا دیکھو اپنی صداقت کے اظہار کے لئے اپنے اس بھائی کو جسے تم اس مرتبہ اپنے ساتھ نہ لائے اب اگر آؤ تو لیتے آنا دیکھو میں نے تم سے اچھا سلوک کیا ہے اور تمہاری بڑی خاطر تواضع کی ہے اس طرح رغبت دلا کر پھر دھمکا بھی دیا کہ اگر دوبارہ کے آنے میں اسے ساتھ نہ لائے تو میں تمہیں ایک دانہ اناج کا نہ دوں گا بلکہ تمہیں اپنے نزدیک بھی نہ آنے دوں گا۔ انہوں نے وعدے کئے کہ ہم انہیں کہہ سن کر لالچ دکھا کر ہر طرح پوری کوشش کریں گے کہ اپنے اس بھائی کو بھی لائیں تا کہ بادشاہ کے سامنے ہم جھوٹے نہ پڑیں۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ تو کہتے ہیں کہ آپ نے تو ان سے رہن رکھ لیا کہ جب لاؤ گے تو یہ پاؤ گے۔ لیکن یہ بات کچھ جی کو لگتی نہیں اس لئے کہ آپ نے تو انہیں واپسی کی بڑی رغبت دلائی اور بہت کچھ تمنا ظاہر کی۔ جب بھائی کوچ کی تیاریاں کرنے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چالاک چاکروں سے اشارہ کیا کہ جو اسباب یہ لائے تھے اور جس کے عوض انہوں نے ہم سے غلہ لیا ہے وہ انہیں واپس کر دو لیکن اس خوبصورتی سے کہ انہیں معلوم تک نہ ہو۔ ان کے کجاوں اور بوروں میں ان کی تمام چیزیں رکھ دو۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ کو خیال ہوا ہو کہ اب گھر میں کیا ہو گا جسے لے کر یہ غلہ لینے کے لئے آئیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے اپنے باپ اور بھائی سے اناج کا کچھ معاوضہ لینا مناسب نہ سمجھا ہو اور یہ بھی قرین قیاس ہے کہ آپ نے یہ خیال فرمایا ہو کہ جب یہ اپنا اسباب کھولیں گے اور یہ چیزیں اس میں پائیں گے تو ضروری ہے کہ ہماری یہ چیزیں ہمیں واپس دینے کو آئیں تو اس بہانے ہی بھائی سے ملاقات ہو جائے گی۔

بنیامین کو دوبارہ ساتھ لے جانے کا واقعہ

جب یہ لوگ واپس اپنے باپ کے پاس پہنچے اور ان کو اپنے سفر کی روداد سنائی تو اس میں ان کو آگاہ کیا کہ ابا جان اب آئندہ کیلئے ہمیں غلہ دینے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ اب اسکے حصول کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم اپنے بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لے جائیں اور وہاں پر اپنے آپ کو سچا ثابت کر سکیں کہ ہمارا گیارھواں بھائی بھی ہے۔ لہذا آپ بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیں تا کہ ہم اس کے حصے کا غلہ بھی لا سکیں۔ ہمارا اعتبار بھی قائم ہو سکے، اور ہم بادشاہ سے کئے گئے اپنے وعدے کو بھی سچا ثابت کر سکیں۔ اور آپ

یقین رکھیں کہ ہم اسکی پوری حفاظت کریں گے، اور اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دینگے،

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بھائیوں کی واپسی کے وقت اللہ کے نبی نے ان کا مال ومتاع ان کے اسباب کے ساتھ پوشیدہ طور پر واپس کر دیا تھا۔ یہاں گھر پہنچ کر جب انہوں نے کجاوے کھولے اور اسباب علیحدہ علیحدہ کیا تو اپنی چیزیں جوں کی توں واپس شدہ پائیں تو اپنے والد سے کہنے لگے لیجئے اب آپ کو اور کیا چاہئے۔ اصل تک تو عزیز مصر نے ہمیں واپس کر دی ہے اور بدلے کا غلہ پورا پورا دے دیا ہے۔ اب تو آپ بھائی صاحب کو ضرور ہمارے ساتھ کر دیجئے تو ہم خاندان کے لئے غلہ بھی لائیں گے اور بھائی کی وجہ سے ایک اونٹ کا بوجھ اور بھی مل جائے گا کیونکہ عزیز مصر ہر شخص کو ایک اونٹ کا بوجھ ہی دیتے ہیں۔ اور آپ کو انہیں ہمارے ساتھ کرنے میں تامل کیوں ہے؟ ہم اس کی دیکھ بھال اور نگہداشت پوری طرح کریں گے۔ یہ ناپ بہت ہی آسان ہے یہ تھا اللہ کا کلام کا تتمہ اور کلام کو اچھا کرنا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ان تمام باتوں کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جب تک تم حلفیہ اقرار نہ کرو کہ اپنے اس بھائی کو اپنے ہمراہ مجھ تک واپس پہنچاؤ گے میں اسے تمہارے ساتھ بھیجنے کا نہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ نہ کرے تم سب ہی گھر جاؤ اور چھوٹ نہ سکو۔ چنانچہ بیٹوں نے اللہ کو بیچ میں رکھ کر مضبوط عہد وپیمان کیا۔ اب حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرما کر کہ ہماری اس گفتگو کا اللہ وکیل ہے۔ اپنے پیارے بچے کو ان کے ساتھ کر دیا۔ اس لئے کہ قحط کے مارے غلے کی ضرورت تھی اور بغیر بھیجے چارہ نہ تھا۔

قضائے الٰہی کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا

چونکہ اللہ کے نبی نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بچوں پر نظر لگ جانے کا کھٹکا تھا کیونکہ وہ سب اچھے، خوبصورت، تنومند، طاقتور، مضبوط دیدہ رو نوجوان تھے اس لئے بوقت رخصت ان سے فرماتے ہیں کہ پیارے بچو تم سب شہر کے ایک دروازے سے شہر میں نہ جانا بلکہ مختلف دروازوں سے ایک ایک دو دو کر کے جانا۔ نظر کا لگ جانا حق ہے۔ گھوڑ سوار کو یہ گرا دیتی ہے۔ پھر ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ یہ میں جانتا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ یہ تدبیر تقدیر میں ہیر پھیر نہیں کر سکتی۔ اللہ کی قضا کو کوئی شخص کسی تدبیر سے بدل نہیں سکتا۔ اللہ کا چاہا پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔ حکم اسی کا چلتا ہے۔ کون ہے جو اس کے ارادے کو بدل سکے؟ اس کے فرمان کو ٹال سکے؟ اس کی قضا کو لوٹا سکے؟ میرا بھروسہ اسی پر ہے اور مجھ پر ہی کیا موقوف ہے۔ ہر ایک توکل کرنے والے کو اسی پر توکل کرنا چاہئے۔ چنانچہ بیٹوں نے باپ کی فرماں برداری کی اور اسی طرح کئی ایک دروازوں میں بٹ گئے اور شہر میں پہنچے۔ اس طرح وہ اللہ کی قضا کو لوٹا نہیں سکتے تھے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک ظاہری تدبیر پوری کی کہ اس سے وہ نظر بد سے بچ جائیں۔ وہ ذی علم تھے، الہامی علم ان کے پاس تھا۔ ہاں اکثر لوگ ان باتوں کو نہیں جانتے۔

تمام بھائیوں کو مل کر کھانا کھانے کا واقعہ

اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے پاس اپنے بھائی بنیامین کو لے آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تم نے بہت اچھا کیا پھر انہیں عزت کے ساتھ مہمان بنایا اور جا بجا دستر خوان لگائے گئے اور ہر دستر خوان پر دو دو صاحبوں کو بٹھایا گیا، بنیامین اکیلے رہ

گئے تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے کہ آج اگر میرے بھائی یوسف (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو مجھے اپنے ساتھ بٹھاتے، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تمہارا ایک بھائی اکیلا رہ گیا اور آپ نے بنیامین کو اپنے دسترخوان پر بٹھایا۔

اور فرمایا کہ تمہارے ہلاک شدہ بھائی کی جگہ میں تمہارا بھائی ہو جاؤں تو کیا تم پسند کرو گے؟ بنیامین نے کہا کہ آپ جیسا بھائی کس کو میسر آئے لیکن یعقوب (علیہ السلام) کا فرزند اور راحیل (مادر حضرت یوسف علیہ السلام) کا نورِ نظر ہونا تمہیں کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ حضرت یوسف علیہ السلام رو پڑے اور بنیامین کو گلے سے لگایا اور۔

بے شک اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں خیر کے ساتھ جمع فرمایا اور ابھی اس راز کی بھائیوں کو اطلاع نہ دینا، یہ سن کر بنیامین فرطِ مسرت سے بیخود ہو گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہنے لگے اب میں آپ سے جدا نہ ہوں گا، آپ نے فرمایا والد صاحب کو میری جدائی کا بہت غم پہنچ چکا ہے اگر میں نے تمہیں بھی روک لیا تو انہیں اور زیادہ غم ہو گا علاوہ بریں روکنے کی بجز اس کے اور کوئی سبیل بھی نہیں ہے کہ تمہاری طرف کوئی غیر پسندیدہ بات منسوب ہو۔ بنیامین نے کہا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

شاہی کٹورا غلے میں رکھ دینے کا واقعہ

جب آپ اپنے بھائیوں کو حسب عادت ایک ایک اونٹ غلے کا دینے لگے اور ان کا اسباب لدنے لگا تو اپنے چالاک ملازموں سے چپکے سے اشارہ کر دیا کہ چاندی کا شاہی کٹورا بنیامین کے اسباب میں چپکے سے رکھ دیں۔ بعض نے کہا ہے یہ کٹورا سونے کا تھا۔ اسی میں پانی پیا جاتا تھا اور اسی سے غلہ بھر کے دیا جاتا تھا بلکہ ویسا ہی پیالہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بھی تھا۔ پس آپ کے ملازمین نے ہوشیاری سے وہ پیالہ آپ کے بھائی حضرت بنیامین کی خورجی میں رکھ دیا۔ جب یہ چلنے لگے تو سنا کہ پیچھے سے منادی ندا کرتا آ رہا ہے کہ اے قافلے والو تم چور ہو۔ ان کے کان کھڑے، رک گئے، ادھر متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ آپ کی کیا چیز کھوئی گئی ہے؟ جواب ملا کہ شاہی پیمانہ جس سے اناج ناپا جاتا تھا، سنو شاہی اعلان ہے کہ اس کے ڈھونڈ لانے والے کو ایک اونٹ غلہ ملے گا اور میں خود ضامن ہوں۔

چوری کی تہمت سے برادران یوسف کی حیرانگی

اپنے اوپر چوری کی تہمت سن کر برادران یوسف کے کان کھڑے ہوئے اور کہنے لگے تم ہمیں جان چکے ہو ہمارے عادات خصائل سے واقف ہو چکے ہو ہم ایسے نہیں کہ کوئی فساد اٹھائیں ہم ایسے نہیں ہیں کہ چوریاں کرتے پھریں۔ شاہی ملازموں نے کہا اچھا اگر جام و پیمانے کا چور تم میں سے ہی کوئی ہو اور تم جھوٹے پڑو تو اس کی سزا کیا ہونی چاہئے؟ جواب دیا کہ دین ابراہیمی کے مطابق اس کی سزا یہ ہے کہ وہ اس شخص کے سپرد کر دیا جائے، جس کا مال اس نے چرایا ہے، ہماری شریعت کا یہی فیصلہ ہے۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کا مطلب پورا ہو گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کی تلاشی لی جائے چنانچہ پہلے بھائیوں کے اسباب کی تلاشی لی حالانکہ معلوم تھا کہ ان کی خورجیاں خالی ہیں لیکن صرف اس لئے کہ انہیں اور دوسرے لوگوں کو کوئی شبہ نہ آپ نے یہ کام کیا۔ جب ان کی تلاشی ہو چکی اور جام نہ ملا تو اب بنیامین کے اسباب کی تلاشی شروع ہوئی چونکہ ان کے اسباب میں رکھوایا تھا اس لئے اس

میں سے نکلنا ہی تھا، نکلتے ہی حکم دیا کہ انہیں روک لیا جائے۔ یہ تھی وہ ترکیب جو جناب باری نے اپنی حکمت اور حضرت یوسف کی اور بنیامین وغیرہ کی مصلحت کے لئے حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کو سکھائی تھی۔ کیونکہ شاہ مصر کے قانون کے مطابق تو باوجود چور ہونے کے بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے لیکن چونکہ بھائی خود ہی فیصلہ کر چکے تھے، اس لئے یہی فیصلہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جاری کر دیا۔ آپ کو معلوم تھا کہ شرع ابراہیمی کا فیصلہ چور کی بابت کیا ہے۔ اس لئے بھائیوں سے پہلے ہی منوالیا تھا۔ جس کے درجے اللہ بڑھانا چاہے، بڑھا دیتا ہے۔ جیسے فرمان ہے تم میں سے ایمانداروں کے درجے ہم بلند کریں گے۔ ہر عالم سے بالا کوئی اور عالم بھی ہے یہاں تک کہ اللہ سب سے بڑا عالم ہے۔ اسی سے علم کی ابتدا ہے اور اسی کی طرف علم کی انتہا ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں فوق کل عالم علیم ہے۔

بھائی کے شلیتے میں سے جام کا نکلنا دیکھ کر بات بنادی کہ دیکھو اس نے چوری کی تھی اور یہی کیا اس کے بھائی یوسف نے بھی ایک مرتبہ اس سے پہلے چوری کرلی تھی۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ اپنے نانا کا بت چپکے سے اٹھالائے تھے اور اسے توڑ دیا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک بڑی بہن تھیں، جن کے پاس اپنے والد اسحاق علیہ السلام کا ایک کمر پٹہ تھا جو خاندان کے بڑے آدمی کے پاس رہا کرتا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوتے ہی اپنی ان پھوپھی صاحبہ کی پرورش میں تھے۔ انہیں حضرت یوسف علیہ السلام سے کمال درجے کی محبت تھی۔ جب آپ کچھ بڑے ہو گئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ کو لے جانا چاہا۔ بہن صاحبہ سے درخواست کی۔ لیکن بہن نے جدائی و ناقابل برداشت بیان کر کے انکار کر دیا۔ ادھر آپ کے والد صاحب حضرت یعقوب علیہ السلام کے شوق کی بھی انتہا نہ تھی، سر ہو گئے۔ آخر بہن صاحبہ نے فرمایا اچھا کچھ دنوں رہنے دو پھر لے جانا۔ اسی اثنا میں ایک دن انہوں نے وہی کمر پٹہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے چھپا دیا، پھر تلاش شروع کی۔ گھر بھر چھان مارا، نہ ملا، شور مچا، آخر یہ ٹھری کہ گھر میں جو ہیں، ان کی تلاشیاں لی جائیں۔ تلاشیاں لی گئیں۔ کسی کے پاس ہو تو نکلے آخر حضرت یوسف علیہ السلام کی تلاشی لی گئی، ان کے پاس سے برآمد ہوا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو خبر دی گئی۔ اور ملت ابراہیمی کے قانون کے مطابق آپ اپنی پھوپھی کی تحویل میں کر دیئے گئے۔ اور پھوپھی نے اس طرح اپنے شوق کو پورا کیا۔ انتقال کے وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ چھوڑا۔ اسی بات کا طعنہ آج بھائی دے رہے ہیں۔ جس کے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام نے چپکے سے اپنے دل میں کہا کہ تم بڑے خانہ خراب لوگ ہو اس کے بھائی کی چوری کا حال اللہ خوب جانتا ہے۔

چوری کو سزا چور کو ہونی چاہئے

جب بنیامین کے پاس سے شاہی مال برآمد ہوا اور ان کے اپنے اقرار کے مطابق وہ شاہی قیدی ٹھر چکے تو اب انہیں رنج ہونے لگا۔ عزیز مصر کو پرچانے لگے اور اسے رحم دلانے کے لئے کہا کہ ان کے والد ان کے بڑے ہی دلدادہ ہیں۔ ضعیف اور بوڑھے

شخص ہیں۔ان کا ایک سگا بھائی پہلے ہی گم ہو چکا ہے۔جس کے صدمے سے وہ پہلے ہی سے چور ہیں اب جو یہ سنیں گے تو ڈر ہے کہ زندہ نہ بچ سکیں۔آپ ہم میں سے کسی کو ان کے قائم مقام اپنے پاس رکھ لیں اور اسے چھوڑ دیں آپ بڑے محسن ہیں، اتنی عرض ہماری قبول فرمالیں۔حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ بھلا یہ سنگدلی اور ظلم کیسے ہوسکتا ہے کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔چور کو روکا جائے گا نہ کہ شاہ کو نا کردہ گناہ کو سزا دینا اور گنہگار کو چھوڑ دینا یہ تو صریح ناانصافی اور بدسلوکی ہے۔

بنیامین کی قید سے برادران یوسف میں بے چینی کا واقعہ

جب برادران یوسف اپنے بھائی کے چھٹکارے سے مایوس ہو گئے، انہیں اس بات نے شش و پنج میں ڈال دیا کہ ہم والد سے سخت عہد پیمان کر کے آئے ہیں کہ بنیامین کو آپ کے حضور میں پہنچادیں گے۔اب یہاں سے یہ کسی طرح چھوٹ نہیں سکتے۔الزام ثابت ہو چکا ہماری اپنی قرارداد کے مطابق وہ شاہی قیدی ٹھہر چکے اب بتاؤ کیا کیا جائے اس آپس کے مشورے میں بڑے بھائی نے اپنا خیال ان لفظوں میں ظاہر کیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس زبردست ٹھوس وعدے کے بعد جو ہم ابا جان سے کر کے آئے ہیں، اب انہیں منہ دکھانے کے قابل تو نہیں رہے نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے کہ کسی طرح بنیامین کو شاہی قید سے آزاد کرلیں پھر اس وقت ہمیں اپنا پہلا قصور اور نادم کر رہا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہم سے اس سے پہلے سرزد ہو چکا ہے پس اب میں تو یہیں رک جاتا ہوں۔

یہاں تک کہ یا تو والد صاحب میرا قصور معاف فرما کر مجھے اپنے پاس حاضر ہونے کی اجازت دیں یا اللہ تعالیٰ مجھے کوئی فیصلہ سجھادے کہ میں یا تو لڑ بھڑ کر اپنے بھائی کو لے کر جاؤں یا اللہ تعالیٰ کوئی اور صورت بنادے۔کہا گیا ہے کہ ان کا نام روبیل تھا یا یہودا تھا یہی تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب اور بھائیوں نے قتل کرنا چاہا تھا انہوں نے روکا تھا۔اب یہ اپنے اور بھائیوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ تم اباجی کے پاس جاؤ۔انہیں حقیقت حال سے مطلع کرو۔ان سے کہو کہ ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ چوری کرلیں گے اور چوری کا مال ان کے پاس موجود ہے ہم سے تو مسئلے کی صورت پوچھی گئی ہم نے بیان کر دی۔آپ کو ہماری بات کا یقین نہ ہو تو اہل مصر سے دریافت فرمالیجئے جس قافلے کے ساتھ ہم آئے ہیں اس سے پوچھ لیجئے۔کہ ہم نے صداقت، امانت، حفاظت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔اور ہم جو کچھ عرض کر رہے ہیں، وہ بالکل راستی پر مبنی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین دونوں کی خبر کا واقعہ

بھائیوں کی زبانی یہ خبر سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہی فرمایا جو اس سے پہلے اس وقت فرمایا تھا جب انہوں نے کرتا ابن یوسف خون آلود پیش کر کے اپنی گھڑی ہوئی کہانی سنائی تھی کہ صبر ہی بہتر ہے۔آپ سمجھے کہ اسی کی طرح یہ بات بھی ان کی بنائی ہوئی ہے بیٹوں سے یہ فرما کر اب اپنی امید ظاہر کی جو اللہ سے تھی کہ بہت ممکن ہے کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ میرے تینوں بچوں کو مجھ سے ملا دے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو بنیامین کو اور آپ کے بڑے صاحبزادے روبیل کو جو مصر میں ٹھہر گئے تھے اس امید پر کہ اگر موقعہ لگ جائے تو بنیامین کو خفیہ طور نکال لے جائیں یا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ خود حکم دے اور یہ اس کی رضامندی کے ساتھ

واپس لوٹیں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے میری حالت کو خوب جان رہا ہے۔ حکیم ہے اس کی قضا و قدر اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اب آپ کے اس نئے رنج نے پرانا رنج بھی تازہ کر دیا اور حضرت یوسف کی یاد دل میں چٹکیاں لینے لگی۔

فراق یوسف و بنیامین سے بینائی کے چلنے کا واقعہ

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انا للہ الخ پڑھنے کی ہدایات صرف اسی امت کو کی گئی ہے اس نعمت سے اگلی امتیں مع اپنے نبیوں کے محروم تھیں۔ دیکھئے حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ایسے موقعہ پر آیت (یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ 84) 12–یوسف:84) کہتے ہیں۔ آپ کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ غم نے آپ کو نابینا کر دیا تھا اور زبان خاموش تھی۔ مخلوق میں سے کسی شکایت و شکوہ نہیں کرتے تھے۔ غمگین اور اندوہ گین رہا کرتے تھے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی کہ لوگ تجھ سے یہ کہہ کر دعا مانگتے ہیں کہ اے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے رب، تو تو ایسا کر کہ ان تین ناموں میں چوتھا نام میرا بھی شامل ہو جائے۔ جواب ملا کہ اے داؤد حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اور صبر کیا۔ تیری آزمائش ابھی ایسی نہیں ہوئی۔ اسحاق علیہ السلام نے خود اپنی قربانی منظور کر لی اور اپنا گلا کٹوانے بیٹھ گئے۔ تجھ پر یہ بات بھی نہیں آئی۔ یعقوب علیہ السلام سے میں نے ان کے لخت جگر کو الگ کر دیا اس نے بھی صبر کیا تیرے ساتھ یہ واقعہ بھی نہیں ہوا یہ روایت مرسل ہے۔

بنی اسرائیل کی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف کو اس موقعہ پر جب کہ بنیامین قید میں تھے۔ ایک خط لکھا تھا جس میں انہیں رحم دلانے کے لئے لکھا تھا کہ ہم مصیبت زدہ لوگ ہیں۔ میرے دادا حضرت ابراہیم آگ میں ڈالے گئے۔ میرے والد حضرت اسحاق علیہ السلام ذبح کے ساتھ آزمائے گئے۔ میں خود فراق یوسف میں مبتلا ہوں۔ لیکن یہ روایت بھی سنداً ثابت نہیں۔

بچوں نے باپ کا یہ حال دیکھ کر انہیں سمجھانا شروع کیا کہ ابا جی آپ تو اسی کی یاد میں اپنے آپ کو گھلا دیں گے بلکہ ہمیں تو ڈر ہے کہ اگر آپ کا یہی حال کچھ دنوں اور رہا تو کہیں زندگی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ میں تم سے تو کچھ نہیں کہہ رہا میں تو اپنے رب کے پاس اپنا دکھ رو رہا ہوں۔ اور اس کی ذات سے بہت امید رکھتا ہوں وہ بھلائیوں والا ہے۔ مجھے یوسف کا خواب یاد ہے، جس کی تعبیر ظاہر ہو کر رہے گی۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک مخلص دوست نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا کہ آپ کی بینائی کیسے جاتی رہی؟ اور آپ کی کمر کیسے کبڑی ہو گئی؟ آپ نے فرمایا یوسف کو رو رو کر آنکھیں کھو بیٹھا اور بنیامین کے صدمے نے کمر توڑ دی۔ اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کے بعد کہتا ہے کہ میری شکایتیں دوسروں کے سامنے کرنے سے آپ شرماتے نہیں؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت فرمایا کہ میری پریشانی اور غم کی شکایت اللہ ہی کے سامنے ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا آپ کی شکایت کا اللہ کو خوب علم ہے۔ یہ حدیث بھی غریب ہے اور اس میں بھی نکارت

ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام و بنیامین کو تلاش کرنے کے حکم واقعہ

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو حکم فرما رہے ہیں کہ تم ادھر ادھر جاؤ اور حضرت یوسف اور بنیامین کی تلاش کرو۔عربی میں تحسس کا لفظ بھلائی کی جستجو کے لئے بولا جاتا ہے اور برائی کی ٹٹول کے لئے تجسس کا لفظ بولا جاتا ہے۔ساتھ میں فرماتے ہیں کہ اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہونا چاہیے اس کی رحمت سے مایوس وہی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں کفر ہوتا ہے۔تم تلاش بند نہ کرو، اللہ سے نیک امید رکھو اور اپنی کوشش جاری رکھو۔چنانچہ یہ لوگ چلے، پھر مصر پہنچے، حضرت یوسف کے دربار میں حاضر ہوئے، وہاں اپنی خستہ حالی ظاہر کی کہ قحط سالی نے ہمارے خاندان کو ستا رکھا ہے، ہمارے پاس کچھ نہیں رہا، جس سے غلہ خریدتے اب ردی، واہی، ناقص، بیکار، کھوٹی اور قیمت نہ بننے والی کچھ یونہی سی رکھی رکھائی چیزیں لے کر آپ کے پاس آئے ہیں گو یہ بدلہ نہیں کہا جا سکتا نہ قیمت بنتی ہے لیکن تاہم ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمیں وہی دیجئے جو پچھی صحیح اور پوری قیمت پر دیا کرتے ہیں۔ ہمارے بوجھ بھر دیجئے، ہماری خورجیاں پر کر دیجئے،

ہمارے اونٹ غلے سے لاد دیجئے۔ اور ہم پر صدقہ کیجئے ہمارے بھائی کو رہائی دیجئے، یا یہ مطلب ہے کہ یہ غلہ ہمیں ہمارے اس مال کے بدلے نہیں بلکہ بطور خیرات دیجئے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی کسی نبی پر صدقہ حرام ہوا ہے؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھ کر استدلال کیا کہ نہیں ہوا۔حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ کیا کسی شخص کا اپنی دعا میں یہ کہنا مکروہ ہے کہ یا اللہ مجھ پر صدقہ کر۔فرمایا ہاں اس لئے کہ صدقہ وہ کرتا ہے جو طالب ثواب ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر راز آشکار ہونے کا واقعہ

جب بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس اس عاجزی اور بے بسی کی حالت میں پہنچے اپنے تمام دکھ رونے لگے' اپنے والد کی اور اپنے گھر والوں کی مصیبتیں بیان کیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا نہ رہا گیا۔اپنے سر سے تاج اتار دیا اور بھائیوں سے کہا کچھ اپنے کرتوت یاد بھی ہیں کہ تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا؟ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟ وہ نری جہالت کا کرشمہ تھا۔

اسی لئے بعض سلف فرماتے ہیں کہ اللہ کا ہر گنہگار جاہل ہے۔قرآن فرماتا ہے آیت (ثم ان ربك للذين عملو السوء بجهالة) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دو دفعہ کی ملاقات میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا حکم اللہ نہ تھا۔ اب کی مرتبہ حکم ہو گیا۔آپ نے معاملہ صاف کر دیا۔جب تکلیف بڑھ گئی' سختی زیادہ ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے راحت دے دی اور کشادگی عطا فرمادی۔جیسے ارشاد ہے کہ سختی کے ساتھ آسانی ہے یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے۔اب بھائی چونک پڑے' کچھ اس سے کہ تاج اتارنے کے بعد پیشانی کی نشانی دیکھ لی اور کچھ اس قسم کے سوالات' کچھ حالات' کچھ اگلے واقعات سب سامنے آ

گئے' تاہم اپنا شک دور کرنے کے لئے پوچھا کہ کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ آپ نے اس سوال کے جواب میں صاف کہہ دیا کہ ہاں میں خود یوسف ہوں اور یہ میرا سگا بھائی ہے' اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و کرم کیا' بچھڑنے کے بعد ملا دیا' تفرقہ کے بعد اجتماع کر دیا' تقویٰ اور صبر رائگاں نہیں جاتے۔ نیک کاری بے پھل لائے نہیں رہتی۔

اب تو بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی فضیلت اور بزرگی کا اقرار کر لیا کہ واقعی صورت سیرت دونوں اعتبار سے آپ ہم پر فوقیت رکھتے ہیں۔ ملک و مال کے اعتبار سے بھی اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اسی طرح بعض کے نزدیک نبوت کے اعتبار سے بھی کیونکہ حضرت یوسف نبی تھے اور یہ بھائی نبی نہ تھے۔ اس اقرار کے بعد اپنی خطا کاری کا بھی اقرار کیا۔ اسی وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں آج کے دن کے بعد سے تمہیں تمہاری یہ خطا یاد بھی نہ دلاؤں گا' میں تمہیں کوئی ڈانٹ ڈپٹ کرنا نہیں چاہتا نہ تم پر الزام رکھتا ہوں نہ تم پر اظہار خفگی کرتا ہوں بلکہ میری دعا ہے کہ اللہ بھی تمہیں معاف فرمائے وہ ارحم الراحمین ہے۔ بھائیوں نے عذر پیش کیا' آپ نے قبول فرما لیا اللہ تمہاری پردہ پوشی کرے اور تم نے جو کیا ہے اسے بخش دے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سے بصارت یعقوب لوٹ آنے کا واقعہ

چونکہ اللہ کے رسول حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے رنج و غم میں روتے روتے نابینا ہو گئے تھے، اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ میرا یہ کرتہ لے کر تم ابا کے پاس جاؤ، اسے ان کے منہ پر ڈالتے ہی انشاء اللہ ان کی نگاہ روشن ہو جائے گی۔ پھر انہیں اور اپنے گھرانے کے تمام اور لوگوں کو یہیں میرے پاس لے آؤ۔ ادھر یہ قافلہ مصر سے نکلا، ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف کی خوشبو پہنچا دی تو آپ نے اپنے ان بچوں سے جو آپ کے پاس تھے فرمایا کہ مجھے تو میرے پیارے فرزند یوسف کی خوشبو آ رہی ہے لیکن تم تو مجھے سترا بہترا کم عقل بڈھا کہہ کر میری اس بات کو باور نہیں کرنے کے۔ ابھی قافلہ کنعان سے آٹھ دن کے فاصلے پر تھا جو بحکم الٰہی ہوا نے حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کے پیراہن کی خوشبو پہنچا دی۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کی مدت اسی سال کی گزر چکی تھی اور قافلہ اسی فرسخ آپ سے دور تھا۔ لیکن بھائیوں نے کہا آپ تو یوسف کی محبت میں غلطی میں پڑے ہوئے ہیں نہ غم آپ کے دل سے دور ہو نہ آپ کو تسلی ہو۔ ان کا یہ کلمہ بڑا سخت تھا کسی لائق اولاد کو لائق نہیں کہ اپنے باپ سے یہ کہے نہ کسی امتی کو لائق ہے کہ اپنی نبی سے یہ کہے۔

کہتے ہیں کہ پیراہن یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے یہودا لائے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے ہی پہلے جھوٹ موٹ وہ کرتا پیش کیا تھا۔ جسے خون آلود کر کے لائے تھے اور باپ کو یہ سمجھایا تھا کہ یوسف کا خون ہے، اب بدلے کے لئے یہ کرتہ بھی یہی لائے کہ برائی کے بدلے بھلائی ہو جائے بری خبر کے بدلے خوشخبری ہو جائے۔ آتے ہی باپ کے منہ پر ڈالا۔ اسی وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں کھل گئیں اور بچوں سے کہنے لگے دیکھو میں تو ہمیشہ تم سے کہا کرتا تھا کہ اللہ کی بعض وہ باتیں میں جانتا ہوں جن سے تم محض بیخبر ہو۔ میں تم سے کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے یوسف کو ضرور مجھ سے ملائے گا، ابھی تھوڑے دنوں کا ذکر ہے کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے آج میرے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔

باپ جواب میں فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے انکار نہیں اور مجھے اپنے رب سے یہ بھی امید ہے کہ وہ تمہاری خطائیں معاف فرما دے گا اس لئے کہ وہ بخششوں اور مہربانیوں والا ہے توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرمالیا کرتا ہے میں صبح سحری کے وقت تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں آتے تو سنتے کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اللہ تو نے پکارا، میں نے مان لیا تو نے حکم دیا میں بجالایا، یہ سحر کا وقت ہے، پس تو مجھے بخش دے، آپ نے کان لگا کر غور کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر سے یہ آواز آ رہی ہے۔ آپ نے ان سے پوچھا انہوں نے کہا یہی وہ وقت ہے جس کے لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ میں تمہارے لئے تھوڑی دیر بعد استغفار کروں گا۔ حدیث میں ہے کہ یہ رات جمعہ کی رات تھی۔ ابن جریر میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جب جمعہ کی رات آ جائے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعائے سحری کا واقعہ

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وقت سحر بعد نماز ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنے صاحبزادوں کے لئے دعا کی، وہ قبول ہوئی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو وحی فرمائی گئی کہ صاحبزادوں کی خطا بخش دی گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد کو مع ان کے اہل و اولاد کے بلانے کے لئے اپنے بھائیوں کے ساتھ دو سو سواریاں اور کثیر سامان بھیجا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مصر کا ارادہ فرمایا اور اپنے اہل کو جمع کیا، کل مرد و زن بہتر یا تہتر تن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ برکت فرمائی کہ ان کی نسل اتنی بڑھی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو چھ لاکھ سے زیادہ تھے باوجود یکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ اس سے صرف چار سو سال بعد ہے۔

الحاصل جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ اعظم کو اپنے والد ماجد کی تشریف آوری کی اطلاع دی اور چار ہزار لشکری اور بہت سے مصری سواروں کو ہمراہ لے کر آپ اپنے والد صاحب کے استقبال کے لئے صدہا ریشمی پھریرے اڑاتے، قطاریں باندھے روانہ ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند یہودا کے ہاتھ پر ٹیک لگائے تشریف لا رہے تھے جب آپ کی نظر لشکر پر پڑی اور آپ نے دیکھا کہ صحرا زرق برق سواروں سے پر ہو رہا ہے، فرمایا اے یہودا کیا یہ فرعون مصر ہے جس کا لشکر اس شوکت و شکوہ سے آ رہا ہے؟ عرض کیا نہیں یہ حضور کے فرزند یوسف ہیں علیہم السلام۔

حضرت یعقوب و یوسف علیہما السلام کی ملاقات بعد از ہجر و فراق کا واقعہ

حضرت جبریل نے آپ کو متعجب دیکھ کر عرض کیا، ہوا کی طرف نظر فرمائیے، آپ کے سرور میں شرکت کے لئے ملائکہ حاضر ہوئے ہیں جو مدتوں آپ کے غم کے سبب روتے رہے ہیں، ملائکہ کی تسبیح نے اور گھوڑوں کے ہنہنانے نے اور طبل و بوق کی آوازوں نے عجیب کیفیت پیدا کر دی تھی۔ یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی جب دونوں حضرات والد و ولد، پدر و پسر قریب ہوئے۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلام عرض کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ توقف کیجئے

اور والد صاحب کو ابتداء بسلام کا موقع دیجئے چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے " اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُذْهِبَ الْاَحْزَانِ "
(یعنی اے غم واندوہ کے دور کرنے والے سلام) اور دونوں صاحبوں نے اتر کر معانقہ کیا اور مل کر خوب روئے پھر اس مزین فرودگاہ
میں داخل ہوئے جو پہلے سے آپ کے استقبال کے لئے نفیس خیمے وغیرہ نصب کر کے آراستہ کی گئی تھی، یہ دخول حدودِ مصر میں تھا اس
کے بعد دوسرا دخول خاص شہر میں ہے جس کا بیان اگلی آیت میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا والدین کو تخت پر بٹھانے کا واقعہ

بھائیوں پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظاہر کر کے فرمایا تھا کہ ابا جی کو اور گھر کے سب لوگوں کو یہیں لے آؤ۔
بھائیوں نے یہی کیا، اس بزرگ قافلے نے کنعان سے کوچ کیا جب مصر کے قریب پہنچے تو نبی اللہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی آپ
کے ساتھ تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ خود شاہ مصر بھی استقبال کے لئے چلے اور حکم شاہی سے شہر کے تمام امیر امرا اور ارکان دولت بھی
آپ کے ساتھ تھے۔ یہ مروی ہے کہ خود شاہ مصر بھی استقبال کے لئے شہر سے باہر آیا تھا۔ اس کے بعد جو جگہ دینے وغیرہ کا ذکر ہے
اس کی بابت بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس کی عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی آپ نے ان سے فرمایا تم مصر میں چلو، انشاء اللہ پر
امن اور بے خطر رہو گے اب شہر میں داخلے کے بعد آپ نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور انہیں اونچے تخت پر بٹھایا۔ لیکن
امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس میں سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بالکل ٹھیک ہے جب پہلے ہی
ملاقات ہوئی تو آپ نے انہیں اپنے پاس کر لیا اور جب شہر کا دروازہ آیا تو فرمایا اب اطمینان کے ساتھ یہاں چلئے۔ لیکن اس میں بھی
ایک بات رہ گئی ہے۔ ایوا اصل میں منزل میں جگہ دینے کو کہتے ہیں جیسے اوی الیہ اخاہ میں ہے۔
اور حدیث میں بھی ہے من اوی محدثا پس کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کا مطلب یہ بیان نہ کریں کہ ان کے آجانے کے بعد
انہیں جگہ دینے کے بعد آپ نے ان سے فرمایا کہ تم امن کے ساتھ مصر میں داخل ہو یعنی یہاں قحط وغیرہ کی مصیبتوں سے محفوظ ہو کر با
آرام رہو سہو، مشہور ہے کہ اور جو قحط سالی کے سال باقی تھے، وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی تشریف آوری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے
دور کر دئے۔ جیسے کہ اہل مکہ کی قحط سالی سے تنگ آ کر ابو سفیان نے آپ سے شکایت کی اور بہت روئے پیٹے اور سفارش چاہی۔ عبد
الرحمٰن کہتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا تو پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ اس وقت آپ کے والد صاحب کے ہمراہ آپ کی
خالہ صاحبہ آئی تھیں۔

گیارہ بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کرنے کا واقعہ

آپ نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھا لیا۔ اس وقت ماں باپ بھی اور گیارہ بھائی کل کے کل آپ کے سامنے
سجدے میں گر پڑے۔ آپ نے فرمایا ابا جی لیجئے میرے خواب کی تعبیر ظاہر ہو گئی یہ ہیں گیارہ ستارے اور یہ ہیں سورج چاند جو
میرے سامنے سجدے میں ہیں۔ ان کی شرع میں یہ جائز تھی کہ بڑوں کو سلام کے ساتھ سجدہ کرتے تھے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام
سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک یہ بات جائز ہی رہی لیکن اس ملت محمدیہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی اور کے لئے سوائے اپنی ذات

پاک کے سجدے کو مطلقاً حرام کر دیا۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے اپنے لئے ہی مخصوص کر لیا۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے قول کا ماحصل مضمون یہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام گئے، وہاں انہوں نے دیکھا کہ شامی لوگ اپنے بڑوں کو سجدے کرتے ہیں یہ جب لوٹے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا، آپ نے پوچھا، معاذ یہ کیا بات ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے اہل شام کو دیکھا کہ وہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ تو اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں کسی کے لئے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے سجدہ کرے۔ بہ سبب اس کے بہت بڑے حق کے جو اس پر ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کے ابتدائی زمانے میں راستے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آپ کے سامنے سجدہ کیا تو آپ نے فرمایا سلمان مجھے سجدہ نہ کرو۔ سجدہ اس اللہ کو کرو جو ہمیشہ کی زندگی والا ہے جو کبھی نہ مرے گا۔ الغرض چونکہ اس شریعت میں جائز تھا اس لئے انہوں نے سجدہ کیا تو آپ نے فرمایا لیجئے ابا جی میرے خواب کا ظہور ہو گیا۔ میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا۔ اس کا انجام ظاہر ہو گیا۔ چنانچہ اور آیت میں قیامت کے دن کے لئے بھی یہی لفظ بولا گیا ہے آیت (یوم یاتی تاویلہ) پس یہ بھی اللہ کا مجھ پر ایک احسان عظیم ہے کہ اس نے میرے خواب کو سچا کر دکھایا اور جو میں نے سوتے سوتے دیکھا تھا، الحمد للہ مجھے جاگتے میں بھی اس نے دکھا دیا۔ اور احسان اس کا یہ بھی ہے کہ اس نے مجھے قید خانے سے نجات دی اور تم سب کو صحرا سے یہاں لا کر مجھ سے ملا دیا۔ آپ چونکہ جانوروں کے پالنے والے تھے، اس لئے عموماً بادیہ میں ہی قیام رہتا تھا، فلسطین بھی شام کے جنگلوں میں ہے اکثر اوقات پڑاؤ رہا کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ اولاج میں حسمی کے نیچے رہا کرتے تھے اور مویشی پالتے تھے، اونٹ بکریاں وغیرہ ساتھ رہتی تھیں۔ پھر فرماتے ہیں اس کے بعد کہ شیطان نے ہم میں پھوٹ ڈلوا دی تھی، اللہ تعالیٰ جس کام کا ارادہ کرتا ہے، اس کے ویسے ہی اسباب مہیا کر دیتا ہے اور اسے آسان اور سہل کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اپنے افعال اقوال قضا وقدر مختار و مراد میں وہ با حکمت ہے۔

خواب کی تعبیر میں چالیس سال کا عرصہ گزر جانے کا واقعہ

سلیمان کا قول ہے کہ خواب کے دیکھنے اور اس کی تاویل کے ظاہر ہونے میں چالیس سال کا وقفہ تھا۔ عبداللہ بن شداد فرماتے ہیں خواب کی تعبیر کے واقع ہونے میں اس سے زیادہ زمانہ لگتا بھی نہیں یہ آخری مدت ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ باپ بیٹے اسی برس کے بعد ملے تم خیال تو کرو کہ زمین پر حضرت یعقوب علیہ السلام سے زیادہ اللہ کا کوئی محبوب بندہ نہ تھا۔ پھر بھی اتنی مدت انہیں فراق یوسف میں گزری، ہر وقت آنکھوں سے آنسو جاری رہتے اور دل میں غم کی موجیں اٹھتیں اور روایت میں ہے کہ یہ مدت تراسی سال کی تھی۔ فرماتے ہیں جب حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں ڈالے گئے اس وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی۔ اسی برس تک آپ باپ کی نظروں سے اوجھل رہے۔ پھر ملاقات کے بعد تیئیس برس زندہ رہے اور ایک سو بیس برس کی عمر میں انتقال کیا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترپن برس کے بعد باپ بیٹا ملے۔ ایک قول ہے کہ اٹھارہ سال ایک دوسرے سے دور رہے اور ایک قول ہے کہ چالیس سال کی جدائی رہی اور پھر مصر میں باپ سے ملنے کے بعد سترہ سال زندہ رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل جب مصر پہنچے ہیں ان کی تعداد صرف تریسٹھ کی تھی اور جب یہاں سے نکلے ہیں اس وقت ان کی تعداد ایک لاکھ ستر ہزار کی تھی۔ مسروق کہتے ہیں آنے کے وقت یہ مع مرد و عورت تین سو نوے تھے، عبداللہ بن شداد کا قول ہے کہ جب یہ لوگ آئے کل چھیاسی تھے یعنی مرد عورت بوڑھے بچے سب ملا کر اور جب نکلے ہیں اس وقت ان کی گنتی چھ لاکھ سے اوپر اوپر تھی۔

اسلام پر استقامت کی دعائے یوسف علیہ السلام

نبوت مل چکی، بادشاہت عطا ہوگئی، دکھ کٹ گئے، ماں باپ اور بھائی سب سے ملاقات ہوگئی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہے کہ جیسے یہ دنیوی نعمتیں تو نے مجھ پر پوری کی ہیں، ان نعمتوں کو آخرت میں پوری فرما، جب بھی موت آئے تو اسلام پر اور تیری فرمانبرداری پر آئے اور میں نیک لوگوں میں ملا دیا جاؤں اور نبیوں اور رسولوں میں صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین بہت ممکن ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ دعا بوقت وفات ہو۔

جیسے کہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انتقال کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی اٹھائی اور یہ دعا کی کہ اے اللہ رفیق اعلیٰ میں ملا دے۔ تین مرتبہ آپ نے یہی دعا کی۔ ہاں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اس دعا کا مقصود یہ ہے کہ جب بھی وفات آئے اسلام پر آئے اور نیکوں میں مل جاؤں۔ یہ نہیں کہ اسی وقت آپ نے یہ دعا اپنی موت کے لئے کی ہو۔ اس کی بالکل وہی مثال ہے جو کوئی کسی کو دعا دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ تجھے اسلام پر موت دے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ ابھی ہی تجھے موت آ جائے۔ یا جیسے ہم مانگتے ہیں کہ اللہ ہمیں تیرے دین پر ہی موت آئے یا ہماری یہی دعا کہ اللہ مجھے اسلام پر مار اور نیک کاروں میں ملا۔ اور اگر یہی مراد ہو کہ واقعی آپ نے اسی وقت موت مانگی تو ممکن ہے کہ یہ بات اس شریعت میں جائز ہو۔

چنانچہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب آپ کے تمام کام بن گئے، آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں، ملک، مال، عزت، آبرو، خاندان، برادری، بادشاہت سب مل گئے تو آپ کو صالحین کی جماعت میں پہنچنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہی سب سے پہلے اس دعا کے مانگنے والے ہیں، ممکن ہے اس سے مراد ابن عباس کی یہ ہو کہ اس دعا کو سب سے پہلے کرنے والے یعنی خاتمہ اسلام پر ہونے کی دعا کے سب سے پہلے مانگنے والے آپ ہی تھے۔ جیسے کہ یہ دعا کو سب سے پہلے کرنے والے یعنی خاتمہ اسلام پر ہونے کی دعا کے سب سے پہلے مانگنے والے آپ ہی تھے۔ جیسے کہ یہ دعا رب اغفرلی ولوالدی سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے مانگی تھی۔ باوجود اس کے بھی اگر یہی کہا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی ہی دعا کی تھی تو ہم کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ ان کے دین میں جائز ہو۔ ہمارے ہاں تو سخت ممنوع ہے۔ مسند میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں تم میں سے کوئی کسی سختی اور ضرر سے گھبرا کر موت کی آرزو نہ کرے اگر اسے ایسی ہی تمنا کرنی ضروری ہے تو یوں کہے اے اللہ جب تک میری حیات تیرے علم میں میرے لئے بہتر ہے، مجھے زندہ رکھ اور جب تیرے علم میں میری موت میرے لئے بہتر ہو، مجھے موت دے دے۔

سختی کے سبب موت کی تمنا کرنا منع ہے

بخاری مسلم کی اسی حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی کسی سختی کے نازل ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا ہرگز نہ کرے اگر وہ نیک ہے تو اس کی زندگی اس کی نیکیاں بڑھائے گی اور اگر وہ بد ہے تو بہت ممکن ہے کہ زندگی میں کسی وقت توبہ کی توفیق ہو جائے بلکہ یوں کہے اے اللہ جب تک میرے لئے حیات بہتر ہے تو مجھے زندہ رکھ۔ مسند احمد میں ہے ہم ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ہمیں وعظ و نصیحت کی اور ہمارے دل گرما دئے۔ اس وقت ہم میں سب سے زیادہ رونے والے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے، روتے روتے ان کی زبان سے نکل گیا کہ کاش کہ میں مر جاتا آپ نے فرمایا سعد میرے سامنے موت کی تمنا کرتے ہو؟ تین مرتبہ یہی الفاظ دہرائے۔ پھر فرمایا اے سعد اگر تو جنت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو جس قدر عمر بڑھے گی اور نیکیاں زیادہ ہوں گی، تیرے حق میں بہتر ہے۔

مسند میں ہے آپ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی ہرگز ہرگز موت کی تمنا نہ کرے نہ اس کی دعا کرے اس سے پہلے کہ وہ آئے۔ ہاں اگر کوئی ایسا ہو کہ اسے اپنے اعمال کا وثوق اور ان پر یقین ہو۔ سنو تم میں سے جو مرتا ہے، اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ مومن کے اعمال اس کی نیکیاں ہی بڑھاتے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ یہ حکم اس مصیبت میں ہے جو دنیوی ہو اور اسی کی ذات کے متعلق ہو۔ لیکن اگر فتنہ مذہبی ہو، مصیبت دینی ہو، تو موت کا سوال جائز ہے۔ جیسے کہ فرعون کے جادوگروں نے اس وقت دعا کی تھی جب کہ فرعون انہیں قتل کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ کہا تھا کہ اللہ ہم کو صبر عطا کر اور ہمیں اسلام کی حالت میں موت دے۔ اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام جب دردزہ سے گھبرا کر کھجور کے تنے تلے گئیں تو بیساختہ منہ سے نکل گیا کہ کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور آج تو لوگوں کی زبان و دل سے بھلا دی گئی ہوتی۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب معلوم ہوا کہ لوگ انہیں زنا کی تہمت لگا رہے ہیں، اس لئے کہ آپ خاوند والی نہ تھیں اور حمل ٹھر گیا تھا۔ پھر بچہ پیدا ہوا تھا اور دنیا نے شور مچایا تھا کہ مریم بڑی بدعورت ہے، نہ ماں بری نہ باپ بدکار۔

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی مخلصی کر دی اور اپنے بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارے میں زبان دی اور مخلوق کو زبردست معجزہ اور ظاہر نشان دکھا دیا صلوات اللہ وسلامہ علیہا ایک حدیث میں ایک لمبی دعا کا ذکر ہے جس میں یہ جملہ بھی ہے کہ اللہ جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھے اس فتنے میں مبتلا کرنے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دو چیزوں کو انسان اپنے حق میں بری جانتا ہے؛ موت کو بری جانتا ہے اور موت مومن کے لئے فتنے سے بہتر ہے۔ مال کی کمی کو انسان اپنے لئے برائی خیال کرتا ہے حالانکہ مال کی کمی حساب کی کمی ہے الغرض دینی فتنوں کے وقت طلب موت جائز ہے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آخری زمانے میں جب دیکھا کہ لوگوں کی شرارتیں کسی طرح ختم نہیں ہوتیں اور کسی طرح اتفاق نصیب نہیں ہوتا تو دعا کی کہ الہ العالمین مجھے اب تو اپنی طرف قبض کر لے۔ یہ لوگ مجھ سے اور میں ان سے تنگ آ چکا ہوں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر بھی جب فتنوں کی زیادتی ہوئی اور دین کا سنبھالنا مشکل ہو پڑا اور امیر خراسان کے ساتھ بڑے معرکے پیش آئے تو آپ نے جناب باری سے دعا کی کہ اللہ اب مجھے اپنے پاس بلا لے۔ ایک حدیث میں ہے کہ فتنوں کے زمانوں میں انسان قبر کو دیکھ کر کہے گا کاش کہ میں اس جگہ ہوتا کیونکہ فتنوں بلاؤں زلزلوں اور سختیوں نے ہر ایک مفتون کو فتنے میں ڈال رکھا ہوگا۔ ابن جریر میں ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ان بیٹوں کے لئے جن سے بہت سے قصور سرزد ہو چکے تھے۔ استغفار کیا تو اللہ نے ان کا استغفار قبول کیا اور انہیں بخش دیا۔

حضرت یعقوب و یوسف علیہ السلام کی برادران یوسف کی بخشش کیلئے دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سارا خاندان مصر میں جمع ہو گیا تو برادران یوسف نے ایک روز آپس میں کہا کہ ہم نے ابا جان کو جتنا ستایا ہے ظاہر ہے ہم نے بھائی یوسف پر جو ظلم توڑے ہیں، ظاہر ہیں۔ اب گو یہ دونوں بزرگ ہمیں کچھ نہ کہیں اور ہماری خطا سے درگزر فرما جائیں۔ لیکن کچھ خیال بھی ہے کہ اللہ کے ہاں ہماری کیسی درگت بنے گی؟ آخر یہ ٹھیری کہ آؤ اباجی کے پاس چلیں اور ان سے التجائیں کریں۔ چنانچہ سب مل کر آپ کے پاس آئے۔

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بھی باپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آتے ہی انہوں نے بیک زبان کہا کہ حضور ہم آپ کے پاس ایک ایسے اہم امر کے لئے آج آئے ہیں کہ اس سے پہلے کبھی ایسے اہم کام کے لئے آپ کے پاس نہیں آئے تھے، اباجی اور اے بھائی صاحب ہم اس وقت ایسی مصیبت میں مبتلا ہیں اور ہمارے دل اس قدر کپکپا رہے ہیں کہ آج سے پہلے ہماری ایسی حالت کبھی نہیں ہوئی۔ الغرض کچھ اس طرح نرمی اور لجاجت کی کہ دونوں بزرگوں کا دل بھر آیا ظاہر ہے کہ انبیا کے دلوں میں تمام مخلوق سے زیادہ رحم اور نرمی ہوتی ہے۔ پوچھا کہ آخر تم کیا کہتے ہو اور ایسی تم پر کیا پتا پڑی ہے؟ سب نے کہا آپ کو خوب معلوم ہے کہ ہم نے آپ کو کس قدر ستایا، ہم نے بھائی پر کیسے ظلم و ستم ڈھائے؟ دونوں نے کہا ہاں معلوم ہے پھر؟ کہا کیا یہ درست ہے کہ آپ دونوں نے ہماری تقصیر معاف فرما دی؟ ہاں بالکل درست ہے۔ ہم دل سے معاف کر چکے۔ تب لڑکوں نے کہا، آپ کا معاف کر دینا بھی بیسود ہے۔

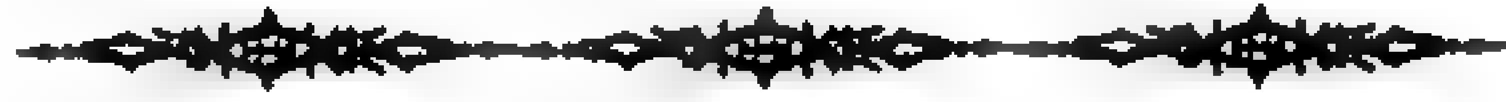
بیس سال تک مسلسل دعا مانگنے کا واقعہ

جب تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف نہ کر دے۔ پوچھا اچھا پھر مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ جواب دیا یہی کہ آپ ہمارے لئے اللہ سے بخشش طلب فرمائیں، یہاں تک کہ بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہو جائے کہ اللہ نے ہمیں بخش دیا تو البتہ ہماری آنکھوں میں نور اور دل میں سرور آ سکتا ہے ورنہ ہم تو دونوں جہاں سے گئے گزرے۔ اس وقت آپ کھڑے ہو گئے، قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے حضرت

یوسف علیہ السلام آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے، بڑے ہی خشوع خضوع سے جناب باری میں گڑگڑا کر دعائیں شروع کیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام دعا کرتے تھے اور حضرت یوسف آمین کہتے تھے، کہتے ہیں کہ بیس سال تک دعا مقبول نہ ہوئی۔

آخر بیس سال تک جب کہ بھائیوں کا خون اللہ کے خوف سے خشک ہونے لگا، تب وحی آئی اور قبولیت دعا اور بخشش فرزندان کی بشارت سنائی گئی بلکہ یہ بھی فرمایا گیا کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ تیرے بعد نبوت بھی انہیں ملے گی۔

یہ قول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی موت کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ مجھے ابراہیم و اسحاق کی جگہ میں دفن کرنا چنانچہ بعد از انتقال آپ نے یہ وصیت پوری کی اور ملک شام کی زمین میں آپ کے باپ دادا کے پاس دفن کیا۔ علیہم الصلوات والسلام



حضرت شمعون علیہ السلام

حضرت شمعون علیہ السلام

جس نبی کا یہاں ذکر ہے ان کا نام حضرت قتادہ نے حضرت یوشع بن نون بن افرایم بن یوسف بن یعقوب بتایا ہے، لیکن یہ قول ٹھیک معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ کے بعد کا حضرت داؤد کے زمانے کا ہے، جیسا کہ صراحتاً وارد ہوا ہے، اور حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔

سدی کا قول ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شمعون ہیں، مجاہد کہتے ہیں یہ شمویل بن یالی بن علقمہ بن صفیہ بن علقمہ با ابو ہاشف بن قارون بن یصہر بن فاحث بن لاوی بن یعقوب بن اسحق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں،

واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد کچھ زمانہ تک تو بنی اسرائیل راہ حق پر رہے، پھر شرک و بدعت میں پڑ گئے مگر تاہم ان میں پے در پے انبیاء مبعوث ہوتے رہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی بیباکیاں حد سے گزر گئیں، اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا، خوب پٹے کٹے، اور اجڑے گئے، پہلے تو توراۃ کی موجودگی تابوت سکینہ کی موجودگی جو حضرت موسیٰ سے موروثی چلی آ رہی تھی ان کیلئے باعث غلبہ ہوتی تھی، مگر ان کی سرکشی اور بدترین گناہوں کی وجہ سے اللہ جل شانہ کی یہ نعمت بھی ان کے ہاتھوں چھن گئی اور نبوت بھی ان کے گھرانے میں ختم ہوئی، لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی جل شانہ کی یہ نعمت بھی ان کے ہاتھوں سے چھن گئی اور نبوت بھی ان کے گھرانے میں ختم ہوئی، لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چل آ رہی تھی، وہ سارے کے سارے لڑائیوں میں مرکھپ گئے، ان میں سے صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی، ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے اب بنی اسرائیل کی نظریں اس عورت پر تھیں، انہیں امید تھی کہ اللہ اسے لڑکا دے گا اور وہ لڑکا نبی بنے، خود ان بیوی صاحبہ کی بھی دن رات یہی دعا تھی جو اللہ نے قبول فرمائی اور انہیں لڑکا دیا جن کا نام شمویل یا شمعون رکھا، اس کے لفظی معنی ہیں کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمالی، نبوت کی عمر کو پہنچ کر انہیں بھی نبوت ملی، جب آپ نے دعوت نبوت دی تو قوم نے درخواست کی کہ آپ ہمارا بادشاہ مقرر کر دیجئے تا کہ ہم اس کی ماتحتی میں جہاد کریں، بادشاہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا لیکن پیغمبر نے اپنا کھٹکا بیان کیا کہ تم پھر جہاد سے جی نہ چراتے؟ قوم نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے ملک ہم سے چھین لیے گئے، ہمارے بال بچے گرفتار کئے گئے اور پھر بھی کیا ہم ایسے بے حمیت ہیں کہ مرنے مارنے سے ڈریں؟ اب جہاد فرض کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ بادشاہ کے ساتھ اٹھو، بس سنتے ہی سُن ہو گئے اور سوائے معدودے چند کے باقی سب نے منہ موڑ لیا، ان سے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، جس کا اللہ کو علم نہ ہو۔

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طالوت بنیامین بن حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہیں آپ کا نام طول قامت کی وجہ سے طالوت ہے حضرت اشمویل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عصا ملا تھا اور بتایا گیا تھا کہ جو شخص تمہاری قوم کا بادشاہ ہوگا اس کا قد اس عصا کے برابر ہوگا۔ آپ نے اس عصا سے طالوت کا قد ناپ کر فرمایا کہ میں تم کو حکم الٰہی بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کرتا ہوں اور بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔

(خازن و جمل)

انطاکیہ شہر میں حضرت شمعون علیہ السلام کا دعوت حق دینے کا واقعہ

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کا مختصر بیان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دو حواریوں صادق و صدوق کو انطاکیہ بھیجا تا کہ وہاں کے لوگوں کو جو بت پرست تھے دین حق کی دعوت دیں جب یہ دونوں شہر کے قریب پہنچے تو انہوں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ بکریاں چرا رہا ہے اس شخص کا نام حبیب نجار تھا اس نے ان کا حال دریافت کیا، ان دونوں نے کہا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ہیں تمہیں دین حق کی دعوت دینے آئے ہیں کہ بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرو، حبیب نجار نے نشانی دریافت کی انہوں نے کہا کہ نشانی یہ ہے کہ ہم بیماروں کو اچھا کرتے ہیں، اندھوں کو بینا کرتے ہیں، برص والے کا مرض دور کر دیتے ہیں، حبیب نجار کا ایک بیٹا دو سال سے بیمار تھا، انہوں نے اس پر ہاتھ پھیرا وہ تندرست ہوگیا،

حبیب ایمان لائے اور اس واقعہ کی خبر مشہور ہوگئی تا آنکہ ایک خلق کثیر نے ان کے ہاتھوں اپنے امراض سے شفا پائی یہ خبر پہنچنے پر بادشاہ نے انہیں بلا کر کہا کیا ہمارے معبودوں کے سوا اور کوئی معبود بھی ہے؟ ان دونوں نے کہا ہاں وہی جس نے تجھے اور تیرے معبودوں کو پیدا! کیا پھر لوگ ان کے درپے ہوئے اور انہیں مارا اور یہ دونوں قید کر لئے گئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شمعون کو بھیجا وہ اجنبی بن کر شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے مصاحبین و مقربین سے رسم و راہ پیدا کر کے بادشاہ تک پہنچے اور اس پر اپنا اثر پیدا کر لیا جب دیکھا کہ بادشاہ ان سے خوب مانوس ہوگیا ہے تو ایک روز بادشاہ سے ذکر کیا کہ دو جو آدمی قید کئے گئے ہیں کیا ان کی بات سنی گئی تھی وہ کیا کہتے تھے؟ بادشاہ نے کہا کہ نہیں جب انہوں نے نئے دین کا نام لیا فوراً ہی مجھے غصہ آ گیا شمعون نے کہا کہ اگر بادشاہ کی رائے ہو تو انہیں بلایا جائے دیکھیں ان کے پاس کیا ہے چنانچہ وہ دونوں بلائے گئے، شمعون نے ان سے دریافت کیا تمہیں کس نے بھیجا ہے؟

انہوں نے کہا اس اللہ نے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر جاندار کو روزی دی اور جس کا کوئی شریک نہیں، شمعون نے کہا اس کی مختصر صفت بیان کرو انہوں نے کہا وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے، شمعون نے کہا تمہاری نشانی کیا ہے؟ انہوں نے کہا جو بادشاہ چاہے تو بادشاہ نے ایک اندھے لڑکے کو بلایا انہوں نے دعا کی وہ فوراً بینا ہوگیا، شمعون نے بادشاہ سے کہا کہ اب مناسب یہ ہے کہ تو اپنے معبودوں سے کہہ کہ وہ بھی ایسا ہی کر کے دکھائیں تا کہ تیری اور ان کی عزت ظاہر ہو، بادشاہ نے شمعون سے کہا کہ تم سے کچھ چھپانے کی بات نہیں ہے ہمارا معبود نہ دیکھے، نہ سنے، نہ کچھ بگاڑ سکے، نہ بنا سکے پھر بادشاہ نے ان دونوں حواریوں

سے کہا کہ اگر تمہارے معبود کو مردے کے زندہ کر دینے کی قدرت ہو تو ہم اس پر ایمان لے آئیں،

انہوں نے کہا ہمارا معبود ہر شے پر قادر ہے، بادشاہ نے ایک دہقان کے لڑکے کو منگایا جس کو مرے ہوئے سات دن ہو گئے تھے اور جسم خراب ہو چکا تھا، بدبو پھیل رہی تھی۔ ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کیا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں مشرک مرا تھا مجھ کو جہنم کے سات وادیوں میں داخل کیا گیا، میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ جس دین پر تم ہو بہت نقصان دہ ہے، ایمان لاؤ اور کہنے لگا کہ آسمان کے دروازے کھلے اور ایک حسین جوان مجھے نظر آیا جوان تینوں شخصوں کی سفارش کرتا ہے، بادشاہ نے کہا کون تین؟ اس نے کہا ایک شمعون اور دو یہ، بادشاہ کو تعجب ہوا، جب شمعون نے دیکھا کہ اس کی بات بادشاہ میں اثر کر گئی تو اس نے بادشاہ کو نصیحت کی وہ ایمان لایا اور اس کی قوم کے کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ ایمان نہ لائے اور عذاب الٰہی سے ہلاک کیے گئے۔

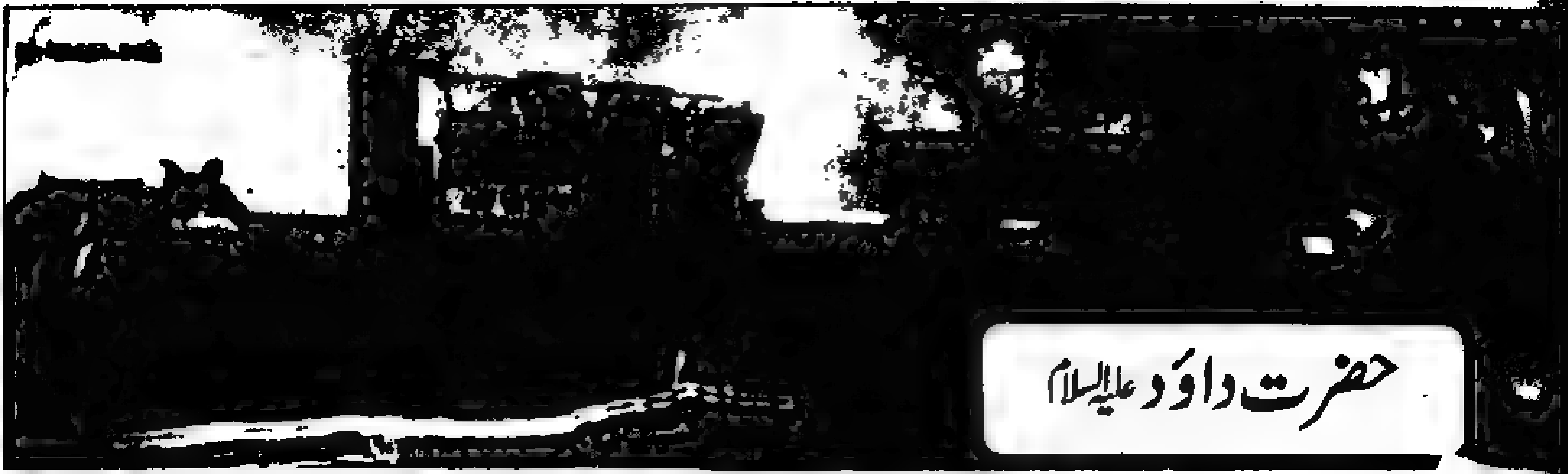
حق کا پیغام پہنچانے والوں کو شہید کرنے کا واقعہ

روایت ہے کہ اس بستی کے لوگ یہاں تک سرکش ہو گئے کہ انہوں نے پوشیدہ طور پر نبیوں کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ ایک مسلمان شخص جو اس بستی کے آخری حصے میں رہتا تھا جس کا نام حبیب تھا اور رسے کا کام کرتا تھا، تھا بھی بیمار، جذام کی بیماری تھی، بہت سخی آدمی تھا۔ جو کماتا تھا اس کا آدھا حصہ اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا کرتا تھا۔ دل کا نرم اور فطرت کا اچھا تھا۔ لوگوں سے الگ تھلگ ایک غار میں بیٹھ کر اللہ عزوجل کی عبادت کیا کرتا تھا۔ اس نے جب اپنی قوم کے اس بدارادے کو کسی طرح معلوم کیا تو اس سے صبر نہ ہو سکا دوڑتا بھاگتا آیا۔ بعض کہتے ہیں یہ بڑھئی تھے۔ ایک قول ہے کہ یہ دھوبی تھے۔

عمر بن حکم فرماتے ہیں جوتی گانٹھنے والے تھے۔ اللہ ان پر رحم کرے۔ انہوں نے آ کر اپنی قوم کو سمجھانا شروع کیا کہ تم ان رسولوں کی تابعداری کرو۔ ان کا کہا مانو۔ ان کی راہ چلو، دیکھو تو یہ اپنا کوئی فائدہ نہیں کر رہے یہ تم سے تبلیغ رسالت پر کوئی بدلہ نہیں مانگتے۔ اپنی خیر خواہی کی کوئی اجرت تم سے طلب نہیں کر رہے۔ دردِ دل سے تمہیں اللہ کی توحید کی دعوت دے رہے ہیں اور سیدھے اور سچے راستے کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ خود بھی اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ تمہیں ضرور ان کی دعوت پر لبیک کہنا چاہئے اور ان کی اطاعت کرنی چاہئے۔ لیکن قوم نے ان کی ایک نہ سنی بلکہ انہیں شہید کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ تمام کفار پل پڑے اور زدوکوب کرنے لگے۔ کون تھا جو انہیں بچاتا؟ پتھر مارتے مارتے انہیں اسی وقت فی الفور شہید کر دیا (رضی اللہ عنہ وارضاہ) یہ اللہ کے بندے یہ سچے ولی اللہ پتھر کھا رہے تھے لیکن زبان سے یہی کہے جا رہے تھے کہ اللہ میری قوم کو ہدایت کر یہ جانتے نہیں۔





ایک ہی مقدمہ میں داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے مختلف فیصلے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ کھیتی انگور کی تھی جس کے خوشے لٹک رہے تھے نفشت کے معنی ہیں رات کے وقت جانوروں کے چرنے کے۔ اور دن کے وقت چرنے کو عربی میں ہمل کہتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس باغ کو بکریوں نے بگاڑ دیا، حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ کیا کہ باغ کے نقصان کے بدلے یہ بکریاں باغ والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ سن کر عرض کی کہ اے اللہ کے نبی علیہ السلام اس کے سوا بھی فیصلے کی کوئی صورت ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ جواب دیا کہ بکریاں باغ والے کے حوالے کر دی جائیں وہ ان سے فائدہ اٹھاتا رہے اور باغ بکری والے کو دے دیا جائے یہ اس میں انگور کی بیلوں کی خدمت کرے یہاں تک کہ بیلیں ٹھیک ٹھاک ہو جائیں انگور لگیں اور پھر اسی حالت پر آ جائیں جس پر تھے تو باغ والے کو اس کا باغ سونپ دے اور باغ والا اسے اس کی بکریاں سونپ دے۔

یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ ہم نے اس جھگڑے کا صحیح فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ سن کر بکریوں والے اپنا سا منہ لے کر صرف کتوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے واپس جا رہے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر دریافت کیا کہ تمہارا فیصلہ کیا ہوا؟ انہوں نے خبر دی تو آپ نے فرمایا اگر میں اس جگہ ہوتا تو یہ فیصلہ نہ دیتا بلکہ کچھ اور فیصلہ کرتا حضرت داؤد علیہ السلام کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے انہیں بلوایا اور پوچھا کہ بیٹے تم کیا فیصلہ کرتے؟ آپ نے وہی اوپر والا فیصلہ سنایا۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان بکریوں نے خوشے اور پتے سب کھا لئے تھے۔

تو حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کے خلاف حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دیا کہ ان لوگوں کی بکریاں باغ والوں کو دے دی جائیں اور یہ باغ انہیں سونپا جائے جب تک باغ اپنی اصلی حالت پر آئے تب تک بکریوں کے بچے اور ان کا دودھ اور ان کا کل نفع باغ والوں کا۔ پھر ہر ایک کو ان کی چیز سونپ دی جائے۔ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی ایک ایسا ہی جھگڑا آیا تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر دن کو بکریوں نے نقصان پہنچایا ہے تب تو کوئی معاوضہ نہیں۔ اور اگر رات کو نقصان پہنچایا ہے تو بکریوں والے ضامن ہیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی اونٹنی کسی باغ میں چلی گئی اور وہاں باغ کا بڑا نقصان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ باغ والوں پر دن کے وقت باغ کی حفاظت ہے اور جو نقصان جانوروں سے رات کو ہو اس کا جرمانہ جانور والوں پر ہے۔

مروی ہے کہ حضرت ایاس بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ سے جب کہ قاضی بننے کی درخواست کی گئی تو وہ حسن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور روئے۔ پوچھا گیا کہ ابوسعید آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ اگر قاضی نے اجتہاد کیا پھر غلطی کی وہ جہنمی ہے اور جو خواہش نفس کی طرف جھک گیا وہ بھی جہنمی ہے ہاں جس نے اجتہاد کیا اور صحت پر پہنچ گیا وہ جنت میں پہنچا۔ حضرت حسن یہ سن کر فرمانے لگے سنو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی قضاۃ کا ذکر فرمایا ہے ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام اعلیٰ منصب پر ہوتے ہیں، ان کے قول سے ان لوگوں کی باتیں رد ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کی تعریف تو بیان فرمائی ہے لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کی مذمت بیان نہیں فرمائی۔

چھری سے بچے کے دو ٹکڑے کرنے کا واقعہ

سنن کی اور حدیث میں ہے قاضی تین قسم کے ہیں ایک جنتی دو جہنمی اور جس نے حق کو معلوم کر لیا اور اسی سے فیصلہ کیا وہ جنتی۔ اور جس نے جہالت کے ساتھ فیصلہ کیا وہ جہنمی اور جسنے حق کو جانتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ دیا وہ بھی جہنمی۔ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعے کے قریب ہی وہ قصہ ہے جو مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دو عورتیں تھیں جن کے ساتھ ان کے دو بچے بھی تھے بھیڑیا آ کر ایک بچے کو اٹھا لے گیا اب ہر ایک دوسری سے کہنے لگی کہ تیرا بچہ گیا اور جو ہے وہ میرا بچہ ہے۔ آخر یہ قصہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے بڑی عورت کو ڈگری دے دی کہ یہ بچہ تیرا ہے یہ یہاں سے نکلیں راستے میں حضرت سلیمان علیہ السلام تھے آپ نے دونوں کو بلایا اور فرمایا چھری لاؤ میں اس لڑکے کے دو ٹکڑے کر کے آدھا آدھا دونوں کو دے دیتا ہوں اس پر بڑی تو خاموش ہو گئی لیکن چھوٹی نے ہائے واویلا شروع کر دیا کہ اللہ آپ پر رحم کرے آپ ایسا نہ کیجئے یہ لڑکا اسی بڑی کا ہے اسی کو دے دیجئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام معاملے کو سمجھ گئے اور لڑکا چھوٹی عورت کو دلا دیا۔

یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر باب باندھا ہے کہ حاکم کو جائز ہے کہ اپنا فیصلہ اپنے دل میں رکھ کر حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے اس کے خلاف کچھ کہے۔

تہمت کے مقدمہ میں عورت کے بری ہونے کا عجیب واقعہ

ایسا ہی ایک واقعہ ابن عساکر میں ہے کہ ایک خوبصورت عورت سے ایک رئیس نے ملنا چاہا لیکن عورت نے نہ مانا اسی طرح تین اور شخصوں نے بھی اس سے بدکاری کا ارادہ کیا لیکن وہ باز رہی۔ اس پر وہ رؤسا خار کھا گئے اور آپس میں اتفاق کر کے حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں جا کر سب نے گواہی دی کہ وہ عورت اپنے کتے سے ایسا کام کرتی ہے چاروں کے متفقہ بیان پر حکم ہو گیا کہ اسے رجم کر دیا جائے۔ اسی شام کو حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر خود حاکم بنے اور چار لڑکے ان لوگوں کی طرح آپ کے پاس اس مقدمے کو لائے اور ایک عورت کی نسبت یہی کہا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا ان

چاروں کو الگ الگ کر دو۔ پھر ایک کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا کہ اس کتے کا رنگ کیسا تھا؟ اس نے کہا سیاہ۔ پھر دوسرے کو تنہا بلایا اس سے بھی یہی سوال کیا اس نے کہا سرخ۔ تیسرے نے کہا خاکی۔ چوتھے نے کہا سفید آپ نے اسی وقت فیصلہ دیا کہ عورت پر یہ نری تہمت ہے اور ان چاروں کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس بھی یہ واقعہ بیان کیا گیا۔ آپ نے اسی وقت فی الفور ان چاروں امیروں کو بلایا اور اسی طرح الگ الگ ان سے اس کتے کا رنگ کی بابت سوال کیا۔ یہ گڑبڑا گئے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا۔ آپ کو ان کا جھوٹ معلوم ہو گیا اور حکم فرمایا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو وہ نورانی گلا عطا فرمایا گیا تھا اور آپ ایسی خوش آوازی اور خلوص کے ساتھ زبور پڑھتے تھے کہ پرند بھی اپنی پرواز چھوڑ کر تھم جاتے تھے اور اللہ کی تسبیح بیان کرنے لگتے تھے اسی طرح پہاڑ بھی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کا بیان

ایک روایت میں ہے کہ رات کے وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت قرآن کریم کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی میٹھی رسیلی اور خلوص بھری آواز سن کر ٹھہر گئے اور دیر تک سنتے رہے پھر فرمانے لگے یہ تو آل داؤد کی آوازوں کی شیرینی دیئے گئے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب معلوم ہوا تو فرمانے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری قرأت سن رہے ہیں تو میں اور بھی اچھی طرح پڑھتا۔ حضرت ابوعثمان نہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے تو کسی بہتر سے بہتر باجے کی آواز میں بھی وہ مزہ نہیں پایا جو حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز میں تھا۔ پس اتنی خوش آوازی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کا ایک حصہ قرار دیا۔ اب سمجھ لیجئے کہ خود داؤد علیہ السلام کی آواز کیسی ہوگی؟ پھر اپنا ایک اور احسان بتاتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہیں بنانی ہم نے سکھا دی تھیں۔ آپ کے زمانے سے پہلے بغیر کنڈلوں اور بغیر حلقوں کی زرہ بنتی تھیں۔ کنڈلوں دار اور حلقوں والی زرہیں آپ نے ہی بنائیں۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا کہ وہ بہترین زرہ تیار کریں اور ٹھیک انداز سے ان میں حلقے بنائیں۔

یہ زرہیں میدان جنگ میں کام آتی تھیں۔ پس یہ نعمت وہ تھی جس پر لوگوں کو اللہ کی شکر گزاری کرنی چاہیے۔ ہم نے زور آور ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا جو انہیں ان کے فرمان کے مطابق برکت والی زمین یعنی ملک شام میں پہنچا دیتی تھی۔ ہمیں ہر چیز کا علم ہے۔ آپ اپنے تخت پر مع اپنے لاؤ لشکر اور سامان اسباب کے بیٹھ جاتے تھے۔ پھر جہاں جانا چاہتے ہوا آپ کو آپ کے فرمان کے مطابق گھڑی بھر میں وہاں پہنچا دیتی۔ تخت کے اوپر سے پرند پر کھولے آپ پر سایہ ڈالتے جیسے فرمان ہے آیت فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ 36) 38-ص:36) یعنی ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا کہ جہاں

پہنچنا چاہتے ان کے حکم کے مطابق اسی طرف نرمی سے لے چلتی۔ صبح شام مہینہ مہینہ بھر کی راہ کو طے کرلیتی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا جنات سے کام لینے کا واقعہ

حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چھ ہزار کرسی لگائی جاتی۔ آپ کے قریب مومن انسان بیٹھتے ان کے پیچھے مومن جن ہوتے۔ پھر آپ کے حکم سے سب پر پرند سایہ کرتے پھر حکم کرتے تو ہوا آپ کو لے چلتی۔

عبداللہ بن عبید بن عمیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام ان کو حکم دیتے وہ مثل بڑے تودے کے جمع ہو جاتی گویا پہاڑ ہے پھر اس کے سب سے بلند مکان پر فرش افروز ہونے کا حکم دیتے پھر پہردار گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے فرش پر چڑھ جاتے پھر ہوا کو حکم دیتے وہ آپ کو بلندی پر لے جاتی آپ اس وقت سر نیچا کر لیتے دائیں بائیں بالکل نہ دیکھتے اس میں آپ کی تواضع اور اللہ کی شکر گزاری مقصود ہوتی تھی۔ کیونکہ آپ کو اپنی فروتنی کا علم تھا۔ پھر جہاں آپ حکم دیتے وہیں ہوا آپ کو اتار دیتی۔ اسی طرح سرکش جنات بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے قبضے میں کر دیئے تھے جو سمندروں میں غوطے لگا کر موتی اور جواہر وغیرہ نکال لایا کرتے تھے اور بھی بہت سے کام کاج کرتے تھے جیسے فرمان ہے آیت (وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ 37) 38-ص:37) ہم نے سرکش جنوں کو ان کا ماتحت کر دیا تھا جو معمار تھے اور غوطہ خور۔ اور ان کے علاوہ اور شیاطین بھی ان کے ماتحت تھے جو زنجیروں میں بندھے رہتے تھے اور ہم ہی سلیمان کے حافظ و نگہبان تھے کوئی شیطان انہیں برائی نہ پہنچا سکتا تھا بلکہ سب کے سب ان کے ماتحت فرماں بردار اور تابع تھے کوئی ان کے قریب بھی نہ پھٹک سکتا تھا کی آپ کی حکمرانی ان پر چلتی تھی جسے چاہتے قید کر لیتے جسے چاہتے آزاد کر دیتے اسی کو فرمایا کہ اور جنات تھے جو جکڑے رہا کرتے تھے۔

تابوت سکینہ اور جنگ طالوت و جالوت

نبی علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ طالوت کی بادشاہت کی پہلی علامت برکت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ انہیں پھر مل جائے گا جس میں وقار و عزت دلجمعی اور جلالت رافت و رحمت ہے، جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو، بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء کے دل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ کو ملا تھا اور جس میں آپ نے توراۃ کی تختیاں رکھی تھیں، کسی نے کہا ہے اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی، ہاتھ بھی تھا، دو سر تھے، دو پر تھے اور دُم بھی تھی، وہب کہتے ہیں مردہ بلی کا سر تھا جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں نصرت کا یقین ہو جاتا اور لڑائی فتح ہو جاتی، یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی اللہ کی طرف سے جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی تو وہ کہہ دیا کرتی تھی۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے ورثے کے باقی حصے سے مراد لکڑی اور توراۃ کی تختیاں اون اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتی ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان و زمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا، اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبی کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ گائے کے اوپر لایا گیا،

بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا، تب وہ کفار صبح کو جب بت خانے میں گئے تو دیکھا بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے، انہں نے پھر بت کو اوپر کر دیا لیکن دوسری صبح دیکھا کہ پھر وہی معاملہ ہے انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا، صبح جو گئے تو دیکھا بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے، تو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے لے جا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں رکھ دیا، وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی، آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی، اس نے کہا کہ اسے واپس بنی اسرائیل پہنچا دو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی، ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو رکھ کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا، شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے، بعض کہتے ہیں دو نوجوان اسے پہنچا گئے۔

یہ بھی کہا گیا کہ ہے کہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدوہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے، اگر تمہیں اللہ عزوجل اور قیامت پر ایمان ہو۔

چھہتر ہزار لوگوں کا نہر شریعہ سے پانی پینے کا واقعہ

اب واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے طالوت کی بادشاہت تسلیم کر لی اور وہ انہیں لے کر جہاد کو چلے، حضرت سدی کے قول کے مطابق ان کی تعداد اسی ہزار تھی، راستے میں طالوت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ساتھ آزمانے والا ہے،

حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی اس کا نام نہر الشریعہ تھا، طالوت نے انہیں ہوشیار کر دیا کہ کوئی اس نہر کا پانی نہ پیئے، اگر پی لے گا تو میرے ساتھ نہ چلے، ایک آدھ گھونٹ اگر کسی نے پی لی تو کچھ حرج نہیں، لیکن جب وہاں پہنچے پیاس کی شدت تھی، نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنہوں نے نہ پیا ایک چلو پی لیا،

بقول ابن عباس کے ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں بھی شامل رہے لیکن پوری پیاس پینے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ قابل جہاد رہے، سدی فرماتے ہیں اسی ہزار میں سے چھہتر ہزار نے پانی پی لیا صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طالوت بادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی، جو آپ کے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا یعنی تین سو تیرہ یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے ان کے حوصلے توڑ دیئے، صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت کے لشکر سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے، گو سرفروش مجاہد علماء کرام نے انہیں ہر طرح ہمت بندھوائی، وعظ کہے، فرمایا کہ قلت و کثرت پر فتح موقوف نہیں صبر اور نیک نیتی پر ضرور

اللہ کی امداد ہوتی ہے۔ بار ہا ایسا ہوا ہے کہ مٹھی بھر لوگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نیچا دکھا دیا ہے، تم صبر کرو، طبیعت میں استقلال اور عزم رکھو، اللہ کے وعدوں پر نظریں رکھو، اس صبر کے بدلے اللہ تمہارا ساتھ دے گا لیکن تاہم ان کے سر دل نہ گرمائے اور ان کی بزدلی دور نہ ہوئی۔

جنگ طالوت جالوت کے مارے جانے کا واقعہ

یعنی جس وقت مسلمانوں کی اس مختصر جماعت نے کفار کے ٹڈی دل لشکر دیکھے تو جناب باری میں گڑگڑا کر دعائیں کرنی شروع کیں کہ اے اللہ ہمیں صبر و ثبات کا پہاڑ بنا دے۔ لڑائی کے وقت ہمارے قدم جما دے، منہ موڑنے اور بھاگنے سے ہمیں بچا لے اور ان دشمنوں پر ہمیں غالب کر، چنانچہ ان کی عاجزانہ اور مخلصانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں، اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور یہ مٹھی بھر جماعت اس ٹڈی دل لشکر کو تہس نہس کر دیتی ہے۔

اور حضرت داؤد کے ہاتھوں مخالفین کا سردار اور سرتاج جالوت مارا جاتا ہے، اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت طالوت نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم جالوت کو قتل کرو گے تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دوں گا اور اپنا آدھا مال بھی تمہیں دے دوں گا اور حکومت میں بھی برابر شریک کرلوں گا، چنانچہ حضرت داؤد نے پتھر کو فلاخن میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا، حضرت جالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا، بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہو گئے اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شموئیل کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی، حکمت سے مراد نبوت ہے اور بہت سے مخصوص علم بھی جو اللہ عزوجل نے چاہے اپنے اس نبی کو سکھائے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یوں پست لوگوں کی پستی نہ بدلتا جس طرح بنی اسرائیل کو طالوت جیسے مدبر بادشاہ اور داؤد جیسے دلیر سپہ سالار عطا فرما کر حکومت تبدیل نہ کرتا تو لوگ ہلاک ہو جاتے جیسے اور جگہ ہے آیت (ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوات و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا) یعنی یوں اگر ایک دوسرے کے دفیعہ نہ ہو تو عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے توڑ دی جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک نیک بخت ایماندار کی وجہ سے اس کے آس پاس کے سو سو گھرانوں سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔ پھر راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر نے اسی آیت کی تلاوت کی (ابن جریر)

اللہ تعالیٰ ایک سچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد کی اولاد کو اس کے گھر والوں کو اور ستوار دیتا ہے اور اس کی موجودگی تک وہ سب اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں، ابن مردویہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں ساٹھ شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہیں روزی دی جائے گی۔

ابن مردویہ کی دوسری حدیث میں ہے میری امت میں تیس ابدال ہوں گے جن کی وجہ سے تم روزیاں دیئے جاؤ گے، تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہاری مدد کی جائے گی۔

اس حدیث کے راوی حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے حضرت حسن بھی انہیں ابدال میں سے تھے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اور اس کا احسان ہے کہ وہ ایک کو دوسرے سے دفع کرتا ہے، وہی سچا حاکم ہے، اس کے تمام کام حکمت سے پر ہوتے ہیں، وہ اپنی دلیلیں اپنے بندوں پر واضح فرما رہا ہے۔ وہ تمام مخلوق پر فضل و کرم کرتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پر خصوصی انعامات

اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کی خبر دے رہا ہے جو اس نے اپنے بندے اور نبی حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہ السلام پر فرمائی تھیں کہ کس طرح دونوں جہان کی دولت سے انہیں مالا مال فرمایا۔ ان نعمتوں کے ساتھ ہی اپنے شکریئے کی بھی توفیق دی تھی۔ دونوں باپ بیٹے ہر وقت اللہ کی نعمتوں پر اس کی شکر گزاری کیا کرتے تھے اور اس کی تعریفیں بیان کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور ان پر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ نکتہ موجود ہے۔

حضرت داؤد کے وارث حضرت سلیمان ہوئے اس سے مراد مال کی وراثت نہیں بلکہ ملک و نبوت کی وراثت ہے۔ اگر مالی میراث مراد ہوتی تو اس میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام نہ آتا کیونکہ حضرت داؤد کی سو بیویاں تھیں۔ انبیاء کی مال کی میراث نہیں بٹتی۔ چنانچہ سید الانبیاء علیہ السلام کا ارشاد ہے ہم جماعت انبیاء ہیں ہمارے ورثے نہیں بٹا کرتے ہم جو کچھ چھوڑ جائیں صدقہ ہے حضرت سلیمان اللہ کی نعمتیں یاد کرتے فرماتے ہیں یہ پورا ملک اور یہ زبردست طاقت کہ انسان جن پرند سب تابع فرمان ہیں پرندوں کی زبان بھی سمجھ لیتے ہیں یہ خاص اللہ کا فضل و کرم ہے۔ جو کسی انسان پر نہیں ہوا۔

بعض جاہلوں نے کہا ہے کہ اس وقت پرند بھی انسانی زبان بولتے تھے۔ یہ محض ان کی بے علمی ہے بھلا سمجھو تو سہی اگر واقعی یہی بات ہوتی تو پھر اس میں حضرت سلیمان کی خصوصیت ہی کیا تھی جسے آپ اس فخر سے بیان فرماتے کہ ہمیں پرندوں کی زبان سکھا دی گئی پھر تو ہر شخص پرند کی بولی سمجھتا اور حضرت سلیمان کی خصوصیت جاتی رہتی۔ یہ محض غلط ہے پرند اور حیوانات ہمیشہ سے ہی ایسے ہی رہے ان کی بولیاں بھی ایسی ہی رہیں۔ یہ خاص اللہ کا فضل تھا کہ حضرت سلیمان ہر چرند پرند کی زبان سمجھتے تھے۔ ساتھ ہی یہ نعمت بھی حاصل ہوئی تھی۔ کہ ایک بادشاہت میں جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے سب حضرت سلیمان علیہ السلام کو قدرت نے مہیا کر دی تھیں۔ یہ تھا اللہ کا کھلا احسان آپ پر۔

ملک الموت کا گھر میں داخل ہونے کا واقعہ

مسند امام احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام بہت ہی غیرت والے تھے جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند کر جاتے پھر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی ایک مرتبہ آپ اسی طرح باہر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بیوی صاحبہ کی نظر اٹھی تو دیکھتی ہیں کہ گھر کے بیچوں بیچ ایک صاحب کھڑے ہیں حیران ہو گئیں اور دوسروں کو دکھایا۔ آپس میں سب کہنے لگیں یہ کہاں سے آ گئے؟ دروازے بند ہیں یہ کہاں سے آ گئے؟ اس نے جواب دیا وہ جسے کوئی روک اور دروازہ روک

نہ سکے وہ کسی بڑے سے بڑے کی مطلق پرواہ نہ کرے۔

حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے اور فرمانے لگے مرحبا مرحبا آپ ملک الموت ہیں اسی وقت ملک الموت نے آپ کی روح قبض کی۔سورج نکل آیا اور آپ پر دھوپ آ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت داؤد پر سایہ کریں انہوں نے اپنے پر کھول کر ایسی گہری چھاؤں کر دی کہ زمین پر اندھیرا سا چھا گیا پھر حکم دیا کہ ایک ایک کر کے اپنے سب پروں کو سمیٹ لو۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر پرندوں کے سایہ کرنے کا واقعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرندوں نے پھر پر کیسے سمیٹے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا ہاتھ سمیٹ کر بتلایا کہ اس طرح۔اس پر اس دن سرخ رنگ گدھ غالب آ گئے۔حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جمع ہوا جس میں انسان جن پرند سب تھے۔آپ سے قریب انسان تھے پھر جن تھے پرند آپ کے سروں پر رہتے تھے۔گرمیوں میں سایہ کر لیتے تھے۔سب اپنے اپنے مرتبے پر قائم تھے۔جس کی جو جگہ مقرر تھی وہ وہیں رہتا۔جب ان لشکروں کو لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام چلے۔

چیونٹیوں کے لشکر کو مسکرانے کا واقعہ

ایک جنگل پر گذر ہوا جہاں چیونٹیوں کا لشکر تھا۔لشکر سلیمان کو دیکھ کر ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ جاؤ اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ لشکر سلیمان چلتا ہوا تمہیں روند ڈالے اور انہیں علم بھی نہ ہو۔

حضرت حسن فرماتے ہیں اس چیونٹی کا نام حرس تھا یہ بنو شعبان کے قبیلے سے تھی۔تھی بھی لنگڑی بقدر بھیڑیے کے اسے خوف ہوا کہیں سب روندی جائیں گی اور پس جائیگی یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو تبسم بلکہ ہنسی آ گئی اور اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اپنی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا الہام کر جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں مثلاً پرندوں اور حیوانوں کی زبان سکھا دینا وغیرہ۔

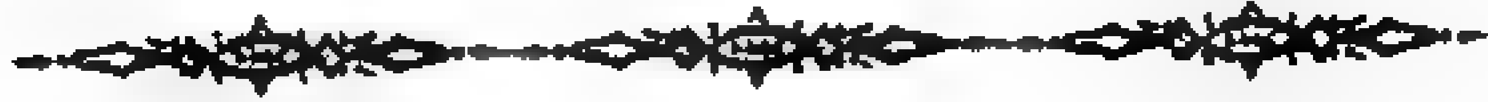
نیز جو نعمتیں تو نے میرے والدین پر انعام کی ہیں کہ وہ مسلمان مومن ہوئے وغیرہ۔

اور مجھے نیک عمل کرنے کی توفیق دے جن سے تو خوش ہو اور جب میری موت آ جائے تو مجھے اپنے نیک بندوں اور بلند رفقاء میں ملا دے جو تیرے دوست ہیں۔مفسرین کا قول ہے کہ یہ وادی شام میں تھی۔بعض اور جگہ بتاتے ہیں۔یہ چیونٹی مثل مکھیوں کے پردار تھی۔اور بھی اقوال ہیں نوف بکالی کہتے ہیں یہ بھیڑیئے کے برابر تھی۔ممکن ہے اصل میں لفظ ذباب ہو یعنی مکھی کے برابر اور کاتب کی غلطی وہ ذیاب لکھ دیا گیا ہو یعنی بھیڑیا۔حضرت سلیمان علیہ السلام چونکہ جانوروں کی بولیاں سمجھتے تھے اس کی بات کو بھی سمجھ گئے اور بے اختیار ہنسی آ گئی۔

چیونٹی کا بارش کیلئے دعا کرنے کا واقعہ

امام ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہ السلام استسقاء کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک

چیونٹی الٹی لیٹی ہوئی اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے دعا کر رہی ہے کہ اے اللہ ہم بھی تیری مخلوق ہیں پانی برسنے کی محتاج ہمیں بھی ہے۔ اگر پانی نہ برسا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے یہ دعا اس چیونٹی کی سن کر آپ نے لوگوں میں اعلان کیا لوٹ چلو کسی اور ہی کی دعا سے تم پانی پلائے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نبیوں میں سے کسی نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا انہوں نے چیونٹیوں کے سوراخ میں آگ لگانے کا حکم دے دیا اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے پیغمبر محض ایک چیونٹی کے کاٹنے پر تو نے ایک گروہ کے گروہ کو جو ہماری تسبیح خواں تھا۔ ہلاک کر دیا۔ تجھے بدلہ لینا تھا تو اسی سے لیتا۔



حضرت ایوب علیہ السلام

آزمائش اور مصائب ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیفوں کا بیان ہو رہا ہے جو مالی جسمانی اور اولاد پر مشتمل تھیں ان کے پاس بہت سے قسم قسم کے جانور تھے کھیتیاں باغات وغیرہ تھے اولاد بیویاں لونڈیاں غلام جائیداد اور مال ومتاع بھی کچھ اللہ کا دیا موجود تھا۔ اب جو رب کی طرف سے ان پر آزمائش آئی تو ایک سرے سے سب کچھ فنا ہوتا گیا یہاں تک کہ جسم میں جذام پھوٹ پڑا۔ دل وزبان کے سوا سارے جسم کا کوئی حصہ اس مرض سے محفوظ نہ رہا۔ یہاں تک کہ آس پاس والے کراہت کرنے لگے۔ شہر کے ایک ویران کونے میں آپ کو سکونت اختیار کرنی پڑی۔ سوائے آپ کی ایک بیوی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اور کوئی آپ کے پاس نہ رہا، اس مصیبت کے وقت سب نے کنارہ کرلیا۔

یہی ایک تھیں جو ان کی خدمت کرتی تھیں ساتھ ہی محنت مزدوری کرکے پیٹ پالنے کو بھی لایا کرتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت امتحان نبیوں کا ہوتا ہے، پھر صالح لوگوں کا پھر ان سے نیچے کے درجے والوں کا پھر ان سے کم درجے والوں کا۔ اور روایت میں ہے کہ ہر شخص کا امتحان اس کے دین کے انداز سے ہوتا ہے اگر وہ دین میں مضبوط ہے امتحان بھی سخت تر ہوتا ہے حضرت ایوب علیہ السلام بڑے ہی صابر تھے یہاں تک کہ صبر ایوب زبان زد عام ہے۔ یزید بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب آپ کی آزمائش شروع ہوئی اہل وعیال مرگئے مال فنا ہوگیا کوئی چیز ہاتھ تلے نہ رہی آپ اللہ کے ذکر میں اور بڑھ گئے کہنے لگے اے تمام پالنے والوں کے پالنے والے تو نے مجھ پر بڑے احسان کئے مال دیا اولاد دی اس وقت میرا دل بہت ہی مشغول تھا اب تو نے سب کچھ لے کر میرے دل کو ان فکروں سے پاک کردیا اب میرے دل میں اور تجھ میں کوئی حائل نہ رہا اگر میرا دشمن ابلیس تیری اس مہربانی کو جان لیتا تو وہ مجھ پر بہت ہی حسد کرتا ابلیس لعین اس قول سے اور اس وقت کی اس حمد سے جل بھن کر رہ گیا۔

آپ کی دعاؤں میں یہ بھی دعا تھی اے اللہ تو نے جب مجھے تونگر اور اولاد اور اہل وعیال والا بنا رکھا تھا تو خوب جانتا ہے کہ اس وقت میں نے نہ کبھی غرور وتکبر کیا نہ کبھی کسی پر ظلم ستم کیا۔ میرے پروردگار تجھ پر روشن ہے کہ میرا نرم وگرم بستر تیار ہوتا اور میں راتوں کو تیری عبادتوں میں گزارتا اور اپنے نفس کو اس طرح ڈانٹ دیتا کہ تو اس لئے پیدا نہیں کیا گیا تیری رضامندی کی طلب میں میں اپنی راحت وآرام کو ترک کردیا کرتا۔ (ابن ابی حاتم)

سات سال تک کی مدت امتحان میں رہنے کا واقعہ

مدتوں تک آپ ان بلاؤں میں مبتلا رہے۔ حضرت حسن اور قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں سات سال اور کئی ماہ آپ بیماری میں مبتلا رہے بنو اسرائیل کے کوڑے پھینکنے کی جگہ آپ کو ڈال رکھا تھا۔ بدن میں کیڑے پڑ گئے تھے پھر اللہ نے آپ پر رحم و کرم کیا تمام بلاؤں سے نجات دی اجر دیا اور تعریفیں کیں۔ وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ پورے تین سال آپ اس تکلیف میں رہے۔ سارا گوشت جھڑ گیا تھا۔ صرف ہڈیاں اور چمڑہ رہ گیا آپ دکھ میں پڑے رہتے تھے صرف ایک بیوی صاحبہ تھیں جو آپ کے پاس تھیں جب زیادہ زمانہ گزر گیا تو ایک روز عرض کرنے لگیں کہ اے نبی اللہ علیہ السلام آپ اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے کہ وہ اس مصیبت کو ہم پر سے ٹال دے۔

آپ فرمانے لگے ستر برس تک اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت وعافیت میں رکھا تو اگر ستر سال تک میں اس حالت میں رہوں اور صبر کروں تو یہ بھی بہت کم ہے اس پر بیوی صاحبہ کانپ اٹھیں آپ شہر میں جاتیں، لوگوں کا کام کاج کرتیں اور جو ملتا وہ لے آتیں اور آپ کو کھلاتیں پلاتیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے دو دوستوں کا شراب لے جانے کا واقعہ

آپ کے دو دوست اور دلی خیر خواہ دوست تھے انہیں فلسطین میں جا کر شیطان نے خبر دی کہ تمہارا دوست سخت مصیبت میں مبتلا ہے تم جاؤ ان کی خبر گیری کرو اور اپنے ہاں کی کچھ شراب اپنے ساتھ لے جاؤ وہ پلا دینا اس سے انہیں شفا ہو جائے گی چنانچہ یہ دونوں آئے حضرت ایوب علیہ السلام کی حالت دیکھتے ہی ان کے آنسو نکل آئے بلبلا کر رونے لگے آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے یاد دلایا تو آپ خوش ہوئے انہیں مرحبا کہا وہ کہنے لگے اے جناب آپ شاید کچھ چھپاتے ہوں گے اور ظاہر اس کے خلاف کرتے ہوں گے؟ آپ نے نگاہیں آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا اللہ خوب جانتا ہے کہ میں کیا چھپاتا تھا اور کیا ظاہر کرتا تھا میرے رب نے مجھے اس میں مبتلا کیا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ میں صبر کرتا ہوں یا بے صبری؟ وہ کہنے لگے اچھا ہم آپ کے واسطے دوا لائے ہیں آپ اسے پی لیجئے شفا ہو جائے گی یہ شراب ہے۔

ہم اپنے ہاں سے لائے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ سخت غضبناک ہوئے اور فرمانے لگے تمہیں شیطان خبیث لایا ہے تم سے کلام کرنا تمہارا کھانا پینا مجھ پر حرام ہے۔ یہ دونوں آپ کے پاس سے چلے گئے۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے بچے کی ٹکیاں واپس بھیج دیں

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کی بیوی صاحبہ نے ایک گھر والوں کی روٹیاں پکائیں ان کا ایک بچہ سویا ہوا تھا تو انہوں نے اس بچے کے حصے کی ٹکیا انہیں دے دی یہ لے کر حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آئیں آپ نے کہا یہ آج کہاں سے لائیں؟ انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔

آپ نے فرمایا ابھی ابھی واپس جاؤ ممکن ہے بچہ جاگ گیا ہو اور اسی نکیا کی ضد کرتا ہو اور رو رو کر سارے گھر والوں کو پریشان کرتا ہو۔ آپ روٹی واپس لے کر چلیں ان کی ڈیوڑھی میں بکری بندھی ہوئی تھی اس نے زور سے آپ کو ٹکر ماری آپ کی زبان سے نکل گیا دیکھو ایوب کیسے غلط خیال والے ہیں۔ پھر اوپر گئیں تو دیکھا واقعی بچہ جاگا ہوا ہے اور نکیا کے لئے مچل رہا ہے اور گھر بھر کا ناک میں دم کر رکھا ہے یہ دیکھ کر بیساختہ زبان سے نکلا کہ اللہ ایوب پر رحم کرے، اچھے موقعہ پر پہنچی۔ نکیا دے دی۔ اور واپس لوٹیں راستے میں شیطان بہ صورت طبیب ملا اور کہنے لگا کہ تیرے خاوند سخت تکلیف میں ہیں مرض پر مدتیں گزر گئیں تم انہیں سمجھاؤ فلاں قبیلے کے بت کے نام پر ایک مکھی ماردیں شفاء ہو جائے گی پھر توبہ کرلیں۔

جب آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو ان سے یہ کہا آپ نے فرمایا شیطان خبیث کا جادو تجھ پر چل گیا۔ میں تندرست ہو گیا تو تجھے سو کوڑے لگاؤں گا۔

سر کے بال بیچ کر خاوند کیلئے کھانا لانے کا واقعہ

ایک دن آپ حسب معمول تلاش معاش میں نکلیں گھر گھر پھر آئیں کہیں کام نہ لگا مایوس ہو گئیں شام کو پلٹتے وقت حضرت ایوب علیہ السلام کی بھوک کا خیال آیا تو آپ نے اپنے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر ایک امیر لڑکی کے ہاتھ فروخت کر دی اس نے آپ کو بہت کچھ کھانے پینے کا اسباب دیا۔ جسے لے کر آپ آئیں حضرت ایوب علیہ السلام نے پوچھا یہ آج اتنا سارہ اور اتنا اچھا کھانا کیسے مل گیا؟ فرمایا میں نے ایک امیر گھر کا کام کر دیا تھا۔ آپ نے کھا لیا دوسرے روز بھی اتفاق سے ایسا ہی ہوا اور آپ نے اپنے بالوں کی دوسری لٹ کاٹ کر فروخت کر دی اور کھانا لے آئیں آج بھی یہی کھانا دیکھ کر آپ نے فرمایا واللہ میں ہرگز نہ کھاؤں گا جب تک تو مجھے یہ نہ بتا دے کہ کیسے لائی؟ اب آپ نے اپنا دوپٹہ سر سے اتار دیا دیکھا کہ سر کے بال سب کٹ چکے ہیں اس وقت سخت گھبراہٹ اور بے چینی ہوئی اور اللہ سے دعا کی کہ مجھے ضرر پہنچا اور تو سب سے زیادہ رحیم ہے۔

حضرت نوف کہتے ہیں کہ جو شیطان حضرت ایوب علیہ السلام کے پیچھے پڑا تھا اس کا نام مسبوط تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی صاحبہ عموماً آپ سے عرض کیا کرتی تھیں کہ اللہ سے دعا کرو۔ لیکن آپ نہ کرتے تھے یہاں تک کہ ایک دن بنو اسرائیل کے کچھ لوگ آپ کے پاس سے نکلے اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگے اس شخص کو یہ تکلیف ضرور کسی نہ کسی گناہ کی وجہ سے ہے اس وقت بیساختہ آپ کی زبان سے یہ دعا نکل گئی۔

دکھیے کا درد دکھیے جانے کی سبق آموز مثال

حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کہ دو بھائی تھے ایک دن وہ ملنے کے لئے آئے۔ لیکن جسم کی بدبو کی وجہ سے قریب نہ آسکے دور ہی سے کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر اس شخص میں بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت میں نہ ڈالتا اس بات نے حضرت ایوب علیہ السلام کو وہ صدمہ پہنچایا جو آج تک آپ کو کسی چیز سے نہ ہوا تھا اس وقت کہنے لگے اللہ کوئی رات مجھ پر ایسی نہیں گزری کہ کوئی بھوکا شخص میرے علم میں ہو اور میں نے پیٹ بھر لیا ہو پروردگار

کر میں اپنی اس بات میں تیرے نزدیک سچا ہوں تو میری تصدیق فرما۔ اُسی وقت آسمان سے آپ کی تصدیق کی گئی تھی اور وہ دونوں سن رہے تھے۔ پھر فرمایا کہ پروردگار کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے پاس ایک سے زائد کپڑے ہوں اور میں نے کسی ننگے کو نہ دیے ہوں کر میں اس میں سچا ہوں تو میری تصدیق آسمان سے کر۔ اس پر بھی آپ کی تصدیق ان کے سنتے ہوئے کی گئی۔

پھر یہ دعا کرتے ہوئے سجدے میں گر پڑے کہ اے اللہ میں تو اب سجدے سے سر نہ اٹھاؤں گا جب تک کہ تو مجھ سے ان تمام مصیبتوں کو دور نہ کر دے جو مجھ پر نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی۔ اور اس سے پہلے کہ آپ سر اٹھائیں تمام تکلیفیں اور بیماریاں دور ہوگئیں جو آپ پر اتری تھیں۔

اٹھارہ سال تک امتحان میں رہ کر صبر کرنے کا واقعہ

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام اٹھارہ برس تک بلاؤں میں گھرے رہے پھر ان کے دو دوستوں کے آنے اور بدگمانی کرنے کا ذکر ہے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میری تو یہ حالت تھی کہ راستہ چلتے دو شخصوں کو جھگڑتا دیکھتا اور ان میں سے کسی کو قسم کھاتے سن لیتا تو گھر آ کر اس کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا کہ ایسا نہ ہو کہ اس نے نام ناحق لیا ہو۔ آپ اپنی اس بیماری میں اس قدر رنڈھال ہوگئے تھے کہ آپ کی بیوی صاحبہ ہاتھ تھام کر پاخانہ پیشاب کے لئے لے جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ کو حاجت تھی آپ نے آواز دی لیکن انہیں آنے میں دیر لگی آپ کو سخت تکلیف ہوئی اسی وقت آسمان سے ندا آئی کہ اے ایوب اپنی ایڑی زمین پر مارو اسی پانی کو پی بھی لو اور اسی سے نہا بھی لو اس حدیث کا مرفوع ہونا بالکل غریب ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی تندرستی کا لوٹ آنا

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے جنت کا حلہ نازل فرمادیا جسے پہن کر آپ یکسو ہو کر بیٹھ گئے۔ جب آپ کی بیوی آئیں اور آپ کو نہ پہچان سکیں تو آپ سے پوچھنے لگیں اے اللہ کے بندے یہاں ایک بیمار بیکس بے بس تھے تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیا ہوئے؟ کہیں انہیں بھیڑیئے نہ کھا گئے ہوں یا کتے نہ لے گئے ہوں؟ تب آپ نے فرمایا نہیں نہیں وہ بیمار ایوب میں ہی ہوں۔ بیوی صاحبہ کہنے لگی اے شخص تو مجھ دکھیا عورت سے ہنسی کر رہا ہے اور مجھے بنا رہا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں مجھے اللہ نے شفا دے دی اور یہ رنگ روپ بھی۔ آپ کا مال آپ کو واپس دیا گیا آپ کی اولاد وہی آپ کو واپس ملی اور ان کے ساتھ ہی ویسی ہی اور بھی وحی میں یہ خوشخبری بھی سنا دی گئی تھی اور فرمایا گیا تھا کہ قربانی کرو اور استغفار کرو، تیرے اپنوں نے تیرے بارے میں میری نافرمانی کر لی تھی۔

اور روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو عافیت عطا فرمائی آسمان سے سونے کی ٹڈیاں ان پر برسائیں جنہیں لے کر آپ نے اپنے کپڑے میں جمع کرنی شروع کر دیں تو آواز دی گئی کہ اے ایوب کیا تو اب تک آسودہ نہیں ہوا آپ نے جواب دیا کہ اے میرے پروردگار تیری رحمت سے آسودہ کون ہو سکتا ہے؟ پھر فرماتا ہے ہم نے اسے اس کے اہل

عطا فرمائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو فرماتے ہیں وہی لوگ واپس کئے گئے۔ آپ کی بیوی کا نام رحمت تھا۔ یہ قول اگر آیت سے سمجھا گیا ہے تو یہ بھی دور از کار امر ہے اور اگر اہل کتاب سے لیا گیا ہے تو وہ تصدیق تکذیب کے قابل ہے چیز نہیں۔

ابن عساکر نے ان کا نام اپنی تاریخ میں "لیا" بتایا ہے۔ یہ منشا بن یوسف بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی بیٹی ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت "لیا" حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ہیں جو شفیعہ کی زمین میں آپ کے ساتھ تھیں۔ مروی ہے کہ آپ سے فرمایا گیا کہ تیری اہل سب جنت میں ہیں تم کہو تو میں ان سب کو یہاں دنیا میں لا دوں اور کہو تو وہیں رہنے دوں اور دنیا میں ان کا عوض دوں آپ نے دوسری بات پسند فرمائی۔ پس آخرت کا اجر اور دنیا کا بدلہ دونوں آپ کو ملا۔ یہ سب کچھ ہماری رحمت کا ظہور تھا۔ اور ہمارے سچے عابدوں کے لئے نصیحت و عبرت تھی، آپ اہل بلا کے پیشوا تھے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ مصیبتوں میں پھنسے ہوئے لوگ اپنے لئے آپ کی ذات میں عبرت دیکھیں، بے صبری سے ناشکری نہ کرنے لگیں اور لوگ انہیں اللہ کے برے بندے نہ سمجھیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام صبر کا پہاڑ ثابت قدمی کا نمونہ تھے اللہ کے لکھے پر، اس کے امتحان پر انسان کو صبر و برداشت کرنی چاہیے نہ جانیں قدرت در پردہ اپنی کیا کیا حکمتیں دکھا رہی ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام

حضرت الیاس علیہ السلام کی رسالت کا بیان

وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (صافات،۱۲۳)

وہب کہتے ہیں ان کا سلسلہ نسب یوں ہے الیاس بن نسی بن فخاص بن عیزار بن ہارون بن عمران علیہ السلام۔ خرقیل علیہ السلام کے بعد یہ بنی اسرائیل میں بھیجے گئے تھے وہ لوگ بعل نامی بت کے پجاری بن گئے تھے۔ انہوں نے دعوت اسلام دی ان کے بادشاہ نے ان سے قبول بھی کر لی لیکن پھر مرتد ہو گیا اور لوگ بھی سرکشی پر تلے رہے اور ایمان سے انکار کر دیا آپ نے ان پر بددعا کی تین سال تک بارش نہ برسی۔ اب تو یہ سب تنگ آ گئے اور قسمیں کھا کھا کر اقرار کیا کہ آپ دعا کیجئے بارش برستے ہی ہم سب آپ کی رسالت پر ایمان لائیں گے۔

چنانچہ آپ کی دعا سے مینہ برسا۔ لیکن یہ کفار اپنے وعدے سے ٹل گئے اور اپنے کفر پر اڑ گئے۔ آپ نے یہ حالت دیکھ کر اللہ سے دعا کی کہ اللہ انہیں اپنی طرف لے لے۔ ان کے ہاتھوں تلے حضرت یسع بن اخطوب پلے تھے۔ حضرت الیاس کی اس دعا کے بعد انہیں حکم ملا کہ وہ ایک جگہ جائیں اور وہاں انہیں جو سواری ملے اس پر سوار ہو جائیں وہاں آپ گئے ایک نوری گھوڑا دکھائی دیا جس پر سوار ہو گئے اللہ نے انہیں بھی نورانی کر دیا اور اپنے پروں سے فرشتوں کے ساتھ اڑنے لگے اور ایک انسانی فرشتہ زمینی اور آسمانی بن گئے۔ اس کی صحت کا علم اللہ ہی کو ہے۔ ہے یہ بات اہل کتاب کی روایت سے حضرت الیاس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ کہ اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہو؟ اہل یمن اور قبیلہ ازوشنوہ رب کو بعل کہتے تھے۔ بعل نامی جس بت کی یہ پوجا کرتے تھے وہ ایک عورت تھی۔ ان کے شہر کا نام بعلبک تھا۔

تو اللہ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو خالق کل ہے اور بہترین خلاق ہے ایک بت کو پوج رہے ہو؟ اور اس کو پکارتے رہتے ہو؟ اللہ تعالیٰ تم سب کا اور تم سے اگلے تمہارے باپ دادوں کا رب ہے وہی مستحق عبادت ہے اس کے سوا کسی قسم کی عبادت کسی کے لائق نہیں۔ لیکن ان لوگوں نے اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صاف اور خیر خواہانہ نصیحت کو نہ مانا تو اللہ نے بھی انہیں عذاب پر حاضر کر دیا، کہ قیامت کے دن ان سے زبردست باز پرس اور ان پر سخت عذاب ہوں گے۔ ہاں ان میں سے جو توحید پر قائم تھے وہ بچ رہیں گے۔

ہم نے حضرت الیاس علیہ السلام کی ثناء جمیل اور ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی ہی رکھا کہ ہر مسلم کی زبان سے ان پر درودو

سلام بھیجا جاتا ہے۔

بعل بت کے آٹھ سو پجاریوں کا واقعہ

حضرت الیاس علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔ان کا ذکر قرآن مجید میں صرف دو ہی مقامات پر آیا ہے۔ایک یہ مقام اور دوسرا سورہ انعام آیت 85۔موجودہ زمانہ کے محققین ان کا زمانہ 875 اور 850 قبل مسیح کے درمیان متعین کرتے ہیں۔ وہ جلِعاد کے رہنے والے تھے (قدیم زمانہ میں جلِعاد اس علاقے کو کہتے تھے جو آج کل موجودہ ریاست اردن کے شمالی اضلاع پر مشتمل ہے اور دریائے یرموک کے جنوب میں واقع ہے۔) بائبل میں ان کا ذکر ایلیاہ تشبی (Elijah the Tishbite) کے نام سے کیا گیا ہے۔ان کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے رجُبعام (Rehoboam) کی نااہلی کے باعث بنی اسرائیل کی سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔ایک حصہ جو بیت المقدس اور جنوبی فلسطین پر مشتمل تھا، آل داؤد کے قبضے میں رہا، اور دوسرا حصہ جو شمالی فلسطین پر مشتمل تھا اس میں ایک مستقل ریاست اسرائیل کے نام سے قائم ہوگئی اور بعد میں سامریہ اس کا صدر مقام قرار پایا۔ اگرچہ حالات دونوں ہی ریاستوں کے دگرگوں تھے، لیکن اسرائیل کی ریاست شروع ہی سے سخت بگاڑ کی راہ پر چل پڑی تھی جس کی بدولت اس میں شرک و بت پرستی، ظلم و ستم اور فسق و فجور کا زور بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ جب اسرائیل کے بادشاہ اخی اب (Ahab) نے صیدا (موجودہ لبنان) کے بادشاہ کی لڑکی ایزبل (Iazebel) سے شادی کر لی تو یہ فساد اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔اس مشرک شہزادی کے اثر میں آ کر اخی اب خود بھی مشرک ہو گیا، اس نے سامریہ میں بعل کا مندر اور مذبح تعمیر کیا، خدائے واحد کی پرستش کے بجائے بعل کی پرستش رائج کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اسرائیل کے شہروں میں علانیہ بعل کے نام پر قربانیاں کی جانے لگیں۔

یہی زمانہ تھا جب حضرت الیاس علیہ السلام یکا یک منظر عام پر نمودار ہوئے اور انہوں نے جلِعاد سے آ کر اخی اب کو نوٹس دیا کہ تیرے گناہوں کی پاداش میں اب اسرائیل کے ملک پر بارش کا ایک قطرہ بھی نہ برسے گا حتیٰ کہ اوس تک نہ پڑے گی۔خدا کے نبی کا یہ قول حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور ساڑھے تین سال تک بارش بالکل بند رہی۔آخر کار اخی اب کے ہوش کچھ ٹھکانے آئے اور اس نے حضرت الیاس کو تلاش کرا کے بلوایا۔انہوں نے بارش کے لیے دعا کرنے سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ اسرائیل کے باشندوں کو اللہ ربّ العالمین اور بعل کا فرق اچھی طرح بتا دیں۔

اس غرض کے لیے انہوں نے حکم دیا کہ ایک مجمع عام میں بعل کے پوجاری بھی آ کر اپنے معبود کے نام پر قربانی کریں اور میں بھی اللہ رب العلمین کے نام پر قربانی کروں گا۔دونوں میں سے جس کی قربانی بھی انسان کے ہاتھوں سے آگ لگائے بغیر غیبی آگ سے بھسم ہو جائے اس کے معبود کی سچائی ثابت ہو جائے گی۔اخی اب نے یہ بات قبول کر لی۔چنانچہ کوہ کرمل (Carmel) پر بعل کے ساڑھے آٹھ سو پجاری جمع ہوئے اور اسرائیلیوں کے مجمع عام میں ان کا اور حضرت الیاس علیہ السلام کا

مقابلہ ہوا۔ اس مقابلے میں بعل پرستوں نے شکست کھائی اور حضرت الیاس نے سب کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ بعل ایک جھوٹا خدا ہے، اصل خدا وہی ایک اکیلا خدا ہے جس کے نبی کی حیثیت سے وہ مامور ہو کر آئے ہیں۔ اس کے بعد حضرت الیاس نے اسی مجمع عام میں بعل کے پجاریوں کو قتل کرا دیا اور پھر بارش کے لیے دعا کی جو فوراً قبول ہوئی یہاں تک کہ پورا ملک اسرائیل سیراب ہو گیا۔

اخی اب کے زن مرید ہونے کا واقعہ

لیکن معجزات کو دیکھ کر بھی زن مرید اخی اب اپنی بت پرست بیوی کے شکنجے سے نہ نکلا۔ اس کی بیوی ایزبل حضرت الیاس کی دشمن ہو گئی اور اس نے قسم کھالی کہ جس طرح بعل کے پجاری قتل کیے گئے ہیں اسی طرح الیاس علیہ السلام بھی قتل کیے جائیں گے۔ ان حالات میں حضرت الیاس کو ملک چھوڑنا پڑا اور چند سال تک وہ کوہ سینا کے دامن میں پناہ گزیں رہے۔ اس موقع پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو فریاد کی تھی اسے بائبل ان الفاظ میں نقل کرتی ہے۔

بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا اور تیرے مذبحوں کو ڈھا دیا اور تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں سو وہ میری جان لینے کے درپے ہیں۔ (سلاطین 19:10))

اسی زمانے میں بیت المقدس کی یہودی ریاست کے فرمانروا یہورام Jehoram)) نے اسرائیل کے بادشاہ اخی اب کی بیٹی سے شادی کر لی اور اس مشرک شہزادی کے اثر سے وہی تمام خرابیاں جو اسرائیل میں پھیلی ہوئی تھیں، یہودیہ کی ریاست میں بھی پھیلنے لگیں۔ حضرت الیاس نے یہاں بھی فریضۂ نبوت ادا کیا اور یہورام کو ایک خط لکھا جس کے یہ الفاظ بائبل میں نقل ہوئے ہیں:

خداوند تیرے باپ داؤد کا خدا یوں فرماتا ہے: اس لیے کہ تو نہ اپنے باپ یہوسفط کی راہوں پر اور نہ یہوداہ کے بادشاہ آسا کی راہوں پر چلا بلکہ اسرائیل کے بادشاہوں کی راہ پر چلا ہے اور یہوداہ اور یروشلم کے باشندوں کو زناکار بنایا جیسا اخی اب کے خاندان نے کیا تھا اور اپنے باپ کے گھرانے میں سے اپنے بھائیوں کو جو تجھ سے اچھے تھے قتل بھی کیا، سو دیکھ خداوند تیرے لوگوں کو اور تیری بیویوں کو اور تیرے سارے مال کو بڑی آفتوں سے مارے گا اور تو انتڑیوں کے مرض سے سخت بیمار ہو جائے گا یہاں تک کہ تیری انتڑیاں اس مرض کے سبب سے روز بروز نکلتی چلی جائیں گی (تواریخ 21:12-15))

اس خط میں حضرت الیاس نے جو کچھ فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔ پہلے یہورام کی ریاست بیرونی حملہ آوروں کی تاخت سے تباہ ہوئی اور اس کی بیویوں تک کو دشمن پکڑ لے گئے، پھر وہ خود انتڑیوں کے مرض سے ہلاک ہوا۔

چند سال کے بعد حضرت الیاس پھر اسرائیل تشریف لے گئے اور انہوں نے اخی اب کو، اور اس کے بعد اس کے بیٹے اَخزیاہ کو راہِ راست پر لانے کی مسلسل کوشش کی، مگر جو بدی سامریہ کے شاہی خاندان میں گھر کر چکی تھی وہ کسی طرح نہ نکلی۔ آخر کار حضرت کی بددعا سے اخی اب کا گھرانا ختم ہو گیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دنیا سے اٹھا لیا۔

(سلاطین باب 1-2-3-تواریخ باب 21)

حضرت لقمان علیہ السلام

حضرت لقمان کے نبی ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف اسلاف

اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے یا نہ تھے؟ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ آپ نبی نہ تھے پرہیزگار ولی اللہ اور اللہ کے پیارے بزرگ بندے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ حبشی غلام تھے اور بڑھئی تھے۔ حضرت جابر سے جب سوال ہوا تو آپ نے فرمایا حضرت لقمان پستہ قد اونچی ناک والے موٹے ہونٹ والے نبی تھے۔ سعد بن میسب فرماتے ہیں آپ مصر کے رہنے والے حبشی تھے۔ آپ کو حکمت عطا ہوئی تھی لیکن نبوت نہیں ملی تھی آپ نے ایک مرتبہ ایک سیاہ رنگ غلام حبشی سے فرمایا اپنی رنگت کی وجہ سے اپنے تئیں حقیر نہ سمجھ تین شخص جو تمام لوگوں سے اچھے تھے تینوں سیاہ رنگ تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور رسالت پناہ کے غلام تھے۔

حضرت مجع جو جناب فاروق اعظم کے غلام تھے اور حضرت لقمان حکیم جو حبشہ کے نوبہ تھے۔ حضرت خالد ربعی کا قول ہے کہ حضرت لقمان جو حبشی غلام بڑھی تھے ان سے ایک روز ان کے مالک نے کہا بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔ وہ دل اور زبان لے گئے کچھ دنوں بعد ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کرو اور دو بدترین گوشت کے ٹکڑے میرے پاس لاؤ آپ آج بھی یہی دو چیزیں لے گئے مالک نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بہترین مانگے تو بھی یہی لائے گئے اور بدترین مانگے گئے تو بھی یہی لائے گئے یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا جب یہ اچھے رہے تو ان سے بہترین جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ برے بن جائے تو پھر سب سے بدتر بھی یہی ہیں۔

حضرت مجاہد کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے نیک بندے تھے۔ سیاہ فام غلام تھے موٹے ہونٹوں والے اور بھرے قدموں والے اور بزرگ سے بھی یہ مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے۔ ایک اور قول ہے کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ ایک مرتبہ آپ کسی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک چرواہے نے آپ کو دیکھ کر کہا کیا تو وہی نہیں ہے جو میرے ساتھ فلاں فلاں جگہ بکریاں چرایا کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں اس نے کہا پھر تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا سچ بولنے اور بیکار کلام نہ کرنے سے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بلندی کی وجہ یہ بیان کی کہ اللہ کا فضل اور امانت ادائیگی اور کلام کی سچائی اور بے نفع کاموں کو چھوڑ دینا۔

الغرض ایسے ہی آثار صاف ہیں کہ آپ نبی نہ تھے۔ بعض روایتیں اور بھی ہیں جن میں گو صراحت نہیں کہ آپ نبی نہ تھے لیکن ان میں بھی آپ کا غلام ہونا بیان کیا گیا ہے جو ثبوت ہے اس امر کا کہ آپ نبی نہ تھے کیونکہ غلامی نبوت کے منافی ہے۔ انبیاء کرام

عالی نسب اور عالی خاندان کے ہوا کرتے تھے۔ اسی لئے جمہور سلف کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔ ہاں حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ آپ نبی تھے لیکن یہ بھی جب کے سند صحیح ثابت ہو جائے لیکن اسکی سند میں جابر بن یزید جعفی ہیں جو ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت لقمان ایک حکیم تھے

کہتے ہیں کہ حضرت لقمان حکیم سے ایک شخص نے کہا کیا تو بنی حسحاس کا غلام نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوں۔ اس نے کہا تو بکریوں کا چرواہا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوں۔ کہا گیا تو سیاہ رنگ نہیں؟ آپ نے فرمایا ظاہر ہے میں سیاہ رنگ ہوں تم یہ بتاؤ کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا یہی کہ پھر وہ کیا ہے؟ کہ تیری مجلس پر رہتی ہے؟ لوگ تیرے دروازے پر آتے ہیں تری باتیں شوق سے سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو بھائی جو باتیں میں تمہیں کہتا ہوں ان پر عمل کر لو تو تم بھی مجھ جیسے ہو جاؤ گے۔ آنکھیں حرام چیزوں سے بند کر لو۔ زبان بیہودہ باتوں سے روک لو۔ مال حلال کھایا کرو۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔ زبان سے سچ بات بولا کرو۔ وعدے کو پورا کیا کرو۔ مہمان کی عزت کرو۔ پڑوسی کا خیال رکھو۔ بیفائدہ کاموں کو چھوڑ دو۔ انہی عادتوں کی وجہ سے میں نے بزرگی پائی ہے۔

ابو داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضرت لقمان حکیم کسی بڑے گھرانے کے امیر اور بہت زیادہ کنبے قبیلے والے نہ تھے۔ ہاں ان میں بہت سی بھلی عادتیں تھیں۔ وہ خوش اخلاق خاموش غور و فکر کرنے والے گہری نظر والے دن کو نہ سونے والے تھے۔ لوگوں کے سامنے تھوکتے نہ تھے نہ پاخانہ پیشاب اور غسل کرتے تھے لغو کاموں سے دور رہتے ہنستے نہ تھے جو کلام کرتے تھے حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا جس دن ان کی اولاد فوت ہوئی یہ بالکل نہیں روئے۔ وہ بادشاہوں امیروں کے پاس اس لئے جاتے تھے کہ غور و فکر اور عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں بزرگی ملی۔

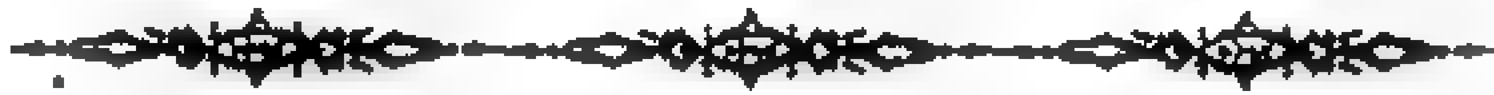
حضرت قتادہ سے ایک عجیب اثر وارد ہے کہ حضرت لقمان کو حکمت و نبوت کے قبول کرنے میں اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت قبول فرمائی راتوں رات ان پر حکمت برسادی گئی اور رگ و پے میں حکمت بھر دی گئی۔ صبح کو ان کی سب باتیں اور عادتیں حکیمانہ ہو گئیں۔ آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے نبوت کے مقابلے میں حکمت کیسے اختیار کی؟ تو جواب دیا کہ اگر اللہ مجھے نبی بنا دیتا تو اور بات تھی ممکن تھا کہ منصب نبوت کو میں نبھا جاتا۔ لیکن جب مجھے اختیار دیا گیا تو مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نبوت کا بوجھ نہ سہار سکوں۔ اس لئے میں نے حکمت ہی کو پسند کیا۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ (رضوی عفی عنہ)

حضرت قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مراد حکمت سے اسلام کی سمجھ ہے۔ حضرت لقمان نہ نبی تھے نہ ان پر وحی آئی تھی پس سمجھ علم اور عبرت مراد ہے۔ ہم نے انہیں اپنا شکر بجالانے کا حکم فرمایا تھا کہ میں۔ نے تجھے جو علم و عقل دی ہے اور دوسروں پر جو بزرگی عطا فرمائی ہے۔ اس پر تو میری شکر گزاری کر۔ شکر گذار کچھ مجھ پر احسان نہیں کرتا وہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے (وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ 44) 30-الروم:44) نیکی والے اپنے لئے بھی بھلا توشہ تیار کرتے ہیں۔

یہاں فرمان ہے کہ اگر کوئی ناشکری کرے تو اللہ کو اسکی ناشکری ضرر نہیں پہنچا سکتی وہ اپنے بندوں سے بے پرواہ ہے سب اس کے محتاج ہیں وہ سب سے بے نیاز ہے ساری زمین والے بھی اگر کافر ہو جائیں تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ سب سے غنی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔

حضرت لقمان بنی اسرائیل کے ایک قاضی تھے

محمد بن اسحٰق نے کہا کہ لقمان کا نسب یہ ہے لقمان بن باعور بن ناحور بن تارخ۔ وہب کا قول ہے کہ حضرت لقمان حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے۔ مقاتل نے کہا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی خالہ کے فرزند تھے۔ واقدی نے کہا کہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ہزار سال زندہ رہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علم اخذ کیا اور ان کے زمانہ میں فتویٰ دینا ترک کر دیا اگرچہ پہلے سے فتویٰ دیتے تھے، آپ کی نبوت میں اختلاف ہے اکثر علماء اسی طرف ہیں کہ آپ حکیم تھے نبی نہ تھے، حکمت عقل وفہم کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ حکمت وہ علم ہے جس کے مطابق عمل کیا جائے۔ بعض نے کہا کہ حکمت معرفت اور اصابت فی الامور کو کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکمت ایسی شی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جس کے دل میں رکھتا ہے اس کے دل کو روشن کر دیتی ہے۔



حضرت لوط علیہ السلام

لوط علیہ السلام کی بدنصیب قوم کا واقعہ

فرمان الٰہی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو بھی ہم نے ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا تو ان کے واقعہ کو بھی یاد کر، حضرت لوط علیہ السلام ہاران بن آزر کے بیٹے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے آپ ہی کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا تھا اور آپ ہی کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا نبی بنا کر سدوم نامی بستی کی طرف بھیجا آپ نے انہیں اور آس پاس کے لوگوں کو اللہ کی توحید اور اپنی اطاعت کی طرف بلایا نیکیوں کے کرنے برائیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا۔

جن میں ایک برائی اغلام بازی تھی جو ان سے پہلے دنیا سے مفقود تھی۔ اس بدکاری کے موجد یہی ملعون لوگ تھے۔ عمرو بن دینار یہی فرماتے ہیں۔ جامع دمشق کے بانی خلیفہ ولید بن عبدالملک کہتے ہیں اگر یہ خبر قرآن میں نہ ہوتی تو میں تو اس بات کو کبھی نہ مانتا کہ مرد مرد سے حاجت روائی کرلے۔

اسی لئے حضرت لوط علیہ السلام نے ان حرام کاروں سے فرمایا کہ تم سے پہلے تو یہ ناپاک اور خبیث فعل کسی نے نہیں کیا۔ عورتوں کو جو اس کام کیلئے تھیں چھوڑ کر تم مردوں پر ریجھ رہے ہو؟ اس سے بڑھ کر اسراف اور جہالت اور کیا ہوگی؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ آپ نے فرمایا یہ ہیں میری بچیاں یعنی تمہاری قوم کی عورتیں۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں ان کی چاہت نہیں۔ ہم تو تمہارے ان مہمان لڑکوں کے خواہاں ہیں مفسرین فرماتے ہیں جس طرح مرد مردوں میں مشغول تھے عورتیں عورتوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے گھر فرشتوں کا نزول

حضرت ابراہیم کو یہ فرشتے اپنا بھید بتا کر وہاں سے چل دیئے اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ان کے زمین میں یا ان کے مکان میں پہنچے۔ مرد خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تھے تا کہ قوم لوط کی پوری آزمائش ہو جائے، حضرت لوط ان مہمانوں کو دیکھ کر قوم کی حالت سامنے رکھ کر سٹ پٹا گئے، دل ہی دل میں پیچ تاب کھانے لگے کہ اگر انہیں مہمان بناتا ہوں تو ممکن ہے خبر پا کر لوگ چڑھ دوڑیں اور اگر مہمان نہیں رکھتا تو یہ انہی کے ہاتھ پڑ جائیں گے۔

زبان سے بھی نکل گیا کہ آج کا دن بڑا ہیبت ناک دن ہے۔ قوم والے اپنی شرارت سے باز نہیں آئیں گے۔ مجھ میں ان کے

مقابلہ کی طاقت نہیں۔ کیا ہوگا؟ قتادہ فرماتے ہیں۔ حضرت لوط اپنی زمین پر تھے کہ یہ فرشتے بصورت انسان آئے اور ان کے مہمان بنے۔ شرما شرمی انکار تو نہ سکے اور انہیں لے کر گھر چلے، راستے میں صرف اس نیت سے کہ یہ اب بھی واپس چلے جائیں ان سے کہا کہ واللہ یہاں کے لوگوں سے زیادہ برے اور خبیث لوگ اور کہیں نہیں ہیں۔ کچھ دور جا کر پھر یہی کہا غرض گھر پہنچنے تک چار بار یہی کہا۔ فرشتوں کو اللہ کا حکم بھی یہی تھا کہ جب تک ان کا نبی، ان کی برائی نہ بیان کرے انہیں ہلاک نہ کرنا۔ سدی فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے چل کر دوپہر کو یہ فرشتے نہر سدوم پہنچے وہاں حضرت لوط کی صاحبزادی جو پانی لینے گئی تھیں، مل گئیں۔ ان سے انہوں نے پوچھا کہ یہاں ہم کہیں ٹھہر سکتے ہیں۔ اس نے کہا آپ یہیں رکیئے میں واپس آ کر جواب دوں گی۔ انہیں ڈر لگا کہ اگر قوم والوں کے ہاتھ یہ لگ گئے تو ان کی بڑی بے عزتی ہوگی۔

یہاں آ کر والد صاحب سے ذکر کیا کہ شہر کے دروازے پر چند پردیسی نوعمر لوگ ہیں، میں نے تو آج تک نہیں دیکھے، جاؤ اور انہیں ٹھہراؤ ورنہ قوم والے انہیں ستائیں گے۔ اس بستی کے لوگوں نے حضرت لوط سے کہہ رکھا تھا کہ دیکھو کسی باہر والے کو تم اپنے ہاں ٹھیرایا نہ کرو۔ ہم آپ سب کچھ کر لیا کریں گے۔ آپ نے جب یہ حالت سنی تو جا کر چپکے سے انہیں اپنے گھر لے آئے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ مگر آپ کی بیوی جو قوم سے ملی ہوئی تھی،

اسی کے ذریعہ بات پھوٹ نکلی۔ اب کیا تھا۔ دوڑے بھاگے آ گئے، جسے دیکھو خوشیاں مناتا جلدی جلدی لپکتا چلا آتا ہے ان کی تو یہ خو خصلت ہوگئی تھی اس سیاہ کاری کو تو گویا انہوں نے عادت بنا لیا تھا۔ اس وقت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نصیحت کرنے لگے کہ تم اس بد خصلت کو چھوڑو اپنی خواہشیں عورتوں سے پوری کرو۔ بناتی یعنی میری لڑکیاں۔ اس لیے فرمایا کہ ہر نبی اپنی امت کا گویا باپ ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی ایک اور آیت میں ہے کہ اس وقت انہوں نے کہا تھا کہ ہم تو پہلے ہی آپ کو منع کر چکے تھے کہ کسی کو اپنے ہاں نہ ٹھیرایا کرو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں سمجھایا اور دنیا آخرت کی بھلائی انہیں بھائی اور کہا کہ عورتیں ہی اس بات کے لیے موزوں ہیں۔ ان سے نکاح کر کے اپنی خواہش پوری کرنا ہی پاک کام ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں یہ سمجھا جائے کہ آپ نے اپنی لڑکیوں کی نسبت یہ فرمایا تھا نہیں بلکہ نبی اپنی پوری امت کا گویا باپ ہوتا ہے۔ قتادہ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں یہ بھی نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت لوط نے عورتوں سے بے نکاح ملاپ کرنے کو فرمایا ہو۔ نہیں مطلب آپ کا ان سے نکاح کر لینے کے حکم کا تھا۔ فرماتے ہیں اللہ سے ڈرو میرا کہا مانو، عورتوں کی طرف رغبت کرو، ان سے نکاح کر کے حاجت روائی کرو۔ مردوں کی طرف اس رغبت سے نہ آؤ اور خصوصاً یہ تو میرے مہمان ہیں، میری عزت کا خیال کرو کیا تم میں ایک بھی سمجھدار، نیک راہ یافتہ بھلا آدمی نہیں۔ اس کے جواب میں ان سرکشوں نے کہا کہ ہمیں عورتوں سے کوئی سروکار ہی نہیں یہاں بھی بناتک یعنی تیری لڑکیاں کے لفظ سے مراد قوم کی عورتیں ہیں۔ اور تجھے معلوم ہے کہ ہمارا ارادہ کیا ہے یعنی ہمارا ارادہ ان لڑکوں سے ملنے کا ہے۔ پھر جھگڑا اور نصیحت بے سود ہے۔

لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہوتا ہے

حضرت لوط علیہ السلام نے جب دیکھا کہ میری نصیحت ان پر اثر نہیں کرتی تو انہیں دھمکایا کہ اگر مجھ میں قوت، طاقت ہوتی یا میرا کنبہ، قبیلہ زوردار ہوتا تو میں تمہیں تمہاری اس شرارت کا مزہ چکھا دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ اللہ کی رحمت ہو لوط علیہ السلام پر کہ وہ زور آور قوم کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ مراد اس سے ذات اللہ تعالیٰ عزوجل ہے۔ آپ کے بعد پھر جو پیغمبر بھیجا گیا وہ اپنے آبائی وطن میں ہی بھیجا گیا۔ ان کی اس افسردگی، کامل ملال اور سخت تنگ دلی کے وقت فرشتوں نے آپ کو ظاہر کر دیا کہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہم تک یا آپ تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ آپ رات کے آخری حصے میں اپنے اہل وعیال کو لے کر یہاں سے نکل جایئے خود ان سب کے پیچھے رہیے۔ اور سیدھے اپنی راہ چلے جائیں قوم والوں کی آہ وبکا پر ان کے چیخنے چلانے پر تمہیں مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہیے۔

پھر اس اثبات سے حضرت لوط کی بیوی کا استثنا کر لیا کہ وہ اس حکم کی پابندی نہ کر سکے گی۔ وہ عذاب کے وقت قوم کی ہائے وائے سن کر مڑ کر دیکھے گی۔ اس لیے کہ رحمانی قضا میں اس کا بھی ان کے ساتھ ہلاک ہونا طے ہو چکا ہے۔ ایک قرأت میں الا امراتک ت کے پیش سے بھی ہے جن لوگوں کے نزدیک پیش اور زبر دونوں جائز ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ آپ کی بیوی بھی یہاں سے نکلنے میں آپ کے ساتھ تھی لیکن عذاب کے نازل ہونے پر قوم کا شور سن کر صبر نہ کر سکی اور مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور زبان سے نکل گیا کہ ہائے میری قوم۔ اسی وقت آسمان سے ایک پتھر اس پر بھی آیا اور وہ ڈھیر ہو گئی۔ حضرت لوط کی مزید تشفی کے لیے فرشتوں نے اس خبیث قوم کی ہلاکت کا وقت بھی بیان کر دیا کہ یہ صبح ہوتے ہی تباہ ہو جائے گی۔ اور صبح اب بالکل قریب ہے۔ یہ کور باطن آپ کا گھر گھیرے ہوئے تھے اور ہر طرف سے لپکتے ہوئے آ پہنچے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام دروازے پر کھڑے ہوئے ان لوطیوں کو روک رہے تھے، جب کسی طرح وہ نہ مانے اور جب لوط علیہ السلام آزردہ خاطر ہو کر تنگ آ گئے اس وقت جبرائیل علیہ السلام گھر میں سے نکلے اور ان کے منہ پر اپنا پر مارا جس سے ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان لوگوں کے پاس آتے، انہیں سمجھاتے کہ دیکھو اللہ کا عذاب نہ خریدو مگر انہوں نے خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی بھی نہ مانی۔ یہاں تک کہ عذاب کے آنے کا قدرتی وقت آ پہنچا۔ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ اس وقت اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے انہوں نے کہا کہ آج کی رات ہم آپ کے مہمان ہیں۔ حضرت جبرائیل کو فرمان رب ہو چکا تھا کہ جب تک حضرت لوط علیہ السلام تین مرتبہ ان کی بدچلنی کی شہادت نہ دے لیں۔ ان پر عذاب نہ کیا جائے۔ آپ جب انہیں لے کر چلے تو چلنے کی خبر دی کہ یہاں کے لوگ بڑے ہیں یہ برائی ان میں گھسی ہوئی ہے۔

کچھ دور اور جانے کے بعد دوبارہ کہا کہ کیا تمہیں اس بستی کے لوگوں کی برائی کی خبر نہیں؟ میرے علم میں تو روئے زمین پر ان سے زیادہ برے لوگ نہیں، آہ میں تمہیں کہاں لے جاؤں؟ میری قوم تو تمام مخلوق سے بدتر ہے۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ

السلام نے فرشتوں سے کہا دیکھو دو مرتبہ یہ کہہ چکے۔ جب انہیں لے کر آپ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو رنج افسوس سے رو دیئے اور کہنے لگے میری قوم تمام مخلوق سے بدتر ہے۔ تمہیں کیا معلوم نہیں کہ یہ کس بدی میں مبتلا ہیں؟ روئے زمین پر کوئی بستی اس بستی سے بری نہیں۔

اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پھر فرشتوں سے فرمایا دیکھو تین مرتبہ یہ اپنی قوم کی بدچلنی کی شہادت دے چکے ہیں۔ یاد رکھنا اب عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ گھر میں گئے اور یہاں سے آپ کی بڑھیا بیوی اونچی جگہ پر چڑھ کر کپڑا ہلانے لگی جسے دیکھتے ہی بستی کے بدکار دوڑے پڑے۔ پوچھا کیا بات ہے اس نے کہا لوط کے ہاں مہمان آئے ہیں میں نے تو ان سے زیادہ خوب صورت اور ان سے زیادہ خوشبو والے لوگ کبھی دیکھے ہی نہیں۔ اب کیا تھا یہ خوشی خوشی مٹھیاں بند کیے دوڑتے بھاگتے حضرت لوط کے گھر گئے۔ چاروں طرف سے آپ کے گھر کو گھیر لیا۔ آپ نے انہیں قسمیں دیں، پند و نصائح کیے۔ فرمایا کہ عورتیں بہت ہیں۔ لیکن وہ اپنی شرارت اور اپنے بدارادے سے باز نہ آئے۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے عذاب کی اجازت چاہی اللہ کی جانب سے اجازت مل گئی۔ آپ اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہو گئے۔ آپ کے دو پر ہیں۔ جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہے۔ آپ کے دانت صاف چمکتے ہوئے ہیں۔ آپ کی پیشانی اونچی اور بڑی ہے۔ مرجان کی طرح کے دانت ہیں لولو ہیں اور آپ کے پاؤں سبزی کی طرح ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام سے آپ نے فرمایا کہ ہم تو تیرے پروردگار کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں، یہ لوگ تجھ تک پہنچ نہیں سکتے۔ آپ اس دروازے سے نکل جائیے۔ یہ کہہ کر ان کے منہ پر اپنا پر مارا جس سے وہ اندھے ہو گئے۔ راستوں تک کو نہیں پہچان سکتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنے اہل لے کر راتوں رات چل دیئے یہ اللہ کا حکم بھی تھا۔ محمد بن کعب قتادہ سدی وغیرہ کا یہی بیان ہے۔

ایمان والوں کے سبب بستی کے عدم ہلاکت کی روایت

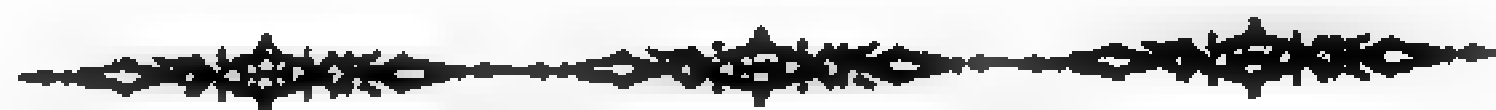
مہمانوں کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں جو دہشت سمائی تھی۔ ان کا حل کھل جانے پر وہ دور ہو گئی۔ پھر آپ نے اپنے ہاں لڑکا ہونے کی خوش خبری بھی سن لی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ فرشتے قوم لوط کی ہلاکت کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ تو آپ فرمانے لگے کہ اگر کسی بستی میں تین سو مومن ہوں کیا پھر بھی وہ بستی ہلاک کی جائے گی؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر پوچھا کہ اگر چالیس ہوں؟ جواب ملا پھر بھی نہیں۔ دریافت کیا اگر تیس ہوں۔ کہا گیا پھر بھی نہیں۔ یہاں تک کے تعداد گھٹاتے گھٹاتے پانچ کی بابت پوچھا تو فرشتوں نے یہی جواب دیا۔ پھر ایک ہی کی نسبت سوال کیا اور یہی جواب ملا تو آپ نے فرمایا پھر اس بستی کو حضرت لوط علیہ السلام کی موجودگی میں تم کیسے ہلاک کرو گے؟ فرشتوں نے کہا ہمیں وہاں حضرت لوط کی موجودگی کا علم ہے اسے اور اس کے اہل خانہ کو سوائے اس کی بیوی کے ہم بچا لیں گے۔ اب آپ کو اطمینان ہوا اور خاموش ہو گئے۔

آج کے ایٹم بم اس وقت کے پتھروں کی بارش

سورج کے نکلنے کے وقت اللہ کا عذاب ان پر آ گیا۔ان کی بستی سدوم نامی تہ وبالا ہوگئی۔عذاب نے اوپر تلے سے ڈھانک لیا۔آسمان سے پکی مٹی کے پتھران پر برسنے لگے۔جو سخت،وزنی اور بہت بڑے بڑے تھے۔صحیح بخاری شریف میں ہے سجین سجیل دونوں ایک ہی ہیں۔منضود سے مراد پے بہ پے تہ بہ تہ ایک کے بعد ایک کے ہیں۔ان پتھروں پر قدرتی طور پر ان لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔جس کے نام کا پتھر تھا اسی پر گرتا تھا۔وہ مثل طوق کے تھے جو سرخی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

یہ ان شہریوں پر بھی برسے اور یہاں کے جو لوگ اور گاؤں گوٹھ میں تھے ان پر بھی وہیں گرے۔ان میں سے جو جہاں تھا وہیں پتھر سے ہلاک کیا گیا۔کوئی کھڑا ہوا،کسی جگہ کسی سے باتیں کر رہا ہے وہیں پتھر آسمان سے آیا اور اسے ہلاک کر گیا۔غرض ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان سب کو جمع کر کے ان کے مکانات اور مویشیوں سمیت اونچا اٹھا لیا یہاں تک کہ ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آسمان کے فرشتوں نے سن لیں۔آپ اپنے داہنے پر کے کنارے پر ان کی بستی کو اٹھائے ہوئے تھے۔پھر انہیں زمین پر الٹ دیا۔ایک کو دوسرے سے ٹکرا دیا اور سب ایک ساتھ غارت ہوگئے اکے دکے جو رہ گئے تھے ان کے بھیجے آسمانی پتھروں نے پھوڑ دیئے اور محض بینام ونشان کر دیئے گئے۔مذکور ہے کہ ان کی چار بستیاں تھیں۔ہر بستی میں ایک لاکھ آدمیوں کی آبادی تھی۔ایک روایت میں ہے تین بستیاں تھیں۔بڑی بستی کا نام سدوم تھا۔یہاں کبھی کبھی خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آ کر وعظ نصیحت فرمایا کرتے تھے۔پھر فرماتا ہے یہ چیزیں کچھ ان سے دور نہ تھیں۔سنن کی حدیث میں ہے کسی اگر تم لواطت کرتا ہوا پاؤ تو اوپر والے نیچے والے دونوں کو قتل کر دو۔



MAQAM-E-PAYGAMBER SHOIB (A
KOH-E-TOOR (S.ARABIA)

حضرت شعیب علیہ السلام

خطیب الانبیاء شعیب علیہ اسلام

مشہور مؤرخ حضرت امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ لوگ مدین بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔حضرت شعیب میکیل بن یشجر کے لڑکے تھے ان کا نام سریانی زبان میں یژون تھا۔یہ یادر ہے کہ قبیلے کا نام بھی مدین تھا اور اس بستی کا نام بھی یہی تھا یہ شہر معان سے ہوتے ہوئے حجاز جانے والے کے راستے میں آتا ہے۔آیت قرآن ولما ورد ماء مدین میں شہر مدین کے کنویں کا ذکر موجود ہے اس سے مراد ایکہ والے ہیں جیسا کہ انشاء اللہ بیان کریں گے۔

آپ نے بھی تمام رسولوں کی طرح انہیں توحید کی اور شرک سے بچنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اللہ کی طرف سے میری نبوت کی دلیلیں تمہارے سامنے آچکی ہیں۔خالق کا حق بتا کر پھر مخلوق کے حق کی ادائیگی کی طرف رہبری کی اور فرمایا کہ ناپ تول میں کمی کی عادت چھوڑ و لوگوں کے حقوق نہ مارو۔کہو کچھ اور کرو کچھ یہ خیانت ہے فرمان ہے آیت (ویل للمطففین)ان ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے (ویل) ہے۔اللہ اس بدخصلت سے ہر ایک کو بچائے۔پھر حضرت شعیب علیہ السلام کا اور وعظ بیان ہوتا ہے۔

آپ کو بہ سبب فصاحت عبارت اور عمدگی وعظ کے خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا۔علیہ الصلوۃ والسلام۔

ناپ تول میں انصاف کرو

پہلے تو اپنی قوم کو ناپ تول کی کمی سے روکا۔اب لین دین کے دونوں وقت عدل وانصاف کے ساتھ پورے پورے ناپ تول کا حکم دیتے ہیں۔اور زمین میں فساد اور تباہ کاری کرنے کو منع کرتے ہیں۔ان میں رہزنی اور ڈاکے مارنے کی بدخصلت بھی تھی۔لوگوں کے حق مار کر نفع اٹھانے سے اللہ کا دیا ہوا نفع بہت بہتر ہے۔اللہ کی یہ وصیت تمہارے لیے خیریت لیے ہوئے ہے۔عذاب سے جیسے ہلاکت ہوتی ہے اس کے مقابلے میں رحمت سے برکت ہوتی ہے۔ٹھیک تول کر پورے ناپ کر حلال سے جو نفع ملے اسی میں برکت ہوتی ہے۔خبیث وطیب میں کیا مساوات؟ دیکھو میں تمہیں ہر وقت دیکھ نہیں رہا۔تمہیں برائیوں کا ترک اور نیکیوں کا فعل اللہ ہی کے لیے کرنا چاہیے نہ کہ دنیا دکھاوے کے لیے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنی بربادی کو آواز دی

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ کی تمام نصیحتیں سن کر جو جواب دیا اس کا ذکر کیا جارہا ہے ہوا یہ کہ دلیلوں سے ہار کر یہ لوگ اپنی قوت جتانے پر اتر آئے اور کہنے لگے اب تجھے اور تیرے ساتھیوں کو ہم دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیتے ہیں یا تو جلا

دلی قبول کر یا ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ ہم تو دل سے تمہارے ان مشرکانہ کاموں سے بیزار ہیں۔ انہیں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پھر تمہارے اس دباؤ اور اس خواہش کے کیا معنی؟ اگر اللہ کرے ہم پھر سے تمہارے کفر میں شامل ہو جائیں تو ہم سے بڑھ کر گناہگار کون ہوگا؟

اس کے تو صاف معنی یہ ہیں کہ ہم نے دو گھڑی پہلے محض ایک ڈھونگ رچایا تھا۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان باندھ کر نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ خیال فرمایئے کہ اس جواب میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے ایمان داروں کو مرتد ہونے سے کس طرح دھمکایا ہے؟ لیکن چونکہ انسان کمزور ہے۔ نہ معلوم کس کا دل کیسا ہے اور آگے چل کر کیا ظاہر ہونے والا ہے؟ اس لئے فرمایا کہ اللہ کے ہاتھ سب کچھ ہے اگر وہی کسی کے خیالات الٹ دے تو میرا زور نہیں۔ ہر چیز کے آغاز انجام کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ہمارا توکل اور بھروسہ اپنے تمام کاموں میں صرف اسی کی ذات پاک پر ہے۔ اے اللہ تو ہم میں اور ہماری قوم میں فیصلہ فرما ہماری مدد فرما تو سب حاکموں کا حاکم ہے، سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، عادل ہے، ظالم نہیں۔

قوم شعیب کا شوق تباہی پورا ہوا

اس قوم کی سرکشی بد باطنی ملاحظہ ہو کر مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کیلئے انہیں یقین دلا رہے ہیں کہ شعیب علیہ السلام کی اطاعت تمہیں غارت کر دے گی بڑے نقصان میں اتر جاؤ گے۔ ان مومنوں کے دلوں کو ڈرانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسمانی عذاب بصورت زلزلہ زمین سے آیا اور انہیں بچ بچ لرزا دیا اور غارت و برباد ہو کر خود ہی نقصان میں پھنس گئے۔ یہاں اس طرح بیان ہوا۔ سورۃ ہود میں بیان ہے کہ آسمانی کڑاکے کی آواز سے یہ ہلاک کئے گئے۔ وہاں بیان ہے کہ انہوں نے اپنے وطن سے نکل جانے کی دھمکی ایمان داروں کو دی تھی تو آسمانی ڈانٹ کی آواز نے ان کی آواز پست کر دی اور ہمیشہ کیلئے یہ خاموش کر دیئے گئے۔ سورۃ شعراء میں بیان ہے کہ بادل ان پر سے عذاب بن کر برسا۔ کیونکہ وہیں ذکر ہے کہ خود انہوں نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔

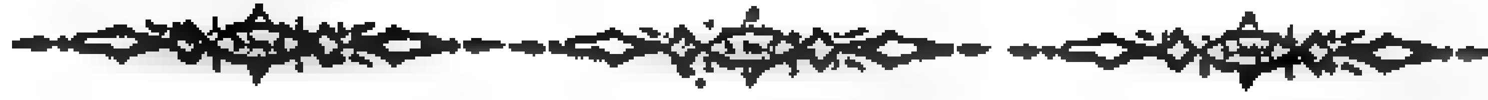
واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں عذاب ان پر ایک ساتھ آئے۔ ادھر ابر اٹھا جس سے شعلہ باری ہونے لگی، آگ برسنے لگی۔ ادھر تند اور سخت کڑاکے کی آواز آئی، ادھر زمین پر زلزلہ آیا۔ نیچے اوپر کے عذابوں سے دیکھتے ہی دیکھتے تہ و بالا کر دیئے گئے، اپنی اپنی جگہ ڈھیر ہو گئے یاد وہ وقت تھا کہ یہاں سے مومنوں کو نکالنا چاہتے تھے یا یہ وقت ہے کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کسی وقت یہاں یہ لوگ آباد بھی تھے یا مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ تم نقصان میں اترو گے یا یہ ہے کہ خود برباد ہو گئے۔

سرد ہوا دینے والا بادل آگ میں تبدیل ہو گیا

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر جہنم کا دروازہ کھولا اور ان پر دوزخ کی شدید گرمی بھیجی جس سے سانس بند ہو گئے، اب نہ انہیں سایہ کام دیتا تھا نہ پانی اس

حالت میں وہ تہ خانہ میں داخل ہوئے تا کہ وہاں انہیں کچھ امن ملے لیکن وہاں باہر سے زیادہ گرمی تھی وہاں سے نکل کر جنگل کی طرف بھاگے، اللہ تعالیٰ نے ایک اَبر بھیجا جس میں نہایت سرد اور خوش گوار ہوا تھی، اس کے سایہ میں آئے اور ایک نے دوسرے کو پکار پکار کر جمع کر لیا، مرد، عورتیں، بچے سب مجتمع ہو گئے تو وہ بحکم الٰہی آگ بن کر بھڑک اٹھا اور وہ اس میں اس طرح جل گئے جیسے بھاڑ میں کوئی چیز بھن جاتی ہے۔

حضرت قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب ایکہ کی طرف بھی مبعوث فرمایا تھا اور اہل مدین کی طرف بھی۔ اصحاب ایکہ تو اَبر سے ہلاک کئے گئے اور اہل مدین زلزلہ میں گرفتار ہوئے اور ایک ہولناک آواز سے ہلاک ہو گئے۔ (تفسیر خزائن العرفان)



مدین میں موجود وہ کنواں جس سے حضرت موسیٰ حضرت شعیب کی بکریوں کو پانی پلاتے تھے

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ

حکومت فرعون نے بنی اسرئیل کے یہاں جو نومولود بیٹے ہوتے تھے انھیں قتل کرنے کا ایک وسیع پروگرام بنایا تھا۔ یہاں تک کہ فرعون کی مقرر کردہ دائیاں بنی اسرائیل کی باردار عورتوں کی نگرانی کرتی تھیں۔

ان دائیوں میں سے ایک والدہ موسیٰ علیہ السلام کی دوست بن گئی تھی۔ (شکم مادر میں موسیٰ علیہ السلام کا حمل مخفی رہا اور اس کے آثار ظاہر نہ ہوئے) جس وقت مادر موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ بچے کی ولادت کا وقت قریب ہے تو آپ نے کسی کے ذریعہ اپنی دوست دائی کو بلانے بھیجا۔ جب وہ آ گئی تو اس سے کہا: میرے پیٹ میں ایک فرزند ہے، آج مجھے تمھاری دوستی اور محبت کی ضرورت ہے۔

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے تو آپ کی آنکھوں میں ایک خاص نور چمک رہا تھا، چنانچہ اسے دیکھ کر وہ دایہ کانپنے لگی اور اس کے دل کی گہرائی میں محبت کی ایک بجلی سما گئی، جس نے اس کے دل کی تمام فضاء کو روشن کر دیا۔

یہ دیکھ کر وہ دایہ، مادر موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر بولی کہ میرا یہ خیال تھا کہ حکومت کے دفتر میں جا کے اس بچے کے پیدا ہونے کی خبر دوں تا کہ جلاد آئیں اور اسے قتل کر دیں اور میں اپنا انعام پالوں۔ مگر میں کیا کروں کہ میں اپنے دل میں اس نوزائیدہ بچے کی شدید محبت کا احساس کرتی ہوں۔ یہاں تک کہ میں یہ نہیں چاہتی کہ اس کا بال بھی بیکا ہو۔ اس کی اچھی طرح حفاظت کرو۔ میرا خیال ہے کہ آخر کار یہی ہمارا دشمن ہوگا۔

جناب موسیٰ علیہ السلام تنور میں

وہ دایہ مادر موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے باہر نکلی۔ تو حکومت کے بعض جاسوسوں نے اسے دیکھ لیا۔ انھوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ گھر میں داخل ہو جائیں گے۔ موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن نے اپنی ماں کو اس خطرے سے آگاہ کر دیا۔ ماں یہ سن کے گھبرا گئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کرے۔

اس شدید پریشانی کے عالم میں جب کہ وہ بالکل حواس باختہ ہو رہی تھی۔ اس نے بچے کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور تنور میں ڈال دیا۔ اس دوران میں حکومت کے آدمی آ گئے۔ مگر وہاں انھوں نے روشن تنور کے سوا کچھ نہ دیکھا۔ انھوں نے مادر موسیٰ علیہ السلام سے تفتیش شروع کر دی۔ پوچھا۔ دایہ یہاں کیا کر رہی تھی۔؟ موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے کہا کہ وہ میری سہیلی ہے مجھ سے ملنے آئی

تھی۔حکومت کے کارندے مایوس ہو کے واپس ہو گئے۔

اب موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو ہوش آیا۔آپ نے اپنی بیٹی سے پوچھا کہ بچہ کہاں ہے؟اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ناگہاں تنور کے اندر سے بچہ کے رونے کی آواز آئی۔اب ماں تنور کی طرف دوڑی۔کیا دیکھتی ہے کہ خدا نے اس کے لئے آتش تنور کو ٹھنڈا اور سلامتی کہ جگہبنا دیا ہے۔وہی خدا جس نے حضرت ابراہیمعلیہ السلام کے لیے آتش نمرود کو بردوسلا بنا دیا تھا۔اس نے اپنا ہاتھ بڑھایااور بچے کو صحیح وسالم باھر نکال لیا۔

لیکن پھر بھی ماں محفوظ نہ تھی۔کیونکہ حکومت کے کارندے دائیں بائیں پھرتے رہتے اور جستجو میں لگے رہتے تھے۔کسی بڑے خطرے کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ ایک نوزائید بچے کے رونے کی آواز سن لیتے۔

اس حالت میں خدا کے ایک الھام نے ماں کے قلب کو روشن کردیا۔وہ الھام ایسا تھا کہ ماں کو بظاھر ایک خطرناک کام پر آمادہ کررھا تھا۔مگر پھر بھی ماں اس ارادے سے اپنے دل میں سکون محسوس کرتی تھی۔

ہم نے موسیٰعلیہ السلام کی ماں کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلا اور جب تجھے اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور ڈرنا نھیں اور نہ غمگین ہونا کیونکہ ھم اسے تیرے پاس لوٹا دیں گے اور اسے رسولوں میں سے قرار دیں گے۔

اس نے کھا: خدا کی طرف سے مجھ پر یہ فرض عائد ہوا ھے۔میں اسے ضرور انجام دوں گی۔اس نے پختہ ارادہ کرلیا کہ میں اس الھام کو ضرور عملی جامہ پہناؤں گی اور اپنے نوزائیدہ بچے کو دریائے نیل میں ڈال دوں گی۔!!

اس نے ایک مصری بڑھئی کو تلاش کیا (وہ بڑھئی قبطی اور فرعون کی قوم میں سے تھا)اس نے اس بڑھئی سے درخواست کی کہ میرے لیے ایک چھوٹا سا صندوق بنادے۔

بڑھئی نے پوچھا: جس قسم کا صندوقچہ تم بنوانا چاہتی ہو اسے کس کام میں لاؤ گی؟

موسیٰعلیہ السلام کی ماں جو دروغ گوئی کی عادی نہ تھی اس نازک مقام پر بھی سچ بولنے سے باز نہ رہی۔اس نے کھا: میں بنی اسرائیل کی ایک عورت ہوں۔میرا ایک نوزائید بچہ لڑکا ھے۔میں اس بچے کو اس صندوق میں چھپانا چاہتی ہوں۔

اس قبطی بڑھئی نے اپنے دل میں یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ جلادوں کو یہ خبر پہنچادیگا۔وہ تلاش کرکے ان کے پاس پہنچ گیا۔مگر جب وہ انھیں یہ خبر سنانے لگا تو اس کے دل پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ اس کی زبان بند ہوگئی۔وہ صرف ھاتھوں سے اشارے کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ ان علامتوں سے انھیں اپنا مطلب سمجھادے۔حکومت کے کارندوں نے اس کی حرکات دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ شخص ھم سے مذاق کررھا ھے۔اس لیے اسے مارا اور باھر نکال دیا۔

جیسے ھی وہ اس دفتر سے باھر نکلا اس کے ہوش وحواس یکجا ہوگئے، وہ پھر جلادوں کے پاس گیا اور اپنی حرکات سے پھر مار کھائی۔آخر اس نے یہ سمجھا کہ اس واقعے میں ضرور کوئی الٰہی راز پوشیدہ ھے۔چنانچہ اس نے صندوق بنا کے حضرت موسیٰعلیہ السلام کی والدہ کو دیدیا۔دریا کی موجیں گھوارے سے بہتر ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب ان کو صندوقچے میں ڈال کر دریا میں بہادیا تو بہت پریشان ہوئیں اور سوائے اللہ کے سچے رسول اور اپنے لخت جگر حضرت موسیٰ کے آپ کو کسی اور چیز کا خیال ہی نہ رہا۔ صبر وسکون جاتا رہا دل میں بجز حضرت موسیٰ کی یاد کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا تھا۔ اگر اللہ کی طرف سے ان کی دلجمعی نہ کردی جاتی تو وہ تو بے صبری میں راز فاش کردیتیں لوگوں سے کہہ دیتیں کہ اس طرح میرا بچہ ضائع ہوگیا۔ لیکن اللہ نے اس کا دل ٹھہرادیا ڈھارس دی اور تسکین دے دی کہ تیرا بچہ تجھے ضرور ملے گا۔ والدہ موسیٰ نے اپنی بڑی بچی سے جو ذرا سمجھ دار تھیں فرمایا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظر جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ دیکھو کیا انجام ہوتا ہے؟ مجھے بھی خبر کرنا تو یہ دور سے اسے دیکھتی ہوئی چلیں۔

لیکن اس انجان پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ اس کا خیال رکھتی ہوئی اس کے ساتھ جارہی ہے۔ فرعون کے محل تک پہنچتے ہوئے اور وہاں اس کی لونڈیوں کو اٹھاتے ہوئے تو آپ کی ہمشیرہ نے دیکھا پھر وہیں باہر کھڑی رہ گئیں کہ شاید کچھ معلوم ہو سکے کہ اندر کیا ہورہا ہے۔ وہاں یہ ہوا کہ جب حضرت آسیہ نے فرعون کو اس کے خونی ارادے سے باز رکھا اور بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا شاہی محل میں جتنی دایاں تھیں سب کو بچہ دیا گیا۔ ہر ایک نے بشری محبت و پیار سے انہیں دودھ پلانا چاہا لیکن بحکم الٰہی حضرت موسیٰ نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی والدہ کا دودھ پینے کا واقعہ

آخر اپنی لونڈیوں کے ہاتھوں اسے باہر بھیجا کہ کسی دایہ کو تلاش کرو جس کا دودھ یہ پئے اس کو لے آؤ۔ چونکہ رب العلمین کو یہ منظور نہ تھا کہ اس کا اپنی والدہ کے سوا کسی اور کا دودھ پئے اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اس بہانے حضرت موسیٰ اپنی ماں تک پہنچ جائیں۔ لونڈیاں آپ کو لے کر جب باہر نکلیں تو آپ کی بہن نے آپ کو پہچان لیا لیکن ان پر ظاہر نہ کیا اور نہ خود انہیں کچھ پتہ چل سکا آپ کی بہن تو پہلے بہت پریشان تھی لیکن اس کے بعد اللہ نے انہیں صبر وسکون دے دیا اور وہ خاموش اور مطمئن تھیں۔ بہن نے انکو کہا کہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ انہوں نے کہا یہ بچہ کسی دائیہ کا دودھ نہیں پیتا اور ہم اس کے لئے دایہ کی تلاش میں ہیں۔ یہ سن کر ہمشیرہ موسیٰ نے فرمایا اگر تم کہو تو تمہیں ایک دائی کا پتہ دوں؟ ممکن ہے بچہ ان کا دودھ پی لے اور اسکی پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں۔

یہ سن کر انہیں کچھ شک گزرا کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی اصلیت ہے اور اس کے ماں باپ سے واقف ہے اسے گرفتار کرلیا اور پوچھا تمہیں کیا معلوم کہ وہ عورت اسکی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ اس نے فوراً جواب دیا سبحان اللہ۔ کون نہ چاہے گا کہ شاہی دربار میں اس کی عزت ہو۔ انعام واکرام کی خاطر کون اس سے ہمدردی نہ کریگا۔ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا یہ تو ٹھیک کہتی ہے اسے چھوڑ دیا اور کہا اچھا چل اس کا مکان دکھا یہ انہیں لیکر اپنے گھر لے آئیں اور اپنی والدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا دیجئے۔ سرکاری آدمیوں نے انہیں دیا تو بچہ دودھ پینے لگا۔ فوراً یہ خبر حضرت آسیہ کو دی گئی وہ یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور انہیں

اپنے محل میں بلوایا اور بہت کچھ انعام واکرام کیا لیکن یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہی اس بچے کی والدہ ہیں۔
فقط اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پیا تھا وہ ان سے بہت خوش ہوئیں۔ کچھ دنوں تک تو یونہی کام چلتا رہا
آخر کار ایک روز حضرت آسیہ نے فرمایا میری خوشی ہے کہ تم محل میں آجاؤ یہیں رہو سہو اور اسے دودھ پلاتی رہو۔ ام موسیٰ نے جواب
دیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہوسکتا میں بال بچوں والی ہوں میرے میاں بھی ہیں میں انہیں دودھ پلا دیا کروں گی پھر آپ کے ہاں بھیج دیا
کروں گی۔ یہ طے ہوا اور اس پر فرعون کی بیوی بھی رضامند ہوگئیں ام موسیٰ کا خوف امن سے، فقیری امیری سے، بھوک آسودگی سے،
دولت وعزت میں بدل گئی۔ روزانہ انعام واکرام پاتیں۔ کھانا، کپڑا، شاہی طریق پر ملتا اور اپنے پیارے بچے کو اپنی گود میں پالتیں۔
ایک ہی رات یا ایک ہی دن یا ایک رات کے بعد ہی اللہ نے اس کی مصیبت کو راحت سے بدل دیا۔
حدیث شریف میں ہے جو شخص اپنا کام دھندا کرے اور اسمیں اللہ کا خوف اور میری سنتوں کا لحاظ کرے اسکی مثال ام موسیٰ کی
مثال ہے کہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلائے اور اجرت بھی لے۔ اللہ کی ذات پاک ہے اسی کے ہاتھ میں تمام کام ہے اسی کا چاہا ہوا ہوتا
ہے اور جس کام کو وہ نہ چاہے ہرگز نہیں ہوتا۔ یقیناً وہ ہر اس شخص کی مدد کرتا ہے جو اس پر توکل کرے۔ اس کی فرمانبرداری کرنے والے
کا دستگیر وہی ہے۔ وہ اپنے نیک بندوں کے آڑے وقت کام آتا ہے اور ان کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے اور ان کی تنگی کو فراخی سے بدلتا
ہے۔ اور ہر رنج کے بعد راحت عطا فرماتا ہے۔
پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اسکی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور اسے اپنے بچے کا صدمہ نہ
رہے۔ اور وہ اللہ کے وعدوں کو بھی سچا سمجھے اور یقین مان لے کہ وہ ضرور نبی اور رسول بھی ہونے والا ہے، اب آپ کی والدہ اطمینان
سے آپ کی پرورش میں مشغول ہوگئیں اور اسی طرح پرورش کی جس طرح ایک بلند درجہ نبی کی ہونی چاہیے۔ ہاں رب کی حکمتیں
بیعلموں کی نگاہ سے اوجھل رہتی ہیں۔ وہ اللہ کے احکام کی غایت کو اور فرمانبرداری کے نیک انجام کو نہیں سوچتے۔ ظاہری نفع نقصان
کے پابند رہتے ہیں۔ اور دنیا پر ریجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں سوجھتا کہ ممکن ہے جسے وہ برا سمجھ رہے ہیں اچھا ہو اور بہت ممکن
ہے کہ جسے وہ اچھا سمجھ رہے ہیں وہ برا ہو یعنی ایک کام برا جانتے ہوں مگر کیا خبر کہ اس میں قدرت نے کیا فوائد پوشیدہ رکھیں ہیں۔

ایک سال بچوں کو قتل اور ایک سال چھوڑ دینے کا واقعہ

لیکن جب ایک مدت گزر گئی تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ اس طرح تو بنی اسرائیل بالکل فنا ہو جائیں گے اور جو ذلیل خدمتیں ان
سے لی جاتی ہیں جو بیگاریں ان سے وصول ہو رہی ہیں سب موقوف ہو جائیں گی اس لئے اب تجویز ہوا کہ ایک سال ان کے بچوں کو
چھوڑ دیا جائے اور ایک سال ان کے لڑکے قتل کر دیئے جائیں۔ اس طرح موجودہ بنی اسرائیلیوں کی تعداد بھی نہ بڑھے گی اور نہ اتنی کم
ہو جائے گی کہ ہمیں اپنی خدمت گزاری کے لئے بھی نہ مل سکیں جتنے بڈھے دو سال میں مریں گے اتنے بچے ایک سال میں پیدا ہو
جائیں گے۔

قتل کے سال موقوف میں ہارون علیہ السلام کے پیدا ہونے کا واقعہ

جس سال قتل موقوف تھا اس سال تو حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال قتل عام بچوں کا جاری تھا اس برس حضرت موسیٰ علیہ السلام تولد ہوئے۔ آپ کی والدہ کی اس وقت کی گھبراہٹ اور پریشانی کا کیا پوچھنا؟ بے اندازہ تھی۔ ایک فتنہ تو یہ تھا۔ چنانچہ یہ خطرہ اس وقت دفع ہو گیا جب کہ اللہ کی وحی ان کے پاس آئی کہ ڈر خوف نہ کر ہم اسے تیری طرف پھر لوٹائیں گے اور اسے اپنا رسول بنائیں گے۔ چنانچہ بحکم الٰہی آپ نے اپنے بچے کو صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا جب صندوق نظروں سے اوجھل ہو گیا تو شیطان نے دل میں وسوسے ڈالنے شروع کئے کہ افسوس اس سے تو یہی بہتر تھا کہ میرے سامنے ہی اسے ذبح کر دیا جاتا تو میں اسے خود ہی کفناتی دفناتی تو سہی لیکن اب تو میں نے خود اسے مچھلیوں کا شکار بنایا۔

یہ صندوق یونہی بہتا ہوا خاص فرعونی گھاٹ سے جا لگا وہاں اس وقت محل کی لونڈیاں موجود تھیں انہوں نے اس صندوق کو اٹھا لیا اور ارادہ کیا کہ کھول کر دیکھیں لیکن پھر ڈر گئیں کہ ایسا نہ ہو کہ چوری کا الزام لگے یونہی مقفل صندوق ملکہ فرعون کے پاس پہنچا دیا۔ یہ بادشاہ بیگم کے سامنے کھولا گیا تو اس میں سے چاند جیسی صورت کا ایک چھوٹا سا معصوم بچہ نکلا جسے دیکھتے ہی فرعون کی بیوی صاحبہ کا دل محبت کے جوش سے اچھلنے لگا۔ ادھر ام موسیٰ کی حالت غیر ہو گئی سوائے اپنے اس پیارے بچے کے خیال کے دل میں اور کوئی تصور ہی نہ تھا۔

ادھر ان قصائیوں کو جو حکومت کی طرف سے بچوں کے قتل کے محکمے کے ملازم تھے معلوم ہوا تو وہ اپنی چھریاں تیز کئے ہوئے آگئے اور ملکہ سے تقاضا کیا کہ بچہ انہیں سونپ دیں تاکہ وہ اسے ذبح کر ڈالیں۔

یہ دوسرا فتنہ تھا آخر ملکہ نے جواب دیا کہ ٹھہرو میں خود بادشاہ سے ملتی ہوں اور اس بچے کو طلب کرتی ہوں اگر وہ مجھے دے دیں تو خیر ورنہ تمہیں اختیار ہے۔ چنانچہ آپ آئیں اور بادشاہ سے کہا کہ یہ بچہ تو میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا اس خبیث نے کہا بس تم ہی اس سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھو میری ٹھنڈک وہ کیوں ہونے لگا؟ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تدابیر اعلیٰ اور محروم ہدایت فرعون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ حلف بیان فرماتے ہیں کہ اگر وہ بھی کہہ دیتا کہ ہاں بیشک وہ میری آنکھوں کی بھی ٹھنڈک ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ضرور راہ راست دکھا دیتا جیسا کہ اس کی بیوی صاحبہ مشرف بہ ہدایت ہوئی لیکن اس نے خود اس سے محروم رہنا چاہا تو اللہ نے بھی اسے محروم کر دیا۔

الغرض فرعون کو جوں توں راضی رضامند کر کے اس بچے کے پالنے کی اجازت لے کر آپ آئیں اب محل کی جتنی دایہ تھیں سب کو جمع کیا ایک ایک کی گود میں بچہ دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کا دودھ آپ پر حرام کر دیا آپ نے کسی کا دودھ منہ میں لیا ہی نہیں۔ اس سے ملکہ گھبرائیں کہ یہ تو بہت ہی برا ہوا۔ یہ پیارا بچہ یونہی ہلاک ہو جائے گا۔ آخر سوچ کر حکم دیا کہ انہیں باہر لے جاؤ ادھر ادھر تلاش کرو اور اگر کسی کا دودھ یہ معصوم قبول کرے تو اسے بہ منت سونپ دو۔ باہر بازاروں میں میلہ سا لگ گیا ہر شخص اس

سعادت سے مالا مال ہونا چاہتا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نگرانی بہن نے کی

آپ کی والدہ نے اپنی بڑی صاحبزادی آپ کی بہن کو باہر بھیج رکھا تھا کہ وہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ وہ اس مجمع میں موجود تھیں اور تمام واقعات دیکھ سن رہی تھیں جب یہ لوگ عاجز آ گئے تو آپ نے فرمایا اگر تم کہو تو میں ایک گھرانہ ایسا بتلاؤں جو اس کی نگہبانی کرے اور ہو بھی اس کا خیر خواہ یہ کہنا تھا کہ لوگوں کو شک ہوا کہ ضرور یہ لڑکی اس بچے کو جانتی ہے اور اس کے گھر کو بھی پہچانتی ہے۔ اے ابن جبیر یہ تھا تیسرا فتنہ۔

لیکن اللہ نے لڑکی کو سمجھ دے دی اور اس نے جھٹ سے کہا کہ بھلا تم اتنا نہیں سمجھے کون بدنصیب ایسا ہوگا جو اس بچے کی خیر خواہی یا پرورش میں کمی کرے جو بچہ ہماری ملکہ کا پیارا ہے۔ کون نہ چاہے گا کہ یہ ہمارے ہاں پلے تاکہ انعام و اکرام سے اس کا گھر بھر جائے۔ یہ سن کر سب کی سمجھ میں آ گیا اسے چھوڑ دیا اور کہا بتا تو کون سی دایہ اس کے لئے تجویز کرتی ہے؟ اس نے کہا میں ابھی لائی دوڑی ہوئی گئیں اور والدہ کو یہ خوش خبری سنائی والدہ صاحب شوق و امید سے آئیں اپنے پیارے بچے کو گود میں لیا اپنا دودھ منہ میں دیا بچے نے پیٹ بھر کر پیا اسی وقت شاہی محلات میں یہ خوشخبری پہنچائی گئی ملکہ کا حکم ہوا کہ فوراً اس دایہ کو اور بچے کو میرے پاس لاؤ جب ماں بیٹا پہنچے تو اپنے سامنے دودھ پلوایا اور یہ دیکھ کر کہ بچہ اچھی طرح دودھ پیتا ہے، بہت ہی خوش ہوئیں اور فرمانے لگیں کہ دائی اماں مجھے اس بچے سے وہ محبت ہے جو دنیا کی کسی اور چیز سے نہیں تم یہیں محل میں رہو اور اس بچے کی پرورش کرو۔

اللہ کے وعدے کے مطابق موسیٰ علیہ السلام والدہ کی گود میں پرورش کرنے لگے

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ صاحبہ کے سامنے اللہ کا وعدہ تھا انہیں یقین کامل تھا اس لئے آپ ذرا رکیں اور فرمایا کہ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اپنے گھر کو اور اپنے بچوں کو چھوڑ کر یہاں رہوں۔ اگر آپ چاہتی ہیں تو یہ بچہ میرے سپرد کر دیں میں اسے اپنے گھر لے جاتی ہوں ان کی پرورش میں کوئی کوتاہی نہ کروں گی ملکہ صاحبہ نے مجبوراً اس بات کو بھی مان لیا اور آپ اسی دن خوشی خوشی اپنے بچے کو لئے ہوئے گھر آ گئیں۔ اس بچے کی وجہ سے اس محلے کے بنو اسرائیل بھی فرعونی مظالم سے رہائی پا گئے۔ جب کچھ زمانہ گزر گیا تو بادشاہ بیگم نے حکم بھیجا کہ کسی دن میرے بچے کو میرے پاس لاؤ ایک دن مقرر ہو گیا تمام ارکان سلطنت اور درباریوں کو حکم ہوا کہ آج میرا بچہ میرے پاس آئے گا تم سب قدم قدم پر اس کا استقبال کرو اور دھوم دھام سے نذریں دیتے ہوئے اسے میرے محل سرائے تک لاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی داڑھی کو گھسیٹنے کا واقعہ

چنانچہ جب سواری روانہ ہوئی وہاں سے لے کر محل سرائے سلطانی تک برابر تحفے تحائف نذریں اور ہدیے پیشکش ہوتے رہے اور بڑی ہی عزت و اکرام کے ساتھ آپ یہاں پہنچے تو خود بیگم نے بھی خوشی خوشی بہت بڑی رقم پیش کی اور بڑی خوشی منائی گئی

پھر کہنے لگی کہ میں تو اسے بادشاہ کے پاس لے جاؤں گی وہ بھی اسے انعام واکرام دیں گے، لے گئیں اور بادشاہ کی گود میں لٹا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی داڑھی پکڑ کر زور سے کھینچی۔ فرعون کھٹک گیا اور اس کے درباریوں نے کہنا شروع کیا کہ کیا عجب یہی وہ لڑکا ہو آپ اسے فوراً قتل کرا دیجئے۔ اے ابن جبیر یہ تھا چوتھا فتنہ۔

ملکہ بیتاب ہو کر بول اٹھیں اے بادشاہ کیا ارادہ کر رہے ہو؟ آپ اسے مجھے دے چکے ہیں میں اسے اپنا بیٹا بنا چکی ہوں۔ بادشاہ نے کہا یہ سب ٹھیک ہے لیکن دیکھو تو اس نے تو آتے ہی داڑھی پکڑ کر مجھے نیچا کر دیا گویا یہی میرا گرانے والا اور مجھے تاخت و تاراج کرنے والا ہے۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا بادشاہ بچوں کو ان چیزوں کی کیا تمیز سنو میں ایک فیصلہ کن بات بتاؤں اس کے سامنے دو انگارے آگ کے سرخ رکھ دو اور دو موتی آبدار چمکتے ہوئے رکھ دو پھر دیکھو یہ کیا اٹھاتا ہے اگر موتی اٹھا لے تو سمجھنا کہ اس میں عقل ہے اور اگر آگ کے انگارے تھام لے تو سمجھ لینا کہ عقل نہیں جب عقل و تمیز نہیں تو اس کی داڑھی پکڑ لینے پر اتنے لمبے خیالات کر کے اس کی جان کا دشمن بن جانا کون سی دانائی کی بات ہے۔

چنانچہ یہی کیا گیا دونوں چیزیں آپ کے سامنے رکھی گئیں آپ نے دہکتے ہوئے انگارے اٹھا لئے اسی وقت وہ چھین لئے کہ ایسا نہ ہو ہاتھ جل جائیں اب فرعون کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور اس کا بدلہ ہوا رخ ٹھیک ہو گیا۔ حق تو یہ ہے کہ اللہ کو جو کام کرنا مقصود ہوتا ہے اس کے قدرتی اسباب مہیا ہو ہی جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دربار فرعون میں فرعون کے خاص محل میں فرعون کی بیوی کی گود میں ہی پرورش ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ آپ اچھی عمر کو پہنچ گئے اور بالغ ہو گئے۔ اب تو فرعونیوں کے جو مظالم اسرائیلیوں پر ہو رہے تھے ان میں بھی کمی ہو گئی تھی سب امن وامان سے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کا مکا لگنے سے فرعونی کے مرنے کا واقعہ

ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک فرعونی اور ایک اسرائیلی کی لڑائی ہو رہی تھی اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی آپ کو سخت غصہ آیا اسلئے کہ اس وقت وہ فرعونی اس بنی اسرائیل کو دبوچے ہوئے تھا آپ نے اسے ایک مکا مارا اللہ کی شان مکا لگتے ہی وہ مر گیا یہ تو لوگوں کو عموماً معلوم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیلیوں کی طرف داری کرتے ہیں لیکن لوگ اس کی وجہ اب تک یہی سمجھتے تھے کہ چونکہ آپ نے انہی میں دودھ پیا ہے اس لئے ان کے طرفدار ہیں اصلی راز کا علم تو صرف آپ کی والدہ کو تھا اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کو بھی معلوم کرا دیا ہو۔ اسے مردہ دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہے وہ بہکانے والا اور کھلا دشمن ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگے کہ باری تعالیٰ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو معاف فرما پروردگار نے بھی آپ کی اس خطا سے درگزر فرما لیا وہ تو غفور و رحیم ہے ہی۔ چونکہ قتل کا معاملہ تھا آپ بھی خوفزدہ ہی رہے تاک جھانک میں رہے کہ کہیں معاملہ کھل تو نہیں گیا۔

فرشتے نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر انگارہ رکھ دیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام بچپن میں جب فرعون کے ہاں تھے اور اس کا واقعہ یہ تھا کہ بچپن میں آپ ایک روز فرعون کی گود میں

تھے آپ نے اس کی داڑھی پکڑ کر اس کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا اس پر اسے غصہ آیا اور اس نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا آسیہ نے کہا کہ اے بادشاہ یہ نادان بچہ ہے کیا سمجھے؟ تو چاہے تو تجربہ کر لے اس تجربہ کے لئے ایک طشت میں آگ اور ایک طشت میں یاقوت سرخ آپ کے سامنے پیش کئے گئے آپ نے یاقوت لینا چاہا مگر فرشتہ نے آپ کا ہاتھ انگارہ پر رکھ دیا اور وہ انگارہ آپ کے منہ میں دے دیا اس سے زبان مبارک جل گئی اور لکنت پیدا ہو گئی اس کے لئے آپ نے یہ دعا کی۔

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ (27)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا بچپن کا زمانہ فرعون کے گھر میں بلکہ اس کی گود میں گزارا تھا جوانی تک ملک مصر میں اسی کی بادشاہت میں ٹھہرے رہے تھے پھر ایک قبطی بے ارادہ آپ کے ہاتھ سے مر گیا تھا جس سے آپ یہاں سے بھاگ نکلے تھے تب سے لے کر آج تک مصر کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ فرعون ایک سخت دل بد خلق اکھڑ مزاج آوارہ انسان تھا غرور اور تکبر اتنا بڑھ گیا تھا کہ کہتا تھا کہ میں اللہ کو جانتا ہی نہیں اپنی رعایا سے کہتا تھا کہ تمہارا اللہ میں ہی ہوں ملک و مال میں دولت و متاع میں لاؤ لشکر اور کفر میں کوئی روئے زمین پر اس کے مقابلے کا نہ تھا۔

دوسری مرتبہ اسرائیلی و فرعونی لڑائی جھگڑے کا واقعہ

ادھر فرعون کے پاس شکایت ہوئی کہ ایک قبطی کو کسی بنی اسرائیل نے مار ڈالا ہے فرعون نے حکم جاری کر دیا کہ واقعہ کی پوری تحقیق کرو قاتل کو تلاش کر کے پکڑ لاؤ اور گواہ بھی پیش کرو اور جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں اسے بھی قتل کر دو۔ پولیس نے ہر چند تفتیش کی لیکن قاتل کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اتفاق کی بات کہ دوسرے ہی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر کہیں جا رہے تھے کہ دیکھا وہی بنی اسرائیلی شخص ایک دوسرے فرعونی سے جھگڑ رہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی وہ دہائی دینے لگا لیکن اس نے یہ محسوس کیا کہ شاید موسیٰ علیہ السلام اپنے کل کے فعل سے نادم ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس کا یہ بار بار کا جھگڑنا اور فریاد کرنا برا معلوم ہوا اور کہا تم تو بڑے لڑاکا ہو یہ فرما کر اس فرعونی کو پکڑنا چاہا لیکن اس اسرائیلی بزدل نے سمجھا کہ شاید آپ چونکہ مجھ پر ناراض ہیں مجھے ہی پکڑنا چاہتے ہیں حالانکہ اس کا یہ صرف بزدلانہ خیال تھا آپ تو اسی فرعونی کو پکڑنا چاہتے تھے اور اسے بچانا چاہتے تھے لیکن خوف و ہراس کی حالت میں بیساختہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) جیسے کہ کل تو نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا کیا آج مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے۔

یہ سن کر وہ فرعونی اسے چھوڑ بھاگا، دوڑا گیا۔ اور سرکاری سپاہی کو اس واقعہ کی خبر کر دی فرعون کو بھی قصہ معلوم ہوا اسی وقت جلادوں کو حکم دیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو پکڑ کر قتل کر دو۔ یہ لوگ شارع عام سے آپ کی جستجو میں چلے ادھر ایک بنی اسرائیلی نے راستہ کاٹ کر نزدیک کے راستے سے آ کر موسیٰ علیہ السلام کو خبر کر دی۔ اے ابن جبیر یہ ہے پانچواں فتنہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سنتے ہی مٹھیاں بند کر کے مصر سے بھاگ کھڑے ہوئے نہ کبھی پیدل چلے تھے نہ کبھی کسی مصیبت میں پھنسے تھے شہزادوں کی طرح لاڈ چاؤ میں پلے تھے نہ راستے کی خبر تھی نہ کبھی سفر کا اتفاق پڑا تھا رب پر بھروسہ کر کے یہ دعا کر کے

اے اللہ مجھے سیدھی راہ لے چلنا چل کھڑے ہوئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اہل مدین سے چشمے پر ملاقات کا واقعہ

یہاں تک کہ مدین کی حدود میں پہنچے۔ یہاں دیکھا کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں وہیں دو لڑکیوں کو دیکھا کہ اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں پوچھا کہ تم ان کے ساتھ اپنے جانوروں کو پانی کیوں نہیں پلا لیتیں؟ الگ کھڑی ہوئی انہیں کیوں روک رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس بھیڑ میں ہمارے بس کی بات نہیں کہ اپنے جانوروں کو پانی پلائیں ہم تو جب یہ لوگ پانی پلا چکتے ہیں ان کا بقیہ اپنے جانوروں کو پلا دیا کرتی ہیں آپ فوراً آگے بڑھے اور ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ چونکہ بہت جلد پانی کھینچا آپ بہت قوی آدمی تھی سب سے پہلے ان کے جانوروں کو سیر کر دیا۔ یہ اپنی بکریاں لے کر اپنے گھر روانہ ہوئیں۔

اور آپ ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے اور اللہ سے دعا کرنے لگے کہ پروردگار میں تیری تمام تر مہربانیوں کا محتاج ہوں یہ دونوں لڑکیاں جب اپنے والد کے پاس پہنچیں تو انہوں نے کہا آج کیا بات ہے کہ تم وقت سے پہلے ہی آگئیں؟ اور بکریاں بھی خوب آسودہ اور شکم سیر معلوم ہوتی ہیں تو ان بچیوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا آپ نے حکم دیا کہ تم میں سے ایک ابھی چلی جائے اور انہیں میرے پاس بلا لائے۔ وہ آئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے والد صاحب کے پاس لے گئیں انہوں نے سرسری ملاقات کے بعد واقعہ پوچھا تو آپ نے سارا قصہ کہہ سنایا اس پر وہ فرمانے لگے۔

اب کوئی ڈر کی بات نہیں آپ ان ظالموں سے چھوٹ گئے۔ ہم لوگ فرعون کی رعایا نہیں نہ ہم پر اس کا کوئی دباؤ ہے اسی وقت ایک لڑکی نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جی انہوں نے ہمارا کام کر دیا ہے اور یہ ہیں بھی قوت والے امانت دار شخص کیا اچھا ہو کہ آپ انہیں اپنے ہاں مقرر کر لیجئے کہ یہ اجرت پر ہماری بکریاں چرالایا کریں۔ باپ کو غیرت اور غصہ آ گیا اور پوچھا بیٹی تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ قوی اور امین ہیں۔ بچی نے جواب دیا کہ قوت تو اس وقت معلوم ہوئی جب انہوں نے ہماری بکریوں کے لئے پانی نکالا اتنے بڑے ڈول کو اکیلے ہی کھینچتے تھے اور بڑی پھرتی اور ہر پن سے۔ امانت داری یوں معلوم ہوئی کہ میری آواز سن کر انہوں نے نظر اونچی کی اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ میں عورت ہوں پھر نیچی گردن کر کے میری باتیں سنتے رہے واللہ آپ کا پورا پیغام پہنچانے تک انہوں نے نگاہ اونچی نہیں کی۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے رہو مجھے دور سے راستہ بتا دیا کرنا یہ بھی دلیل ہے ان کی اللہ خوفی اور امانت داری کی۔ باپ کی غیرت وحمیت بھی رہ گئی بچی کی طرف سے بھی دل صاف ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت دل میں سما گئی۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمانے لگے میرا ارادہ ہے کہ اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک میرے ہاں کام کاج کرتے رہیں ہاں اگر دس سال تک کریں تو اور بھی اچھا ہے انشاء اللہ آپ دیکھ لیں گے کہ میں بھلا آدمی ہوں۔ چنانچہ یہ معاملہ طے ہو گیا اور اللہ کے پیغمبر علیہ السلام نے بجائے آٹھ سال کے دس سال پورے کئے۔

آگ لینے گئے رسالت مل گئی

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد دلا رہا ہے کہ اللہ نے انہیں کس طرح بزرگ بنایا اور ان سے کلام کیا اور انہیں زبردست معجزے عطا فرمائے اور فرعون اور فرعونیوں کے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا لیکن کفار نے آپ کا انکار کیا اپنے کفر وتکبر سے نہ ہٹے آپ کی اتباع اور پیروی نہ کی۔ فرماتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی اہل کو لے کر چلے اور راستہ بھول گئے رات آ گئی اور وہ بھی سخت اندھیرے والی۔ تو آپ نے دیکھا کہ ایک جانب سے آگ کا شعلہ سا دکھائی دیتا ہے آپ نے اپنی اہل سے فرمایا کہ تم تو یہیں ٹھہرو۔ میں اس روشنی کے پاس جاتا ہوں کیا عجب کہ وہاں سے جو ہو اس سے راستہ معلوم ہو جائے یا میں وہاں کچھ آگ لے آؤں کہ تم اسے ذرا سینک تاپ کرلو۔ ایسا ہی ہوا کہ آپ وہاں سے ایک بڑی خبر لائے اور بہت بڑا نور حاصل کیا فرماتا ہے کہ جب وہاں پہنچے اس منظر کو دیکھ کر حیران رہ گئے دیکھتے ہیں کہ سر سبز درخت ہے اس پر آگ لپٹی رہی شعلے تیز ہو رہے ہیں اور درخت کی سرسبزی اور بڑھ رہی ہے۔

اونچی نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ نور آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ فی الواقع وہ آگ نہ تھی بلکہ نور تھا اور نور بھی وحدہ لاشریک کا۔ حضرت موسیٰ متعجب تھے اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کہ یکا یک ایک آواز آتی ہے کہ اس نور میں جو کچھ ہے وہ پاکی والا اور بزرگی والا ہے اور اس کے پاس جو فرشتے ہیں وہ بھی مقدس ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سوتا نہیں اور نہ اسے سونا لائق ہے وہ ترازو کو پست کرتا ہے اور اونچی کرتا ہے رات کے کام اس کی طرف دن سے پہلے اور دن کے کام رات سے پہلے چڑھ جاتے ہیں۔ اسکا حجاب نور یا آگ ہے اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے چہرے کی تجلی ہر چیز کو جلا دیں جس پر اسکی نگاہ پہنچ رہی ہے یعنی کل کائنات کو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ راوی حدیث نے یہ حدیث بیان کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کی قبولیت کا واقعہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسے ہدایت کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرا سینہ کھول دے اور میرے کام میں آسانی پیدا کر دے اگر تو خود میرا مددگار نہ بنا تو یہ سخت بار میرے کمزور کندھے نہیں اٹھا سکتے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ چونکہ آپ کے بچپن کے زمانے میں آپ کے سامنے کھجور اور انگارے رکھے گئے تھے آپ نے انگارہ لے کر منہ میں رکھ لیا تھا اس لئے زبان میں لکنت ہو گئی تھی تو دعا کی کہ میرے زبان کی گرہ کھل جائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ادب کو دیکھئے کہ قدر حاجت سوال کرتے ہیں یہ نہیں عرض کرتے کہ میری زبان بالکل صاف ہو جائے بلکہ دعا یہ کرتے ہیں کہ گرہ کھل جائے تاکہ لوگ میری بات سمجھ لیں۔

انبیاء علیہم السلام اللہ سے صرف حاجت روائی کے مطابق ہی عرض کرتے ہیں آگے نہیں بڑھتے۔ چنانچہ آپ کی زبان میں پھر بھی کچھ کسر رہ گئی تھی جیسے کہ فرعون نے کہا تھا کہ کیا میں بہتر ہوں یا یہ؟ جو فرومایہ ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک گرہ کھلنے کی دعا کی تھی جو پوری ہوئی اگر پوری کی دعا ہوتی تو وہ بھی پوری ہوتی۔ آپ نے صرف اسی قدر دعا کی تھی کہ آپ کی زبان ایسی کردی جائے کہ لوگ آپ کی بات سمجھ لیا کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ڈر تھا کہ کہیں وہ الزام قتل رکھ کر قتل نہ کر دیں اس کی دعا کی جو قبول ہوئی۔ زبان میں اٹکاؤ تھا اس کی بابت دعا کی کہ اتنی صاف ہو جائے کہ لوگ بات سمجھ لیں یہ دعا بھی پوری ہوئی۔ دعا کی کہ ہارون کو بھی نبی بنا دیا جائے یہ بھی پوری ہوئی۔

حضرت محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے ایک رشتے دار آئے اور کہنے لگے یہ تو بڑی کمی ہے کہ تم بولنے میں غلط بول جاتے ہو۔ آپ نے فرمایا بھتیجے کیا میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟ کہا ہاں سمجھ میں تو آ جاتی ہے کہا بس یہی کافی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ سے یہی اور اتنی ہی دعا کی تھی۔ پھر اور دعا کی کہ میری خارجی اور ظاہری امداد کے لئے میرا وزیر بنا دے اور ہو بھی وہ میرے کنبے میں سے۔ یعنی میرے بھائی ہارون کو نبوت عطا فرما۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اسی وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی نبوت عطا فرمائی گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عمرے کے لئے جاتے ہوئے کسی اعرابی کے ہاں مقیم تھیں کہ سنا ایک شخص پوچھتا ہے کہ دنیا میں کسی بھائی نے اپنے بھائی کو سب سے زیادہ نفع پہنچایا ہے اس سوال پر سب خاموش ہو گئے اور کہہ دیا کہ ہمیں اس کا علم نہیں۔ اس نے کہا اللہ کی قسم مجھے اس کا علم ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے اپنے دل میں کہا دیکھو یہ شخص کتنی بے جا جسارت کرتا ہے بغیر انشاء اللہ کی قسم کھا رہا ہے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ اس نے جواب دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ اپنے بھائی کو اپنی دعا سے نبوت دلوائی۔ میں بھی یہ سن کر دنگ رہ گئی اور دل میں کہنے لگی بات تو سچ کہی فی الواقع اس سے زیادہ کوئی بھائی اپنے بھائی کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ نے سچ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پاس بڑے آبرودار تھے۔ اس دعا کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ میری کمر مضبوط ہو جائے۔ تاکہ ہم تیری تسبیح اچھی طرح بیان کریں۔ ہر وقت تیری پاکیزگی بیان کرتے رہیں اور تیری یاد بکثرت کریں۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بندہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کرنے والا اسی وقت ہوتا ہے جب کہ وہ بیٹھتے اٹھتے اور لیٹتے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔ تو ہمیں دیکھتا ہے یہ تیرا رحم و کرم ہے کہ تو نے ہمیں برگزیدہ کیا، ہمیں نبوت عطا فرمائی اور ہمیں اپنے دشمن فرعون کی طرف اپنا نبی بنا کر اس کی ہدایات کے لئے مبعوث فرمایا۔ تیرا شکر ہے اور تیرے ہی لئے تمام تعریفیں سزاوار ہیں۔ تیری ان نعمتوں پر ہم تیرے شکر گزار ہیں۔

عصائے موسوی کا سانپ جانے کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی کا لکڑی ہونا جتا کر انہیں بخوبی بیدار اور ہوشیار کر کے حکم ملا کہ اسے زمین پر ڈال دو۔ زمین پر پڑتے ہی وہ ایک زبردست اژدھے کی صورت میں پھنپھناتی ہوئی ادھر ادھر چلنے پھرنے بلکہ دوڑنے بھاگنے لگی۔ ایسا خوفناک اژدھا

اس سے پہلے کسی نے دیکھا ہی نہ تھا۔ اس کی تو یہ حالت تھی کہ ایک درخت سامنے آ گیا تو یہ اسے ہضم کر گیا۔ ایک چٹان پتھر کی راستے میں آ گئی تو اس کا لقمہ بنا گیا۔ یہ حال دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام الٹے پاؤں بھاگے۔ آواز دی گئی کہ موسیٰ پکڑ لے لیکن ہمت نہ پڑی پھر فرمایا موسیٰ علیہ السلام ڈر نہیں پکڑ لے پھر بھی جھجک باقی رہی تیسری مرتبہ فرمایا تو ہمارے امن میں ہے اب ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا۔ کہتے ہیں فرمان الٰہی کے ساتھ ہی آپ نے لکڑی زمین پر ڈال دی۔

پھر ادھر ادھر آپ کی نگاہ ہو گئی اب جو نظر ڈالی بجائے لکڑی کے ایک خوفناک اژدھا دکھائی دیا جو اس طرح چل پھر رہا ہے جیسے کسی کی جستجو میں ہو۔ گابھن اونٹنی جیسے بڑے بڑے پتھروں کو آسمان سے باتیں کرتے ہوئے اونچے اونچے درختوں کو ایک لقمے میں ہی پیٹ میں پہنچا رہا ہے آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی ہیں اس ہیبت ناک خونخوار اژدھے کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سہم گئے اور پیٹھ موڑ کر زور سے بھاگے پھر اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی یاد آ گئی تو شرما کر ٹھہر گئے وہیں آواز آئی کہ موسیٰ لوٹ کر وہیں آ جاؤ جہاں تھے آپ لوٹے لیکن نہایت خوفزدہ تھے۔ تو حکم ہوا کہ اپنے داہنے ہاتھ سے اسے تھام لو کچھ بھی خوف نہ کرو ہم اسے اس کی اسی اگلی حالت میں لوٹا دیں گے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام صوف کا کمبل اوڑھے ہوئے تھے جسے ایک کانٹے سے اٹکا رکھا تھا آپ نے اسی کمبل کو اپنے ہاتھ پر لپیٹ کر اس ہیبت ناک اژدھے کو پکڑنا چاہا۔

فرشتے نے کہا موسیٰ علیہ السلام اگر اللہ تعالیٰ اسے کاٹنے کا حکم دے دے تو کیا تیرا یہ کمبل بچا سکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں لیکن یہ حرکت مجھ سے بہ سبب میرے ضعف کے سرزد ہو گئی میں ضعیف اور کمزور ہی پیدا کیا گیا ہوں۔ اب دلیری کے ساتھ کمبل ہٹا کر ہاتھ بڑھا کر اس کے سر کو تھام لیا اسی وقت وہ اژدھا پھر لکڑی بن گیا جیسے پہلے تھا اس وقت جب کہ آپ اس گھاٹی پر چڑھ رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں یہ لکڑی تھی جس پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اسی حال میں آپ نے پہلے دیکھا تھا اسی حالت پر اب ہاتھ میں بصورت عصا موجود تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

عصائے موسوی کا جبڑا محل فرعون پر پہنچ جانے کا واقعہ

آپ نے فرعون کی اس طلب پر اپنے ہاتھ کی لکڑی زمین پر ڈال دی جو بہت بڑا سانپ بن گئی اور منہ پھاڑے فرعون کی طرف لپکی، وہ مارے خوف کے تخت پر سے کود گیا اور فریاد کرنے لگا کہ موسیٰ اللہ کے لئے اسے روک، اس نے اس قدر اپنا منہ کھولا تھا کہ نیچے کا جبڑا تو زمین پر تھا اور اوپر کا جبڑا محل کی بلندی پر۔

خوف کے مارے فرعون کی ہوا نکل گئی اور چیخنے لگا کہ موسیٰ اسے روک لے، میں ایمان لاتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ کر دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے اسی وقت اس پر ہاتھ رکھا اور اسی وقت لکڑی جیسی لکڑی بن گیا۔ حضرت وہب فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی فرعون کہنے لگا میں تجھے پہچانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یقیناً اس نے کہا تو نے بچپن ہمارے گھر کے ٹکڑوں پر ہی تو گذارا ہے۔ اس کا جواب حضرت موسیٰ دے ہی رہے تھے کہ اس نے کہا اسے گرفتار کر لو۔ آپ نے جھٹ سے اپنی لکڑی زمین پر ڈال دی جس نے سانپ بن کر ان پر حملہ کر دیا۔

اس بدحواسی میں ایک دوسرے کو کچلتے اور قتل کرتے ہوئے وہ سب کے سب بھاگے چنانچہ پچیس ہزار آدمی اسی ہنگامے میں ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے اور فرعون سیدھا اپنے گھر میں گھس گیا لیکن اس واقعہ کے بیان کی سند میں غرابت ہے واللہ اعلم۔اسی طرح دوسرا معجزہ آپ نے یہ ظاہر کیا کہ اپنا ہاتھ اپنی چادر میں ڈال کر نکالا تو بغیر اس کے کہ کوئی روگ یا برص یا داغ ہو وہ سفید چمکتا ہوا بن کر نکل آیا جسے ہر ایک نے دیکھا پھر ہاتھ اندر کیا تو جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔(تفسیر ابن کثیر)

جادوگر سجدہ ریز ہو گئے

اسی میدان میں جادوگروں کے اس حملے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بذریعہ وحی حکم فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکڑی کو صرف زمین پر گراو اسی وقت ان کے سارے ہی لغویات ہضم کر جائے گی۔چنانچہ یہی ہوا۔آپ کی لکڑی نے اژدھا بن کر سارے میدان کو صاف کر دیا جو کچھ وہاں تھا سب کو ہڑپ کر گیا۔ایک بھی چیز اب میدان میں نظر نہ آتی تھی۔پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاں اس پہ ہاتھ رکھا ویسی کی ویسی لکڑی بن گئی۔یہ دیکھتے ہی جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں یہ تو سچ مچ اللہ کی طرف سے معجزہ ہے۔

حق ثابت ہو گیا باطل دب گیا۔تمیز ہو گئی معاملہ صاف ہو گیا۔فرعونی بری طرح ہارے اور بری طرح پسپا ہوئے۔ادھر جادوگر اپنا ایمان چھپا نہ سکے جان کے خوف کے باوجود وہ اسی میدان میں سجدہ ریز ہو گئے اور کہنے لگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جادو نہیں۔یہ تو اللہ کی طرف سے معجزہ ہے جو خود اللہ نے اسے عطا فرما رکھا ہے۔ہم تو اس اللہ پر ایمان لائے۔حقیقتاً رب العالمین وہی ہے۔پھر کسی کو کچھ اور شبہ نہ ہو یا کوئی کسی طرح کی تاویل نہ کر سکے اور صفائی کر دی کہ ان دونوں بھائیوں اور اللہ کے سچے نبیوں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہما السلام کے پروردگار کو ہم نے تو مان لیا۔

حضرت قاسم کا بیان ہے کہ جب یہ سجدے میں گرے تو اٹھنے سے پہلے ہی پروردگار عالم نے دوزخ دکھائی جس سے انہیں بچایا گیا تھا اور جنت دکھائی جو انہیں دی گئی۔

جادوگروں کے قبول اسلام پر فرعون کے جل اٹھنے کا واقعہ

جادوگروں کے اس طرح مجمع عام میں ہار جانے پھر اس طرح سب کے سامنے بیدھڑک اسلام قبول کر لینے سے فرعون آگ بگولا ہو گیا اور اس اثر کو روکنے کیلئے سب سے پہلے تو ان مسلمانوں سے کہنے لگا تمہارا بھید مجھ پر کھل گیا ہے تم سب مع موسیٰ کے ایک ہی ہو یہ تمہارا استاد ہے تم اس کے شاگرد ہو تم نے آپس میں پہلے یہ طے کیا کہ بھئی تو پہلے چلا جا پھر ہم آ جائیں گے اس طرح میدان قائم ہو ہم مصنوعی لڑائی لڑ کر ہار جائینگے اور اس طرح اس ملک کے اصلی باشندوں کو یہاں سے نکال باہر کریں گے۔فرعون کے اس جھوٹ پر اللہ کی مار ہے۔کوئی بیوقوف انسان بھی اس کے ایک جملہ کو بھی صحیح نہیں سمجھ سکتا۔سب کو معلوم تھا موسیٰ علیہ السلام اپنا بچپن فرعون کے محل میں گذارتے ہیں،

اس کے بعد مدین میں عمر کا ایک حصہ بسر کرتے ہیں،مدین سے سیدھے مصر کو پہنچ کر اپنی نبوت کا اعلان کرتے ہیں اور معجزے

دکھاتے ہیں جن سے عاجز آ کر فرعون اپنے جادوگروں کو جمع کرتا ہے وہ براہ راست اس کی سپاہ کے ساتھ اس کے دربار میں پیش ہوتے ہیں انعام واکرام کے لالچ سے ان کے دل بڑھائے جاتے ہیں وہ اپنی فتح مندی کا یقین دلاتے ہیں فرعون انہیں اپنی رضامندی کا یقین دلاتا ہے خوب تیاریاں کر کے میدان جماتے ہیں حضرت موسیٰ ان میں سے ایک سے بھی واقف نہیں کبھی نہ کسی کو دیکھا ہے نہ سنا ہے نہ ملے ہیں نہ جانتے ہیں۔

لیکن وزیرے چنیں شہریارے چناں وہاں تو ان لوگوں کا مجمع تھا کہ فرعون نے جب کہا کہ میں رب اعلیٰ ہوں تو سب نے گردنیں جھکا کر کہا بیشک حضور آپ خدا ہیں تو ایسے جہالت کے پلندوں سے کوئی بات منوا لینی کیا مشکل تھی؟ اس کے رعب میں آ کر ایمان لانے کا ارادہ بدلا اور سمجھ بیٹھے کہ واقعی فرعون ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کے امیر سے فرمایا کہ اگر میں غالب آ جاؤں تو کیا تو مجھ پر ایمان لائے گا؟ اس نے کہا آج میدان میں ہماری جانب جو جادو پیش کیا جائے گا اس کا جواب ساری مخلوق کے پاس نہیں تو اگر اس پر غالب آ گیا تو مجھے بیشک یقین ہو جائے گا کہ وہ جادو نہیں معجزہ ہے۔

یہ گفتگو فرعون کے کانوں تک پہنچی اسے یہ دوہرا رہا ہے کہ تم نے ملی بھگت کر لی۔ اس طرح لوگوں کے دل حقانیت سے ہٹا کر انہیں بدظن کرنے کیلئے دوسری چال یہ چلتا اور کہتا ہے کہ تم اپنے ایکے، اتفاق اور پوشیدہ جال سے جاہتے یہ ہو کہ ہماری دولت و شوکت چھین لو ہمیں یہاں سے نکال باہر کرو، اس طرح اپنی قوم کے دل ان کی طرف سے پھیر کر پھر انہیں خوفزدہ کرنے کیلئے چوتھی چال چلتا ہے کہ ان نومسلموں سے کہتا ہے کہ دیکھو تو تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ سو میں کتنے بیس ہوتے ہیں۔ مجھے بھی قسم ہے جو تمہارے ہاتھ پاؤں نہ کٹوائے اور وہ بھی الٹی طرح یعنی پہلے اگر سیدھا ہاتھ کاٹا جائے تو پھر بایاں پاؤں اور اگر پہلے سیدھا پاؤں کاٹا گیا تو پھر الٹا ہاتھ۔ اسی طرح بیدست وپا کر کے کھجوروں کی شاخوں پر لٹکا دوں گا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس ظالم بادشاہ سے پہلے ان دونوں سزاؤں کا رواج نہ تھا۔ یہ دھمکی دے کر وہ سمجھتا تھا کہ اب یہ نرم پڑ جائیں گے لیکن وہ تو ایمان میں اور پختہ ہو گئے، بالاتفاق جواب دیتے ہیں کہ اچھا ڈرایا؟ یہاں سے تو واپس اللہ کے پاس جانا ہی ہے اسی کے قبضہ وقدرت میں سب کچھ ہے آج اگر تیری سزاؤں سے بچ گئے تو کیا اللہ کے ہاں کی سزائیں بھی معاف ہو جائیں گی؟ ہمارے نزدیک تو دنیا کی سزائیں بھگت لینا بہ نسبت آخرت کے عذاب کے بھگتنے کے بہت ہی آسان ہے۔ تو ہم نے اللہ کے نبی کا مقابلہ کرا چکا ہے لیکن اب جبکہ ہم پر حق واضح ہو گیا ہم اس پر ایمان لے آئے تو تو چڑ رہا ہے۔ کہنے کو تو یہ سب کچھ کہہ گئے لیکن پھر خیال آیا کہ کہیں ہمارا قدم پھسل نہ جائے اس لئے دعا میں دل کھول دیا کہ اے اللہ ہمیں صبر عطا فرما، ثابت قدمی دے، ہمیں اسلام پر ہی موت دے، تیرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرتے ہوئے ہی دنیا سے رخصت ہوں۔ ایسا نہ ہو اس ظالم کے رعب میں یا اس کی دھمکیوں میں آ جائیں یا سزاؤں سے ڈر جائیں یا ان کے برداشت کی تاب نہ لائیں۔ ان دعاؤں کے بعد دل بڑھ جاتے ہیں، ہمتیں دگنی ہو جاتی ہیں فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتے ہیں تجھے جو کرنا ہے اس میں کمی نہ کر، کسر اٹھا نہ رکھ، جو جی میں ہے کر گذر تو دنیا ہی میں سزائیں دے سکتا ہے۔

ہم صبر کر لیں گے کیا عجب کہ ہمارے ایمان کی وجہ سے اللہ ہماری خطائیں معاف فرمائے خصوصاً ابھی کی یہ خطا کہ ہم نے جھوٹ سے سچ کا مقابلہ کیا۔ بیشک اللہ بہتر ہے اور زیادہ باقی ہے۔ گناہگاروں کے لئے اس کے ہاں جہنم کی سزا ہے جہاں نہ موت آئے نہ کارآمد زندگی ہو۔ اور مومنوں کے لئے اس کے پاس جنتیں ہیں جہاں بڑے بلند درجے ہیں۔ سبحان اللہ یہ لوگ دن کے ابتدائی حصے میں کافر اور جادوگر تھے اور اسی دن کے آخری حصے میں مومن بلکہ نیک شہید تھے۔

سیاہ دل لوگ اقرار کے بعد انکار کرتے رہے

ان کی سرکشی اور ضد دیکھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہتے ہیں کہ آپ خواہ کتنی ہی دلیلیں پیش کریں کیسے ہی معجزے بتائیں ہم ایمان لانے والے نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ سب آپ کے جادو کے کرشمے ہیں۔ ان پر طوفان آیا، بکثرت بارشیں برسیں جس سے پھل اور اناج تباہ ہو گئے اور اسی سے وبا اور طاعون کی بیماری پھیل پڑی۔ اسی لئے بعض مفسرین نے کہا ہے طوفان سے مراد موت ہے۔

بعض کہتے ہیں کوئی زبردست آسمانی آفت آئی تھی جس نے انہیں گھیر لیا تھا۔ ٹڈیوں کی مصیبت ان پر آئی۔ یہ ایک حلال جانور ہے۔ عبداللہ بن ابی اوفی سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا سات غزوے میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے ہیں ہر ایک میں ہم تو ٹڈیاں کھاتے رہے،

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دو مردے اور دو خون ہمارے لئے حلال کئے گئے ہیں مچھلی اور ٹڈی اور کلیجی اور تلی۔ ابوداؤد میں ہے حضور سے ٹڈی کی نسبت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا اللہ کے لشکر بہت سے ہیں جنہیں نہ کھاتا ہوں نہ حرام کہتا ہوں۔ حضور نے جی نہ چاہنے کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا جیسے کہ گوآپ نے نہیں کھایا حالانکہ دوسروں کو اس کے کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

حافظ ابن عساکر رحمت اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ اسی میں تصنیف فرمایا ہے اس میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور ٹڈی نہیں کھاتے تھے اور نہ گردے کھاتے تھے اور نہ گوہ۔ لیکن انہیں آپ نے حرام نہیں کیا۔ ٹڈی اس وجہ سے کہ وہ عذاب ہے، گردے اس وجہ سے کہ یہ پیشاب کے قریب ہیں اور گوہ اس وجہ سے کہ آپ کو خوف تھا کہ کہیں یہ مسخ شدہ امت نہ ہو، پھر یہ روایت بھی غریب ہے صرف یہی ایک سند ہے،

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٹڈی کو بڑی رغبت سے کھایا کرتے، تلاش کر کے منگوایا کرتے۔ چنانچہ کسی نے آپ سے مسئلہ پوچھا کہ ٹڈی کھائی جائے؟ آپ نے فرمایا کاش کہ ایک دو مل جاتیں تو کیسے مزے سے کھاتے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ امہات المومنین تو طباقوں میں لگا کر ٹڈیاں ہدیے اور تحفے کے طور پر بھیجتی تھیں۔

امام بغوی ایک روایت لائے ہیں کہ حضور نے فرمایا حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ایسا گوشت مجھے کھلا جس میں خون نہ ہو اللہ تعالیٰ نے انہیں ٹڈی کھلائی آپ نے ان کے لئے دعا کی کہ اے اللہ اسے بغیر دودھ پینے کے زندگی

دے اور اس کی اولاد کو بغیر آواز نکالے اس کے پیچھے لگا دے۔ ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے ٹڈیوں کو مارو نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا لشکر ہے۔

مجاہد فرماتے ہیں یہ ٹڈیاں ان کے دروازوں کی کیلیں کھا جاتی تھیں اور لکڑی چھوڑ دیتی تھیں اور زاعی کہتے ہیں میں ایک دن جنگل میں تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ٹڈیاں بہت سی آسمان کی طرف ہیں اور ان میں سے ایک ٹڈی پر ایک شخص سوار ہے جو ہتھیار بند ہے جو جس طرف اشارہ کرتا ہے ساری ٹڈیاں اس طرف کو جھک جاتی ہیں اور وہ زبان سے برابر کہہ رہا ہے کہ دنیا باطل ہے اور اس میں جو ہے وہ بھی باطل ہے۔

سات مختلف جانوروں جیسے جانور کا واقعہ

شریح قاضی فرماتے ہیں اس جانور میں سات مختلف جانوروں کی شان ہے اس کا سر گھوڑے جیسا ہے گردن بیل جیسی ہے سینہ شیر جیسا ہے پر گدھ جیسے ہیں پر اونٹ جیسے ہیں دم سانپ کی طرح کی ہے۔ پیٹ بچھو جیسا ہے آیت (اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ 96) 5-المآئدہ:96) کی تفسیر میں یہ روایت گذر چکی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج یا عمرے میں جا رہے تھے تو سامنے سے ہمیں ٹڈی دل ملا ہم نے احرام کی حالت میں انہیں لکڑیوں سے مارنا شروع کیا حضور سے سوال کرنے پر آپ نے فرمایا دریائی شکار میں محرم کو کوئی حرج نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ان ٹڈیوں کیلئے دعائے ضرر کرتے تو فرماتے اے اللہ جتنی ان میں سے بڑی ہیں تو انہیں سب کو ہلاک کر ڈال اور جتنی چھوٹی ہیں سب کو قتل کر ڈال ان کے انڈے خراب کر دے ان کی نسل کاٹ دے ان کے منہ ہماری روزی سے روک لے ہمیں روزیاں عطا فرما بیشک تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔

اس پر حضرت جابر نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ کے ایک لشکر کے غارت و برباد ہو جانے کی آپ دعا کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو سمندر کے اندر کی مچھلیوں کا ناک جھاڑن ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے اسے مچھلی میں سے اسی طرح نکلتے دیکھا ہے۔ جب مچھلی سمندر کے کنارے انڈے دے جاتی ہے وہاں سے جب پانی ہٹ جاتا ہے اور دھوپ پڑنے لگتی ہے تو وہ انڈے سب کے سب پھوٹ جاتے ہیں اور ان میں سے ٹڈیاں نکلتی ہیں جو پرواز کر جاتی ہیں۔

آیت قرآن (الا امم امثالکم) کی تفسیر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث ہم نے بیان کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سو تری میں ہیں اور چار سو خشکی میں۔ سب سے پہلے ہلاکت ٹڈیوں کی ہوگی۔ امام ابو بکر بن ابو داؤد ایک حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکڑی تلوار کے مقابلے پر کچھ نہیں اور درخت کی چھال ٹڈی کے مقابلے میں کچھ نہیں یہ حدیث غریب ہے۔ قمل کے بارے میں ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ وہ سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے جانور ہیں جو گیہوں میں سے نکلتے ہیں اور قول ہے کہ یہ بھی ایک قسم کی بے پر کی ٹڈیاں ہیں۔

ٹڈیوں کے عذاب نے باغات وفصلوں کا صفایا کر دیا

سعید کہتے ہیں سیاہ رنگ کے چھوٹے سے کیڑے ہیں۔اس کا واحد قملہ ہے۔یہ جانور جب اونٹ کو چمٹ جاتے ہیں تو اسے ہلاک کر دیتے ہیں۔الغرض ایسے ہی موذی جانور بصورت عذاب فرعونیوں کے لئے بھیجے گئے تھے۔فرعون کی سرکشی اور انکار پر طوفان آیا جس سے انہیں یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کا عذاب ہے۔گڑگڑا کر حضرت موسیٰ سے عرض کرنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے یہ موسلا دھار پانی رک جائے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ کر دیں گے۔آپ نے دعا کی طوفان ہٹ گیا تو یہ اپنے وعدے سے پھر گئے۔پھر اللہ کی شان ہے کہ کھیتیاں اور باغات اس قدر پھلے کہ اس سے پہلے کبھی ایسے نہیں پھلے تھے جب تیار ہو گئے تو ٹڈیوں کا عذاب آیا اسے دیکھ کر پھر گھبرائے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ عذاب ہٹا لے اب ہم پختہ وعدہ کرتے ہیں آپ کی دعا سے یہ عذاب بھی ہٹ گیا لیکن انہوں نے پھر وعدہ شکنی کی۔

فصلیں کاٹ لائے کھلیان اٹھا لئے۔لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب پھر اور شکل میں آیا تمام اناج وغیرہ میں کیڑا لگ گیا اس قدر کثرت یہ جانور پھیل گئے کہ دس پیمانے لے کر کوئی شخص پسوانے نکلتا تو پسوائے تک وہ جانور سات پیمانے کھا لیتے۔گھبرا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے پھر وعدے کئے آپ پھر دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس آفت کو بھی ہٹا لیا۔لیکن انہوں نے پھر بے ایمانی کی۔نہ بنی اسرائیل کو رہا کیا نہ ایمان قبول کیا۔اس پر مینڈکوں کا عذاب آیا۔دربار میں فرعون بیٹھا ہوا ہے تو وہیں مینڈک ظاہر ہو کر ٹرانے لگا سمجھ گئے کہ یہ نئی شکل کا عذاب الٰہی ہے۔

اب یہ پھیلنے اور بڑھنے شروع ہوئے یہاں تک کہ آدمی بیٹھتا تو اس کی گردن تک آس پاس سے اسے مینڈک گھیر لیتے۔یہاں بات کرنے کیلئے کوئی منہ کھولتا کہ مینڈک تڑپ کر اس کے منہ میں گھس جاتا۔پھر تنگ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عذاب کے ہٹنے کی درخواست کی اور اقرار کیا کہ ہم خود ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کر دیں گے آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو بھی دفع کر دیا لیکن پھر مکر گئے۔چنانچہ ان پر خون کا عذاب آیا تمام برتنوں میں خون کھانے پینے کی چیزوں میں خون کنویں میں سے پانی نکالیں تو خون۔تالاب سے پانی لائیں تو خون۔پھر تڑپ اٹھے فرعون نے کہا یہ بھی جادو ہے لیکن جب تنگ آ گئے تو آخر حضرت موسیٰ سے مع وعدہ درخواست کی کہ ہم تو پانی سے ترس گئے۔چنانچہ آپ نے قول قرار لے کر پھر دعا کی اور اللہ نے اس عذاب کو بھی ہٹا لیا لیکن یہ پھر منکر ہو گئے۔فرعون جب میدان سے ناکام واپس لوٹا تھا اس نے ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ بھی ہو میں ایمان نہ لاؤں گا۔

ٹڈیوں نے مکان و دروازوں کو تباہ کر دیا

چنانچہ طوفان کی وجہ سے بھوکوں مرنے لگے پھر ٹڈیوں کا عذاب آیا تو درخت تو کیا گھر کی چوکھٹیں اور دروازوں تک وہ کھا گئیں مکانات گرنے لگے پھر حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے ایک پتھر پر لکڑی ماری۔جس میں سے بیشمار چچڑیاں نکل پڑیں اور پھیل گئیں کھانا، پینا، سونا، بیٹھنا، سب بند ہو گیا۔پھر مینڈکوں کا عذاب آیا جہاں دیکھو مینڈک نظر آنے لگے۔پھر خون کا عذاب آیا نہریں،

تالاب، کنویں، مٹکے گھڑے وغیرہ غرض بجائے پانی کے خون ہی خون سب چیزیں ہوگئیں۔

عبیداللہ بن عمرو فرماتے ہیں مینڈک کو نہ مارو یہ جب بصورت عذاب فرعونیوں کے پاس آئے تو ایک نے اللہ کی رضا جوئی کے لئے تنور میں چھلانگ ماری۔ اللہ نے اس کے بدلے انہیں پانی کی ٹھنڈک عطا فرمائی اور ان کی آواز کو اپنی تسبیح بنایا۔ یہ بھی مروی ہے کہ خون سے مراد نکسیر پھوٹنا ہے الغرض ہر عذاب کو دیکھ کر اقرار کرتے لیکن جب حضرت موسیٰ کی دعا سے وہ ہٹ جاتا تو پھر انکار کر جاتے۔ (کتب تفاسیر)

فرعونیوں نے عذاب میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی ایمان قبول نہ کیا

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد بھی فرعونی اپنے کفر و سرکشی پر جمے رہے تو ان پر آیات الٰہیہ پیاپے وارد ہونے لگیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی تھی کہ یارب! فرعون زمین میں بہت سرکش ہوگیا اور اس کی قوم نے عہد شکنی کی، انہیں ایسے عذاب میں گرفتار کر جو ان کے لئے سزا ہو اور میری قوم اور بعد والوں کے لئے عبرت تو اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیجا، ابر آیا، اندھیرا ہوا، کثرت سے بارش ہونے لگی، قبطیوں کے گھروں میں پانی بھر گیا یہاں تک کہ وہ اس میں کھڑے رہ گئے اور پانی ان کی گردنوں کی ہنسلیوں تک آ گیا،

ان میں سے جو بیٹھا ڈوب گیا، نہ ہل سکتے تھے نہ کچھ کام کر سکتے تھے، سنیچر سے سنیچر تک سات روز تک اسی مصیبت میں مبتلا رہے اور باوجود اس کے کہ بنی اسرائیل کے گھر ان کے گھروں سے متصل تھے ان کے گھروں میں پانی نہ آیا۔ جب یہ لوگ عاجز ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا ہمارے لئے دعا فرمائیے کہ یہ مصیبت رفع ہو تو ہم آپ پر ایمان لائیں اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی طوفان کی مصیبت رفع ہوئی، زمین میں وہ سرسبزی و شادابی آئی جو پہلے نہ دیکھی تھی، کھیتیاں خوب ہوئیں، درخت خوب پھلے تو فرعونی کہنے لگے یہ پانی تو نعمت تھا اور ایمان نہ لائے۔ ایک مہینہ تو عافیت سے گذرا پھر اللہ تعالیٰ نے ٹڈی بھیجی وہ کھیتیاں اور پھل، درختوں کے پتے، مکان کے دروازے، چھتیں، تختے، سامان حتیٰ کہ لوہے کی کیلیں تک کھا گئیں اور قبطیوں کے گھروں میں بھر گئیں۔

اور بنی اسرائیل کے یہاں نہ گئیں۔ اب قبطیوں نے پریشان ہو کر پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی، ایمان لانے کا وعدہ کیا اس پر عہد و پیمان کیا۔ سات روز یعنی شنبہ سے شنبہ تک ٹڈی کی مصیبت میں مبتلا رہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے نجات پائی۔ کھیتیاں اور پھل جو کچھ باقی رہ گئے تھے انہیں دیکھ کر کہنے لگے یہ ہمیں کافی ہیں ہم اپنا دین نہیں چھوڑتے چنانچہ ایمان نہ لائے عہد وفا نہ کیا اور اپنے اعمال خبیثہ میں مبتلا ہوگئے۔

قملوں کے عذاب نے آل فرعون کو تباہ کر دیا

ایک مہینہ عافیت سے گذرا پھر اللہ تعالیٰ نے قُمّل بھیجے۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ قُمّل گھن ہے، بعض کہتے ہیں جوں، بعض کہتے ہیں ایک اور چھوٹا سا کیڑا ہے، اس کیڑے نے جو کھیتیاں اور پھل باقی رہے تھے وہ کھا لئے، کپڑوں میں

ٹس جاتا تھا اور جلد کو کاٹتا تھا، کھانے میں بھر جاتا تھا اگر کوئی دس بوری گیہوں چکی پر لے جاتا تو تین سیر واپس لاتا باقی سب کیڑے کھا جاتے۔ یہ کیڑے فرعونیوں کے بال، بھنویں، پلکیں چاٹ گئے، جسم پر چیچک کی طرح بھر جاتے، سونا دشوار کر دیا تھا۔ اس مصیبت سے فرعونی چیخ پڑے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا ہم توبہ کرتے ہیں آپ اس بَلا کے دفع ہونے کی دعا فرمایئے چنانچہ سات روز کے بعد یہ مصیبت بھی حضرت کی دعا سے رفع ہوئی لیکن فرعونیوں نے پھر عہد شکنی کی اور پہلے سے زیادہ خبیث تر عمل شروع کئے، ایک مہینہ امن میں گذرنے کے بعد پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مینڈک بھیجے اور یہ حال ہوا کہ آدمی بیٹھتا تھا تو اسکی مجلس میں مینڈک بھر جاتے تھے، بات کرنے کے لئے منہ کھولتا تو مینڈک کود کر منہ میں پہنچتا۔

ہانڈیوں میں مینڈک، کھانوں میں مینڈک، چولھوں میں مینڈک بھر جاتے تھے، آگ بجھ جاتی تھی، لیٹتے تھے تو مینڈک اوپر سوار ہوتے تھے۔ اس مصیبت سے فرعونی رو پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا اب کی بار ہم پکی توبہ کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے عہد و پیمان لے کر دعا کی تو سات روز کے بعد یہ مصیبت بھی دفع ہوئی اور ایک مہینہ عافیت سے گزرا

فرعونیوں کے لئے پینے کا پانی خون بن گیا

لیکن پھر انہوں نے عہد توڑ دیا اور اپنے کفر کی طرف لوٹے پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعائے ضرر فرمائی تو تمام کنوؤں کا پانی، نہروں اور چشموں کا پانی، دریائے نیل کا پانی غرض ہر پانی ان کے لئے تازہ خون بن گیا، انہوں نے فرعون سے اس کی شکایت کی تو کہنے لگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادو سے تمہاری نظر بندی کر دی۔ انہوں نے کہا کیسی نظر بندی ہمارے برتنوں میں خون کے سوا پانی کا نام و نشان ہی نہیں تو فرعون نے حکم دیا کہ قبطی بنی اسرائیل کے ساتھ ایک ہی برتن سے پانی لیں تو جب بنی اسرائیل نکالتے تو پانی نکلتا قبطی نکالتے تو اسی برتن سے خون نکلتا۔

یہاں تک کہ فرعونی عورتیں پیاس سے عاجز ہو کر بنی اسرائیل کی عورتوں کے پاس آئیں اور ان سے پانی مانگا تو وہ پانی ان کے برتن میں آتے ہی خون ہو گیا تو فرعونی عورت کہنے لگی کہ تو پانی اپنے منہ میں لے کر میرے منہ میں کلی کر دے جب تک وہ پانی اسرائیلی عورت کے منہ میں رہا پانی تھا جب فرعونی عورت کے منہ میں پہنچا خون ہو گیا۔ فرعون خود پیاس سے مُضطر ہوا تو اس نے تر درختوں کی رَطوبت چوسی وہ رَطوبت منہ میں پہنچتے ہی خون ہو گئی۔ سات روز تک خون کے سوا کوئی چیز پینے کی مُیسّر نہ آئی تو پھر حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے دعا کی درخواست کی اور ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی یہ مصیبت بھی رفع ہوئی مگر ایمان پھر بھی نہ لائے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے تو اللہ سے ہم کلام ہونے کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آپ اس مدت کو پوری کر چکے تھے جو آپ کے اور آپ کے خسر شعیب کے درمیان طے ہوئی تھی اور آپ اپنے اہل و عیال کو لے کر دس سال سے زیادہ عرصے کے بعد اپنے وطن مصر کی طرف جا

رہے تھے سردی کی رات تھی راستہ بھول گئے تھے پہاڑوں کی گھاٹیوں کے درمیان اندھیرا تھا ابر چھایا ہوا تھا ہر چند چقماق سے آگ نکالنا چاہی لیکن اس سے بالکل آگ نہ نکلی ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو دائیں جانب کے پہاڑ پر کچھ آگ دکھائی دی تو بیوی صاحبہ سے فرمایا اس طرف آگ سی نظر آ رہی ہے میں جاتا ہوں کہ وہاں سے کچھ انگارے لے آؤں تا کہ تم سینک تاپ کر لو اور کچھ روشنی بھی ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کوئی آدمی مل جائے جو راستہ بھی بتا دے۔ بہرصورت راستے کا پتہ یا آگ مل ہی جائے گی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو اس مبارک میدان کے دائیں جانب کے درختوں کی طرف سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں تیرا رب ہوں تو جوتیاں اتار دے۔ یا تو اس لئے یہ حکم ہوا کہ آپ کی جوتیاں گدھے کے چمڑے کی تھیں یا اس لئے کہ تعظیم کرانی مقصود تھی۔ جیسے کہ کعبہ جانے کے وقت لوگ جوتیاں اتار کر جاتے ہیں۔ یا اس لئے کہ اس بابرکت جگہ پر پاؤں پڑیں اور بھی وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔ طوی اس وادی کا نام تھا۔ یا یہ مطلب کہ اپنے قدم اس زمین سے ملا دو۔ یا یہ مطلب کہ یہ زمین کئی کئی بار پاک کی گئی ہے اور اس میں برکتیں بھر دی گئی ہیں اور بار بار دہرائی گئی ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح پہلا قول ہی ہے۔

دریائے نیل، فرعون اور قوم بنی اسرائیل

فرعون اور اس کے لشکریوں کے غرق ہونے کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ بنی اسرائیل جب اپنے نبی کے ساتھ چھ لاکھ کی تعداد میں جو بال بچوں کے علاوہ تھے۔ مصر سے نکل کھڑے ہوئے اور فرعون کو یہ خبر پہنچی تو اس نے بڑا ہی تاؤ کھایا اور زبردست لشکر جمع کر کے اپنے تمام لوگوں کو لے کر ان کے پیچھے لگا۔ اس نے تمام لاؤ لشکر کو تمام سرداروں، فوجوں، رشتے کنبے کے تمام لوگوں اور کل ارکان سلطنت کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ اپنے پورے ملک میں کسی صاحب حیثیت شخص کو باقی نہیں چھوڑا تھا۔ بنی اسرائیل جس راہ گئے تھے اسی راہ یہ بھی نہایت تیزی سے جا رہا تھا۔ ٹھیک سورج چڑھے، اس نے انہیں اور انہوں نے اسے دیکھ لیا۔ بنی اسرائیل گھبرا گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے لو اب پکڑ لئے گئے کیونکہ سامنے دریا تھا اور پیچھے لشکر فرعون نہ آگے بڑھ سکتے تھے نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ آگے بڑھتے تو ڈوب جاتے پیچھے ہٹے تو قتل ہوتے۔

فرعونیوں نے بنی اسرائیل کا انوکھے روڈ پر جانے کا فیصلہ کیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسکین دی اور فرمایا میں اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے تمہیں لے جا رہا ہوں۔ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ مجھے کوئی نہ کوئی نجات کی راہ بتلا دے گا۔ تم بے فکر رہو۔ وہ سختی کو آسانی سے تنگی کو فراخی سے بدلنے پر قادر ہے۔ اسی وقت وحی ربانی آئی کہ اپنی لکڑی دریا پر مار دے۔ آپ نے یہی کیا۔ اس وقت پانی پھٹ گیا، راستے دے دیئے اور پہاڑوں کی طرح پانی کھڑا ہو گیا۔ ان کے بارہ قبیلے تھے بارہ راستے دریا میں بن گئے۔ تیز اور سوکھی ہوائیں چل پڑیں جس نے راستے خشک کر دیئے اب نہ تو فرعونیوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے کا کھٹکا رہا نہ پانی میں ڈوب جانے کا۔ ساتھ ہی قدرت نے پانی کی دیواروں میں طاق اور سوراخ بنا دیئے کہ ہر قبیلے دوسرے قبیلے کو بھی دیکھ سکے۔ تا کہ دل میں یہ خدشہ بھی نہ رہے کہ کہیں وہ ڈوب نہ گیا ہو۔ بنو اسرائیل ان راستوں سے جانے لگے اور دریا پار اتر گئے۔ انہیں پار ہوتے ہوئے فرعونی دیکھ رہے تھے۔ جب یہ سب کے سب اس

کنارے پہنچ گئے اب لشکر فرعون بڑھا اور سب کے سب دریا میں اتر گئے ان کی تعداد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس ایک لاکھ گھوڑے تو صرف سیاہ رنگ کے تھے جو باقی رنگ کے تھے ان کی تعداد کا خیال کر لیجئے۔

فرعون بڑا کائیاں تھا۔ دل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت جانتا تھا۔ اسے یہ رنگ دیکھ کر یقین ہو چکا تھا کہ یہ بھی بنی اسرائیل کی غیبی تائید ہوئی ہے وہ چاہتا تھا کہ یہاں سے واپس لوٹ جائے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہو چکی تھی۔ قدرت کا قلم چل چکا تھا۔ اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ اسلام گھوڑے پر آ گئے اور ان کے جانور کے پیچھے فرعون کا گھوڑا لگ گیا۔ آپ نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ فرعون کا گھوڑا اسے گھسیٹتا ہوا دریا میں اتر گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو آواز لگائی کہ بنی اسرائیل گزر گئے اور تم یہاں ٹھیر گئے۔ چلو ان کے پیچھے اپنے گھوڑے بھی میری طرح دریا میں ڈال دو۔ اسی وقت ساتھیوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو مہمیز کیا۔

حضرت میکائل علیہ السلام ان کے پیچھے تھا کیونکہ ان کے جانوروں کو ہنکائیں غرض بغیر ایک کے بھی باقی رہے سب دریا اتر گئے۔ جب یہ سب اندر پہنچ گئے اور ان کا سب سے آگے کا حصہ دوسرے کنارے کے قریب پہنچ کا، اسی وقت جناب باری قادر وقیوم کا دریا کو حکم ہوا اب مل جا اور ان کو ڈبو دے۔ پانی کے پتھر بنے ہوئے پہاڑ فوراً پانی ہو گئے اور اسے وقت یہ سب غوطے کھانے لگے اور فوراً فرعون جب موجوں میں پھنس گیا اور سکرات موت کا سے مزہ آنے لگا تو کہنے لگا کہ میں لاشریک رب واحد پر ایمان لاتا ہوں۔ جس پر بو اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ ظاہر کہ عذاب کے دیکھ چکنے کے بعد عذاب کے آ جانے کے بعد ایمان سود مند نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو فرما چکا ہے اور یہ قاعدہ جاری کر چکا ہے۔ اسی لیے فرعون جو جواب ملا کہ اس وقت یہ کہتا ہے حالانکہ اب تک شر و فساد پر تلا رہا۔

حضرت جبرائیل کا فرعون کے منہ کیچڑ ڈالنے کا واقعہ

پوری عمر اللہ کی نافرمانیاں کرتا رہا۔ ملک میں فساد مچاتا رہا۔ خود گمراہ ہو کر اوروں کو بھی راہ حق سے روکتا رہا۔ لوگ کو جہنم کی طرف بلانے کا امام تھا۔ قیامت کے دن بے یار و مددگار رہے گا۔ فرعون کا اس وقت کا قول اللہ تعالیٰ علام الغیوب نے اپنے علم غیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس واقعے کی خبر دیتے وقت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ کاش آپ اس وقت ہوتے اور دیکھتے کہ میں اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونس رہا تھا اس خیال سے کہ کہیں اس کی بات پوری ہونے پر اللہ کی رحمت اس کی دست گیری نہ کر لے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ڈوبتے وقت فرعون نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اُٹھا کر اپنے ایمان کا اقرار کرنا شروع کیا جس پر حضرت جبرائیل علیہ اسلام نے اس کے منہ میں مٹی بھرنی شروع کی۔ اس فرعون کثیر بن زاذان ملعون کا حضرت جبرئیل علیہ اسلام اس وقت بند کر رہے تھے اور اس کے منہ کیچڑ ٹھونس رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ بعض بنی اسرائیل کو فرعون کی موت میں شک پیدا ہو گیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ اس کی لاش بلند

ٹیلے پر خشکی میں ڈال دے تا کہ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اوران کا معائنہ کرلیں۔ چنانچہ اس کا جسم معہ اس کے لباس کے خشکی پر ڈال دیا گیا تا کہ بنی اسرائیل کو معلوم ہو جائے اوران کے لیے نشانی اور عبرت بن جائے اور وہ جان لیں کہ غضب الٰہی کو کوئی چیز دفع نہیں کرسکتی۔ باوجود ان کھلے واقعات کے بھی اکثر لوگ ہماری آیتوں سے غفلت برتتے ہیں۔ کچھ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ان فرعونیوں کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مع مسلمانوں کے نجات پانا عاشورے کے دن ہوا تھا۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں آئے تو یہودیوں کو اس دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ وہ کہتے تھے کہ اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب آئے تھے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہ نسبت ان کے زیادہ حقدار ہو تم بھی اس عاشورے کے دن کا روزہ رکھو۔ (تفسیر ابن کثیر)

سامری کا قوم بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا پر لگانے کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا کہ تو نے یہ فتنہ کیوں اٹھایا؟ یہ شخص باجرو کا رہنے والا تھا اس کی قوم گائے پرست تھی۔ اس کے دل میں گائے محبت گھر کیے ہوئے تھی۔ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا۔ اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا ایک روایت میں ہے یہ کرمانی تھا۔ ایک روایت میں ہے اس کی بستی کا نام سامرا تھا اس نے جواب دیا کہ جب فرعون کی ہلاکت کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تو میں نے ان کے گھوڑے کے ٹاپ تلے سے تھوڑی سی مٹی اٹھالی۔ اکثر مفسرین کے نزدیک مشہور بات یہی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر چڑھنے لگے تو سامری نے دیکھ لیا۔ اس نے جلدی سے ان کے گھوڑے کے سم تلے کی مٹی اٹھالی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جبرائیل علیہ السلام آسمان تک لے گئے اللہ تعالیٰ نے تورات لکھی حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم کی تحریر کی آواز سن رہے تھے لیکن جب آپ کو آپ کی قوم کی مصیبت معلوم ہوئی تو نیچے اتر آئے اوراس بچھڑے کو جلا دیا۔ لیکن اس کی اثر کی سند غریب ہے۔ اسی خاک کی چٹکی یا مٹھی کو اس نے بنی اسرائیل کے جمع کردہ زیوروں کے جلنے کے وقت ان میں ڈال دی۔ جو بصورت بچھڑا بن گئے اور چونکہ بیچ میں خلا تھا وہاں سے ہوا گھستی تھی اوراس سے آواز نکلتی تھی۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھتے ہی اس کے دل میں خیال گزرا تھا کہ میں اس کے گھوڑے کے ٹاپوں تلے کی مٹی اٹھالوں میں جو چاہوں گا وہ اس مٹی کے ڈالنے سے بن جائے گا اس کی انگلیاں اسی وقت سوکھ گئی تھی۔ جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ ان کے پاس فرعونیوں کے زیورات رہ گئے اور فرعونی ہلاک ہو گئے اور یہ اب ان کو واپس نہیں ہوسکتے تو غمزدہ ہونے لگے سامری نے کہا دیکھو اس کی وجہ سے تم پر مصیبت نازل ہوئی ہے اسے جمع کر کے آگ لگا دو جب وہ جمع ہو گئے اور آگ سے پگھل گئے تو اس کے جی میں آئی کہ وہ خاک اس پر ڈال دے اوراسے بچھڑے کی شکل میں بنالے چنانچہ یہی ہوا۔

اوراس نے کہہ دیا کہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا رب یہی ہے۔ یہی وہ جواب دے رہا ہے کہ میں نے اسے ڈال دیا اور

میرے دل نے یہی ترکیب مجھے اچھی طرح سمجھادی ہے۔ کلیم اللہ نے فرمایا تو نے نہ لینے کی چیز کو ہاتھ لگایا تیری سزا دنیا میں یہی ہے کہ اب نہ تو تو کسی کو ہاتھ لگا سکے نہ کوئی اور تجھے ہاتھ لگا سکے۔ باقی سزا تیری قیامت کو ہوگی جس سے چھٹکارا محال ہے ان کے بقایا اب تک یہی کہتے ہیں کہ نہ چھونا اب تو اپنے اللہ کا حشر بھی دیکھ لے جس کی عبادت پر اوندھا پڑا ہوا تھا کہ ہم اسے جلا کر راکھ کر دیتے ہیں۔

چنانچہ وہ سونے کا بچھڑا اس طرح جل گیا جیسے خون اور گوشت والا بچھڑا جلے۔ پھر اس کی راکھ کو تیز ہوا میں دریا میں ذرہ ذرہ کر کے اڑا دیا۔ مروی ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کی عورتوں کے زیور جہاں تک اس کے بس میں تھے لئے ان کا بچھڑا بنایا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلا دیا اور دریا میں اس کی خاک بہادی جس نے بھی اس کا پانی پیا اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اس سے سارے گوسالہ پرست معلوم ہو گئے اب انہوں نے توبہ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہماری توبہ کیسے قبول ہوگی؟ حکم ہوا کہ ایک دوسروں کو قتل کرو۔ اس کا پورا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارا معبود یہ نہیں۔ مستحق عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ ہے باقی تمام جہان اس کا محتاج ہے اور اس کے ماتحت ہے وہ ہر چیز کا عالم ہے، اسکے علم نے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے، ہر چیز کی گنتی اسے معلوم ہے۔ ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہر پتے کا اور ہر دانے کا اسے علم ہے بلکہ اس کے پاس کی کتاب میں وہ لکھا ہوا موجود ہے زمین کے تمام جانداروں کو روزیاں وہی پہنچاتا ہے، سب کی جگہ اسے معلوم ہے سب کچھ کھلی اور واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ علم الٰہی محیط کل اور سب کو حاوی ہے، اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

سامری کو چھونے والے کو بخار ہو جانے کا واقعہ

سب سے علیٰحدہ رہنا نہ تجھ سے کوئی چھوئے نہ تو کسی سے چھوئے، لوگوں سے ملنا اس کے لئے کلی طور پر ممنوع قرار دیا گیا اور ملاقات، مکالمت، خرید و فروخت ہر ایک کے ساتھ حرام کر دی گئی اور اگر اتفاقاً کوئی اس سے چھو جاتا تو وہ اور چھونے والا دونوں شدید بخار میں مبتلا ہوتے، وہ جنگل میں یہی شور مچاتا پھرتا تھا کہ کوئی چھو نہ جانا اور وحشیوں اور درندوں میں زندگی کے دن نہایت تلخی و وحشت میں گزارتا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ طور پر ہی اپنی قوم کا یہ کفر معلوم ہو چکا تھا اس لئے سخت غضبناک ہو کر واپس آئے اور فرمانے لگے کہ تم نے تو میرے بعد سخت نالائقی کی۔ تم نے میرا انتظار بھی نہ کیا میری ذرا سی تاخیر میں یہ ظلم ڈھایا غصے کے مارے تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ زمرد یا یاقوت یا کسی اور چیز کی تھیں۔ سچ ہے جو حدیث میں ہے کہ دیکھنا سننا برابر نہیں، اپنی قوم پر غصے ہو کر الواح ہاتھ سے گرا دیں۔ ٹھیک بات یہی ہے۔ جمہور سلف و خلف کا قول بھی یہی ہے۔

یہ ممکن بھی نہیں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں باز رکھنے کی پوری کوشش نہ کی ہو آپ نے ان کے سر کے بالوں کے انہیں گھسیٹ لیا اور فرمانے لگے انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی تو نے میری ماتحتی میں انہیں کیوں نہ روکا؟ کیا تو بھی میرے

فرمان کا منکر بن گیا؟ اس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا کہ بھائی جان میرے سر کے اور داڑھی کے بال نہ پکڑیں میں نے تو ہر ممکن طریقے سے انہیں روکا زیادہ اس لئے نہ الجھا کہ کہیں آپ یہ نہ فرمادیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی؟ تو نے میرا انتظار کیوں نہ کیا؟ ورنہ میں تو ان گمراہوں سے اب تک زمین کو پاک کر چکا ہوتا۔ انہوں نے تو مجھے کچھ بھی نہ سمجھا بلکہ میرے قتل کے درپے ہوگئے آپ مجھے ان ہی کی طرح نہ سمجھیں نہ ان میں ملائیں۔

حضرت ہارون کا یہ فرمانا کہ اے میرے ماں جائے بھائی یہ صرف اس لئے تھا کہ حضرت موسیٰ کو رحم آ جائے، ماں باپ دونوں کے ایک ہی تھے۔ جب آپ کو اپنے بھائی ہارون کی برات کی تحقیق ہوگئی اللہ کی طرف سے بھی ان کی پاک دامنی اور بے قصوری معلوم ہوگئی کہ انہوں نے اپنی قوم سے پہلے ہی یہ فرمادیا تھا کہ افسوس تم فتنے میں پڑ گئے اب بھی کچھ نہیں بگڑا پروردگار بڑا ہی رحیم و کریم ہے تم میری مان لو اور پھر سے میرے تابع دار بن جاؤ تو آپ اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے واقعی دیکھنے والے میں اور خبر سننے والے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ قوم کی گمراہی کی خبر سنی تو تختیاں ہاتھ سے نہ گرائیں لیکن اسی منظر کو دیکھ کر قابو میں نہ رہے تختیاں پھینک دیں۔

توبہ کیلئے ستر آدمیوں کے انتخاب کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسب فرمان الٰہی اپنی قوم سے ستر شخصوں کو منتخب کیا اور جناب باری سے دعائیں مانگنا شروع کیں۔ لیکن یہ لوگ اپنی دعا میں حد سے تجاوز کر گئے کہنے لگے اللہ تو ہمیں وہ دے جو نہ ہم سے پہلے کسی کو دیا ہو نہ ہمارے بعد کسی کو دے۔ یہ دعا اللہ تعالیٰ کو ناپسند آئی اور ان پر بھونچال آ گیا۔ جس سے گھبرا کر حضرت موسیٰ اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔ سدی کہتے ہیں انہیں لے کر آپ اللہ تعالیٰ سے بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کی معذرت کرنے کیلئے گئے تھے۔ یہاں جب وہ پہنچے تو کہنے لگے ہم تو جب تک خود اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ایمان نہ لائیں گے۔

ہم کلام سن رہے ہیں لیکن دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس پر کڑاکے کی آواز ہوئی اور یہ سب مر کھپ گئے حضرت موسیٰ نے رونا شروع کیا کہ اللہ میں بنی اسرائیل کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ ان کے یہ بہترین لوگ تھے اگر یہی منشا تھی تو اس سے پہلے ہی ہمیں ہلاک کر دیا ہوتا۔ امام محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ انہیں اس بت پرستی سے توبہ کرنے کیلئے بطور وفد کے آپ لے چلے تھے۔ ان سے فرمادیا تھا کہ پاک صاف ہو جاؤ پاک کپڑے پہن لو اور روزے سے چلو یہ اللہ کے بتائے ہوئے وقت پر طور سینا پہنچے۔ مناجات میں مشغول ہوئے انہوں نے خواہش کی کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم بھی اللہ کا کلام سنیں آپ نے دعا کی جب حسب عادت بادل آیا اور موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ گئے اور بادل میں چھپ گئے قوم سے فرمایا تم بھی قریب آ جاؤ یہ بھی اندر چلے گئے اور حسب معمول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی پر ایک نور چمکنے لگا جو اللہ کے کلام کے وقت برابر چمکتا رہتا تھا اس وقت کوئی انسان آپ کے چہرے پر نگاہ نہیں ڈال سکتا تھا آپ نے حجاب کر لیا لوگ سب سجدے میں گر پڑے اور اللہ کا کلام شروع ہوا جو یہ لوگ بھی سن رہے تھے کہ فرمان ہو رہا ہے یہ کر یہ نہ کر وغیرہ۔ جب باتیں ہو چکیں اور ابر اٹھ گیا تو ان لوگوں نے کہا ہم تو جب تک اللہ کو خوب ظاہر نہ دیکھ لیں ایمان نہیں

لائیں گے تو ان پر کڑاکا نازل ہوا اور سب کے سب ایک ساتھ مر گئے موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرائے اور مناجات شروع کر دی اس میں یہاں تک کہا کہ اگر ہلاک ہی کرنا تھا تو اس سے پہلے ہلاک کیا ہوتا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو اور شبر اور شبیر کو لے کر پہاڑ کی گھاٹی میں گئے۔

ہارون ایک بلند جگہ کھڑے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی جب آپ واپس بنی اسرائیل کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ چونکہ آپ کے بھائی بڑے ملنسار اور نرم آدمی تھے آپ نے ہی انہیں الگ لے جا کر قتل کر دیا اس پر آپ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے ستر آدمی چھانٹ کر میرے ساتھ کر دو انہوں نے کر دیئے جنہیں لے کر آپ گئے اور حضرت ہارون کی لاش سے پوچھا کہ آپ کو کس نے قتل کیا؟ اللہ کی قدرت سے وہ بولے کسی نے نہیں بلکہ میں اپنی موت مرا ہوں انہوں نے کہا بس موسیٰ اب سے آپ کی نافرمانی ہرگز نہ کی جائے گی اسی وقت زلزلہ آیا جس سے وہ سب مر گئے اب تو حضرت موسیٰ بہت گھبرائے دائیں بائیں گھومنے لگے اور وہ عرض کرنے لگے جو قرآن میں مذکور ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی التجا قبول کر لی ان سب کو زندہ کر دیا اور بعد میں وہ سب انبیاء بنے لیکن یہ اثر بہت ہی غریب ہے۔

ٹیڑھی آنکھ سے سجدہ کرنے والے یہودیوں کا واقعہ

آیت (وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ 63) 2-البقرۃ:63) ہے یعنی ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لا کھڑا کیا۔ اسے فرشتے اٹھا لائے تھے۔ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام انہیں ارض مقدس کی طرف لے چلے اور غصہ اتر جانے کے بعد تختیاں اٹھا لیں اور ان میں جو حکم احکام تھے، وہ انہیں سنائے تو انہیں وہ سخت معلوم ہوئے اور تسلیم و تعمیل سے صاف انکار کر دیا تو بحکم الٰہی فرشتوں نے پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر لا کھڑا کر دیا (نسائی میں)

مروی ہے کہ جب کلیم اللہ علیہ صلوات نے فرمایا کہ لوگو اللہ کی کتاب کے احکام قبول کرو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں سناؤ اس میں کیا احکام ہیں؟ اگر آسان ہوئے تو ہم منظور کر لیں گے ورنہ نہ مانیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار کے اصرار پر بھی یہ لوگ یہی کہتے رہے آخر اسی وقت اللہ کے حکم سے پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے سروں پر معلق کھڑا ہو گیا اور اللہ کے پیغمبر نے فرمایا بولو اب مانتے ہو یا اللہ تعالیٰ تم پر پہاڑ گرا کر تمہیں فنا کر دے؟ اسی وقت یہ سب کے سب مارے ڈر کے سجدے میں گر پڑے لیکن بائیں آنکھ سجدے میں تھی اور دائیں سے اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ گر نہ پڑے۔

چنانچہ یہودیوں میں اب تک سجدے کا طریقہ یہی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اسی طرح کے سجدے نے ہم پر سے عذاب الٰہی دور کر دیا ہے۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان تختیوں کو کھولا تو ان میں کتاب تھی جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اسی وقت تمام پہاڑ درخت پتھر سب کانپ اٹھے۔ آج بھی یہودی تلاوت تورات کے وقت کانپ اٹھتے ہیں اور ان کے سر جھک جاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ اور شعیب علیہما السلام کا معاہدہ

حضرت شعیب علیہ السلام کی دونوں بچیوں کی بکریوں کو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی پلا دیا تو یہ اپنی بکریاں لیکر واپس اپنے گھر گئیں۔ باپ نے دیکھا کہ آج وقت سے پہلے یہ آ گئیں ہیں تو دریافت فرمایا کہ آج کیا بات ہے؟ انہوں نے سچا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ نے اسی وقت ان دونوں میں سے ایک کو بھیجا کہ جاؤ اور ان کو میرے پاس لے آؤ۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں اور جس طرح گھر گھر ہست پاک دامن عفیفہ عورتوں کا دستور ہوتا ہے شرم وحیا سے اپنی چادر میں لپٹی ہوئی پردے کے ساتھ چل رہی تھی۔ منہ بھی چادر کے کنارے سے چھپائے ہوئے تھیں پھر اس دانائی اور صداقت کو دیکھئے کہ صرف یہی نہ کہا کہ میرے ابا آپ کو بلا رہے ہیں کیونکہ اس میں شبہ کی باتوں کی گنجائش تھی صاف کہہ دیا کہ میرے والد آپ کی مزدوری دینے کے لئے اور اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے بلا رہے ہیں۔ جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلا کر ہمارے ساتھ کیا ہے۔ کلیم اللہ کو جو بھوکے پیاسے تن تنہا مسافر اور بے خرچ تھے یہ موقعہ غنیمت معلوم ہوا یہاں ائے۔ انہیں ایک بزرگ سمجھ کر ان کے سوال پر اپنا سارا واقعہ بلا کم وکاست سنایا۔ انہوں نے دل جوئی کی اور فرمایا اب کیا خوف ہے؟ ان ظالموں کے ہاتھ سے آپ نکل آئے۔ یہاں ان کی حکومت نہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام تھے جو مدین والوں کی طرف اللہ کے نبی بن کر آئے ہوئے تھے۔ یہ مشہور قول امام حسن بصری اور بہت سے علماء یہ فرماتے ہیں۔ طبرانی کی ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم کی طرف سے ایلچی بن کر رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا شعیب کی قوم اور موسیٰ کے سسرال والوں کو مرحبا ہو کہ تمہیں ہدایت کی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت شعیب کے بھتیجے تھے کوئی کہتا ہے کہ قوم شعیب کے ایک مومن مرد تھے۔ بعض کا قول ہے کہ شعیب علیہ السلام کا زمانہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے بہت پہلے کا ہے۔

ان کا قول قرآن میں اپنی قوم سے یہ مروی ہے۔ وماقوم لوط منکم ببعید لوط کی قوم تم سے کچھ دور نہیں۔ اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ لوطیوں کی ہلاکت حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانے میں ہوئی تھی۔ اور یہ بھی بہت ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ بہت لمبا زمانہ ہے۔ تقریباً چار سو سال کا ہے جیسے اکثر مورخین کا قول ہے ہاں بعض لوگوں نے اس مشکل کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت شعیب کی بڑی لمبی عمر ہوئی تھی۔ ان کا مقصد غالباً اس اعتراض سے بچنا ہے واللہ اعلم۔

ایک اور بات بھی خیال میں رہے کہ اگر یہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام ہی ہوئے تو چاہئے تھا کہ قرآن میں اس موقعہ پر ان کا نام صاف لے دیا جاتا۔ ہاں البتہ بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔

حضرت ابن مسعود کے صاحبزادے فرماتے ہیں شیرون حضرت شعیب کے بھتیجے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ یثربی تھے۔ ابن جریر فرماتے ہیں یہ بات اس وقت ہوتی کہ جب اس بارے میں کوئی خبر مروی ہوتی اور ایسا ہے نہیں۔ ان

کی دونوں صاحبزادیوں میں سے ایک نے باپ کی توجہ دلائی۔ یہ توجہ دلانے والی صاحبزادی وہی تھیں جو آپ کو بلانے گئی تھیں۔ کہا کہ انہیں آپ ہماری بکریوں کی چرائی پر رکھ لیجئے کیونکہ وہ کام کرنے والا اچھا ہوتا ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔ باپ نے بیٹی سے پوچھا تم نے یہ کیسے جان لیا کہ ان میں یہ دونوں وصف ہیں۔ بچی نے جواب دیا کہ دس آدمی مل کر جس پتھر کو کنویں سے ہٹا سکتے تھے انہوں نے تنہا اس کو ہٹا دیا ان سے انکی قوت کا اندازہ باآسانی ہو سکتا ہے۔ امانت داری کا علم مجھے اس طرح ہوا کہ جب میں انہیں لے کر آپ کے پاس آنے لگی تو اس لئے کہ راستے سے ناواقف تھے میں آگے ہولی انہوں نے کہا تم میرے پیچھے رہو اور جہاں راستہ بدلنا ہو اس طرف کنکر پھینک دینا میں سمجھ لوں گا کہ مجھے اس راستے چلنا چاہیے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تین شخص کی سی زیرکی معاملہ فہمی دانائی اور دور بینی کسی اور میں نہیں پائی گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دانائی کہ جب انہوں نے اپنے بعد خلافت کے لئے جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب کیا۔ حضرت یوسف کے خریدنے والے مصری جنہوں نے بہ یک نظر حضرت یوسف کو پہچان لیا اور جا کر اپنی بیوی سے فرمایا کہ انہیں اچھی طرح رکھو۔ اور اس بزرگ کی صاحبزادی جنہوں نے حضرت موسیٰ کی نسبت اپنے باپ سے سفارش کی کہ انہیں اپنے کام پر رکھ لیجئے۔ یہ سنتے ہی اس بچی کے باپ نے فرمایا کہ اگر آپ پسند کریں تو میں اس مہر پر ان دو بچیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں کہ آپ آٹھ سال تک ہماری بکریاں چرائیں۔ ان دونوں کا نام صفورا اور لیا تھا یا صفورا اور شرفا یا صفورر اور لیا۔

دس سال معاہدے کی مدت کو پورا کرنے کا واقعہ

بخاری شریف میں ہے سعید بن جبیر سے یہودیوں نے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ سال پورے کئے تھے یا دس سال؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے خبر نہیں پھر میں عرب کے بہت بڑے عالم حضرت ابن عباس کے پاس گیا اور ان سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا ان دونوں میں جو زیادہ اور پاک مدت تھی وہی آپ نے پوری کی یعنی دس سال۔ اللہ تعالیٰ کے نبی جو کہتے ہیں پورا کرتے ہیں۔ حدیث فنون میں ہے کہ سائل نصرانی تھا لیکن بخاری میں جو ہے وہی اولیٰ ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تھی تو جواب ملا کہ ان دونوں میں سے جو کامل اور مکمل مدت تھی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا آپ نے جبرئیل سے پوچھا جبرئیل نے اور فرشتے سے یہاں تک کہ فرشتے نے اللہ سے۔ اللہ نے جواب دیا کہ دونوں میں ہی پاک اور پوری مدت یعنی دس سال۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال کی مدت کا پورا کرنا بتایا کہ یہ بھی فرمایا کہ اگر تجھ سے پوچھا جائے کہ کون سی لڑکی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نکاح کیا تھا تو جواب دینا کہ دونوں میں جو چھوٹی تھیں اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت دراز کو پورا کرنا بتایا پھر فرمایا کہ جب موسیٰ حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصتی لے کر جانے لگے تو اپنی بیوی صاحبہ سے فرمایا کہ اپنے والد سے کچھ بکریاں لے لو جن سے ہمارا گزارہ ہو جائے

آپ نے اپنے والد سے سوال کیا جس پر انہوں نے وعدہ کیا کہ اس میں سے جتنی چت کبری بکریاں ہونگی سب تمہاری حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کے پیٹ پر اپنی لکڑی پھیری تو ہر ایک کو دو دو تین تین بچے ہوئے اور سب کے سب چت کبرے جن کی نسل اب تک تلاش کرنے سے مل سکتی ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت شعیب کی سب بکریاں کالے رنگ کی خوبصورت تھیں۔ جتنے بچے ان کے اس سال ہوئے سب کے سب بے عیب تھے اور بڑے بڑے بھرے ہوئے تھنوں والے اور زیادہ دودھ دینے والے ان تمام روایتوں کا مدار عبداللہ بن لہیعہ پر ہے جو حافظہ کے اچھے نہیں اور ڈر ہے کہ یہ روایتیں مرفوع نہ ہوں۔ چنانچہ اور سند سے یہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ سب بکریوں کے بچے اس سال ابلق ہوئے سوائے ایک بکری کے۔ جن سب کو آپ لے گئے۔

دس سال کی مدت کے حق مہر کا واقعہ

پہلے یہ بیان گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال پورے کئے تھے۔ قرآن کے اس لفظ الاجل سے بھی اس کی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم۔ بلکہ حضرت مجاہد کا تو قول ہے کہ دس سال یہ اور دس سال اور بھی گزرے۔ اس قول میں یہ صرف تنہا ہے۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال اور شوق پیدا ہوا کہ چپ چاپ وطن میں جاؤں اور اپنے والوں سے مل آؤں چنانچہ آپ اپنی بیوی صاحبہ کو اور اپنی بکریوں کو لے کر وہاں سے چلے رات کو بارش ہونے لگی اور سرد ہوائیں چلنے لگیں اور سخت اندھیرا ہو گیا۔ آپ ہر چند چراغ جلاتے تھے مگر روشنی نہیں ہوتی تھی۔

سخت متعجب اور حیران تھے اتنے میں دیکھتے ہیں کہ کچھ دور آگ روشن ہے تو اپنی اہلیہ صاحبہ سے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرو وہاں کچھ روشنی دکھائی دیتی ہے میں وہاں جاتا ہوں اگر کوئی وہاں ہوا تو اس سے راستہ بھی دریافت کرلوں گا اس لئے کہ ہم راہ بھولے ہوئے ہیں۔ یا میں وہاں سے کچھ آگ لے آؤں گا جس سے تم تاپ لو اور جاڑے کا علاج ہو جائے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو اس وادی کے دائیں جانب کے مغربی پہاڑ سے آواز سنائی دی۔ جیسے قرآن کی اور آیت میں ہے وما کنت بجانب الغربی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ آگ کے قصدے سے قبلہ کی طرف چلے تھے اور مغربی پہاڑ آپ کے دائیں طرف تھا۔

اور ایک سرسبز ہرے بھرے درخت میں آگ نظر آ رہی تھی جو پہاڑ کے دامن میں میدان کے متصل تھی۔ یہ وہاں جا کر اس حالت کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ ہرے اور سبز درخت میں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن آگ کسی چیز میں جلتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی، اسی وقت اللہ کی طرف سے آواز آئی۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس درخت کو جس میں سے حضرت موسیٰ کو آواز آئی تھی دیکھا ہے وہ سرسبز و شاداب ہرا بھرا درخت ہے جو چمک رہا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ علیق کا درخت تھا اور بعض کہتے ہیں یہ عوسج کا درخت تھا اور آپ کی لکڑی بھی اسی درخت کی تھی۔ کلیم اللہ نے سنا کہ آواز آ رہی ہے کہ اے موسیٰ میں ہوں رب العالمین۔ جو اس وقت تجھ سے کلام کر رہا ہوں۔ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں

میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ میرے سوا کوئی رب ہے میں اس سے پاک ہوکہ کوئی مجھ جیسا ہو مخلوق میں سے کوئی بھی میرا شریک نہیں میں یکتا اور بے مثل ہو اور وحدہ لاشریک ہوں۔ میری ذات، میری صفات، میرے افعال میرے اقوال میں میرا کوئی شریک ساجھی ساتھی نہیں۔ میں ہر طرح پاک اور نقصان سے دور ہوں۔ اسی ضمن میں فرمان ہوا کہ اپنی لکڑی زمین پر گرادو اور میری قدرت اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ اور آیت میں ہے کہ پہلے دریافت فرمایا گیا کہ اے موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ یہ میری لکڑی ہے جس سے میں ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے اپنی بکریوں کے لے پتے جھاڑ لیتا ہوں اور دوسرے بھی میرے بہت سے کام اس سے نکلتے ہیں۔

اب مطلع فرمایا کہ لکڑی کو احساس دلا کر پھر زمین پر انہی کے ہاتھوں پھنکوائی۔ وہ زمین پر گرتے ہی ایک پھن اٹھائے پھنکارتا ہوا اژدہا بن کر ادھر ادھر فراٹے بھرنے لگی۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ بولنے والا واقعی اللہ ہی ہے جو قادر مطلق ہے وہ جس چیز کو جو فرما دے ٹل نہیں سکتا۔ سورۃ طہٰ کی تفسیر میں اس کی بیان بھی پورا گزر چکا ہے۔ اس خوفناک سانپ کو جو باوجود بہت بڑا اور بہت موٹا ہونے کے تیر کی طرح ادھر ادھر جا رہا تھا منہ کھولتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ ابھی نگل جائے گا۔ جہاں سے گزرتا تھا پتھر ٹوٹ جاتے تھے اسے دیکھ کر حضرت موسیٰ سہم گئے اور دہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے الٹے پیروں بھاگے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ وہیں اللہ کی طرف سے آواز آئی موسیٰ ادھر آ ڈر نہیں تو میرے امن میں ہے۔ اب حضرت موسیٰ کا دل ٹھہر گیا۔ اطمینان سے بے خوف ہو کر وہیں اپنی جگہ آ کر با ادب کھڑے ہو گئے۔

یہ معجزہ عطا فرما کر پھر دوسرا معجزہ یہ دیا کہ حضرت موسیٰ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالتے تو وہ چاند کی طرح چمکنے لگتا اور بہت بھلا معلوم ہوتا یہ نہیں کہ کوڑھ کے داغ کی طرح سفید ہو جائے۔ یہ بھی بحکم الٰہی آپ نے وہی کیا اور اپنے ہاتھ کو مثل چاند منور دیکھ لیا۔ پھر حکم دیا کہ تمہیں اس سانپ سے یا کسی گھبراہٹ ڈر خوف رعب سے دہشت معلوم ہو تو اپنے بازو اپنے بدن سے ملا لو ڈر، خوف جاتا رہے گا۔ اور یہ بھی ہے کہ جو شخص ڈر اور دہشت کے وقت اپنا ہاتھ اپنے دل پر اللہ کے اس فرمان کے ماتحت رکھ لے تو انشاء اللہ اس کا خوف ڈر جاتا رہے گا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ابتدا میں حضرت موسیٰ کے دل پر فرعون کا بہت خوف تھا آپ جب اسے دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اللھم انی ادرا بک فی نحرہ واعوذ بک من شرہ۔ اے اللہ میں تجھے اس کے مقابلہ میں کرتا ہوں۔ اور اس کے برائی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے رعب و خوف ہٹا لیا اور فرعون کے دل میں ڈال دیا پھر تو اسکا یہ حال ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ کو دیکھتے ہی اس کا پیشاب خطا ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں معجزے یعنی عصائے موسیٰ اور ید بیضاء دے کر اللہ نے فرمایا کہ اب فرعون اور فرعونیوں کے پاس رسالت لے کر جاؤ اور بطور دلیل یہ معجزہ پیش کرو اور ان فاسقوں کو اللہ کی راہ دکھاؤ۔

دنیا کی سب سے قیمتی گائے کا واقعہ

یہ بہت ہی اہم اور نہایت ہی شاندار قرآنی واقعہ ہے اور اسی واقعہ کی وجہ سے قرآن مجید کی اس سورۃ کا نام سورۃ بقرہ (گائے والی سورۃ) رکھا گیا ہے۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت ہی نیک اور صالح بزرگ تھے اور ان کا ایک ہی بچہ تھا جو نابالغ تھا اور ان کے پاس فقط ایک گائے کی بچھیا تھی۔ ان بزرگ نے اپنی وفات کے قریب اس بچھیا کو جنگل میں لے جا کر ایک جھاڑی کے پاس یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ یا اللہ عزوجل میں اس بچھیا کو اس وقت تک تیری امانت میں دیتا ہوں کہ میرا بچہ بالغ ہو جائے۔ اسکے بعد ان بزرگ کی وفات ہوگئی اور بچھیا چند دنوں میں بڑی ہو کر درمیانی عمر کی ہوگئی اور بچہ جوان ہو کر اپنی ماں کا بہت ہی فرمانبردار اور انتہائی نیکوکار ہوا اس نے اپنی رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ میں سوتا تھا، اور ایک حصہ میں عبادت کرتا تھا، اور ایک حصہ میں اپنی ماں کی خدمت کرتا تھا اور روزانہ صبح کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور ان کو فروخت کر کے ایک تہائی رقم صدقہ کر دیتا اور ایک تہائی اپنی ذات پر خرچ کرتا اور ایک تہائی رقم اپنی والدہ کو دے دیتا۔

ایک دن لڑکے کی ماں نے کہا کہ میرے پیارے بیٹے! تمہارے باپ نے میراث میں ایک بچھیا چھوڑی تھی جس کو انہوں نے فلاں جھاڑی کے پاس جنگل میں خدا عزوجل کی امانت میں سونپ دیا تھا۔ اب تم اس جھاڑی کے پاس جا کر یوں دعا مانگو کہ اے حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحٰق علیہم السلام کے خدا! تو میرے باپ کی سونپی ہوئی امانت مجھے واپس دیدے اور اس بچھیا کی نشانی یہ ہے کہ وہ پیلے رنگ کی ہے اور اس کی کھال اس طرح چمک رہی ہوگی کہ گویا سورج کی کرنیں اس میں سے نکل رہی ہیں۔ یہ سن کر لڑکا جنگل میں اس جھاڑی کے پاس گیا اور دعا مانگی تو فوراً ہی وہ گائے دوڑتی ہوئی آ کر اس کے پاس کھڑی ہوگئی اور یہ اس کو پکڑ کر گھر لایا تو اس کی ماں نے کہا۔ بیٹا تم اس گائے کو لے جا کر بازار میں تین دینار میں فروخت کر ڈالو۔ لیکن کسی گاہک کو بغیر میرے مشورہ کے مت دینا۔

ان دنوں بازار میں گائے کی قیمت تین دینار ہی تھی۔ بازار میں ایک گاہک آیا جو درحقیقت فرشتہ تھا۔ اس نے کہا کہ میں گائے کی قیمت تین دینار سے زیادہ دوں گا مگر تم ماں سے مشورہ کئے بغیر گائے میرے ہاتھ فروخت کر ڈالو۔ لڑکے نے کہا کہ تم خواہ کتنی بھی زیادہ قیمت دو مگر میں اپنی ماں سے مشورہ کئے بغیر ہرگز ہرگز اس گائے کو نہیں بیچوں گا۔ لڑکے نے ماں سے سارا ماجرا بیان کیا تو ماں نے کہا کہ یہ گاہک شاید کوئی فرشتہ ہو۔

تو اے بیٹا! تم اس سے مشورہ کرو کہ ہم اس گائے کو ابھی فروخت کریں یا نہ کریں۔ چنانچہ اس لڑکے نے بازار میں جب اس گاہک سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ ابھی تم اس گائے کو نہ فروخت کرو۔ آئندہ اس گائے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لوگ خریدیں گے تو تم اس گائے کے چمڑے میں سونا بھر کر اس کی قیمت طلب کرنا تو وہ لوگ اتنی ہی قیمت دے کر خریدیں گے۔ چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد بنی اسرائیل کے ایک بہت مالدار آدمی کو جس کا نام عامیل تھا۔ اس کے چچا کے دونوں لڑکوں نے اُس کو قتل کر دیا اور اس کی لاش کو ایک ویرانے میں ڈال دیا۔

صبح کو قاتل کی تلاش شروع ہوئی مگر جب کوئی سراغ نہ ملا تو کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قاتل کا پتا پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ایک گائے ذبح کرو اور اس کی زبان یا دم کی ہڈی سے لاش کو مارو تو وہ زندہ ہو کر خود ہی

اپنے قاتل کا نام بتادے گا۔ یہ سن کر بنی اسرائیل نے گائے کے رنگ، اس کی عمر وغیرہ کے بارے میں بحث و کرید شروع کر دی اور بالآخر جب وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ فلاں قسم کی گائے چاہیے تو ایسی گائے کی تلاش شروع کر دی یہاں تک کہ جب یہ لوگ اس لڑکے کی گائے کے پاس پہنچے تو ہو بہو یہ ایسی ہی گائے تھی جس کی ان لوگوں کو ضرورت تھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے گائے کو اس کے چمڑے میں بھر کر سونا اس کی قیمت دے کر خریدا اور ذبح کر کے اس کی زبان یا دم کی ہڈی سے مقتول کی لاش کو مارا تو وہ زندہ ہو کر بول اٹھا کہ میرے قاتل میرے چچا کے دونوں لڑکے ہیں جنہوں نے میرے مال کے لالچ میں مجھ کو قتل کر دیا ہے یہ بتا کر پھر وہ مر گیا۔ چنانچہ ان دونوں قاتلوں کو قصاص میں قتل کر دیا گیا اور مرد صالح کا لڑکا جو اپنی ماں کا فرمانبردار تھا کثیر دولت سے مالا مال ہو گیا۔

(تفسیر الصاوی، ج1، ص75، پ1، البقرہ 71)

اس پورے مضمون کو قرآن مجید کی مقدس آیتوں میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

ترجمہ کنزالایمان: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو بولے کہ آپ ہمیں مسخرہ بناتے ہیں۔ فرمایا خدا کی پناہ کہ میں جاہلوں سے ہوں۔ بولے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتادے گائے کیسی۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ اوسر بلکہ ان دونوں کے بیچ میں تو کرو جب کا تمہیں حکم ہوتا ہے۔ بولے اپنے رب سے دعا کیجئے ہمیں بتادے اس کا رنگ کیا ہے کہا وہ فرماتا ہے، وہ ایک پیلی گائے ہے۔ جب کی رنگت ڈہڈہاتی دیکھنے والوں کو خوشی دیتی۔ بولے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے صاف بیان کرے وہ گائے کیسی ہے، بے شک گائیوں میں ہم کو شبہ پڑ گیا اور اللہ چاہے تو ہم راہ پا جائیں گے۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی کہ زمین جوتے اور نہ کھیتی کو پانی دے، بے عیب ہے جس میں کوئی داغ نہیں۔ بولے اب آپ ٹھیک بات لائے۔ تو اسے ذبح کیا اور ذبح کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔ اور جب تم نے ایک خون کیا تو ایک دوسرے پر اس کی تہمت ڈالنے لگے۔ اور اللہ کا ظاہر کرنا جو تم چھپاتے تھے۔ تو ہم نے فرمایا اس مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو۔ اللہ یونہی مردے جلائے گا اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے کہ کہیں تمہیں عقل ہو۔

(پ1، البقرۃ: 67 تا 83)

ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری کرنے والوں کو خداوند کریم غیب سے بے شمار رزق کا سامان عطا فرما دیتا ہے دیکھ لو کہ اس یتیم لڑکے کو ماں کی خدمت اور فرماں برداری کی بدولت اللہ تعالیٰ نے کس قدر صاحب مال اور خوش حال بنا دیا۔

خداوند قدوس کے احکام میں بحث اور کرید کرنا مصیبتوں کا سبب ہوا کرتا ہے۔ دیکھ لو بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ وہ کوئی سی بھی ایک گائے ذبح کر دیتے تو فرض ادا ہو جاتا مگر ان لوگوں نے جب بحث اور کرید شروع کر دی کہ کیسی گائے ہو؟ کیسا رنگ ہو؟ کتنی عمر ہو؟ تو مصیبت میں پڑ گئے کہ انہیں ایک ایسی گائے ذبح کرنی پڑی جو بالکل نایاب تھی۔ اسی لئے اس کی قیمت اتنی زیادہ ادا کرنی پڑی کہ دنیا میں کسی گائے کی اتنی قیمت نہ ہوئی، نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو پیلے رنگ کا جوتا پہنے گا وہ ہمیشہ خوش رہے گا اور اس کو غم بہت کم ہوگا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پیلی گائے کیلئے یہ فرمایا کہ تسر الناظرین کہ وہ دیکھنے والوں کو خوش کر دیتی ہے۔

(تفسیر روح البیان، ج1، ص160، پ1، البقرۃ:69)

رب کو خود دیکھنے والے بنو اسرائیلیوں کا واقعہ

جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے رب کو دیکھنا چاہتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے ستر شخصوں کو لے کر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق کوہ طور پر گئے اور ان لوگوں نے کلام الٰہی سنا تو حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہم تو جب مانیں جب اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے خود دیکھ لیں۔

اس گستاخانہ سوال پر ان پر آسمان سے ان کے دیکھتے ہوئے بجلی گری اور ایک سخت ہولناک آواز ہوئی جس سے سب کے سب مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گریہ وزاری کرنے لگے اور رو رو کر جناب باری میں عرض کرنے لگے کہ اللہ بنی اسرائیل کو میں کیا جواب دوں گا یہ جماعت تو ان کے سرداروں اور بہترین لوگوں کی تھی پروردگار اگر یہی چاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی مار ڈالتا۔

اللہ تعالیٰ بیوقوفوں کی بیوقوفی کے کام پر ہمیں نہ پکڑ۔ یہ دعا مقبول ہوئی اور آپ کو معلوم کرایا گیا کہ یہ بھی دراصل بچھڑا پوجنے والوں میں سے تھے انہیں سزا مل گئی۔ پھر انہیں زندہ کر دیا اور ایک کے بعد ایک کر کے سب زندہ کیے گئے۔ ایک دوسرے کے زندہ ہونے کو ایک دوسرا دیکھتا رہا۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں بچھڑا پوجتے ہوئے دیکھا اور اپنے بھائی کو اور سامری کو تنبیہ کی۔ بچھڑے کو جلا دیا اور اس کی راکھ دریا میں بہا دی اس کے بعد ان میں سے بہترین لوگوں کو چن کر اپنے ساتھ لیا جن کی تعداد ستر تھی اور کوہ طور پہ توبہ کرنے کے لئے چلے ان سے کہا کہ تم توبہ کرو اور روزہ رکھو پاک صاف ہو جاؤ کپڑوں کو پاک کر لو جب بحکم الٰہی طور سینا پر پہنچے تو ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ اپنا کلام ہمیں بھی سنائے۔

جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے پاس پہنچے تو ایک بادل نے آ کر سارے پہاڑ کو ڈھک لیا اور آپ اسی کے اندر اندر اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گئے جب کلام رب ذوالجلال شروع ہوا تب موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی نور سے چمکنے لگی اس طرح کہ کوئی اس طرف نظر اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ بادل کی اوٹ ہو گئی اور سب لوگ سجدے میں گر پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آپ کے ساتھی بنی اسرائیل بھی اللہ تعالیٰ کا کلام سننے لگے کہ انہیں حکم احکام ہو رہے ہیں جب کلام الہ العالمین ختم ہوا بادل چھٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس چلے آئے تو یہ لوگ کہنے لگے موسیٰ ہم تو ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ اس گستاخی پر ایک زلزلہ آیا۔

اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ اب موسیٰ علیہ السلام نے خلوص دل کے ساتھ دعائیں شروع کیں اور کہنے لگے اس سے تو یہی اچھا تھا کہ ہم سب اس سے پہلے ہی ہلاک ہو جاتے۔ بیوقوفوں کے کاموں پر ہمیں ہلاک نہ کر یہ لوگ ان کے چیدہ اور پسندیدہ

تھے جب میں تنہا بنی اسرائیل کے پاس جاؤں گا تو انہیں کیا جواب دوں گا کون میری بات اس کو سچا سمجھے گا اور پھر اس کے بعد ان مجھ پر ایمان لائے گا؟ اللہ ہماری توبہ ہے۔ تو قبول فرما۔ اور ہم پر فضل و کرم کر، حضرت موسیٰ علیہ السلام یونہی خشوع و خضوع سے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ پروردگار نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ان مردوں کو زندہ کر دیا، اب سب نے ایک زبان ہو کر اسرائیل کی طرف سے توبہ شروع کی ان سے فرمایا گیا کہ جب تک یہ اپنی جانوں کو ہلاک نہ کریں اور ایک دوسرے کو قتل نہ کریں ان کی توبہ قبول نہیں فرماؤں گا۔ سدی کبیر کہتے ہیں یہ واقعہ بنی اسرائیل کے آپس میں لڑانے کے بعد کا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ خطاب گو عام ہے لیکن حقیقت میں اس سے مراد وہی ستر شخص ہیں۔

امام رازی نے اپنی تفسیر میں ان ستر شخصوں کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے جینے کے بعد کہا کہ اے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں نبی بنادے۔ آپ نے دعا کی اور وہ قبول بھی ہوئی لیکن یہ قول غریب ہے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سوائے ہارون علیہ السلام کے اور اس کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے کسی اور کی نبوت ثابت نہیں۔ اہل کتاب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے اسی جگہ دیکھا یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ خود موسیٰ علیہ السلام نے جب دیدار باری تعالیٰ کا سوال کیا تو انہیں منع کر دیا گیا پھر بھلا یہ ستر اشخاص دیدار باری کی تاب کیسے لاتے؟

اس آیت کی تفسیر میں ایک دوسرا قول بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام توراۃ لے کر آئے جو احکام کا مجموعہ تھی اور ان سے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس پر عمل کرو اور مضبوطی کے ساتھ اس کے پابند ہو جاؤ تو وہ کہنے لگے کہ حضرت ہمیں کیا خبر اللہ تعالیٰ خود آ کر ظاہر طور پر ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ کیا وجہ ہے کہ وہ آپ سے باتیں کرے اور ہم سے نہ کرے؟ جب تک ہم اللہ کو خود نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے اس قول پر ان کے اوپر غضب الٰہی نازل ہوا اور ہلاک کر دیئے گئے پھر زندہ کئے گئے پھر موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ اب تو اس توراۃ کو تھام لو انہوں نے پھر انکار کیا اب کی مرتبہ فرشتے پہاڑ اٹھا کر لائے اور ان کے سروں کے اوپر معلق کر دیا کہ اگر نہ مانو گے تو یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا اور تم سب پیس ڈالے جاؤ گے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد یہ جی اٹھے اور پھر بھی مکلف رہے یعنی احکام الٰہی ان پر پھر بھی جاری رہے۔

امام ماوردی نے کہا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی یہ زبردست نشانی دیکھ لی مرنے کے بعد زندہ ہوئے تو پھر تکلیف شرعی ان پر سے ہٹ گئی اس لئے کہ اب تو یہ مجبور تھے کہ سب کچھ مان لیں۔ خود ان پر یہ واردات پیش آئی اب تصدیق ایک بے اختیاری امر ہو گیا۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ نہیں بلکہ باوجود اس کے وہ احکام شرع کے مکلف رہے کیونکہ ہر عاقل مکلف ہے۔

امام قرطبی کہتے ہیں ٹھیک قول یہی ہے یہ امور ان پر قدرتی طور سے آئے تھے جو انہیں پابندی شرع سے آزاد نہیں کر سکتے خود بنی اسرائیل نے بھی بڑے بڑے معجزات دیکھے خود ان کے ساتھ ایسے ایسے معاملات ہوئے جو بالکل نادر اور خلاف قیاس اور بہت معجزات تھے باوجود اس کے وہ بھی مکلف رہے اسی طرح یہ بھی ٹھیک قول ہے اور واضح امر بھی یہی ہے۔

خصومت جبرائیل علیہ السلام موجب کفر وعصیان

امام جعفر طبری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت جبرائیل کو اپنا دشمن اور حضرت میکائیل کو اپنا دوست بتایا تھا اس وقت ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن بعض کہتے ہیں کہ امر نبوت کے بارے میں جو گفتگو ان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔

بعض کہتے ہیں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ سے ان کا جو مناظرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں ہوا تھا اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔

یہودیوں کی ایک جماعت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھنے کا واقعہ

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہودیوں کی ایک جماعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ ہم آپ سے چند سوال کرتے ہیں جن کے صحیح جواب نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اگر آپ سچے نبی ہیں تو ان کے جوابات دیجئے آپ نے فرمایا بہتر ہے جو چاہو پوچھو مگر عہد کرو کہ اگر میں ٹھیک ٹھیک جواب دوں گا تو تم میری نبوت کا اقرار کر لو گے اور میری فرمانبرداری کے پابند ہو جاؤ گے انہوں نے آپ سے وعدہ کیا اور عہد دیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت یعقوب کی طرح اللہ جل شانہ کی شہادت کے ساتھ ان سے پختہ وعدہ لے کر انہیں سوال کرنے کی اجازت دی، انہوں نے کہا پہلے تو یہ بتائے کہ توراۃ نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر کس چیز کو حرام کیا تھا؟

آپ نے فرمایا جب حضرت یعقوب علیہ السلام عرق النساء کی بیماری میں سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ مجھے اس مرض سے شفا دے تو میں اپنی کھانے کے سب سے زیادہ مرغوب چیز اور سب سے زیادہ محبوب چیز پینے کی چھوڑ دوں گا جب تندرست ہو گئے تو اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنی کا دودھ پینا جو آپ کو پسند خاطر تھا چھوڑ دیا، تمہیں اللہ کی قسم جس نے حضرت موسیٰ پر تورات اتاری بتاؤ یہ سچ ہے؟ ان سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہاں حضور سچ ہے، بجا ارشاد ہوا اچھا اب ہم پوچھتے ہیں کہ عورت مرد کے پانی کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ آپ نے فرمایا سنو مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے جو بھی غالب آ جائے اسی کے مطابق پیدائش ہوتی ہے اور شبیہ بھی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو حکم الٰہی سے اولاد نرینہ ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو حکم الٰہی سے اولاد لڑکی ہوتی ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں سچ بتاؤ میرا جواب صحیح ہے؟ سب نے قسم کھا کر کہا بیشک آپ نے بجا ارشاد فرمایا آپ نے ان دو باتوں پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا۔

انہوں نے کہا اچھا یہ فرمایئے کہ تورات میں جس نبی امی کی خبر ہے اس کی خاص نشانی کیا ہے؟ اور اس کے پاس کونسا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خاص نشانی یہ ہے کہ اس کی آنکھیں جب سوئی ہوئی ہوں اس وقت میں اس کا دل جاگتا رہتا ہے تمہیں اس رب کی قسم جس نے حضرت موسیٰ کو توراۃ دی بتاؤ تو میں نے ٹھیک جواب دیا؟ سب نے قسم کھا کر کہا آپ نے بالکل صحیح

جواب دیا۔اب ہمارے اس سوال کی دوسری شق کا جواب بھی عنایت فرما دیجئے اسی پر بحث کا خاتمہ ہے۔آپ نے فرمایا میرا ولی جبرائیل ہے وہی میرے پاس وحی لاتا ہے اور وہی تمام انبیاء کرام کے پاس پیغام باری تعالیٰ لاتا رہا۔سچ کہو اور قسم کھا کر کہو کہ میرا یہ جواب بھی درست ہے؟انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جواب تو درست ہے۔

لیکن چونکہ جبرائیل ہمارا دشمن ہے وہ سختی اور خون ریزی وغیرہ لے کر آتا رہتا ہے اس لئے ہم اس کی نہیں مانیں گے نہ آپ کی مانیں ہاں اگر آپ کے پاس حضرت میکائیل وحی لے کر آتے جو رحمت، بارش، پیداوار وغیرہ لے کر آتے ہیں اور ہمارے دوست ہیں تو ہم آپ کی تابعداری اور تصدیق کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ رعد کیا چیز ہے؟آپ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں ادھر ادھر لے جاتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ گرج کی آواز کیا ہے؟آپ نے فرمایا یہ اسی فرشتے کی آواز ہے ملاحظہ ہو مسند احمد وغیرہ۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور یہود کی رسوائی کا واقعہ

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف لائے اس وقت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ میں تھے اور یہودیت پر قائم تھے۔انہوں نے جب آپ کی آمد کی خبر سنی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائے کہ قیامت کی پہلی شرط کیا ہے؟اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟اور کونسی چیز بچہ کو کبھی ماں کی طرف کھینچتی ہے اور کبھی باپ کی طرف،آپ نے فرمایا ان تینوں سوالوں کے جواب ابھی ابھی جبرائیل نے مجھے بتلائے ہیں تو حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے۔

آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر فرمایا پہلی نشانی قیامت کی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر دے گی۔جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کلیجی بطور ضیافت ہوگی۔جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی سے سبق لے جاتا ہے تو لڑکی ہوتی ہے یہ جواب سنتے ہی حضرت عبداللہ مسلمان ہو گئے اور پکار اٹھے حدیث (اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسولہ اللہ) پھر کہنے لگے حضور یہودی بڑے بے وقوف لوگ ہیں۔

اگر انہیں میرا اسلام لانا پہلے معلوم ہو جائے گا تو وہ مجھے کہیں گے آپ پہلے انہیں ذرا قائل کر لیجئے۔اس کے بعد آپ کے پاس جب یہودی آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے شخص ہیں؟انہوں نے کہا بڑے بزرگ اور دانشور آدمی ہیں بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں وہ تو ہمارے سردار ہیں اور سرداروں کی اولاد میں سے ہیں آپ نے فرمایا اچھا اگر وہ مسلمان ہو جائیں پھر تو تمہیں اسلام قبول کرنے میں کوئی تامل تو نہیں ہوگا؟ کہنے لگے اعوذ باللہ اعوذ باللہ وہ مسلمان ہی کیوں ہونے لگے؟ حضرت عبداللہ جواب تک چھپے ہوئے تھے باہر آ گئے اور زور سے کلمہ پڑھا۔تو تمام کے تمام شور مچانے لگے کہ یہ خود بھی برا ہے اس کا باپ دادا بھی برے تھے یہ بڑا نیچے درجہ کا آدمی ہے خاندانی کمینہ ہے۔حضرت عبداللہ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی چیز کا

مجھے ڈر تھا۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عکرمہ فرماتے ہیں جبر، میک، اسراف، کے معنی عبد یعنی بندے کے ہیں اور ایل کے معنی اللہ کے ہیں تو جبرائیل وغیرہ کے معنی عبداللہ ہوئے بعض لوگوں نے اس کے معنی الٹ بھی کیے ہیں وہ کہتے ہیں ایل کے معنی عبد کے ہیں اور اس سے پہلے کے الفاظ اللہ کے نام ہیں، جیسے عربی میں عبداللہ عبدالرحمن عبدالملک عبدالقدوس عبدالسلام عبدالکافی عبدالجلیل وغیرہ لفظ عبد ہر جگہ باقی رہا اور اللہ کے نام بدلتے رہے اس طرح ایل ہر جگہ باقی ہے اور اللہ کے اسماء حسنہ بدلتے رہتے ہیں۔ غیر عربی زبان میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے اور مضاف بعد میں۔ اسی قاعدے کے مطابق ان ناموں میں بھی ہے جیسے جبرائیل میکائیل اسرافیل عزرائیل وغیرہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بڑے پادری کا حقانیت نبوت پر مکالمہ

اب مفسرین کی دوسری جماعت کی دلیل سنئے جو لکھتے ہیں کہ یہ گفتگو جناب عمر سے ہوئی تھی شعبہ کہتے ہیں حضرت عمر روحاء میں آئے۔ دیکھا کہ لوگ دوڑ بھاگ کر ایک پتھروں کے تودے کے پاس جا کر نماز ادا کر رہے ہیں پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جواب ملا کہ اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی ہے، آپ بہت ناراض ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں کہیں نماز کا وقت آتا تھا پڑھ لیا کرتے تھے پہلے چلے جایا کرتے تھے اب ان مقامات کو متبرک سمجھ کر خواہ اوہیں جا کر نماز ادا کرنا کس نے بتایا؟ پھر آپ اور باتوں میں لگ گئے فرمانے لگے میں یہودیوں کے مجمع میں کبھی کبھی چلا جایا کرتا اور یہ دیکھتا رہتا تھا کہ کس طرح قرآن توراۃ کی اور توراۃ قرآن کو سچائی کی تصدیق کرتا ہے یہودی بھی مجھ سے محبت ظاہر کرنے لگے اور اکثر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن میں ان سے باتیں کر ہی رہا تھا تو راستے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکلے انہوں نے مجھ سے کہا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ جا رہے ہیں۔ میں نے کہا میں ان کے پاس جاتا ہوں لیکن تم یہ تو بتاؤ تمہیں اللہ وحدہ کی قسم اللہ جل شانہ برحق کو مدنظر رکھو اس کی نعمتوں کا خیال کرو۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب تم میں موجود ہے رب کی قسم کھا کر بتاؤ کیا تم حضور کو رسول نہیں مانتے؟ اب سب خاموش ہو گئے ان کے بڑے عالم نے جو ان سب میں علم میں بھی کامل تھا اور سب کا سردار بھی تھا اس نے کہا اس شخص نے اتنی سخت قسم دی ہے تم صاف اور سچا جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا حضرت آپ ہی ہمارے بڑے ہیں ذرا آپ ہی جواب دیجئے۔

اس بڑے پادری نے کہا سنئے جناب! آپ نے زبردست قسم دی ہے لہٰذا سچ تو یہی ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں کہ حضور اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں میں نے کہا افسوس جب یہ جانتے ہو تو پھر مانتے کیوں نہیں کہا صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس آسمانی وحی لے کر آنے والے جبرائیل ہیں جو نہایت سختی، تنگی، شدت، عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں اگر وحی لے کر حضرت میکائیل آتے جو رحمت و رافت تخفیف و راحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں تامل نہ ہوتا۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ تو ان دونوں کی اللہ کے نزدیک کیا قدر و منزل ہے؟ انہوں نے کہا ایک تو جناب باری کے داہنے بازو ہے اور دوسرا دوسری طرف میں نے کہا اللہ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جو ان میں سے کسی کا دشمن ہو۔ اس کا دشمن اللہ بھی ہے اور دوسرا فرشتہ بھی

کیونکہ جبرائیل کے دشمن سے میکائیل دوستی نہیں رکھ سکتے اور میکائیل کا دشمن جبرائیل کا دوست نہیں ہوسکتا۔ نہ ان میں سے کسی ایک کا دشمن اللہ تبارک وتعالیٰ کا دوست ہوسکتا ہے نہ ان دونوں میں سے کوئی ایک باری تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر آسکتا ہے نہ کوئی کام کرسکتا ہے۔

واللہ مجھے نہ تم سے لالچ ہے نہ خوف۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو اس کے فرشتوں اس کے رسولوں اور جبرائیل ومیکائیل کا دشمن ہو تو اس کافر کا اللہ وحدہ لاشریک بھی دشمن ہے اتنا کہہ کر میں چلا آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا اے ابن خطاب مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے میں نے کہا حضور سنایئے، آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے کہا حضور آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یہی باتیں ابھی ابھی یہودیوں سے میری ہو رہی تھیں۔ میں تو چاہتا ہی تھا بلکہ اسی لئے حاضر خدمت ہوا تھا کہ آپ کو اطلاع کروں مگر میری آنے سے پہلے لطیف وخبیر سننے دیکھنے والے اللہ نے آپ کو خبر پہنچادی۔

(تفسیر ابن ابی حاتم)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوڑنے والے پتھر کا واقعہ

یہ ایک ہاتھ لمبا ایک ہاتھ چوڑا چوکور پتھر تھا، جو ہمیشہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جھولے میں رہتا تھا۔ اس مبارک پتھر کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزات کا ظہور ہوا۔ جب کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہوا ہے۔

اس کا مفصل واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ عام دستور تھا کہ وہ بالکل ننگے بدن ہو کر مجمع عام میں غسل کیا کرتے تھے۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام گو کہ اسی قوم کے ایک فرد تھے اور اسی ماحول میں پلے بڑھے تھے، لیکن خداوند قدوس نے ان کو نبوت و رسالت کی عظمتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس لئے آپ کی عصمت نبوت بھلا اس حیاسوز بے غیرتی کو کب گوارا کرسکتی تھی۔ آپ بنی اسرائیل کی اس بے حیائی سے سخت نالاں اور انتہائی بیزار تھے اس لئے آپ ہمیشہ یا تو تنہائی میں یا تہبند پہن کر غسل فرمایا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل نے جب یہ دیکھا کہ آپ کبھی بھی ننگے ہو کر غسل نہیں فرماتے تو ظالموں نے آپ پر بہتان لگادیا کہ آپ کے بدن کے اندرونی حصہ میں یا تو برص کا سفید داغ یا کوئی ایسا عیب ضرور ہے کہ جس کو چھپانے کیلئے یہ کبھی برہنہ نہیں ہوتے اور ظالموں نے اس تہمت کا اس قدر اعلان اور چرچا کیا کہ ہر کوچہ و بازار میں اس کا پروپیگنڈہ پھیل گیا۔

اس مکروہ تہمت کی شورش کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب نازک پر بڑا صدمہ و رنج گزرا اور آپ بڑی کوفت اور اذیت میں پڑ گئے۔ تو خداوند قدوس اپنے مقدس کلیم کے رنج وغم کو بھلا کب گوارا فرماتا اور اپنے ایک برگزیدہ رسول پر ایک عیب کی تہمت بھلا خالق عالم کو کب اور کیونکر اور کس طرح پسند ہوسکتی تھی۔ ارحم الراحمین نے آپ کی براءت اور بےعیبی ظاہر کردینے کا ایک ایسا ذریعہ فرمادیا کہ دم زدن میں بنی اسرائیل کے پروپیگنڈوں اور ان کے شکوک وشبہات کے بادل چھٹ گئے اور آپ کی براءت اور بے عیبی کا سورج آفتاب عالمتاب سے زیادہ روشن وآشکار ہوگیا اور وہ یوں ہوا کہ ایک دن آپ پہاڑوں کے دامنوں میں چھپے ہوئے چشمہ پر غسل کیلئے تشریف لے گئے اور یہ دیکھ کر کہ یہاں دور دور تک کسی انسان کا نام ونشان نہیں ہے، آپ اپنے تمام کپڑوں کو

ایک پتھر پر رکھ کر اور بالکل برہنہ بدن ہو کر غسل فرمانے لگے، غسل کے بعد جب آپ لباس پہننے کیلئے پتھر کے پاس پہنچے تو کیا دیکھا کہ وہ پتھر آپ کے کپڑوں کو لئے ہوئے سرپٹ بھاگا چلا جا رہا ہے۔

یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس پتھر کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگے کہ ثوبی حجر، ثوبی حجر، یعنی اے پتھر! میرا کپڑا۔۔۔۔ اے پتھر! میرا کپڑا۔ مگر یہ پتھر برابر بھاگتا رہا۔

یہاں تک کہ شہر کی بڑی بڑی سڑکوں سے گزرتا ہوا گلی کوچوں میں پہنچ گیا اور آپ بھی برہنہ بدن ہونے کی حالت میں برابر پتھر کو دوڑاتے چلے گئے۔ اس طرح بنی اسرائیل کے ہر چھوٹے بڑے نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سر سے پاؤں تک آپ کے مقدس بدن میں کہیں بھی کوئی عیب نہیں ہے بلکہ آپ کے جسم اقدس کا ہر حصہ حسن و جمال میں اس قدر نقطہ کمال کو پہنچا ہوا ہے کہ عام انسانوں میں اس کی مثال تقریباً محال ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے ہر ہر فرد کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ

یعنی خدا کی قسم موسیٰ بالکل ہی بے عیب ہیں۔

جب یہ پتھر پوری طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی براءت کا اعلان کر چکا تو خود بخود ٹھہر گیا۔ آپ نے جلدی سے اپنا لباس پہن لیا اور اس پتھر کو اٹھا کر اپنے جھولے میں رکھ لیا۔

(بخاری شریف، کتاب الانبیاء، باب 30، ج 2، ص 442، رقم 3404، تفسیر الصاوی، ج 5، ص 1659، پ 22، الاحزاب: 69)

پتھروں کے اثرات سے متعلق حکم

ایک شبہ کا ازالہ) معجزات کے منکرین جو ہر چیز کو اپنی ناقص عقل کی عینک ہی سے دیکھا کرتے ہیں۔ اس پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری ہونا محال قرار دے کہ اس معجزہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری عقل اس کو قبول نہیں کر سکتی کہ اتنے چھوٹے سے پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ حالانکہ یہ منکرین اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ بعض پتھروں میں خداوند تعالیٰ نے یہ تاثیر پیدا فرمادی ہے کہ وہ بال مونڈ دیتے ہیں، بعض پتھروں کا یہ اثر ہے کہ وہ سرکہ کو تیز اور ترش بنادیتے ہیں، بعض پتھروں کی یہ خاصیت ہے کہ وہ لوہے کو دور سے کھینچ لیتے ہیں، بعض پتھروں سے موذی جانور بھاگ جاتے ہیں، بعض پتھروں سے جانوروں کا زہر اتر جاتا ہے، بعض پتھر دل کی دھڑکن کیلئے تریاق ہیں، بعض پتھروں کو نہ آگ جلاسکتی ہے نہ گرم کر سکتی ہے، بعض پتھروں سے آگ نکل پڑتی ہے، بعض پتھروں سے آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے تو جب خداوند قدوس نے پتھروں میں قسم قسم کے اثرات پیدا فرمادیئے ہیں تو پھر اس میں کونسی خلاف عقل اور محال بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس پتھر میں اللہ تعالیٰ نے یہ اثر بخش دیا اور اس میں یہ خاصیت عطا فرمادی کہ وہ زمین کے اندر سے پانی جذب کر کے چشموں کی شکل میں باہر نکالتا رہے یا اس پتھر میں یہ تاثیر ہو کہ جو ہوا اس پتھر سے ٹکراتی ہو وہ پانی بن کر مسلسل بہتی رہے یہ خداوند قادر و قدیر کی قدرت سے ہرگز ہرگز نہ کوئی بعید ہے نہ محال نہ خلاف عقل۔ لہٰذا اس معجزہ پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

چالیس سال تک بنی اسرائیل کا میدان تیہ میں بھٹکنے کا واقعہ

جب فرعون دریائے نیل میں غرق ہو گیا اور تمام بنی اسرائیل مسلمان ہو گئے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان نصیب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ بنی اسرائیل کا لشکر لے کر ارض مقدس (بیت المقدس) میں داخل ہو جائیں۔ اس وقت بیت المقدس پر عمالقہ کی قوم کا قبضہ تھا جو بدترین کفار تھے اور بہت طاقتور و جنگجو اور نہایت ہی ظالم لوگ تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر قوم عمالقہ سے جہاد کیلئے روانہ ہوئے مگر جب بنی اسرائیل بیت المقدس کے قریب پہنچے تو ایک دم بزدل ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس شہر میں جبارین (عمالقہ) ہیں جو بہت ہی زور آور اور زبردست ہیں۔ لہٰذا جب تک یہ لوگ اس شہر میں رہیں گے ہم ہرگز ہرگز شہر میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہاں تک کہہ دیا کہ اے موسیٰ آپ اور آپ کا خدا جا کر اس زبردست قوم سے جنگ کریں۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ بنی اسرائیل کی زبان سے یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا رنج و صدمہ ہوا اور آپ نے باری تعالیٰ کے دربار میں یہ عرض کیا کہ: اے رب میرے مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا تو تو ہم کو ان بے حکموں سے جدا رکھ۔

اس دعا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو وہ زمین ان پر حرام ہے چالیس برس تک بھٹکتے پھریں زمین میں تو تم ان بے حکموں کا افسوس نہ کھاؤ۔

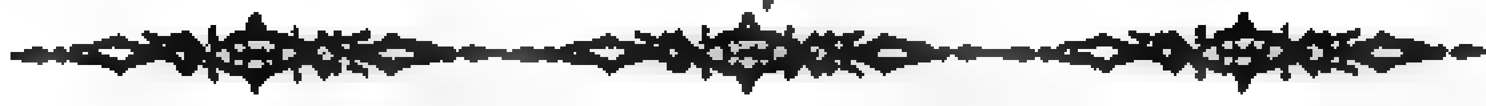
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ چھ لاکھ بنی اسرائیل ایک میدان میں چالیس برس تک بھٹکتے رہے مگر اس میدان سے باہر نہ نکل سکے۔ اسی میدان کا نام میدان تیہ ہے۔ اس میدان میں بنی اسرائیل کے کھانے کیلئے من و سلویٰ نازل ہوا اور پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مار دیا تو پتھر میں سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ اس واقعہ کو قرآن مجید نے بار بار مختلف عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے جس میں سے سورہ مائدہ میں یہ واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ مذکور ہوا ہے جو بلاشبہ ایک عجیب الشان واقعہ ہے جو بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی تعجب خیز اور حیرت انگیز داستان ہے مگر اس کے باوجود بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت و شفقت بنی اسرائیل پر ہمیشہ رہی کہ جب یہ لوگ میدان تیہ میں بھوکے پیاسے ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگ کر ان لوگوں کے کھانے کیلئے من و سلویٰ نازل کرایا اور پتھر پر عصا مار کر بارہ چشمے جاری کرا دیئے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر اور آپ کے حلم اور تحمل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

میدان تیہ میں بنی اسرائیل کیلئے من و سلویٰ کا واقعہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ بنی اسرائیل کے افراد کے ساتھ میدان تیہ میں مقیم تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے کھانے کیلئے آسمان سے دو کھانے اتارے۔ ایک کا نام من اور دوسرے کا نام سلویٰ تھا۔ من بالکل سفید شہد کی طرح ایک حلوہ تھا یا سفید رنگ کی شہد ہی تھی جو روزانہ آسمان سے بارش کی طرح برستی تھی اور سلویٰ پکی ہوئی بٹیریں تھیں جو دکھنی ہوا کے ساتھ آسمان سے نازل ہوا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا شمار کراتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ اور تم پر من اور سلویٰ

اتارا۔

اس من وسلویٰ کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ حکم تھا کہ روزانہ تم لوگ اس کو کھالیا کرو اور کل کیلئے ہرگز ہرگز ا
ذخیرہ مت کرنا۔ مگر بعض ضعیف الاعتقاد لوگوں کو یہ ڈر لگنے لگا اگر کسی دن من وسلویٰ نہ اترا تو ہم لوگ اس بے آب وگیاہ
میدان میں بھوکے مرجائیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے کچھ چھپا کر کل کیلئے رکھ لیا تو نبی کی نافرمانی سے ایسی نحوست پھیل گئی کہ
کچھ لوگوں نے کل کیلئے جمع کیا تھا وہ سب سڑ گیا اور آئندہ کیلئے اس کا اترنا بند ہوگیا اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل نہ ہوتے تو نہ کھانا کبھی خراب ہوتا اور نہ گوشت سڑتا، کھانے کا خراب ہونا اور گوشت کا سڑنا اسی تاریخ سے
شروع ہوا۔ ورنہ اس سے پہلے نہ کھانا بگڑتا تھا نہ گوشت سڑتا تھا۔ (تفسیر روح البیان۔ ج1، پ1، البقرۃ:57)



مقام الخضر

حضرت خضر علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا گیا کہ اللہ کا ایک بندہ دو دریا ملنے کی جگہ ہے اس کے پاس وہ علم ہے جو تمہیں حاصل نہیں آپ نے اسی وقت ان سے ملاقات کرنے کی ٹھان لی اب اپنے ساتھی سے فرماتے ہیں کہ میں تو پہنچے بغیر دم نہ لوں گا۔ کہتے ہیں یہ دو سمندر ایک تو بحیرہ فارس مشرقی اور دوسرا بحیرہ روم مغربی ہے۔ یہ جگہ طنجہ کے پاس مغرب کے شہروں کے آخر میں ہے واللہ اعلم۔ تو فرماتے ہیں کہ گو مجھے قرنوں تک چلنا پڑے کوئی حرج نہیں۔ کہتے ہیں کہ قیس کے لغت میں برس کو حقب کہتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں۔ حقب سے مراد اسی برس ہیں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ ستر برس کہتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ بتلاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ اپنے ساتھ نمک چڑھی ہوئی ایک مچھلی لیں جہاں وہ گم ہو جائے وہیں ہمارا بندہ ملے گا۔ یہ دونوں مچھلی کو ساتھ لئے چلے مجمع البحرین میں پہنچ گئے وہاں نہر حیات تھی وہیں دونوں لیٹ گئے اس نہر کے پانی کے چھینٹے مچھلی پر پڑے مچھلی ہلنے جلنے لگ گئی۔

پانی کا چٹانوں کی طرح سخت ہو جانے کا واقعہ

آپ کے ساتھ حضرت یوشع علیہ السلام کی زنبیل میں یہ مچھلی رکھی ہوئی تھی اور وہ سمندر کے کنارے تھا مچھلی نے سمندر کے اندر کود جانے کے لئے جست لگائی اور حضرت یوشع کی آنکھ کھل گئی مچھلی ان کے دیکھتے ہوئی پانی میں گئی اور پانی میں سیدھا سوراخ ہوتا چلا گیا پس جس طرح زمین میں سوراخ اور سرنگ بن جاتی ہے اسی طرح پانی میں جہاں سے وہ گئی سوراخ ہو گیا، ادھر ادھر پانی کھڑا ہو گیا اور وہ سوراخ بالکل کھلا ہوا رہا۔ پتھر کی طرح پانی میں چھید ہو گیا جہاں جس پانی کو لگتی ہوئی وہ مچھلی گئی وہاں کا وہ پانی پتھر جیسا ہو گیا اور وہ سوراخ بنتا چلا گیا۔ محمد بن اسحاق مرفوعاً لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ پانی اس طرح ابتداء دنیا سے نہیں جما سوائے اس مچھلی کے چلے جانے کی جگہ کے اردگرد کے پانی کے یہ نشان مثل سوراخ زمین کے برابر موسیٰ علیہ السلام کے واپس پہنچنے تک باقی ہی رہے اس نشان کو دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اسی کی تلاش میں تو ہم تھے۔

جب مچھلی کو بھول کر یہ دونوں آگے بڑھے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایک کا کام دونوں ساتھیوں کی طرف منسوب ہوا ہے۔ بھولنے والے صرف یوشع تھے۔ جیسے فرمان ہے آیت (یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان) یعنی ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ حالانکہ دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ لولو اور مرجان صرف کھاری پانی میں سے نکلتے ہیں جب وہاں سے ایک

مرحلہ اور طے کر گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی سے ناشتہ طلب کیا اور سفر کی تکلیف بھی بیان کی یہ تکلیف مقصود سے آگے نکل آنے کے بعد ہوئی۔ اس پر آپ کے ساتھی کو مچھلی کا چلا جانا یاد آیا اور کہا جس چٹان کے پاس ہم ٹھیرے تھے اس وقت میں مچھلی بھول گیا اور آپ سے ذکر کرنا بھی شیطان نے یاد سے ہٹا دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت ان اذکرلہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس مچھلی نے تو عجیب وغریب طور پر پانی میں اپنی راہ پکڑی۔ اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا لو اور سنو اسی جگہ کی تلاش میں ہم تھے تو وہ دونوں اپنے راستے پر اپنے نشانات قدم کے کھوج پر واپس لوٹے۔ وہاں ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس کی رحمت اور اپنے پاس کا علم عطا فرما رکھا تھا۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ حضرت نوف کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام سے ملنے والے موسیٰ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ دشمن رب جھوٹا ہے ہم سے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر بنی اسرائیل میں خطبہ کر رہے تھے جو آپ سے سوال ہو کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں۔ تو چونکہ آپ نے اس کے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ اللہ جانے اس لئے رب کو یہ کلمہ ناپسند آیا، اسی وقت وحی آئی کہ ہاں مجمع البحرین میں ہمارا ایک بندہ ہے جو تجھ سے بھی زیادہ عالم ہے اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پھر پروردگار میں اس تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ حکم ہوا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لو اسے توشے دان میں ڈال لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہیں وہ مل جائیں گے۔ تو آپ اپنے ساتھ اپنے ساتھی یوشع بن نون علیہ السلام کو لے کر چلے پتھر کے پاس پہنچ کر اپنے سر اس پر رکھ کر دو گھڑی سو رہے۔ مچھلی اس توشے دان میں تڑپی اور کود کر اس سے نکل گئی سمندر میں ایسی گئی جیسے کوئی سرنگ لگا کر زمین میں اتر گیا ہو پانی کا چلنا بہنا اللہ تعالیٰ نے موقوف کر دیا اور طاق کی طرح وہ سوراخ باقی رہ گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جاگے تو آپ کے ساتھی یہ ذکر آپ سے بھول گئے اسی وقت وہاں سے چل پڑے دن پورا ہونے کے بعد رات بھر چلتے رہے، صبح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکان اور بھوک محسوس ہوئی اللہ نے جہاں جانے کا حکم دیا تھا جب تک وہاں سے آگے نہ نکل گئے تھکان کا نام تک نہ تھا اب آپ نے ساتھی سے کھانا مانگا اور تکلیف بیان کی اس وقت آپ کے ساتھی نے فرمایا کہ پتھر کے پاس جب ہم نے آرام لیا تھا وہیں اسی وقت مچھلی تو میں بھول گیا اور اس کے ذکر کو بھی شیطان نے بھلا دیا اور اس مچھلی نے تو سمندر میں عجیب طور پر اپنی راہ نکال لی۔ مچھلی کے لئے سرنگ بن گئی اور ان کے لیے حیرت کا باعث بن گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اسی کی تو تلاش تھی، چنانچہ اپنے نشان قدم دیکھتے ہوئے دونوں واپس ہوئے اسی پتھر کے پاس پہنچے دیکھا کہ ایک صاحب کپڑوں میں لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں۔ آپ نے سلام کیا اس نے کہا تعجب ہے آپ کی سرزمین میں یہ سلام کہاں؟ آپ نے فرمایا میں موسیٰ ہوں انہوں نے پوچھا کیا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ آپ نے فرمایا ہاں اور میں اس لئے آیا ہوں

کہ آپ مجھے وہ سکھائیں جو بھلائی آپ کو اللہ کی طرف سے سکھائی گئی ہے۔آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔اس لئے کہ مجھے جو علم ہے وہ آپ کو نہیں اور آپ کو جو علم ہے وہ مجھے نہیں اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جداگانہ علم عطا فرمارکھا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ میں صبر کروں گا اور آپ کے کسی فرمان کی نافرمانی نہ کروں گا۔
حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اچھا اگر تم میرا ساتھ چاہتے ہو تو مجھ سے خود کسی بات کا سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں آپ تمہیں اس کی بابت خبردار کروں۔

علم لدنی کے تعجب خیز واقعات

اتنی باتیں طے کر کے دونوں ساتھ چلے دریا کے کنارے ایک کشتی تھی ان سے اپنے ساتھ لے جانے کی بات چیت کرنے لگے انہوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ لئے دونوں کو سوار کر لیا کچھ ہی دور چلے ہوں گے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا دیکھا کہ خضر علیہ السلام چپ چاپ کشتی کے تختے کلہاڑے سے توڑ رہے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ کیا؟ ان لوگوں نے تو ہمارے ساتھ احسان کیا بغیر کرایہ لئے کشتی میں سوار کیا اور آپ نے اس کے تختے توڑنے شروع کر دیئے جس سے تمام اہل کشتی ڈوب جائیں یہ تو بڑا ہی ناخوش گوار کام کرنے لگے۔اسی وقت حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا دیکھو میں نے تو تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام معذرت کرنے لگے کہ خطا ہوگئی بھولے سے پوچھ بیٹھا معاف فرمایئے اور سختی نہ کیجئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں واقعی یہ پہلی غلطی بھول سے ہی تھی فرماتے ہیں کشتی کے ایک تختے پر ایک چڑیا آ بیٹھی اور سمندر میں چونچ ڈال کر پانی لے کر اڑ گئی،اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا میرے اور تیرے علم نے اللہ کے علم میں سے اتنا ہی کم کیا ہے جتنا پانی سے سمندر میں سے اس چڑیا کی چونچ نے کم کیا ہے۔اب کشتی کنارے لگی اور ساحل پر دونوں چلنے لگے جو حضرت خضر علیہ السلام کی نگاہ چند کھیلتے ہوئے بچوں پر پڑی ان میں سے ایک بچے کا سر پکڑ کر حضرت خضر علیہ السلام نے اس طرح مروڑ دیا کہ اسی وقت اس کا دم نکل گیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے اور فرمانے لگے بغیر کسی قتل کے اس بچے کو آپ نے ناحق مار ڈالا؟ آپ نے بڑا ہی منکر کام کیا حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا دیکھو اسی کو میں نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا کہ تمہاری ہماری نبھ نہیں سکتی اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے سے زیادہ سختی کی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا اب اگر میں کوئی سوال کر بیٹھوں تو بیشک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا یقیناً اب آپ معذور ہو گئے،چنانچہ پھر دونوں ہمراہ چلے ایک بستی والوں کے پاس پہنچے ان سے کھانا مانگا لیکن انہوں نے ان کی مہمانداری سے صاف انکار کر دیا،وہیں ایک دیوار دیکھی جو جھک گئی تھی اور گرنے کے قریب تھی،اسی وقت حضرت خضر نے ہاتھ لگا کر اسے ٹھیک اور درست کر دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا خیال تو فرمایئے ہم یہاں آئے ان لوگوں سے کھانا طلب کیا انہوں نے نہ دیا مہمان نوازی کے خلاف کیا ان کا یہ کام تھا آپ ان سے اجرت لے سکتے تھے۔حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا یہ ہے مجھ میں اور تم میں جدائی اب میں تمہیں ان کاموں کی اصلیت بتلا دوں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کاش کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر سے کام لیتے تو ان دونوں کی اور بھی بہت سی باتیں ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں وکان ورائھم کے بدلے وکان امامھم ہے اور سفینۃ کے بعد صالحتہ کا لفظ بھی ہے اور واما الغلام کے بعد فکان کافرا کے لفظ بھی ہیں۔ اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے اس میں ہے کہ اس پتھر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام رک گئے وہیں ایک چشمہ تھا جس کا نام نہر حیات تھا اس کا پانی جس چیز کو لگ جاتا ہے وہ زندہ ہو جاتی تھی۔ اس میں چڑیا کی چونچ کا پانی اس سمندر کے مقابلے میں، الخ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطبہ سے آنسو بہہ جانے کا واقعہ

صحیح بخاری شریف کی ایک اور حدیث میں ہے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ان کے پاس تھا آپ نے فرمایا کہ جس کو جو سوال کرنا ہو کر لے میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے کوفے میں ایک واعظ ہیں جن کا نام نوف ہے پھر پوری حدیث بیان کی جیسا کہ اوپر گزری اس میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس خطبہ سے آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور دل نرم پڑ گئے تھے، جب آپ جانے لگے تو ایک شخص آپ کے پاس پہنچا اور اس نے سوال کیا کہ روئے زمین پر آپ سے زیادہ علم والا بھی کوئی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر آزمائش کی۔

کیونکہ انہوں نے اللہ کی طرف علم کو نہ لوٹایا اس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نشان طلب کیا تو ارشاد ہوا کہ ایک مچھلی اپنے ساتھ رکھ لو جس جگہ اس میں روح پڑ جائے وہیں پر آپ کی اس شخص سے ملاقات ہوگی۔ چنانچہ آپ نے مچھلی لی زنبیل میں رکھ لی اور اپنے ساتھی سے کہا آپ کا صرف اتنا ہی کام ہے کہ جہاں مچھلی آپ کے پاس سے چلی جائے وہاں آپ مجھے خبر کر دینا انہوں نے کہا یہ تو بالکل آسان سی بات ہے۔

ان کا نام یوشع بن نون تھا۔ لفتہ سے یہی مراد ہے۔ یہ دونوں بزرگ تر جگہ میں ایک درخت تلے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نیند آ گئی تھی اور حضرت یوشع جاگ رہے تھے جو مچھلی کود گئی انہوں نے خیال کیا کہ جگانا تو ٹھیک نہیں جب آنکھ کھلے گی ذکر کر دوں گا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ پانی میں جانے کے وقت جو سوراخ ہو گیا تھا اسے راوی حدیث عمرو نے اپنے انگوٹھے اور اس کے پاس کی دونوں انگلیوں کا حلقہ کر کے دکھایا کہ اس طرح کا تھا جیسے پتھر میں ہوتا ہے۔ واپسی پر حضرت خضر سمندر کے کنارے سبز گدی بچھائے ملے ایک چادر میں لپٹے ہوئے تھے اس کا ایک سرا تو دونوں پیروں کے نیچے رکھا ہوا تھا اور دوسرا کنارہ سر تلے تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلام پر آپ نے منہ کھولا۔

اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کے ہاتھ میں توراۃ موجود ہے وحی آسمان سے آ رہی ہے کیا یہ بس نہیں؟ اور میرا علم آپ کے لائق بھی نہیں اور نہ میں آپ کے علم کے قابل ہوں۔ اس میں ہے کہ کشتی کا تختہ توڑ کر آپ نے ایک تانت سے باندھ دیا تھا۔ پہلی دفعہ کا آپ کا سوال تو بھولے سے ہی تھا دوسری مرتبہ کا بطور شرط کے تھا ہاں تیسری بار کا سوال قصداً

علیحدگی کی وجہ سے تھا۔ اس میں ہے کہ لڑکوں میں ایک لڑکا تھا کافر ہوشیار اسے حضرت خضر نے لٹا کر چھری سے ذبح کر دیا ایک قرأت میں زاکیۃ مسلمۃ بھی ہے۔ ورائہم کی قرأت امامہم بھی ہے اس ظالم بادشاہ کا نام اس میں ہدد بن بدد ہے اور جس بچے کو قتل کیا گیا تھا اس کا نام جیسور تھا کہتے ہیں کہ اس لڑکے کے بدلے ان کے ہاں ایک لڑکی ہوئی ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ کر رہے تھے اور فرمایا کہ اللہ کو اور اس کے امر کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔

یہ نوف کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کے لڑکے کا قول تھا کہ جس موسیٰ کا ان آیتوں میں ذکر ہے یہ موسیٰ بن میثا تھے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے اللہ اگر تیرے بندوں میں مجھ سے بڑا عالم کوئی ہو تو مجھے آگاہ فرما، اس میں ہے کہ نمک چڑھی ہوئی مچھلی آپ نے اپنے ساتھ رکھی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا تم یہاں کیوں آئے؟ آپ کو تو ابھی بنی اسرائیل میں ہی مشغول کار رہنا ہے اس میں ہے کہ چھپی ہوئی باتیں حضرت خضر علیہ السلام کو معلوم کرائی جاتی تھیں تو آپ نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ ٹھیر نہیں سکتے کیونکہ آپ تو ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے اور مجھے راز پر اطلاع ہوتی ہے، چنانچہ شرط ہوگئی کہ گو آپ کیسا ہی خلاف دیکھیں لیکن لب نہ ہلائیں جب تک کہ حضرت خضر خود نہ بتلائیں۔ کہتے ہیں کہ یہ کشتی تمام کشتیوں سے مضبوط عمدہ اور اچھی تھی، وہ بچہ ایک بے مثل بچہ تھا بڑا حسین بڑا ہوشیار بڑا ہی طرار حضرت خضر نے اسے پکڑ کر پتھر اس کا سر کچل کر اسے مار ڈالا۔

حضرت موسیٰ خوف اللہ سے کانپ اٹھے کہ ننھا سا پیارا بیگناہ بچہ اس بیدردی سے بغیر کسی سبب کے حضرت خضر نے جان سے مار ڈالا۔ دیوار گرتی ہوئی دیکھ کر ٹھہر گئے پہلے تو اسے باقاعدہ گرایا اور پھر بہ آرام چننے بیٹھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اکتا گئے کہ بیٹھے بٹھائے اچھا دھندا لے بیٹھے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس دیوار کے نیچے کا خانہ صرف علم تھا۔ اور روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم مصر پر غالب آ گئی اور یہاں آ کر وہ با آرام رہنے سہنے لگے تو حکم الٰہی ہوا کہ انہیں اللہ کے احسانات یاد دلاؤ۔ آپ خطبے کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کے احسانات بیان کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ یہ نعمتیں عطا فرمائیں، آل فرعون سے اس نے تمہیں نجات دی، تمہارے دشمنوں کو غارت اور غرق کر دیا، پھر تمہیں ان کی زمین کا مالک کر دیا، تمہارے نبی سے باتیں کیں، اسے اپنے لیے پسند فرمالیا، اس پر اپنی محبت ڈال دی، تمہاری تمام حاجتیں پوری کیں، تمہارے نبی تمام زمین والوں سے افضل ہیں، اس نے تمہیں تورات عطا فرمائی۔ الغرض پورے زوروں سے اللہ کی بیشمار اور ان گنت نعمتیں انہیں یاد دلائیں اس پر ایک بنی اسرائیل نے کہا فی الواقع بات یہی ہے اے نبی اللہ کیا زمین پر آپ سے زیادہ علم والا بھی کوئی ہے؟ آپ نے بیساختہ فرمایا کہ نہیں ہے۔

اسی وقت جناب باری تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا کہ ان سے کہو کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اپنا علم کہاں کہاں رکھتا ہوں؟ بیشک سمندر کے کنارے پر ایک شخص ہے جو تجھ سے بھی زیادہ عالم ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ ان کو میں دیکھ لوں وحی ہوئی کہ اچھا سمندر کے کنارے جاؤ وہاں تمہیں ایک مچھلی ملے گی اسے لے لو، اپنے ساتھی کو سونپ دو، پھر کنارے چل دو جہاں تو مچھلی کو بھول جائے اور وہ تجھ سے گم ہو جائے وہیں تو میرے اس نیک بندے کو پائے گا حضرت موسیٰ علیہ السلام جب چلتے چلتے تھک گئے تو اپنے ساتھ سے جوان کا غلام تھا مچھلی کے بارے میں سوال کیا اس نے جواب دیا کہ جس پتھر کے پاس ہم ٹھہرے تھے وہیں میں مچھلی کو بھول گیا اور تجھ سے ذکر کرنا شیطان نے بالکل بھلا دیا میں نے دیکھا کہ مچھلی تو گویا سرنگ بناتی ہوئی دریا میں جارہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنی لکڑی سے پانی کو چیرتے ہوئے اس کے پیچھے ہو لئے مچھلی جہاں سے گزرتی تھی اس کے دونوں طرف کا پانی پتھر بن جاتا تھا اس سے بھی اللہ کے نبی سخت متعجب ہوئے اب مچھلی ایک جزیرے میں آپ کو لے گئی الخ۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حر بن قیس میں اختلاف تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے یہ صاحب کون تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بلا کر اپنا اختلاف بیان کیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی وہ حدیث بیان کی جو تقریباً اوپر گزر چکی ہے۔ اس میں سائل کے سوال کے الفاظ یہ ہیں کہ کیا آپ اس شخص کا ہونا بھی جانتے ہیں جو آپ سے زیادہ علم والا ہو؟

واقعات خضر علیہ السلام کے باطنی رخ کو ظاہر کرنے کا واقعہ

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کے انجام سے حضرت خضر کو مطلع کر دیا تھا اور انہیں جو حکم ملا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس راز کا علم نہ تھا اس لئے بظاہر اسے خلاف سمجھ کر اس پر انکار کرتے تھے لہذا حضرت خضر نے اب اصل معاملہ سمجھا دیا۔ فرمایا کہ کشتی کو عیب دار کرنے میں تو یہ مصلحت تھی کہ اگر صحیح سالم ہوتی تو آگے چل کر ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر ایک اچھی کشتی کو ظلماً چھین لیتا تھا۔ جب اسے وہ ٹوٹی پھوٹی دیکھے گا تو چھوڑ دے گا اگر یہ ٹھیک ٹھاک اور ثابت ہوتی تو ساری کشتی ہی ان مسکینوں کے ہاتھ سے چھن جاتی اور ان کی روزی کمانے کا یہی ایک ذریعہ تھا جو بالکل جاتا رہتا۔

مروی ہے کہ اس کشتی کے مالک چند یتیم بچے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں اس بادشاہ کا نام حدو بن بدو تھا۔ تورات میں ہے کہ یہ عیص بن اسحاق کی نسل سے تھا توراۃ میں جن بادشاہوں کا صریح ذکر ہے ان میں ایک یہ بھی ہے۔

بچے کو قتل کرنے میں پوشیدہ باطنی راز کا واقعہ

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس نوجوان کا نام حیثور تھا۔ حدیث میں ہے کہ اس کی جبلت میں ہی کفر تھا۔ حضرت خضر فرماتے ہیں کہ بہت ممکن تھا کہ اس بچے کی محبت اس کے ماں باپ کو بھی کفر کی طرف مائل کر دے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی پیدائش سے اس کے ماں باپ بہت خوش ہوئے تھے اور اس کی ہلاکت سے وہ بہت غمگین ہوئے حالانکہ اس کی زندگی ان کے لئے ہلاکت تھی۔ پس انسان کو چاہے کہ اللہ کی قضا پر راضی رہے۔ رب انجام کو جانتا ہے اور ہم اس سے غافل ہیں۔ مومن جو کام اپنے لئے پسند کرتا ہے، اس کی اپنی پسند سے وہ اچھا ہے جو اللہ اس کے لئے پسند فرماتا

ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ مومن کے لئے اللہ کے فیصلے ہوتے ہیں وہ سراسر بہتری اور عمدگی والے ہی ہوتے ہیں۔قرآن کریم میں ہے(فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا 19) 4-النسآء:19)یعنی بہت ممکن ہے کہ ایک کام تم اپنے لئے برااور ضررروالا سمجھتے ہواور وہ دراصل تمہارے لئے بھلااور مفید ہو۔

حضرت خضر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم نے چاہا کہ اللہ انہیں ایسا بچہ دے جو بہت پرہیزگار ہواور جس پر ماں باپ کوزیادہ پیار ہو۔یا یہ کہ جو ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہو۔پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس لڑکے کے بدلے اللہ نے ان کے ہاں ایک لڑکی دی۔مروی ہے کہ اس بچے کے قتل کے وقت اس کی والدہ کے حمل سے ایک مسلمان لڑکا تھااور وہ حاملہ تھیں۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور وہ اس کی محبت میں دین سے پھر جائیں اور گمراہ ہو جائیں اور حضرت خضر کا یہ اندیشہ اس سبب سے تھا کہ وہ باعلام الٰہی اس کے حالِ باطن کو جانتے تھے۔حدیث مسلم میں ک ہے کہ یہ لڑکا کافر ہی پیدا ہوا تھا۔

امام سبکی نے فرمایا کہ حالِ باطن جان کر بچے کو قتل کر دینا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے انہیں اس کی اجازت تھی، اگر کوئی ولی کسی بچے کے ایسے حال پر مطلع ہو تو اس کو قتل جائز نہیں ہے۔کتاب عرائس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خصر سے فرمایا کہ تم نے ستھری جان کو قتل کر دیا تو یہ انہیں گراں گزرا اور انہوں نے اس لڑکے کا کندھا توڑ کر اس کا گوشت چرا تو اس کے اندر لکھا ہوا تھا کافر ہے کبھی اللہ پر ایمان نہ لائے گا۔(جمل،خزائن العرفان)

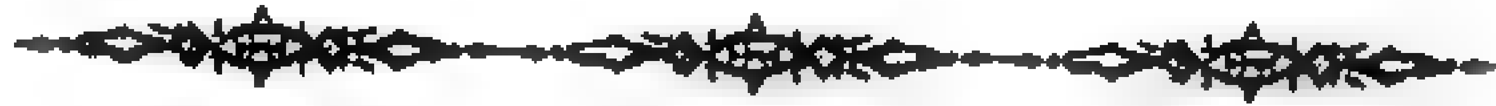
نیک عمل کی وجہ سے حفاظت اولاد اور مال کا واقعہ

ان دو بچوں کے نام اصرم اور صریم تھے۔ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اس دیوار کے نیچے سونا چاندی مدفون تھا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس میں سونے کی ایک تختی تھی اس پر ایک طرف لکھا تھا اس کا حال عجب ہے جسے موت کا یقین ہو اس کو خوشی کس طرح ہوتی ہے،اس کا حال عجب ہے جو قضاوقدر کا یقین رکھے اس کو غصہ کیسے آتا ہے،اس کا حال عجب ہے جسے رزق کا یقین ہو وہ کیوں تعب میں پڑتا ہے،اس کا حال عجب ہے جسے حساب کا دینا ہو وہ کیسا غافل رہتا ہے،اس کا حال عجب ہے جس کو دنیا کے زوال وتغیر کا یقین ہو وہ کیسے مطمئن ہوتا ہے اور اس کے ساتھ لکھا تھا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور دوسری جانب اس لوح پر لکھا تھا میں اللہ ہوں،مرے سوا کوئی معبود نہیں،میں یکتا ہوں،مرا کوئی شریک نہیں،میں نے خیر وشر کو پیدا کیا،اس کے لئے خوشی جسے میں نے خرت کے لئے پدا کا اور اس کے ہاتھوں پرخری جاری کی،اس کے لئے تباہی جس کو شر کے لئے پدا اکاداور اس کے ہاتھوں پر شر جاری کی۔

اس کا نام کاشح تھا اور یہ شخص پرہزگار تھا۔حضرت محمد ابن منکدر نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندے کی نیدہ سے اس کی اولاد کو اور اس کی اولاد کی اولاد کو اور اس کے کنبہ والوں کو اور اس کے محلّہ داروں کو اپنی حفاظت میں رکھتا ہے۔(سبحان اللہ)

بعض لوگ ولی کو نبی پر فضیلت دے کر گمراہ ہو گئے اور انہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کو حضرت خضر سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا باوجودیکہ حضرت خضر ولی ہیں اور در حقیقت ولی کو نبی پر فضیلت دینا کفر جلی ہے اور حضرت خضر نبی ہیں اور اگر ایسا نہ ہو جیسا کہ بعض کا گمان ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیک السلام کے حق میں ابتلاء ہے علاوہ بریں یہ کہ اہل کتاب اس کے قائل ہیں کہ یہ حضرت موسیٰ پیغمبر بنی اسرائل کا واقعہ ہی نہیں بلکہ موسیٰ بن ماثان کا واقعہ ہے اور ولی تو نبی پر ایمان لانے سے مرتبہ ولایت پر پہنچتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ نبی سے بڑھ جائے۔ (مدارک)

اکثر علماء اس پر ہیں اور مشائخِ صوفیا و اصحاب عرفان کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں شیخ ابو عمرو بن صلاح نے اپنے فتاوٰی مس ں فرمایا کہ حضرت خضر جمہور علماء و صالحن کے نزدیک زندہ ہیں، یہ بھی کہا گا ہے کہ حضرت خضر و الیاس دونوں زندہ ہیں اور ہر سال زمانہ حج میں ملتے ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ حضرت خضر نے چشمہ حالت میں غسل فرمایا اور اس کا پانی پیا ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (خازن)





قارون

قارون کے خزانوں میں تکبر و غرور کا محل

مروی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا لڑکا تھا۔ اس کا نسب یہ ہے قارون بن یصہر بن قاہیث اور موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے موسیٰ بن عمران بن قاہیث۔

مشہور مؤرخ ابن اسحٰق کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا۔ لیکن اکثر علماء چچا کا لڑکا بتاتے ہیں۔ یہ بہت خوش آواز تھا، تورات بڑی خوش الحانی سے پڑھتا تھا اس لئے اسے لوگ منور کہتے تھے۔ لیکن جس طرح سامری نے منافق پنا کیا تھا یہ اللہ کا دشمن بھی منافق ہو گیا تھا۔ چونکہ بہت مال دار تھا اس لئے بھول گیا تھا اور اللہ کو بھول بیٹھا تھا۔ قوم میں عام طور پر جس لباس کا دستور تھا اس نے اس سے بالشت بھر نیچا لباس بنوایا تھا جس سے اس کا غرور اور اس کی دولت ظاہر ہو۔ اس کے پاس اس قدر مال تھا کہ اس خزانے کی کنجیاں اٹھانے پر قوی مردوں کی ایک جماعت مقرر تھی۔ اس کے بہت خزانے تھے۔ ہر خزانے کی کنجی الگ تھی جو بالشت بھر کی تھی۔ جب یہ کنجیاں اس کی سواری کے ساتھ خچروں پر لادی جاتیں تو اس کے لئے ساٹھ پنج کلیاں خچر مقرر ہوتے، واللہ اعلم۔

نیک لوگوں کا قارون کو وعظ کرنے کا واقعہ

قوم کے بزرگ اور نیک لوگوں اور عالموں نے جب اس کے سرکشی اور تکبر کو حد سے بڑھتے ہوتے دیکھا تو اسے نصیحت کی کہ اتنا اکڑ نہیں اس قدر غرور نہ کر اللہ کا ناشکرانہ ہو، ورنہ اللہ کی محبت سے دور ہو جاؤ گے۔ قوم کے واعظوں نے کہا کہ یہ جو اللہ کی نعمتیں تیرے پاس ہیں انہیں اللہ کی رضامندی کے کاموں میں خرچ کرتا کہ آخرت میں بھی تیرا حصہ ہو جائے۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ دنیا میں کچھ عیش و عشرت کر ہی نہیں۔ نہیں اچھا کھا، پی، پہن اوڑھ جائز نعمتوں سے فائدہ اٹھا نکاح سے راحت اٹھا حلال چیزیں برت لیکن جہاں اپنا خیال رکھو وہاں مسکینوں کا بھی خیال رکھ جہاں اپنے نفس کو نہ بھول وہاں اللہ کے حق بھی فراموش نہ کر۔ تیرے نفس کا بھی حق ہے تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے تیرے بال بچوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔ مسکین غریب کا بھی تیرے مال میں ساجھا ہے۔ ہر حق دار کا حق ادا کر اور جیسے اللہ نے تیرے ساتھ سلوک کیا تو اوروں کے ساتھ سلوک واحسان کر اپنے اس مفسدانہ رویہ کو بدل ڈال اللہ کی مخلوق کی ایذ رسانی سے باز آ جا۔ اللہ فسادیوں سے محبت نہیں رکھتا۔

اپنی عقل و دانش پہ مغرور قارون کا واقعہ

قوم کے علماء کی نصیحتوں کو سن کر قارون نے جو جواب دیئے اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس نے کہا آپ اپنی نصیحتوں کو رہنے دیجئے

میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو دے رکھا ہے اسی کا مستحق میں تھا، میں ایک عقلمند زیرک، دانا شخص ہوں میں اسی قابل ہوں اور اسے بھی اللہ جانتا ہے اسی لئے اس نے مجھے یہ دولت دی ہے۔ بعض انسانوں کا یہ خاصہ ہوتا ہے جیسے قرآن میں ہے کہ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تب بڑی عاجزی سے ہمیں پکارتا ہے اور جب انسان کو کوئی نعمت و راحت اسے ہم دے دیتے ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ آیت (قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔــلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ 78) 28-القصص:78) یعنی اللہ جانتا تھا کہ میں اسی کا مستحق ہوں اس لئے اس نے مجھے یہ دیا ہے۔ اور آیت میں ہے کہ اگر ہم اسے کوئی رحمت چکھائیں اس کے بعد جب اسے مصیبت پہنچی ہو تو کہہ اٹھتا ہے کہ ھذا لی اس کا حقدار تو میں تھا ہی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قارون علم کیمیا جانتا تھا لیکن یہ قول بالکل ضعیف ہے۔ بلکہ کیمیا کا علم فی الواقع ہے ہی نہیں۔ کیونکہ کسی چیز کے عین کو بدل دینا یہ اللہ ہی کی قدرت کی بات ہے جس پر کوئی اور قادر نہیں۔ فرمان الٰہی ہے کہ اگر تمام مخلوق بھی جمع ہو جائے تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو کوشش کرتا ہے کہ میری طرح پیدائش کرے۔ اگر وہ سچا ہے تو ایک ذرہ یا ایک جو ہی بنا دے۔

یہ حدیث ان کے بارے میں ہے جو تصویریں اتارتے ہیں اور صرف ظاہر صورت کو نقل کرتے ہیں۔ ان کے لئے تو یہ فرمایا پھر جو دعویٰ کرے کہ وہ کیمیا جانتا ہے اور ایک چیز کی کایا پلٹ کر سکتا ہے ایک ذات سے دوسری ذات بنا دیتا ہے مثلاً لوہے کو سونا وغیرہ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ محض جھوٹ ہے اور بالکل محال ہے اور جہالت و ضلالت ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ رنگ وغیرہ بدل کر دھوکے بازی کرے۔ لیکن حقیقتاً یہ ناممکن ہے۔ یہ کیمیا گر جو محض جھوٹے جاہل فاسق اور مفتری ہیں یہ محض دعوے کر کے مخلوق کو دھوکے میں ڈالنے والے ہیں۔ ہاں یہ خیال رہے کہ بعض اولیاء کے ہاتھوں جو کرامتیں سرزد ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی چیزیں بدل جاتی ہے ان کا ہمیں انکار نہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے ان پر ایک خاص فضل ہوتا ہے اور وہ بھی ان کے بس کا نہیں ہوتا، نہ ان کے قبضے کا ہوتا ہے، نہ کوئی کاری گری، صنعت یا علم ہے۔ وہ محض اللہ کے فرمان کا نتیجہ ہے جو اللہ اپنے فرمانبردار نیک کار بندوں کے ہاتھوں اپنی مخلوق کو دکھا دیتا ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت حیوہ بن شریح مصری سے ایک مرتبہ کسی سائل نے سوال کیا اور آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور اسکی حاجت مندی اور ضرورت کو دیکھ کر آپ دل میں بہت آزردہ ہو رہے تھے۔ آخر آپ نے ایک کنکر زمین سے اٹھایا اور کچھ دیر اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ کر کے فقیر کی جھولی میں ڈال دیا تو وہ سونے کا بن گیا۔ معجزے اور کرامات احادیث اور آثار میں اور بھی بہت سے مروی ہیں۔ جنہیں یہاں بیان کرنا باعث طول ہوگا۔ بعض کا قول ہے کہ قارون اسم اعظم جانتا تھا جسے پڑھ کر اس نے اپنی مالداری کی دعا کی تو اس قدر دولت مند ہو گیا۔ قارون کے اس جواب کی رد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ غلط ہے کہ میں جس پر مہربان ہوتا ہوں اسے دولت مند کر دیتا ہوں نہیں اس سے پہلے اس سے زیادہ دولت اور آسودہ حال لوگوں کو میں نے تباہ کر دیا ہے تو یہ سمجھ

[تھا] کہ مالداری میری محبت کی نشانی ہے، محض غلط ہے۔ جو میرا شکر ادا نہ کریں کفر پر جما رہے اس کا انجام بد ہوتا ہے۔ گناہ گاروں کے کثرت گناہ کی وجہ سے پھر ان سے ان کے گناہوں کا سوال بھی عبث ہوتا۔ اس کا خیال تھا کہ مجھ میں خیریت ہے اس لئے اللہ کا یہ فضل مجھ پر ہوا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں اس مالداری کا اہل ہوں اگر مجھ سے خوش نہ ہوتا اور مجھے اچھا آدمی نہ جانتا تو مجھے اپنی یہ نعمت بھی نہ دیتا۔

سامان تعیش کی فراوانی

قارون ایک دن نہایت قیمتی پوشاک پہن کر زرق برق عمدہ سواری پر سوار ہو کر اپنے غلاموں کو آگے پیچھے بیش بہا پوشاکیں پہنائے ہوئے لے کر بڑے ٹھاٹھ سے اتراتا ہوا اکڑتا ہوا نکلا اسکا یہ ٹھاٹھ اور یہ زینت و تجمل دیکھ کر دنیاداروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور کہنے لگے کاش کہ ہمارے پاس بھی اس جتنا مال ہوتا۔ یہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور بڑی قسمت والا ہے۔ علماء کرام نے ان کی یہ بات سن کر انہیں اس خیال سے روکنا چاہا اور انہیں سمجھانے لگے کہ دیکھو اللہ نے جو کچھ اپنے مومن اور نیک بندوں کے لئے اپنے ہاں تیار کر رکھا ہے وہ اس سے کروڑ ہا درجہ بارونق دیرپا اور عمدہ ہے۔ تمہیں ان درجات کو حاصل کرنے کے لئے اس دو روزہ زندگی کو صبر و برداشت سے گزارنا چاہئے جنت صابروں کا حصہ ہے یہ مطلب بھی ہے کہ ایسے پاک کلمے صبر کرنے والوں کی زبان ہی سے نکلتے ہیں جو دنیا کی محبت سے دور اور دار آخرت کی محبت میں چور ہوتے ہیں اس صورت میں ممکن ہے کہ یہ کلام ان واعظوں کا نہ ہو بلکہ ان کے کلام کی اور ان کی تعریف میں یہ جملہ اللہ کی طرف سے خبر ہو۔

خزانوں سمیت قارون کا زمین میں دھنس جانے کا واقعہ

اوپر قارون کی سرکشی بے ایمانی کا ذکر ہو چکا یہاں اس کے انجام کا بیان ہو رہا ہے۔ ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنا تہبند لٹکائے فخر سے جا رہا تھا کہ اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے نگل جا۔

کتاب العجائب میں نوفل بن ماحق کہتے ہیں کہ نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا بڑا لمبا چوڑا بھرپور جوانی کے نشے میں چور گٹھے ہوئے بدن والا بانکا ترچھا اچھے رنگ و روغن، والا خوبصورت، شکیل۔ میں نگاہیں جما کر اس کے جمال و کمال کو دیکھنے لگا اس نے کہا کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا آپ کے حسن و جمال کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور تعجب معلوم ہو رہا ہے۔ اس نے جواب دیا تو ہی کیا خود اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب ہے۔

نوفل کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے کہتے ہی وہ گھٹنے لگا اور اس کا رنگ روپ اڑنے لگا اور قد پست ہونے لگا یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے رہ گیا۔ آخر کار اس کا کوئی قریبی رشتہ دار اپنی آستین میں ڈال کر لے گیا۔

یہ بھی مذکور ہے کہ قارون کی ہلاکت حضرت موسیٰ کی بددعا سے ہوئی تھی اور اس کے سبب میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ ایک سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قارون ملعون نے ایک فاحشہ عورت کو بہت کچھ مال و متاع دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ عین اس وقت حضرت موسیٰ کلیم اللہ بنی اسرائیل میں کھڑے خطبہ کہہ رہے ہوں وہ آئے اور آپ سے کہے کہ تو وہی ہے نا جس نے میرے

ساتھ ایسا ایسا کیا۔ اس عورت نے یہی کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے اور اسی وقت نماز کی نیت باندھ لی اور دو رکعت کر کے اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے تجھے اس اللہ کی قسم جس نے سمندر میں سے راستہ دیا اور تیری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی اور بھی بہت سے احسانات کیے تو جو سچا واقعہ ہے اسے بیان کر۔

یہ سن کر اس عورت کا رنگ بدل گیا اور اس نے صحیح واقعہ سب کے سامنے بیان کر دیا اور اللہ سے استغفار کیا اور سچے دل سے توبہ کر لی۔ حضرت موسیٰ پھر سجدہ میں گر گئے اور قارون کی سزا چاہی۔ اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ میں نے زمین کو تیرے تابع کر دیا ہے۔ آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور زمین سے کہا کہ تو اسے اور اس کے محل کو نگل لے۔ زمین نے یہی کیا۔

دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب قارون کی سواری اس طمطراق سے نکلی سفید قیمتی خچر پر بیش بہا پوشاک پہنے سوار تھا، اس کے غلام بھی سب کے سب ریشمی لباسوں میں تھے۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ پڑھ رہے تھے بنو اسرائیل کا مجمع تھا۔ یہ جب وہاں سے نکلا تو سب کی نگاہیں اس پر اور اس کی دھوم دھام پر لگ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھ کر پوچھا آج اس طرح کیسے نکلے؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ ایک بات اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اور ایک فضیلت مجھے دے رکھی ہے اگر تمہارے پاس نبوت ہے تو میرے پاس یہ جاہ و حشم ہے اور اگر آپ کو میری فضیلت پر شک ہو تو میں تیار ہوں کہ آپ اور میں چلیں اور اللہ سے دعا کریں۔ دیکھ لیجئے کہ اللہ کس کی دعا قبول فرماتا ہے آپ اس بات پر آمادہ ہو گئے اور اسکو لے کر چلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے تو دعا کرتا ہے یا میں کروں؟ اس نے کہا نہیں میں کرونگا اب اس نے دعا مانگنی شروع کر دی اور ختم ہو گئی لیکن دعا قبول نہ ہوئی۔

حضرت موسیٰ نے کہا اب دعا میں کرتا ہوں اس نے کہا ہاں کیجئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ زمین کو حکم دے کہ جو میں کہوں مان لے اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وحی آئی کہ میں نے زمین کو تیری اطاعت کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر زمین سے فرمایا اے زمین! اسے اور اس کے لوگوں کو پکڑ لے وہیں یہ لوگ اپنے قدموں تک زمین میں دھنس گئے۔ آپ نے فرمایا اور پکڑ لے۔ یہ اپنے گھٹنوں تک دھنس گئے۔ آپ نے فرمایا اور پکڑ یہ مونڈھوں تک زمین میں دھنس گئے پھر فرمایا ان کے خزانے اور مال بھی یہیں لے آ۔ اسی وقت ان کے کل خزانے اور مال وہاں آ گئے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے ان سب کو دیکھ لیا پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان کو ان کے خزانوں سمیت اپنے اندر کر لے اسی وقت یہ سب غارت ہو گئے اور زمین جیسی تھی ویسی ہو گئی۔ مروی ہے کہ ساتوں زمین تک یہ لوگ بقدر انسان دھنستے جا رہے ہیں قیامت تک اسی عذاب میں رہیں گے۔

ذوالقرنین اسکندریہ

ذوالقرنین کا نام وتعارف

ذوالقرنین کا نام اسکندر ہے یہ حضرت خضر علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی ہیں انہوں نے اسکندریہ بنایا اور اس کا نام اپنے نام پر رکھا، حضرت خضر علیہ السلام ان کے وزیر اور صاحب لواء تھے، دنیا میں ایسے چار بادشاہ ہوئے ہیں جو تمام دنیا پر حکمران تھے، دو مومن حضرت ذوالقرنین اور حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہما السلام اور دو کافر نمرود اور بخت نصر اور عنقریب ایک پانچویں بادشاہ اور اس اُمت سے ہونے والے ہیں جن کا اسمِ مبارک حضرت امام مہدی ہے، ان کی حکومت تمام روئے زمین پر ہوگی۔ ذوالقرنین کی نبوت میں اختلاف ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ نہ نبی تھے، نہ فرشتے، اللہ سے محبت کرنے والے بندے تھے، اللہ نے انہیں محبوب بنایا۔

ذوالقرنین کی بادشاہت کو مشرق ومغرب تک پہنچ جانے کا واقعہ

وہب کہتے ہیں یہ بادشاہ تھے چونکہ ان کے سر کے دونوں طرف تانبار ہتا تھا اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا گیا یہ وجہ بھی بتلائی گئی ہے کہ یہ روم کا اور فارس کا دونوں کا بادشاہ تھا۔ بعض کا قول ہے کہ فی الواقع اس کے سر کے دونوں طرف کچھ سینگ سے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کے نیک بندے تھے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا یہ لوگ مخالف ہو گئے اور ان کے سر کے ایک جانب اس قدر مارا کہ یہ شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا قوم نے پھر سر کے دوسری طرف بھی قدر مارا جس سے یہ پھر مر گئے اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ یہ مشرق سے مغرب کی طرف سیاحت کر آئے تھے اس لیے انہیں ذوالقرنین کہا گیا ہے۔ ہم نے اسے بڑی سلطنت دے رکھی تھی۔ ساتھ ہی قوت لشکر آلات حرب سب کچھ ہی دے رکھا تھا۔ مشرق سے مغرب تک اس کی سلطنت تھی عرب عجم سب اُس کے ماتحت تھے۔ ہر چیز کا اسے علم دے رکھا تھا۔ زمین کے ادنیٰ اعلیٰ نشانات بتلا دیے تھے۔ تمام زبانیں جانتے تھے۔ جس قوم سے لڑائی ہوتی اس کی زبان بول لیتے تھے ایک مرتبہ حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کیا تم کہتے ہو کہ ذوالقرنین نے اپنے گھوڑے ثریا سے باندھے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ مشرق ومغرب تک کیسے پہنچ گئے؟ آپ نے فرمایا سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو ان کے لئے مسخر کر دیا تھا اور تمام اسباب انہیں مہیا کر دیے تھے اور پوری قوت وطاقت دے دی تھی۔

ذوالقرنین کا زمین کی ایک سمیت جانے کا واقعہ

ذوالقرنین ایک راہ لگ گئے زمین کی ایک سمت یعنی مغربی جانب کوچ کر دیا۔ جو نشانات زمین پر تھے ان کے سہارے چل کھڑے ہوئے۔ جہاں تک مغربی رخ چل سکتے تھے چلتے رہے یہاں تک کہ اب سورج کے غروب ہونے کی جگہ تک پہنچ گے۔ یہ یاد رہے کہ اس سے مراد آسمان کا وہ حصہ نہیں جہاں سورج غروب ہوتا ہے کیونکہ وہاں تک تو کسی کا جانا ناممکن ہے۔ ہاں اس رخ جہاں تک زمین پر جانا ممکن ہے۔ حضرت ذوالقرنین پہنچ گئے۔

لغرض جب انتہائے مغرب کی سمت پہنچ گئے تو یہ معلوم ہوا کہ گویا بحر محیط میں سورج غروب ہو رہا ہے۔ جو بھی کسی سمندر کے کنارے کھڑا ہو کر سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھے گا تو بظاہر یہی منظر اس کے سامنے ہوگا کہ گویا سورج پانی میں ڈوب رہا ہے۔ حالانکہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اور اس سے الگ کبھی نہیں ہوتا۔

ابن حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ کہف کی یہی آیت تلاوت فرمائی تو آپ نے (عین حامیۃ) پڑھا اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم تو حمۃ پڑھتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا آپ کس طرح پڑھتے ہیں انہوں نے جواب دیا جس طرح آپ نے پڑھا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرے گھر میں قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آدمی بھیجا کہ بتلاؤ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ تورات میں اس کے متعلق کچھ ہے؟ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اسے عربیت والوں سے پوچھنا چاہئے، وہی اس کے پورے عالم ہیں۔ ہاں تورات میں تو میں یہ پاتا ہوں کہ وہ پانی اور مٹی میں یعنی کیچڑ میں چھپ جاتا ہے اور مغرب کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ یہ سب قصہ سن کر ابن حاضر نے کہا اگر میں اس وقت ہوتا تو آپ کی تائید میں تبع کے وہ دو شعر پڑھ دیتا۔

جس میں اس نے ذوالقرنین کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ مشرق و مغرب تک پہنچا کیونکہ اللہ کے حکم نے اسے ہر قسم کے سامان مہیا فرمائے تھے اس نے دیکھا کہ سورج سیاہ مٹی جیسے کیچڑ میں غروب ہوتا نظر آتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا اس شعر میں تین لفظ ہیں خلب، ثاط اور حرمد۔ ان کے کیا معنی ہیں؟ مٹی، کیچڑ اور سیاہ۔ اسی وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام سے یا کسی اور شخص سے فرمایا یہ جو کہتے ہیں لکھ لو۔

بارہ ہزار دروازوں کا والے شہر کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سورہ کہف کی تلاوت حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے سنی اور جب آپ نے حمۃ پڑھا تو کہا کہ واللہ جس طرح تورات میں ہے اسی طرح پڑھتے ہوئے میں نے آپ ہی کو سنا تورات میں بھی یہی ہے کہ وہ سیاہ رنگ کیچڑ میں ڈوبتا ہے وہیں ایک شہر تھا جو بہت بڑا تھا اس کے بارہ ہزار دروازے تھے اگر وہاں شور غل نہ ہوتو کیا عجب کہ ان لوگوں کو سورج کے غروب ہونے کی آواز تک آئے وہاں ایک بہت بڑی امت کو آپ نے بستا ہوا پایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں پر بھی

پر غلبہ دیا اب ان کے اختیار میں تھا کہ یہ ان پر جبر و ظلم کریں یا ان میں عدل و انصاف کریں۔

اس پر ذوالقرنین نے اپنے عدل و ایمان کا ثبوت دیا اور عرض کیا کہ جو اپنے کفر و شرک پر اڑا رہے گا اسے تو ہم سزا دیں گے قتل بارت سے یا یہ کہ تانبے کے برتن کو گرم آگ کر کے اس میں ڈال دیں گے کہ وہیں اس کا مرنڈا ہو جائے یا یہ کہ سپاہیوں کے ہاتھوں بدترین سزائیں کرائیں گے واللہ اعلم۔ اور پھر جب وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اسے سخت تر اور دردناک وعذاب کرے گا۔ اس سے قیامت کے دن کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔ اور جو ایمان لائے ہماری توحید کی دعوت قبول کرلے اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت سے دست برداری کرلے اسے اللہ اپنے ہاں بہترین بدلہ دے گا اور خود ہم بھی اس کی عزت افزائی کریں گے اور بھلی بات کہیں گے۔

ذوالقرنین کے دور کے ایک وحشی بستی کا واقعہ

ذوالقرنین مغرب سے واپس مشرق کی طرف چلے۔ راستے میں جو قومیں ملتیں اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کی انہیں دعوت دیتے۔ اگر وہ قبول کر لیتے تو بہت اچھا ورنہ ان سے لڑائی ہوتی اور اللہ کے اور اللہ کے فضل سے وہ ہارتے آپ انہیں اپنا ماتحت کر کے وہاں کے مال ومویشی اور خادم وغیرہ لے کر آگے کو چلتے۔ بنی اسرائیلی خبروں میں ہے کہ یہ ایک ہزار چھ سو سال تک زندہ رہے۔ اور برابر زمین پر دین الٰہی کی تبلیغ میں رہے ساتھ ہی بادشاہت بھی پھیلتی رہے۔ جب آپ سورج نکلنے کی جگہ پہنچے وہاں دیکھا کہ ایک بستی آباد ہے لیکن وہاں کے لوگ بالکل نیم وحشی جیسے ہیں۔ نہ وہ مکانات بناتے ہیں نہ وہاں کوئی درخت ہے سورج کی دھوپ سے پناہ دینے والی کوئی چیز وہاں انہیں نظر نہ آئی۔ ان کے رنگ سرخ تھے ان کے قد پست تھے عام خوراک ان کی مچھلی تھی۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سورج کے نکلنے کے وقت وہ پانی میں چلے جایا کرتے تھے اور غروب ہونے کے بعد جانوروں کی طرح ادھر ادھر ہو جایا کرتے تھے۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہاں تو کچھ اگتا نہ تھا سورج کے نکلنے کے وقت وہ پانی میں چلے جاتے اور زوال کے بعد دور دراز اپنی کھیتیوں وغیرہ میں مشغول ہو جاتے۔ سلمہ کا قول ہے کہ ان کے کان بڑے بڑے تھے ایک اوڑھ لیتے، ایک بچھا لیتے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ وحشی حبشی تھے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ وہاں کبھی کوئی مکان یا دیوار یا احاطہ نہیں بنا سورج کے نکلنے کے وقت یہ لوگ پانی میں گھس جاتے وہاں کوئی پہاڑ بھی نہیں۔ پہلے کسی وقت ان کے پاس ایک لشکر پہنچا تو انہوں نے ان سے کہا کہ سورج نکلتے وقت باہر نہیں ٹھہرنا انہوں نے کہا نہیں ہم تو رات ہی رات یہاں سے چلے جائیں گے لیکن یہ تو بتاؤ کہ یہ ہڈیوں کے چمکیلے ڈھیر کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا یہاں سے پہلے ایک لشکر آیا تھا سورج کے نکلنے کے وقت وہ یہیں ٹھہرا رہا سب مر گئے یہ ان کی ہڈیاں ہیں یہ سنتے ہی وہ وہاں سے واپس ہو گئے۔

قصہ یاجوج ماجوج

ہزار میں سے ایک حصہ جنت کیلئے ہونے کا واقعہ

اور جب ذوالقرنین اپنے شرقی سفر کو ختم کر کے پھرو ہیں سے مشرق کی طرف ایک راہ چلے دیکھا کہ دو پہاڑ ہیں جو ملے ہوئے ہیں لیکن ان کے درمیان ایک گھاٹی ہے جہاں سے یاجوج ماجوج نکل کر ترکوں پر تباہی ڈالا کرتے ہیں انہیں قتل کرتے ہیں کھیت باغات تباہ کرتے ہیں بال بچوں کو بھی ہلاک کرتے ہیں اور سخت فساد برپا کرتے رہتے ہیں۔ یاجوج ماجوج بھی انسان ہیں جیسے کہ بخاری مسلم کی حدیث سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ عزوجل حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے آدم! آپ لبیک وسعدیک کے ساتھ جواب دیں گے، حکم ہوگا آگ کا حصہ الگ کر۔ پوچھیں گے کتنا حصہ؟ حکم ہوگا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں۔ یہی وہ وقت ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا تم میں دو امتیں ہیں کہ وہ جن میں ہوں انہیں کثرت کو پہنچا دیتی ہیں یعنی یاجوج ماجوج۔

یاجوج ماجوج کی پیدائش کا واقعہ

امام نووی رحمۃ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں ایک عجیب بات لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے خاص پانی کے چند قطرے جو مٹی میں گرے تھے انہی سے یاجوج ماجوج پیدا کئے گئے ہیں گویا وہ حضرت حوا اور حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے نہیں بلکہ صرف نسل آدم علیہ السلام سے ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ یہ قول بالکل ہی غریب ہے نہ اس پر عقلی دلیل ہے نہ نقلی اور ایسی باتیں جو اہل کتاب سے پہنچتی ہیں وہ ماننے کے قابل نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان کے ہاں کے ایسے قصے ملاوٹی اور بناوٹی ہوتے ہیں۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکے تھے سام حام اور یافث۔ سام کی نسل سے کل عرب ہیں اور حام کی نسل سے کل حبشی ہیں اور یافث کی نسل سے کل ترک ہیں۔

بعض علماء کا قول ہے کہ یاجوج ماجوج ترکوں کے اس جداعلیٰ یافث کی ہی اولاد ہیں انہیں ترک اس لئے کہا گیا ہے کہ انہیں بوجہ ان کے فساد اور شرارت کے انسانوں کی اور آبادی کے پس پشت پہاڑوں کی آڑ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ذوالقرنین کے سفر کے متعلق اور اس دیوار کے بنانے کے متعلق اور یاجوج ماجوج کے جسموں ان کی شکلوں اور ان کے کانوں وغیرہ کے متعلق وہب بن منبہ سے ایک بہت لمبا چوڑا واقعہ اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے جو علاوہ عجیب وغریب ہونے کے صحت سے دور ہے۔

ابن ابی حاتم میں بھی ایسے بہت سے واقعات درج ہیں لیکن سب غریب اور غیر صحیح ہیں۔ ان پہاڑوں کے درے میں ذوالقرنین نے انسانوں کی ایک آبادی پائی جو بوجہ دنیا کے اور لوگوں سے دوری کے اور ان کی اپنی مخصوص زبان کے اوروں کی بات بھی تقریباً نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ان لوگوں نے ذوالقرنین کی قوت وطاقت عقل وہنر کو دیکھ کر درخواست کی کہ اگر آپ رضامند ہوں تو ہم آپ کے لئے بہت سامال جمع کردیں اور آپ ان پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی کو کسی مضبوط دیوار سے بند کردیں تاکہ ہم ان فسادیوں کی روزمرہ کی ان تکالیف سے بچ جائیں۔ اس کے جواب میں حضرت ذوالقرنین نے فرمایا مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں اللہ کا دیا سب کچھ میرے پاس موجود ہے اور وہ تمہارے مال سے بہت بہتر ہے۔ یہی جواب حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملکہ سبا کے قاصدوں کو دیا گیا تھا۔ ذوالقرنین نے اپنے اس جواب کے بعد فرمایا کہ ہاں تم اپنی قوت وطاقت اور کام کاج سے میرا ساتھ دو تو میں تم میں اور ان میں ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دیتا ہوں۔ زبر جمع ہے زبرۃ کی۔ ذوالقرنین فرماتے ہیں کہ لوہے کے ٹکڑے اینٹوں کی طرح کے میرے پاس لاؤ۔ جب یہ ٹکڑے جمع ہو گئے تو آپ نے دیوار بنانی شروع کرادی اور وہ لمبائی چوڑائی میں اتنی ہوگئی کہ تمام جگہ گھر گئی اور پہاڑ کی چوٹی کے برابر پہنچ گئی۔ اس کے طول وعرض اور موٹائی کی ناپ میں بہت سے مختلف اقوال ہیں۔ جب یہ دیوار بالکل بن گئی تو حکم دیا کہ اب اس کے چاروں طرف آگ بھڑکاؤ جب وہ لوہے کی دیوار بالکل انگارے جیسی سرخ ہوگئی تو حکم دیا کہ اب پگھلا ہوا تانبا لاؤ اور ہر طرف سے اس کے اوپر بہادو چنانچہ یہ بھی کیا گیا پس ٹھنڈی ہو کر یہ دیوار بہت مضبوط اور پختہ ہوگئی اور دیکھنے میں ایسی معلوم ہونے لگی جیسے کوئی دھاری دار چادر ہو۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے وہ دیوار دیکھی ہے آپ نے فرمایا کیسی ہے؟ اس نے کہا دھاری دار چادر جیسی ہے جس میں سرخ وسیاہ دھاریاں ہیں تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ خلیفہ واثق نے اپنے زمانے میں اپنے امیروں کو ایک وافر لشکر اور بہت سا سامان دے کر روانہ کیا تھا کہ وہ اس دیوار کی خبر لائیں یہ لشکر دوسال سے زیادہ سفر میں رہا اور ملک در ملک پھرتا ہوا آخر اس دیوار تک پہنچا دیکھا کہ لوہے اور تانبے کی دیوار ہے اس میں ایک بہت بڑا نہایت پختہ عظیم الشان دروازہ بھی اسی کا ہے جس پر منوں کے وزنی قفل لگے ہوئے ہیں اور جو مال مسالہ دیوار کا بچا ہوا ہے وہ وہیں پر ایک برج میں رکھا ہوا ہے جہاں پہرہ چوکی مقرر ہے۔ دیوار بےحد بلند ہے کتنی ہی کوشش کی جائے لیکن اس پر چڑھنا ناممکن ہے اس سے ملا ہوا پہاڑیوں کا سلسلہ دونوں طرف برابر چلا گیا ہے اور بھی بہت سے عجائب وغرائب امور دیکھے جو انہوں نے واپس آکر خلیفہ کی خدمت میں عرض کئے۔

یاجوج ماجوج سے بچانے والی دیوار کا واقعہ

اس دیوار پر نہ تو چڑھنے کی طاقت یاجوج ماجوج کو ہے، نہ وہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے ہیں کہ وہاں سے نکل آئیں۔ چونکہ چڑھنا بہ نسبت توڑنے کے زیادہ آسان ہے اسی لئے چڑھنے میں ما اسطاعوا کا لفظ لائے اور توڑنے میں ما استطاعوا کا لفظ لائے۔ غرض نہ تو وہ چڑھ کر آسکتے ہیں نہ سوراخ کر کے۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز یاجوج ماجوج اس دیوار کو کھودتے ہیں یہاں تک کے قریب ہوتا ہے کہ سورج کی شعاع ان کو نظر آ جائیں چونکہ دن گزر جاتا ہے، اس لئے ان کے سردار کا حکم ہوتا ہے کہ اب بس کرو کل آ کر توڑ دیں گے لیکن جب وہ دوسرے دن آتے ہیں، تو اسے پہلے دن سے زیادہ مضبوط پاتے ہیں۔ قیامت کے قریب جب ان کا نکلنا اللہ کو منظور ہو گا تو یہ کھودتے ہوئے جب دیوار کو چھلکے جیسی کر دیں گے تو ان کا سردار کہے گا اب چھوڑ دو کل انشاء اللہ اسے توڑ ڈالیں گے پس انشاء اللہ کہہ لینے کی برکت سے دوسرے دن جب وہ آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے۔ ویسی ہی پائیں گے فوراً گرا دیں گے اور باہر نکل پڑیں گے۔ تمام پانی چاٹ جائیں گے، لوگ تنگ آ کر قلعوں میں پناہ گزیں ہو جائیں گے۔ یہ اپنے تیر آسمان کی طرف چلائیں گے اور مثل خون آلود تیروں کے ان کی طرف لوٹائے جائیں گے تو یہ کہیں گے زمین والے سب دب گئے آسمان والوں پر بھی ہم غالب آ گئے اب ان کی گردنوں میں گلٹیاں نکلیں گی اور سب کے سب بحکم الٰہی اسی وبا سے ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ زمین کے جانوروں کی خوراک ان کے جسم و خون ہوں گے جس سے وہ خوب موٹے تازے ہو جائیں گے۔

ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے لائے ہیں اور فرمایا ہے یہ روایت غریب ہے سوائے اس سند کے مشہور نہیں۔ اس کی سند بہت قوی ہے لیکن اس کا متن نکارت سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ آیت کے ظاہری الفاظ صاف ہیں کہ نہ وہ چڑھ سکتے ہیں نہ سوراخ کر سکتے ہیں کیونکہ دیوار، نہایت، مضبوط، بہت پختہ اور سخت ہے۔ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یاجوج ماجوج روزانہ اسے چاٹتے ہیں اور بالکل چھلکے جیسی کر دیتے ہیں پھر کہتے ہیں چلو کل توڑ دیں گے دوسرے دن جو آتے ہیں تو جیسی اصل میں تھی ویسی ہی پاتے ہیں آخری دن وہ بہ الہام الٰہی جاتے وقت انشاء اللہ کہیں گے دوسرے دن جو آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے، ویسی ہی پائیں گے اور توڑ ڈالیں گے۔

یاجوج ماجوج کی دیوار میں سوراخ ہو جانے کا واقعہ

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے، چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور فرماتے جاتے تھے۔ عرب کی خرابی کا وقت قریب آ گیا آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اتنا سوراخ ہو گیا پھر آپ نے اپنی انگلیوں سے حلقہ بنا کر دکھایا اس پر ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم بھلے لوگوں کی موجودگی میں بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب خبیث لوگوں کی کثرت ہو جائے۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ بخاری مسلم دونوں میں ہے ہاں بخاری شریف میں راویوں کے ذکر میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں۔ مسلم میں ہے اور بھی اس کی سند میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو بہت ہی کم پائی گئی ہیں مثلاً زہری کی روایت عروہ سے حالانکہ یہ دونوں بزرگ تابعی ہیں اور چار عورتوں کا آپس میں ایک دوسرے سے روایت کرنا پھر چاروں عورتیں صحابیہ رضی اللہ عنہا۔ پھر ان میں بھی دو حضور علیہ السلام کی بیویوں کی لڑکیاں اور دو آپ کی بیویاں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ بزار میں یہی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

بھی مروی ہے۔

اس دیوار کو بنا کر ذوالقرنین اطمینان کا سانس لیتے ہیں اور اللہ کا شکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لوگو یہ بھی رب کی رحمت ہے کہ اس نے ان شریروں کی شرارت سے مخلوق کو اب امن دے دیاہاں جب اللہ کا وعدہ آ جائے گا تو اس کا ڈھیر ہو جائے گا۔ یہ زمین دوز ہو جائے گی۔ مضبوطی کچھ کام نہ آئے گی۔ اونٹنی کا کوہان جب اس کی پیٹھ سے ملا ہوا ہو تو عرب میں اسے ناقتہ دکاء کہتے ہیں۔ قرآن میں اور جگہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پہاڑ پر رب نے تجلی کی تو وہ پہاڑ زمین دوز ہو گیا وہاں بھی لفظ جعلہ دکاء ہے۔ پس قریب بہ قیامت یہ دیوار پاش پاش ہو جائے گی اور ان کے نکلنے کا راستہ بن جائے گا۔ اللہ کے وعدے اٹل ہیں، قیامت کا آنا یقینی ہے۔ اس دیوار کے ٹوٹتے ہی یہ لوگ نکل پڑیں گے اور لوگوں میں گھس جائیں گے اپنوں بیگانوں کی تمیز اٹھ جائے گی۔ یہ واقعہ دجال کے آ جانے کے بعد قیامت کے قیام سے پہلے ہوگا اس کا پورا بیان آیت (اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ 96) 21-الأنبياء :96) کی تفسیر میں ہے۔ ملاحظہ ہو۔

قرب قیامت یاجوج ماجوج کے نکلنے کا واقعہ

ہلاک شدہ لوگوں کا دنیا کی طرف پھر پلٹنا محال ہے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ان کی توبہ مقبول نہیں۔ لیکن پہلا قول اولیٰ ہے۔ یاجوج ماجوج نسل آدم سے ہیں۔ بلکہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے یافث کی اولاد میں سے ہیں جن کی نسل ترک ہیں یہ بھی انہی کا ایک گروہ ہے یہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار سے باہر ہی چھوڑ دیے گئے تھے۔ آپ نے دیوار بنا کر فرمایا تھا کہ یہ میرے رب کی رحمت ہے۔ اللہ کے وعدے کے وقت اس کا چورا چورا ہو جائے گا میرے رب کا وعدہ حق ہے الخ۔ یاجوج ماجوج قرب قیامت کے وقت وہاں سے نکل آئیں گے اور زمین میں فساد مچا دیں گے۔ ہر اونچی جگہ کو عربی میں حدب کہتے ہیں۔ ان کے نکلنے کے وقت ان کی یہی حالت ہوگی تو اس خبر کو اس طرح بیان کیا جیسے سننے والا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور واقع میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی خبر کس کی ہوگی؟ جو غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔ ہو چکی ہوئی اور ہونے والی باتوں سے آگاہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکوں کو اچھلتے کودتے کھیلتے دوڑتے ایک دوسروں کی چٹکیاں بھرتے ہوئے دیکھ کر فرما اسی طرح یاجوج ماجوج آئیں گے۔ بہت سی احادیث میں ان کے نکلنے کا ذکر ہے۔

یاجوج ماجوج دریاؤں اور نہروں کا پانی پی جائیں گے

(۱) مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یاجوج ماجوج کھولے جائیں گے اور وہ لوگوں کے پاس پہنچیں گے جیسے اللہ عزوجل کا فرمان ہے آیت (وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ 96) 21-الأنبياء : 96) وہ چھا جائیں گے اور مسلمان اپنے شہروں اور قلعوں میں سمٹ آئیں گے اپنے جانوروں کو بھی وہی لے لیں گے اور اپنا پانی انہیں پلاتے رہیں گے یاجوج ماجوج جس نہر سے گزریں گے اس کا پانی صفاچٹ کر جائیں گے یہاں تک کہ اس میں خاک اڑنے لگے گی ان کی دوسری جماعت جب وہاں پہنچے گی تو وہ کہے گی شاید اس میں کسی زمانے میں پانی ہوگا۔ جب یہ دیکھیں گے کہ اب زمین پر کوئی نہ رہا اور واقع میں

سوائے ان مسلمانوں کے جو اپنے شہروں اور قلعوں میں پناہ گزین ہوں گے کوئی اور وہاں ہوگا بھی نہیں تو یہ کہیں گے کہ اب زمین والوں سے تم ہم فارغ ہو گئے آؤ آسمان والوں کی خبر لیں۔

یاجوج ماجوج کی ہلاکت کا واقعہ

چنانچہ ان میں سے ایک شریر اپنا نیزہ گھما کر آسمان کی طرف پھینکے گا قدرت الٰہی سے وہ خون آلود ہوکر ان کے پاس گرے گا یہ بھی ایک قدرتی آزمائش ہوگی اب ان کی گردنوں میں گٹھلی ہو جائے گی اور اسی وبا میں یہ سارے کے سارے ایک ساتھ ایک دم مر جائیں گے ایک بھی باقی نہ رہے گا سارا شور وغل ختم ہو جائے گا مسلمان کہیں گے کوئی ہے جو اپنی جان ہم مسلمانوں کے لئے ہتھیلی پر رکھ کر شہر کے باہر جائے اور ان دشمنوں کو دیکھے کہ کس حال میں ہیں؟

چنانچہ ایک صاحب اس کے لئے تیار ہو جائیں گے اور اپنے آپ کو قتل شدہ سمجھ کر اللہ کی راہ میں مسلمانوں کی خدمت کے لئے نکل کھڑے ہوں گے دیکھیں گے کہ سب کا ڈھیر لگ رہا ہے سارے ہلاک شدہ پڑے ہوئے ہیں یہ اسی وقت ندا کرے گا کہ مسلمانو! خوش ہو جاؤ اللہ نے خود تمہارے دشمنوں کو غارت کر دیا یہ ڈھیر پڑا ہوا ہے اب مسلمان باہر آئیں گے اور اپنے مویشیوں کو بھی لائیں گے ان کے لئے چارہ بجز ان کے گوشت کے اور کچھ نہ ہوگا یہ ان کا گوشت کھا کھا کر خوب موٹے تازے ہو جائیں گے۔

دجال سے بچنے کے حکم کا بیان

(۲) مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح ہی صبح دجال کا ذکر کیا اس طرح کہ ہم سمجھے شاید وہ ان درختوں کی آڑ میں ہے اور اب نکلا ہی چاہتا ہے آپ فرمانے لگے مجھے دجال سے زیادہ خوف تم پر اور چیز کا ہے۔ اگر دجال میری موجودگی میں نکلا تو میں خود نمٹ لونگا تم میں سے ہر شخص اسے بچے۔ میں تمہیں اللہ کی امان میں دے رہا ہوں۔ وہ جوان عمر الجھے ہوئے بالوں والا کانا اور ابھری ہوئی آنکھ والا ہے۔

دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا

وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں گھومے گا۔ ایک بندگان الٰہی تم ثابت قدم رہنا۔ ہم نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کتنا ٹھیرے گا؟ آپ نے فرمایا چالیس دن۔ ایک دن مثل ایک برس کے ایک دن مثل ایک مہینہ کے ایک دن مثل ایک جمعہ کے اور باقی دن معمولی دنوں جیسے۔ ہم نے پوچھا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو دن سال بھر کے برابر ہوگا اس میں ہمیں یہی پانچ نمازیں کافی ہوں گی آپ نے فرمایا نہیں تم اپنے اندازے سے وقت پر نماز پڑھتے رہا کرنا۔ ہم نے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی رفتار کیسی ہوگی؟ فرمایا جیسے بادل کہ ہوا انہیں ادھر سے ادھر بھگائے لئے جاتی ہو۔ ایک قبیلے کے پاس جائے گا انہیں اپنی طرف بلائے گا وہ اس کی مان لیں گے۔ آسمان کو حکم دے گا کہ ان پر بارش برسائے زمین سے کہے گا کہ ان کے لئے پیداوار اگائے ان کے جانور ان کے پاس موٹے تازے بھرے پیٹ لوٹیں گے۔

ایک قبیلے کے پاس اپنے تائیں منوانا چاہے گا وہ انکار کردیں گے یہ وہاں سے نکلے گا تو ان کے تمام مال اس کے پیچھے لگ جائیں گے وہ بالکل خالی ہاتھ رہ جائیں گے وہ غیر آباد جنگلوں میں جائے گا اور زمین سے کہے گا اپنے خزانے اگل دے وہ اگل دے گی اور سارے خزانے اس کے پیچھے ایسے چلیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے۔ یہ بھی دکھائے گا کہ ایک شخص کو تلوار سے ٹھیک دو ٹکڑے کرادے گا اور ادھر ادھر دور دراز پھنکوادے گا پھر اس کا نام لے کر آواز دے گا تو وہ زندہ چلتا پھرتا اس کے پاس آجائے گا یہ اسی حال میں ہوگا جو اللہ عزوجل حضرت مسیح ابن مریم کو اتارے گا آپ دمشق کی مشرقی طرف سفید منارے کے پاس اتریں گے اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے آپ اس کا پیچھا کریں گے اور مشرقی باب کے لد کے پاس اسے پاکر قتل کردیں گے۔

پھر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی طرف اللہ کی وحی آئے گی میں اپنے ایسے بندوں کو بھیجتا ہوں جن سے لڑنے کی تم میں تاب وطاقت نہیں میرے بندوں کو طور کی طرف سمیٹ لے جا۔ پھر جناب باری یاجوج ماجوج کو بھیجے گا جیسے فرمایا آیت (وھم من کل حدب ینسلون) ان سے تنگ آکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی جناب باری میں دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر گلٹی کی بیماری بھیجے گا جو ان کی گردن میں نکلے گی سارے کے سارے اوپر تلے ایک ساتھ ہی مرجائیں گے تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع مؤمنوں کے آئیں گے۔ دیکھیں گے کہ تمام زمین ان کی لاشوں سے پٹی پڑی ہے اور ان کی بدبو سے کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ آپ پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے پرند بھیجے گا جو انہیں اللہ جانے کہاں پھینک آئیں گے

چالیس دن تک مسلسل زمین پر بارش برسنے کا واقعہ

کعب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مہبل میں یعنی سورج کے طلوع ہونے کی جگہ میں انہیں پھینک آئیں گے۔ پھر چالیس دن تک تمام زمین میں مسلسل بارش برسے گی، زمین دھل دھلا کر ہتھیلی کی طرح صاف ہوجائے گی پھر بحکم الٰہی اپنی برکتیں اگادے گی۔ اس دن ایک جماعت کی جماعت ایک انار سے سیر ہوجائے گی اور اس کے چھلکے تلے سایہ حاصل کرلے گی ایک اونٹنی کا دودھ لوگوں کی ایک جماعت کو اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کو اور ایک بکری کا دودھ ایک گھرانے کو کافی ہوگا۔ پھر ایک پاکیزہ ہوا چلے گی جو مسلمانوں کی بغلوں تلے سے نکل جائے گی اور ان کی روح قبض ہوجائے گی پھر روئے زمین پر بدترین شریر لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح کودتے ہوں گے انہی پر قیامت قائم ہوگی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن کہتے ہیں۔

(۳) مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بچھونے کاٹ کھایا تھا تو آپ اپنی انگلی پر پٹی باندھے ہوئے خطبے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا تم کہتے ہو اب دشمن نہیں ہیں لیکن تم تو دشمنوں سے جہاد کرتے ہی رہو گے یہاں تک کہ یاجوج ماجوج آئیں وہ چوڑے چہرے والے چھوٹی آنکھوں والے ان کے چہرے تہہ بہ تہہ ڈھالوں جیسے ہوں گے۔

- (۴) یہ روایت سورۃ اعراف کی تفسیر کے آخر میں بیان کردی گئی ہے مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ معراج والی رات میں ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے روز قیامت کا مذکراہ شروع ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے علم

سے انکار کر دیا اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کے واقع ہونے کے وقت تو بجز اللہ کے کوئی نہیں جانتا ہاں مجھ سے میرے اللہ نے یہ تو فرمایا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے۔ اس کے ساتھ دو ٹہنیاں ہوں گی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا یہاں تک کہ اللہ اسے ہلاک کر دے جب کہ وہ مجھے دیکھے یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی پکار اٹھیں گے کہ اے مسلم یہ ہے میرے سایہ تلے کافر۔ آ اور اسے قتل کر پس اللہ انہیں ہلاک کرے گا اور لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔

اس وقت یاجوج ماجوج نکلیں گے جو ہر اونچائی سے پھدکتے آئیں گے جو پائیں گے تباہ کر دیں گے پانی جتنا پائیں گے پی جائیں گے لوگ پھر تنگ آ کر اپنوں وطنوں میں محصور ہو کر بیٹھ جائیں گے شکایت کریں گے تو میں پھر اللہ سے دعا کرونگا اللہ انہیں غارت کر دے ساری زمین پر ان کی بدبو پھیل جائے گی پھر بارش برسے گی اور پانی کا بہاؤ ان کے سڑے ہوئے جسموں کو گھسیٹ کر دریا برد کر دے گا۔ میرے رب نے مجھ سے فرما دیا ہے کہ جب یہ سب کچھ ظہور میں آ جائے گا پھر تو قیامت کا ہونا ایسا ہی ہے جیسے پورے دنوں میں حمل والی عورت کا وضع ہونا کہ گھر والوں کو فکر ہوتی ہے کہ صبح بچہ ہوا یا شام ہوا دن کو ہوا یا رات کو ہوا۔ (ابن ماجہ)

ان شاء اللہ کہہ کر یاجوج ماجوج کا دیوار کو توڑ ڈالنے کا واقعہ

اس کی تصدیق کلام اللہ شریف کی آیت میں موجود ہے اس بارے میں حدیثیں بکثرت ہیں اور آثار سلف بھی بہت ہیں کعب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یاجوج ماجوج کے نکلنے کے وقت وہ دیوار کو کھودیں گے یہاں تک کہ ان کی کدلوں کی آواز پاس والے بھی سنیں گے رات ہو جائے گی ان میں سے ایک کہے گا کہ اب صبح آتے ہی اسے توڑ ڈالیں گے اور نکل کھڑے ہوں گے صبح یہ آئیں گے تو جیسی کل تھی ویسی ہی آج بھی پائیں گے الغرض یونہی ہوتا رہے گا یہاں تک کہ ان کا نکالنا جب منظور ہوگا تو ایک شخص کی زبان سے نکلے گا کہ ہم کل انشاء اللہ اسے توڑ دیں گے اب جو آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے ویسی ہی پائیں گے تو کھود کر توڑ یں گے اور باہر نکل آئیں گے ان کا پہلا گروہ بحیرہ کے پاس سے نکلے گا سارا پانی پی جائے گا دوسرا آئے گا کیچڑ بھی چاٹ جائے گا تیسرا آئے گا تو کہے گا شاید یہاں کبھی پانی ہوگا؟ لوگ ان سے بھاگ بھاگ کر ادھر ادھر چھپ جائیں گے جب انہیں کوئی بھی نظر نہ پڑے گا تو یہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے وہاں سے وہ خون آلود واپس آئیں گے تو یہ فخر کریں گے کہ ہم زمین والوں پر اور آسمان والوں پر غالب آ گئے۔

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ان کے لئے دعائے ضرر کریں گے کہ اللہ ہم میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں اور زمین پر ہمارا چلنا پھرنا بھی ضروری ہے تو ہمیں جس طریقے سے چاہے ان سے نجات دے تو اللہ ان کو طاعون میں مبتلا کرے گا گلٹیاں نکل آئیں گی اور سارے کے سارے مر جائیں گے پھر ایک قسم کے پرند آئیں گے جو اپنی چونچ میں انہیں لے کر سمندر میں پھینک آئیں گے پھر اللہ تعالیٰ نہر حیات جاری کر دے گا جو زمین کو دھو کر پاک صاف کر دے گی اور زمین اپنی برکتیں نکال دے گی ایک انار ایک گھرانے کو کافی ہوگا اچانک ایک شخص آئے گا اور ندا کرے گا کہ ذوالسویقتین نکل آیا ہے۔

یمنی ہوا سے اہل اسلام کی ارواح کے قبض ہو جانے کا واقعہ

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سات آٹھ سو لشکریوں کا طلایہ بھیجیں گے یہ ابھی راستے میں ہی ہوں گے کہ یمنی پاک ہوا نہایت لطافت سے چلے گی جو تمام مؤمنوں کی روح قبض کر جائے گی پھر تو روئے زمین پر ردی کھدی لوگ رہ جائے گے جو چوپایوں جیسے ہوں گے ان پر قیامت قائم ہوگی اس وقت قیامت اس قدر قریب ہوگی جیسے پوری دنوں کی گھوڑی جو جننے کے قریب ہو اور گھوڑی والا اس کے آس پاس گھوم رہا ہو کہ کب بچہ ہو حضرت کعب رحمۃ اللہ یہ بیان فرما کر فرمانے لگے اب جو شخص میرے اس قول اور اس علم کے بعد بھی کچھ کہے اس نے تکلف کیا۔ کعب رحمۃ اللہ کا یہ واقعہ بیان کرنا بہترین واقعہ ہے کیونکہ اس کی شہادت صحیح حدیث میں بھی پائی جاتی ہے۔

احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس زمانے میں بیت اللہ شریف کا حج بھی کریں گے چنانچہ مسند امام احمد میں یہ حدیث مرفوعا مروی ہے کہ آپ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد یقیناً بیت اللہ کا حج کریں گے۔ یہ حدیث بخاری میں بھی ہے۔ جب یہ ہولناکیاں، جب یہ زلزلے، جب یہ بلائیں اور آفات آجائیں گی تو اس وقت قیامت بالکل قریب آجائے گی اسے دیکھ کر کافر کہنے لگیں گے یہ نہایت سخت دن ہے ان کی آنکھیں پھٹ جائیں گی اور کہنے لگیں گے ہائے ہم تو غفلت میں ہی رہے۔ ہائے ہم نے اپنا آپ بگاڑا۔ گناہوں کا اقرار اور اس پر شرمسار ہوں گا لیکن اب بےسود ہے۔

ابلیس خبیث اور اس کی اولاد کو جہنم میں ڈالنے کا واقعہ

امام ابن جریر طبری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس کے بعد صور پھونکا جائے گا اور سب جمع ہو جائیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن انسان جن سب خلط ملط ہو جائیں گے بنی خزارہ کے ایک شیخ کا بیان ابن جریر میں ہے کہ جب جن انسان آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں گے اس وقت ابلیس کہے گا کہ میں جاتا ہوں معلوم کرتا ہوں کہ یہ کیا بات ہے؟ مشرق کی طرف بھاگے گا لیکن وہاں فرشتوں کی جماعتوں کو دیکھ کر رک جائے گا اور لوٹ کر مغرب کو پہنچے گا، وہاں بھی یہی رنگ دیکھ کر دائیں بائیں بھاگے گا لیکن چاروں طرف سے فرشتوں کا محاصرہ دیکھ کر نا امید ہو کر چیخ پکار شروع کر دے گا اچانک اسے ایک چھوٹا سا راستہ دکھائی دے گا، اپنی ساری ذریات کو لے کر اس میں چل پڑے گا آگے جا کر دیکھے گا کہ دوزخ بھڑک رہی ہے ایک داروغہ جہنم اس سے کہے گا کہ اے موذی خبیث! کیا اللہ نے تیرا مرتبہ نہیں بڑھایا تھا؟ کیا تو جنتیوں میں نہ تھا؟ یہ کہے گا آج ڈانٹ کیوں کرتے ہو؟ آج تو چھٹکارے کا راستہ بتاؤ میں عبادت الٰہی کے لئے تیار ہوں اگر حکم ہو تو اتنی اور ایسی عبادت کروں کہ روئے زمین پر کسی نہ کی ہو۔ داروغہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ تیرے لئے ایک فریضہ مقرر کرتا ہے وہ خوش ہو کر کہے گا میں اس کے حکم کی بجاآوری کے لیے پوری مستعدی سے موجود ہوں۔ حکم ہوگا کہ یہی کہ تم سب جہنم میں چلے جاؤ۔ اب یہ خبیث ہکا بکا رہ جائے گا وہیں فرشتہ اپنے پر سے اسے اور اس کی تمام ذریت کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دے گا۔ جہنم انہیں لے کر آ دبوچے گی اور ایک مرتبہ تو وہ جھلائے گی کہ تمام مقرب فرشتے اور تمام نبی رسول گھٹنوں کے بل اللہ کے سامنے عاجزی میں گر پڑیں گے۔

طبرانی میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یاجوج ماجوج حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اگر وہ چھوڑ دیے جائیں تو دنیا کی معاش میں فساد ڈال دیں، ایک ایک اپنے پیچھے ہزار ہزار بلکہ زیادہ چھوڑ کر مرتا ہے پھر ان کے سوا تین امتیں اور ہیں تاویل مارس اور منسک۔ یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر اور ضعیف ہے۔ نسائی میں ہے کہ ان کی بیویاں بچے ایک ایک اپنے پیچھے ہزار ہزار بلکہ زیادہ چھوڑ کر مرتا ہے۔ پھر فرمایا صور پھونک دیا جائے گا جیسے حدیث میں ہے کہ وہ ایک قرن ہے جس میں صور پھونک دیا جائے گا پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے۔ جیسے کہ لمبی حدیث بیان ہو چکی ہے۔ اور بھی بہت سی حدیث سے اس کا ثبوت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں کیسے چین اور آرام سے بیٹھوں؟ صور کو منہ سے لگائے ہوئے پیشانی جھکائے ہوئے، کان لگائے ہوئے، منتظر بیٹھا ہے کہ کب حکم ہو اور میں پھونک دوں۔ لوگوں نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہم کیا کہیں؟ فرمایا (حسبنا اللہ ونعم الوکیل علی اللہ توکلنا) پھر فرماتا ہے ہم سب کو حساب کے لئے جمع کریں گے سب کا حشر ہمارے سامنے ہوگا جیسے سورۃ واقعہ میں ہے کہ اگلے پچھلے سب کے سب مقررہ دن کے وقت اکٹھے کئے جائیں گے اور آیت میں ہے (وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا 47) 18–الکھف: 47) ہم سب کو جمع کریں گے ایک بھی تو باقی نہ بچے گا۔

(تفسیر ابن جریر)

بلعم بن باعورا کی بدبختی کا واقعہ

مروی ہے کہ جس کا واقعہ قرآن آیتوں میں بیان ہوا ہے اس کا نام بلعم بن باعورا ہے۔ یہ بھی کہ کہا گیا ہے کہ اس کا نام صفی بن راہب تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بلقاء کا ایک شخص تھا جو اسم اعظم جانتا تھا اور جبارین کے ساتھ ہی بیت المقدس میں رہا کرتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمنی شخص تھا جس نے کلام اللہ کو ترک کر دیا تھا، یہ شخص بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا، اس کی دعا مقبول ہو جایا کرتی تھی۔ بنی اسرائیل سختیوں کے وقت اسے آگے کر دیا کرتے تھے۔ اللہ اس کی دعا مقبول فرما لیا کرتا تھا۔ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے بادشاہ کی طرف اللہ کے دین کی دعوت دینے کیلئے بھیجا تھا اس عقلمند بادشاہ نے اسے مکر و فریب سے اپنا کر لیا۔ اس کے نام کئی گاؤں کر دیئے اور بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔

یہ بدنصیب دین موسوی کو چھوڑ کر اس کے مذہب میں جا ملا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام ہلعام تھا۔ یہ بھی ہے کہ یہ امیہ بن ابو صلت ہے۔ ممکن ہے یہ کہنے والے کی یہ مراد ہو کہ یہ امیہ بھی اسی کے مشابہ تھا۔ اسے بھی اگلی شریعتوں کا علم تھا لیکن یہ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو بھی اس نے پایا آپ کی آیات بینات دیکھیں، معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے، ہزارہا کو دین حق میں داخل ہوتے دیکھا، لیکن مشرکین کے میل جول، ان میں امتیاز، ان میں دوستی اور وہاں کی سرداری کی ہوس نے اسے اسلام اور قبول حق سے روک دیا۔ اسی نے بدری کافروں کے ماتم میں مرثیے کہے، لعنۃ اللہ۔

بعض احادیث میں وارد ہے کہ اس کی زبان تو ایمان لا چکی تھی لیکن دل مومن نہیں ہوا تھا کہتے ہیں کہ اس شخص سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی دعائیں جو بھی یہ کرے گا مقبول ہوں گی اس کی بیوی نے ایک مرتبہ اس سے کہا کہ ان تین دعاؤں میں سے

ایک دعا میرے لئے کر۔ اس نے منظور کرلیا اور پوچھا کیا دعا کرانا چاہتی ہو؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس قدر حسن و خوبصورتی عطا فرمائے کہ مجھ سے زیادہ حسین عورت بنی اسرائیل میں کوئی نہ ہو۔ اس نے دعا کی اور وہ ایسی ہی حسین ہوگئی۔ اب تو اس نے پر نکالے اور اپنے میاں کو محض بیحقیقت سمجھنے لگی بڑے بڑے لوگ اس کی طرف جھکنے لگے اور یہ بھی ان کی طرف مائل ہوگئی اس سے یہ بہت کڑھا اور اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ اسے کتیا بنادے۔ یہ بھی منظور ہوئی وہ کتیا بن گئی۔ اب اس کے بچے آئے انہوں نے گھیر لیا کہ آپ نے غضب کیا لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہیں اور ہم کتیا کے بچے مشہور ہورہے ہیں۔ آپ دعا کیجئے کہ اللہ اسے اس کی اصلی حالت میں پھر سے لادے۔ اس نے وہ تیسری دعا بھی کرلی تینوں دعائیں یوں ہی ضائع ہوگئیں اور یہ خالی ہاتھ بیخیر رہ گیا۔ مشہور بات تو یہی ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگوں میں سے یہ ایک شخص تھا۔

زبان بولنے والے کو چھوڑ کر حق کے تابع ہوگئی

ایک روایت میں ہے کہ قوم کے زیادہ کہنے سننے سے جب یہ اپنی گدھی پر سوار ہوکر بددعا کے لئے چلا تو اس کی گدھی بیٹھ گئی۔ اس نے اسے مار پیٹ کر اٹھایا کچھ دور چل کر پھر بیٹھ گئی۔ اس نے اسے پھر مار پیٹ کر اٹھایا، اسے اللہ نے زبان دی۔ اس نے کہا تیرا ناس جائے تو کہاں اور کیوں جارہا ہے اللہ کے مقابلے اس کے رسول سے لڑنے اور مومنوں کو نقصان دلانے جارہا ہے؟ دیکھ تو سبھی فرشتے میری راہ روکے کھڑے ہیں۔ اس نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا آگے بڑھ گیا۔ حبان نامی پہاڑی پر چڑھ گیا جہاں سے بنو اسرائیل کا لشکر سامنے ہی نظر آتا تھا۔ اب ان کیلئے بددعا اور اپنی قوم کے لئے دعائیں کرنے لگا لیکن زبان الٹ گئی دعا کی جگہ بددعا اور بددعا کی جگہ دعا نکلنے لگی۔ قوم نے کہا کیا کررہے ہو؟ کہا بے بس ہوں۔ اسی وقت اس کی زبان نکل پڑی سینے پر لٹکنے لگی اس نے کہا لو میری دنیا بھی خراب ہوئی اور دین تو بالکل برباد ہوگیا۔

بدکاری کے سبب طاعون کی بیماری سے بنی اسرائیل کی ہلاکت کا واقعہ

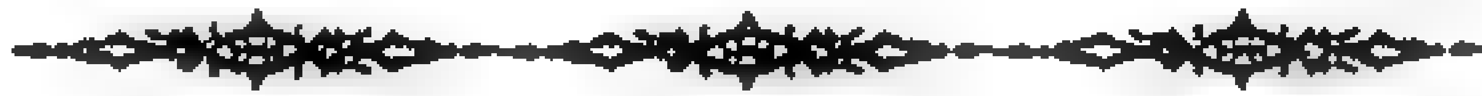
پھر اس نے خوبصورت لڑکیاں بھیجنے کی ترکیب بتائی جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور کہا کہ اگر ان میں سے ایک نے بھی بدکاری کرلی تو ان پر عذاب رب آجائے گا ان عورتوں میں سے ایک بہت ہی حسین عورت جو کنانیہ تھی اور جس کا نام کستی تھا جو صور نامی ایک رئیس کی بیٹی تھی وہ جب بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے سردار زمری بن شلوم کے پاس سے گذری جو شمعون بن یعقوب کی نسل میں سے تھا وہ اس پر فریفتہ ہوگیا۔ دلیری کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہنے لگا آپ تو شاید کہدیں گے کہ یہ مجھ پر حرام ہے؟ آپ نے کہا بیشک۔ اس نے کہا اچھا میں آپ کی یہ بات تو نہیں مان سکتا، اسے اپنے خیمے میں لے گیا اور اس سے منہ کالا کرنے لگا۔ وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیج دیا۔

حضرت فخاص بن غیرار بن ہارون اس وقت لشکر گاہ سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے جب آئے اور تمام حقیقت سنی تو بیتاب ہوکر غصے کے ساتھ اس بدکردار کے خیمے میں پہنچے اور اپنے نیزے میں ان دونوں کو پرولیا اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے انہیں اوپر اٹھائے ہوئے باہر نکلے کہنی کوکھ پر لگائے ہوئے تھے کہنے لگے یا اللہ ہمیں معاف فرما ہم پر سے یہ وبا دور فرما دیکھ لے ہم تیرے

نافرمانوں کے ساتھ یہ کرتے ہیں۔ ان کی دعا اور اس فعل سے طاعون اٹھ گیا لیکن اتنی دیر میں جب حساب لگایا گیا تو ستر ہزار آدمی اور ایک روایت کی رو سے بیس ہزار مر چکے تھے۔ دن کا وقت تھا اور کنانیوں کی یہ چھوکریاں سودا بیچنے کے بہانے صرف اس لئے آئی تھیں کہ بنو اسرائیل بدکاری میں پھنس جائیں اور ان پر عذاب آ جائیں۔ بنو اسرائیل میں اب تک یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ اپنے ذبیحہ میں سے گردن اور دست اور سری اور ہر قسم کا سب سے پہلا پھل فخاص کی اولاد کو دیا کرتے ہیں۔

بلعم باعورا کے کتے کی طرح ہونے کا واقعہ

اسی بلعام بن باعورا کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ فرمان ہے کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ کالی ہے تو ہانپتا ہے اور دھتکارا جائے تو ہانپتا رہتا ہے۔ یا تو اس مثال سے یہ مطلب ہے کہ بلعام کی زبان نیچے کو لٹک پڑی تھی جو پھر اندر کو نہ ہوئی کتے کی طرح ہانپتا رہتا تھا اور زبان باہر لٹکائے رہتا تھا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی ضلالت اور اس پر جمے رہنے کی مثال دی کہ اسے ایمان کی دعوت، علم کی دولت غرض کسی چیز نے برائی سے نہ ہٹایا جیسے کتے کی اس کی زبان لٹکنے کی حالت برابر قائم رہتی ہے خواہ اسے پاؤں تل روند خواہ چھوڑ دو۔ جیسے بعض کفار مکہ کی نسبت فرمان ہے کہ انہیں وعظ و پند کہنا نہ کہنا سب برابر ہے انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا اور جیسے بعض منافقوں کی نسبت فرمان ہے کہ ان کے لئے تو استغفار کر یا نہ کر اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ بھی مطلب اس مثال کا بیان کیا گیا ہے کہ ان کافروں منافقوں اور گمراہ لوگوں کے دل بودے اور ہدایت سے خالی ہیں یہ کبھی مطمئن نہیں ہوتے۔



حضرت یوشع بن نون علیہ السلام

حضرت یوشع بن نون حضرت یوسف علیہ السلام کے نسب سے تھے

زمین مصر میں یوں حضرت یوسف علیہ السلام کی ترقی ہوئی۔ اب ان کے اختیار میں تھا کہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ جہاں چاہیں مکانات تعمیر کریں۔ یا اس تنہائی اور قید کو دیکھئے یا اب اس اختیار اور آزادی کو دیکھئے۔ سچ ہے رب جسے چاہے اپنی رحمت کا جتنا حصہ چاہے دے۔ صابروں کا پھل لا کر ہی رہتا ہے۔ بھائیوں کا دکھ سہا، اللہ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے عزیز مصر کی عورت سے بگاڑ لی اور قید خانے کی مصیبتیں برداشت کیں۔ پس رحمت الٰہی کا ہاتھ بڑھا اور صبر کا اجر ملا۔ نیک کاروں کی نیکیاں کبھی ضائع نہیں جاتیں۔ پھر ایسے باایمان تقویٰ والے آخرت میں بڑے درجے اور اعلیٰ ثواب پاتے ہیں۔ یہاں یہ ملا، وہاں کے ملنے کی تو کچھ نہ پوچھئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بھی قرآن میں آیا ہے کہ یہ دنیا کی دولت و سلطنت ہم نے تجھے اپنے احسان سے دی ہے اور قیامت کے دن بھی تیرے لئے ہمارے ہاں اچھی مہمانی ہے۔ الغرض شاہ مصر ریان بن ولید نے سلطنت مصر کی وزارت آپ کو دی، پہلے اسی عہدے پر اس عورت کا خاوند تھا۔ جس نے آپ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا، اسی نے آپ کو خرید لیا تھا۔ آخر شاہ مصر آپ کے ہاتھ پر ایمان لایا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ کے خریدنے والے کا نام اطغر تھا۔ یہ انہی دنوں میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اس کی زوجہ راعیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کر دیا۔ جب آپ ان سے ملے تو فرمایا کہو کیا یہ تمہارے اس ارادے سے بہتر نہیں انہوں نے جواب دیا کہ اے صدیق مجھے ملامت نہ کیجئے آپ کو معلوم ہے کہ میں حسن و خوبصورتی والی دھن دولت والی عورت تھی میرے خاوند مردی سے محروم تھے وہ مجھ سے مل ہی نہیں سکتے تھے۔ ادھر آپ کو قدرت نے جس فیاضی سے دولت حسن کے ساتھ مالا مال کیا ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ پس مجھے اب ملامت نہ کیجئے۔ کہتے ہیں کہ واقعی حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں کنواری پایا۔ پھر ان کے بطن سے آپ کو دو لڑکے ہوئے افرائیم اور میشا۔ افرائیم کے ہاں نون پیدا ہوئے جو حضرت یوشع کے والد ہیں اور رحمت نامی شہزادی ہوئی جو حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عزیز کی بیوی راستے میں کھڑی تھیں جب حضرت یوسف علیہ السلام کی سواری نکلی تو بیساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ الحمد اللہ اللہ کی شان کے قربان جس نے اپنی فرمانبرداری کی وجہ سے غلاموں کو بادشاہی پر پہنچایا اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے بادشاہوں کو غلامی پر لا اتارا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم جبارین سے لڑائی کرنے کا واقعہ

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم جبارین سے لڑائی کے لئے بنی اسرائیل کی ہمراہی میں گئے انہی جبارین میں بلغام نامی یہ شخص تھا اس کی قوم اور اس کے قرابت دار چچا وغیرہ سب اس کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ اور اس کی قوم کے لئے بددعا کیجئے۔ اس نے کہا یہ نہیں ہوسکتا اگر میں ایسا کروں گا تو میری دنیا آخرت دونوں خراب ہو جائیں گی لیکن قوم سر ہوگئی۔ یہ بھی لحاظ مروت میں آ گیا۔ بددعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس سے کرامت چھین لی اور اسے اس کے مرتبے سے گرادیا۔

جب حضرت موسیٰ قوم جبارین سے لڑنے لگے، عوج بن عنق کو مار ڈالا۔ حضرت موسیٰ کا قد 10 گز تھا اور لاٹھی کی لمبائی 10 گز تھی اور 10 گز کی مقدار میں چھلانگ لگا کر عوج بن عنق کی پنڈلیوں پر مارا تو وہ گر پڑا اور مر گیا۔ ابن اسحاق نے نوف کے حوالے سے بتایا ہے کہ عوج کے قد کی لمبائی آٹھ سو گز تھی، اور موسیٰ کا قد دس گز اور ان کے عصا کی لمبائی دس گز اور دس گز کے بقدر اچھل کر عوج کی پنڈلیوں پر مارا تو وہ مر گیا۔ پھر لوگوں نے اس کو دریائے نیل کے اوپر بطور پل استعمال کیا۔ بقول بعض علماء عوج نے تین ہزار سال کی عمر پائی۔ (قصص الانبیاء، علامہ جعفر محمد بن جریر طبری۔ ص 314)

سدی کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو وادی تیہ میں چالیس سال گذر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا انہوں نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں لے کر جاؤں اور ان جبارین سے جہاد کروں۔ یہ آمادہ ہوگئے، بیعت کر لی۔ انہی میں بلعام نامی ایک شخص تھا جو بڑا عالم تھا اسم اعظم جانتا تھا۔ یہ بدنصیب کافر ہوگیا، قوم جبارین میں جا ملا اور ان سے کہا تم نہ گھبراؤ جب بنی اسرائیل کا لشکر آ جائے گا میں ان پر بددعا کروں گا تو وہ دفعتاً ہلاک ہو جائے گا۔ اس کے پاس تمام دنیوی ٹھاٹھ تھے لیکن عورتوں کی عظمت کی وجہ سے یہ ان سے نہیں ملتا تھا بلکہ ایک گدھی پال رکھی تھی۔ اسی بدقسمت کا ذکر اس آیت میں ہے۔ شیطان اس پر غالب آ گیا اسے اپنے پھندے میں پھانس لیا جو وہ کہتا تھا یہ کرتا تھا آخر ہلاک ہوگیا۔

امت مسلمہ پر شرک کی تہمت لگانے والا بدتر انسان

مسند ابویعلی موصلی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں جو قرآن پڑھ لے گا جو اسلام کی چادر اوڑھے ہوئے ہوگا اور دینی ترقی پر ہوگا کہ ایک دم اس سے ہٹ جائے گا، اسے پس پشت ڈال دے گا، اپنے پڑوسی پر تلوار لے دوڑے گا اور اسے شرک کی تہمت لگائے گا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ مشرک ہونے کے زیادہ قابل کون ہوگا؟ یہ تہمت لگانے والا؟ وہ جسے تہمت لگا رہا ہے فرمایا نہیں بلکہ تہمت دھرنے والا۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو قادر تھے کہ اسے بلند مرتبے پر پہنچائیں، دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھیں، اپنی دی ہوئی آیتوں کی تابعداری پر قائم رکھیں لیکن وہ دنیوی لذتوں کی طرف جھک پڑا یہاں تک کہ شیطان کا پورا مرید ہوگیا۔

اسے سجدہ کرلیا۔ کہتے ہیں کہ اس بلعام سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے حق میں بددعا کیجئے۔ اس نے کہا اچھا میں اللہ سے حکم لے لوں۔ جب اس نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی تو اسے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل مسلمان

ہیں اوران میں اللہ کے نبی موجود ہیں اس نے سب سے کہا کہ مجھے بددعا کرنے سے روک دیا گیا ہے انہوں نے بہت سارے تحفے تحائف جمع کر کے اسے دیئے اس نے سب رکھ لئے۔ پھر دوبارہ درخواست کی کہ ہمیں ان سے بہت خوف ہے آپ ضروران پر بد دعا کیجئے اس نے جواب دیا کہ جب تک میں اللہ تعالیٰ سے اجازت نہ لےلوں میں ہرگز یہ نہ کروں گا اس نے پھر اللہ سے مناجات کی لیکن اسے کچھ معلوم نہ ہوسکا اس نے یہی جواب انہیں دیا تو انہوں نے کہا دیکھو اگر منع ہی مقصود ہوتا تو آپ کو روک دیا جاتا جیسا کہ اس سے پہلے روک دیا گیا۔

اس کی بھی سمجھ میں آ گیا اٹھ کر بددعا شروع کی۔ اللہ کی شان ہے بددعا ان پر کرنے کے بجائے اس کی زبان سے اپنی ہی قوم کے لئے بددعا نکلی اور جب اپنی قوم کی فتح کی دعا مانگنا چاہتا تو بنی اسرائیل کی فتح و نصرت کی دعا نکلتی۔ قوم نے کہا آپ کیا غضب کر رہے ہیں؟ اس نے کہا کیا کروں؟ میری زبان میرے قابو میں نہیں۔ سنو اگرچہ میری زبان سے ان کے لئے بددعا نکلی بھی تو قبول نہ ہوگی۔ سنو اب میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں اگر تم اس میں کامیاب ہوگئے تو سمجھ لو کہ بنی اسرائیل برباد ہو جائیں گے تم اپنی نوجوان لڑکیوں کو بناؤ سنگھار کرا کے ان کے لشکروں میں بھیجو اور انہیں ہدایت کردو کہ کوئی ان کی طرف جھکے تو یہ انکار نہ کریں ممکن ہے بوجہ مسافرت یہ لوگ زنا کاری میں مبتلا ہو جائیں اگر یہ ہوا تو چونکہ یہ حرام کاری اللہ کو سخت ناپسند ہے اسی وقت ان پر عذاب آ جائے گا اور یہ تباہ ہو جائیں گے۔

ان بے غیرتوں نے اس بات کو مان لیا اور یہی کیا۔ خود بادشاہ کی بڑی حسین و جمیل لڑکی بھی بن ٹھن کر نکلی اسے ہدایت کر دی گئی تھی کہ سوائے حضرت موسیٰ کے اور کسی کو اپنا نفس نہ سونپے۔ یہ عورتیں جب بنی اسرائیل کے لشکر میں پہنچیں تو عام لوگ بے قابو ہو گئے حرام کاری سے بچ نہ سکے۔ شہزادی بنی اسرائیل کے ایک سردار کے پاس پہنچی۔ اس سردار نے اس لڑکی پر ڈورے ڈالے لیکن اس لڑکی نے انکار کیا۔ اس نے بتایا کہ میں فلاں فلاں ہوں، اس نے اپنے باپ سے یا بلعام سے پچھوایا اس نے اجازت دی۔ یہ خبیث منہ کالا کر رہا تھا جسے حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی صاحب نے دیکھ لیا اپنے نیزے سے ان دونوں کو پرو دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دست و بازی قوی کر دیئے اس نے یونہی ان دونوں کو چھدے ہوئے اٹھا لیا لوگوں نے بھی انہیں دیکھا۔ اب اس لشکر پر عذاب رب بشکل طاعون آیا اور ستر ہزار آدمی فوراً ہلاک ہو گئے۔

بلعام اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلا وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر رک گئی اب بلعام اسے مارتا پیٹتا ہے لیکن وہ قدم نہیں اٹھاتی۔ آخر گدھی نے اس کی طرف دیکھا اور کہا مجھے کیوں مار رہا ہے سامنے دیکھ کون ہے؟ اس نے دیکھا تو شیطان لعین کھڑا ہوا تھا یہ اتر پڑا اور سجدے میں گر گیا۔ الغرض ایمان سے خالی ہو گیا اس کا نام یا تو بلعام تھا۔ یا بلعم بن باعورا یا ابن ابر بار بن باعور بن شہوم بن قوشتم بن ماب بن لوط بن ہارون یا ابن مران بن آزر۔ یہ بلقا کا رئیس تھا، اسم اعظم جانتا تھا لیکن اخیر میں دین حق سے ہٹ گیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام

حضرت زکریا علیہ السلام کا تعارف

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ حضرت حنصہ کی نذر کو اللہ تعالیٰ نے بخوشی قبول فرمالیا اور اسے بہترین طور سے نشوونما بخشی، ظاہری خوبی بھی عطا فرمائی اور باطنی خوبی سے بھرپور کر دیا اور اپنے نیک بندوں میں ان کی پرورش کرائی تا کہ علم اور خیر اور دین سیکھ لیں، حضرت زکریا کو ان کا کفیل بنا دیا۔

ابن اسحاق تو فرماتے ہیں یہ اس لئے کہ حضرت مریم علیہا السلام یتیم ہوگئی تھیں، لیکن دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ قحط سالی کی وجہ سے ان کی کفالت کا بوجھ حضرت زکریا نے اپنے ذمہ لے لیا تھا، ہوسکتا ہے کہ دونوں وجوہات اتفاقاً آپس میں مل گئی ہوں واللہ اعلم، حضرت ابن اسحاق وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام ان کے خالو تھے،

اور بعض لوگ کہتے ہیں ان کے بہنوئی تھے، جیسے معراج والی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی جو دونوں خالہ زاد بھائی ہیں،

ابن اسحاق کے قول پر یہ حدیث ٹھیک ہے کیونکہ اصلاح عرب میں ماں کی خالہ کے لڑکے کو بھی خالہ زاد بھائی کہہ دیتے ہیں پس ثابت ہوا کہ حضرت مریم اپنی خالہ کی پرورش میں تھیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یتیم صاحبزادی عمرہ کو ان کی خالہ حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ کے سپرد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ خالہ قائم مقام ماں کے ہے، اب اللہ تعالیٰ حضرت مریم کی بزرگی اور ان کی کرامت بیان فرماتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی ان کے پاس ان کے حجرے میں جاتے تو بیموی میوے ان کے پاس پاتے مثلاً جاڑوں میں گرمیوں کے میوے اور گرمیوں میں جاڑے کے میوے۔

حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابوالشعثاء، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت ضحاک، حضرت قتادہ، حضرت ربیع بن انس، حضرت عطیہ عوفی، حضرت سدی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں، حضرت مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ یہاں رزق سے مراد علم اور وہ صحیفے ہیں جن میں علمی باتیں ہوتی تھیں لیکن اول قول ہی زیادہ صحیح ہے، اس آیت میں اولیاء اللہ کی کرامات کی دلیل ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سی حدیثیں بھی آتی ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام ایک دن پوچھ بیٹھے کہ مریم تمہارے پاس یہ رزق کہاں سے آتا ہے؟ صدیقہ نے جواب دیا کہ اللہ کے پاس سے، وہ جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے،

...کے رزق پر اللہ کی تعریف کرنے کا بیان

مسند حافظ ابویعلیٰ میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی دن بغیر کچھ کھائے گذر گئے بھوک سے آپ کو تکلیف ہونے ... اپنی سب بیویوں کے گھر ہو آئے لیکن کہیں بھی کچھ نہ پایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ ... تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہ میں کھالوں مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے، وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ...رے باپ صدقے ہوں کچھ بھی نہیں، اللہ کے نبی (اللهم صلی وسلم علیه) وہاں سے نکلے ہی تھے کہ حضرت فاطمہ کی لونڈی نے دو روٹیاں اور ٹکڑا گوشت حضرت فاطمہ کے پاس بھیجا آپ نے اسے لے کر برتن میں رکھ لیا اور فرمانے لگیں گو مجھے، میرے خاوند اور بچوں کو بھوک ہے۔

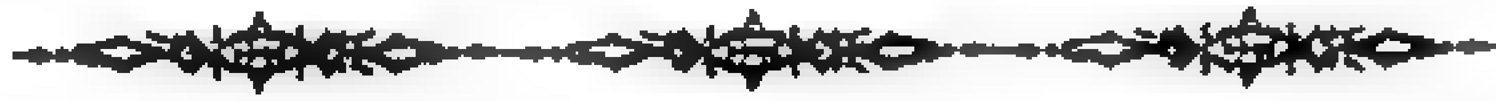
لیکن ہم سب فاقے ہی سے گذار دیں گے اور اللہ کی قسم آج تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دوں گی، پھر حضرت حسن یا حسین کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کو بلا لائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستے ہی میں ملے اور ساتھ ہو لئے، آپ آئے تو کہنے لگیں میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اللہ نے کچھ بھجوا دیا ہے جسے میں نے آپ کے لئے چھپا کر رکھ دیا ہے، آپ نے فرمایا میری پیاری بچی لے آؤ، اب جو طشت کھولا تو دیکھتی ہے کہ روٹی سالن سے ابل رہا ہے دیکھ کر حیران ہو گئیں لیکن فوراً سمجھ گئیں کہ اللہ کی طرف سے اس میں برکت نازل ہو گئی ہے، اللہ کا شکر کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اور آپ کے پاس لا کر پیش کر دیا آپ نے بھی اسے دیکھ کر اللہ کی تعریف کی اور دریافت فرمایا کہ بیٹی یہ کہاں سے آیا؟ جواب دیا کہ ابا جان اللہ کے پاس سے وہ جسے چاہے بے حساب روزی دے، آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اے پیاری بچی تجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تمام عورتوں کی سردار جیسا کر دیا، انہیں جب کبھی اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا تو یہی جواب دیا کرتی تھیں کہ اللہ کے پاس سے ہے اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے،

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور آپ نے حضرت علی نے اور حضرت فاطمہ نے اور حضرت حسین نے اور آپ کی سب ازواج مطہرات اور اہل بیت نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا پھر بھی اتنا ہی باقی رہا جتنا پہلے تھا جو آس پاس کے پڑوسیوں کے ہاں بھیجا گیا یہ خیر کثیر اور برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔

حضرت مریم علیہا السلام اور اولاد کی نذر ماننے کا واقعہ

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عمران دو ہیں ایک عمران بن یصھر بن فاہث بن لاوی بن یعقوب یہ تو حضرت موسیٰ و ہارون کے والد ہیں دوسرے عمران بن ماثان یہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ مریم کے والد ہیں دونوں عمرانوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو برس کا فرق ہے یہاں دوسرے عمران مراد ہیں ان کی بی بی صاحبہ کا نام حنّہ بنت فاقوذا ہے یہ مریم کی والدہ ہیں۔

اور تیری عبادت کے سوا دنیا کا کوئی کام اس کے متعلق نہ ہو بیت المقدس کی خدمت اس کے ذمہ ہو علماء نے واقعہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت زکریا و عمران دونوں ہم زُلف تھے فاقوذا کی دختر ایشاع جو حضرت یحییٰ کی والدہ ہیں اور ان کی بہن حنّہ جو فاقوذا کی دوسری دختر اور حضرت مریم کی والدہ ہیں وہ عمران کی بی بی تھیں ایک زمانہ تک حنّہ کے اولاد نہیں ہوئی یہاں تک کہ بڑھاپا آ گیا اور مایوسی ہوگئی یہ صالحین کا خاندان تھا اور یہ سب لوگ اللہ کے مقبول بندے تھے ایک روز حنّہ نے ایک درخت کے سایہ میں ایک چڑیا دیکھی جو اپنے بچہ کو بھرا رہی تھی یہ دیکھ کر آپ کی دل میں اولاد کا شوق پیدا ہوا اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ یارب اگر تو مجھے بچہ دے تو میں اس کو بیت المقدس کا خادم بناؤں اور اس خدمت کے لئے حاضر کردوں جب وہ حاملہ ہوئیں اور انہوں نے یہ نذر مان لی تو ان کے شوہر نے فرمایا: کہ یہ تم نے کیا کیا اگر لڑکی ہوگی تو وہ اس قابل کہاں ہے اس زمانہ میں لڑکوں کو خدمتِ بیت المقدس کے لئے دیا جاتا تھا اور لڑکیاں عوارض نسائی اور زنانہ کمزوریوں اور مردوں کے ساتھ نہ رہ سکنے کی وجہ سے اس قابل نہیں سمجھی جاتی تھیں اس لئے ان صاحبوں کو شدید فکر لاحق ہوئی اور حنّہ کے وضع حمل سے قبل عمران کا انتقال ہوگیا۔ (تفسیر خزائن العرفان)



حضرت یحیٰ علیہ السلام

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس بے موسے پھلوں کے آنے کا واقعہ

حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام کو بے موسم میوہ دیتا ہے جاڑوں میں گرمیوں کے پھل اور گرمی میں جاڑوں کے میوے ان کے پاس رکھے رہتے ہیں تو باوجود اپنے پورے بڑھاپے کے اور باوجود اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کے علم کے آپ بھی بیموسم میوہ یعنی نیک اولاد طلب کرنے لگے، اور چونکہ یہ طلب بظاہر ایک ناممکن چیز کی طلب تھی اس لئے نہایت پوشیدگی سے یہ دعا مانگی جیسے اور جگہ ہے ندآء خفیا یہ اپنے عبادت خانے میں ہی تھے جو فرشتوں نے انہیں آواز دی اور انہیں سنا کر کہا کہ آپ کے ہاں ایک لڑکا ہوگا جس کا نام یحییٰ رکھنا، ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ یہ بشارت ہماری طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یحییٰ نام کی وجہ سے یہ ہے کہ ان کی حیاۃ ایمان کے ساتھ ہوگی، وہ اللہ کے کلمہ کے یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم کی تصدیق کریں گے،

حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی نبوت کو تسلیم کرنے والے بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں، جو حضرت عیسیٰ کی روش اور آپ کے طریق پر تھے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم سے اکثر ذکر کیا کرتی تھیں کہ میں اپنے پیٹ کی چیز کو تیرے پیٹ کی چیز کو سجدہ کرتی ہوئی پاتی ہوں، یہ تھی حضرت یحییٰ کی تصدیق دنیا میں آنے سے پیشتر سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی سچائی کو انہوں نے ہی پہچانا یہ حضرت عیسیٰ سے عمر میں بڑے تھے، سید کے معنی حلیم، بردبار، علم وعبادت میں بڑھا ہوا، متقی، پرہیزگار، فقیہ، عالم، خلق ودین میں سب سے افضل جسے غصہ اور غضب مغلوب نہ کر سکے، شریف اور کریم کے ہیں، حصور کے معنی ہیں جو عورتوں کے پاس نہ آسکے جس کے ہاں نہ اولاد ہو نہ جس میں شہوت کا پانی ہو،

اس معنی کی ایک مرفوع حدیث بھی ابن ابی حاتم میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ تلاوت کر کے زمین سے کچھ اٹھا کر فرمایا اس کا عضو اس جیسا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ساری مخلوق میں صرف حضرت یحییٰ ہی اللہ سے بیگناہ ملیں گے پھر آپ نے یہ الفاظ پڑھے اور زمین سے کچھ اٹھایا اور فرمایا حصور اسے کہتے ہیں جس کا عضو اس جیسا ہو،

اور حضرت یحییٰ بن سعید قطان نے اپنی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کیا، یہ روایت جو مرفوع بیان ہوئی ہے اس کی حوالے سے اس

موقوف کی سند زیادہ صحیح ہے، اور مرفوع روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے کے پھندے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ایسا تھا، اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے زمین سے ایک مرجھایا ہوا تنکا اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کر کے یہی فرمایا، اس کے بعد حضرت زکریا کو دوسری بشارت دی جاتی ہے کہ تمہارا لڑکا نبی ہوگا یہ بشارت پہلی خوشخبری سے بھی بڑھ گئی، جب بشارت آ چکی تب حضرت زکریا کو خیال پیدا ہوا کہ بظاہر اسباب سے تو اس کا ہونا محال ہے تو کہنے لگے اللہ میری ہاں بچہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں بوڑھا ہوں میری بیوی بالکل بانجھ، فرشتے نے اسی وقت جواب دیا کہ اللہ کا امر سب سے بڑا ہے اس کے پاس کوئی چیز ان ہونی نہیں، نہ اسے کوئی کام کرنا مشکل نہ وہ کسی کام سے عاجز، اس کا ارادہ ہو چکا وہ اسی طرح کرے گا،

اب حضرت زکریا اللہ سے اس کی علامت طلب کرنے لگے تو ذات باری سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اشارہ کیا گیا کہ نشان یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکے گا، رہے گا تندرست صحیح سالم لیکن زبان سے لوگوں سے بات چیت نہ کی جائے گی صرف اشاروں سے کام لینا پڑے گا، جیسے اور جگہ ہے آیت (ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا) 19۔ مریم:10) یعنی تین راتیں تندرستی کی حالت پھر حکم دیا کہ اس حال میں تمہیں چاہئے کہ ذکر اور تکبیر اور تسبیح میں زیادہ مشغول رہو، صبح شام اسی میں لگے رہو،

حضرت سیّدنا یحییٰ علیہ السلام کے سر مبارک کا شہادت کے بعد کلام فرمانا

حضرت سیّدنا یحییٰ بن زکریا علیہ السلام اپنے بارہ حواریوں کے درمیان میں جلوہ گر ہو کر لوگوں کو مسائل سمجھاتے رہتے تھے۔ جو باتیں وہ لوگوں کو سمجھاتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی بات تھی کہ آپ ماموں اور حقیقی بھانجی سے نکاح کرنا بھی منع فرماتے تھے۔ ان لوگوں کے بادشاہ کی ایک بھانجی تھی جو کہ بادشاہ کو بہت اچھی لگتی تھی اور وہ اس سے شادی بھی کرنا چاہتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ ہر روز اس سے بدکاری بھی کیا کرتا تھا چنانچہ اس لڑکی کی ماں تک یہ بات پہنچی کہ آپ اس نکاح سے منع کرتے ہیں تو اس نے اپنی بیٹی سے کہا کہ جب تو بادشاہ کے پاس جائے اور تجھ سے بادشاہ پوچھے کہ تجھے کوئی حاجت ہے؟ تو تم اس سے کہنا کہ میری حاجت یہ کہ یحییٰ بن زکریا کو ذبح کرو۔

چنانچہ جب وہ لڑکی بادشاہ کے پاس آئی تو اس نے اس کی حاجت کے بارے میں اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میری حاجت یہ ہے کہ یحییٰ بن زکریا کو ذبح کرو۔

بادشاہ نے کہا اس کے علاوہ کچھ اور مانگ لو۔ اس لڑکی نے کہا کہ میں تم سے بس یہی مانگتی ہوں اور کچھ نہیں۔

چنانچہ جب اس نے کچھ بھی اور مانگنے سے انکار کر دیا تو بادشاہ نے ایک بڑا تھال منگوایا اور حضرت سیّدنا یحییٰ علیہ السلام کو بھی بلوایا اور آپ کو وہاں بڑی بے دردی کے ساتھ ذبح کر دیا۔

آپ کے مقدس خون کے قطرے زمین پر گر کر چمکتے رہے (مضطرب رہے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا اور اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ ان کو اس خون پر قتل کرتا رہے یہاں تک کہ اس خون کو سکون آئے چنانچہ اس نے ستر ہزار لوگوں کو قتل کر دیا۔

حضرت شہر بن حوشبؒ فرماتے ہیں کہ جب بادشاہ نے حضرت سیدنا یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا تو اس لڑکی نے آپ کا سر مبارک سونے کے تھال میں رکھا اور وہ سر اس نے اپنی ماں کو تحفہ کے طور پر بھیج دیا۔

پھر حضرت سیدنا یحییٰ علیہ السلام کا وہ سر اس تھال میں اس عورت سے کہتا ہے کہ نہ بادشاہ اس لڑکی کیلئے حلال ہے اور نہ ہی یہ لڑکی اس بادشاہ کے لئے حلال ہے۔

یہ بات حضرت سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے سر مبارک نے تین مرتبہ کہی۔ اس لڑکی کی ماں نے جب آپ کا سر مبارک دیکھا تو کہا کہ آج میری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئی ہیں اور ملک میں امن قائم ہو گیا ہے۔

اس لڑکی نے ریشمی پوشاک زیب تن کی، ریشمی اوڑھنی اور ریشمی عبا پہنی پھر وہ محل کی چھت پر چڑھ گئی۔ اس لڑکی نے کتے پالے ہوئے تھے جنہیں وہ انسانوں کا گوشت کھلاتی تھی۔ وہ اپنے محل پہ چل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تیز آندھی بھیج دی۔ اس آندھی نے اس کو اور اس کے کپڑوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اسے اس کے کتوں کی طرف گرا دیا جب وہ گری تو ان کتوں نے اسے مارے بغیر اس کو نوچ نوچ کر کھانا شروع کر دیا اور اس کی ماں دیکھ رہی تھی جو آخری چیز انہوں نے اس کی کھائی وہ اس کی دونوں آنکھیں تھیں۔ اس طرح اس بدبخت کا خاتمہ ہو گیا۔

حضرت ذوالکفل علیہ السلام

قرآن کی دوسورتوں میں آپ کا نام آیا ہے سورت الانبیاء میں آیت نمبر 85، اور اس سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ کب کہاں اور کس قوم کے لیے مبعوث ہوئے؟ اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں احادیث سے بھی آپ کے حالات پر روشنی نہیں پڑتی۔ بائبل میں سرے سے آپ کا ذکر ہی نہیں۔ بعض علما کا خیال ہے کہ ذوالکفل۔ حزقیل کا لقب ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ گوتم بدھ کا لقب ہے اور کفل دراصل کپل وستو کا معرب ہے جو بدھ کا دارالحکومت تھا۔ ذوالکفل کے معنی کپل وستو کا مالک۔

حضرت ذوالکفل علیہ اسلام اللہ کے برگزیدہ نبی تھے۔ ان کا اصل نام ثعلبی کے مطابق بشر بن ایوب علیہ اسلام (عرائس۔ ص 94) اور بروایت جزائری، 'عوید' یا 'بن ادریم' (قصص الانبیاء۔ ص 302) تھا۔ ناسخ التواریخ نے 'عوید یا عو' لکھا ہے۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ اس کے معنی "عبداللہ کے ہیں۔ آپ کا لقب ذوالکفل تھا۔ آپ شام اور روم پر مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کو غصہ کبھی نہیں آیا تھا۔ اور آپ بے مثل مہمان نواز تھے۔ آپ مقدمات کے فیصلے بھی کیا کرتے تھے۔

لقب ذوالکفل کی وجوہات

روایت نمبر: آپ علیہ اسلام نے ایک نبی علیہ اسلام کی ہدایات اور احکام کی کفالت کی تھی، اس نبی علیہ اسلام نے کہا تھا کہ "جو قائم الیل اور صائم النہار ہو" یعنی رات بھر نمازیں پڑھتا ہو اور دن بھر روزے رکھتا ہو اور غصہ کبھی نہ کرتا ہو، میں اسے اپنا جانشین بناؤں گا۔ چنانچہ آپ علیہ اسلام نے وعدہ فرمایا اور ان کے احکام کی پوری کفالت کی اور ان کی وصایت کے مالک بنے، اس لئے آپ علیہ اسلام کو ذوالکفل کہا گیا۔ (قصص الجزائری)

آپ علیہ اسلام درجہ نبوت پر فائز ہونے سے پہلے شام کے بادشاہ کے وزیر تھے۔ اس بادشاہ کو بنی اسرائیل سے سخت دشمنی تھی۔ بادشاہ نے اپنی فوج کا ایک عظیم دستہ بھیج کر بنی اسرائیل کو قتل کروادیا اور سو (١٠٠) علماء و فضلا اور زعماء کو گرفتار کرالیا۔ حضرت ذوالکفل علیہ اسلام نے بادشاہ سے کہا کہ ابھی ان کے قتل کا وقت نہیں آیا ہے بہتر ہوگا کہ انہیں میرے حوالے کردیں۔ ذوالکفل علیہ اسلام ان تمام قیدی علماء و زعماء کو اپنے ہمراہ لے گئیں ان کی عزت و توقیر کی، ان کی بیڑیاں کٹوائیں۔ انہیں خوش گوار کھانا کھلایا۔ اور ان کو وقت شب رہا کردیا اور بادشاہ کے قلمرو سے بھاگ جانے کو کہا۔ اور صبح کو حضرت ذوالکفل علیہ اسلام نے ایسی صورت اختیار کی کہ بادشاہ ناراض بھی نہ ہوا اور ان کی جان بچ گئی اسی کفالت کی وجہ سے آپ علیہ اسلام کو ذوالکفل علیہ اسلام کہا گیا۔ (روضۃ الصفا، ناسخ التواریخ)

حضرت ذوالکفل کی ضمانت سے بادشاہ کی بخشش کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ اسلام کو حکم دیا کہ آپ 'عمالقہ' کے ایک بادشاہ کنعان کو دعوت حق دیں۔ بادشاہ نے کہا، میں بے انتہا گناہ کر چکا ہوں۔ اب میرا ایمان لانا بے سود ہے۔ حضرت ذوالکفل علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے۔ اگر تو ایمان لائے گا تو خداوندِ عالم تجھے بخش دے گا اور نعمات جنت سے متنعم کرے گا۔ بادشاہ نے دلیل وثبوت مانگا۔ آپ علیہ السلام نے کہا میں اس کی ضمانت وکفالت کروں گا۔ بادشاہ کے ایمان لانے پر آپ علیہ السلام نے ایک نوشتہ ضمانت دے دیا۔ بادشاہ ترک سلطنت کر کے گوشہ نشین ہو گیا۔ لیل ونہار عبادت میں گزارتا۔ اور بوقتِ موت بادشاہ کو وصیت کے مطابق وہ نوشتہ خط اس کے کفن میں رکھ دیا گیا۔ اللہ نے اسے بخش دیا اور جنت میں بلند مقام پر فائز فرمایا۔ جو لوگ بوقتِ کفن وہاں موجود تھے وہ سب کے سب بھی ایمان لے آئے۔ اسی ضمانت وکفالت کی وجہ سے آپ کا لقب ذوالکفل علیہ اسلام ہو گیا۔ (منتخب المعارف، صدرالدین اصفہانی)

روایت نمبر ۱: بنی اسرائیل میں تین سگے بھائی تھے۔ ایک ان میں عالم تھا ایک زاہد اور ایک عابد، ان میں سے ایک کو امیری مل گئی وہ حکومت کرنے لگا اور بے حد بدراہ ہو گیا۔ اس بادشاہ کے پاس اس کا ایک بھائی گیا اور تنبیہ کی اور کہا کہ خدا کے لئے راہ راست پر آ جاؤ، گناہ ترک کر دو اور مثل سابق بن جاؤ۔ اس بدراہ بادشاہ نے کہا کہ میں نے قلیل عرصے میں کثیر گناہ کر ڈالے ہیں اور اب میرے بخشے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس کے بھائی نے کہا کہ ایسا نہیں ہے، خداوند عالم بڑے سے بڑا گناہ بخشتا ہے تم توبہ کرو، خدا تمہیں معاف کر دے گا۔

بدراہ بادشاہ کے لئے اس کا نیک بھائی حضرت ذوالکفل علیہ اسلام کے پاس آیا اور سارا واقعہ سنایا۔ حضرت ذوالکفل علیہ اسلام نے جواباً کہا کہ اگر وہ توبہ کر لے تو میں اس کے جنت میں لے جانے کا ضامن ہوں۔ اس بھائی نے اپنے بھائی کو بتایا کہ وہ جنت کی ضمانت دینے کو تیار ہیں۔ بدراہ بادشاہ نے کہا کہ ان سے لکھوا دے، چنانچہ حضرت ذوالکفل علیہ اسلام ضمانت نامہ لکھ کر، اس کے جنت میں لے جانے کے کفیل بن گئے۔ بنابریں آپ علیہ اسلام ذوالکفل علیہ اسلام کہا گیا۔ (تاریخ اسلام)

روایت نمبر ۲: آپ علیہ اسلام سے کہا گیا کہ اس کا وعدہ کرو کہ قوم پر عذاب نازل نہ ہو گا تو آپ علیہ اسلام نے کہا کہ اگر قوم راہ راست پر رہے گی۔ گناہ نہ کرے گی تو اس پر عذاب نازل نہ ہو گا لہٰذا آپ علیہ اسلام کا لقب ذوالکفل علیہ اسلام قرار پا گیا۔ (جنات الخلود، وسعد السعود ابن طاوس) روایت نمبر: آپ علیہ اسلام ہر شخص کی کفالت کرتے تھے اور اپنے ذمہ اس کا کام لے لیتے تھے۔ اس ذمہ داری کی وجہ سے آپ علیہ اسلام کا لقب ذوالکفل علیہ اسلام ہو گیا۔ یعنی ذمہ داری لینے والا۔ (تاریخ اسلام علامہ محمد بشیر)

روایت نمبر ۳: حضرت ذوالکفل علیہ اسلام کو جہاد کا حکم ملا۔ آپ علیہ اسلام نے اپنی قوم سے جہاد کے لئے کہا۔ قوم نے اس شرط پر آمادگی کا اظہار کیا کہ موت نہ آنے پائے آپ علیہ اسلام نے خدا کی بارگاہ میں قوم کی عرضداشت پیش کی۔ خدا نے منظور کیا اور حکم دیا کہ تم ان سے اس کی کفالت میری طرف سے کر لو، میں ان کی موتوں کو ان کی خواہش پر موقوف کر دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب وہ سب ہر طرف محفوظ ہوتے رہے تو بے انتہا کثرت ہو گئی۔ پھر انہوں نے موت مانگی تب وہ مرنے لگے۔ (عرائس ثعلبی)

حضرت ذوالکفل علیہ اسلام کو غصہ میں لانے کے لئے شیطان کی جدوجہد

ایک مرتبہ شیطان نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ کون ہے جو ذوالکفل کو غصے میں لائے۔ یہ سن کر ایک شاگرد جس کا نام "ابیض" تھا کہنے لگا کہ یہ کام میں کروں گا۔ چنانچہ ایک روز جب کہ حضرت ذوالکفل علیہ اسلام لوگوں کے مقدمات کے فیصلوں سے فارغ ہوئے اپنے گھر پہنچے اور آرام کا ارادہ کیا تو ابیض آ گیا اور کہنے لگا کہ مجھ پر ایک شخص نے ظلم کیا ہے فیصلہ کیجئے، آپ علیہ اسلام نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لے آؤ ابیض نے کہا وہ میرے کہنے سے نہیں آتا، آپ علیہ اسلام نے اس کو ایک انگشتری دی اور کہا کہ میری یہ انگشتری اس کو دکھاؤ اور کہو کہ تم کو ذوالکفل نے بلایا ہے وہ انگشتری لے کر گیا اور آپ علیہ اسلام نے اس کا انتظار کیا، اور آرام نہیں کیا اور شب کو بھی آرام نہیں کیا تھا اور دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو ابیض آیا اور اس نے کہا کہ آپ علیہ اسلام کی انگشتری دیکھ کر بھی وہ نہیں آیا، اب آپ آرام کرنے کے لئے تیار تھے۔

اور دربان نے بھی اس کو سمجھایا کہ دوسرا روز ہے انہوں نے آرام نہیں کیا ہے مگر اس نے کہا کہ میں مظلوم ہوں، میری فریاد سنو اور فیصلہ کرو چنانچہ جناب ذوالکفل علیہ اسلام نے ایک خط لکھ کر دیا اور کہا کہ میرا یہ خط لے کر جاؤ اور اس کو میرے پاس بلا کر لے آؤ۔ چنانچہ آپ علیہ اسلام تیسرے دن بھی اس کے انتظار میں رہے اور پھر شب آ گئی اور تمام رات عبادت کی اب چوتھا روز آیا کہ پھر ابیض آ گیا اور کہنے لگا کہ وہ آپ علیہ اسلام کا خط دیکھ کر بھی نہیں آیا، حضرت ذوالکفل علیہ اسلام یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ دھوپ سخت تیز تھی چار دن جاگتے ہوئے گزر چکے تھے۔ مگر پھر بھی آپ علیہ اسلام کے چہرے پر غصے کے آثار نہ تھے۔ جب آپ راستے میں جا رہے تھے تو وہ شخص غائب ہو گیا۔ اور جا کر شیطان سے کہا کہ میں ذوالکفل علیہ اسلام کو غصہ میں لانے سے معذور ہوں، میں نے بڑی کوشش کی مگر وہ کسی طرح غصہ نہیں کرتے۔ (آپ علیہ السلام پر لاکھوں سلام)

تین باتوں کو منظور کرنے والے کیلئے خلافت سپرد کرنے کا واقعہ

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ایک نیک بزرگ تھے جنہوں نے اپنے زمانے کے نبی سے عہد و پیمان کئے اور ان پر قائم رہے۔ قوم میں عدل و انصاف کیا کرتے تھے۔ مروی ہے کہ جب حضرت یسع علیہ السلام بہت بوڑھے ہو گئے تو ارادہ کیا کہ میں اپنی زندگی میں ہی ان کا خلیفہ مقرر کر دوں اور دیکھ لوں کہ وہ کیسے عمل کرتا ہے۔ لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ تین باتیں جو شخص منظور کرے میں اسے خلافت سونپتا ہوں۔ دن بھر روزے سے رہے رات بھر قیام کرے اور کبھی بھی غصے نہ ہو۔ کوئی اور تو کھڑا نہ ہوا ایک شخص جسے لوگ بہت ہلکے درجے کا سمجھتے تھے کھڑا ہوا اور کہنے لگا میں اس شرط کو پوری کر دوں گا۔ آپ نے پوچھا یعنی تو دنوں میں روزے سے رہے گا اور راتوں کو تہجد پڑھتا رہے گا اور غصہ نہ کرے گا؟ اس نے کہا ہاں۔

یسع علیہ السلام نے فرمایا اچھا اب کل سہی۔ دوسرے روز بھی آپ نے اسی طرح مجلس میں عام سوال کیا لیکن اس شخص کے سوا کوئی اور کھڑا نہ ہوا۔ چنانچہ انہی کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ اب شیطان نے چھوٹے چھوٹے شیاطین کو اس بزرگ کے بہکانے کے لئے بھیجنا شروع کیا۔ مگر کسی کی کچھ نہ چلی۔ ابلیس خود چلا دوپہر کو قیلولے کے لئے آپ لیٹے ہی تھے جو خبیث نے کنڈیاں پیٹنی شروع کر دیں

آپ نے دریافت فرمایا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہنا شروع کیا کہ میں ایک مظلوم ہوں فریادی ہوں میری قوم مجھے ستا رہی ہے۔ میرے ساتھ انہوں نے یہ کیا یہ کیا اب لمبا قصہ سنانا شروع کیا تو کسی طرح ختم ہی نہیں کرتا نیند کا سارا وقت اسی میں چلا گیا اور حضرت ذوالکفل دن رات بس صرف اسی وقت ذرا سی دیر کے لئے سوتے تھے۔ آپ نے فرمایا اچھا شام کو آنا میں تمہارا انصاف کر دوں گا اب شام کو آپ جب فیصلے کرنے لگے ہر طرف اسے دیکھتے ہیں لیکن اس کا کہیں پتہ نہیں یہاں تک کہ خود جا کر ادھر ادھر بھی تلاش کیا مگر اسے نہ پایا۔

دوسری صبح کو بھی وہ نہ آیا پھر جہاں آپ دوپہر کو دو گھڑی آرام کرنے کے ارادے سے لیٹے جو یہ خبیث آ گیا اور دروازہ ٹھوکنے لگا آپ نے کھول دیا اور فرمانے لگے میں نے تو تم سے شام کو آنے کو کہا تھا، منتظر رہا لیکن تم نہ آئے۔ وہ کہنے لگا حضرت کیا بتاؤں جب میں نے آپ کی طرف آنے کا ارادہ کیا تو وہ کہنے لگے تم نہ جاؤ ہم تمہارا حق ادا کر دیتے ہیں میں رک گیا پھر انہوں نے اب انکار کر دیا اور بھی کچھ لمبے چوڑے واقعات بیان کرنے شروع کر دئے اور آج کی نیند بھی کھوئی اب شام کو پھر انتظار کیا لیکن نہ اسے آنا تھا نہ آیا۔ تیسرے دن آپ نے آدمی مقرر کیا کہ دیکھو کوئی دروازے پر نہ آنے پائے مارے نیند کے میری حالت غیر ہو رہی ہے آپ ابھی لیٹے ہی تھے جو وہ مردود پھر آ گیا چوکیدار نے اسے روکا یہ ایک طاق میں سے اندر گھس گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا آپ نے اٹھ کر پہرے دار سے کہا کہ دیکھو میں نے تمہیں ہدایت کر دی تھی۔

پھر بھی آپ نے دروازے کے اندر کسی کو آنے دیا اس نے کہا نہیں میری طرف سے کوئی نہیں آیا۔ اب جو غور سے آپ نے دیکھا تو دروازے کو بند پایا۔ اور اس شخص کو اندر موجود پایا۔ آپ پہچان گئے کہ یہ شیطان ہے اس وقت شیطان نے کہا اے ولی اللہ میں تجھ سے ہارا نہ تو نے رات کا قیام ترک کیا نہ تو اس نوکر پر ایسے موقعہ پر غصے ہوا پس اللہ نے ان کا نام ذوالکفل رکھا۔ اس لئے کہ جن باتوں کی انہوں نے کفالت لی تھیں انہیں پورا کر دکھایا۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی کچھ تغیر کے ساتھ یہ قصہ مروی ہے اس میں ہے کہ بنو اسرائیل کے ایک قاضی نے بوقت مرگ کہا تھا کہ میرے بعد میرا عہدہ کون سنبھالتا ہے؟ اس نے کہا میں چنانچہ ان کا نام ذوالکفل ہوا اس میں ہے کہ شیطان جب ان کے آرام کے وقت آیا پہرے والوں نے روکا اس نے اس قدر غل مچایا کہ آپ جاگ گئے دوسرے دن بھی یہی کیا تیسرے دن بھی یہی کیا اب آپ اس کے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہوئے کہ میں تیرے ساتھ چل کر تیرا حق دلواتا ہوں لیکن راستے میں سے وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

حضرت اشعری نے منبر پر فرمایا کہ ذوالکفل نبی نہ تھا بنو اسرائیل کا ایک صالح شخص تھا جو ہر روز سو نمازیں پڑھتا تھا اس کے بعد انہوں نے اس قسم کی عبادتوں کا ذمہ اٹھایا۔ اس لئے انہیں ذوالکفل کہا گیا۔ ایک منقطع روایت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ منقول ہے۔ ایک غریب حدیث مسند امام بن حنبل میں ہے اس میں کفل کا ایک واقعہ بیان ہے ذوالکفل نہیں کہا گیا۔ ممکن ہے یہ کوئی اور صاحب ہوں۔

واقعہ اس حدیث میں یہ ہے کہ کفل نامی ایک شخص تھا جو کسی گناہ سے بچتا نہ تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک عورت کو ساٹھ دینار دے کر بدکاری کے لئے آمادہ کیا جب اپنا ارادہ پورا کرنے کے لئے تیار ہوا تو وہ عورت رونے اور کانپنے لگی۔ اس نے کہا میں نے تجھ سے کوئی زبردستی تو کی نہیں پھر رونے اور کانپنے کی وجہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے ایسی کوئی نافرمانی آج تک اللہ تعالیٰ کی نہیں کی۔ اس وقت میری محتاجی نے مجھے یہ برا دن دکھایا ہے۔ کفل نے کہا تو ایک گناہ پر اس قدر پریشان ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے تو نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ اسی وقت اسے چھوڑ کر اس سے الگ ہو گیا اور کہنے لگا جا یہ دینار میں نے تجھے بخشے۔ قسم اللہ کی آج سے میں کسی قسم کی اللہ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ اللہ کی شان اسی رات اس کا انتقال ہوتا ہے۔ صبح لوگ دیکھتے ہیں کہ اس کے دروازے پر قدرتی حروف سے لکھا ہوا تھا کہ اللہ نے کفل کو بخش دیا۔

حضرت ذوالکفل علیہ اسلام کی حیات اور وفات

حضرت ذوالکفل علیہ اسلام بعثت کے بعد مسلسل تبلیغ دین کر رہے تھے کہ داعی اجل آ پہنچا اور آپ نے لبیک کہہ کر ملکِ بقا کی راہ لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مورخ طبری نے آپ علیہ اسلام کی عمر ۷۵ سال تحریر کی ہے۔ ۹۵ سال بھی کئی علماء تاریخ نے لکھی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت یونس علیہ السلام کی فضیلت کا بیان

بخاری مسلم میں حدیث ہے کہ کسی بندے کو یہ لائق نہیں کہ وہ کہے میں یونس بن متی سے افضل ہوں۔ یہ نام ممکن ہے آپ کی والدہ کا ہو اور ممکن ہے والد کا ہو۔ یہ بھاگ کر مال واسباب سے لدی ہوئی کشتی پر سوار ہو گئے۔ وہاں قرعہ اندازی ہوئی اور یہ مغلوب ہو گئے کشتی کے چلتے ہی چاروں طرف سے موجیں اٹھیں اور سخت طوفان آیا۔ یہاں تک کہ سب کو اپنی موت کا اور کشتی کے ڈوب جانے کا یقین ہو گیا۔ سب آپس میں کہنے لگے کہ قرعہ ڈالو جس کے نام کا قرعہ نکلے اسے سمندر میں ڈال دو تا کہ سب بچ جائیں اور کشتی اس طوفان سے چھوٹ جائے۔ تین دفعہ قرعہ اندازی ہوئی اور تینوں مرتبہ اللہ کے پیارے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کا ہی نام نکلا۔ اہل کشتی آپ کو پانی میں بہانا نہیں چاہتے تھے لیکن کیا کرتے بار بار کی قرعہ اندازی پر بھی آپ کا نام نکلتا رہا اور خود آپ کپڑے اتار کر باوجود ان لوگوں کے روکنے کے سمندر میں کود پڑے۔

اس وقت بحر اخضر کی ایک بہت بڑی مچھلی کو جناب باری کا فرمان سرزد ہوا کہ وہ دریاؤں کو چیرتی پھاڑتی جائے اور حضرت یونس کو نگل لے لیکن نہ تو ان کا جسم زخمی ہو نہ کوئی ہڈی ٹوٹے۔ چنانچہ اس مچھلی نے پیغمبر اللہ کو نگل لیا اور سمندروں میں چلنے پھرنے لگی۔ جب حضرت یونس پوری طرح مچھلی کے پیٹ میں جا چکے تو آپ کو خیال گذرا کہ میں مر چکا ہوں لیکن جب ہاتھ پیروں کو حرکت دی اور ہلے جلے تو زندگی کا یقین کر کے وہیں کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے پروردگار میں نے تیرے لئے اس جگہ مسجد بنائی ہے جہاں کوئی نہ پہنچا ہوگا۔

تین دن یا سات دن یا چالیس دن ایک ایک دن سے بھی کم یا صرف ایک رات تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اگر یہ ہماری پاکیزگی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے، یعنی جبکہ فراخی اور کشادگی اور امن وامان کی حالت میں تھے اس وقت ان کی نیکیاں اگر نہ ہوتیں ایک حدیث بھی اس قسم کی ہے جو عنقریب بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ابن عباس کی حدیث میں ہے آرام اور راحت کے وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو وہ سختی اور تنگی کے وقت تمہاری مدد کرے گا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر یہ پابند نماز نہ ہوتے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر مچھلی کے پیٹ میں نماز نہ پڑھتے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر یہ (لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ 21-الانبياء: 87) کے ساتھ ہماری تسبیح نہ کرتے چنانچہ قرآن کریم کی اور آیتوں میں ہے کہ اس نے اندھیروں میں یہی کلمات کہے اور ہم نے اس کی دعا قبول فرما کر اسے غم سے نجات دی اور

اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔

دعائے یونس علیہ السلام کا عرش الٰہی کے گرد گھومنے کا واقعہ

ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت یونس نے جب مچھلی کے پیٹ میں ان کلمات کو کہا تو یہ دعا عرش اللہ کے اردگرد منڈلانے لگی اور فرشتوں نے کہا اللہ یہ آواز تو کہیں بہت ہی دور کی ہے لیکن اس آواز سے ہمارے کان آشنا ضرور ہیں۔ اللہ نے فرمایا اب بھی پہچان لیا یہ کس کی آواز ہے؟ انہوں نے کہا نہیں پہچانا فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے فرشتوں نے کہا وہی یونس جس کے نیک اعمال اور مقبول دعائیں ہمیشہ آسمان پر چڑھتی رہتی تھیں؟ اللہ اس پر تو ضرور رحم فرما اس کی دعا قبول کر وہ تو آسانیوں میں بھی تیرا نام لیا کرتا تھا۔ اسے بلا سے نجات دے۔ اللہ نے فرمایا ہاں میں اسے نجات دوں گا۔

چنانچہ مچھلی کو حکم ہوا کہ میدان میں حضرت یونس کو اگل دے اور اس نے اگل دیا اور وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی نحیفی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے چھاؤں کے لئے کدو کی بیل اگادی اور ایک جنگلی بکری کو مقرر کر دیا جو صبح شام ان کے پاس آجاتی تھی اور یہ اس کا دودھ پی لیا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت سے یہ واقعات مرفوع احادیث سے بیان ہو چکے ہیں۔ ہم نے انہیں اس زمین میں ڈال دیا جہاں سبزہ روئیدگی گھاس کچھ نہ تھا۔ دجلہ کے کنارے یا یمن کی سرزمین پر یہ لادے گئے تھے۔ وہ اس وقت کمزور تھے جیسے پرندوں کے بچے ہوتے ہیں۔ یا بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے۔ یعنی صرف سانس چل رہا تھا اور طاقت ہلنے جلنے کی بھی نہ تھی۔ یقطین کدو کے درخت کو بھی کہتے ہیں اور ہر اس درخت کو جس کا تنہ نہ ہو یعنی بیل ہو اور اس درخت کو بھی جس کی عمر ایک سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ کدو میں بہت سے فوائد ہیں یہ بہت جلد اگتا اور بڑھتا ہے اس کے پتوں کا سایہ گھنا اور فرحت بخش ہوتا ہے کیونکہ وہ بڑے بڑے ہوتے ہیں اور اس کے پاس مکھیاں نہیں آتیں۔ یہ غذا کا کام دے جاتا ہے اور چھلکے اور گودے سمیت کھایا جاتا ہے۔

کدو شریف کی پسند کا واقعہ

صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو یعنی گھیا بہت پسند تھا اور برتن میں سے چن چن کر اسے کھاتے تھے۔ پھر انہیں ایک لاکھ بلکہ زیادہ آدمیوں کی طرف رسالت کے ساتھ بھیجا گیا۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس سے پہلے آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے ہی آپ اس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ دونوں قولوں سے اس طرح تضاد اٹھ سکتا ہے کہ پہلے بھی ان کی طرف بھیجے گئے تھے اب دوبارہ بھی ان ہی کی طرف بھیجے گئے اور وہ سب ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی۔

حضرت امام قاضی ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو بہت پسند تھا تو اگر کسی دوسرے نے کہہ دیا کہ مجھے پسند نہیں تو وہ کافر ہو گیا۔ (تفسیر روح البیان جلد 2 صفحہ 489)

امام بغوی کہتے ہیں مچھلی کے پیٹ سے نجات پانے کے بعد دوسری قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ یہاں ادمنی میں بلکہ کے ہے اور وہ ایک لاکھ تیس ہزار یا اس سے بھی کچھ اوپر۔ یا ایک لاکھ چالیس ہزار سے بھی زیادہ یا ستر ہزار سے بھی زیادہ یا ایک لاکھ دس ہزار اور ایک غریب مرفوع حدیث کی رو سے ایک لاکھ بیس ہزار تھے۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسانی اندازہ ایک لاکھ سے زیادہ ہی کا تھا۔

امام ابن جریر کا یہی مسلک ہے اور یہی مسلک ان کا آیت (اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَةً 74) 2-البقرة:74) اور آیت (اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً 77) 4-النسآء : 77) اور آیت (اَوۡ اَدۡنٰى) 53-النجم:9) میں ہے یعنی اس سے کم نہیں اس سے زائد ہے۔ پس قوم یونس سب کی سب مسلمان ہوگئی حضرت یونس کی تصدیق کی اور اللہ پر ایمان لے آئے ہم نے بھی ان کے مقررہ وقت یعنی موت کی گھڑی تک دنیوی فائدے دئے اور آیت میں ہے کسی بستی کے ایمان نے انہیں (عذاب آ چکنے کے بعد) نفع نہیں دیا سوائے قوم یونس کے وہ جب ایمان لائے تو ہم نے ان پر سے عذاب ہٹا لئے اور انہیں ایک معیاد معین تک بہرہ مند کیا۔

دعائے یونس علیہ السلام کی قبولیت کا مقام خاص

سید الانبیاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مسند احمد ترمذی وغیرہ میں ہے حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں مسجد میں گیا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں تھے۔ میں نے سلام کیا آپ نے مجھے بغور دیکھا اور میرے سلام کا جواب نہ دیا میں نے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آ کر شکایت کی آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا ان سے کہا کہ آپ نے ایک مسلمان بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا؟ آپ نے فرمایا نہ یہ آئے نہ انہوں نے سلام کیا نہ یہ کہ میں نے انہیں جواب نہ دیا ہو۔ اس پر میں نے قسم کھائی تو آپ نے بھی میرے مقابلے میں قسم کھالی پھر کچھ خیال کر کے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توبہ استغفار کیا اور فرمایا ٹھیک ہے۔ آپ نکلے تھے لیکن میں اس وقت اپنے دل سے وہ بات کہہ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سے سنی تھی۔ واللہ مجھے جب وہ یاد آتی ہے میری آنکھوں پر ہی نہیں بلکہ میرے دل پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں آپ کو اس کی خبر دیتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر کیا ہی تھا جو ایک اعرابی آ گیا اور آپ کو اپنی باتوں میں مشغول کر لیا یہ وقت گزرتا گیا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھے اور مکان کی طرف تشریف لے چلے میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا جب آپ گھر کے قریب پہنچ گئے مجھے ڈر لگا کہ کہیں آپ اندر نہ چلے جائیں اور میں رہ جاؤں تو میں نے زور زور سے پاؤں مار مار کر چلنا شروع کیا میری جوتیوں کی آہٹ سن کر آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ابو اسحاق؟ میں نے کہا جی ہاں یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں وہ دعا حضرت ذالنون علیہ السلام کی تھی جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یعنی (لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ‌ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ) 21-الانبیاء : 87) سنو جو بھی مسلمان جس کسی معاملے میں جب بھی اپنے رب سے یہ دعا کرے اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول

فرماتا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام والی دعا کی قبولیت عامہ کا واقعہ

ابن ابی حاتم میں ہے جو بھی حضرت یونس علیہ السلام اس دعا کے ساتھ دعا کرے اس کی دعا ضرور قبول کی جائے۔ ابوسعید فرماتے ہیں اسی آیت میں اس کے بعد ہی فرمان ہے ہم اسی طرح مؤمنوں کو نجات دیتے ہیں۔

ابن جریر میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ کا وہ نام جس سے وہ پکارا جائے تو قبول فرمالے اور جو مانگا جائے وہ عطا فرمائے وہ حضرت یونس بن متیٰ کی دعا میں ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ حضرت یونس کے لئے ہی خاص تھی یا تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے فرمایا ان کے لئے خاص اور تمام مسلمانوں کے لئے عام جو بھی یہ دعا کرے۔ کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اسے غم سے چھڑایا اور اسی طرح ہم مومنوں کو چھڑاتے ہیں۔ پس جو بھی اس دعا کو کرے اس سے اللہ کا قبولیت کا وعدہ ہو چکا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کثیر بن سعید فرماتے ہیں میں نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ابوسعید اللہ کا وہ اسم اعظم کہ جب اس کے ساتھ اس سے دعا کی جائے اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اور جب اس کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرمائے کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ برادرزادے کیا تم نے قرآن کریم میں اللہ کا یہ فرمان نہیں پڑھا؟ پھر آپ نے یہی دو آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا بھتیجے یہی اللہ کا وہ اسم اعظم ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے وہ قبول فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ اس سے مانگا جائے وہ عطا فرماتا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے عذاب توبہ کے سبب دور ہو گیا

کسی بستی کے تمام باشندے کسی نبی پر کبھی ایمان نہیں لائے۔ یا تو سب نے ہی کفر کیا یا اکثر نے۔ سورہ یٰسین میں فرمایا بندوں پر افسوس ہے ان کے پاس جو رسول آئے انہوں نے ان کا مذاق اڑایا۔ ایک آیت میں ہے ان سے پہلے رسول آئے، انہیں لوگوں نے جادوگر یا مجنون کا ہی خطاب دیا۔ تجھ سے پہلے جتنے رسول آئے سب کو ان کی قوم کے سرکشوں ساہوکاروں نے یہی کہا کہ ہم نے تو اپنے بڑوں کو جس لکیر پر پایا اسی کے فقیر بنے رہیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھ پر انبیاء پیش کئے گئے کسی نبی کے ساتھ تو لوگوں کا ایک گروہ تھا۔ کسی کے ساتھ صرف ایک آدمی کوئی محض تنہا۔ پھر آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کی کثرت کا بیان کیا۔ پھر اپنی امت کا، اس سے بھی زیادہ ہونا۔ زمین کے مشرق مغرب کی سمت کو ڈھانپ لینا بیان فرمایا۔ الغرض تمام انبیاء میں سے کسی کی ساری امت نے انہیں نبی نہیں مانا۔ سوائے اہل نینویٰ کے جو حضرت یونس علیہ السلام کی امت کے لوگ تھے۔ یہ بھی اس وقت جب نبی علیہ السلام کی زبان سے عذاب کی خبر معلوم ہوگئی۔ پھر اس کے ابتدائی آثار بھی دیکھ لیے۔ ان کے نبی علیہ السلام انہیں چھوڑ کر چلے بھی گئے۔ اس وقت یہ

سب کے سارے اللہ کے سامنے جھک گئے اس سے فریاد شروع کی، اس کی جناب میں عاجزی اور گریہ وزاری کرنے لگے، اپنی
عاجزی ظاہر کرنے لگے۔ اور دامن رحمت سے لپٹ گئے۔

سارے کے سارے میدان میں نکل کھڑے ہوئے اپنی بیویوں، بچوں اور جانوروں کو بھی ساتھ اٹھا کر لے گئے۔ اور آنسوؤں کی جھڑیاں لگا کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے دعائیں مانگنے لگے کہ یارب عذاب ہٹا لے۔ رحمت رب جوش میں آئی، پروردگار نے ان سے عذاب ہٹالیا اور دنیا کی رسوائی کے عذاب سے انہیں بچالیا۔ اور ان کی عمر تک کی انہیں مہلت دے دی اور اس دنیا کا فائدہ انہیں پہنچایا۔ یہاں جو فرمایا کہ دنیا کا عذاب ان سے ہٹالیا۔ اس سے بعض نے کہا ہے کہ اُخروی عذاب دور نہیں۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں اس لے کے دوسری آیت میں ہے (فَآمَنُوا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ١٤٨) 37-الصافات:148) وہ ایمان لائے اور ہم نے انہیں زندگی کا فائدہ دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ ایمان لائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایمان آخرت کے عذاب سے نجات دینے والا ہے۔

چالیس دن رات تک توبہ میں رونے والی قوم کا واقعہ

حضرت قتادہ فرماتے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی بستی اہل کفر کا عذاب دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا ان کے لیے نفع بخش ثابت نہیں ہوا۔ سوائے قوم یونس علیہ السلام کی قوم کے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے نبی ان میں سے نکل گئے اور انہوں نے خیال کرلیا کہ اب اللہ کا عذاب آیا چاہتا ہے، اس وقت توبہ استغفار کرنے لگے ٹاٹ پہن کر خشوع وخضوع سے ملیے کچیلے میدان میں آ کھڑے ہوئے بچوں کو ماؤں سے دور کردیا۔ جانوروں کے تھنوں سے ان کے بچوں کو الگ کردیا۔ اب جو رونا دھونا اور فریاد شروع کی تو چالیس دن رات اسی طرح گزار دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی سچائی دیکھ لی۔ ان کی توبہ وندامت قبول فرمائی اور ان سے عذاب دور کردیا، یہ لوگ موصل کے شہر نینویٰ کے رہنے والے تھے۔ فلولا کی فهلا قرأت بھی ہے ان کے سروں پر عذاب رات کی سیاہی کے ٹکڑوں کی طرح گھوم رہا تھا ان کے علماء نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ جنگل میں نکل کھڑے ہو اور اللہ سے دعا کرو کہ وہ ہم سے اپنے عذاب کو دور کردے اور یہ کہو یاحی حین لاحی یاحی محیی الموتی یاحی لا الہ الا انت ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عبادت دو ماہ کے قیام کے ساتھ ہونے کا واقعہ

حضرت سلمان علیہ السلام کو ایسی بے مثال حکومت اور سلطنت حاصل تھی کہ صرف ساری دنیا پر ہی نہیں بلکہ جنات اور طیور اور ہوا پر بھی اُن کی حکومت تھی۔۔۔ مگر ان سب سامانوں کے باوجود موت سے ان کو بھی نجات نہ تھی اور یہ موت تو مقررہ وقت پر آنی تھی بیت المقدس کی تعمیر جو حضرت داؤد علیہ السلام نے شروع کی ملک شام میں جس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیمہ گاڑا گیا تھا ٹھیک اسی جگہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی مگر عمارت پوری ہونے سے قبل ہی حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کا وقت آن پہنچا۔ اور آپ نے اپنے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس عمارت کی تکمیل کی وصیت فرمائی

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں کی جماعت کو اس کام پر لگایا اور عمارت کی تعمیر ہوتی رہی۔ جنات کی طبیعت میں سرکشی غالب تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوف سے جنات کام کرتے تھے ان کی وفات کا جنات کو علم ہو جائے تو فوراً کام چھوڑ بیٹھیں اور تعمیر رہ جائے یہاں تک کہ آپ کی وفات کا وقت بھی قریب آ گیا اور عمارت مکمل نہ ہو سکی تو آپ نے یہ دعا مانگی کہ الٰہی میری موت جنوں کی جماعت پر ظاہر نہ ہونے پائے تاکہ وہ برابر عمارت کی تکمیل میں مصروف رہیں اور ان سبھوں کو علم غیب کا جو دعویٰ ہے وہ بھی باطل ٹھہر جائے۔

یہ دعا مانگ کر آپ محراب میں داخل ہو گئے اور اپنی عادت کے مطابق اپنی لاٹھی ٹیک کر عبادت میں کھڑے ہو گئے اور اسی حالت میں آپ کی وفات ہو گئی مگر جن مزدور یہ سمجھ کر کہ آپ زندہ کھڑے ہوئے ہیں۔ برابر کام میں مصروف رہا اور عرصہ دراز تک آپ کا اس حالت میں رہنا جنوں کے گروہ کے لیے کچھ باعث حیرت اس لیے نہیں ہوا کہ وہ بارہا دیکھ چکے تھے کہ آپ ایک ایک ماہ بلکہ کبھی کبھی دو دو ماہ برابر عبادت میں کھڑے رہا کرتے تھے۔

یہاں تک کہ بحکم الٰہی دیمک نے آپ کے عصا کو کھا لیا اور عصا گر جانے کے سے آپ کا جسم مبارک زمین پر آ گیا اور اس وقت جنوں کی جماعت اور تمام انسانوں کو پتہ چلا کہ آپ کی وفات ہو گئی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ "پھر جب ہم نے ان (حضرت سلیمان) پر موت کا حکم بھیجا تو جنوں کو ان کی موت دیمک ہی نے بتائی جو ان کے عصا کو کھا رہی تھی پھر جب حضرت سلیمان زمین پر آ گئے تو جناں کی حقیقت کھل گئی اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو وہ اس ذلت کے عذاب میں اتنی دیر تک نہ پڑے رہتے۔ (سورہ سبا) رکوع 2 پارہ 22

ہدہد کی غیر حاضری کے سبب میں پوشیدہ واقعہ

ہدہد کی غیر حاضری کی تھوڑی سی دیر گزری تھی جو وہ آ گیا۔ اس نے کہا کہ اے نبی اللہ جس بات کی آپ کو خبر بھی نہیں میں اس کی ایک نئی خبر لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ میں سبا سے آ رہا ہوں اور پختہ یقینی خبر لایا ہوں۔ ان کے سبا حمیر تھے اور یہ یمن کے بادشاہ تھے۔ ایک عورت ان کی بادشاہت کر رہی ہے اس کا نام بلقیس بنت شرجیل تھا یہ سب کی ملکہ تھی۔ قتادہ کہتے ہیں۔ اس کی ماں جنیہ عورت تھی اس کے قدم کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا اور روایت میں ہے اس کی ماں کا نام رفاعہ تھا ابن جریج کہتے ہیں ان کے باپ کا نام ذی سرخ تھا اور ماں کا نام بلتعہ تھا لاکھوں کا اس کا لشکر تھا۔

اس کی بادشاہی ایک عورت کے ہاتھ میں ہے اسکے مشیر وزیر تین سو بارہ شخص ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ ہزار کی جمعیت ہے اس کی زمین کا نام مارب ہے یہ صنعاء سے تین میل کے فاصلہ پر ہے یہی قول قرین قیاس ہے اس کا اکثر حصہ مملکت یمن ہے واللہ اعلم ہر قسم کا دنیوی ضروری اسباب اسے مہیا ہے اس کا نہایت ہی شاندار تخت ہے جس پر وہ جلوس کرتی ہے۔ سونے سے منڈھا ہوا ہے اور جڑاؤ اور مروارید کی کاریگری اس پر ہوئی ہے۔

ملکہ بلقیس کے تخت کے خدوخال کا بیان

یہ اسی ہاتھ اونچا اور چالیس ہاتھ چوڑا تھا۔ چھ سو عورتیں ہر وقت اس کی خدمت میں کمر بستہ رہتی تھیں اس کا دیوان خاص جس میں یہ تخت تھے بہت بڑا محل تھا بلند و بالا کشادہ اور فراخ پختہ مضبوط اور صاف جس کے مشرقی حصہ میں تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصے میں۔ اسے اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابلہ کے طاق سے غروب ہوتا۔ اہل دربار صبح و شام اس کو سجدہ کرتے۔

راجا پرجا سب آفتاب پرست تھے اللہ کا عابد ان میں ایک بھی نہ تھا شیطان نے برائیاں انہیں اچھی کر دکھائی تھیں اور ان پر حق کا راستہ بند کر رکھا تھا وہ راہ راست پر آتے ہی نہ تھے۔ راہ راست یہ ہے کہ سورج چاند اور ستاروں کی بجائے صرف اللہ ہی کی ذات کو سجدے کے لائق مانا جائے۔ جیسے فرمان قرآن ہے کہ رات دن سورج چاند سب قدرت اللہ کی نشانیاں ہیں۔ تمہیں سورج چاند کو سجدہ نہ کرنا چاہئے سجدہ صرف اسی اللہ کو کرنا چاہئے جو ان سب کا خالق ہے۔

آیت (الا یسجدوا) کی ایک قرأت (الا یا اسجدوا) بھی ہے۔ یا کہ بعد کا منادیٰ محذوف ہے یعنی اے میری قوم خبردار سجدہ اللہ ہی کے لئے کرنا جو آسمان کی زمین کی ہر ہر پوشیدہ چیز سے باخبر ہے۔ خب کی تفسیر پانی اور بارش اور پیداوار سے بھی کی گئی ہے۔ کیا عجب کہ ہدہد کی جس میں یہی صفت تھی یہی مراد ہو۔ اور تمہارے ہر مخفی اور ظاہر کام کو بھی وہ جانتا ہے۔ کھلی چھپی بات اس پر یکساں ہے وہی تنہا معبود برحق ہے وہی عرش عظیم کا رب ہے جس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ چونکہ ہدہد خیر کی طرف بلانے والا ایک اللہ کی عبادت کا حکم دینے والا اس کے سوا غیر کے سجدے سے روکنے والا تھا اسی لئے اس کے قتل کی ممانعت کر دی گئی۔ مسند احمد ابوداؤد ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کا قتل منع فرما دیا۔ چیونٹی شہد کی مکھی ہدہد اور صرد یعنی لٹورا۔

ہدہد کی خبر کے بعد تحقیق شروع ہو گئی

ہدہد کی خبر سنتے ہی حضرت سلیمان نے اس کی تحقیق شروع کر دی کہ اگر یہ سچا ہے تو قابل معافی اور اگر جھوٹا ہے تو قابل سزا ہے۔ اسی سے فرمایا کہ میرا یہ خط بلقیس کو جو وہاں کی فرمانروا ہے دے آ۔ اس خط کو چونچ میں لے کر یا پر سے بندھوا کر ہدہد اڑا۔ وہاں پہنچ کر بلقیس کے محل میں گیا وہ اس وقت خلوت خانہ میں تھی۔ اس نے ایک طاق میں سے وہ خط اسکے سامنے رکھا اور ادب کے ساتھ ایک طرف ہو گیا۔ اسے سخت تعجب معلوم ہوا حیرت ہوئی اور ساتھ ہی کچھ خوف و دہشت بھی ہوئی۔ خط کو اٹھا کر مہر توڑ کر خط کھول کر پڑھا اس کے مضمون سے واقف ہو کر اپنے امراء وزراء سردار اور رؤسا کو جمع کیا اور کہنے لگی کہ ایک باوقعت خط میرے سامنے ڈالا گیا ہے اس خط کا باوقعت ہونا اس پر اس سے بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ ایک جانور اسے لاتا ہے وہ ہوشیاری اور احتیاط سے پہنچاتا ہے۔ سامنے باادب رکھ کر ایک طرف ہو جاتا ہے تو جان گئی تھی کہ یہ خط مکرم ہے اور کسی باعزت شخص کا بھیجا ہوا ہے۔ پھر خط کا مضمون سب کو پڑھ کر سنایا کہ یہ خط حضرت سلیمان کا ہے اور اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا ہے ساتھ ہی مسلمان ہونے اور تابع فرمان بننے کی دعوت ہے۔

اب سب نے پہچان لیا کہ یہ اللہ کے پیغمبر کا دعوت نامہ ہے اور ہم میں سے کسی میں انکے مقابلے کی تاب و طاقت نہیں۔ پھر خط کی بلاغت اختصار اور وضاحت نے سب کو حیران کر دیا یہ مختصر سی عبارت بہت سی باتوں سے سوا ہے۔ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔

علماء کرام کا مقولہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے کسی نے خط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی۔ ایک غریب اور ضعیف حدیث ابن ابی حاتم میں ہے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ نے فرمایا میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں جو مجھ سے پہلے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے بعد کسی نبی پر نہیں اتری میں نے کہا حضور وہ کونسی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا مسجد سے جانے سے پہلے ہی میں تجھے بتا دوں گا اب آپ نکلنے لگے ایک پاؤں مسجد سے باہر رکھ بھی دیا میرے جی میں آیا شاید آپ بھول گئے۔ اتنے میں آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اور روایت میں ہے کہ جب تک یہ آیت نہیں اتری تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا (باسمک اللّٰھم) تحریر فرمایا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا شروع کیا خط کا مضمون صرف اسی قدر تھا کہ میرے سامنے سرکشی نہ کرو مجھے مجبور نہ کرو میری بات مان لو تکبر سے کام نہ لو موحد مخلص مطیع بن کر میرے پاس چلی آؤ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط بلقیس کو ملنے کا واقعہ

بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط انہیں سنا کر ان سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ تم جانتے ہو جب تک تم سے میں مشورہ نہ کر لوں، تم موجود نہ ہو تو میں چونکہ کسی امر کا فیصلہ تنہا نہیں کرتی اس بارے میں بھی تم سے مشورہ طلب کرتی ہوں بتاؤ کیا رائے ہے؟ سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ ہماری جنگی طاقت بہت کچھ ہے اور ہماری طاقت مسلم ہے۔ اس طرف سے تو اطمینان ہے آگے جو آپ کا حکم ہو۔ ہم تابعداری کے لئے موجود ہیں۔ اسمیں ایک حد تک سرداران لشکر نے لڑائی کی طرف اور مقابلے کی طرف رغبت

دی تھی لیکن بلقیس چونکہ سمجھدار عاقبت اندیش تھی اور ہدہد کے ہاتھوں خط کے ملنے کا ایک کھلا معجزہ دیکھ چکی تھی یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ حضرت سلیمان کی طاقت کے مقابلے میں، میں میرا لاؤ لشکر کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

اگر لڑائی کی نوبت آئی تو علاوہ ملک کی بربادی کے میں بھی سلامت نہ رہ سکوں گی اس لئے اس نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے کہا بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی ملک کو فتح کرتے ہیں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اجاڑ دیتے ہیں۔ وہاں کے ذی عزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ سرداران لشکر اور حکمران شہر خصوصی طور پر انکی نگاہوں میں پڑھ جاتے ہیں۔ جناب فاری نے اسکی تصدیق فرمائی کہ فی الواقع یہ صحیح ہے وہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اس کی بعد اسنے جو ترکیب سوچی کہ ایک چال چلے اور حضرت سلیمان سے موافقت کر لے صلح کر لے وہ اس نے انکے سامنے پیش کی کہا کہ اس وقت تو میں ایک گراں بہا تحفہ انہیں بھیجتی ہوں دیکھتی ہوں اس کے بعد وہ میرے قاصدوں سے کیا فرماتے ہیں۔

بہت ممکن ہے کہ وہ اسے قبول فرمالیں اور ہم آئندہ بھی انہیں یہ رقم بطور جزیے کے بھیجتے رہیں اور انہیں ہم پر چڑھائی کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اسلام کی قبولیت میں اسی طرح اس نے ہدیے بھیجنے میں نہایت دانائی سے کام لیا۔ وہ جانتی تھی کہ روپیہ پیسہ وہ چیز ہے فولاد کو بھی نرم کر دیتا ہے۔ نیز اسے یہ بھی آزمانا تھا کہ دیکھیں وہ ہمارے اس مال کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔؟ اگر قبول کر لیا تو سمجھ لو کہ وہ ایک بادشاہ ہیں پھر ان سے مقابلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر واپس کر دیا تو انکی نبوت میں کوئی شک نہیں پھر مقابلہ سراسر بیسود بلکہ مضر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں سونے کی اینٹوں کے تحائف

بلقیس نے بہت ہی گراں قدر تحفہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ سونا موتی جواہر وغیرہ سونے کی کثیر مقدار اینٹیں سونے کے برتن وغیرہ۔ بعض کے مطابق کچھ بچے عورتوں کے لباس میں اور کچھ عورتیں لڑکوں کے لباس میں بھیجیں اور کہا کہ اگر وہ انہیں پہچان لیں تو اسے نبی مان لینا چاہیے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور لڑکے اور لڑکیوں کی پہچان کا واقعہ

جب یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے سب کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ لڑکیوں نے برتن سے پانی بہا کر اپنے ہاتھ دھوئے اور لڑکوں نے برتن میں ہی ہاتھ ڈال کر پانی لیا۔ اس سے آپ نے دونوں کو الگ الگ پہچان کر علیحدہ کر دیا کہ یہ لڑکیاں ہیں اور یہ لڑکے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس طرح پہچانا کہ لڑکیوں نے تو پہلے اپنے ہاتھ کے اندرونی حصہ کو دھویا اور لڑکوں نے انکے برخلاف بیرونی حصے کو پہلے دھویا یہ بھی مروی ہے کہ ان میں سے ایک جماعت نے اس کے برخلاف ہاتھ کی انگلیوں سے شروع کر کے کہنی تک لے گئے۔ ان میں سے کسی میں نفی کا امکان نہیں، واللہ اعلم۔ یہ بھی مذکور ہے کہ بلقیس نے ایک برتن بھیجا تھا کہا اسے ایسے پانی سے پر کر دو جو نہ زمین کا ہو نہ آسمان کا تو آپ نے گھوڑے دوڑائے اور ان کے پسینوں سے وہ برتن بھر دیا۔ اسنے کچھ خرمہرے اور لڑی بھیجی تھی آپ نے انہیں لڑی میں پرو دیا۔ یہ سب اقوال عموماً بنی اسرائیل کی روایتوں سے لئے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ البتہ

بظاہر الفاظ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس رانی کیے تحفے کی طرف مطلقاً التفات ہی نہیں کیا۔ اور اسے دیکھتے ہی فرمایا کہ کیا تم مجھے مالی رشوت دے کر شرک پر باقی رہنا چاہتے ہو؟ یہ محض ناممکن ہے مجھے رب نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ ملک، مال، لاؤ لشکر سب میرے پاس موجود ہے۔ تم سے ہر طرح بہتر حالت میں میں ہوں فالحمدللہ۔ تم ہی اپنے اس ہدیے سے خوش رہو یہ کام تم ہی کو سونپا کہ مال سے راضی ہو جاؤ اور تحفہ تمہیں جھکا دے یہاں تو دو ہی چیزیں ہیں یا شرک چھوڑ دیا تلوار روکو۔ یہ بھی کہا گیا ہے اس سے پہلے کہ اسکے قاصد پہنچیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا اور انہوں نے سونے چاندی کے ایک ہزار محل تیار کر دئے۔ جس وقت قاصد پائے تخت میں پہنچے ان محلات کو دیکھ کر ہوش جاتے رہے اور کہنے لگے یہ بادشاہ تو ہمارے اس تحفے کو اپنی حقارت سمجھے گا۔ یہاں تو سونا مٹی کی وقعت بھی نہیں رکھتا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بادشاہوں کو یہ جائز ہے کہ بیرونی لوگوں کے لیے کچھ تکلفات کرے اور قاصدوں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرے۔ پھر آپ نے قاصدوں سے فرمایا کہ یہ ہدیے انہیں کو واپس کر دو اور ان سے کہدو مقابلے کی تیاری کر لیں یا درکھو میں وہ لشکر لے کر چڑھائی کروں گا کہ وہ سامنے آ ہی نہیں سکتے۔ انہیں ہم سے جنگ کرنے کی طاقت ہی نہیں۔

ہم انہیں انکی سلطنت سے بیک بنی و دو گوش ذلت و حقارت کے ساتھ نکال دیں گے ان کے تخت و تاج کو روندیں گے۔ جب قاصد اس تحفے کو واپس لے پہنچے اور شاہی پیغام بھی سنا دیا۔ بلقیس کو آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا فوراً خود بھی اور تمام لشکر اور رعایا مسلمان ہو گئے اور اپنے لشکروں سمیت وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے جب آپ نے اس کا قصد معلوم کیا تو بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

بلقیس کو دوبارہ پیغام بھیجنے کا واقعہ

جب قاصد پہنچتا ہے اور بلقیس کو دوبارہ پیغام نبوت پہنچاتا ہے تو وہ سمجھ لیتی ہے اور کہتی ہے واللہ یہ سچے پیغمبر ہیں ایک پیغمبر کا مقابلہ کر کے کوئی پنپ نہیں سکتا۔ اسی وقت دوبارہ قاصد بھیجا کہ میں اپنی قوم کے سرداروں سمیت حاضر خدمت ہوتی ہوں تا کہ خود آپ سے مل کر دینی معلومات حاصل کروں اور آپ سے اپنی تشفی کر لوں یہ کہلوا کر یہاں اپنا نائب ایک کو بنایا۔ سلطنت کے انتظامات اس کے سپرد کیے اپنا لاجواب بیش قیمت جڑاؤ تخت جو سونے کا تھا سات محلوں میں مقفل کیا اور اپنے نائب کو اسکی حفاظت کی خاص تاکید کی اور بارہ ہزار سردار جن میں سے ہر ایک کے تحت ہزاروں آدمی تھے۔ اپنے ساتھ لئے اور ملک سلیمان کی طرف چل دی۔ جنات قدم قدم اور دم دم کی خبریں آپ کو پہنچاتے رہتے تھے۔

بلقیس کے تخت کا پلک بھر میں پہنچنے کا واقعہ

جب آپکو معلوم ہوا کہ وہ قریب پہنچ چکی ہے تو آپ نے اپنے دربار میں جس میں جن و انس سب موجود تھے فرمایا کوئی ہے جو اسکے تخت کو اسکے پہنچنے سے پہلے یہاں پہنچا دے؟ کیونکہ جب وہ یہاں آ جائیں گی اور اسلام میں داخل ہو جائیں پھر اس کا مال ہم پر حرام ہوگا۔ یہ سن کر ایک طاقتور سرکش جن جس کا نام کوزن تھا اور جو مثل ایک بڑے پہاڑ کے تھا بول پڑا کہ اگر آپ مجھے حکم دیں

آپ دربار برخواست کریں اس سے پہلے میں لا دیتا ہوں۔ آپ لوگوں کے فیصلے کرنے اور جھگڑے چکانے اور انصاف دینے کو صبح سے دوپہر تک دربار عام میں تشریف رکھا کرتے تھے۔ اس نے کہا میں اس تخت کے اٹھالانے کی طاقت رکھتا ہوں اور ہوں بھی امانت دار۔ اس میں کوئی چیز نہیں چراؤں گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں چاہتا ہوں اس سے بھی پہلے میرے پاس وہ پہنچ جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اللہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی تخت کے منگوانے سے عرض یہ تھی کہ اپنے ایک زبردست معجزے کا اور پوری طاقت کا ثبوت بلقیس کو دکھائیں کہ اس کا تخت جسے اس نے سات مقفل مکانوں میں رکھا تھا وہ اس کے آنے سے پہلے دربار سلیمانی میں موجود ہے۔ (وہ غرض نہ تھی جو اوپر روایت قتادہ میں بیان ہوئی) حضرت سلیمان کے اس جلدی کے تقاضے کو سن کر جس کے پاس کتابی علم تھا وہ بولا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ یہ آصف تھے حضرت سلیمان کے کاتب تھے ان کے باپ کا نام برخیا تھا یہ ولی اللہ تھے اسم اعظم جانتے تھے۔ پکے مسلمان تھے بنو اسرائیل میں سے تھے مجاہد کہتے ہیں ان کا نام اسطوم تھا۔ بلیخ بھی مروی ہے ان کا لقب ذوالنور تھا۔ عبداللہ لھیعہ کا قول ہے یہ خضر تھے لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ اپنی نگاہ دوڑایئے جہاں تک پہنچے نظر کیجئے ابھی آپ دیکھ ہی رہے ہوں گے کہ میں اسے لا دوں گا۔ پس حضرت سلیمان نے یمن کی طرف جہاں اس کا تخت تھا نظر کی ادھر یہ کھڑے ہو کر وضو کر کے دعا میں مشغول ہوئے اور کہا دعا (یا ذالجلال والاکرام یا فرمایا یا الھنا والہ کل شی الھا واحدا لا الہ الاانت ائتنی بعرشھا) اسی وقت تخت بلقیس سامنے آ گیا۔ ابھی ذرا سی دیر میں یمن سے بیت المقدس میں وہ تخت پہنچ گیا اور لشکر سلیمان کے دیکھتے ہوئے زمین میں سے نکل آیا۔

جب سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنے سامنے موجود دیکھ لیا تو فرمایا یہ صرف میرے رب کا فضل ہے کہ وہ مجھے آزمالے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری؟ جو شکر کرے وہ اپنا ہی نفع کرتا ہے اور جو ناشکری کرے وہ اپنا نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی بندگی سے بے نیاز ہے اور خود بندوں سے بھی اس کی عظمت کسی کی محتاج نہیں۔ جیسے فرمان ہے آیت (من عمل صالحا فلنفسہ الخ)، جو نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے اور جو برائی کرتا ہے وہ اپنے لئے۔ اور جگہ ہے جو نیکی کرتے ہیں وہ اپنے لئے ہی اچھائی جمع کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا تم اور روئے زمین کے سب انسان بھی اگر اللہ سے کفر کرنے لگو تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑو گے۔ وہ غنی ہے اور حمید ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو اگر تمہارے سب اگلے پچھلے انسان جنات بہتر سے بہتر اور نیک بخت سے نیک بخت ہو جائیں تو میرا ملک بڑھ نہیں جائے گا اور اگر سب کے سب بد بخت اور برے بن جائیں تو میرا ملک گھٹ نہیں جائے گا یہ تو صرف تمہارے اعمال ہیں جو جمع ہونگے اور تم کو ہی ملیں گے جو بھلائی پائے تو اللہ کا شکر کرے اور جو برائی پائے تو صرف اپنے نفس کو ہی ملامت کرے۔

راجح یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت سلیمان کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا ہے جو کتب سماویہ کا عالم اور اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر سے واقف تھا، اس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں۔ آپ کسی طرف دیکھئے، قبل اس کے آپ ادھر سے نگاہ ہٹائیں تخت آپ کے سامنے رکھا ہوگا۔

یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے، جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لیے حضرت سلیمان پر بھی اس کی شکر گزاری عائد ہوئی۔

بلقیس کا تخت آنے کے بعد

اس تخت کے آجانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس میں قدرے تغیر و تبدل کر ڈالو۔ پس کچھ ہیرے جواہر بدل دیئے گئے۔ رنگ و روغن میں بھی تبدیلی کر دی گئی نیچے اور اوپر سے بھی کچھ بدل دیا گیا۔ کچھ کمی زیادتی بھی کر دی گئی تاکہ بلقیس کی آزمائش کریں کہ وہ اپنے تخت کو پہچان لیتی ہے یا نہیں؟ جب وہ پہنچی تو اس سے کہا گیا کہ کیا تیرا تخت یہ ہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہو بہو ایسا ہی جیسا ہے۔ اس جواب سے اس کی دور بینی عقلمندی زیرکی دانائی ظاہر ہے کہ دونوں پہلو سامنے رکھے دیکھا کہ تخت بالکل میرے تخت جیسا ہے مگر بظاہر اس کا یہاں پہنچنا ناممکن ہے تو اس نے بیچ کی بات کہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اس سے پہلے ہی ہمیں علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے بلقیس کو اللہ کے سوا اوروں کی عبادت نے اور اس کے کفر نے توحید اللہ سے روک دیا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا اس سے پہلے کافروں میں سے تھے۔ لیکن پہلے قول کی تائید اس سے بھی ہو سکتی ہے کہ ملکہ نے قبول اسلام کا اعلان محل میں داخل ہونے کے بعد کیا ہے۔ جیسے عنقریب بیان ہوگا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے ہاتھوں ایک محل بنوایا تھا جو صرف شیشے اور کانچ کا تھا اور اس کے نیچے پانی سے لباب حوض تھا شیشہ بہت ہی صاف شفاف تھا۔ آنے والا شیشے کا امتیاز نہیں کر سکتا تھا بلکہ اسے یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ پانی ہی پانی ہے۔ حالانکہ اس کے اوپر شیشے کا فرش تھا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس صنعت سے غرض حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ تھی کہ آپ اس سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ سنا تھا کہ اس کی پنڈلیاں بہت خراب ہیں اور اس کے ٹخنے چوپایوں کے کھروں جیسے ہیں اس کی تحقیق کے لئے آپ نے ایسا کیا تھا۔ جب وہ یہاں آنے لگی تو پانی کے حوض کو دیکھ کر اپنے پائنچے اٹھائے آپ نے دیکھ لیا کہ جو بات مجھے پہنچائی گئی ہے غلط ہے۔

اس کی پنڈلیاں اور پیر بالکل انسانوں جیسے ہی ہیں۔ کوئی نہ بات یا بد صورتی نہیں ہے چونکہ بےنکاح تھی پنڈلیوں پر بال بڑے بڑے تھے۔ آپ نے استرے سے منڈوا ڈالنے کا مشورہ دیا لیکن اس نے کہا اس کی برداشت مجھ سے نہ ہو سکے گی۔ آپ نے جنوں سے کہا کہ کوئی اور چیز بناؤ جس سے یہ بال جاتے رہیں۔ پس انہوں نے ہڑتال پیش کی یہ دوا سب سے پہلے حضرت سلیمانؑ علیہ

السلام کے حکم سے ہی تلاش کی گئی۔ محل میں بلانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ملک سے اپنے دربار سے اپنی رونق سے اپنے سازوسامان سے اپنے لطف وعیش سے خود اپنے سے بڑی ہستی دیکھ لے اور اپنا جاہ حشم نظروں سے گر جائے جس کے ساتھ ہی تکبر تجبر کا خاتمہ بھی یقینی تھا۔ یہ جب اندر آنے لگی اور حوض کی حد پر پہنچی تو اسے لہلاتا ہوا دریا سمجھ کر پائنچے اٹھائے۔ اس وقت کہا گیا کہ آپ کو غلطی لگی یہ تو شیشہ منڈھا ہوا ہے۔ آپ اسی کے اوپر سے بغیر قدم تر کیئے آ سکتی ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچتے ہی اس کے کان میں آپ نے صدائے توحید ڈالی اور سورج پرستی کی مذمت سنائی۔ اس محل کو دیکھتے ہی اس حقیقت پر نظر ڈالتے ہی دربار کے ٹھاٹھ دیکھتے ہی اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ میرا ملک تو اسکے پاسنگ میں بھی نہیں۔ نیچے پانی ہے اور اوپر شیشہ ہے بیچ میں تخت سلیمانی ہے اور اوپر سے پرندوں کا سایہ ہے جن وانس سب حاضر ہیں اور تابع فرمان۔ جب اسے توحید کی دعوت دی گئی تو بیدینوں کی طرح اس نے بھی زندیقانہ جواب دیا جس سے اللہ کی جناب میں گستاخی لازم آتی تھی۔ اسے سنتے ہی سلیمان علیہ السلام اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور آپ کو دیکھ کر آپ کا سارا لشکر بھی۔ اب وہ بہت ہی نادم ہوگئی ادھر سے حضرت نے ڈانٹا کہ کیا کہہ دیا؟ اسنے کہا مجھ سے غلطی ہوئی۔ اور اسی وقت رب کی طرف جھک گئی اور کہنے لگی اے اللہ میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اب میں حضرت سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئی۔ چنانچہ سچے دل سے مسلمان ہوگئی۔

ابن ابی شیبہ میں یہاں پر ایک غریب اثر ابن عباس سے وارد کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام جب تخت پر متمکن ہوتے تو اس کے پاس کی کرسیوں پر انسان بیٹھتے اور اس کے پاس والی کرسیوں پر جن بیٹھتے پھر ان کے بعد شیاطین بیٹھتے پھر ہوا اس تخت کو لے اڑتی اور معلق تھما دیتی پھر پرندآ کر اپنے پروں سے سایہ کر لیتے پھر آپ ہوا کو حکم دیتے اور وہ پرواز کر کے صبح صبح مہینے بھر کے فاصلے پر پہنچا دیتی اسی طرح شام کو مہینے بھر کی دوری طے ہوتی ایک مرتبہ اسی طرح آپ جا رہے تھے پرندوں کی دیکھ بھال جو کی تو ہدہد کو غائب پایا بڑے ناراض ہوئے اور فرمایا کیا وہ جمگھٹے میں مجھے نظر نہیں پڑتا یا سچ مچ غیر حاضر ہے؟

اگر واقعی وہ غیر حاضر ہے تو میں اسے سخت سزا دونگا بلکہ ذبح کر دونگا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کر دے ایسے موقعہ پر آپ پرندوں کے پر نچوا کر آپ زمین پر ڈلوا دیتے تھے کیڑے مکوڑے کھا جاتے تھے اس کے بعد تھوڑی ہی دیر میں خود حاضر ہوتا ہے اپنا سبا جانا اور وہ انکی خبر لانا بیان کرتا ہے۔ اپنی معلومات کی تفصیل سے آگاہ کرتا ہے حضرت سلیمان اس کی صداقت کی آزمائش کے لئے اسے ملکہ سبا کے نام ایک چٹھی دے کر اسے دوبارہ بھیجتے ہیں جس میں ملکہ کو ہدایت ہوتی ہے کہ میری نافرمانی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ۔ اس خط کو دیکھتے ہی ملکہ کے دل میں خط کی اور اس کے لکھنے والے کی عزت سما جاتی ہے۔

وہ اپنے درباریوں سے مشورہ کرتی ہے وہ اپنی قوت وطاقت فوج کی ٹھاٹھ بیان کر کے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تیار ہیں صرف اشارے کی دیر ہے لیکن یہ برے وقت اور اپنے شکست کے انجام کو دیکھ کر اس ارادے سے باز رہتی ہے۔ اور دوستی کا سلسلہ اس طرح

شروع کرتی ہے کہ تحفے اور ہدیے حضرت سلیمان کے پاس بھیجتی ہے۔ جسے حضرت سلیمان علیہ السلام واپس کر دیتے ہیں اور چڑھائی کی دھمکی دیتے ہیں اب یہ اپنے ہاں سے چلتی ہے جب قریب پہنچ جاتی ہے اور اس کے لشکر کی گرد کو حضرت سلیمان علیہ السلام دیکھ لیتے ہیں تب فرماتے ہیں کہ اس کا تختہ اٹھالاؤ۔

ملکہ بلقیس کے سوالات و جوابات کا واقعہ

ایک جن کہتا ہے کہ بہتر میں ابھی لاتا ہوں آپ یہاں سے اٹھیں اس سے پہلے ہی اسے دیکھ لیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے بھی جلد ممکن ہے؟ اس پر تو یہ خاموش ہو گیا لیکن اللہ کے علم والے نے کہا ابھی ایک آنکھ جھپکتے ہی۔ اتنے میں تو دیکھا کہ جس کرسی پر پاؤں رکھ کر حضرت سلیمان اپنے تخت پر چڑھتے ہیں وہاں بلقیس کا تخت نمایا ہوا۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور لوگوں کو نصیحت کی اور اس میں کچھ تبدیلی کا حکم دیا اس کے آتے ہی اس سے اس تخت کے بابت پوچھا تو اس نے کہا کہ گویا یہ وہی ہے۔ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے دو چیزیں طلب کیں ایک تو ایسا پانی جو نہ زمین سے نکلا ہو اور نہ آسمان سے برسا ہو۔ آپ کی عادت تھی کہ جب کسی چیز کی ضرورت پڑتی تو اول انسانوں سے پھر جنوں سے پھر شیطانوں سے دریافت فرماتے اس سوال کے جواب میں شیطانوں نے کہا کہ یہ کوئی مشکل چیز نہیں ہے۔ گھوڑے دوڑایئے اور ان کے پسینے سے اس کو پیالہ بھر دیجئے اس سوال کے پورا ہونے کے بعد اس نے دوسرا سوال کیا کہ اللہ کا رنگ کیسا ہے؟ اسے سن کر آپ اچھل پڑے اور اسی وقت سجدے میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ باری تعالیٰ اس نے ایسا سوال کیا کہ میں اسے تجھ سے دریافت ہی نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ بے فکر ہو جاؤ میں نے کفایت کر دیا آپ سجدے سے اٹھے اور فرمایا تو نے کیا پوچھا تھا اس نے کہا پانی کے بارے میں میرا سوال تھا جو آپ نے پورا کیا اور تو میں نے کچھ نہیں پوچھا یہ خود اور اس کا لشکر اس دوسرے سوال ہی کو بھول گئے۔ آپ نے لشکریوں سے بھی پوچھا کہ اس نے دوسرا سوال کیا کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا بجز پانی کے اس نے اور کوئی سوال نہیں کیا۔ شیطانوں کے دل میں خیال آیا کہ اگر سلیمان علیہ السلام نے اسے پسند کر لیا اور اسے اپنے نکاح میں لے لیا اور اولاد بھی ہو گئی تو یہ ہم سے ہمیشہ کے لئے گئے اس لئے انہوں نے حوض بنایا پانی سے پر کیا۔ اور اوپر سے بلور کا فرش بنا دیا اس صفت سے کہ دیکھنے والے کو وہ معلوم ہی نہ دے وہ تو پانی ہی سمجھے جب بلقیس دربار میں آئی اور وہاں سے گزرنا چاہا تو پانی جان کر اپنے پائنچے اٹھا لئے حضرت سلیمان نے پنڈلیوں کے بال دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ اسے زائل کرنے کی کوشش کرو تو کہا گیا کہ استرے سے مونڈ سکتے ہیں آپ نے فرمایا اس کا نشان مجھے ناپسند ہے کوئی اور ترکیب بتاؤ پس شیاطین نے طلا بنایا جس کے لگاتے ہی بال اڑ گئے۔ پس اول اول بال صفا طلا حضرت سلیمان کے حکم سے ہی تیار ہوا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے اس قصے کو نقل کر کے لکھا ہے یہ کتنا اچھا قصہ ہے۔ صرح کہتے ہیں محل کو۔ اور ہر بلند عمارت کو۔ چنانچہ فرعون ملعون نے بھی اپنے وزیر ہامان سے یہی کہا تھا۔ آیت (یا ھامان ابن لی صرحا)۔ یمن کے ایک خاص اور بلند محل کا نام بھی صرح تھا۔ اس سے مراد ہر وہ بنا ہے جو محکم مضبوط استوار اور قوی ہو۔ یہ بنا بلور اور صاف شفاف شیشے سے بنائی گئی تھی۔ دومتہ الجندل میں

ایک قلعہ ہے اسکا نام بھی مادر ہے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ جب اس ملکہ نے حضرت سلیمان کی یہ رفعت، یہ عظمت، یہ شوکت، یہ سلطنت دیکھی اور اس میں غور وفکر کے ساتھ ہی حضرت سلیمان کی سیرت ان کی نیکی اور ان کی دعوت سنی تو یقین آ گیا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اسی وقت مسلمان ہوگئی اپنے اگلے شرک وکفر سے توبہ کرلی اور دین سلیمان کی مطیع بن گئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام جادوگر نہیں تھے

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ایسی نشانیاں جو آپ کی نبوت کی صریح دلیل بن سکیں نازل فرمادی ہیں یہودیوں کی مخصوص معلومات کا ذخیرہ ان کی کتاب کی پوشیدہ باتیں ان کی تحریف وتبدیل احکام وغیرہ سب ہم نے اپنی معجزہ نما کتاب قرآن کریم میں بیان فرمادیے ہیں جنہیں سن کر ہر زندہ ضمیر آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ یہودیوں کو ان کا حسد وبغض روک دے ورنہ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ایک امی شخص سے ایسا پاکیزہ خوبیوں والا حکمتوں والا کلام کہا نہیں جاسکتا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ابن صوریا قطوینی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ بطور نبوت کوئی ایسی چیز نہیں لائے جس سے ہم پہچان لیں نہ آپ کے پاس کوئی ایسی خاص روشن دلیلیں ہیں اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی چونکہ یہودیوں نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سے پیغمبر آخر الزمان کی بابت کوئی عہد لیا گیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو ان کی عادت ہی ہے کہ عہد کیا اور توڑا بلکہ ان کے اکثریت تو ایمان سے بالکل خالی ہے نبذ کا معنی پھینک دینا ہے چونکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو اور عہد باری کو اس طرح چھوڑ رکھا تھا گویا پھینک دیا تھا اس لئے ان کی مذمت میں یہی لفظ لایا گیا۔

دوسری جگہ صاف بیان ہے کہ ان کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر موجود تھا فرمایا آیت (يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ) 7۔الاعراف:157) یعنی یہ لوگ توراۃ وانجیل میں حضور کا ذکر موجود پاتے ہیں یہاں بھی فرمایا ہے کہ جب ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہمارے پیغمبران کے پاس آیا تو ان کے ایک فریق نے اللہ رب العزت کی کتاب سے بیپرواہی برت کر اس طرح اسے چھوڑ دیا جیسے کوئی علم ہی نہیں۔ بلکہ جادو کے پیچھے پڑ گئے اور خود حضور پر جادو کیا جس کی اطلاع آپ کو جناب باری تعالیٰ نے دی اور اس کا اثر زائل ہوا اور آپ کو شفا ملی۔ توراۃ سے تو حضور کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ وہ تو اس کی تصدیق والی تھی تو اسے چھوڑ کر دوسری کتابوں کی پیروی کرنے لگے اور اللہ کی کتاب کو اس طرح چھوڑ دیا کہ گویا کبھی جانتے ہی نہ تھے نفسانی خواہشیں سامنے رکھ لیں اور کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ راگ باجے کھیل تماشے اور اللہ کے ذکر سے روکنے والی ہر چیز آیت (ماتتلوالشیاطین) میں داخل ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جب آپ بیت الخلاء جاتے تو اپنی بیوی حضرت جرادہ کو دے جاتے جب حضرت سلیمان کی آزمائش کا وقت آیا اس وقت ایک شیطان جن آپ کی صورت میں آپ کی بیوی صاحبہ کے پاس آیا اور انگوٹھی طلب کی جو دے دی گئی اس نے پہن لی اور تخت سلیمانی پر بیٹھ گیا تمام جنات وغیرہ حاضر خدمت

ہو گئے حکومت کرنے لگا ادھر جب حضرت سلیمان واپس آئے اور انگوٹھی طلب کی تو جواب ملا تو جھوٹا ہے انگوٹھی تو حضرت سلیمان لے گئے آپ نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے ان دنوں میں شیاطین نے جادو، نجوم، کہانت، شعرو اشعار اور غیب کی جھوٹی سچی خبروں کی کتابیں لکھ لکھ کر حضرت سلیمان کی کرسی تلے دفن کرنی شروع کر دیں آپ کی آزمائش کا یہ زمانہ ختم ہو گیا۔

آپ پھر تخت و تاج کے مالک ہوئے عمر طبعی کو پہنچ کر جب رحلت فرمائی تو شیاطین نے انسانوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت سلیمان کا خزانہ اور وہ کتابیں جن کے ذریعہ سے وہ ہواؤں اور جنات پر حکمرانی کرتے تھے ان کی کرسی تلے دفن ہیں چونکہ جنات اس کرسی کے پاس نہیں جا سکتے تھے اس لئے انسانوں نے اسے کھودا تو وہ کتابیں برآمد ہوئیں بس ان کا چرچا ہو گیا اور ہر شخص کی زبان پر چڑھ گیا کہ حضرت سلیمان کی حکومت کا راز یہی تھا بلکہ لوگ حضرت سلیمان کی نبوت سے منکر ہو گئے اور آپ کو جادوگر کہنے لگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو عقدہ کشائی کی اور فرمان باری تعالیٰ نازل ہوا کہ جادوگری کا یہ کفر تو شیاطین کا پھیلایا ہوا ہے حضرت سلیمان اس سے بری الذمہ ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے کتابوں کو دفن کرنے کا واقعہ

حضرت ابن عباس کے پاس ایک شخص آیا آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا عراق سے! فرمایا عراق کے کس شہر سے؟ اس نے کا کوفہ سے! پوچھا وہاں کی کیا خبریں ہیں؟ اس نے کہا وہاں باتیں ہو رہی ہیں کہ حضرت علی انتقال نہیں کر گئے بلکہ زندہ روپوش ہیں اور عنقریب آئیں گے آپ کانپ اٹھے اور فرمانے لگے اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کی میراث تقسیم نہ کرتے اور ان کی عورتیں اپنا دوسرا نکاح نہ کرتیں سنو شیاطین آسمانی باتیں چرالایا کرتے تھے اور ان میں اپنی باتیں ملا کر لوگوں میں پھیلایا کرتے تھے، حضرت سلیمان نے یہ تمام کتابیں جمع کر کے اپنی کرسی تلے دفن کر دیں۔ آپ کے انتقال کے بعد جنات نے وہ پھر نکال لیں وہی کتابیں عراقیوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان ہی کتابوں کی باتیں وہ بیان کرتے اور پھیلاتے رہتے ہیں اسی کا ذکر اس آیت آیت (واتبعوا) الخ میں ہے اس زمانہ میں یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں۔

حضرت سلیمان نے ان کتابوں کو صندوق میں بھر کر دفن کر دینے کے بعد یہ حکم جاری کر دیا کہ جو یہ کہے گا اس کی گردن ماری جائے گی بعض روایتوں میں ہے کہ جنات نے ان کتابوں کو حضرت سلیمان کے انتقال کے بعد آپ کی کرسی تلے دفن کیا تھا اور ان کے شروع صفحہ پر لکھ دیا تھا کہ یہ علمی خزانہ آصف بن برخیا کا جمع کیا ہوا ہے۔

جو حضرت سلیمان بن داؤد کے وزیر اعظم مشیر خاص اور دلی دوست تھے یہودیوں میں مشہور تھا کہ حضرت سلیمان نبی نہ تھے بلکہ جادوگر تھے اس بنا پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اللہ کے سچے نبی نے ایک سچے نبی کی برات کی اور یہودیوں کے اس عقیدے کا ابطال کیا وہ حضرت سلیمان کا نام نبیوں کے زمرے میں سن کر بہت بدکتے تھے اس لئے تفصیل کیساتھ اس واقعہ کو بیان کر دیا۔

ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ حضرت سلیمان نے تمام موذی جانوروں سے عہد لیا تھا جب انہیں وہ عہد یاد کرایا جاتا تھا تو وہ ستاتے نہ تھے پھر لوگوں نے اپنی طرف سے عبارتیں بنا کر جادو کی قسم کے منتر تنتر بنا کر ان سب کو آپ کی طرف منسوب کر دیا جس کا بطلان ان

آیات کریمہ میں ہے یاد رہے کہ "علی" یہاں پر "فی" کے معنی میں ہے یا" تتلو" متضمن ہے تکذب کا، یہی اولی اور احسن ہے۔

خواجہ حسن بصری کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں کا ہونا قرآن سے ثابت ہے اور حضرت سلیمان کا حضرت موسیٰ کے بعد ہونا بھی قرآن سے ظاہر ہے۔ داؤد اور جالوت کے قصے میں ہے من بعد موسیٰ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا تھا آیت (انما انت من المسحرین) یعنی تو جادو کئے گئے لوگوں میں سے ہے۔

پھر فرماتا ہے آیت (وما انزل) الخ بعض تو کہتے ہیں یہاں پر "ما نافیہ" ہے یعنی انکار کے معنی میں ہے اور اس کا عطف ما کفر سلیمان پر ہے یہودیوں کے اس دوسرے اعتقاد کی کہ جادو فرشتوں پر نازل ہوا ہے اس آیت میں تردید ہے، ہاروت، ماروت لفظ شیاطین کا بدل ہے تثنیہ پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے جیسے آیت (ان کان لہ اخوۃ) میں یا اس لئے جمع کیا گیا کہ ان کے ماننے والوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے اور ان کا نام ان کی زیادہ سرکشی کی وجہ سے سرفہرست دیا گیا ہے۔

امام قرطبی تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا یہی ٹھیک مطلب ہے اس کے سوا کسی اور معنی کی طرف التفات بھی نہ کرنا چاہئے۔ ابن عباس فرماتے ہیں جادو اللہ عزوجل کا نازل کیا ہوا نہیں۔

ربیع بن انس فرماتے ہیں ان پر کوئی جادو نہیں اترا۔ اس بناء پر آیت کا ترجمہ اس طرح پر ہوگا کہ ان یہودیوں نے اس چیز کی تابعداری کی جو حضرت سلیمان کے زمانہ میں شیطان پڑھا کرتے تھے حضرت سلیمان نے کفر نہیں کیا نہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو ان دو فرشتوں پر اتارا ہے (جیسے اے یہودیوں تمہارا خیال جبرائیل ومیکائیل کی طرف ہے) بلکہ یہ کفر شیطانوں کا ہے جو بابل میں لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور ان کے سردار دو آدمی تھے جن کا نام ہاروت و ماروت تھا۔

ہاروت اور ماروت کا واقعہ

فرشتے تو معصوم ہیں وہ گناہ کرتے ہی نہیں چہ جائیکہ لوگوں کو جادو سکھائیں جو کفر ہے اس لئے کہ یہ دونوں بھی عام فرشتوں میں سے خاص ہو جائیں گے۔

حضرت علی حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر کعب احبار، حضرت سدی، حضرت کلبی یہی فرماتے ہیں اب اس حدیث کو سنئے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا اور ان کی اولاد پھیلی اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے لگی تو فرشتوں نے کہا کہ دیکھو یہ کس قدر برے لوگ ہیں کیسے نافرمان اور سرکش ہیں ہم اگر ان کی جگہ ہوتے تو ہرگز ہرگز اللہ کی نافرمانی نہ کرتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو پسند کر لو میں ان میں انسانی خواہشات پیدا کرتا ہوں اور انہیں انسانوں میں بھیجتا ہوں پھر دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے ہاروت و ماروت کو پیش کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں انسانی طبیعت پیدا کی اور ان سے کہہ دیا کہ دیکھو بنی آدم کو تو نبیوں کے ذریعے اپنے حکم احکام پہنچاتا ہوں لیکن تم سے بلا واسطہ خود کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا زنا نہ کرنا.

شراب نہ پینا، اب یہ دونوں زمین پر اترے اور زہرہ کو ان کی آزمائش کے لئے حسین وشکیل عورت کی صورت میں ان کے پاس بھیجا جسے دیکھ کر یہ مفتوں ہو گئے اور اس سے زنا کرنا چاہا اس نے کہا اگر تم شرک کرو تو میں منظور کرتی ہوں انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہم سے نہ ہو سکے گا وہ چلی گئی پھر آئی اور کہنے لگی اچھا اس بچے کو قتل کر ڈالو تو مجھے تمہاری خواہش پوری کرنی منظور ہے انہوں نے اسے بھی نہ مانا وہ پھر آئی اور کہا کہ اچھا یہ شراب پی لو انہوں نے اسے ہلکا گناہ سمجھ کر اسے منظور کر لیا۔ اب نشہ میں مست ہو کر زنا کاری بھی کی اور اس بچے کو بھی قتل کر ڈالا جب ہوش حواس درست ہوئے تو اس عورت نے کہا جن جن کاموں کا تم پہلے انکار کرتے تھے سب تم نے کر ڈالے۔

یہ نادم ہوئے انہیں اختیار دیا گیا کہ یا تو عذاب دنیا کو اختیار کرو یا عذاب اخروی کو۔ انہوں نے دنیاے عذاب پسند کئے صحیح ابن حبان مسند احمد ابن مردویہ ابن جریر عبدالرزاق میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ مسند احمد کی یہ روایت غریب ہے۔

اس میں ایک راوی موسیٰ بن جبیر انصاری سلمی کو ابن ابی حاتم نے مستور الحال لکھا ہے ابن مردویہ کی روایت میں یہی ہے کہ ایک رات کو اثناء سفر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نافع سے پوچھا کہ کیا زہرہ تارا نکلا؟ اس نے کہا نہیں دو تین مرتبہ سوال کے بعد کہا اب زہرہ طلوع ہوا تو فرمانے لگے اس سے نہ خوشی ہو نہ بھلائی ملے۔

حضرت نافع نے کہا حضرت ایک ستارہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے طلوع وغروب ہوتا ہے آپ اسے برا کہتے ہیں؟ فرمایا میں وہی کہتا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پھر اس کے بعد مندرجہ بالا حدیث باختلاف الفاظ سنائی لیکن یہ بھی غریب ہے حضرت کعب والی روایت مرفوع سے زیادہ صحیح موقف ہے اور ممکن ہے کہ وہ بنی اسرائیل روایت ہو واللہ اعلم صحابہ اور تابعین سے بھی اس قسم کی روایتیں بہت کچھ منقول ہیں بعض میں ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی اس نے ان فرشتوں سے یہ شرط کی تھی کہ تم مجھے وہ دعا سکھا دو جسے پڑھ کر تم آسمان پر چڑھ جاتے ہو انہوں نے سکھا دی یہ پڑھ کر چڑھ گئی اور وہاں تارے کی شکل میں بنا دی گئی بعض مرفوع رواتیوں میں بھی یہ ہے لیکن وہ منکر اور غیر صحیح ہیں۔ ایک اور رویات میں ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو فرشتے صرف ایمان والوں کی بخشش کی دعا مانگتے تھے لیکن اس کے بعد تمام اہل زمین کے لئے دعا شروع کر دی۔

بعض رواتیوں میں ہے کہ جب ان دونوں فرشتوں سے یہ نافرمانیاں سرزد ہوئیں تب اور فرشتوں نے اقرار کر لیا کہ بنی آدم جو اللہ تعالیٰ سے دور ہیں اور بن دیکھے ایمان لاتے ہیں جن سے خطاؤں کا سرزد ہو جانا کوئی ایسی انوکھی چیز نہیں ان دونوں فرشتوں سے کہا گیا کہ اب یا تو دنیا کا عذاب پسند کر لو یا آخرت کے عذابوں کو اختیار کر لو۔ انہوں نے دنیا کا عذاب چن لیا چنانچہ انہیں بابل میں عذاب ہو رہا ہے ایک رویات میں ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے تھے ان میں قتل سے اور مال حرام سے ممانعت بھی کی تھی اور یہ حکم بھی تھا کہ حکم عدل کے ساتھ کریں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ تین فرشتے تھے لیکن ایک نے آزمائش سے انکار کر دیا اور واپس چلا گیا پھر دو کی آزمائش ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ کا ہے۔ یہاں بابل سے مراد بابل دنیاوند ہے

اس عورت کا نام عربی میں زہرہ تھا اور نبطی زبان میں اس کا نام بیدخت تھا اور فارسی میں ناہید تھا۔ یہ عورت اپنے خاوند کے خلاف ایک مقدمہ لائی تھی جب انہوں نے اس سے برائی کا ارادہ کیا تو اس نے کہا پہلے مجھے میرے خاوند کے خلاف حکم دو تو مجھے منظور ہے انہوں نے ایسا ہی کیا پھر اس نے کہا مجھے یہ بھی بتادو کہ تم کیا پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہو اور کیا پڑھ کر اترتے ہو؟ انہوں نے یہ بھی بتادیا چنانچہ وہ اسے پڑھ کر آسمان پر چڑھ گئی اترنے کا وظیفہ بھول گئی اور وہیں ستارے کی صورت میں مسخ کر دی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر جب کبھی زہرہ ستارے کو دیکھتے تو لعنت بھیجا کرتے تھے اب ان فرشتوں نے جب چڑھنا چاہا تو نہ چڑھ سکے سمجھ گئے کہ اب ہم ہلاک ہوئے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں پہلے پہل چند دنوں تک تو فرشتے ثابت قدم رہے صبح سے شام تک فیصلہ عدل کے ساتھ کرتے رہتے شام کو آسمان پر چڑھ جاتے پھر زہرہ کو دیکھ کر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے زہرہ ستارے کو ایک خوبصورت عورت کی شکل میں بھیجا الغرض ہاروت ماروت کا یہ قصہ تابعین میں سے بھی اکثر لوگوں نے بیان کیا ہے جیسے مجاہد، سدی، حسن بصری، قتادہ، ابو العالیہ، زہری، ربیع بن انس، مقتل بن حیان وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین اور متقدمین اور متاخرین مفسرین نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں اسے نقل کیا ہے۔

جادو کے سبب ایمان چلے جانے کا عجیب واقعہ

تفسیر ابن جریر میں ایک غریب اثر اور ایک عجیب واقعہ ہے اسے بھی سنئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دومۃ الجندل کی ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد آپ کی تلاش میں آئی اور آپ کے انتقال کی خبر پاکر بےچین ہو کر رونے پیٹنے لگی میں نے اس سے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے؟

تو اس نے کہا کہ مجھ میں اور میرے شوہر میں ہمیشہ نا چاقی رہا کرتی تھی ایک مرتبہ وہ مجھے چھوڑ کر لاپتہ کہیں چلا گیا، ایک بڑھیا سے میں نے یہ سب ذکر کیا اس نے کہا جو میں کہوں وہ کر وہ خود بخود تیرے پاس آجائے گا میں تیار ہو گئی وہ رات کے وقت دو کتے لے کر میرے پاس آئی ایک پر وہ خود سوار ہوئی اور دوسرے پر میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم دونوں بابل پہنچ گئیں۔

میں نے دیکھا کہ دو شخص ادھر لٹکے ہوئے ہیں اور لوہے میں جکڑے ہوئے ہیں اس عورت نے مجھ سے کہا ان کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں جادو سیکھنے آئی ہوں میں نے ان سے کہا انہوں نے کہا سن ہم تو آزمائش میں ہیں تو جادو نہ سیکھ اس کا سیکھنا کفر ہے میں نے کہا میں تو سیکھوں گی انہوں نے کہا اچھا پھر جا اور اس تنور میں پیشاب کر کے چلی آ میں گئی ارادہ کیا لیکن کچھ دہشت سی طاری ہوئی میں واپس آگئی اور کہا میں فارغ ہو آئی ہوں انہوں نے پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں انہوں نے کہا تو غلط کہتی ہے ابھی کچھ نہیں بگڑا تیرا ایمان ثابت ہے اب بھی لوٹ جا اور کفر نہ کر میں نے کہا مجھے تو جادو سیکھنا ہے انہوں نے پھر کہا جا اور اس تنور میں پیشاب کر آ میں پھر گئی لیکن اب کی مرتبہ بھی دل نہ مانا واپس آئی پھر اسی طرح سوال جواب ہوئے۔

میں تیسری مرتبہ پھر تنور کے پاس گئی اور دل کڑا کر کے پیشاب کرنے کو بیٹھ گئی میں نے دیکھا کہ ایک گھوڑے سوار منہ پر نقاب

ڈالے نکلا اور آسمان پر چڑھ گیا ہے۔ واپس چلی آئی ان سے ذکر کیا انہوں نے کہا ہاں اب کی مرتبہ تو سچ کہتی ہے وہ تیرا ایمان تھا جو تجھ میں سے نکل گیا اب جا چلی جا میں آئی اور اس بڑھیا سے کہا انہوں نے مجھے کچھ بھی نہیں سکھایا اس نے کہا بس تجھے کچھ آ گیا اب تو جو کہے گی ہو جائے گا۔

میں نے آزمائش کے لئے ایک دانہ گیہوں کا لیا اسے زمین پر ڈال کر کہا اگ جا وہ فوراً اگ آیا میں نے کہا تجھ میں بال پیدا ہو جائے چنانچہ ہو گئے میں نے کہا سوکھ جا وہ بال سوکھ گئے میں نے کہا الگ الگ دانہ ہو جا وہ بھی ہو گیا پھر میں نے کہا سوکھ جا تو سوکھ گیا پھر میں نے کہا آٹا بن جا تو آٹا بن گیا میں نے کہا روٹی پک جا تو روٹی پک گئی یہ دیکھتے ہی میرا دل نادم ہونے لگا اور مجھے اپنے بے ایمان ہو جانے کا صدمہ ہونے لگا اے ام المومنین قسم اللہ کی نہ میں نے اس جادو سے کوئی کام لیا نہ کسی پر کیا میں یونہی روتی پیٹتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہوں۔

لیکن افسوس بدقسمتی سے آپ کو بھی میں نے نہ پایا اب میں کیا کروں؟ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی سب کو اس پر ترس آنے لگا صحابہ کرام بھی متحیر تھے کہ اسے کیا فتویٰ دیں؟ آخر بعض صحابہ نے کہا اب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ تم اس فعل کو نہ کرو توبہ استغفار کرو اور اپنے ماں باپ کی خدمت گزاری کرتی رہو یہاں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرام فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے کہ چھوٹی سی بات بتانے میں تامل ہوتا تھا آج ہم بڑی سے بڑی بات بھی اٹکل اور رائے قیاس سے گھڑ گھڑا کر بتانے میں بالکل نہیں رکتے اس کی اسناد بالکل صحیح ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ "عین" چیز جادو کے زور سے پلٹ جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں نہیں صرف دیکھنے والے کو ایسا خیال پڑتا ہے اصل چیز جیسی ہوتی ہے ویسی ہی رہتی ہے جیسے قرآن میں ہے آیت (سحروا اعین الناس) یعنی انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔

مذہبی دن کا احترام نہ کرنے والوں کے بندر بن جانے کا واقعہ

حضرت ابن عباس وغیرہ نے جو بیان کیا ہے وہ سب سن لیجئے۔ ان پر جمعہ کی عزت وادب کو فرض کیا گیا لیکن انہوں نے جمعہ کے دن کو پسند نہ کیا اور ہفتہ کا دن رکھا اس دن کی عظمت کے طور پر ان پر شکار کھیلنا وغیرہ اس دن حرام کر دیا گیا۔ ادھر اللہ کی آزمائش کی بنا پر ہفتہ والے دن تمام مچھلیاں اوپر آ جایا کرتی تھیں اور کودتی اچھلتی رہتی تھیں لیکن باقی دنوں میں کوئی نظر ہی نہیں آتی تھی۔ ایک مدت تک تو یہ لوگ خاموش رہے اور شکار کرنے سے رکے رہے۔ بعد ازاں ان میں سے ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ہفتہ والے دن مچھلی کو پکڑ لیا اور پھندے میں پھانس کر ڈوری کو کنارے پر کسی چیز سے باندھ دیا اتوار والے دن جا کر نکال لایا اور پکا کر کھائی۔ لوگوں نے خوشبو پا کر پوچھا تو اس نے کہا میں نے تو آج اتوار کو شکار کیا ہے آخر یہ راز کھلا تو اور لوگوں نے بھی اس حیلہ کو پسند کیا اور اس طرح وہ سب مچھلیوں کا شکار کرنے لگے پھر تو بعض نے دریا کے آس پاس گڑھے کھود لئے ہفتہ والے دن جب مچھلیاں اس میں آ جاتیں تو اسے بند کر دیتے اور اتوار والے دن پکڑ لاتے کچھ لوگ جو ان میں نیک دل اور سچے مسلمان تھے وہ انہیں روکتے اور منع کرتے رہے لیکن ان کا جواب یہی ہوتا تھا کہ ہم ہفتہ کو شکار ہی نہیں کھیلتے ہم تو اتوار والے دن پکڑتے ہیں ان شکار کھیلنے والوں اور ان

کو منع کرنے والوں کے سوا ایک گروہ ان میں اور بھی تھا جو مصلحت وقت برتنے والا اور دونوں فرقوں کو راضی رکھنے والا وہ تو پورا ساتھ دیتا تھا۔ ان کا نہ شکار کھیلتے تھے نہ شکاریوں کو روکتے تھے بلکہ روکنے والوں سے کہتے تھے کہ اس قوم کو کیوں وعظ و نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب کرے۔

اور تم اپنا فرض بھی ادا کر چکے انہیں منع کر چکے جب نہیں مانتے تو اب انہیں چھوڑو۔ یہ جواب دیتے کہ ایک تو اللہ کے ہاں ہم معذور ہو جائیں اس لئے اور دوسرے لئے بھی کہ شاید آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں یہ مان جائیں اور عذاب اللہ سے نجات پائیں بالآخر اس مسلم جماعت نے اس حیلہ کو جو فرقہ کا بالکل بائیکاٹ کر دیا اور ان سے بالکل الگ ہو گئے۔ بستی کے درمیان ایک دیوار کھینچ لی اور دروازے اپنے آنے جانے کا رکھا اور ایک دروازہ ان حیلہ جو نافرمانوں کے لئے اس پر بھی ایک مدت اسی طرح گزر گئی ایک دن صبح مسلمان جاگے دن چڑھ گیا لیکن اب تک ان لوگوں نے اپنا دروازہ نہیں کھولا تھا اور نہ ان کی آوازیں آرہی تھیں یہ لوگ حیران تھے کہ آج کیا بات ہے؟

آخر جب زیادہ دیر لگ گئی تو ان لوگوں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا تو وہاں عجب منظر نظر آیا دیکھا کہ وہ تمام لوگ مع عورتوں بچوں کے بندر بن گئے ہیں ان کے گھر جو راتوں کو بند تھے اسی طرح بند ہیں اور اندر وہ کل انسان بندر کی صورتوں میں ہیں جن کی دمیں نکلی ہوئی ہیں۔ بچے چھوٹے بندروں کی شکل میں مرد بڑے بندروں کی صورت میں عورتیں بندریاں بنی ہوئی ہیں اور ہر ایک پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں مرد ہے یہ فلاں عورت ہے یہ فلاں بچہ ہے وغیرہ یہ بھی یاد رہے کہ جب یہ عتاب آیا تو نہ صرف وہی ہلاک ہوئے جو شکار کھیلتے تھے بلکہ ان کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئے جو انہیں منع نہ کرتے تھے اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور میل جول ترک نہ کیا تھا صرف وہ بچے جو انہیں منع کرتے رہے اور ان سے الگ تھلگ ہو گئے تھے یہ تمام اقوال اور قرآن کریم کی کئی ایک آیتیں وغیرہ شاہد ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ ان کی صورتیں بدل دی گئی تھیں سچ مچ بندر بنا دیئے گئے نہ یہ کہ معنوی مسخ تھا یعنی ان کے دل بندروں جیسے ہو گئے تھے جیسے کہ مجاہد کا قول ہے ٹھیک تفسیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا اور ظاہری صورتیں بھی ان کی ان بدجانوروں جیسی ہو گئیں۔



یمن کی قوم سبا کا واقعہ

قوم سبا یمن میں رہتی تھی۔ تبع بھی ان میں سے ہی تھے۔ بلقیس بھی انہی میں سے تھیں۔ یہ بڑی نعمتوں اور راحتوں میں تھے۔ چین آرام سے زندگی گذار رہے تھے۔ اللہ کے رسول ان کے پاس آئے انہیں شکر کرنے کی تلقین کی۔ رب کی وحدانیت کی طرف بلایا اس کی عبادت کا طریقہ سمجھایا۔ کچھ زمانے تک وہ یونہی رہے لیکن پھر جبکہ انہوں نے سرتابی اور روگردانی کی احکام اللہ بھی واہی سے ٹال دیئے تو ان پر زور کا سیلاب آیا اور تمام ملک، باغات اور کھیتیاں وغیرہ تاخت وتاراج ہوگئیں۔ جس کی تفصیلی یہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سبا کسی عورت کا نام ہے۔ یا مرد کا یا جگہ کا؟ تو آپ نے فرمایا یہ ایک مرد تھا جس کے دس لڑکے تھے جن میں سے چھ تو یمن میں جا بسے تھے اور چار شام میں۔ مذحج، کندہ، ازد، اشعری، اغار، حمیر یہ چھ قبیلے یمن میں۔ لخم، جذام، عاملہ اور غسان یہ چار قبیلے شام میں۔ (مسند احمد)

فردہ بن مسیک فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنی قوم میں سے ماننے والوں اور آگے بڑھنے والوں کو لے کر نہ ماننے اور پیچھے ہٹنے والوں سے لڑوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ جب میں جانے لگا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا دیکھو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا نہ مانیں تب جہاد کی تیاری کرنا۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سبا کس کا نام ہے؟ تو آپ کا جواب تقریباً وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ انمار میں سے بجیلہ اور خثعم بھی ہیں۔ ایک اور مطول روایت میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حضرت فردہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت کے زمانے میں قوم سبا کی عزت تھی مجھے اب ان کے ارتداد کا خوف ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے جہاد کروں۔ آپ نے فرمایا ان کے بارے میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ پس یہ آیت اتری۔ لیکن اس میں غرابت ہے اس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے، حالانکہ سورت مکیہ ہے۔

دشمن کو قید کرنے کا رواج سب سے پہلے عرب سے شروع ہوا

محمد بن اسحاق سبا کا نسب نامہ اس طرح بیان کرتے ہیں عبدشمس بن العرب بن قحطان اسے سبا اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے سب سے پہلے عرب میں دشمن کو قید کرنے کا رواج ڈالا۔ اس وجہ سے اسے رائش بھی کہتے ہیں۔ مال کو ریش اور ریاش بھی عربی میں کہتے ہیں۔ یہ بھی مذکور ہے کہ اس بادشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے ہی آپ کی پیشن گوئی کی تھی کہ

ملک کا مالک ہمارے بعد ایک نبی ہوگا جو حرم کی عزت کرے گا۔اس کے بعد اس کے خلیفہ ہوں گے، جن کے سامنے دنیا کے بادشاہ سرنگوں ہو جائیں گے پھر ہم میں بھی بادشاہت آئے گی اور بنو قحطان کے ایک نبی بھی ہوں گے اس نبی کا نام احمد ہوگا (صلی اللہ علیہ وسلم) کاش کے میں بھی ان کی نبوت کے زمانے کو پالیتا تو ہر طرح کی خدمت کو غنیمت سمجھتا۔لوگو جب بھی اللہ کے وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوں تو تم پر فرض ہے کہ ان کا ساتھ دو اور ان کے مددگار بن جاؤ اور جو بھی آپ سے ملے اس پر میری جانب سے فرض ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا دے۔(اکیل ہمدانی)

قحطان کے بارے میں تین قول ہیں ایک یہ کہ وہ ارم بن سام بن نوح کی نسل میں سے ہے۔دوسرا یہ کہ وہ عابر یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی نسل میں سے ہے۔تیسرا یہ کہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے ہے۔اس سب کو تفصیل کے ساتھ حافظ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الانباہ میں ذکر کیا ہے۔بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ سبا عرب میں سے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے جن کی نسل سے عرب ہوئے۔ان کا نسل ابراہیمی میں سے ہونا مشہور نہیں۔

علاقہ غسان کے پس منظر کا واقعہ

صحیح بخاری میں ہے کہ قبیلہ اسلم جب تیروں سے نشانہ بازی کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس نکلے تو آپ نے فرمایا اے اولاد اسماعیل تیراندازی کئے جاؤ تمہارے والد بھی پورے تیرانداز تھے۔اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سبا کا سلسلہ نسب خلیل الرحمٰن علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔اسلم انصار کا ایک قبیلہ تھا اور انصار سارے کے سارے غسان میں سے ہیں اور یہ سب یمنی تھے، سبا کی اولاد ہیں۔یہ لوگ مدینے میں اس وقت آئے جب سیلاب سے ان کا وطن تباہ ہو گیا۔ایک جماعت یہیں آ کر بسی تھی دوسری شام چلی گئی۔انہیں غسانی اس لئے کہتے ہیں کہ اس نام کی پانی والی ایک جگہ پر یہ ٹھہرے تھے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مثال کے قریب ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک پانی والی جگہ یا اس کنویں کا نام غسان تھا۔یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی دس اولادیں تھیں اس سے مراد صلبی اولادیں نہیں کیونکہ بعض بعض دو دو تین تین نسلوں بعد کے بھی ہیں۔جیسے کہ کتب انساب میں موجود ہے۔جو شام اور یمن میں جا کر آباد ہوئے یہ بھی سیلاب کے آنے کے بعد کا ذکر ہے۔بعض وہیں رہے بعض ادھر ادھر چلے گئے۔دیوار کا قصہ یہ ہے کہ ان کے دونوں جانب پہاڑ تھے۔جہاں سے نہریں اور چشمے بہہ کر ان کے شہروں میں آتے تھے اسی طرح نالے اور دریا بھی ادھر ادھر سے آتے تھے ان کے قدیمی بادشاہوں میں سے کسی نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط پشتہ بنوا دیا تھا جس دیوار کی وجہ سے پانی ادھر ادھر ہو گیا تھا اور بصورت دریا جاری رہا کرتا تھا جس کے دونوں جانب باغات اور کھیتیاں لگا دی تھی۔پانی کی کثرت اور زمین کی عمدگی کی وجہ سے یہ خطہ بہت ہی زرخیز اور ہرا ابھرا رہا کرتا تھا۔

سر پر رکھی ٹوکری خود بہ خود پھلوں سے بھر جایا کرتی تھی

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ کوئی عورت اپنے سر پر جھلی رکھ کر چلتی تھی۔ کچھ دور جانے تک پھلوں سے وہ جھلی بالکل بھر جاتی تھی۔ درختوں سے پھل خود بخود جو جھڑتے تھے وہ اس قدر کثرت سے ہوتے تھے کہ ہاتھ سے توڑنے کی حاجت نہیں پڑتی تھی۔ یہ دیوار مارب میں تھی صنعاء سے تین مراحل پر تھی اور سد مارب کے نام سے مشہور تھی۔ آب وہوا کی عمدگی، صحت، مزاج اور اعتدال عنایت الٰہیہ سے اس طرح تھا کہ ان کے ہاں مکھی، مچھر اور زہریلے جانور بھی نہیں ہوتے تھے یہ اس لئے تھا کہ وہ لوگ اللہ کی توحید کو مانیں اور دل وجان اس کی خلوص کے ساتھ عبادت کریں۔ یہ تھی وہ نشانی قدرت جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان آبادبستی اور بستی کے دونوں طرف ہرے بھرے پھل دار باغات اور سرسبز کھیتیاں اور ان سے جناب باری نے فرمادیا تھا کہ اپنے رب کی دی ہوئی روزیاں کھاؤ پیو اور اس کے شکر میں لگے رہو، لیکن انہوں نے اللہ کی توحید کو اور اس کی نعمتوں کے شکر کو بھلادیا اور سورج کی پرستش کرنے لگے۔ جیسے کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی تھی کہ (وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍۭ بِنَبَإٍ يَقِيْنٍ 22) 27-النمل:22)، یعنی میں تمہارے پاس سبا کی ایک پختہ خبر لایا ہوں۔ ایک عورت ان کی بادشاہت کررہی ہے جس کے پاس تمام چیزیں موجود ہیں عظیم الشان تخت سلطنت پر وہ متمکن ہے۔ رانی اور رعایا سب سورج پرست ہیں۔ شیطان نے ان کو گمراہ کر رکھا ہے۔ بے راہ ہو رہے ہیں۔

دیوار کے ٹوٹنے سے کھیتوں کی ہلاکت کا واقعہ

مروی ہے کہ بارہ یا تیرہ پیغمبر ان کے پاس آئے تھے۔ بالآخر شامت اعمال رنگ لائی جو دیوار انہوں نے بنا رکھی تھی وہ چوہوں نے اندر سے کھوکھلی کردی اور بارش کے زمانے میں وہ ٹوٹ گئی پانی کی ریل پیل ہوگئی ان دریاؤں کے، چشموں کے، بارش کے نالوں کے، سب پانی آگئے ان کی بستیاں ان کے محلات ان کے باغات اور ان کی کھیتیاں سب تباہ و برباد ہوگئیں۔ ہاتھ ملتے رہ گئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ پھر تو وہ تباہی آئی کہ اس زمین پر کوئی پھلدار درخت جمتا ہی نہ تھا۔ پیلو، جھاؤ، کیکر، ببول اور ایسے ہی بے میوہ بدمزہ بیکار درخت اگتے تھے۔ ہاں البتہ کچھ بیریوں کے درخت اگ آئے تھے جو نسبتاً اور درختوں سے کارآمد تھے۔ لیکن وہ بھی بہت زیادہ خاردار اور بہت کم پھل دار تھے۔

یہ تھا ان کے کفر وشرک کی سرکشی اور تکبر کا بدلہ کہ نعمتیں کھو بیٹھے اور زحموں میں مبتلا ہوگئے کافروں کو یہی اور اس جیسی ہی سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔ حضرت ابوخیرہ فرماتے ہیں گناہ کا بدلہ یہی ہوتا ہے کہ عبادتوں میں سستی آجائے روزگار میں تنگی واقع ہو لذتوں میں سختی آجائے یعنی جہاں کسی نے راحت کا منہ دیکھا فوراً کوئی زحمت آپڑی اور محرومی ہوگیا۔

عذاب کے ذر سے جائیداد بیچنے کا مکر کرنے والے کاہن کا واقعہ

حضرت عکرمہ ان کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں ایک کاہنہ اور ایک کاہن تھا جن کے پاس جنات ادھر ادھر کی خبریں لایا کرتے تھے اس کاہن کو کہیں پتہ چل گیا کہ اس بستی کی ویرانی کا زمانہ قریب آگیا ہے اور یہاں کے لوگ ہلاک ہونے

والے ہیں تھا یہ بڑا مالدار خصوصاً جائیداد بہت ساری تھی اس نے سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور ان حویلیوں اور مکانات اور باغات کی نسبت کیا انتظام کرنا چاہئے آخر ایک بات اس کی سمجھ میں آ گئی اس کے سسرال کے لوگ بہت سارے تھے اور وہ قبیلہ بھی جری ہونے کے علاوہ مالدار تھا۔ اس نے اپنے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا سنو کل لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے میں تجھے کسی کام کو کہوں گا تو انکار کر دینا میں تجھے برا بھلا کہوں گا تو بھی مجھے میری گالیوں کا جواب دینا میں اٹھ کر تجھے تھپڑ ماروں گا تو بھی اس کے جواب میں مجھے تھپڑ مارنا اس نے کہا ابا جی مجھ سے یہ کیسے ہو سکے گا؟ کاہن نے کہا تم نہیں سمجھتے ایک ایسا ہی اہم معاملہ درپیش ہے اور تمہیں میرا حکم مان لینا چاہئے۔ اس نے اقرار کیا دوسرے دن جبکہ اس کے پاس اس کے ملنے جلنے والے سب جمع ہو گئے اس نے اپنے اس لڑکے سے کسی کام کو کہا اس نے صاف انکار کر دیا اس نے اسے گالیاں دیں تو اس نے بھی سامنے گالیاں دیں۔ یہ غصے میں اٹھا اور اسے مارا لڑکے نے بھی پلٹ کر اسے پیٹا یہ اور غضبناک ہوا اور کہنے لگا چھری لاؤ میں تو اسے ذبح کروں گا تمام لوگ گھبرا گئے ہر چند سمجھایا لیکن یہ یہی کہتا رہا کہ میں تو اسے ذبح کروں گا لوگ دوڑے بھاگے گئے اور لڑکے کے ننھیال والوں کو خبر کی وہ سب آ گئے اول تو منت سماجت کی منوانا چاہا لیکن یہ کب مانتا تھا انہوں نے کہا آپ اسے کوئی اور سزا دیجئے اس کے بدلے ہمیں جو جی چاہے سزا دیجئے لیکن اس نے کہا میں تو اسے لٹا کر باقاعدہ اپنے ہاتھ سے ذبح کروں گا انہوں نے کہا ایسا آپ نہیں کر سکتے اس سے پہلے ہم آپ کو مار ڈالیں گے۔

اس نے کہا اچھا جب یہاں تک بات پہنچ گئی ہے تو میں ایسے شہر میں نہیں رہنا چاہتا جہاں میرے اور میری اولاد کے درمیان اور لوگ پڑیں مجھ سے میرے مکانات جائیدادیں اور زمینیں خرید لو میں یہاں سے کہیں اور چلا جاتا ہوں چنانچہ اس نے سب کچھ بیچ ڈالا اور قیمت نقد وصول کر لی جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا۔

تو اس نے اپنی قوم کو خبر کر دی سنو عذاب اللہ کا آ رہا ہے زوال کا وقت قریب پہنچ چکا ہے اب تم میں سے جو محنت کر کے لمبا سفر کر کے نئے گھروں کا آرزومند ہو وہ تو عمان چلا جائے اور جو کھانے پینے کا شوقین ہو وہ بصرہ چلا جائے اور جو مزیدار کھجوریں باغات میں بیٹھ کر آزادی سے کھانا چاہتا ہو وہ مدینے چلا جائے۔ قوم کو اس کی باتوں کا یقین تھا جسے جو جگہ اور جو چیز پسند آئی وہ اسی طرف منہ اٹھائے بھاگا۔ بعض عمان کی طرف بعض بصرہ کیطرف۔ بعض مدینے کی طرف۔

اس طرف تین قبیلے چلے تھے اوس اور خزرج اور بنو عثمان جب یہ لوگ بطن مر میں پہنچے تو بنو عثمان نے کہا ہمیں تو یہ جگہ بہت پسند ہے اب ہم آگے نہیں جائیں گے۔ چنانچہ یہ یہیں بس گئے اور اسی وجہ سے انہیں خزاعہ کہا گیا۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے۔ اوس و خزرج برابر مدینے پہنچے اور یہاں آ کر قیام کیا۔ یہ اثر بھی عجیب و غریب ہے۔ جس کاہن کا اس میں ذکر ہے اس کا نام عمرو بن عامر ہے یہ یمن کا ایک سردار تھا اور سبا کے بڑے لوگوں میں سے تھا اور ان کا کاہن تھا۔ سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ سب سے پہلے یہی یمن سے نکلا تھا اس لئے کہ سد مارب کو کھوکھلا کرتے ہوئے اس نے چوہوں کو دیکھ لیا تھا اور سمجھ گیا تھا کہ اب یمن کی خیر نہیں یہ دیوار گری اور سیلاب سب کچھ تہ و بالا کرے گا تو اس نے اپنے سب سے چھوٹے لڑکے کو وہ مکر سکھایا جس کا ذکر اوپر گذرا اس وقت

اس نے غصے میں کہا کہ میں ایسے شہر میں رہنا پسند نہیں کرتا میں اپنی جائیدادیں اور زمینیں اسی وقت بیچتا ہوں لوگوں نے کہا عمرو کے اس غصے کو غنیمت جانو چنانچہ سستا مہنگا سب کچھ بیچ ڈالا اور فارغ ہو کر چل پڑا قبیلہ اسد بھی اس کے ساتھ ہو لیا راستے میں عکہ ان سے لڑے برابر برابر کی لڑائی رہی۔

جس کا ذکر عباس بن مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ کے شعروں میں بھی ہے۔ پھر یہ یہاں سے چل کر مختلف شہروں میں پہنچ گئے۔ آل جفنة بن عمرو بن عامر شام میں گئے۔ اوس و خزرج مدینے میں، خزاعہ مر میں ازمراۃ سراۃ میں، ازدعمان عمان میں۔ یہاں سیلاب آیا جس نے مارب کے بند کو توڑ دیا۔

سدی نے اس قصے میں بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے مقابلے کے لئے اپنے بیٹے کو نہیں بلکہ بھتیجے کو کہا تھا۔ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ اس کی عورت جس کا نام طریقہ تھا اس نے اپنی کہانت سے یہ بات معلوم کر کے سب کو بتائی تھی اور روایت میں ہے کہ عمان میں غسانی اور ازد بھی ہلاک کر دیئے گئے۔ میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی ریل پیل پھلوں اور کھیتوں کی بیشمار روزی کے باوجود سیل عرم سے یہ حالت ہوگئی کہ ایک ایک لقمے کو اور ایک ایک بوند پانی کو ترس گئے یہ پکڑ اور عذاب یہ تنگی اور سزا جو انہیں پہنچی اس سے ہر صابر و شاکر عبرت حاصل کر سکتا ہے کہ اللہ کی نافرمانیاں کس طرح انسان کو گھیر لیتی ہیں عافیت کو ہٹا کر آفت کو لے آتی ہیں۔ مصیبتوں پر صبر نعمتوں پر شکر کرنے والے اس میں دلائل قدرت پائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مومن کے لئے تعجب ناک فیصلہ کیا ہے اگر اسے راحت ملے اور یہ شکر کرے تو اجر پائے اور اگر اسے مصیبت پہنچے اور صبر کرے تو اجر پائے۔ غرض مومن کو ہر حالت پر اجر و ثواب ملتا ہے اس کا ہر کام نیک ہے۔ یہاں تک کہ محبت کے ساتھ جو لقمہ اٹھا کر یہ اپنی بیوی کے منہ میں دے اس پر بھی اسے ثواب ملتا ہے (مسند احمد)

بخاری و مسلم میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تعجب ہے کہ مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہر قضا بھلائی کے لئے ہی ہوتی ہے۔ اگر اسے راحت اور خوشی پہنچتی ہے تو شکر کر کے بھلائی حاصل کرتا ہے اور اگر برائی اور غم پہنچتا ہے تو یہ صبر کرتا ہے اور بدلہ حاصل کرتا ہے۔ یہ نعمت تو صرف مومن کو ہی حاصل ہے کہ جس کی ہر حالت بہتری اور بھلائی والی ہے۔

حضرت مطرف فرماتے ہیں صبر و شکر انے والا بندہ کتنا ہی اچھا ہے کہ جب اسے نعمت ملے تو شکر کرے اور جب زحمت پہنچے تو صبر کرے۔

حضرت صالح علیہ السلام

اللہ کی اونٹنی کو مار ڈالنے سے عذاب کا واقعہ

ثمود کے شہر میں نو فسادی شخص تھے جن کی طبیعت میں اصلاح تھی ہی نہیں یہی ان کے رؤسا اور سردار تھے انہی کے مشورے اور حکم سے اونٹنی کو مار ڈالا ان کے نام یہ ہیں رعمی، رعم، ھرم، ھریم، داب، صواب، مطع، قدار بن سالف یہ آخری شخص وہ ہے جس نے اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں۔ جس کا بیان آیت) (فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ 29) 54-القمر:29) اور (إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا 12) 91-الشمس:12) میں ہے۔ یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے۔ سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح فساد ہے۔

چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے جس میں بلا ضرورت سکے کو جو مسلمانوں میں رائج ہو کاٹنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے۔ اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح کو اور اسکے گھرانے کو قتل کر ڈالو اس پر سب نے حلف اٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کیے۔ لیکن یہ لوگ حضرت صالح تک پہنچیں اس سے پہلے عذاب الٰہی ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا۔ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے سارے ہی ایک ساتھ مر گئے ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے خصوصا جب انہوں نے حضرت صالح کی اونٹنی کو قتل کیا۔

اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی اللہ علیہ السلام کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ مشورے کئے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اسے کے بال بچوں اور اس کے والی وارثوں کو ہلاک کر دو اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر؟ اگر صالح نبی ہے تو ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو اس ارادے سے چلے راہ ہی میں تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے ان کے مشوروں میں جو اور جماعت شریک تھی انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہو گیا اور واپس نہیں آئے تو یہ خبر لینے چلے دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں۔ انہوں نے حضرت صالح پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لئے نکلے لیکن ان کی قوم ہتھیار لگا کر آ گئی اور کہنے لگے دیکھو اس نے تم سے کہا کہ تین دن میں عذاب اللہ تم پر آئے گا تم یہ تین دن گذرنے دو۔ اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے اللہ کو اور ناراض کرو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟ چنانچہ وہ لوگ چلے گئے۔

فی الواقع ان سے نبی اللہ حضرت صالح علیہ السلام نے صاف فرما دیا تھا کہ تم نے اللہ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم اب تین دن تک

مزے اڑالو پھر اللہ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا۔ یہ لوگ حضرت صالح کی زبانی یہ سب سن کر کہنے لگے یہ تو اتنی مدت سے کہہ رہا ہے آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کردو۔ جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آرہی ہے اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے چٹان آکر غار کے منہ میں اس طرح ٹھہر گیا کہ غار کا منہ بالکل بند ہو گیا۔

سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں عذاب آیا وہاں باقی والے وہیں ہلاک کر دیئے گئے نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں۔ حضرت صالح اور باایمان لوگوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں اللہ کے عذابوں میں گنوا دیں۔ انہوں نے مکر کیا اور ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھا دیا۔ اور انہیں اس سے ذرا پہلے بھی مطلق علم نہ ہو سکا۔ انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے۔ یہ ہیں ان کی بستیاں جو سنسان پڑی ہیں انکے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہو گئے ان کے بارونق شہر تباہ کر دیئے گئے ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم نے ایمان دار متقیوں کو بال بال بچا لیا۔

ثمود کی قوم اور اس کا عبرت ناک انجام

علمائے نسب نے بیان کیا ہے کہ ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح۔ یہ بھائی تھا جدیس بن عامر کا۔ اسی طرح قبیلہ طسم یہ سب خالص عرب تھے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے پہلے ثمودی عادیوں کے بعد ہوئے ہیں ان کے شہر حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ اور اس کے اردگرد مشہور ہیں۔

سنہ ۹ھ میں تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اجاڑ بستیوں میں سے گذرے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے میدان میں اترے لوگوں نے ثمودیوں کے گھروں کے پاس ڈیرے ڈالے اور انہی کے کنوؤں کے پانی سے آٹے گوندھے ہانڈیاں چڑھائیں تو آپ نے حکم دیا کہ سب ہانڈیاں الٹ دی جائیں اور گندھے ہوئے آٹے اونٹوں کو کھلا دیئے جائیں۔ پھر فرمایا یہاں سے کوچ کرو اور اس کنوئیں کے پاس ٹھہرو جس سے حضرت صالح کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور فرمایا آئندہ عذاب والی بستیوں میں پڑاؤ نہ کیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی عذاب کے شکار تم بھی بن جاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی بستیوں سے روتے اور ڈرتے ہوئے گذرو کہ مبادا وہی عذاب تم پر آ جائیں جو ان پر آئے تھے۔

اور روایت میں ہے کہ غزوہ تبوک میں لوگ بہ عجلت حجر کے لوگوں کے گھروں کی طرف لپکے۔ آپ نے اسی وقت یہ آواز بلند کرنے کہا حدیث (الصلوۃ جامعۃ) جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے گھروں میں کیوں گھسے جا رہے ہو جن پر غضب الٰہی نازل ہوا۔ راوی حدیث ابو کبشہ فرماتے ہیں رسول اللہ کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ میں نے یہ سن کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو صرف تعجب کے طور پر انہیں دیکھنے چلے گئے تھے آپ نے فرمایا میں تمہیں اس سے بھی تعجب خیز چیز بتا

رہا ہوں تم میں سے ہی ایک شخص ہے جو تمہیں وہ چیز بتا رہا ہے جو گذر چکیں اور وہ خبریں دے رہا ہے جو تمہارے سامنے ہیں اور جو تمہارے بعد ہونے والی ہیں پس تم ٹھیک ٹھاک رہو اور سیدھے چلے جاؤ تمہیں عذاب کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں یاد رکھو ایسے لوگ آئیں گے جو اپنی جانوں سے کسی چیز کو دفع نہ کر سکیں گے۔ حضرت ابو کبشہ کا نام عمر بن سعد ہے اور کہا گیا ہے کہ عامر بن سعد ہے۔

ایک دن اونٹنی کیلئے پانی مقرر ہونے کا واقعہ

ایک روایت میں ہے کہ حجر کی بستی کے پاس آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معجزے نہ طلب کرو دیکھو قوم صالح نے معجزہ طلب کیا جو ظاہر ہوا یعنی اونٹنی جو اس راستے سے آتی تھی اور اس راستے سے جاتی تھی لیکن ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتاب کی اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی تھی اور ایک دن یہ سب اس کا دودھ پیتے تھے اس اونٹنی کو مار ڈالنے پر ان پر ایک چیخ آئی اور یہ جتنے بھی تھے سب کے سب ڈھیر ہو گئے۔ بجز اس ایک شخص کے جو حرم شریف میں تھا لوگوں نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ فرمایا ابو غال یہ بھی جب حد حرم سے باہر آیا تو اسے بھی وہی عذاب ہوا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں تو نہیں لیکن ہے۔

مسلم شریف کی شرط پر۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ثمودی قبیلے کی طرف سے ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ تمام نبیوں کی طرح آپ نے بھی اپنی امت کو سب سے پہلے توحید الٰہی سکھائی کہ فقط اس کی عبادت کریں اس کے سوا اور کوئی لائق عبادت نہیں۔ اللہ کا فرمان ہے جتنے بھی رسول آئے سب کی طرف یہی وحی کی جاتی رہی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، صرف میری ہی عبادت کرو اور ارشاد ہے ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا اوروں کی عبادت سے بچو۔ حضرت صالح فرماتے ہیں لوگو تمہارے پاس دلیل الٰہی آ چکی جس میں میری سچائی ظاہر ہے۔

ان لوگوں نے حضرت صالح سے یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ ایک سنگلاخ چٹان جو ان کی بستی کے ایک کنارے پڑی تھی جس کا نام کاتبہ تھا اس سے آپ ایک اونٹنی نکالیں جو گابھن ہو (دودھ دینے والی اونٹنی جو دس ماہ کی حاملہ ہو) حضرت صالح نے ان سے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو تم ایمان قبول کر لو گے؟ انہوں نے پختہ وعدے کیے اور مضبوط عہد و پیمان کیے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھی دعا کی ان سب کے دیکھتے ہی چٹان نے ہلنا شروع کیا اور چیخ گئی اس کے بیچ سے ایک اونٹنی نمودار ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی ان کے سردار جندع بن عمرو نے تو اسلام قبول کر لیا اور اس کے ساتھیوں نے بھی۔

باقی جو اور سردار تھے وہ ایمان لانے کیلئے تیار تھے مگر ذواب بن عمرو بن لبید نے اور حباب نے جو بتوں کا مجاور تھا اور رباب بن ہمر بن جلمس وغیرہ نے انہیں روک دیا۔ حضرت جندع کا بھتیجا شہاب نامی تھا یہ ثمودیوں کا بڑا عالم فاضل اور شریف شخص تھا اس نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن انہی بدبختوں نے اسے بھی روکا جس پر ایک مومن ثمودی مہوش بن غنمہ نے کہا کہ آل عمرو نے شہاب کو دین حق کی دعوت دی قریب تھا کہ وہ مشرف باسلام ہو جائے اور اگر ہو جاتا تو اس کی عزت سیوا ہو جاتی مگر بدبختوں نے

اسے روک دیا اور نیکی سے ہٹا کر بدی پر لگا دیا۔ اس حاملہ اونٹنی کو اس وقت بچہ ہوا ایک مدت تک دونوں ان میں رہے۔ ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی۔ اس دن اس قدر دودھ دیتی کہ یہ لوگ اپنے سب برتن بھر لیتے جیسے قرآن میں ہے آیت (وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ 28) 54-القمر:28)، اور آیت میں ہے (قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ 155) 26-الشعراء:155) یہ ہے اونٹنی اس کے اور تمہارے پانی پینے کے دن تقسیم شدہ اور مقررہ ہیں۔ یہ اونٹنی ثمودیوں کی بستی حجر کے اردگرد چرتی چگتی تھی ایک راہ جاتی دوسری راہ آتی یہ بہت ہی موٹی تازی اور ہیبت والی اونٹنی تھی جس راہ سے گذرتی سب جانور ادھر ادھر ہو جاتے۔ کچھ زمانہ گذرنے کے بعد ان اوباشوں نے ارادہ کیا کہ اس کو مار ڈالیں۔

عورت کے سبب عذاب الٰہی کے اسباب مہیا کرنے کا واقعہ

امام ابن جریر وغیرہ کا فرمان ہے کہ اس کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ عنیزہ بنت غنم بن مجلز جو ایک بڑھیا کافرہ تھی اور حضرت صالح سے بڑی دشمنی رکھتی تھی اس کی لڑکیاں بہت خوبصورت تھیں اور تھی بھی یہ عورت مالدار۔ اس کے خاوند کا نام ذواب بن عمرو تھا جو ثمودیوں کا ایک سردار تھا یہ بھی کافر تھا۔ اسی طرح ایک اور عورت تھی جس کا نام صدقہ بنت محیا بن زہیر بن مختار تھا۔ یہ بھی حسن کے علاوہ مال اور حسب نسب میں بڑھی ہوئی تھی اس کے خاوند مسلمان ہو گئے تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس سرکش عورت نے ان کو چھوڑ دیا۔ اب یہ دونوں عورتیں لوگوں کو اکساتی تھیں کہ کوئی آمادہ ہو جائے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر دے، صدقہ نامی عورت نے ایک شخص حباب کو بلایا اور اس سے کہا کہ میں تیرے گھر آ جاؤں گی اگر تو اس اونٹنی کو قتل کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا، اس پر اس نے مصدع بن مہرج بن محیا کو بلایا جو اس کے چچا کا لڑکا تھا اور اسے بھی اسی بات پر آمادہ کیا۔ یہ خبیث اس کے حسن و جمال کا مفتون تھا اس برائی پر آمادہ ہو گیا۔

ادھر عنیزہ نے قدار بن سالف بن جذع کو بلا کر اس سے کہا کہ میری ان خوبصورت نوجوان لڑکیوں میں سے جسے تو پسند کرے اسے میں تجھے دے دوں گی اسی شرط پر کہ تو اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈال۔ یہ خبیث بھی آمادہ ہو گیا یہ تھا بھی زناکاری کا بچہ، سالف کی اولاد میں نہ تھا، جیسان نامی ایک شخص سے اس کی بدکار ماں نے زناکاری کی تھی اسی سے یہ پیدا ہوا تھا اب دونوں چلے اور اہل ثمود اور دوسرے شریروں کو بھی اس پر آمادہ کیا چنانچہ سات شخص اور بھی اس پر آمادہ ہو گئے اور یہ نو فسادی شخص اس بدارادے پر تل گئے جیسے قران کریم میں ہے آیت (وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ 48) 27-النمل:48)

اس شہر میں نو شخص تھے جن میں اصلاح کا مادہ ہی نہ تھا سراسر فسادی ہی تھے۔ چونکہ یہ لوگ قوم کے سردار تھے ان کے کہنے سننے سے تمام کفار بھی اس پر راضی ہو گئے اور اونٹنی کے واپس آنے کا راستے میں یہ دونوں شریر اپنی اپنی کمین گاہوں میں بیٹھ گئے جب اونٹنی نکلی تو پہلے مصدع نے اسے تیر مارا جو اس کی ران کی ہڈی میں پیوست ہو گیا اسی وقت عنیزہ نے اپنی خوبصورت لڑکی کو کھلے منہ قدار کے پاس بھیجا اس نے کہا قدار کیا دیکھتے ہو اٹھو اور اس کا کام تمام کر دو۔ یہ اس کا منہ دیکھتے ہی دوڑا اور اس کے دونوں پچھلے پاؤں کاٹ دیئے اونٹنی چکرا کر گری اور ایک آواز نکالی جس سے اس کا بچہ ہوشیار ہو گیا اور اس راستے کو چھوڑ کر پہاڑی پر چلا گیا یہاں قدار نے

اونٹنی کا گلا کاٹ دیا اور وہ مرگئی اس کا بچہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ بلبلایا۔

حسن بصری فرماتے ہیں اس نے اللہ کے سامنے اپنی ماں کے قتل کی فریاد کی پھر جس چٹان سے نکلا تھا اسی میں سما گیا۔ یہ روایت بھی ہے کہ اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ ہی ذبح کر دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت صالح علیہ السلام کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ گھبرائے ہوئے موقعہ پر پہنچے دیکھا کہ اونٹنی بیجان پڑی ہے آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

قوم ثمود کی عذاب کے سبب ہلاکت کا واقعہ

اور فرمایا بس اب تین دن میں تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے، ہوا بھی یہی۔ بدھ کے دن ان لوگوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا اور چونکہ کوئی عذاب نہ آیا اس لئے اترا گئے اور ان مفسدوں نے ارادہ کر لیا کہ آج شام کو صالح کو بھی مار ڈالو اگر واقعی ہم ہلاک ہونے والے ہی ہیں تو پھر یہ کیوں بچا رہے؟ اور اگر ہم پر عذاب نہیں آتا تو بھی آ ؤ روز روز کے اس جھنجھٹ سے پاک ہو جائیں۔

چنانچہ قرآن کریم کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے مل کر مشورہ کیا اور پھر قسمیں کھا کر اقرار کیا کہ رات کو صالح کے گھر پر چھاپہ مارو اور اسے اور اس کے گھرانے کو تہ تیغ کرو اور صاف انکار کر دو کہ ہمیں کیا خبر کہ کس نے مارا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے ان کے اس مکر کے مقابل ہم نے بھی مکر کیا اور یہ ہمارے مکر سے بالکل بیخبر رہے اب انجام دیکھ لو کہ کیا ہوا؟ رات کو یہ اپنی بدنیتی سے حضرت صالح کے گھر کی طرف چلے آپ کا گھر پہاڑی کی بلندی پر تھا ابھی یہ اوپر چڑھ ہی رہے تھے جو اوپر سے ایک چٹان پتھر کی لڑھکتی ہوئی آئی اور سب کو ہی پیس ڈالا۔

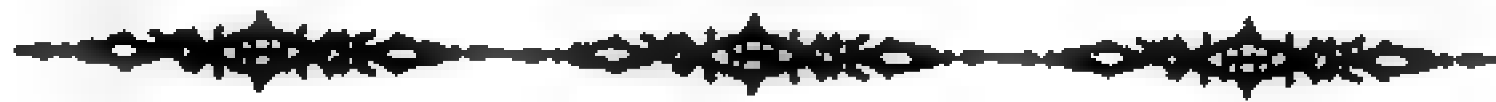
ان کا تو یہ حشر ہوا ادھر جمعرات کے دن تمام ثمودیوں کے چہرے زرد پڑ گئے جمعہ کے دن ان کے چہرے آگ جیسے سرخ ہو گئے اور ہفتے کے دن جو مہلت کا آخری دن تھا ان کے منہ سیاہ ہو گئے تین دن جب گذر گئے تو چوتھا دن اتوار صبح ہی صبح سورج کے روشن ہوتے ہی اوپر آسمان سے سخت کڑاکا ہوا جس کی ہولناک دہشت انگیز چنگھاڑ نے ان کے کلیجے پھاڑ دیئے ساتھ ہی نیچے سے زبردست زلزلہ آیا ایک ہی ساعت میں ایک ساتھ ہی ان سب کا ڈھیر ہو گیا، مردوں سے مکانات، بازار، گلی، کوچے بھر گئے۔ مرد، عورت، بچے، بوڑھے اول سے آخر تک سارے کے سارے تباہ ہو گئے شان رب دیکھئے کہ اس واقعہ کی خبر دنیا کو پہنچانے کے لئے ایک کافرہ عورت بچا دی گئی، یہ بھی بڑی خبیثہ تھی۔

حضرت صالح علیہ السلام کی عداوت کی آگ سے بھری ہوئی تھی اسکی دونوں ٹانگیں نہیں تھیں لیکن ادھر عذاب آیا ادھر اس کے پاؤں کھل گئے اپنی بستی سے سرپٹ بھاگی اور تیز دوڑتی ہوئی دوسرے شہر میں پہنچی اور وہاں جا کر ان سب کے سامنے سارا واقعہ بیان کر ہی چکنے کے بعد ان سے پانی مانگا۔ ابھی پوری پیاس بھی نہ بجھی تھی کہ عذاب الٰہی آ پڑا اور وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ ہاں ابو دغال نامی ایک شخص اور بچ گیا تھا یہ یہاں نہ تھا حرم کی پاک زمین میں تھا لیکن کچھ دنوں کے بعد جب یہ اپنے کسی کام کی غرض سے حد حرم سے باہر آیا اسی وقت آسمان سے پتھر آیا اور اسے بھی جہنم واصل کیا ثمودیوں میں سے سوائے حضرت صالح اور انکے مومن صحابہ کے

اور کوئی بھی نہ بچا، ابورغال کا واقعہ اس سے پہلے حدیث سے بیان ہو چکا ہے قبیلہ ثقیف جو طائف میں ہے مذکور ہے کہ یہ اسی کی نسل سے ہیں۔

ابودغال کا حرم سے باہر آتے ہی عذاب کے ہتھے چڑھ جانے کا واقعہ

عبدالرزاق میں ہے کہ اس کی قبر کے پاس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گذرے تو فرمایا جانتے ہو یہ کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ابودغال کی قبر ہے۔ یہ ایک ثمودی شخص تھا اپنی قوم کے عذاب کے وقت یہ حرم میں تھا اس وجہ سے عذاب الٰہی سے بچ رہا لیکن حرم شریف سے نکلا تو اسی وقت اپنی قوم کے عذاب سے یہ بھی ہلاک ہوا اور یہیں دفن کیا گیا اور اس کے ساتھ اس کی سونے کی لکڑی بھی دفنا دی گئی۔ چنانچہ لوگوں نے اس گڑھے کو کھود کر اس میں سے وہ لکڑی نکال لی اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا ثقیف قبیلہ اسی کی اولاد ہے۔ ایک مرسل حدیث میں بھی یہ ذکر موجود ہے، یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا اس کے ساتھ سونے کی شاخ دفن کر دی گئی تھی یہی نشان اس کی قبر کا ہے اگر تم اسے کھودو تو وہ شاخ ضرور نکل آئے گی چنانچہ بعض لوگوں نے اسے کھودا اور وہ شاخ نکال لی۔ ابوداؤد میں بھی یہ روایت ہے۔



حضرت عزیر علیہ السلام

سو برس تک مردہ رہے پھر زندہ ہو گئے

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ واقعہ حضرت عزیز بن شرخیا علیہ السلام کا ہے جو بنی اسرائیل کے ایک نبی ہیں۔ واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل کی بداعمالیاں بہت زیادہ بڑھ گئیں تو ان پر خدا کی طرف سے یہ عذاب آیا کہ بخت نصر بابلی ایک کافر بادشاہ نے بہت بڑی فوج کے ساتھ بیت المقدس پر حملہ کر دیا اور شہر کے ایک لاکھ باشندوں کو قتل کر دیا اور ایک لاکھ کو ملک شام میں ادھر ادھر بکھیر کر آباد کر دیا اور ایک لاکھ کو گرفتار کر کے لونڈی غلام بنا لیا۔ حضرت عزیز علیہ السلام بھی انہیں قیدیوں میں تھے۔ اس کے بعد اس کافر بادشاہ نے پورے شہر بیت المقدس کو توڑ پھوڑ کر مسمار کر دیا اور بالکل ویران بنا ڈالا۔

بخت نصر کون تھا؟

قوم عمالقہ کا ایک لڑکا ان کے بت نصر کے پاس لاوارث پڑا ہوا ملا چونکہ اس کے باپ کا نام کسی کو نہیں معلوم تھا، اس لئے لوگوں نے اس کا بخت نصر (نصر کا بیٹا) رکھ دیا۔ خدا کی شان کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کہرسف بادشاہ کی طرف سے سلطنت بابل پر گورنر مقرر ہو گیا پھر یہ خود دنیا کا بہت بڑا بادشاہ ہو گیا۔ (تفسیر جمل، ج1، ص321، البقرۃ:259))

کچھ دنوں کے بعد حضرت عزیز علیہ السلام جب کسی طرح بخت نصر کی قید سے رہا ہوئے تو ایک گدھے پر سوار ہو کر اپنے شہر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ اپنے شہر کی ویرانی اور بربادی دیکھ کر ان کا دل بھر آیا اور وہ رو پڑے۔ چاروں طرف چکر لگایا مگر انہیں کسی انسان کی شکل نظر نہیں آئی۔ ہاں یہ دیکھا کہ وہاں کے درختوں پر خوب زیادہ پھل آئے ہیں جو پک کر تیار ہو چکے ہیں مگر کوئی ان پھلوں کو توڑنے والا نہیں ہے۔ یہ منظر دیکھ کر نہایت ہی حسرت وافسوس کے ساتھ بے اختیار آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ نکل پڑا کہ انی یحی ھذہ اللہ بعد موتھا یعنی اس شہر کی ایسی بربادی اور ویرانی کے بعد بھلا کس طرح اللہ تعالیٰ پھر اس کو آباد کرے گا؟ پھر آپ نے کچھ پھلوں کو توڑ کر تناول فرمایا اور انگوروں کو نچوڑ کر اس کا شیرہ نوش فرمایا پھر بچے ہوئے پھلوں کو اپنے جھولے میں ڈال لیا اور بچے ہوئے انگور کے شیرہ کو اپنی مشک میں بھر لیا اور اپنے گدھے کو ایک مضبوط رسی سے باندھ دیا اور پھر آپ ایک درخت کے نیچے لیٹ کر سو گئے اور اسی نیند کی حالت میں آپ کی وفات ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے درندوں، پرندوں، چرندوں اور جن وانسان سب کی آنکھوں سے آپ کو اوجھل کر دیا کہ کوئی آپ کو نہ دیکھ سکا۔

یہاں تک کہ ستر برس کا زمانہ گزر گیا تو ملک فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ بیت المقدس کے

اس ویرانے میں داخل ہوا اور بہت سے لوگوں کو یہاں لا کر بسایا اور شہر کو پھر دوبارہ آباد کر دیا اور بچے کھچے بنی اسرائیل کو جو اطراف و جوانب میں بکھرے ہوئے تھے سب کو بلا بلا کر اس شہر میں آباد کر دیا اور ان لوگوں نے نئی عمارتیں بنا کر اور قسم قسم کے باغات لگا کر اس شہر کو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور بارونق بنا دیا۔ جب حضرت عزیز علیہ السلام کو پورے ایک سو برس وفات کی حالت میں ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ فرمایا تو آپ نے دیکھا کہ آپ کا گدھا مر چکا ہے اور اس کی ہڈیاں گل سڑ کر ادھر ادھر بکھری پڑی ہیں۔ مگر تھیلے میں رکھے ہوئے پھل اور مشک میں رکھا ہوا انگور کا شیرہ بالکل خراب نہیں ہوا، نہ پھلوں میں کوئی تغیر نہ شیرے میں کوئی بو باس یا بد مزگی پیدا ہوئی ہے اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ اب بھی آپ کے سر اور داڑھی کے بال کالے ہیں اور آپ کی عمر وہی چالیس برس ہے۔ آپ حیران ہو کر سوچ بچار میں پڑے ہوئے تھے کہ آپ پر وحی اتری اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے دریافت فرمایا کہ اے عزیز! آپ کتنے دنوں تک یہاں رہے؟ تو آپ نے خیال کر کے کہا کہ میں صبح کے وقت سویا تھا اور اب عصر کا وقت ہو گیا ہے، یہ جواب دیا کہ میں دن بھر یا دن بھر سے کچھ کم سوتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں، اے عزیز! تم پورے سو برس یہاں ٹھہرے رہے، اب تم ہماری قدرت کا نظارہ کرنے کے لئے ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ اس کی ہڈیاں گل سڑ کر بکھر چکی ہیں اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں پر نظر ڈالو کہ ان میں کوئی خرابی اور بگاڑ نہیں پیدا ہوا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے عزیز! اب تم دیکھو کہ کس طرح ہم ان ہڈیوں کو اٹھا کر ان میں گوشت پوست چڑھا کر اس گدھے کو زندہ کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عزیز علیہ السلام نے دیکھا کہ اچانک بکھری ہوئی ہڈیوں میں حرکت پیدا ہوئی اور ایک دم تمام ہڈیاں جمع ہو کر اپنے اپنے جوڑ سے مل کر گدھے کا ڈھانچہ بن گیا اور لمحہ بھر میں اس ڈھانچے پر گوشت پوست بھی چڑھ گیا اور گدھا زندہ ہو کر اپنی بولی بولنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت عزیز علیہ السلام نے بلند آواز سے یہ کہا:

اعلم ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر ○ (پ3، البقرۃ: 259)

ترجمہ کنز الایمان: میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

اس کے بعد حضرت عزیز علیہ السلام شہر کا دورہ فرماتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں ایک سو برس پہلے آپ کا مکان تھا۔ تو نہ کسی نے آپ کو پہچانا نہ آپ نے کسی کو پہچانا۔ ہاں البتہ یہ دیکھا کہ ایک بہت بوڑھی اور اپاہج عورت مکان کے پاس بیٹھی ہے جس نے اپنے بچپن میں حضرت عزیز علیہ السلام کو دیکھا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا یہی عزیز کا مکان ہے تو اس نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ پھر بڑھیا نے کہا کہ عزیز کا کیا ذکر ہے؟ ان کو تو سو برس ہو گئے کہ وہ بالکل ہی لاپتہ ہو چکے ہیں یہ کہہ کر بڑھیا رونے لگی تو آپ نے فرمایا کہ اے بڑھیا! میں ہی عزیز ہوں تو بڑھیا نے کہا کہ سبحان اللہ! آپ کیسے عزیز ہو سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اے بڑھیا! مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایک سو برس مردہ رکھا۔ پھر مجھ کو زندہ فرما دیا اور میں اپنے گھر آ گیا ہوں تو بڑھیا نے کہا کہ حضرت عزیز علیہ السلام تو ایسے باکمال تھے کہ ان کی ہر دعاء مقبول ہوتی تھی اگر آپ واقعی حضرت عزیز علیہ السلام ہیں تو میرے لئے دعا کیجئے کہ میری آنکھوں میں روشنی آ جائے اور میرا فالج اچھا ہو جائے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کی دعا سے آنکھوں ٹھیک ہو جانے کا واقعہ

حضرت عزیز علیہ السلام نے دعاء کر دی تو بڑھیا کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں اور اس کا فالج بھی اچھا ہو گیا۔ پھر اس نے غور سے آپ کو دیکھا تو پہچان لیا اور بول اٹھی کہ میں شہادت دیتی ہوں کہ آپ یقیناً حضرت عزیز علیہ السلام ہی ہیں پھر وہ بڑھیا آپ کو لیکر بنی اسرائیل کے محلہ میں گئی۔ اتفاق سے وہ سب لوگ ایک مجلس میں جمع تھے اور اسی مجلس میں آپ کا لڑکا بھی موجود تھا جو ایک سو اٹھارہ برس کا ہو چکا تھا اور آپ کے چند پوتے بھی تھے جو سب بوڑھے ہو چکے تھے۔ بڑھیا نے مجلس میں شہادت دی اور اعلان کیا کہ اے لوگو! بلاشبہ یہ حضرت عزیز علیہ السلام ہی ہیں مگر کسی نے بڑھیا کی بات کو صحیح نہیں مانا۔ اتنے میں ان کے لڑکے نے کہا کہ میرے باپ کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک کالے رنگ کا مسہ تھا جو چاند کی شکل کا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنا کرتا اتار کر دکھایا تو وہ مسہ موجود تھا۔ پھر لوگوں نے کہا کہ حضرت عزیز کو تو راۃ زبانی یاد تھی اگر آپ عزیز ہیں تو زبانی توراۃ پڑھ کر سنائیے۔ آپ نے بغیر کسی جھجک کے فوراً پوری توراۃ پڑھ کر سنا دی۔

بخت نصر بادشاہ نے بیت المقدس کو تباہ کرتے وقت چالیس ہزار توراۃ کے عالموں کو چن چن کر قتل کر دیا تھا اور توراۃ کی کوئی جلد بھی اس نے زمین پر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ حضرت عزیز نے توراۃ صحیح پڑھی یا نہیں؟ تو ایک آدمی نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا ہے کہ جس دن ہم لوگوں کو بخت نصر نے گرفتار کیا تھا اس دن ایک ویرانے میں ایک انگور کی جڑ میں توریت کی ایک جلد دفن کر دی گئی تھی اگر تم لوگ میرے دادا کے انگور کی جگہ کی نشان دہی کر دو تو میں توراۃ کی ایک جلد برآمد کر دوں گا۔ اس وقت پتا چل جائے گا کہ حضرت عزیز نے جو توراۃ پڑھی وہ صحیح ہے یا نہیں؟ چنانچہ لوگوں نے تلاش کر کے اور زمین کھود کر توراۃ کی جلد نکال لی تو وہ حرف بہ حرف حضرت عزیز کی زبانی یاد کی ہوئی توراۃ کے مطابق تھی۔ یہ عجیب و غریب اور حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر سب لوگوں نے ایک زبان ہو کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ بے شک حضرت عزیز یہی ہیں اور یقیناً یہ خدا کے بیٹے ہیں۔ چنانچہ اسی دن سے یہ غلط اور مشرکانہ عقیدہ یہودیوں میں پھیل گیا کہ معاذ اللہ حضرت عزیز خدا کے بیٹے ہیں۔ چنانچہ آج تک دنیا بھر کے یہودی اس باطل عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں کہ حضرت عزیز خدا کے بیٹے ہیں۔ (معاذ اللہ)

(تفسیر جمل علی الجلالین، ج 1، ص 322، پ 3، البقرۃ: 259))

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ میں اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

او کالذی مر علیٰ قریة وھی خاویة علیٰ عروشھا ج قال انی یحی ھذہ اللہ بعد موتھا ج فاماتہ اللہ مائة عام ثم بعثہ ط قال کم لبثت ط قال لبثت یوما او بعض یوم ط قال بل لبثت مائة عام فانظر الی طعامک و شرابک لم یتسنہ ج وانظر الیٰ حمارک و لنجعلک اٰیة للناس و انظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحما ط فلما تبین لہ لا قال اعلم ان اللہ علی کل شئی قدیر ہ

(پ 3، البقرۃ: 259)

یااس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ ڈھئی پڑی تھی اپنی چھتوں پر۔ بولا اسے کیونکر جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس پھر زندہ کر دیا فرمایا تو یہاں کتنا ٹھہرا، عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم فرمایا نہیں بلکہ سو برس گزر گئے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ اب تک بو نہ لایا اور گدھے کو دیکھ (کہ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں) اور یہ اس لئے کہ تجھے ہم لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور ان ہڈیوں کو دیکھ کیونکر ہم انہیں اٹھان دیتے پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا بولا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

سو سال کے بعد جان پہلے آنکھوں میں آئی

جب آپ کی وفات کو سو برس گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کیا پہلے آنکھوں میں جان آئی ابھی تک تمام جسم مردہ تھا وہ آپ کے دیکھتے دیکھتے زندہ کیا گیا یہ واقعہ شام کے وقت غروب آفتاب کے قریب ہوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم یہاں کتنے دن ٹھہرے آپ نے اندازہ سے عرض کیا کہ ایک دن یا کچھ کم آپ کا خیال یہ ہوا کہ یہ اسی دن کی شام ہے جس کی صبح کو سوئے تھے' فرمایا بلکہ تم سو برس ٹھہرے اپنے کھانے اور پانی یعنی کھجور اور انگور کے رس کو دیکھئے کہ ویسا ہی ہے اس میں بو تک نہ آئی اور اپنے گدھے کو دیکھئے دیکھا تو وہ مر گیا تھا گل گیا' اعضاء بکھر گئے تھے ہڈیاں سفید چمک رہی تھیں آپ کی نگاہ کے سامنے اس کے اعضاء جمع ہوئے اعضاء اپنے اپنے مواقع پر آئے ہڈیوں پر گوشت چڑھا گوشت پر کھال آئی بال نکلے پھر اس میں روح پھونکی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور آواز کرنے لگا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کیا اور فرمایا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے پھر آپ اپنی اس سواری پر سوار ہو کر اپنے محلہ میں تشریف لائے۔

سر اقدس اور ریش مبارک کے بال سفید تھے عمر وہی چالیس سال کی تھی کوئی آپ کو نہ پہچانتا تھا۔ اندازے سے اپنے مکان پر پہنچے ایک ضعیف بڑھیا ملی جس کے پاؤں رہ گئے تھے۔ وہ نابینا ہو گئی تھی وہ آپ کے گھر کی باندی تھی اور اس نے آپ کو دیکھا تھا آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ یہ عزیر کا مکان ہے اس نے کہا ہاں، اور عزیر کہاں، انہیں مفقود ہوئے سو برس گزر گئے یہ کہہ کر خوب روئی آپ نے فرمایا میں عزیر ہوں اس نے کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے سو برس مردہ رکھا پھر زندہ کیا اس نے کہا حضرت عزیر مستجاب الدعوات تھے جو دعا کرتے قبول ہوتی آپ دعا کیجئے میں بینا ہو جاؤں تاکہ میں اپنی آنکھوں سے آپ کو دیکھوں آپ نے دعا فرمائی وہ بینا ہوئی آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اٹھ خدا کے حکم سے یہ فرماتے ہی اس کے مارے ہوئے پاؤں درست ہو گئے۔ اس نے آپ کو دیکھ کر پہچانا اور کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ بیشک حضرت عزیر ہیں وہ آپ کو بنی اسرائیل کے محلہ میں لے گئی وہاں ایک مجلس میں آپ کے فرزند تھے جن کی عمر ایک سو اٹھارہ سال کی ہو چکی تھی اور آپ کے پوتے بھی تھے جو بوڑھے ہو چکے تھے بوڑھیا نے مجلس میں پکارا کہ یہ حضرت عزیر تشریف لے آئے اہل مجلس نے اس کو جھٹلایا اس نے کہا مجھے دیکھو آپ کی دعا سے میری یہ حالت ہو گئی لوگ اٹھے اور آپ کے پاس آئے آپ کے فرزند نے کہا کہ میرے والد صاحب کے شانوں کے درمیان سیاہ بالوں کا ایک ہلال تھا جسم مبارک کھول کر دکھایا

گیا تو وہ موجود تھا اس زمانہ میں توریت کا کوئی نسخہ نہ رہا تھا کوئی اس کا جاننے والا موجود نہ تھا۔

آپ نے تمام توریت حفظ پڑھ دی ایک شخص نے کہا کہ مجھے اپنے والد سے معلوم ہوا کہ بخت نصر کی ستم انگیزیوں کے بعد گرفتاری کے زمانہ میں میرے دادا نے توریت ایک جگہ دفن کر دی تھی اس کا پتہ مجھے معلوم ہے اس پتہ پر جستجو کر کے توریت کا وہ مدفون نسخہ نکالا گیا اور حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنی یاد سے جو توریت لکھائی تھی اس سے مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کا فرق نہ تھا۔

(جمل، تفسیر خزائن العرفان)

علماء کے قتل پر عزیر علیہ السلام کے آنسو بہانے کا واقعہ

یہود عزیر کو اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں اللہ اس سے پاک اور برتر و بلند ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ ان لوگوں کو حضرت عزیر کی نسبت جو یہ وہم ہوا اس کا قصہ یہ ہے کہ جب عمالقہ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے ان کے علماء کو قتل کر دیا ان کے رئیسوں کو قید کر لیا۔ عزیر علیہ السلام کا علم اٹھ جانے اور علماء کے قتل ہو جانے سے اور بنی اسرائیل کی تباہی سے سخت رنجیدہ ہوئے اب جو رونا شروع کیا تو آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے روتے روتے پلکیں بھی جھڑ گئیں ایک دن اسی طرح روتے ہوئے ایک میدان سے گذر ہوا دیکھا کہ ایک عورت ایک قبر کے پاس بیٹھی رو رہی ہے اور کہہ رہی ہے ہائے اب میرے کھانے کا کیا ہوگا؟ میرے کپڑوں کا کیا ہوگا؟ آپ اس کے پاس ٹھہر گئے اور اس سے فرمایا اس شخص سے پہلے تجھے کون کھلاتا تھا اور کون پہناتا تھا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ۔ آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ تو اب بھی زندہ باقی ہے اس پر تو کبھی نہیں موت آئے گی۔

یہ سن کر اس عورت نے کہا اے عزیر پھر تو یہ تو بتا کہ بنی اسرائیل سے پہلے علماء کو کون علم سکھاتا تھا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس نے کہا آپ یہ رونا دھونا لے کر کیوں بیٹھے ہیں؟ آپ کو سمجھ میں آ گیا کہ یہ جناب باری سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے آپ کو تنبیہ ہے پھر آپ سے فرمایا گیا کہ فلاں نہر پر جا کر غسل کرو وہیں دو رکعت نماز ادا کرو وہاں تمہیں ایک شخص ملیں گے۔ وہ جو کچھ کھلائیں وہ کھالو چنانچہ آپ وہیں تشریف لے گئے نہا کر نماز ادا کی دیکھا کہ ایک شخص ہیں کہہ رہے ہیں منہ کھولو آپ نے منہ کھول دیا انہوں نے تین مرتبہ کوئی چیز آپ کے منہ میں بڑی ساری ڈالی اسی وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول دیا اور آپ توراۃ کے سب سے بڑے عالم بن گئے بنی اسرائیل میں گئے۔

ان سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس تورات لایا ہوں انہوں نے کہا ہم سب آپ کے نزدیک سچے ہیں آپ نے اپنی انگلی کے ساتھ قلم کو لپیٹ لیا اور اسی انگلی سے ایک ہی وقت میں پوری توراۃ لکھ ڈالی ادھر لوگ لڑائی سے لوٹے ان میں ان کے علماء بھی واپس آئے تو انہیں عزیر علیہ السلام کی اس بات کا علم ہوا یہ گئے اور پہاڑوں اور غاروں میں تورات شریف کے جو نسخے چھپا آئے تھے وہ نکال لائے اور ان نسخوں سے حضرت عزیر علیہ السلام کے لکھے ہوئے نسخے کا مقابلہ کیا تو بالکل صحیح پایا اس پر بعض جاہلوں کے دل میں شیطان نے یہ وسوسہ ڈال دیا کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں۔

حضرت مسیح کو نصرانی اللہ کا بیٹا کہتے تھے ان کا واقعہ تو ظاہر ہے۔ پس ان دونوں گروہوں کی غلط بیانی قرآن بیان فرما رہا ہے

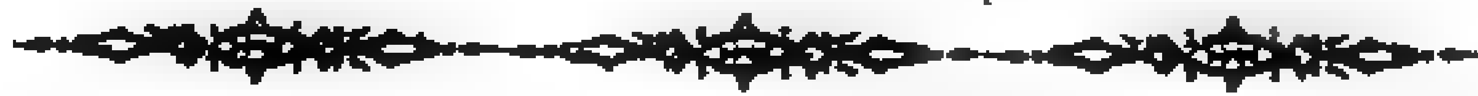
اور فرماتا ہے کہ یہ ان کی صرف زبانی باتیں ہیں جو محض بے دلیل ہیں۔

یہود و نصاریٰ پر اللہ کے غضب ہونے کا بیان

مسند احمد ترمذی اور ابن جریر میں ہے کہ جب عدی بن حاتم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پہنچا تو شام کی طرف بھاگ نکلا جاہلیت میں ہی یہ نصرانی بن گیا تھا یہاں اس کی بہن اور اس کی جماعت قید ہوگئی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احسان اس کی بہن کو آزاد کر دیا اور رقم بھی دی یہ سیدھی اپنے بھائی کے پاس گئیں اور انہیں اسلام کی رغبت دلائی اور سمجھایا کہ تم رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے پاس چلے جاؤ چنانچہ یہ مدینہ شریف آ گئے تھے اپنی قوم طے کے سردار تھے ان کے باپ کی سخاوت دنیا بھر میں مشہور تھی لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچائی آپ خود ان کے پاس آئے اس وقت عدی کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اسی (آیت اتخذوا) کی تلاوت ہو رہی تھی تو انہوں نے کہا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت نہیں کی آپ نے فرمایا ہاں سنو ان کے کیے ہوئے حرام کو حرام سمجھنے لگے اور جسے ان کے علماء اور درویش حلال بتا دیں اسے حلال سمجھنے لگے یہی ان کی عبادت تھی پھر آپ نے فرمایا عدی کیا تم اس سے بیخبر ہو کہ اللہ سب سے بڑا ہے؟ کیا تمہارے خیال میں اللہ سے بڑا اور کوئی ہے؟ کیا تم اس سے انکار کرتے ہو کہ معبود برحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں؟ کیا تمہارے نزدیک اس کے سوا اور کوئی بھی عبادت کے لائق ہے؟ پھر آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے مان لی اور اللہ کی توحید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی ادا کی آپ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا یہود پر غضب الٰہی اترا ہے اور نصرانی گمراہ ہو گئے ہیں۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی اس آیت کی تفسیر اسی طرح مروی ہے کہ اس سے مراد حلال و حرام کے مسائل میں علماء اور ائمہ کی محض باتوں کی تقلید ہے۔

سدی فرماتے ہیں انہوں نے بزرگوں کی ماننی شروع کر دی اور اللہ کی کتاب کو ایک طرف ہٹا دیا۔ اسی لئے اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں حکم تو صرف یہ تھا کہ اللہ کے سوا اور کی عبادت نہ کریں وہی جسے حرام کر دے حرام ہے اور وہ جسے حلال فرما دے حلال ہے۔



حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

مسیح ابن مریم علیہ السلام

یہ خوشخبری حضرت مریم کو فرشتے سنا رہے ہیں کہ ان سے ایک لڑکا ہوگا جو بڑی شان والا اور صرف اللہ کے کلمہ " کن" کے کہنے سے ہوگا یہی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فرمان آیت (مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ) 3۔آل عمران:39) کی بھی ہے،

جیسے کہ جمہور نے ذکر کیا اور جس کا بیان اس سے پہلے گذر چکا، اس کا نام مسیح ہوگا، عیسیٰ بیٹا مریم علیہ السلام کا، ہر مومن اسے اسی نام سے پہچانے گا، مسیح نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمین میں وہ بکثرت سیاحت کریں گے، ماں کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا باپ کوئی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دونوں جہان میں برگزیدہ ہیں اور مقربان خاص میں سے ہیں،

ان پر اللہ عزوجل کی شریعت اور کتاب اترے گی اور بڑی بڑی مہربانیاں، ان پر دنیا میں نازل ہوں گی اور آخرت میں بھی اور اولوالعزم پیغمبروں کی طرح اللہ کے حکم سے جس کے لئے اللہ چاہے گا وہ شفاعت کریں گے جو قبول ہو جائیں گی صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین وہ اپنے جھولے میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کریں گے یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی لوگوں کو بچنے ہی میں دعوت دیں گے جوان کا معجزہ ہوگا اور بڑی عمر میں بھی جب اللہ ان کی طرف وحی کرے گا، وہ اپنے قول وفعل میں علم صحیح رکھنے والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں گے،

ایک حدیث میں ہے کہ بچپن میں کلام صرف حضرت عیسیٰ اور جریج کے ساتھی نے کیا اور ان کے علاوہ حدیث میں ایک اور بچے کا کلام کرنا بھی مروی ہے تو یہ تین ہوئے حضرت مریم اس بشارت کو سن کر اپنی مناجات میں کہنے لگیں اللہ مجھے بچہ کیسے ہوگا؟ میں نے تو نکاح نہیں کیا اور نہ میرا ارادہ نکاح کرنے کا ہے اور نہ میں ایسی بدکار عورت ہوں ماشاء اللہ، اللہ عزوجل کی طرف سے فرشتے نے جواب میں کہا کہ اللہ کا امر بہت بڑا ہے اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی وہ جو چاہے پیدا کر دے، اس نکتے کو خیال میں رکھنا چاہئے کہ حضرت زکریا کے اس سوال کے جواب میں اس جگہ لفظ یفعل تھا یہاں لفظ یخلق ہے یعنی پیدا کرتا ہے۔ اس لئے کہ کسی باطل پرست کو کسی شبہ کا موقع باقی نہ رہے اور صاف لفظوں میں حضرت عیسیٰ کا اللہ جل شانہ کی مخلوق ہونا معلوم ہو جائے۔ پھر اس کی مزید تاکید کی اور فرمایا وہ جس کسی کام کو جب کبھی کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا، بس وہ وہیں ہو جاتا ہے اس کے حکم کے بعد ڈھیل اور دیر نہیں لگتی، جیسے اور جگہ ہے آیت (وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ) 54۔القمر:50) یعنی ہمارے صرف ایک مرتبہ کے حکم

سے ہی بلا تاخیر فی الفور آنکھ جھپکتے ہی وہ کام ہو جاتا ہے ہمیں دوبارہ اسے کہنا نہیں پڑتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک سے چمگادڑ اڑنے لگی

جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزات دکھائے تو لوگوں نے درخواست کی کہ آپ ایک چمگادڑ پیدا کریں آپ نے مٹی سے چمگادڑ کی صورت بنائی پھر اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگی چمگادڑ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اڑنے والے جانوروں میں بہت اکمل اور عجیب تر ہے اور قدرت پر دلالت کرنے میں اوروں سے ابلغ کیونکہ وہ بغیر پروں کے تو اُڑتی ہے اور دانت رکھتی ہے اور ہنستی ہے اور اس کی مادہ کے چھاتی ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے باوجودیکہ اُڑنے والے جانوروں میں یہ باتیں نہیں ہیں

ایک ایک دن میں پچاس ہزاروں مریضوں کے شفایاب ہونے کا واقعہ

جس کا برص عام ہو گیا ہو اور اطبا اس کے علاج سے عاجز ہوں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں طب انتہائے عروج پر تھی اور اس کے ماہرین امر علاج میں ید طولےٰ رکھتے تھے اس لئے ان کو اسی قسم کے معجزے دکھائے گئے تاکہ معلوم ہو کہ طب کے طریقہ سے جس کا علاج ممکن نہیں ہے اس کو تندرست کر دینا یقیناً معجزہ اور نبی کے صدق نبوت کی دلیل ہے وہب کا قول ہے کہ اکثر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک ایک دن میں پچاس پچاس ہزار مریضوں کا اجتماع ہو جاتا تھا ان میں جو چل سکتا تھا وہ حاضر خدمت ہوتا تھا اور جسے چلنے کی طاقت نہ ہوتی اس کے پاس خود حضرت تشریف لے جاتے اور دعا فرما کر اس کو تندرست کرتے اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی شرط کر لیتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عاشر کی لڑکی کو زندہ کرنے کا واقعہ

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار شخصوں کو زندہ کیا ایک عازر جس کو آپ کے ساتھ اخلاص تھا جب اس کی حالت نازک ہوئی تو اس کی بہن نے آپ کو اطلاع دی مگر وہ آپ سے تین روز کی مسافت کے فاصلہ پر تھا جب آپ تین روز میں وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس کے انتقال کو تین روز ہو چکے آپ نے اس کی بہن سے فرمایا ہمیں اس کی قبر پر لے چل وہ لے گئی آپ نے اللہ تعالےٰ سے دعا فرمائی عازر باذن الٰہی زندہ ہو کر قبر سے باہر آیا اور مدت تک زندہ رہا اور اس کے اولاد ہوئی ایک بڑھیا کا لڑکا جس کا جنازہ حضرت کے سامنے جا رہا تھا آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی وہ زندہ ہو کر نعش برداروں کے کندھوں سے اتر پڑا کپڑے پہنے گھر آیا زندہ رہا اولاد ہوئی ایک عاشر کی لڑکی شام کو مری اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے اس کو زندہ کیا ایک سام بن نوح جن کی وفات کو ہزاروں برس گزر چکے تھے لوگوں نے خواہش کی کہ آپ ان کو زندہ کریں آپ ان کی نشاندہی سے قبر پر پہنچے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی سام نے سنا کوئی کہنے والا کہتا ہے اَجِبْ رُوْحَ اللّٰہِ یہ سنتے ہی وہ مرعوب اور خوف زدہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں گمان ہوا کہ قیامت قائم ہوگئی اس ہول سے ان کا نصف سر سفید ہو گیا، پھر وہ

حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لائے اور انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ دوبارہ انہیں سکرات موت کی تکلیف نہ ہو بغیر اس کے واپس کیا جائے چنانچہ اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا اور باذن اللہ فرمانے میں رد ہے نصاریٰ کا جو حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے

بچوں کے سور بن جانے کا واقعہ

جب حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے بیماروں کو اچھا کیا اور مردوں کو زندہ کیا تو بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تو جادو ہے اور کوئی معجزہ دکھایئے تو آپ نے فرمایا کہ جو تم کھاتے ہو اور جو جمع کر رکھتے ہو میں اس کی تمہیں خبر دیتا ہوں اسی سے ثابت ہوا کہ غیب کے علوم انبیاء کا معجزہ ہیں اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دستِ مبارک پر یہ معجزہ بھی ظاہر ہوا آپ آدمی کو بتا دیتے تھے جو وہ کل کھا چکا اور آج کھائے گا اور جو اگلے وقت کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ آپ کے پاس بچے بہت سے جمع ہو جاتے تھے آپ انہیں بتاتے تھے کہ تمہارے گھر فلاں چیز تیار ہوئی ہے تمہارے گھر والوں نے فلاں فلاں چیز کھائی ہے فلاں چیز تمہارے لئے اٹھا رکھی ہے بچے گھر جاتے روتے گھر والوں سے وہ چیز مانگتے گھر والے وہ چیز دیتے۔ اور ان سے کہتے کہ تمہیں کس نے بتایا بچے کہتے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے تو لوگوں نے اپنے بچوں کو آپ کے پاس آنے سے روکا اور کہا وہ جادوگر ہیں ان کے پاس نہ بیٹھو اور ایک مکان میں سب بچوں کو جمع کر دیا حضرت عیسٰی علیہ السلام بچوں کو تلاش کرتے تشریف لائے تو لوگوں نے کہا وہ یہاں نہیں ہیں آپ نے فرمایا کہ پھر اس مکان میں کون ہے انہوں نے کہا سور ہیں فرمایا ایسا ہی ہوگا اب جو دروازہ کھولتے ہیں تو سب سور ہی سور تھے۔

الحاصل غیب کی خبریں دینا انبیاء کا معجزہ ہے اور بے وساطت انبیاء کوئی بشر امور غیب پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

پکا پکایا کھانے کا اترنا اور عذاب الٰہی کا واقعہ

یہ مائدہ کا واقعہ ہے اور اسی کی وجہ سے اس سورت کا نام سورہ مائدہ ہے یہ بھی جناب مسیح علیہ السلام کی نبوت کی ایک زبردست دلیل اور آپ کا ایک اعلیٰ معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے آسمانی دستر خوان اتارا اور آپ کی سچائی ظاہر کی۔ بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ اس کا ذکر موجودہ انجیل میں نہیں عیسائیوں نے اسے مسلمانوں سے لیا ہے، واللہ اعلم،

حضرت عیسٰی کے ماننے والے آپ سے تمنا کرتے ہیں کہ اگر ہو سکے تو اللہ تعالیٰ سے ایک خوان کھانے سے بھرا ہوا طلب کیجئے ایک قرأت میں آیت (هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ) 5۔ المائدہ: 112) یعنی کیا آپ سے یہ ہو سکتا ہے؟ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں؟ مائدہ کہتے ہیں اس دستر خوان کو جس پر کھانا رکھا ہوا ہو، بعض لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے بوجہ فقر و فاقہ، تنگی اور حاجت کے یہ سوال کیا تھا، جناب مسیح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اللہ پر بھروسہ رکھو اور رزق کی تلاش کرو، ایسے انوکھے سوالات نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ فتنہ ہو جائے اور تمہارے ایمان ڈگمگا جائیں۔

انہوں نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول ہم تو کھانے پینے سے تنگ ہو رہے ہیں محتاج ہو گئے ہیں اس سے ہمارے دل مطمئن ہو جائیں گے کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے اپنی روزیاں آسمان سے اترتی خود دیکھ لیں گے، اسی طرح آپ پر جو ایمان ہے وہ

بھی بڑھ جائے گا، آپ کی رسالت کو یوں تو ہم مانتے ہی ہیں لیکن یہ دیکھ کر ہمارا یقین اور بڑھ جائے گا اور اس پر خود ہم گواہ بن جائیں گے، اللہ کی قدرت اور آپ کے معجزہ کی یہ ایک روشن دلیل ہوگی جس کی شہادت ہم خود دیں گے اور یہ آپ کی نبوت کی کافی دلیل ہوگی،

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، عید ہونے سے مراد تو عید کا دن یا نماز گزارنے کا دن ہونا ہے یا اپنے بعد والوں کے لئے یادگار کا دن ہونا ہے یا اپنی اور اپنے بعد کی نسلوں کیلئے نصیحت و عبرت ہونا ہے یا اگلوں پچھلوں کے لئے کافی وافی ہونا ہے، حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں یا اللہ یہ تیری قدرت کی ایک نشانی ہوگی اور میری سچائی کی بھی کہ تو نے میری دعا قبول فرمالی، پس لوگوں تک ان باتوں کو جو تیرے نام سے ہیں انہیں پہنچاؤں گا یقین کرلیا کریں گے، یا اللہ تو ہمیں یہ روزی بغیر مشقت و تکلیف کے محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرما تو تو بہترین رازق ہے،

اللہ تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کا وعدہ فرمالیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اس کے اترنے کے بعد تم میں سے جو کوئی بھی جھٹلائے گا اور کفر کرے گا تو میں اسے وہ عذاب دوں گا جو تمہارے زمانے میں کسی اور کو نہ دیا ہو، جیسے آل فرعون کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ تم سخت تر عذاب دوں گا جو تمہارے زمانے میں کسی اور کو نہ دیا ہو جیسے آل فرعون کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ تمیں سخت تر عذاب دوں گا جو تمہارے زمانے میں کسی اور کو نہ دیا ہو، جیسے آل فرعون کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ تمیں سخت تر عذاب میں داخل ہو جاؤ، اور جیسے منافقوں کے لئے جہنم کا سب سے نیچے کا طبقہ ہے،

تین قسم کے لوگوں کو قیامت کے دن بدترین عذاب دینے کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ قیامت کے دن بدترین عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہوگا، منافقوں کو اور مائدہ آسمانی کے بعد انکار کرنے والوں کو اور فرعونیوں کو، اب ان روایات کو سنیئے جو اس بارے میں سلف سے مروی ہے، ابن عباس فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم اللہ کے لئے ایک مہینے کے روزے رکھو پھر رب سے دعا کرو وہ قبول فرمائے گا انہوں نے تیس روزے پورے کر کے کہا اے بھلائیوں کے بتانے والے ہم اگر کسی کا کام ایک ماہ کامل کرتے تو وہ بعد فراغت ضرور ہماری دعوت کرتا تو آپ بھی اللہ سے بھرے ہوئے خوان کے آسمان سے اترنے کی دعا کیجئے حضرت عیسیٰ نے پہلے تو انہیں سمجھایا لیکن ان کی نیک نیتی کے اظہار پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ساتھ ہی دھمکا بھی دیا۔

پھر فرشتوں کے ہاتھوں آسمان سے خوان نعمت اتارا، جس پر سات مچھلیاں تھیں سات روٹیاں تھیں، جہاں یہ تھے وہیں وہ ان کے کھانے کو رکھ گئے سب بیٹھ گئے اور شکم سیر ہو کر اٹھے، ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اس مائدہ آسمانی میں گوشت روٹی اترا تھا حکم تھا کہ خیانت نہ کریں کل کے لئے نہ لے جائیں لیکن انہوں نے حکم کی خلاف ورزی کی، لے بھی گئے اور چرا بھی لیا، جس کی سزا میں وہ بندر بن گئے۔

حضرت عمار فرماتے ہیں اس میں جنت کے میوے تھے، آپ فرماتے ہیں اگر وہ لوگ خیانت اور ذخیرہ نہ کرتے تو وہ خوان

یوں ہی رہتا لیکن شام ہونے سے پہلے ہی انہوں نے چوریاں شروع کر دیں، پھر سخت عذاب کئے گئے، اے عرب بھائیو! یاد کرو تم اونٹوں اور بکریوں کی دمیں مروڑتے تھے، اللہ نے تم پر احسان کیا خود تم ہی میں سے رسول کو بھیجا جن سے تم واقف تھے جن کے حسب ونسب سے تم آگاہ تھے، اس رسول علیہ سلام نے تمہیں بتا دیا کہ عجمیوں کے ملک تمہارے ہاتھوں فتح ہوں گے لیکن خبردار تم سونے چاندی کے خزانوں کے درپے نہ ہو جانا لیکن واللہ دن رات وہی ہیں اور تم وہ نہ رہے، تم نے خزانے جمع کرنے شروع کر دیئے، مجھے تو خوف ہے کہ کہیں تم پر بھی اللہ کا عذاب برس نہ پڑے،

اسحٰق بن عبداللہ فرماتے ہیں جن لوگوں نے مائدہ آسمانی میں سے چرایا ان کا خیال ہے تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ختم ہو جائے اور کل کے لئے ہمارے پاس کچھ نہ رہے، مجاہدہ سے مروی ہے کہ جب وہ اترتے ان پر مائدہ اترتا عطیہ فرماتے ہیں گو وہ تھی تو مچھلی لیکن اس میں ذائقہ ہر چیز کا تھا، وہب بن منبہ فرماتے ہیں ہر دن اس مائدہ پر آسمان سے میوے اترتے تھے قسم قسم کی روزیاں کھاتے تھے، چار ہزار آدمی ایک وقت اس پر بیٹھ جاتے پھر اللہ کی طرف سے غذا تبدیل ہو جاتی یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس پر روٹیاں جو کی تھیں، سعید بن جبیر فرماتے ہیں اس پر سوائے گوشت کے تمام چیزیں تھیں۔

عکرمہ فرماتے ہیں اس پر چاول کی روٹی تھی، حضرت وہب فرماتے ہیں کہ ان کے اس سوال پر حضرت عیسیٰ بہت رنجیدہ ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ زمین کے رزق پر قناعت کرو اور آسمانی دستر خوان نہ مانگو اگر وہ اترا تو چونکہ زبردست نشان ہوگا اگر ناقدری کی تو بری طرح پکڑے جاؤ گے۔ ثمودیوں کی ہلاکت کا باعث بھی یہی ہوا کہ انہوں نے اپنے نبی سے نشان طلب کیا تھا لیکن حواریوں نے حضرت عیسیٰ کی ایک نہ مانی اور اصرار کیا کہ نہیں آپ ضرور دعا کیجئے اب جناب عیسیٰ اٹھے، صوف کا جبہ اتار دیا، سیاہ بالوں کا لبادہ پہن لیا اور چادر بھی بالوں کی اوڑھ لی، وضو کر کے غسل کر کے، مسجد میں جا کر نماز پڑھ کر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہو گئے، دونوں پیر ملائے، ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لگالی، انگلیاں بھی ملالیں، اپنے سینے پر اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا، نگاہیں زمین میں گاڑ لیں سر جھکا دیا اور نہایت خشوع وخضوع سے عاجزانہ طور پر گریہ وزاری شروع کر دی، آنسو رخساروں سے بہ کر داڑھی کو تر کر کے زمین پر ٹپکنے لگے یہاں تک کہ زمین بھی تر ہو گئی، اب دعا کی جس کا بیان اس آیت میں ہے،

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور ایک سرخ رنگ کا خوان دو بادلوں کے درمیان آسمان سے اترا، جسے اترتے ہوئے سب نے دیکھا، سب تو خوشیاں مار رہے تھے لیکن روح اللہ کانپ رہے تھے، رنگ اڑ گیا تھا اور زار وقطار رو رہے تھے کہ اللہ ہی خیر کرے، ذرا بے ادبی ہوئی تو مارے گئے زبان مبارک سے یہ دعا نکل رہی تھی کہ یا اللہ اسے تو رحمت کا سبب بنا عذاب کا سبب نہ بنا، یا اللہ بہت سی عجیب وغریب چیزیں میں نے تجھ سے طلب کیں اور تو نے عطا فرمائیں، باری تعالیٰ تو ان نعمتوں کے شکر کی ہمیں توفیق عطا فرما، اے پروردگار تو اپنی اس نعمت کو ہمارے لئے سبب غضب نہ بنا، الٰہی تو اسے سلامتی اور عافیت کر، اسے فتنہ اور عذاب نہ کر، یہاں تک کہ وہ خوان زمین تک پہنچ گیا اور حضرت عیسیٰ حواری اور عیسائیوں کے سامنے رکھ دیا گیا، اس میں سے ایسی پاکیزہ خوشبوئیں آ رہی تھیں کہ کسی دماغ میں ایسی خوشبو اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی، حضرت عیسیٰ اور آپ کے اصحاب اسے دیکھ کر سجدے میں گر پڑے

یہودی بھی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور جل بھن رہے تھے، حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی اس دسترخوان کے اردگرد بیٹھ گئے دیکھا کہ اس پر ایک رومال ڈھکا ہوا ہے، مسیح علیہ السلام نے فرمایا کون نیک بخت جرات وہمت کر کے اسے کھولتا ہے؟ حواریوں نے کہا اے کلمتہ اللہ آپ سے زیادہ حقدار اس کا کون ہے؟ یہ سن کر حضرت عیسیٰ کھڑے ہوئے، نئے سرے سے وضو کیا، مسجد میں جا کر کئی رکعت نماز ادا کی دیر تک روتے رہے پھر دعا کی کہ یا اللہ اس کے کھولنے کی اجازت مرحمت ہو اور اسے برکت ورزق بنا دیا جائے، پھر واپس آئے۔

اور بسم اللہ خیر الرازقین کہہ کر رومال اٹھایا، تو سب نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی لمبی چوڑی اور موٹی بھنی ہوئی مچھلی ہے، جس کے اوپر چھلکا نہیں اور جس میں کانٹے نہیں، گھی اس میں سے بہ رہا ہے اسی میں ہر قسم کی سبزیاں بھی ہیں، سوائے گندنا اور مولی کے اس کے سر کے پاس سرکہ رکھا ہوا ہے اور دم کے پاس نمک ہے، سبزیوں کے پاس پانچ روٹیاں ہیں، ایک پر زیتون کا تیل ہے دوسری پر کھجوریں ہیں اور ایک پر پانچ انار ہیں،

شمعون نے جو حواریوں کے سردار تھے کہا کہ اے روح اللہ یہ دنیا کا کھانا ہے یا جنت کا؟ آپ نے فرمایا ابھی تک تمہارے سوال ختم نہیں ہوئے؟ ابھی تک کریدنا باقی ہی ہے؟ واللہ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں اس پر تمہیں کوئی عذاب نہ ہو،

حضرت شمعون نے کہا اسرائیل کے معبود برحق کی قسم میں کسی سرکشی کی بنا پر نہیں پوچھ رہا، اے سچی ماں کے اچھے بیٹے! یقین مانئے کہ میری نیت بد نہیں، آپ نے فرمایا نہ یہ طعام دنیا ہے نہ طعام جنت بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص حکم سے اسے آسمان وزمین کے درمیان اسی طرح کا پیدا کر دیا ہے اور تمہارے پاس بھیج دیا ہے، اب اللہ کا نام لے کر کھاؤ اور کھا کر اس کا شکر ادا کرو شکر گزاروں کو وہ زیادہ دیتا ہے اور وہ ابتداء پیدا کرنے والا قادر اور قدر دان ہے، شمعون نے کہا اے نبی اللہ ہم چاہتے ہیں کہ اس نشان قدرت میں ہی اور نشان قدرت دیکھیں۔

آپ نے فرمایا سبحان اللہ گویا ابھی تم نے کوئی نشان قدرت دیکھا ہی نہیں؟ اچھا لو دیکھو یہ کہہ کر آپ نے اس مچھلی سے فرمایا اے مچھلی اللہ کے حکم سے جیسی تو زندہ تھی، زندہ ہو جا، اسی وقت اللہ کی قدرت سے وہ زندہ ہو گئی اور ہل جل کر چلنے پھرنے لگی، آنکھیں چمکنے لگیں، دیدے کھل گئے اور شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی اور اس کے جسم پر کھپرے بھی آ گئے، یہ دیکھتے ہی تمام حاضرین ڈر گئے اور ادھر ادھر ہٹنے اور دبکنے لگے، آپ نے فرمایا دیکھو تو خود ہی نشان طلب کرتے ہو خود ہی اسے دیکھ کر گھبراتے ہو واللہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ یہ مائدہ آسمانی تمہارے لئے غضب اللہ کا نمونہ نہ بن جائے، اے مچھلی تو بحکم الٰہی جیسی تھی، ویسی ہی ہو جا،

چنانچہ اسی وقت وہ ویسی ہی ہو گئی، اب سب نے کہا کہ اے نبی اللہ آپ اسے کھانا شروع کیجئے اگر آپ کو کوئی برائی نہ پہنچے تو ہم بھی کھا لیں گے، آپ نے فرمایا معاذ اللہ وہی پہلے کھائے جس نے مانگی ہے، اب تو سب کے دلوں میں دہشت بیٹھ گئی کہ کہیں اس کے کھانے سے کسی وبال میں نہ پڑ جائیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر فقیروں کو مسکینوں کو اور بیماروں کو بلا لیا اور حکم یا کہ تم کھانا شروع کر دو یہ تمہارے رب کی دی ہوئی روزی ہے جو تمہارے نبی کی دعا سے اتری ہے، اللہ کا شکر کر کے کھاؤ تمہیں مبارک ہو اس کی

پکڑا اوروں پر ہو گی تم بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور الحمد اللہ پر ختم کرو، پس تیرہ سو آدمیوں نے بیٹھ کر پیٹ بھر کر کھانا کھایا لیکن وہ کھانا مطلقاً کم نہیں ہوا تھا پھر سب نے دیکھا وہ دستر خوان آسمان پر چڑھ گیا وہ کل فقیر غنی ہو گئے وہ تمام بیمار تندرست ہو گئے اور ہمیشہ تک امیری اور صحت والے رہے، حواری اور صحابی سب کے سب بڑے ہی نادم ہوئے اور مرتے دم تک حسرت و افسوس کرتے رہے، آپ فرماتے ہیں اس کے بعد جب یہ دستر خوان اترتا تو بنی اسرائیل ادھر ادھر سے دوڑے بھاگے آتے کیا چھوٹا، کیا بڑا، کیا امیر، فقیر تندرست کیا مریض ایک بھیڑ لگ جاتی ایک دوسرے پر گرتے پڑتے آتے، یہ دیکھ کر باری مقرر ہو گئی ایک دن اترتا ایک دن نہ اترتا، چالیس دن تک یہی کیفیت رہی کہ دن چڑھے اترتا اور ان کے سونے کے وقت چڑھ جاتا جس کا سایہ سب دیکھتے رہتے۔ اس کے بعد فرمان ہوا کہ اب اس میں صرف یتیم فقیر اور بیمار لوگ ہی کھائیں،

مالداروں نے اس سے بہت برا مانا اور لگے باتیں بنانے، خود بھی شک میں پڑ گئے اور لوگوں کے دلوں میں بھی طرح طرح کے وسوسے ڈالنے لگے یہاں تک حضرت عیسیٰ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ آپ سچ سچ بتایئے کہ کیا واقعی یہ آسمان سے ہی اترتا ہے؟ سنئے ہم میں سے بہت سے لوگ اس میں متردد ہیں۔ جناب مسیح علیہ السلام سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے قسم ہے مسیح کے رب کی اب تمہاری ہلاکت کا وقت آ گیا، تم نے خود طلب کیا، تمہارے نبی کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی آسمانی دستر خوان تم پر اترا، تم نے آنکھوں سے اسے اترتے دیکھا، رب کی رحمت و روزی اور برکت تم پر نازل ہوئی، بڑی عبرت و نصیحت کی نشانی تم نے دیکھ لی آہ اب تک تمہارے دلوں کی کمزوری نہ گئی اور تمہاری زبانیں نہ رکیں،

مجھے تو ڈر ہے کہ اگر رب نے تم پر رحم نہ کیا تو عنقریب تم بدترین عذابوں کے شکار ہو جاؤ گے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ جس طرح میں نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ میں ان لوگوں کو وہ عبرتناک سزائیں دوں گا جو کسی کو نہ دی ہو۔ دن غروب ہوا اور یہ بے ادب، گستاخ، جھٹلانے والے اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والے اپنے اپنے بستروں پر جا لیٹے نہایت امن و امان سے ہمیشہ کی طرح اپنے بال بچوں کے ساتھ میٹھی نیند میں تھے کہ پچھلی رات عذاب الٰہی آ گیا اور جتنے بھی یہ لوگ تھے سب کے سب سور بنا دیئے گئے جو صبح کے وقت پاخانوں کی پلیدی کھا رہے تھے، یہ اثر بہت غریب ہے، ابن ابی حاتم میں قصہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے منقول ہے لیکن میں نے اسے پورا بیان کر دیا ہے تا کہ سمجھ آ جائے۔

بہرصورت ان تمام آثار سے صاف ظاہر ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام کے زمانے میں بنو اسرائیل کی طلب پر آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے یہ دستر خوان نازل فرمایا۔ یہی قرآن عظیم کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ بعض کا یہ بھی قول ہے کہ یہ مائدہ اترا ہی نہ تھا یہ صرف بطور مثال کے بیان فرما دیا ہے۔

چنانچہ حضرت مجاہد سے منقول ہے کہ جب عذاب کی دھمکی سنی تو خاموش ہو گئے اور مطالبہ سے دستبردار ہو گئے۔ حسن کا قول بھی یہی ہے اس قول کی تائید اس سے بھی ہو سکتی ہے کہ نصرانیوں کی کتب میں اس کا ذکر نہیں۔ اتنے بڑے اہم واقع کا ان کی کتابوں میں مطلق نہ پایا جانا۔

حضرت حسن اور حضرت مجاہد کے اس قول کو قوی بناتا ہے اور اس کی سند بھی ان دونوں بزرگوں تک صحت کے ساتھ پہنچتی ہے واللہ اعلم۔ لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ مائدہ نازل ہوا تھا امام ابن جریر کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ فرمان ربی آیت (اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ) 5 . المائدہ:115) میں وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہوتے ہیں صحیح اور حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن زیادہ ٹھیک قول یہی ہے جیسے کہ سلف کے آثار و اقوال سے ظاہر ہے۔ تاریخ میں بھی اتنا تو ہے کہ بنی امیہ کے نائب موسیٰ بن نصیر نے مغربی شہروں کی فتح کے موقعہ پر وہیں یہ مائدہ پایا تھا اور اسے امیر المومنین ولید بن عبدالملک کی خدمت میں جو بانی جامع دمشق ہیں بھیجا تھا۔

لیکن ابھی قاصد راستے ہی میں تھے کہ خلیفۃ المسلمین کا انتقال ہوگیا۔ آپ کے بعد آپ کے بھائی سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوئے اور ان کی خدمت میں اسے پیش کیا گیا یہ ہر قسم کے جڑاؤ اور جواہر سے مرصع تھا جسے دیکھ کر بادشاہ اور درباری سب دنگ رہ گئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مائدہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا تھا واللہ اعلم۔

مسند احمد میں ہے کہ قریشیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ صفا پہاڑ کو ہمارے لئے سونے کا بنادے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے، آپ نے فرمایا بالکل سچا وعدہ ہے، انہوں نے کہا نہایت پختہ اور بالکل سچا۔ آپ نے دعا کی اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں کوہ صفا کو سونے کا بنا دیتا ہوں لیکن اگر پھر ان لوگوں نے کفر کیا تو میں انہیں وہ عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دیا ہو اس پر بھی اگر آپ کا ارادہ ہو تو میں ان کے لئے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھول دوں۔ آپ نے فرمایا یا اللہ معاف فرما، توبہ اور رحمت کا دروازہ ہی کھول دے، یہ حدیث ابن مردویہ اور مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اہل کتاب، قاتلان انبیاء، عیسیٰ علیہ السلام کی روداد اور مراحل قیامت

اہل کتاب کے ان گناہوں کا بیان ہو رہا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمتوں سے دور ڈال دیئے گئے اور ملعون و جلاوطن کر دیئے گئے اولاً ان کی عہد شکنیہ تھی کہ جو وعدے انہوں نے اللہ سے کئے ان پر قائم نہ رہے، دوسرے اللہ کی آیتوں یعنی حجت و دلیل اور نبیوں کے معجزوں سے انکار اور کفر، تیسرے بلا وجہ، ناحق انبیاء کرام کا قتل۔ ان کے رسولوں کی ایک بڑی جماعت ان کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ چوتھی ان کا یہ خیال اور قول کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں یعنی پردے میں ہیں، جیسے مشرکین نے کہا تھا آیت (وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ) 41 .فصلت:5) یعنی "اے نبی تیری دعوت سے ہمارے دل پردے میں ہیں" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ "ہمارے دل علم کے ظروف ہیں وہ علم و عرفان سے پُر ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف حاسد یہودیوں کا واقعہ

پھر ان کا جرم عظیم بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے سیدہ مریم علیہا السلام پر زنا کاری جیسی بدترین اور شرمناک تہمت لگائی اور اسی

زنا کاری کے حمل سے حضرت عیسیٰ کو پیدا شدہ بتایا، بعض نے اس سے بھی ایک قدم آگے رکھا اور کہا کہ یہ بدکاری حیض کی حالت میں ہوئی تھی۔ اللہ کی ان پر پھٹکار ہو کہ ان کی بدزبانی سے اللہ کے مقبول بندے بھی نہ بچ سکے۔ پھر ان کا چھٹا گناہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ بطور تمسخر اور اپنی بڑائی کے یہ ہانک بھی لگاتے ہیں کہ "ہم نے حضرت عیسیٰ کو مار ڈالا" جیسے کہ بطور تمسخر کے مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے تو تو مجنون ہے۔

پورا واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت دے کر بھیجا اور آپ کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے دکھائے مثلاً بچپن کے اندھوں کو بینا کرنا، کوڑھیوں کو اچھا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، مٹی کے پرند بنا کر پھونک مارنا اور ان کا جاندار ہو کر اڑ جانا وغیرہ تو یہودیوں کو سخت طیش آیا اور مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور ہر طرح سے ایذا رسانی شروع کر دی، آپ کی زندگی تنگ کر دی، کسی بستی میں چند دن آرام کرنا بھی آپ کو نصیب نہ ہوا، ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں میں اپنی والدہ کے ساتھ سیاحت میں گذاری، پھر بھی انہیں چین نہ لینے دیا، یہ دمشق کے بادشاہ کے پاس گئے جو ستارہ پرست مشرک شخص تھا (اس مذہب والوں کے ملک کو اس وقت یونان کہا جاتا تھا) یہ بہت روئے پیٹے اور بدشاہ کو حضرت عیسیٰ کے خلاف اکسایا اور کہا کہ یہ شخص بڑا مفسد ہے۔ لوگوں کو بہکا رہا ہے، روز نئے فتنے کھڑے کرتا ہے،

امن میں خلل ڈالتا ہے۔ لوگوں کو بغاوت پہ اکساتا ہے وغیرہ۔ بادشاہ نے اپنے گورنر کو جو بیت المقدس میں تھا، ایک فرمان لکھا کہ وہ حضرت عیسیٰ کو گرفتار کرلے اور سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر لوگوں کو اس دکھ سے نجات دلوائے۔ اس نے فرمان شاہی پڑھ کر یہودیوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ لے کر اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں روح اللہ تھے، آپ کے ساتھ اس وقت بارہ تیرہ یا زیادہ سے زیادہ ستر آدمی تھے،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ کی گرفتاری کا واقعہ

جمعہ کے دن عصر کے بعد اس نے محاصرہ کیا اور ہفتہ کی رات تک مکان کو گھیرے میں لئے رہا جب حضرت عیسیٰ نے یہ محسوس کر لیا کہ اب وہ مکان میں گھس کر آپ کو گرفتار کرلیں گے یا آپ کو خود باہر نکلنا پڑے گا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈال دی جائے یعنی اس کی صورت اللہ مجھ جیسی بنا دے اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو اور مجھے اللہ مخلصی دے؟ میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔" اس پر ایک نوجوان نے کہا مجھے یہ منظور ہے لیکن حضرت عیسیٰ نے انہیں اس قابل نہ جان کر دوبارہ یہی کہا،

تیسری دفعہ بھی کہا مگر ہر مرتبہ صرف یہی تیار ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اب آپ نے یہی منظور فرما لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صورت قدرتاً بدل گئی بالکل یہ معلوم ہونے لگا کہ حضرت عیسیٰ یہی ہیں اور چھت کی طرف ایک روزن نمودار ہو گیا اور حضرت عیسیٰ کی اونگھ کی حالت ہو گئی اور اسی طرح وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے آیت (اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ)

3۔آل عمران:55) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے عیسیٰ میں تم سے مکمل تعاون کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔" حضرت روح اللہ کے سوئے ہوئے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد یہ لوگ اس گھر سے باہر نکلے، یہودیوں کی جماعت نے اس بزرگ صحابی کو جس پر جناب مسیح علیہ السلام کی شباہت ڈال دی گئی تھی عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور راتوں رات اسے سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔

یہودیوں کے ہاتھوں میں گمراہ ہونے والے عیسائیوں کا واقعہ

اب یہود خوشیاں منانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا اور لطف تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی کم عقل اور جاہل جماعت نے بھی یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی اور ہاں صرف وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس مکان میں تھے اور جنہیں یقینی طور پر معلوم تھا کہ مسیح آسمان پر چڑھا لئے گئے اور یہ فلاں شخص ہے جو دھوکے میں ان کی جگہ کام آیا۔ باقی عیسائی بھی یہودیوں کا سا راگ الاپنے لگے، یہاں تک کہ پھر یہ بھی گھڑ لیا کہ عیسیٰ کی والدہ سولی تلے بیٹھ کر روتی چلاتی رہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے کچھ باتیں بھی کیں۔

دراصل یہ سب باتیں اللہ کی طرف سے اپنے بزرگ بندوں کا امتحان ہیں جو اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے، پس اس غلطی کو اللہ تعالیٰ نے واضح اور ظاہر کر کے حقیقت حال سے اپنے بندوں کو مطلع فرما دیا اور اپنے سب سے بہتر رسول اور بڑے مرتبے والے پیغمبر کی زبانی اپنے پاک، سچے اور بہترین کلام میں صاف فرما دیا کہ "حقیقتاً نہ کسی نے حضرت عیسیٰ کو قتل کیا، نہ سولی دی بلکہ ان کی شبیہ جس پر ڈالی گئی تھی، اسے عیسیٰ ہی سمجھ بیٹھے، جو یہود و نصاریٰ آپ کے قتل کے قائل ہو گئے وہ سب کے سب شک و شبہ میں حیرت و ضلالت میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں نہ انہیں خود کچھ علم ہے صرف سنی سنائی باتوں پہ یقین کے سوا کوئی ان کے پاس دلیل نہیں۔

اسی لئے پھر اسی کے متصل فرما دیا کہ "یہ یقینی امر ہے کہ روح اللہ کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ جناب باری عز اسمہ نے جو غالب تر ہے اور جس کی قدرتیں بندوں کے فہم میں بھی نہیں آ سکتیں اور جس کی حکمتوں کی تہ تک اور کاموں کی لم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، اپنے خاص بندے کو جنہیں اپنی روح کہا تھا اپنے پاس اٹھا لیا" حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانا چاہا تھا، آپ گھر میں آئے اور گھر میں بارہ حواری تھے، آپ کے بالوں سے اپنی کے قطرے ٹپک رہے تھے، آپ نے فرمایا! تم میں بعض ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں مگر کچھ مجھ سے کفر کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا "تم میں سے کون شخص اسے پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شبیہ ڈالی جائے اور میری جگہ وہ قتل کر دیا جائے اور جنت میں میرا رفیق بنے۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت روح اللہ کی پیش گوئی کے مطابق بعض نے آپ سے بارہ بارہ بار کفر کیا۔ پھر ان کے تین گروہ ہو گئے، یعقوبیہ، نسطوریہ اور مسلمان، یعقوبیہ تو کہنے لگے خود اللہ ہم میں تھا، جب تک چاہا رہا، پھر آسمان پر چڑھ گیا، نسطوریہ کا خیال ہو گیا کہ اللہ کا لڑکا ہم میں تھا، جسے ایک زمانے تک ہم میں رکھ کر پھر اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا کہ اللہ

کا بندہ اور رسول ہم میں تھا جب تک اللہ نے چاہا وہ ہم میں رہا اور پھر اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔ ان پہلے دو گمراہ فرقوں کا زور ہو گیا اور انہوں نے تیسرے سچے اور اچھے فرقے کو کچلنا اور دبانا شروع کیا،

چنانچہ یہ کمزور ہوتے گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر اسلام کو غالب کیا۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہے اور نسائی میں حضرت ابو معاویہ سے بھی یہی منقول ہے اسی طرح سلف میں سے بہت سے بزرگوں کا قول ہے،

حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس وقت شاہی سپاہی اور یہودی حضرت عیسیٰ پر چڑھ دوڑے اور گھیر اڈال دیا اس وقت آپ کے ساتھ سترہ آدمی تھے۔ ان لوگوں نے جب دروازے کھول کر دیکھا تو دیکھا کہ سب کے سب حضرت عیسیٰ کی صورت میں ہیں تو کہنے لگے تم لوگوں نے ہم پر جادو کر دیا ہے، اب یا تو تم اسے جو حقیقی عیسیٰ ہوں ہمیں سونپ دو یا اسے منظور کر لو کہ ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں۔ یہ سن کر روح اللہ نے فرمایا" کوئی ہے جو جنت میں میرا رفیق بنے اور یہاں میرے بدلے سولی پر چڑھنا منظور کرے" ایک صحابی اس کے لئے تیار ہو گئے اور کہنے لگے عیسیٰ میں تیار ہوں، چنانچہ دشمنان دین نے انہیں گرفتار کیا قتل کیا اور سولی چڑھایا اور بغلیں بجانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا، حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ دھوکے میں پڑ گئے اور اللہ نے اپنے رسول کو اسی وقت اپنے پاس چڑھالیا۔

حواریان عیسیٰ علیہ السلام کیلئے خشوع سے پہلے نیند آنے کا واقعہ

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ وحی کر دیا کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تو آپ پر بہت گراں گذرا اور موت کی گھبراہٹ بڑھ گئی تو آپ نے حواریوں کی دعوت کی، کھانا تیار کیا اور سب سے کہدیا کہ آج رات کو میرے پاس تم سب ضرور آنا، مجھے ایک ضروری کام ہے۔ جب وہ آئے تو خود کھانا کھلایا سب کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے رہے، جب وہ کھا چکے تو خود ان کے ہاتھ دھلائے اور اپنے کپڑوں سے ان کے ہاتھ پونچھے یہ ان پر بھاری پڑا اور برا بھی لگا لیکن آپ نے فرمایا" اس رات میں جو کچھ کر رہا ہوں، اگر تم میں سے کسی نے مجھے اس سے روکا تو میرا اس کا کچھ واسطہ نہیں نہ وہ میرا نہ میں اس کا۔

چنانچہ وہ سب خاموش رہے۔ جب آپ ان تمام کاموں سے فارغ ہو گئے تو فرمایا دیکھو! تمہارے نزدیک میں تم سب سے بڑے مرتبے والا ہوں اور میں نے تمہاری خدمت خود کی ہے، یہ اس لئے کہ تم میری اس سنت کے عامل بن جاؤ، خبردار تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اپنے بھائیوں سے بڑا نہ سمجھے، بلکہ ہر بڑا چھوٹے کی خدمت کرے، جس طرح خود میں نے تمہاری خدمت کی ہے۔ اب تم سے میرا جو خاص کام تھا جس کی وجہ سے آج میں نے تمہیں بلایا ہے وہ بھی سن لو کہ" تم سب مل کر آج رات بھر خشوع و خضوع سے میرے لئے دعائیں کرو کہ اللہ میری اجل کو مؤخر کر دے۔

چنانچہ سب نے دعائیں شروع کیں لیکن خشوع وخضوع کا وقت آنے سے پہلے ہی اس طرح انہیں نیند آنے لگی کہ زبان سے ایک لفظ نکالنا مشکل ہو گیا، آپ نے انہیں بیداری کی کوشش میں ایک ایک کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر کہا تمہیں کیا ہو گا؟ ایک رات بھی جاگ نہیں

سکتے ؟ میری مدد نہیں کرتے ؟ لیکن سب نے جواب دیا اے رسول اللہ ہم خود حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے ؟ ایک چھوڑ کئی کئی راتیں جاگتے تھے، جاگنے کے عادی ہیں لیکن اللہ جانے، آج کیا بات ہے کہ بری طرح نیند نے گھیر رکھا ہے، دعا کے اور ہمارے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے تو آپ نے فرمایا! اچھا پھر چرواہا رہے گا اور بکریاں تین تیرہ ہو جائیں گی، غرض اشاروں کنایوں میں اپنا مطلب ظاہر کرتے رہے، پھر فرمایا" دیکھو تم میں سے ایک شخص صبح کا مرغ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرے ساتھ کفر کرے گا اور تم میں سے ایک چند درہموں کے بدلے مجھے بیچ دے گا اور میری قیمت کھائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتانے والے بدبخت عیسائی کا واقعہ

اب یہ لوگ یہاں سے باہر نکلے ادھر ادھر چلے گئے، یہود جو اپنی جستجو میں تھے، انہوں نے شمعون حواری کو پہچان کر اسے پکڑا اور کہا یہ بھی اس کا ساتھی ہے، مگر شمعون نے کہا" غلط ہے میں اس کا ساتھی نہیں ہوں۔ انہوں نے یہ باور کر کے اسے چھوڑ دیا لیکن کچھ آگے جا کر یہ دوسری جماعت کے ہاتھ لگ گیا، وہاں سے بھی اسی طرح انکار کر کے اپنا آپ چھڑایا۔ اتنے میں مرغ نے بانگ دی اب یہ پچھتانے لگے اور سخت غمگین ہوئے۔ صبح ایک حواری یہودیوں کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں تمہیں عیسیٰ کا پتہ بتا دوں تو تم مجھے کیا دلواؤ گے؟ انہوں نے کہا تیس درہم، چنانچہ اس نے وہ رقم لے لی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتا دیا۔ اس سے پہلے وہ شبہ میں تھے، اب انہوں نے گرفتار کر لیا اور رسیوں میں جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور بطور طعنہ زنی کے کہتے جاتے تھے کہ آپ تو مردوں کو زندہ کرتے تھے، جنات کو بھگا دیا کرتے تھے، مجنون کو اچھا کر دیا کرتے تھے، اب کیا بات ہے کہ خود اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے ان رسیوں کو بھی نہیں توڑ سکتے، تھو ہے تمہارے منہ پر! یہ کہتے جاتے تھے اور کانٹے ان کے اوپر ڈالتے جاتے تھے۔ اسی طرح بیدردی سے گھسیٹتے ہوئے جب اس لکڑی کے پاس لائے جہاں سولی دینا تھی اور ارادہ کیا کہ سولی پر چڑھا دیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنی طرف چڑھا لیا اور انہوں نے دوسرے شخص کو جو آپ کے مشابہ تھا سولی پر چڑھا دیا۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا سات دن کے بعد مقام سولی پر آنے کا واقعہ

پھر سات دن کے بعد حضرت مریم اور وہ عورت جس کو حضرت عیسیٰ نے جن سے نجات دلوائی تھی۔ وہاں آئیں اور رونے پیٹنے لگیں تو ان کے پاس حضرت عیسیٰ آئے اور ان سے کہا کہ " کیوں روتی ہو؟ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلند کر لیا ہے اور مجھے ان کی اذیتیں نہیں پہنچیں، ان پر تو شبہ ڈال دیا گیا ہے میرے حواریوں سے کہو کہ مجھ سے فلاں جگہ ملیں" چنانچہ یہ بشارت جب حواریوں کو ملی تو وہ سب کے سب گیارہ آدمی اس جگہ پہنچے، جس حواری نے آپ کو بیچا تھا، اسے انہوں نے وہاں نہ پایا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے اپنا گلا گھونٹ کر آپ ہی مر گیا، اس نے خودکشی کر لی۔ آپ نے فرمایا" اگر وہ توبہ کرتا تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا۔

"پھر پوچھا کہ یہ بچہ جو تمہارے ساتھ ہے، اس کا نام یحییٰ ہے، اب یہ تمہارا ساتھی ہے سنو صبح کو تمہاری زبانیں بدل دی جائیں گی، ہر شخص اپنی اپنی قوم کی زبان بولنے لگے گا، اسے چاہئے کہ اسی قوم میں جا کر اسے میری دعوت پہنچائے اور اللہ سے ڈرائے۔ یہ

واقعہ نہایت ہی غریب ہے، ابن اسحاق کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ جس نے حضرت عیسیٰ کے قتل کے لئے اپنی فوج بھیجی تھی اس کا نام داؤد تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں کے نام

حضرت عیسیٰ اس وقت سخت گھبراہٹ میں تھے، کوئی شخص اپنی موت سے اس قدر پریشان حواس باختہ اور اس قدر رو اویلا کرنے والا نہ ہوگا، جس قدر آپ نے اس وقت کیا۔ یہاں تک کہ فرمایا یا اللہ اگر تو موت کے پیالے کو کسی سے بھی ٹالنے والا ہے تو مجھ سے ٹال دے اور یہاں تک کہ گھبراہٹ اور خوف کے مارے ان کے بدن سے خون پھوٹ کر بہنے لگا، اس وقت اس مکان میں آپ کے ساتھ بارہ حواری تھے، جن کے نام یہ ہیں فرطوس، یعقوبس، ربداء، یحنس، (یعقوب کا بھائی) اندارا ابلیس، فیلبس، ابن یلما، متا طوماس، یعقوب بن حلقایا، نداوسیس، قتایا، لیودس وکریا یوطا۔ بعض کہتے ہیں تیرہ آدمی تھے اور ایک کا نام سرجس تھا۔ اسی نے اپنا آپ سولی پر چڑھایا جانا حضرت عیسیٰ کی بشارت پر منظور کیا تھا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھا لئے گئے اور بقیہ لوگ یہودیوں کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے، اب جو گنتی گنتے ہیں تو ایک کم نکلا۔ اس کے بارے میں ان میں آپس میں اختلاف ہوا۔ یہ لوگ جب اس جماعت پر چھاپہ مارتے ہیں اور انہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عیسیٰ کو چونکہ پہچانتے نہ تھے تو لیودس وکریا یوطا نے تیس درہم لے کر ان سے کہا تھا کہ میں سب سے پہلے جاتا ہوں جسے میں جا کر بوسہ دوں تم سمجھ لینا کہ عیسیٰ وہی ہے، جب یہ اندر پہنچے ہیں،

اس وقت حضرت عیسیٰ اٹھا لئے گئے تھے اور حضرت سرجس آپ کی صورت میں بنا دیئے گئے تھے، اس نے جا کر حسب قرارداد انہی کا بوسہ لیا اور یہ گرفتار کر لئے گئے پھر تو یہ بہت نادم ہوا اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر پھانسی پر لٹک گیا اور نصرانیوں میں ملعون بنا۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام یودس رکریا یوطا تھا، یہ جیسے ہی حضرت عیسیٰ کی پہچان کرانے کے لئے اس گھر میں داخل ہوا، حضرت عیسیٰ تو اٹھا لئے گئے اور خود اس کی صورت حضرت عیسیٰ جیسی ہو گئی اور اسی کو لوگوں نے پکڑ لیا، یہ ہزار چیختا چلاتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں، میں تو تمہارا ساتھی ہوں، میں نے ہی تو تمہیں عیسیٰ کا پتہ دیا تھا لیکن کون سنتا؟ آخر اسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا، اب اللہ ہی کو علم ہے کہ یہی یا وہ تھا، جس کا ذکر پہلے ہوا۔

حضرت مجاہد کا قول ہے کہ حضرت روح اللہ کی مشابہت جس پر ڈال دی گئی تھی اسے صلیب پر چڑھایا اور حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں "حضرت عیسیٰ کی شبیہ آپ کے ان تمام ساتھیوں پر ڈال دی گئی تھی۔" اس کے بعد ذکر ہوتا ہے کہ جناب روح اللہ کی موت سے پہلے جملہ اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے اور قیامت تک آپ ان کے گواہ ہوں گے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں ایک تو یہ کہ عیسیٰ موت سے پہلے یعنی جب آپ دجال کو قتل کرنے کے دوبارہ زمین پر آئیں گے اس وقت تمام مذاہب ختم ہو چکے ہوں گے اور صرف ملت اسلامیہ جو دراصل ابراہیم حنیف کی ملت

ہے رہ جائے گی۔ ابن عباس فرماتے ہیں (موتہ) سے مراد موت عیسیٰ ہے ابو مالک فرماتے ہیں جب جناب مسیح اتریں گے، اس وقت کل اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے۔

ابن عباس سے اور روایت میں ہے خصوصاً یہودی ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔ حسن بصری فرماتے ہیں یعنی نجاشی اور ان کے ساتھی آپ سے مروی ہے کہ قسم اللہ کی حضرت عیسیٰ اللہ کے پاس اب زندہ موجود ہیں۔ جب آپ زمین پر نازل ہوں گے، اس وقت اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو آپ پر ایمان نہ لائے۔ آپ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اپنے پاس اٹھالیا ہے اور قیامت سے پہلے آپ کو دوبارہ زمین پر اس حیثیت سے بھیجے گا کہ ہر نیک و بد آپ پر ایمان لائے گا۔

حضرت قتادہ، حضرت عبدالرحمن وغیرہ بہت سے مفسرین کا یہی فیصلہ ہے اور یہی قول حق ہے اور یہی تفسیر بالکل ٹھیک ہے، انشاء اللہ العظیم اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے ہم اسے بادلائل ثابت کریں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہر اہل کتاب آپ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا ہے۔ اس لئے کہ موت کے وقت حق و باطل سب کھل جاتا ہے تو ہر کتابی حضرت عیسیٰ کی حقانیت کو زمین سے سدھارنے سے پہلے یاد کر لیتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کوئی یہودی نہیں مرتا جب تک کہ وہ حضرت روح اللہ پر ایمان نہ لائے۔

حضرت مجاہد کا یہی قول ہے۔ بلکہ ابن عباس سے تو یہاں تک مروی ہے کہ اگر کسی اہل کتاب کی گردن تلوار سے اڑا دی جائے تو اس کی روح نہیں نکلتی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لائے اور یہ نہ کہدے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت ابی کی تو قرأت میں (قبل موتہم) ہے۔ ابن عباس سے پوچھا جاتا ہے کہ فرض کرو کوئی دیوار سے گر کر مر جائے؟ فرمایا پھر بھی اس درمیانی فاصلے میں وہ ایمان لا چکتا ہے۔ عکرمہ، محمد بن سیرین، محمد ضحاک، سعید بن جبیر سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک قول امام حسن سے ایسا بھی مروی ہے کہ جس کا مطلب پہلے قول کا سا بھی ہوسکتا ہے اور حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے کا بھی ہوسکتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ اصحاب کا واقعہ

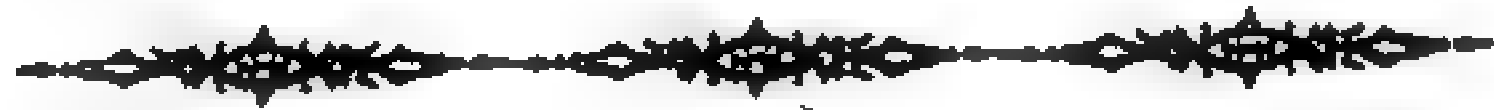
حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جب اللہ کا ارادہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ کو آسمان پر چڑھا لے آپ نہا دھو کر اپنے اصحاب کے پاس آئے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے یہ بارہ صحابہ تھے جو ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے آتے ہی فرمایا تم میں وہ بھی ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں لیکن پھر میرے ساتھ کفر کریں گے اور ایک دو دفعہ نہیں بلکہ بارہ بارہ مرتبہ، پھر فرمایا تم میں سے کون اس بات پر آمادہ ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈالی جائے اور وہ میرے بدلے قتل کیا جائے اور جنت میں میرے درجے میں میرا ساتھی بنے ایک نوجوان جوان سب میں کم عمر تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے آپ کو پیش کیا، آپ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ، پھر وہی بات کہی اب کی مرتبہ بھی کم عمر نوجوان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے،

حضرت عیسیٰ نے اب کی مرتبہ بھی انہیں بٹھا دیا، پھر تیسری مرتبہ یہی سوال کیا، اب کی مرتبہ بھی یہی نوجوان کھڑے ہوئے

آپ نے فرمایا بہت بہتر، اسی وقت ان کی شکل وصورت بالکل حضرت عیسیٰ جیسی ہو گئی اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس گھر کے ایک روزن سے آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے۔ اب یہودیوں کی فوج آئی اور انہوں نے اس نوجوان کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا اور حضرت عیسیٰ کی پیشین گوئی کے مطابق ان باقی کے گیارہ لوگوں میں سے بعض نے بارہ بارہ مرتبہ کفر کیا، حالانکہ وہ اس سے پہلے ایماندار تھے، پھر بنی اسرائیل کے ماننے والے گروہ کے تین فرقے ہو گئے، ایک فرقے نے تو کہا کہ خود اللہ ہمارے درمیان بصورت مسیح تھا، جب تک چاہا رہا پھر آسمان پر چڑھ گیا، انہیں یعقوبیہ کہا جاتا ہے،

ایک فرقے نے کہا ہم میں اللہ کا بیٹا تھا جب تک اللہ نے چاہا اسے ہم میں رکھا اور جب چاہا اپنی طرف چڑھا لیا، انہیں سطوریہ کہا جاتا ہے، تیسری جماعت حق پر قائم رہی ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول حضرت عیسیٰ ہم میں تھے، جب تک اللہ کا ارادہ رہا آپ ہم میں موجود رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا، یہ جماعت مسلمانوں کی ہے۔ پھر ان دونوں کافر جماعتوں کی طاقت بڑھ گئی اور انہوں نے ان مسلمانوں کو مار پیٹ کر قتل و غارت کرنا شروع کیا اور یہ دبے بھی ہوئے اور مغلوب ہی رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، پس بنی اسرائیل کی وہ مسلمان جماعت آپ پر بھی ایمان لائی اور ان کافر جماعتوں نے آپ سے بھی کفر کیا، ان ایمان والوں کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور انہیں ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غالب آ جانا اور دین اسلام کا تمام ادیان کو مغلوب کر دینا ہی ان کا غالب آنا اور اپنے دشمنوں پر غالب پانا ہے۔ (تفسیر ابن جریر)



قرب قیامت کے واقعات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قرب قیامت آمد

صحیح بخاری میں ہے اس وقت کیا ہوگا، جب تم میں مسیح بن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انبیاء کرام علیہم السلام سب ایک باپ کے بیٹے بھائی کی طرح ہیں، مائیں جدا جدا اور دین ایک۔ عیسیٰ بن مریم سے زیادہ تر نزدیک میں ہوں اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں، یقیناً وہ اترنے والے ہیں پس تم انہیں پہچان رکھو۔ درمیان قد ہے، سرخ سفید رنگ ہے۔ وہ دو گیروے رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے اوڑھے اور باندھے ہوں گے، بال خشک ہونے کے باوجود ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے ہوں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ قبول نہ کریں گے، لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے، ان کے زمانے میں تمام ملتیں مٹ جائیں گی، صرف اسلام ہی اسلام رہے گا، ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو ہلاک کرے گا۔

پھر زمین پر امن ہی امن ہوگا یہاں تک کہ کالے ناگ اونٹوں کے ساتھ، چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چرتے پھریں گے اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے، انہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے، چالیس برس تک ٹھہریں گے، پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے۔" ابن جریر کی اسی روایت میں ہے، آپ لوگوں سے اسلام کے لئے جہاد کریں گے، اس حدیث کا ایک ٹکڑا بخاری شریف میں بھی ہے اور روایت میں ہے "سب سے زیادہ قریب تر حضرت عیسیٰ سے دنیا اور آخرت میں میں ہوں۔

صحیح مسلم میں ہے "قیامت قائم نہ ہوگی، جب تک رومی اعماق یا وابق میں نہ اتریں اور ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے مسلمانوں کا لشکر نہ نکلے گا، جو اس وقت تمام زمین کے لوگوں سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہوں گے، جب صفیں بندھ جائیں گی تو رومی کہیں گے تم سے ہم لڑنا نہیں چاہتے، ہم میں سے جو دین بدل کر تم میں ملے ہم ان سے لڑنا چاہتے ہیں تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ لیکن مسلمان کہیں گے واللہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اپنے ان کمزور بھائیوں کو تمہارے حوالے کر دیں۔ چنانچہ لڑائی شروع ہوگی مسلمانوں کے اس لشکر کا تہائی حصہ تو شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوگا، ان کی توبہ اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائے گا اور تہائی حصہ شہید ہو جائے گا، جو اللہ کے نزدیک سب سے افضل شہید ہیں لیکن آخری تہائی حصہ فتح حاصل کرے گا اور رومیوں پر غالب آ جائے گا، پھر یہ کسی فتنے میں نہ پڑیں گے،

قسطنطنیہ کو فتح کریں گے، ابھی تو وہ اپنی تلواریں زیتون کے درختوں پر لٹکائے ہوئے مال غنیمت تقسیم کر ہی رہے ہوں گے جو شیطان چیخ کر کہے گا کہ تمہارے بال بچوں میں دجال آ گیا، اس کے اس جھوٹ کو سچ جان کر مسلمان یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے، شام میں پہنچیں گے، دشمنوں سے جنگ آزما ہونے کے لئے صفیں ٹھیک کر رہے ہوں گے کہ دوسری جانب نماز کی اقامت ہو گی اور حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، ان کی امامت کرائیں گے، جب دشمن رب انہیں دیکھے گا تو اسی طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے،

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے یونہی چھوڑ دیں، جب بھی وہ گھلتے گھلتے ختم ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے حربے پر اس کا خون لوگوں کو دکھائیں گے۔

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "معراج والی رات میں نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی، آپس میں قیامت کی نسبت بات چیت ہونے لگی، ابراہیم علیہ السلام نے اپنی لاعلمی ظاہر کی، اس طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی، لیکن حضرت عیسیٰ نے فرمایا اس کے آنے کا ٹھیک وقت تو سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا، ہاں مجھ سے میرے رب نے جو عہد لیا ہے وہ یہ ہے کہ دجال نکلے گا اس کے ہمراہ دو شاخیں ہوں گی، مجھے دیکھ کر اس طرح پگھلنے لگے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے، یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان یہاں میرے پیچھے ایک کافر ہے اور اسے قتل کر لیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو غارت کر دے گا اور لوگ امن و امان کے ساتھ اپنے اپنے وطن اور شہروں کو لوٹ جائیں گے،

اب یاجوج ماجوج نکلیں گے، ہر طرف سے چڑھ دوڑیں گے، تمام شہروں کو روندیں گے، جس جس چیز پر گذر ہو گا اسے ہلاک کر دیں گے، جس پانی کے پاس سے گذریں گے پی جائیں گے، لوگ پھر لوٹ کر میرے پاس آئیں گے، میں اللہ سے دعا کروں گا، اللہ ان سب کو ایک ساتھ فنا کر دے گا لیکن ان کے مردہ جسموں سے ہوا بگڑ جائے گی، بدبو پھیل جائے گی، پھر مینہ برسے گا اور اس قدر کہ ان کی تمام لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گا۔ بس اس وقت قیامت کی اس طرح آمد آمد ہو گی جس طرح پورے دن کی حاملہ عورت ہو کہ اس کے گھر والے نہیں جانتے کہ صبح کو بچہ ہو جائے یا شام کو، رات کو پیدا ہو یا دن کو؟

قرب قیامت لوگوں کے تین گروہوں بن جانے کا واقعہ

مسند احمد میں ہے حضرت ابو نضرہ فرماتے ہیں ہیں ہم حضرت عثمان بن ابو العاص کے پاس جمعہ والے دن آئے کہ ہم اپنا لکھا ہوا قرآن ان کے قرآن سے ملائیں، جب جمعہ کا وقت آیا تو آپ نے ہم سے فرمایا "غسل کر لو" پھر خوشبو لے آئے جو ہم نے ملی، پھر ہم مسجد میں آئے اور ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے جنہوں نے ہم سے دجال والی حدیث بیان کی پھر حضرت عثمان بن ابو العاص آئے، ہم کھڑے ہو گئے، پھر سب بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسلمان کے تین شہر ہو جائیں گے، ایک دونوں سمندر کے ملنے کی جگہ پر، دوسرا حیرہ میں اور تیسرا شام میں، پھر تین گھبراہٹیں لوگوں کو ہوں گی، پھر دجال نکلے گا، یہ پہلے شہر کی طرف جائے گا، وہاں کے لوگ تین حصوں میں بٹ جائیں گے،

ایک حصہ تو کہے گا ہم اس کے مقابلہ پر ٹھہرے رہیں گے اور دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے؟ دوسری جماعت گاؤں کے لوگوں میں مل جائے گی اور تیسری جماعت دوسرے شہر میں چلی جائے گی جوان سے قریب ہوگا، دجال کے ساتھ ستر ہزار لوگ ہوں گے، جن کے سروں پر تاج ہوں گے، ان کی اکثریت یہودیوں کی اور عورتوں کی ہوگی، یہاں کے یہ مسلمان ایک گھاٹی میں سمٹ کر محصور ہو جائیں گے، ان کے جانور جو چرنے چگنے کو گئے ہوں گے، وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے، اس سے ان کے مصائب بہت بڑھ جائیں گے اور بھوک کے مارے برا حال ہو جائے گا، یہاں تک کہ اپنی کمانوں کی تانیں سینک سینک کر کھالیں گے، جب سخت تنگی کا عالم ہوگا تو انہیں سمندر میں سے آواز آئے گی کہ لوگو تمہاری مدد آ گئی،

اس آواز کو سن کر یہ لوگ خوش ہوں گے، کیونکہ آواز سے جان لیں گے کہ یہ کسی آسودہ شخص کی آواز ہے، عین صبح کی نماز کے وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، ان کا امیر آپ سے کہے گا کہ اے روح اللہ آگے بڑھئے اور نماز پڑھایئے لیکن آپ کہیں گے کہ اس امت کے بعض بعض کے امیر ہیں، چنانچہ انہی کا امیر آگے بڑھے گا اور نماز پڑھائے گا، نماز سے فارغ ہو کر اپنا حربہ ہاتھ میں لے کر مسیح دجال کا رخ کریں گے،

دجال آپ کو دیکھ کر سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا، آپ اس کے سینہ پر وار کریں گے جس سے وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے، لیکن انہیں کہیں امن نہیں ملے گا، یہاں تک کہ اگر وہ کسی درخت تلے چھپیں گے تو وہ درخت پکار کر کہے گا کہ اے مومن یہ ایک کافر میرے پاس چھپا ہوا ہے اور اسی طرح پتھر بھی۔

کافر کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھ دیا جائے گا

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ کا کم وبیش حصہ دجال کا واقعہ بیان کرنے اور اس سے ڈرانے میں ہی صرف کیا، جس میں یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی ابتداء سے لے کر انتہا تک کوئی فتنہ اس سے بڑا نہیں، تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کو اس سے آگاہ کرتے رہے ہیں، میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو، وہ یقیناً تمہیں میں آئے گا، اگر میری موجودگی میں آ گیا تو میں آپ اس سے نمٹ لوں گا اور اگر بعد میں آیا تو ہر شخص کو اپنے آپ کو اس سے بچانا پڑے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کو ہر مسلمان کا خلیفہ بناتا ہوں۔ وہ شام و عراق کے درمیان نکلے گا، دائیں بائیں خوب گھومے گا، لوگو اے اللہ کے بندو! دیکھو دیکھو تم ثابت قدم رہنا، سنو میں تمہیں اس کی ایسی صفت بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی۔ وہ ابتداء میں دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں، پس تم یاد رکھنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، پھر وہ اس سے بھی بڑھ جائے گا اور کہے گا میں اللہ ہوں، پس تم یاد رکھنا کہ اللہ کو ان آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا، ہاں مرنے کے بعد دیدار باری تعالیٰ ہو سکتا ہے اور سنو وہ کانا ہوگا اور تمہارا رب کانا نہیں، اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان "کافر" لکھا ہوگا جسے پڑھا لکھا اور ان پڑھ غرض ہر ایمان دار پڑھ لے گا۔ اس کے ساتھ آگ ہوگی اور باغ ہوگا اس کی آگ دراصل جنت ہوگی اور اس کا باغ دراصل جہنم ہوگا، سنو تم میں سے جسے وہ آگ میں ڈالے، وہ اللہ سے فریاد رسی چاہے اور سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے، اس کی وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جائے گی جیسے کہ خلیل

اللہ پر نمرود کی آگ ہوگئی، اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے مرے ہوئے باپ کو زندہ کردوں تو تو مجھے رب مان لے گا وہ اقرار کرے گا، اتنے میں دو شیطان اسکی ماں اور باپ کی شکل میں ظاہر ہوں گے اور ان سے کہیں گے بیٹے یہی تیرا رب ہے تو اسے مان لے، اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک شخص پر مسلط کردیا جائے گا اسے آرے سے چرا کر دو ٹکڑے کروا دے گا، پھر لوگوں سے کہے گا میرے اس بندے کو دیکھنا اب میں اسے زندہ کردوں گا، لیکن پھر بھی یہی کہے گا کہ اس کا رب میرے سوا اور ہے،

چنانچہ یہ اسے اٹھا بیٹھائے گا اور یہ خبیث اس سے پوچھے گا کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دے گا میرا رب اللہ ہے اور تو اللہ کا دشمن دجال ہے۔ اللہ کی قسم اب تو مجھے پہلے سے بھی بہت زیادہ یقین ہوگیا۔ دوسری سند سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ مومن میری تمام امت سے زیادہ بلند درجہ کا جنتی ہوگا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس حدیث کو سن کر ہمارا خیال تھا کہ یہ شخص حضرت عمر بن خطاب ہی ہوں گے آپ کی شہادت تک ہمارا یہی خیال رہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ آسمان کو پانی برسانے کا حکم دے گا اور آسمان سے بارش ہوگی، وہ زمین کو پیداوار اگانے کا حکم دے گا اور زمین سے پیداوار نکلے گی، اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک قبیلے کے پاس جائے گا وہ اسے نہ مانیں گے،

اسی وقت ان کی تمام چیزیں برباد اور ہلاک ہو جائیں گی، ایک اور قبیلے کے پاس جائے گا جو اسے خدا مان لے گا، اسی وقت اس کے حکم سے ان پر آسمان سے بارش برسے گی اور زمین پھل اور کھیتی اگائے گی، ان کے جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازے اور دودھ والے ہو جائیں گے۔ سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام کا گشت کرے گا، ان کے جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازے اور دودھ والے ہوجائیں گے۔ سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام زمین کا گشت کرے گا، جب مدینہ کا رخ کرے گا تو یہاں ہر ہر راہ پر فرشتوں کو کھلی تلواریں لئے ہوئے پائے گا تو ضریب کی انتہائی حد پر ضریب احمر کے پاس ٹھہر جائے گا،

پھر مدینے میں تین بھونچال آئیں گے، اس وجہ سے جتنے منافق مرد اور جس قدر منافقہ عورتیں ہوں گی، سب مدینہ سے نکل کر اس کے لشکر میں مل جائیں گے اور مدینہ ان گندے لوگوں کو اس طرح اپنے میں سے دور پھینک دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو الگ کردیتی ہے، اس دن کا نام یوم الخلاص ہوگا۔

ستر ہزار یہودی دجال کے لشکر میں ہوں گے

ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن عرب کہاں ہوں گے؟ فرمایا اولاً تو ہوں گے ہی بہت کم اور اکثریت ان کی بیت المقدس میں ہوگی، ان کا امام پچھلے پیروں پیچھے ہٹے گا تاکہ آپ آگے بڑھ کر امامت کرائیں لیکن آپ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ، اقامت تمہارے لئے کی گئی ہے پس ان کا امام ہی نماز پڑھائے گا، فارغ ہو کر آپ فرمائیں گے، دروازہ کھول دو، پس کھول دیا جائے گا، ادھر دجال ستر ہزار

یہودیوں کا لشکر لئے ہوئے موجود ہوگا، جن کے سر پر تاج اور جن کی تلواروں پر سونا ہوگا،

دجال آپ کو دیکھ کر اس طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے اور ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کر دے گا لیکن آپ فرمائیں گے اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تو میرے ہاتھ سے ایک ضرب کھائے تو اسے ٹال نہیں سکتا۔ چنانچہ آپ اسے مشرقی باب لد کے پاس پکڑلیں گے اور وہیں اسے قتل کریں گے، اب یہودی بدحواسی سے منتشر ہو کر بھاگیں گے لیکن انہیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی، ہر پتھر ہر درخت ہر دیوار اور ہر جانور بولتا ہوگا کہ اے مسلمان یہاں یہودی ہے، آ اسے مار ڈال، ہاں ببول کا درخت یہودیوں کا درخت ہے یہ نہیں بولے گا۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کا رہنا چالیس سال تک ہوگا، سال آدھے سال کے برابر اور سال مہینہ بھر جیسا اور مہینہ جمعہ جیسا اور باقی دن مثل شرارہ کے۔ (تفسیر ابن کثیر)

شہر کے دوسرے دروازے تک پہنچنے سے پہلے شام ہو جانے کا واقعہ

صبح ہی ایک شخص شہر کے ایک دروازے سے چلے گا، ابھی دوسرے دروازے تک نہیں پہنچا تو شام ہو جائے گی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ان چھوٹے دنوں میں ہم نماز کیسے پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا اندازہ کر لیا کرو جیسے ان لمبے دنوں میں اندازہ سے پڑھا کرتے تھے۔

سانپ کے منہ میں بچے انگلیاں ڈالیں گے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پس عیسیٰ بن مریم میری امت میں حاکم ہوں گے، عادل ہوں گے، امام ہوں گے، با انصاف ہوں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ہٹا دیں گے صدقہ چھوڑ دیا جائے گا پس بکری اور اونٹ پر کوشش نہ کی جائے گی، حسد اور بغض بالکل جاتا رہے گا، ہر زہریلے جانور کا زہر ہٹا دیا جائے گا، بچے اپنی انگلی سانپ کے منہ میں ڈالیں گے لیکن وہ انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا، شیروں سے لڑکے کھیلیں گے نقصان کچھ نہ ہوگا، بھیڑئے بکریوں کے گلے میں اس طرح پھریں گے جیسے رکھوالا کتا ہو تمام زمین اسلام اور اصلاح سے اس طرح بھر جائے گی جیسے کوئی برتن پانی سے لبالب بھرا ہوا ہو، سب کا کلمہ ایک ہو جائے گا، اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہوگی، لڑائی اور جنگ بالکل موقف ہو جائے گی،

قریش اپنا ملک سلب کرلیں گے، زمین مثل سفید چاندی کے منور ہو جائے گی اور جیسی برکتیں زمانہ آدم میں تھیں لوٹ آئیں گی، ایک جماعت کو ایک انگور کا خوشہ پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہوگا، ایک انار اتنا ہوگا کہ ایک جماعت کھائے اور سیر ہو جائے بیل اتنی اتنی قیمت پر ملے گا اور گھوڑا چند درہموں پر ملے گا۔ لوگوں نے پوچھا اس کی قیمت گر جانے کی کیا وجہ؟ فرمایا اس لئے کہ لڑائیوں میں اس کی سواری بالکل نہ لی جائے گی۔

دجال کے آنے سے پہلے قحط سالی پڑ جانے کا واقعہ

دریافت کیا گیا بیل کی قیمت بڑھ جانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس لئے کہ تمام زمین پر کھیتیاں ہونی شروع ہو جائیں گی۔ دجال کے آنے سے تین سال پیشتر سے سخت قحط سالی ہوگی، پہلے سال بارش کا تیسرا حصہ بحکم الٰہی روک لیا جائے گا اور زمین کی

پیداوار کا بھی تیسرا حصہ کم ہو جائے گا، پھر دوسرے سال اللہ آسمان کو حکم دے گا کہ بارش کی دو تہائیاں روک لے اور یہی حکم زمین کو اپنی پیداوار کی دو تہائیاں کم کر دے، تیسرے سال آسمان بارش کا ایک قطرہ نہ برسے گا، نہ زمین سے کوئی روئیدگی پیدا ہوگی، تمام جانور اس قحط سے ہلاک ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ پھر اس وقت لوگ زندہ کیسے رہ جائیں گے، آپ نے فرمایا "ان کی غذا کے قائم مقام اس وقت ان کا لا الہ الا اللہ کہنا اور اللہ اکبر کہنا اور سبحان اللہ کہنا اور الحمد للہ کہنا ہوگا۔

دجال کی بعض علامات کا بیان

صحیح مسلم شریف میں ہے ایک دن صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا اور اس طرح اسے واضح بیان فرمایا کیا کہ ہم سمجھے، کہیں مدینہ کے نخلستان میں وہ موجود نہ ہو پھر جب ہم لوٹ کر آپ کی طرف آئے تو ہمارے چہروں سے آپ نے جان لیا اور دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ ہم نے دل کی بات کہہ دی تو آپ نے فرمایا! دجال کے علاوہ مجھے تو تم سے اس سے بھی بڑا خوف ہے، اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو میں آپ اس سے سمجھ لوں گا اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر مسلمان اس سے آپ بھگت لے گا، اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو میں آپ اس سے سمجھ لوں گا اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر مسلمان اس سے آپ بھگت لے گا، میں اپنا خلیفہ ہر مسلمان پر اللہ کو بناتا ہوں، وہ جوان ہوگا، آنکھ اس کی ابھری ہوئی ہوگی،

بس یوں سمجھ لو کہ عبدالعزیٰ بن قطن جیسا ہوگا، تم میں جو اسے دیکھے اسے چاہئے کہ سورہ کہف کی شروع کی آیتیں پڑھے وہ شام وعراق کے درمیانی گوشے سے نکلے گا اور دائیں بائیں گشت کرے گا، اے اللہ کے بندو! خوب ثابت قدم رہنا، ہم نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ رہے گا کتنی مدت؟ آپ نے فرمایا چالیس دن، ایک دن سال کے برابر، ایک دن ایک مہینے کے برابر، ایک دن جمعہ کے برابر اور باقی دن تمہارے معمولی دنوں جیسے، پھر ہم نے دریافت کیا کہ جو دن سال بھر کے برابر ہوگا، کیا اس میں ایک ہی دن کی نماز کافی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اندازہ کر لو اور نماز ادا کر لو، ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی رفتار کی سرعت کیسی ہوگی؟ فرمایا ایسی جیسے بادل ہواؤں سے بھاگتے ہیں۔

ایک قوم کو پانی طرف بلائے گا وہ مان لیں گے تو آسمان سے ان پر بارش برسے گی، زمین سے کھیتی اور پھل اگیں گے، ان کے جانور تر و تازہ اور زیادہ دودھ والے ہو جائیں گے، ایک قوم کے پاس جائے گا جو اسے جھٹلائے گی اور اس کا انکار کر دے گی، یہ وہاں سے لوٹے گا تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ رہے گا وہ بنجر زمین پر کھڑے ہو کر حکم دے گا کہ اے زمین کے خزانو نکل آؤ تو وہ سب نکل آئیں گے اور شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے پھریں گے۔

یہ ایک نوجوان کو بلائے گا اور اسے قتل کرے گا اس کے ٹھیک دو ٹکڑے کر کے اتنی اتنی دور ڈال دے گا جو کسی تیر کی کمان سے نکلے ہوئے دوری ہو، پھر اسے آواز دے گا تو وہ زندہ ہو کر ہنستا ہوا اس کے پاس آجائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے کی علامات

اب اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا اور وہ دمشق کے سفید شرقی مینارے کے پاس دو چادریں اوڑھے دو فرشتوں کے

پروں پر بازو رکھے ہوئے اتریں گے، جب سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور جب اٹھائیں گے تو مثل موتیوں کے وہ قطرے لڑھکیں گے، جس کافر تک ان کا سانس پہنچ جائے وہ مر جائے گا اور آپ کا سانس وہاں تک پہنچے گا جہاں تک نگاہ پہنچے، آپ دجال کا پیچھا کریں گے اور باب لد کے پاس اسے پا کر قتل کریں گے، پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے، جنہیں اللہ نے اسے فتنے سے بچایا ہوگا، ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور جنت کے درجنوں کی انہیں خبر دیں گے، اب اللہ کی طرف سے حضرت عیسیٰ کے پاس وحی آئے گی کہ میں اپنے ایسے بندوں کو بھیجتا ہوں جن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تم میرے ان خاص بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ، پھر یاجوج، ماجوج نکلیں گے اور وہ ہر طرف سے کودتے پھاندتے آ جائیں گے، بحیرہ طبریہ پر ان کا پہلا گروہ آئے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا، جب ان کے بعد ہی دوسرا گروہ آئے گا تو وہ اسے ایسا سوکھا ہوا پائے گا کہ وہ کہیں گے شاید یہاں کبھی پانی نہیں ہوگا؟

حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی مومن وہاں اس قدر محصور رہیں گے کہ ایک بیل کا سر انہیں اس سے بھی اچھا لگے جیسے تمہیں آج ایک سو دینار محبوب ہیں، اب آپ اور مومن اللہ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے، اللہ ان پر گردن کی گلٹی کی بیماری بھیج دے گا، جس میں سارے کے سارے ایک ساتھ ایک دم میں فنا ہو جائیں گے،

پھر حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی زمین پر اتریں گے مگر زمین پر بالشت بھر بھی ایسی نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں سے اور بدبو سے خالی ہو، پھر اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے تو بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر ایک قسم کے پرند اللہ تعالیٰ بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے ڈال آئیں گے، پھر بارش ہوگی، جس سے تمام زمین دھل دھلا کر ہتھیلی جیسی صاف ہو جائے گی، پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل نکال اور اپنی برکتیں لوٹا، اس دن ایک انار ایک جماعت کو کافی ہوگا اور وہ سب اس کے چھلکے تلے آرام حاصل کر سکیں گے، ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے سے نہیں پیا جائے گا، پھر پروردگار عالم ایک لطیف اور پاکیزہ ہوا چلائے گا جو تمام ایماندار مردوں عورتوں کی بغل تلے سے نکل جائے گی اور ساتھ ہی ان کی روح بھی پرواز کر جائے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو آپس میں گدھوں کی طرح دھینگا مشتی میں مشغول ہو جائیں گے ان پر قیامت قائم ہوگی۔ مسند احمد میں بھی ایک ایسی ہی حدیث ہے۔

ابرہہ نامی بادشاہ اور لشکر ابابیل کا واقعہ

اللہ رب العزت نے قریش پر جو اپنی خاص نعمت انعام فرمائی تھی اس کا ذکر کر رہا ہے کہ جس لشکر نے ہاتھیوں کو ساتھ لے کر کعبے کو ڈھانے کے لیے چڑھائی کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کہ وہ کعبے کے وجود کو مٹائیں ان کا نام و نشان مٹا دیا۔ ان کی تمام فریب کاریاں ان کی تمام قوتیں سلب کر لیں برباد و غارت کر دیا یہ لوگ مذہباً نصرانی تھے لیکن دین مسیح کو مسخ کر دیا تھا قریباً بت پرست ہو گئے تھے انہیں اس طرح نامراد کرنا یہ گویا پیش خیمہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا اور اطلاع تھی آپ کی آمد آمد کی حضور علیہ السلام اسی سال تولد ہوئے اکثر تاریخ داں حضرات کا یہی قول ہے تو گویا رب العالم فرما رہا ہے کہ اے قریشیو! حبشہ کے اس لشکر پر تمہیں فتح تمہاری بھلائی کی وجہ سے نہیں دی گئی تھی بلکہ اس میں ہمارے گھر کا بچاؤ تھا جسے ہم شرف بزرگی عظمت و عزت

میں اپنے آخر الزمان پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے بڑھانے والے تھے۔

قبیلہ حمیر کا آخری بادشاہ ذونواس جو مشرک تھا جس نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو کھائیوں میں قتل کیا تھا جو سچے نصرانی تھے اور تعداد میں تقریباً بیس ہزار تھے سارے کے سارے شہید کر دیئے گئے تھے صرف دوس ذوثعلبان ایک بچ گیا تھا جو ملک شام جا پہنچا اور قیصر روم سے فریاد رسی چاہی۔ یہ بادشاہ نصرانی مذہب پر تھا اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا کہ اس کے ساتھ اپنی پوری فوج کر دو اس لیے کہ یہاں سے دشمن کا ملک قریب تھا۔

اس بادشاہ نے ارباط اور ابویکسوم ابرہہ بن صباح کو امیر لشکر بنا کر بہت بڑا لشکر دے کر دونوں کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا یہ لشکر یمن پہنچا اور یمن کو اور یمنیوں کو تاخت و تاراج کر دیا۔ ذونواس بھاگ کھڑا ہوا اور دریا میں ڈوب کر مر گیا اور ان لوگوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور سارے یمن پر شاہ حبشہ کا قبضہ ہو گیا اور یہ دونوں سردار یہاں رہنے سہنے لگے لیکن کچھ تھوڑی مدت کے بعد ان میں ناچاقی ہو گئی آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں نے آمنے سامنے صفیں باندھ لیں اور لڑنے کے لیے نکل آئے عام حملہ ہونے سے پیشتر ان دونوں سرداروں نے آپس میں کہا کہ فوجوں کو لڑانے اور لوگوں کو قتل کرانے کی کیا ضرورت، آؤ ہم تم دونوں میدان میں نکلیں اور ایک دوسرے سے لڑ کر فیصلہ کر لیں جو زندہ بچ جائے ملک و فوج اس کی۔ چنانچہ یہ بات طے ہو گئی اور دونوں میدان میں نکل آئے ارباط نے ابرہہ پر حملہ کیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے چہرہ خونا خون کر دیا ناک ہونٹ اور منہ کٹ گیا، ابرہہ کے غلام عتودہ نے اس موقعہ پر ارباط پر ایک بے پناہ حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا ابرہہ زخمی ہو کر میدان سے زندہ واپس گیا۔ علاج معالجہ سے زخم اچھے ہو گئے اور یمن کا یہ مستقل بادشاہ بن بیٹھا۔ نجاشی حبشہ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ سخت غصہ ہوا اور ایک خط ابرہہ کو لکھا اسے بڑی لعنت ملامت کی۔

اور کہا کہ قسم اللہ کی میں تیرے شہروں کو پامال کر دوں گا۔ اور تیری چوٹی کاٹ لاؤں گا، ابرہہ نے اس کا جواب نہایت عاجزی سے لکھا اور قاصد کو بہت سارے ہدیئے دیئے اور ایک تھیلی میں یمن کی مٹی بھر دی اور اپنی پیشانی کے بال کاٹ کر اس میں رکھ دیئے اور اپنے خط میں اپنے قصوروں کی معافی طلب کی اور لکھا کہ یہ یمن کی مٹی حاضر ہے اور چوٹی کے بال بھی، آپ اپنی قسم پوری کیجئے اور ناراضی معاف فرمایئے اس سے شاہ حبشہ خوش ہو گیا اور یہاں کی سرداری اسی کے نام کر دی، اب ابرہہ نے نجاشی کو لکھا کہ میں یہاں یمن میں آپ کے لیے ایک ایسا گرجا تعمیر کر رہا ہوں کہ اب تک دنیا میں ایسا نہ بنا ہو اور اس گرجا گھر کا بنانا شروع کیا بڑے اہتمام اور کروفر سے بہت اونچا بہت مضبوط بے حد خوبصورت اور منقش و مزین گرجا بنایا۔

اس قدر بلند تھا کہ چوٹی تک نظر ڈالنے والے کی ٹوپی گر پڑتی تھی اسی لیے عرب اسے قلیس کہتے یعنی ٹوپی پھینک دینے والا۔

اب ابرہہ اشرم کو یہ سوجھی کہ لوگ بجائے کعبۃ اللہ کے حج کے اس کا حج کریں، اپنی ساری مملکت میں اس کی منادی کرا دی عدنانیہ اور قحطانیہ عرب کو یہ بہت برا لگا ادھر سے قریش بھی بھڑک اٹھے تھوڑے دن میں کوئی شخص رات کے وقت اس کے اندر گھس گیا اور وہاں پاخانہ کر کے چلا آیا چوکیدار نے جب یہ دیکھا تو بادشاہ کو خبر پہنچائی اور کہا کہ یہ کام قریشیوں کا ہے چونکہ آپ نے ان کا کعبہ روک دیا

ہے لہٰذا انہوں نے جوش اور غضب میں آ کر یہ حرکت کی ہے۔

ابرہہ نے اسی وقت قسم کھالی کہ میں مکہ پہنچوں گا اور بیت اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا اور ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ چند ملے جلے نوجوان قریشیوں نے اس گرجا میں آگ لگادی تھی اور اس وقت ہوا بھی بہت تیز تھی سارا گرجا جل گیا اور منہ کے بل زمین پر گر گیا اس پر ابرہہ نے بہت بڑا لشکر ساتھ لے کر مکہ پر چڑھائی کی تا کہ کوئی روک نہ سکے اور اپنے ساتھ ایک بڑا اونچا اور موٹا ہاتھی لیا جسے محمود کہا جاتا تھا۔ اس جیسا ہاتھی اور کوئی نہ تھا شاہ حبشہ نے یہ ہاتھی اس کے پاس اسی غرض سے بھیجا تھا آٹھ یا بارہ ہاتھی اور بھی ساتھ تھے یہ کعبے کے ڈھانے کی نیت سے چلا یہ سوچ کر کہ کعبہ کی دیواروں میں مضبوط زنجیریں ڈال دوں گا اور ہاتھیوں کی گردنوں میں ان زنجیروں کو باندھ دوں گا ہاتھی ایک ہی جھٹکے میں چاروں دیواریں بیت اللہ کی جڑ سے گرادیں گے، جب اہل عرب کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو ان پر بڑا بھاری اثر ہوا انہوں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ خواہ کچھ بھی ہو ہم ضرور اس سے مقابلہ کریں گے اور اسے اس کی اس بدکرداری سے روکیں گے۔

ابراہہ کا ایک یمنی بادشاہ کے ساتھ مقابلے کا واقعہ

ایک یمنی شریف سردار جو وہاں کے بادشاہوں کی اولاد میں سے تھا جسے 'ذونفر' کہا جاتا تھا یہ کھڑا ہو گیا اپنی قوم کو اور کل آس پاس کے عرب کو جمع کیا اور اس بدنیت بادشاہ سے مقابلہ کیا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا عربوں کو شکست ہوئی اور ذونفر اس خبیث کے ہاتھ میں قید ہو گیا اس نے اسے بھی ساتھ لیا اور مکہ شریف کی طرف بڑھا خثم قبیلے کی زمین پر جب یہ پہنچا تو یہاں نفیل بن حبیب خثعمی نے اپنے لشکروں سے اس کا مقابلہ کیا لیکن ابرہہ نے انہیں بھی مغلوب کرلیا اور نفیل بھی قید ہو گیا پہلے تو اس ظالم نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن پھر قتل نہ کیا اور قید کر کے ساتھ لے لیا تا کہ راستہ بتائے،

جب طائف کے قریب پہنچا تو قبیلہ ثقیف نے اس سے صلح کرلی کہ ایسا نہ ہو ان کے بت خانوں کو جس میں لات نامی بت تھا یہ توڑ دے اس نے بھی ان کی بڑی آؤ بھگت کی انہوں نے ابورغال کو اس کے ساتھ کر دیا کہ یہ تمہیں وہاں کا راستہ بتائے گا۔ ابرہہ جب مکے کے بالکل قریب مغمس کے پہنچا تو اس نے یہاں پڑاؤ کیا اس کے لشکر نے آس پاس مکہ والوں کے جو جانور اونٹ وغیرہ چر چگ رہے تھے سب کو اپنے قبضہ میں کیا ان جانوروں میں دو سو اونٹ تو صرف عبدالمطلب کے تھے اسود بن مقصود جو اس کے لشکر کے ہراول کا سردار تھا اس نے ابرہہ کے حکم سے ان جانوروں کو لوٹا تھا، جس پر عرب شاعروں نے اس کی ہجو میں اشعار تصنیف کئے ہوئے ہیں۔ جو سیرۃ ابن اسحاق میں موجود ہیں،

ابرہہ کا قاصد حناطہ حمیری کا واقعہ

اب ابرہہ نے اپنا قاصد حناطہ حمیری مکہ والوں کے پاس بھیجا کہ مکہ کے سب سے بڑے سردار کو میرے پاس لاؤ اور یہ بھی اعلان کردو کہ میں مکہ والوں سے لڑنے نہیں آیا میرا ارادہ صرف بیت اللہ کو گرانے کا ہے ہاں اگر مکہ والے اس کے بچانے کے در پے ہوئے تو لامحالہ مجھے ان سے لڑائی کرنی پڑے گی، حناطہ جب مکہ میں آیا اور لوگوں سے ملا جلا تو معلوم ہوا کہ یہاں کا بڑا سردار

عبدالمطلب بن ہاشم ہے، یہ عبدالمطلب سے ملا اور شاہی پیغام پہنچایا جس کے جواب میں عبدالمطلب نے کہا واللہ نہ ہمارا ارادہ اس سے لڑنے کا ہے نہ ہم میں اتنی طاقت ہے یہ اللہ کا حرمت والا گھر ہے اس کے خلیل حضرت ابراہیم کی زندہ یادگار ہے اللہ اگر چاہے گا تو اپنے گھر کی آپ حفاظت کرے گا، ورنہ ہم میں تو ہمت وقوت نہیں۔

حناطہ نے کہا اچھا تو آپ میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلے چلئے عبدالمطلب ساتھ ہوئے، بادشاہ نے جب انہیں دیکھا تو ہیبت میں آ گیا عبدالمطلب گورے چٹے سڈول اور مضبوط قوی والے حسین وجمیل انسان تھے، دیکھتے ہی ابرہہ تخت سے نیچے اتر آیا اور فرش پر عبدالمطلب کے ساتھ بیٹھ گیا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھ کہ کیا چاہتا ہے؟ عبدالمطلب نے کہا میرے دوسو اونٹ جو بادشاہ نے لے لئے ہیں انہیں واپس کر دیا جائے بادشاہ نے کہا ان سے کہہ دے کہ پہلی نظر میں تیرا رعب مجھ پر پڑا تھا اور میرے دل میں تیری وقعت بیٹھ گئی تھی لیکن پہلے ہی کلام میں تو نے سب کچھ کھو دی اپنے دوسو اونٹ کی تو تجھے فکر ہے اور اپنے اور اپنی قوم کے دین کی تجھے فکر نہیں میں تو تم لوگوں کا عبادت خانہ توڑنے اور اسے خاک میں ملانے کے لیے آیا ہوں۔

جناب عبدالمطلب کا اونٹ واپس لانے کا واقعہ

جناب عبدالمطلب نے جواب دیا کہ سن بادشاہ اونٹ تو میرے ہیں اس لیے انہیں بچانے کی کوشش میں میں ہوں اور خانہ کعبہ اللہ کا ہے وہ خود اسے بچالے گا اس پر یہ سرکش کہنے لگا کہ اللہ بھی آج اسے میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا، عبدالمطلب نے کہا بہتر ہے وہ جانے اور تو جان، یہ بھی مروی ہے کہ مکہ نے تمام حجاز کا تہائی مال ابرہہ کو دینا چاہا کہ وہ اپنے اس بدارادہ سے باز آئے لیکن اس نے قبول نہ کیا خیر عبدالمطلب تو اپنے اونٹ لے کر چل دیئے اور آ کر قریش کو حکم دیا کہ مکہ بالکل خالی کر دو پہاڑوں میں چلے جاؤ، اب عبدالمطلب اپنے ساتھ قریش کے چیدہ چیدہ لوگوں کو لے کر بیت اللہ میں آیا اور بیت اللہ کے دروازہ کا کنڈا تھام کر رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگنی شروع کیں کہ باری تعالیٰ ابرہہ اور اس کے خونخوار لشکر سے اپنے پاک اور ذی عزت گھر کو بچالے عبدالمطلب نے اس وقت یہ دعائیہ اشعار پڑھے۔

لا ھم ان المرایم نع رحلہ فامنع رحالک لا یغلبن صلیبھم ومحالھم ابدا محالک

یعنی ہم بے فکر ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہر گھر والا اپنے گھر کا بچاؤ آپ کرتا ہے اے اللہ تو بھی اپنے گھر کو اپنے دشمنوں سے بچا یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ان کی صلیب اور ان کی ڈولیں تیری ڈولوں پر غالب آ جائیں۔

محمود ہاتھی نے حقیقت کا راز آشکار کر دیا

اب عبدالمطلب نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گیا یہ بھی مذکور ہے کہ جاتے ہوئے قربانی کے سو اونٹ بیت اللہ کے اردگرد نشان لگا کر چھوڑ دیئے تھے اس نیت سے کہ اگر یہ بددین آئے اور انہوں نے اللہ کے نام کی قربانی کے ان جانوروں کو چھیڑا تو عذاب الٰہی ان پر اترے گا، دوسری صبح ابرہہ کے لشکر میں مکہ جانے کی تیاریاں ہونے لگیں اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود تھا اسے تیار کیا لشکر میں کمر بندی ہو چکی تھی اور مکہ

شریف کی طرف منہ اٹھا کر چلنے کی تیاری کی اس وقت نفیل بن حبیب جو اس سے راستے میں لڑا تھا اور اب بطور قیدی کے اس کے ساتھ تھا وہ آگے بڑھا اور شاہی ہاتھی کا کان پکڑ لیا اور کہا محمود بیٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے وہیں خیریت کے ساتھ چلا جا تو اللہ تعالیٰ کے محترم شہر میں ہے یہ کہہ کر کان چھوڑ دیا۔

اور بھاگ کر قریب کی پہاڑی میں جا چھپا محمود ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا، اب ہزار جتن فیلبان کر رہے ہیں لشکری بھی کوششیں کرتے کرتے تھک گئے لیکن ہاتھی اپنی جگہ سے ہلتا ہی نہیں، سر پر آنکس مار رہے ہیں ادھر اُدھر سے بھالے اور برچھے مار رہے ہیں آنکھوں میں آنکس ڈال رہے ہیں غرض تمام جتن کر لئے لیکن ہاتھی جنبش بھی نہیں کرتا پھر بطور امتحان کے اس کا منہ یمن کی طرف کر کے چلانا چاہا تو جھٹ سے کھڑا ہو کر دوڑتا ہوا چل دیا شام کی طرف چلانا چاہا تو بھی پوری طاقت سے آگے بڑھ گیا، مشرق کی طرف لے جانا چاہا تو بھی بھاگا بھاگا گیا پھر مکہ شریف کی طرف منہ کر کے آگے بڑھانا چاہا وہیں بیٹھ گیا،

ابابیل کے لشکر کی آمد اور حملہ کرنے کا واقعہ

انہوں نے پھر اسے مارنا شروع کیا دیکھا کہ ایک گھٹا ٹوپ پرندوں کا جھرمٹ بادل کی طرح سمندر کے کنارے کی طرف سے اڑا چلا آ رہا ہے ابھی پوری طرح دیکھ بھی نہیں پائے تھے کہ وہ جانور سر پر آ گئے چاروں طرف سے سارے لشکر کو گھیر لیا اور ان میں ہر ایک کی چونچ میں ایک مسر یا ماش کے دانے برابر کنکری تھی، اور دونوں پنجوں میں دو دو کنکریاں تھیں یہ ان پر پھینکنے لگے جس پر یہ کنکری آن پڑی وہ وہیں ہلاک ہو گیا، اب تو اس لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی ہر ایک نفیل نفیل کرنے لگا کیونکہ اسے ان لوگوں نے اپنا راہبر اور راستے بتانے والا سمجھ رکھا تھا نفیل تو ہاتھی کو کہہ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور دیگر اہل مکہ ان لوگوں کی یہ درگت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور نفیل وہیں کھڑا یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

این المفر والا له الطالب والاشرم المغلوب ليس الغالب

اب جائے پناہ کہاں ہے؟ جبکہ اللہ خود تاک میں لگ گیا ہے سنو اشرم بد بخت مغلوب ہو گیا اب یہ پنپنے کا نہیں اور بھی نفیل نے اس واقعہ کے متعلق بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کاش کہ تو اس وقت موجود ہوتا جبکہ ان ہاتھی والوں کی شامت آئی ہے اور وادی محصب میں ان پر عذاب کے سنگریزے برسے ہیں تو اس وقت تو اس اللہ کے لشکر یعنی پرندوں کو دیکھ کر قطعاً سجدے میں گر پڑتا ہم تو وہاں کھڑے حمد رب کی راگنیاں الاپ رہے تھے گو کلیجے ہمارے بھی اونچے ہو گئے تھے کہ کہیں کوئی کنکری ہمارا کام بھی تمام نہ کر دے نصرانی منہ موڑے بھاگ رہے تھے اور نفیل نفیل پکار رہے تھے۔ گویا کہ نفیل پر ان کے باپ دادوں کا کوئی قرض تھا۔

کبوتروں کے منہ سے میزائل سے ابرہہ کی ہلاکت کا واقعہ

واقدی فرماتے ہیں یہ پرندے زرد رنگ کے تھے کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے ان کے پاؤں سرخ تھے اور روایت میں ہے کہ جب محمود ہاتھی بیٹھ گیا اور پوری کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھا تو انہوں نے دوسرے ہاتھی کو آگے کیا اس نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کی

پیشانی پر کنکری پڑی اور بلبلا کر پیچھے ہٹا اور پھرا اور ہاتھی بھی بھاگ کھڑے ہوئے ادھر برابر کنکریاں آنے لگیں اکثر تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور بعض جو ادھر ادھر بھاگ نکلے گا ان میں سے کوئی جانبر نہ ہوا بھاگتے بھاگتے ان کے اعضاء کٹ کر گرتے جاتے تھے اور بالآخر جان سے جاتے تھے ابرہہ بادشاہ بھی بھاگا لیکن ایک ایک عضو بدن جھڑنا شروع ہوا یہاں تک کہ خشعم کے شہروں میں سے صنعا میں جب وہ پہنچا تو بالکل گوشت کا لوتھڑا بنا ہوا تھا وہیں بلک بلک کر دم توڑا اور کتے کی موت مرا دل تک پھٹ گیا۔

قریشیوں کو بڑا مال ہاتھ لگا، عبد المطلب نے تو سونے سے ایک کنواں پر کر لیا تھا، زمین عرب میں آبلہ اور چیچک اسی سال پیدا ہوتے ہوئے دیکھے گئے اور اسی طرح سپند اور حنظل وغیرہ کے کڑوے درخت بھی اسی سال زمین عرب میں دیکھے گئے ہیں پس اللہ تعالیٰ بزبان رسول معصوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی یہ نعمت یاد دلاتا ہے اور گویا فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم میرے گھر کی اسی طرح عزت و حرمت کرتے رہتے اور میرے رسول کو مانتے تو میں بھی اسی طرح تمھاری حفاظت کرتا اور تمھیں دشمنوں سے نجات دیتا ابابیل جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد لغت عرب میں پایا نہیں گیا، سجیل کے معنی ہیں، بہت ہی سخت اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دو فارسی لفظوں سے مرکب ہے یعنی سنگ اور گل سے یعنی مٹی اور پتھر غرض سجیل وہ ہے جس میں پتھر مع مٹی کے ہو، عصف جمع ہے عصفۃ کی کھیتی کے ان پتوں کو کہتے ہیں جو پک نہ گئے ہوں۔

ابابیل کے معنی ہیں گروہ گروہ جھنڈ بہت سارے پے در پے جمع شدہ ادھر ادھر سے آنے والے بعض نحوی کہتے ہیں اس کا واحد ابیل ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ان پرندوں کی چونچ تھی پرندوں جیسی اور پنجے کتوں جیسے عکرمہ فرماتے ہیں یہ سبز رنگ کے پرند تھے جو سمندر سے نکلے تھے ان کے سر درندوں جیسے تھے اور اقوال بھی ہیں یہ پرند باقاعدہ ان لشکریوں کے سروں پر پرے باندھ کر کھڑے ہو گئے اور پھر چیخنے لگے پھر پتھر کیا جس کے سر میں لگا اس کے نیچے سے نکل گیا اور دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا جس کے جس عضو پر گرا وہ عضو ساقط ہو گیا ساتھ ہی تیز آندھی آئی جس سے اور آس پاس کے کنکر بھی ان کی آنکھوں میں گھس گئے اور سب تہہ و بالا ہو گئے عصف کہتے ہیں چارے کو اور کٹی کھیتی کو اور گیہوں کے درخت کے پتوں کو اور ماکول سے مراد ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ عصف کہتے ہیں بھوسی کو جو اناج کے دانوں کے اوپر ہوتی ہے ابن زید فرماتے ہیں مراد کھیتوں کے وہ پتے ہیں جنھیں جانور چر چکے ہوں مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کو تہس نہس کر دیا اور عام خاص کو ہلاک کر دیا اس کی ساری تدبیریں الٹ ہو گئیں کوئی بھلائی انھیں نصیب نہ ہوئی ایسا بھی کوئی ان پر صحیح سالم نہ رہا جو کہ ان کی خبر پہنچائے، جو بھی بچا وہ زخمی ہو کر اور اس زخم سے پھر جاں بر نہ ہو سکا، خود بادشاہ بھی گو وہ ایک گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہو گیا تھا جوں توں صنعا میں پہنچا لیکن وہاں جاتے ہی اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور واقعہ بیان کر ہی چکا تھا کہ مر گیا،

ابرہہ کی ہلاکت کے بعد اس کے بیٹے کو بادشاہت ملنے کا واقعہ

اس کے بعد اس کا لڑکا یکسوم یمن کا بادشاہ بنا پھر اس کے دوسرے بھائی مسروق بن ابرہہ کو سلطنت ملی اب سیف بن ذویزن حمیری

کسریٰ کے دربار میں پہنچا اور اس سے مدد طلب کی تا کہ وہ اہل حبشہ سے لڑے اور یمن ان سے خالی کرائے کسریٰ نے اس کے ساتھ ایک لشکر جرار کر دیا اس لشکر نے اہل حبشہ کو شکست دی اور ابرہہ کے خاندان سے سلطنت نکل گئی اور پھر قبیلہ حمیر یہاں کا بادشاہ بن گیا عربوں نے اس پر بڑی خوشی منائی اور چاروں طرف سے مبارکبادیاں وصول ہوئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ابرہہ کے لشکر کے فیلبان اور چرکٹے کو میں نے مکہ شریف میں دیکھا دونوں اندھے ہو گئے تھے چل پھر نہیں سکتے تھے اور بھیک مانگا کرتے تھے۔

اس اونٹنی کو اللہ نے روک لیا ہے

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اساف اور نائلہ بتوں کے پاس یہ بیٹھے رہتے تھے جہاں مشرکین اپنی قربانیاں کرتے تھے اور لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے تھے اس فیلبان کا نام انیسا تھا، بعض تاریخوں میں یہ بھی ہے کہ ابرہہ خود اس چڑھائی میں نہ تھا بلکہ اس نے اپنے لشکر کو بہ ماتحتی شمس بن مقصود کے بھیجا تھا یہ لشکر بیس ہزار کا تھا اور یہ پرند ان کے اوپر رات کے وقت آئے تھے اور صبح تک ان سب کا ستیاناس ہو چکا تھا لیکن یہ روایت بہت غریب ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ خود ابرہہ اشرم حبشی ہی اپنے ساتھ لشکر لے کر آیا تھا یہ ممکن ہے کہ اس کے ہراول کے دستہ پر یہ شخص سردار ہو، اس واقعہ کو بہت سے عرب شاعروں نے اپنے شعروں میں بھی بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

جس میں ہے کہ جب حدیبیہ والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ٹیلے پر چڑھے جہاں سے آپ قریشیوں پر جانیوالے تھے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگوں نے اسے ڈانٹا ڈپٹا لیکن وہ نہ اٹھی لوگ کہنے لگے قصواء تھک گئی آپ نے فرمایا یہ تھکی نہ اس میں اڑنے کی عادت ہے اسے اس اللہ نے روک لیا ہے جس نے ہاتھیوں کو روک لیا تھا پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مکے والے جن شرائط پر مجھ سے صلح چاہیں گے میں سب مان لوں گا بشرطیکہ اللہ کی حرمتوں کی ہتک اس میں نہ ہو پھر آپ نے اسے ڈانٹا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوگی۔ یہ حدیث صحیح بخاری مسلم کی اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ پر سے ہاتھیوں کو روک لیا اور اپنے نبی کو وہاں کا قبضہ دیا اور اپنے ایماندار بندوں کو، سنو آج اس کی حرمت ویسی ہی لوٹ کر آ گئی ہے جیسے کل تھی، خبردار ہر حاضر کو چاہیے کہ غیر حاضر کو پہنچا دے۔

تبع حمیری اور مدینہ منورہ کی تعمیر کا واقعہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالم آب وگل میں تشریف آوری سے تقریباً ایک ہزار چالیس سال قبل یمن کے ایک بادشاہ تبع ابوکرب اسعد الحمیر ی نے بھی خانہ کعبہ کو مسمار کر کے اہل مکہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس مذموم عمل کو سرانجام دینے سے پہلے ہی اسے اچانک ایک آسمانی مہلک بیماری نے آن گھیرا۔

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ تبع ابوکرب الحمیر ی یمن سے جنگی مشن لے کر نکلا تھا کہ بیشتر علاقوں کو زیر نگین کر کے اپنی سلطنت وسیع کروں گا۔ اس سلسلہ میں اس نے اپنا پہلا ہدف مکہ معظمہ کو بنانا چاہا۔ اس کے پاس ان گنت جنگی سپاہی، ماہر نشانہ باز، تیرانداز

اور ہزاروں کی تعداد میں مشیر اور وزیر تھے۔ بعد از مشاورت تبع ابوکرب الحمیر ی نے اپنا ارادہ بدل کر جنگی سفر کا آغاز یمن سے مصر کی جانب کر لیا اور وہاں کے کئی علاقوں کو اپنے قبضہ میں لیا۔ بعد ازاں وہ بحیرہ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا سرزمین حجاز کے متبرک شہر مکہ کی سنگلاخ چوٹیوں میں گھری ہوئی بے آب و گیاہ وادیوں میں داخل ہوا۔

جب وہ شہر کی حدود میں پہنچا تو یہ منظر دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہ اہل شہر پر کوئی خوف و ہراس طاری نہیں اور نہ ہی انہوں نے اس کا والہانہ استقبال کیا ہے۔ گویا وہ تمام اطمینان کی تصویر بنے اپنے حال میں مست تھے۔ اس خلاف توقع صورتحال کی بابت اس نے اپنے مشیران سے استفسار کیا، اُسے بتایا گیا کہ اس شہر میں چونکہ بیت اللہ موجود ہے، جس کی خدمت کا فریضہ اہل مکہ خود انجام دیتے ہیں اور اس کام کو وہ بڑا اعزاز و اکرام تصور کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ کسی بڑی شخصیت یا حکمران کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اراکین سلطنت کا یہ جواب سن کر تبع الحمیر ی کو بہت غصہ آیا اور گرجدار آواز میں بولا: میں ایسے کعبہ کو مسمار کروں گا اور اس کے خدمت گاروں کو تہ تیغ کر دوں گا۔ اس نے کعبہ پر فوری اور شدید حملہ کرنے کا حکم دیا۔

اس سے قبل کہ اس کے حکم کی تعمیل ہوتی اچانک تبع الحمیر ی کے پورے بدن میں شدید درد کی لہر اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم سوکھی لکڑی کی طرح اکڑنے لگا اور وہ مکمل طور پر حرکت کرنے کے قابل نہ رہا۔ شاہ یمن کی اچانک یہ بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر اس کی فوج نے اپنی برہنہ تلواریں میانوں میں رکھ لیں، گھوڑوں کی ہنہناہٹ آہستہ آہستہ مدہم پڑتی گئی اور ماہر تیر اندازوں نے اپنے نوکیلے تیر دوبارہ ترکشوں کے اندر رکھ لئے۔ پوری فوج پر سکتہ اور سارے ماحول پر ایک ماتمی سناٹا طاری ہو گیا۔

الحمیر ی کا درد میں مبتلا جسم ایک بے حس و حرکت لاش کی طرح پڑا تھا اور ہر کوئی اس سوچ و فکر میں گم تھا کہ اب کیا ہوگا؟ جوں جوں گھڑیاں گزرتی جارہی تھیں، تشویش و غم کا مہیب دائرہ پھیلتا جا رہا تھا۔ کافی دنوں تک یہ حمیری لشکر شہر مکہ میں یونہی بیکار پڑا رہا۔ حمیری کا سارا جنگی منصوبہ گویا دم توڑتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ لشکر میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ مشیران شاہی نے یہ فیصلہ کیا کہ شاہ یمن کے علاج کے لئے کسی حاذق اور ماہر حکیم کو تلاش کیا جائے۔ چنانچہ کافی تگ و دو کے بعد کئی اطباء کو بلایا گیا مگر مریض کی حالت دیکھ کر ہر حکیم نے معذوری کا اظہار کیا۔ بے امیدی کی فضا اور گہری ہوتی گئی، جملہ اطباء کی رائے میں شاہ یمن کی بیماری عقل و فہم سے باہر تھی۔ بعض کے مطابق یہ عارضہ جسمانی نہیں بلکہ آسمانی ہے اور اس کا علاج صرف وحدہ لاشریک کے پاس ہے۔

جب ہر طرف سے ناامیدی کے بادل چھانے لگے تو اچانک ایک دن کسی صاحب بصیرت حکیم نے چپکے سے آ کر تبع الحمیر ی کے کان میں کہا: اے شاہ یمن! میں اس بیماری کا علاج صرف اس شرط پر کروں گا کہ جو میں آپ سے پوچھوں اس کا سچ سچ جواب دینا۔ اگر ذرا بھی غلط بیانی سے کام لیا تو یاد رکھیں یہ مہلک اور خطرناک مرض جلد آپ کو موت کے منہ میں دھکیلنے والا ہے۔ بادشاہ کو جب کی یہ بات سن کر امید کی ایک روشن کرن دکھائی دی، چنانچہ اس نے حق کہنے کا وعدہ کر لیا۔

مرض کی مرض کے اسباب بیان کرنے والے حکیم کا بیان

حکیم نے جو سوالات پوچھے، شاہ الحمیر ی نے ان کا صحیح جواب دیا۔ دوران گفتگو جونہی تبع الحمیر ی نے حکیم کو خانہ کعبہ پر حملہ اور

مکہ مکرمہ کو نیست و نابود کرنے کی بات بتائی تو حکیم ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز میں کہا: بس کریں شاہ یمن، بس کریں۔ آگے مت بولیں۔ یہی وہ اصل وجہ ہے جس نے آپ کو بیماری کے اس عذاب میں گرفتار کر رکھا ہے۔۔۔ اس کا علاج صرف یہی ہے کہ فوراً اس مذموم خیال اور شیطانی ارادے کو اپنے دل و دماغ سے خارج کریں اور مالک کائنات سے معافی طلب کریں۔۔۔ شاید آپ نہیں جانتے کہ اس عظیم گھر بیت اللہ کا مالک، مالکِ کُل ہے، جو حیات و ممات، صحت و علالت کا مالک ہے، وہ خود ہی اپنے اس گھر کا محافظ ہے۔ آج تک جس نے بھی اسے نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا، وہ کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا ہو کر تباہ ہو گیا۔

شاہ یمن یاد رکھیں! آپ بھی ایک ایسے ہی جرم اور گناہ میں مبتلا ہو کر اس بیماری کا شکار بن گئے ہیں۔ حکیم کی یہ لرزہ خیز اور بصیرت افروز باتیں سن کر الحمیر ی کے لاغر و ساکت بدن میں جیسے برقی لہر دوڑ گئی، اس کا رگ و ریشہ کانپنے لگا، چہرہ پر ندامت و شرمندگی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ بلا تاخیر اس نے اسی حالت میں ارحم الراحمین سے صدقِ دل سے معافی طلب کی اور اپنے ارادہ کو دل سے نکالا۔ جونہی اس نے ارادہ ترک کیا، رب ذی الجلال کی رحمت خاص سے الحمیر ی کو صحت نصیب ہوئی۔

تبع حمیری کا کعبۃ اللہ پر پہلا غلاف چڑھانے کا واقعہ

صحت یابی کے فوراً بعد اس نے خود کو پاک صاف کر کے بیت اللہ کا طواف کیا اور تمام اہل شہر کو چند دنوں کے بعد ایک عظیم الشان شاہی ضیافت میں مدعو کیا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر تبع الحمیر ی نے اپنی عجز و نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے ایک نہایت قیمتی، دیدہ زیب، مرصع و منقش خوبصورت غلاف تیار کرا کر کعبہ پر چڑھایا۔ اس موقع پر بیت اللہ کی عمارت کو نہایت دلکش انداز میں سجایا گیا۔ الحمیر ی نے اظہار تشکر کے طور پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عظیمہ میں ہزاروں درہم و دینار کا نذرانہ پیش کیا، انہیں غرباء میں تقسیم کیا اور کئی اونٹوں کی قربانی بھی دی۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، (مکہ پر حملہ)، 1:24) (ازرقی، اخبار مکہ، 1:134))

مکمل شفاء پانے کے بعد شاہ یمن کا جارحانہ مزاج بہت حد تک معتدل ہو گیا۔ تاہم اس نے اپنے جنگی مشن کو جاری رکھا اور مکہ سے روانہ ہو کر کئی علاقوں کو زیر تسلط کیا۔ بالآخر جب شہر یثرب پہنچا تو اہل یثرب نے دفاعی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے خود کو محفوظ پناہ گاہوں میں محصور کر لیا۔ یہ صورت حال کئی ماہ تک بدستور قائم رہی مگر کوئی خاطر خواہ اور موثر نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

آمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار

الحمیر ی نے اپنے مشیروں سے اس بابت بھی رائے طلب کی، فیصلہ کیا گیا کہ اہل یثرب کے معززین سے رابطہ کیا جائے۔ چنانچہ یمنی فوج کا ایک وفد شہر کی بارسوخ اور محترم شخصیات سے ملا۔ انہوں نے بتلایا کہ ہم اہل یثرب مختلف قوموں، نسلوں اور علاقوں کے باشندے ہیں جو اپنے آبائی اوطان چھوڑ کر اس شہر میں اس لئے آ کر آباد ہوئے ہیں کہ ہم کو یہ بتایا گیا کہ یثرب، سرزمین عرب کی وہ وادی ہے جہاں کائنات کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر آباد ہوں گے اور پھر اسی بستی کو اپنی جائے سکونت بنالیں گے۔ چنانچہ ہم ایک عرصہ سے اس نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کر رہے ہیں۔

یمنی وفد نے واپس جا کر جب یہ حیرت انگیز بات شاہ یمن کو بتائی تو وہ بے حد متاثر و حیران ہوا۔ رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا تذکرہ سن کر اس کا دل گداز ہو گیا اور آنکھوں میں اشکوں کی نمی چھلکنے لگی۔ وہ اس خواہش سے بے تاب ہو گیا کہ کاش وہ بھی اس برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کر سکے۔ اس شوقِ زیارت نے اس کے پیکر جسمانی میں اضطراب و اشتیاق دید کی ایک لہر دوڑا دی۔

ایک ہزار سال قبل استقبالِ میلاد کا جلوس

وہ شب، شاہ یمن کی زندگی میں آنے والی سب سے انوکھی اور مضطرب شب تھی۔ اس شب کی صبح بیدار ہو کر الحمیری نے اپنے فوجیوں کے ہمراہ شہر یثرب کی گلی کوچوں اور بازاروں میں ایک بڑے جلوس کی شکل میں گھومنا شروع کیا۔ یہ جلوس اتنی شاندار طریقے اور نظم و ضبط سے شہر کے مختلف علاقوں میں گھومتا رہا کہ اہل یثرب ان لوگوں کے ذوق و شوق اور عقیدت کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ تبع الحمیری بہ نفس نفیس خوش الحانی اور سوز و گداز سے دل میں اتر جانے والے عقیدت و احترام سے بھرپور اشعار بلند آواز سے پڑھتے جا رہے تھے۔ ذیل میں ان سے چند منتخب اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

شهدت على احمد انه رسول من الله بارى النسم

ولو مد عمرى الى عمره لكنت وزيرا له وابن عم

وجاهدت بالسيف اعداءه وفرجت عن صدره كل غم

میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برحق رسول ہیں، وہ اللہ جو ارواح کو پیدا فرمانے والا ہے۔ اگر میری عمر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے زمانہ تک باقی رہی تو میں ضرور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بیٹے کی طرح آپ کا ممد و معاون بنوں گا اور شمشیر بکف ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے ایسا جہاد کروں گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام دلی غم دور ہو جائیں۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ (مدینہ پر حملہ)، 1:21، 22)

عالمی تاریخ کا یہ ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے کہ ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس صدیاں پہلے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک عظیم الشان جلوس شاہ یمن کی زیر قیادت اُسی شہر میں بڑے تزک و احتشام سے نکالا گیا جس شہر کے باسی اسی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی آس لگائے ان کی راہ دیکھ رہے تھے۔

تاریخی شواہد اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ جلوس اتنا وجد آفرین تھا کہ حلاوت و عقیدت میں ڈوبے ہوئے اشعار کے علاوہ اس جلوس میں شامل لوگ یا محمد یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ایمان افروز نعرے بھی لگا رہے تھے جس سے اردگرد کا ماحول نہایت رقت آمیز ہو گیا تھا۔

زیارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے مدینہ میں سکونت

مورخین رقمطراز ہیں کہ تبع الحمیری کے ہمراہ اس جلوس میں علماء و فصحاء، دانشور اور اہل قلم کی ایک کثیر تعداد بھی شریک تھی۔ ان

میں سے علماء کی ایک جماعت نے شاہِ یمن سے یہ کہا کہ ان کو اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ زیارت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرفراز و فیض یاب ہو سکیں۔ شاہِ یمن نے جواب دیا کہ میں خود بھی ایک سال تک یثرب میں ہی قیام کروں گا، ممکن ہے اس دوران آمدِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مژدہ جاں فزا سن لوں مگر رب کریم کو ابھی یہ منظور نہ تھا کیونکہ جان کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت میں ابھی ایک ہزار چالیس سال باقی تھے۔ جب یہ پورا سال گزر گیا تو شاہِ یمن نے اپنی روانگی سے پہلے ایک مکتوب بحضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحریر کیا اور ڈبہ میں بند کر کے شامول نامی ایک عالم کو امانتاً یہ کہہ کر دیدیا کہ اگر آپ کو یہ زیارت نصیب ہو تو میرا عاجزانہ یہ مکتوب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں پیش کر دینا۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو سکے تو اپنی آنے والی نسلوں کو امانتاً یہ خط منتقل کرتے رہنا یہاں تک یہ اس خوش نصیب انسان تک پہنچ جائے جسے رسول محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت و دیدار نصیب ہو۔ تبع الحمیری کے اس مکتوب کا خلاصہ درج ذیل ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام تبع الحمیری کا مکتوب

اے رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب پر ایمان لایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب پر جو تمام جہانوں کا مالک و مولیٰ ہے میں ایمان لایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب کی طرف سے ایمان اور اسلام کی جو فضیلتیں نازل ہوئیں میں نے ان کو قبول و تسلیم کیا۔ اگر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا تو میں نے گویا نعمت حاصل کر لی اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے روز قیامت شفاعت فرمادیں اس لئے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولین امت میں سے ہوں، لِلّٰہ اس روز مجھے فراموش نہ کیجئے گا کیونکہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع، تشریف آوری اور اللہ کی طرف سے مبعوث بہ رسالت ہونے کی تصدیق کی ہے۔

یہ مکتوب عقیدت شاہِ یمن کی ہدایت کے مطابق شامول کی نسل میں مسلسل سفر کرتا ہوا مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک جا پہنچا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے وقت صدیوں پرانا یہ راز اس وقت افشا ہوا جب ناقۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھٹنے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے ٹیک دیئے اور پھر یہی گھر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یثرب میں پہلی قیام گاہ بنا کیونکہ تبع الحمیری کا وہ مکتوب 21 ویں پشت سے انہی کے پاس من وعن موجود تھا۔

مرحبا یا الاخ الصالح

جب یہ مکتوب انہوں نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسے پڑھنے کا حکم دیا۔ اس مکتوب کو بغور سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف تبع الحمیری کا مسلمان ہونا قبول فرمایا بلکہ اس کی پیش کردہ شفاعت کی عرض داشت بھی منظور فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبع الحمیری کے پیام محبت سے اتنے مسرور و شاداں اور متاثر ہوئے کہ بے ساختہ لب ہائے مبارک پر تین بار مرحبا یا الاخ الصالح کے الفاظ ادا ہوئے یعنی میں اپنے صالح بھائی

تبع الحمیری کو مرحبا کہتا ہوں۔ (شامی، سبل الہدیٰ والرشاد، 274:3)

مذکورہ مضمون کے مندرجات سے ثابت ہوا کہ بعثت نبوی سے 1040 سال پہلے شاہ یمن نے عقیدت و محبت میں ڈوب کر یثرب کی گلیوں اور بازاروں میں میلاد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا ارضی جلوس نکالا تھا۔ اسی وقت اپنے ساتھیوں سمیت وہ رسالت و نبوت پر ایمان لا کر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس طرح یہ تمام یمنی لوگ سابقون والاولون میں شمار ہوئے۔ اللہ ان کی قبروں پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔

البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری لکھا ہے کہ جب تبع نے حجاز پر لشکر کشی کی تو اس کا گزر یثرب سے ہوا جہاں اس کے پاس چار سو یہودی علماء آئے اور اس کو بیت اللہ کی تعظیم کے وجوب سے آگاہ کرتے ہوئے اس کو یہ بھی بتایا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں جن کا مسکن یثرب ہوگا، یہ سن کر تبع نے ان کی تکریم کی اور بیت اللہ کی تعظیم اس پر غلاف چڑھا کر کی اور ایک خط لکھ کر اس کو ان علماء میں سے ایک کے حوالہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر اس کو آنے والے نبی کا زمانہ ملے تو وہ یہ خط ان کی خدمت میں پیش کرے، کہا جاتا ہے کہ ابوایوب اسی شخص کی اولاد میں سے تھے، ابن ہشام نے اس کو اپنی کتاب التیجان میں بیان کیا ہے اور حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں تبع کے ذکر کے ضمن میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ

ولادت باسعادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ مگر قول مشہور یہی ہے کہ واقعہ اصحاب فیل سے پچپن دن کے بعد ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ولادت باسعادت کی تاریخ ہے۔ اہل مکہ کا بھی اسی پر عملدر آمد ہے کہ وہ لوگ بارہویں ربیع الاول ہی کو کاشانۂ نبوت کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اور وہاں میلاد شریف کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔

(مدارج النبوۃ)

تاریخ عالم میں یہ وہ نرالا اور عظمت والا دن ہے کہ اسی روز عالم ہستی کے ایجاد کا باعث، گردش لیل ونہار کا مطلوب، خلق آدم کا رمز، کشتی نوح کی حفاظت کا راز، بانی کعبہ کی دعا، ابن مریم کی بشارت کا ظہور ہوا۔ کائنات وجود کے الجھے ہوئے گیسوؤں کو سنوارنے والا، تمام جہان کے بگڑے نظاموں کو سدھارنے والا یعنی

مرادیں غریبوں کی بر لانے والا　　وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا　　مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ　　فقیروں کا ماویٰ ، ضعیفوں کا ملجا

سندالاصفیاء، اشرف الانبیاء، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم وجود میں رونق افروز ہوئے اور پاکیزہ بدن، ناف بریدہ، ختنہ کئے ہوئے خوشبو میں بسے ہوئے بحالت سجدہ، مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین میں اپنے والد ماجد کے مکان کے اندر پیدا ہوئے باپ کہاں تھے جو بلائے جاتے اور اپنے نونہال کو دیکھ کر نہال ہوتے۔ وہ تو پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ دادا بلائے گئے جو اس وقت طواف کعبہ میں مشغول تھے۔ یہ خوشخبری سن کر دادا عبدالمطلب خوش خوش حرم کعبہ سے اپنے گھر آئے اور والہانہ جوش محبت میں اپنے پوتے کو کلیجے سے لگالیا۔ پھر کعبہ میں لے جا کر خیر و برکت کی دعا مانگی اور محمد نام رکھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے چچا ابو لہب کی لونڈی ثویبہ خوشی میں دوڑتی ہوئی گئی اور ابولہب کو بھتیجا پیدا ہونے کی خوشخبری دی تو اس نے اس خوشی میں شہادت کی انگلی کے اشارہ سے ثویبہ کو آزاد کردیا جس کا ثمرہ ابولہب کو یہ ملا کہ اس کی موت کے بعد اس کے گھر والوں نے اس کو خواب میں دیکھا اور حال پوچھا، تو اس نے اپنی انگلی اٹھا کر یہ کہا کہ تم لوگوں سے جدا ہونے کے بعد مجھے کچھ (کھانے پینے) کو نہیں ملا بجز اس کے کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کے سبب سے اس انگلی کے ذریعہ کچھ پانی پلادیا جاتا ہوں۔ (بخاری ج باب)

میلاد منانے والوں کے لئے ثواب کا بیان

اس موقع پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بہت ہی فکر انگیز اور بصیرت افروز بات تحریر فرمائی ہے جو اہل محبت کے لئے نہایت ہی لذت بخش ہے، وہ لکھتے ہیں کہ

اس جگہ میلاد کرنے والوں کے لئے ایک سند ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شب ولادت میں خوشی مناتے ہیں اور اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب ابولہب کو جو کافر تھا اور اس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی منانے، اور باندی کا دودھ خرچ کرنے پر جزا دی گئی تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار ہو کر خوشی مناتا ہے اور اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ (مدارج النبوۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کی مبارک ادائیں

حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا گہوارہ یعنی جھولا فرشتوں کے ہلانے سے ہلتا تھا اور آپ بچپن میں چاند کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ فرماتے تھے تو چاند آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی انگلی کے اشاروں پر حرکت کرتا تھا۔ جب آپ کی زبان کھلی تو سب سے اول جو کلام آپ کی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا اللہ اکبر اللہ اکبر الحمد للہ رب العالمین و سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا بچوں کی عادت کے مطابق کبھی بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے کپڑوں میں بول و براز نہیں فرمایا۔ بلکہ ہمیشہ ایک معین وقت پر رفع حاجت فرماتے۔ اگر کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شرم گاہ کھل جاتی تو آپ رو رو کر فریاد کرتے۔ اور جب تک شرم گاہ نہ چھپ جاتی آپ کو چین اور قرار نہیں آتا تھا اور اگر شرم گاہ چھپانے میں مجھ سے کچھ تاخیر ہو جاتی تو غیب سے کوئی آپ کی شرم گاہ چھپا دیتا۔ جب آپ اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل ہوئے تو باہر نکل کر بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے مگر خود کھیل کود میں شریک نہیں ہوتے تھے لڑکے آپ کو کھیلنے کے لئے بلاتے تو آپ فرماتے کہ میں کھیلنے کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں۔ (مدارج النبوۃ)

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف جب چھ برس کی ہوگئی تو آپ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آپ کے دادا کے ننھیال بنو عدی بن نجار میں رشتہ داروں کی ملاقات یا اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے والد ماجد کی باندی ام ایمن بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں وہاں سے واپسی پر ابواء نامی گاؤں میں حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوگئی اور وہ وہیں مدفون ہوئیں۔ والد ماجد کا سایہ تو ولادت سے پہلے ہی اٹھ چکا تھا اب والدہ ماجدہ کی آغوش شفقت کا خاتمہ بھی ہوگیا۔ لیکن حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ در یتیم جس آغوش رحمت میں پرورش پا کر پروان چڑھنے والا ہے وہ ان سب ظاہری اسباب تربیت سے بے نیاز

ہے۔

حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو مکہ مکرمہ لائیں اور آپ کے دادا عبدالمطلب کے سپرد کیا اور دادا نے آپ کو اپنی آغوش تربیت میں انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ پرورش کیا اور حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی خدمت کرتی رہیں۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی عمر شریف آٹھ برس کی ہوگئی تو آپ کے دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔

آپ کی پرورش ابوطالب کے پاس

جناب عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے چچا ابوطالب نے آپ کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیک خصلتوں اور دل لبھا دینے والی بچپن کی پیاری پیاری اداؤں نے ابوطالب کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ایسا گرویدہ بنا دیا کہ مکان کے اندر اور باہر ہر وقت آپ کو اپنے ساتھ ہی رکھتے۔ اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے، اپنے پاس ہی آپ کا بستر بچھاتے اور ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔

ابوطالب کا بیان ہے کہ میں نے کبھی بھی نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی وقت بھی کوئی جھوٹ بولے ہوں یا کبھی کسی کو دھوکہ دیا ہو، یا کبھی کسی کو کوئی ایذا پہنچائی ہو، یا بیہودہ لڑکوں کے پاس کھیلنے کے لئے گئے ہوں یا کبھی کوئی خلاف تہذیب بات کی ہو۔ ہمیشہ انتہائی خوش اخلاق، نیک اطوار، نرم گفتار، بلند کردار اور اعلیٰ درجے کے پارسا اور پرہیزگار رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے بارش ہونے کا واقعہ

ایک مرتبہ ملکِ عرب میں انتہائی خوفناک قحط پڑ گیا۔ اہلِ مکہ نے بتوں سے فریاد کرنے کا ارادہ کیا مگر ایک حسین وجمیل بوڑھے نے مکہ والوں سے کہا کہ اے اہلِ مکہ! ہمارے اندر ابوطالب موجود ہیں جو بانی کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین بھی ہیں۔ ہمیں ان کے پاس چل کر دعا کی درخواست کرنی چاہیے۔ چنانچہ سرداران عرب ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فریاد کرنے لگے کہ اے ابوطالب! قحط کی آگ نے سارے عرب کو جھلسا کر رکھ دیا ہے۔ جانور گھاس پانی کے لئے ترس رہے ہیں اور انسان دانہ پانی نہ ملنے سے تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہے ہیں۔

قافلوں کی آمد و رفت بند ہو چکی ہے اور ہر طرف بربادی و ویرانی کا دور دورہ ہے۔ آپ بارش کے لئے دعا کیجیے۔ اہلِ عرب کی فریاد سن کر ابوطالب کا دل بھر آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر حرم کعبہ میں گئے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیوار کعبہ سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور دعا مانگنے میں مشغول ہو گئے۔ درمیان دعا میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک کو آسمان کی طرف اٹھا دیا ایک دم چاروں طرف سے بدلیاں نمودار ہوئیں اور فوراً ہی اس زور کا بارانِ رحمت برسا کہ عرب کی زمین سیراب ہو گئی۔ جنگلوں اور میدانوں میں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ چٹیل میدانوں کی زمینیں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ قحط دفع ہو گیا اور کال کٹ گیا اور سارا عرب خوش حال اور نہال ہو گیا۔

چنانچہ ابوطالب نے اپنے اس طویل قصیدہ میں جس کو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح میں نظم کیا ہے اس واقعہ کو ایک شعر میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِه ۔۔۔ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

یعنی وہ (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ایسے گورے رنگ والے ہیں کہ ان کے رخ انور کے ذریعہ بدلی سے بارش طلب کی جاتی ہے وہ یتیموں کا ٹھکانا اور بیواؤں کے نگہبان ہیں۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۹۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر شام اور بحیریٰ راہب کی دعوت کا واقعہ

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی عمر شریف بارہ برس کی ہوئی تو اس وقت ابو طالب نے تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر کیا۔ ابو طالب کو چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے بہت ہی والہانہ محبت تھی اس لیے وہ آپ کو بھی اس سفر میں اپنے ہمراہ لے گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اعلان نبوت سے قبل تین بار تجارتی سفر فرمایا۔ دو مرتبہ ملک شام گئے اور ایک بار یمن تشریف لے گئے، یہ ملک شام کا پہلا سفر ہے اس سفر کے دوران بُصریٰ میں بُحیریٰ راہب (عیسائی سادھو) کے پاس آپ کا قیام ہوا۔ اس نے توراۃ و انجیل میں بیان کی ہوئی نبی آخر الزماں کی نشانیوں سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور بہت عقیدت اور احترام کے ساتھ اس نے آپ کے قافلہ والوں کی دعوت کی۔

اور ابو طالب سے کہا کہ یہ سارے جہان کے سردار اور رب العالمین کے رسول ہیں، جن کو خدا عزوجل نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ شجر و حجر ان کو سجدہ کرتے ہیں اور ابر ان پر سایہ کرتا ہے اور ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔ اس لئے تمہارے اور ان کے حق میں یہی بہتر ہوگا کہ اب تم ان کو لے کر آگے نہ جاؤ اور اپنا مال تجارت یہیں فروخت کر کے بہت جلد مکہ چلے جاؤ۔

کیونکہ ملک شام میں یہودی لوگ ان کے بہت بڑے دشمن ہیں۔ وہاں پہنچتے ہی وہ لوگ۔ ان کو شہید کر ڈالیں گے۔ بحیریٰ راہب کے کہنے پر ابو طالب کو خطرہ محسوس ہونے لگا۔ چنانچہ انہوں نے وہیں اپنی تجارت کا مال فروخت کر دیا اور بہت جلد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ بُحیریٰ راہب نے چلتے وقت انتہائی عقیدت کے ساتھ آپ کو سفر کا کچھ توشہ بھی دیا۔ (ترمذی ج باب ماجاء فی بدء نبوۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ملکِ شام کی جانب دوسرے سفر کا واقعہ

جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف تقریباً پچیس سال کی ہوئی تو آپ کی امانت و صداقت کا چرچا دور دور تک پہنچ چکا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ کی ایک بہت ہی مالدار عورت تھیں۔ ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کو ضرورت تھی کہ کوئی امانت دار آدمی مل جائے تو اس کے ساتھ اپنی تجارت کا مال و سامان ملک شام بھیجیں۔ چنانچہ ان کی نظر انتخاب نے اس کام کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منتخب کیا اور کہلا بھیجا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرا مال تجارت لے کر ملک شام جائیں جو

معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امانت و دیانت داری کی بنا پر میں آپ کو اس کا دوگنا دوں گی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمالی اور تجارت کا مال و سامان لے کر ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ایک معتمد غلام میسرہ کو بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ کر دیا تا کہ وہ آپ کی خدمت کرتا رہے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملک شام کے مشہور شہر بصریٰ کے بازار میں پہنچے تو وہاں نسطورا راہب کی خانقاہ کے قریب میں ٹھہرے۔ نسطورا میسرہ کو بہت پہلے سے جانتا پہچانتا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت دیکھتے ہی نسطورا میسرہ کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ اے میسرہ! یہ کون شخص ہیں جو اس درخت کے نیچے اتر پڑے ہیں۔ میسرہ نے جواب دیا کہ یہ مکہ کے رہنے والے ہیں اور خاندان بنو ہاشم کے چشم و چراغ ہیں ان کا نام نامی محمد اور لقب امین ہے۔ نسطورا نے کہا کہ سوائے نبی کے اس درخت کے نیچے آج تک کبھی کوئی نہیں اترا۔ اس لئے مجھے یقین کامل ہے کہ نبی آخر الزماں یہی ہیں۔ کیونکہ آخری نبی کی تمام نشانیاں جو میں نے توریت وانجیل میں پڑھی ہیں وہ سب میں ان میں دیکھ رہا ہوں۔ کاش! میں اس وقت زندہ رہتا جب یہ اپنی نبوت کا اعلان کریں گے تو میں ان کی بھر پور مدد کرتا اور پوری جاں نثاری کے ساتھ ان کی خدمت گزاری میں اپنی تمام عمر گزار دیتا۔ اے میسرہ! میں تم کو نصیحت اور وصیت کرتا ہوں کہ خبردار! ایک لمحہ کے لئے بھی تم ان سے جدا نہ ہونا اور انتہائی خلوص وعقیدت کے ساتھ ان کی خدمت کرتے رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاتم النبیین ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے۔

دھوپ سے بچانے کیلئے فرشتوں کے سایہ کرنے کا واقعہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بصریٰ کے بازار میں بہت جلد تجارت کا مال فروخت کر کے مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ واپسی میں جب آپ کا قافلہ شہر مکہ میں داخل ہونے لگا تو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک بالا خانے پر بیٹھی ہوئی قافلہ کی آمد کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ جب ان کی نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑی تو انہیں ایسا نظر آیا کہ دو فرشتے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر پر دھوپ سے سایہ کئے ہوئے ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قلب پر اس نورانی منظر کا ایک خاص اثر ہوا اور وہ فرط عقیدت سے انتہائی والہانہ محبت کے ساتھ یہ حسین جلوہ دیکھتی رہیں۔ پھر اپنے غلام میسرہ سے انہوں نے کئی دن کے بعد اس کا ذکر کیا تو میسرہ نے بتایا کہ میں تو پورے سفر میں یہی منظر دیکھتا رہا ہوں۔ اور اس کے علاوہ میں نے بہت سی عجیب وغریب باتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ پھر میسرہ نے نسطورا راہب کی گفتگو اور اسکی عقیدت ومحبت کا تذکرہ بھی کیا۔ یہ سن کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ سے بے پناہ قلبی تعلق، اور بے حد عقیدت ومحبت ہوگئی اور یہاں تک ان کا دل جھک گیا کہ انہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح کی رغبت ہوگئی۔ (مدارج النبوۃ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدبرانہ فیصلے نے قبائل عرب کو حیران کر دیا

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راست بازی اور امانت و دیانت کی بدولت خداوند عالم عزوجل نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو اس قدر مقبول خلائق بنا دیا اور عقل سلیم اور بے مثال دانائی کا ایسا عظیم جوہر عطا فرما دیا کہ کم عمری میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے عرب کے بڑے بڑے سرداروں کے جھگڑوں کا ایسالا جواب فیصلہ فرمادیا کہ بڑے بڑے دانشوروں اور سرداروں نے اس فیصلہ کی عظمت کے آگے سر جھکادیا، اور سب نے بالاتفاق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا حکم اور سردار اعظم تسلیم کرلیا۔ چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ تعمیر کعبہ کے وقت پیش آیا۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر پینتیس (۳۵) برس کی ہوئی تو زوردار بارش سے حرم کعبہ میں ایسا عظیم سیلاب آگیا کہ کعبہ کی عمارت بالکل ہی منہدم ہوگئی۔ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا بنایا ہوا کعبہ بہت پرانا ہو چکا تھا۔ عمالقہ، قبیلۂ جرہم اور قصی وغیرہ اپنے اپنے وقتوں میں اس کعبہ کی تعمیر و مرمت کرتے رہے تھے مگر چونکہ عمارت نشیب میں تھی اس لئے پہاڑوں سے برساتی پانی کے بہاؤ کا زوردار دھارا وادی مکہ میں ہوکر گزرتا تھا اور اکثر حرم کعبہ میں سیلاب آجاتا تھا۔ کعبہ کی حفاظت کے لیے بالائی حصہ میں قریش نے کئی بند بھی بنائے تھے مگر وہ بند بار بار ٹوٹ جاتے تھے۔ اس لیے قریش نے یہ طے کیا کہ عمارت کو ڈھا کر پھر سے کعبہ کی ایک مضبوط عمارت بنائی جائے جس کا دروازہ بلند ہو اور چھت بھی ہو۔

چنانچہ قریش نے مل جل کر تعمیر کا کام شروع کردیا۔ اس تعمیر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے اور سرداران قریش کے دوش بدوش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے مختلف قبیلوں نے تعمیر کے لیے مختلف حصے آپس میں تقسیم کرلئے۔ جب عمارت حجر اسود تک پہنچ گئی تو قبائل میں سخت جھگڑا کھڑا ہوگیا۔ ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ ہم ہی حجر اسود کو اٹھا کر دیوار میں نصب کریں۔ تاکہ ہمارے قبیلہ کے لئے یہ فخر و اعزاز کا باعث بن جائے۔ اس کشمکش میں چار دن گزر گئے یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلواریں نکل آئیں بنو عبدالدار اور بنو عدی کے قبیلوں نے تو اس پر جان کی بازی لگادی اور زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنی قسموں کو مضبوط کرنے کے لئے ایک پیالہ میں خون بھر کر اپنی انگلیاں اس میں ڈبو کر چاٹ لیں۔

پانچویں دن حرم کعبہ میں تمام قبائل عرب جمع ہوئے اور اس جھگڑے کو طے کرنے کے لئے ایک بڑے بوڑھے شخص نے یہ تجویز پیش کی کہ کل جو شخص صبح سویرے سب سے پہلے حرم کعبہ میں داخل ہو اس کو پنچ مان لیا جائے۔ وہ جو فیصلہ کردے سب اس کو تسلیم کرلیں۔ چنانچہ سب نے یہ بات مان لی۔ خدا عزوجل کی شان کہ صبح کو جو شخص حرم کعبہ میں داخل ہوا وہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب پکار اٹھے کہ واللہ یہ امین ہیں لہٰذا ہم سب ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جھگڑے کا اس طرح تصفیہ فرمایا کہ پہلے آپ نے یہ حکم دیا کہ جس جس قبیلہ کے لوگ حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کے مدعی ہیں ان کا ایک ایک سردار چن لیا جائے۔

چنانچہ ہر قبیلہ والوں نے اپنا اپنا سردار چن لیا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کو بچھا کر حجر اسود کو اس پر رکھا اور سرداروں کو حکم دیا کہ سب لوگ اس چادر کو تھام کر مقدس پتھر کو اٹھائیں۔ چنانچہ سب سرداروں نے چادر کو اٹھایا اور جب حجر اسود اپنے مقام تک پہنچ گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے متبرک ہاتھوں سے اس مقدس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح ایک ایسی خونریز لڑائی ٹل گئی جس کے نتیجہ میں نہ معلوم کتنا خون خرابا ہوتا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام کا پہلا مرحلہ

تین برس تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتہائی پوشیدہ طور پر نہایت رازداری کے ساتھ تبلیغ اسلام کا فرض ادا فرماتے رہے اور اس درمیان میں عورتوں میں سب سے پہلے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت و تبلیغ سے حضرت عثمان، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی جلد ہی دامن اسلام میں آ گئے۔ پھر چند دنوں کے بعد حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد، حضرت ارقم بن ابوارقم، حضرت عثمان بن مظعون اور ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر کچھ مدت کے بعد حضرت ابوذر غفاری و حضرت صہیب رومی، حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب حضرت عمر کی بہن رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چچی حضرت ام الفضل حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بیوی اور حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی مسلمان ہو گئیں۔ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے مردوں اور عورتوں نے بھی اسلام لانے کا شرف حاصل کر لیا۔ (زرقانی علی المواہب)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام کا دوسرا مرحلہ

تین برس کی اس خفیہ دعوت اسلام میں مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو گئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سورۂ شعراء کی آیت وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۝ نازل فرمائی اور خداوند تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اے محبوب! آپ اپنے قریبی خاندان والوں کو خدا سے ڈرایئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر یا معشر قریش کہہ کر قبیلہ قریش کو پکارا۔ جب سب قریش جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر میں تم لوگوں سے یہ کہہ دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر چھپا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم لوگ میری بات کا یقین کر لو گے؟ تو سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہاں! ہاں! ہم یقیناً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات کا یقین کر لیں گے کیونکہ ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہمیشہ سچا اور امین ہی پایا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ میں تم لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا رہا ہوں اور اگر تم لوگ ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب الٰہی اتر پڑے گا۔ یہ سن کر تمام قریش جن میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چچا ابولہب بھی تھا، سخت ناراض ہو کر سب کے سب چلے گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں اول فول بکنے لگے۔ (بخاری، عامہ تفاسیر)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام کا تیسرا مرحلہ

اب وہ وقت آ گیا کہ اعلان نبوت کے چوتھے سال سورہ حجر کی آیت فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ نازل فرمائی اور حضرت حق جل شانہ

نے یہ حکم فرمایا کہ اے محبوب! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو علی الاعلان بیان فرمائیے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علانیہ طور پر دین اسلام کی تبلیغ فرمانے لگے۔ اور شرک و بت پرستی کی کھلم کھلا برائی بیان فرمانے لگے۔ اور تمام قریش بلکہ تمام اہل مکہ بلکہ پورا عرب آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ایذا رسانیوں کا ایک طولانی سلسلہ شروع ہو گیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار مکہ کا ظلم و ستم

کفار مکہ خاندان بنو ہاشم کے انتقام اور لڑائی بھڑک اٹھنے کے خوف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل تو نہیں کر سکے لیکن طرح طرح کی تکلیفوں اور ایذا رسانیوں سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑنے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاہن، ساحر، شاعر، مجنون ہونے کا ہر کوچہ و بازار میں زوردار پروپیگنڈہ کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے شریر لڑکوں کا غول لگا دیا جو راستوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پھبتیاں کستے، گالیاں دیتے اور یہ دیوانہ ہے، یہ دیوانہ ہے، کا شور مچا مچا کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوپر پتھر پھینکتے۔ کبھی کفار مکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راستوں میں کانٹے بچھاتے۔ کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے۔ کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دھکا دیتے۔ کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس اور نازک گردن میں چادر کا پھندہ ڈال کر گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک دم سنگدل کافر عقبہ بن ابی معیط نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گلے میں چادر کا پھندہ ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دم گھٹنے لگا۔ چنانچہ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے قرار ہو کر دوڑ پڑے اور عقبہ بن ابی معیط کو دھکا دے کر دفع کیا اور یہ کہا کہ کیا تم لوگ ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ اس دھکم دھکا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار کو مارا بھی اور کفار کی مار بھی کھائی۔ (زرقانی ج ص و بخاری)

کفار مکہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بغض عداوت

کفار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات اور روحانی تاثیرات و تصرفات کو دیکھ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب سے بڑا جادوگر کہتے۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو یہ کفار قرآن اور قرآن کو لانے والے (جبریل) اور قرآن کو نازل فرمانے والے (اللہ تعالیٰ) کو اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے۔ اور گلی کوچوں میں پہرہ بٹھا دیتے کہ قرآن کی آواز کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے اور تالیاں پیٹ پیٹ کر اور سیٹیاں بجا بجا کر اس قدر شور و غل مچاتے کہ قرآن کی آواز کسی کو سنائی نہیں دیتی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کہیں کسی عام مجمع میں یا کفار کے میلوں میں قرآن پڑھ کر سناتے یا دعوت

ایمان کا وعظ فرماتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چچا ابولہب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے چلا چلا کر کہتا جاتا تھا کہ اے لوگو! یہ میرا بھتیجا جھوٹا ہے، یہ دیوانہ ہوگیا ہے، تم لوگ اس کی کوئی بات نہ سنو۔ (معاذ اللہ)

حالت نماز میں کفار مکہ کی ایذ رسانیاں

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذوالمجاز کے بازار میں دعوت اسلام کا وعظ فرمانے کے لئے تشریف لے گئے اور لوگوں کو کلمۂ حق کی دعوت دی تو ابوجہل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دھول اڑاتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ اے لوگو! اس کے فریب میں مت آنا، یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ لات وعزیٰ کی عبادت چھوڑ دو۔ (مسند امام احمد وغیرہ)

اسی طرح ایک مرتبہ جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے عین حالتِ نماز میں ابوجہل نے کہا کہ کوئی ہے؟ جو آل فلاں کے ذبح کیے ہوئے اونٹ کی اوجھڑی لا کر سجدہ کی حالت میں ان کے کندھوں پر رکھ دے۔ یہ سن کر عقبہ بن ابی معیط کافر اٹھا اور اس اوجھڑی کو لا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ میں تھے دیر تک اوجھڑی کندھے اور گردن پر پڑی رہی اور کفار ٹھٹھا مار کر ہنستے رہے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر گر گر پڑتے رہے آخر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو ان دنوں ابھی کمسن لڑکی تھی آئیں اور ان کافروں کو برا بھلا کہتے ہوئے اس اوجھڑی کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوش مبارک سے ہٹا دیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر قریش کی اس شرارت سے انتہائی صدمہ گزرا اور نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ یہ دعا مانگی کہ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ یعنی اے اللہ! تو قریش کو اپنی گرفت میں پکڑ لے، پھر ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عمارہ بن ولید کا نام لے کر دعا مانگی کہ الٰہی! تو ان لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے ان سب کافروں کو جنگ بدر کے دن دیکھا کہ ان کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی ہیں۔ پھر ان سب کفار کی لاشوں کو نہایت ذلت کے ساتھ گھسیٹ کر بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان گڑھے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔ (بخاری)

کفار مکہ کے مسلمانوں پر مظالم:

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ غریب مسلمانوں پر بھی کفار مکہ نے ایسے ایسے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے کہ مکہ کی زمین بلبلا اٹھی۔ یہ آسان تھا کہ کفار مکہ ان مسلمانوں کو دم زدن میں قتل کر ڈالتے مگر اس سے ان کافروں کے جوش انتقام کا نشہ نہیں اتر سکتا تھا کیونکہ کفار اس بات میں اپنی شان سمجھتے تھے کہ ان مسلمانوں کو اتنا ستاؤ کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر پھر شرک و بت پرستی کرنے لگیں۔ اس لئے قتل کر دینے کی بجائے کفار مکہ مسلمانوں کو طرح طرح کی سزاؤں اور ایذا رسانیوں کے ساتھ ستاتے تھے۔ مگر خدا کی قسم! شراب توحید کے ان مستوں نے اپنے استقلال و استقامت کا وہ منظر پیش کر دیا کہ پہاڑوں کی چوٹیاں سر اٹھا اٹھا کر

حیرت کے ساتھ ان بلاکشانِ اسلام کے جذبۂ استقامت کا نظارہ کرتی رہیں۔ سنگدل، بے رحم اور درندہ صفت کافروں نے ان غریب وبیکس مسلمانوں پر جبرو اکراہ اور ظلم وستم کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا مگر ایک مسلمان کے پائے استقامت میں بھی ذرہ برابر تزلزل نہیں پیدا ہوا اور ایک مسلمان کا بچہ بھی اسلام سے منہ پھیر کر کافر و مرتد نہیں ہوا۔

قریش کا وفد ابوطالب کے پاس:

کفار قریش میں کچھ لوگ صلح پسند بھی تھے وہ چاہتے تھے کہ بات چیت کے ذریعہ صلح وصفائی کے ساتھ معاملہ طے ہو جائے۔ چنانچہ قریش کے چند معزز رؤسا ابوطالب کے پاس آئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام اور بت پرستی کے خلاف تقریروں کی شکایت کی۔ ابوطالب نے نہایت نرمی کے ساتھ ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کے فرمان فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کی تعمیل کرتے ہوئے علی الاعلان شرک و بت پرستی کی مذمت اور دعوت توحید کا وعظ فرماتے ہی رہے۔ اس لئے قریش کا غصہ پھر بھڑک اٹھا۔ چنانچہ تمام سردارانِ قریش یعنی عتبہ وشیبہ وابوسفیان وعاص بن ہشام وابوجہل وولید بن مغیرہ وعاص بن وائل وغیرہ وغیرہ سب ایک ساتھ مل کر ابوطالب کے پاس آئے اور یہ کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے اس لئے یا تو آپ درمیان میں سے ہٹ جائیں اور اپنے بھتیجا کو ہمارے سپرد کر دیں یا پھر آپ بھی کھل کر ان کے ساتھ میدان میں نکل پڑیں تا کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے قریش کا تیور دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب بہت ہی خطرناک اور نازک گھڑی سر پر آن پڑی ہے۔ ظاہر ہے کہ اب قریش برداشت نہیں کر سکتے اور میں اکیلا تمام قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ابوطالب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انتہائی مخلصانہ اور مشفقانہ لہجے میں سمجھایا کہ میرے پیارے بھتیجے! اپنے بوڑھے چچا کی سفید داڑھی پر رحم کرو اور بڑھاپے میں مجھ پر اتنا بوجھ مت ڈالو کہ میں اٹھا نہ سکوں۔ اب تک تو قریش کا بچہ بچہ میرا احترام کرتا تھا مگر آج قریش کے سرداروں کا لب ولہجہ اور ان کا تیور اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ اب وہ مجھ پر اور تم پر تلوار اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم کچھ دنوں کے لئے دعوت اسلام موقوف کر دو۔ اب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری معین، مددگار جو کچھ بھی تھے وہ صرف اکیلے ابوطالب ہی تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب ان کے قدم بھی اکھڑ رہے ہیں چچا کی گفتگو سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھرائی ہوئی مگر جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا کہ چچا جان! خدا کی قسم! اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے اس فرض سے باز نہ آؤں گا۔ یا تو خدا اس کام کو پورا فرما دے گا یا میں خود دین اسلام پر نثار ہو جاؤں گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ جذباتی تقریر سن کر ابوطالب کا دل پسیج گیا اور وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی ہاشمی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ بھتیجے کی محبت میں گرم ہو کر کھولنے لگا اور انتہائی جوش میں آ کر کہہ دیا کہ جان عم! جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ (سیرت ابن ہشام)

مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کا کفار کو پتہ چل جانے کا واقعہ

کفار مکہ کو جب ان لوگوں کی ہجرت کا پتا چلا تو ان ظالموں نے ان لوگوں کی گرفتاری کے لئے ان کا تعاقب کیا لیکن یہ لوگ کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے تھے۔ اس لئے کفار ناکام واپس لوٹے۔ یہ مہاجرین کا قافلہ حبشہ کی سرزمین میں اتر کر امن وامان کے ساتھ خدا کی عبادت میں مصروف ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد ناگہاں یہ خبر پھیل گئی کہ کفار مکہ مسلمان ہو گئے۔ یہ خبر سن کر چند لوگ حبشہ سے مکہ لوٹ آئے مگر یہاں آ کر پتا چلا کہ یہ خبر غلط تھی۔ چنانچہ بعض لوگ تو پھر حبشہ چلے گئے مگر کچھ لوگ مکہ میں روپوش ہو کر رہنے لگے لیکن کفار مکہ نے ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالا اور ان لوگوں پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم ڈھانے لگے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر لوگوں کو حبشہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ حبشہ سے واپس آنے والے اور ان کے ساتھ دوسرے مظلوم مسلمان کل تراسی (۸۳) مرد اور اٹھارہ عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ (زرقانی علی المواہب ج ا ص ۲۸۷)

کفار کا سفیر نجاشی کے دربار میں:

تمام مہاجرین نہایت امن وسکون کے ساتھ حبشہ میں رہنے لگے۔ مگر کفار مکہ کو کب گوارا ہو سکتا تھا کہ فرزندان توحید کہیں امن و چین کے ساتھ رہ سکیں۔ ان ظالموں نے کچھ تحائف کے ساتھ عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کو بادشاہ حبشہ کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ ان دونوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر تحفوں کا نذرانہ پیش کیا اور بادشاہ کو سجدہ کر کے یہ فریاد کرنے لگے کہ اے بادشاہ! ہمارے کچھ مجرم مکہ سے بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ آپ ہمارے ان مجرموں کو ہمارے حوالہ کر دیجیے۔ یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے نمائندہ بن کر گفتگو کے لئے آگے بڑھے اور دربار کے آداب کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ صرف سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ درباریوں نے ٹوکا تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے میں بادشاہ کو سجدہ نہیں کر سکتا۔ (زرقانی علی المواہب)

اس کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار شاہی میں اس طرح تقریر شروع فرمائی کہ اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ شرک و بت پرستی کرتے تھے۔ لوٹ مار، چوری، ڈکیتی، ظلم و ستم اور طرح طرح کی بدکاریوں اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری قوم میں ایک شخص کو اپنا رسول بنا کر بھیجا جس کے حسب ونسب اور صدق و دیانت کو ہم پہلے سے جانتے تھے، اس رسول نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک دیا اور صرف ایک خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم و ستم اور تمام برائیوں اور بدکاریوں سے ہم کو منع کیا۔ ہم اس رسول پر ایمان لائے اور شرک و بت پرستی چھوڑ کر تمام برے کاموں سے تائب ہو گئے۔ بس یہی ہمارا گناہ ہے۔ جس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ان لوگوں نے ہمیں اتنا ستایا کہ ہم اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر آپ کی سلطنت کے زیر سایہ پر امن زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب یہ لوگ ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم پھر اسی پرانی گمراہی میں واپس لوٹ جائیں۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سے نجاشی بادشاہ بے حد متاثر ہوا۔ یہ دیکھ کر کفار مکہ کے سفیر عمرو بن العاص نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی پھینک دیا اور کہا کہ اے بادشاہ! یہ مسلمان لوگ آپ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ دوسرا ہی اعتقاد رکھتے ہیں جو آپ کے عقیدہ کے بالکل ہی خلاف ہے۔

بادشاہ نجاشی کا حق کو پہچان لینے کا واقعہ

یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے سورۂ مریم کی تلاوت فرمائی۔ کلام ربانی کی تاثیر سے نجاشی بادشاہ کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ اس پر رقت طاری ہوگئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم کو یہی بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں جو کنواری مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکم مبارک سے بغیر باپ کے خدا کی قدرت کا نشان بن کر پیدا ہوئے۔ نجاشی بادشاہ نے بڑے غور سے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر کو سنا اور یہ کہا کہ بلاشبہ انجیل اور قرآن دونوں ایک ہی آفتاب ہدایت کے دو نور ہیں اور یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کے وہی رسول ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں دی ہے اور اگر میں دستور سلطنت کے مطابق تخت شاہی پر رہنے کا پابند نہ ہوتا تو میں خود مکہ جا کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جوتیاں سیدھی کرتا اور ان کے قدم دھوتا۔ بادشاہ کی تقریر سن کر اس کے درباری جو کٹر قسم کے عیسائی تھے ناراض و برہم ہو گئے مگر نجاشی بادشاہ نے جوش ایمانی میں سب کو ڈانٹ پھٹکار کر خاموش کر دیا۔ اور کفار مکہ کے تحفوں کو واپس لوٹا کر عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کو دربار سے نکلوا دیا اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تم لوگ میری سلطنت میں جہاں چاہو امن و سکون کے ساتھ آرام و چین کی زندگی بسر کرو۔ کوئی تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ (زرقانی ج ۱ ص ۲۸۸)

واضح رہے کہ نجاشی بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس کے انتقال پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ حالانکہ نجاشی بادشاہ کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا اور وہ حبشہ ہی میں مدفون بھی ہوئے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غائبانہ ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ابن دغنہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی مگر جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام برک الغماد میں پہنچے تو قبیلہ قارہ کا سردار مالک بن دغنہ راستے میں ملا اور دریافت کیا کہ کیوں؟ اے ابوبکر! کہاں چلے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار کے مظالم کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ اب میں اپنے وطن مکہ کو چھوڑ کر خدا کی لمبی چوڑی زمین میں پھرتا رہوں گا اور خدا کی عبادت کرتا رہوں گا۔

ابن دغنہ نے کہا کہ اے ابوبکر! آپ جیسا آدمی نہ شہر سے نکل سکتا ہے نہ نکالا جا سکتا ہے۔ آپ دوسروں کا بار اٹھاتے ہیں،

مہمانانِ حرم کی مہمان نوازی کرتے ہیں، خود کما کما کر مفلسوں اور محتاجوں کی مالی امداد کرتے ہیں، حق کے کاموں میں سب کی امداد و اعانت کرتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ مکہ واپس چلیے میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ ابن دغنہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زبردستی مکہ واپس لایا اور تمام کفار مکہ سے کہہ دیا کہ میں نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ لہٰذا خبردار! کوئی ان کو نہ ستائے کفار مکہ نے کہا کہ ہم کو اس شرط پر منظور ہے کہ ابوبکر اپنے گھر کے اندر چھپ کر قرآن پڑھیں تا کہ ہماری عورتوں اور بچوں کے کان میں قرآن کی آواز نہ پہنچے۔ ابن دغنہ نے کفار کی شرط کو منظور کر لیا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند دنوں تک اپنے گھر کے اندر قرآن پڑھتے رہے مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبۂ اسلامی اور جوش ایمانی نے یہ گوارا نہیں کیا کہ معبودان باطل لات وعزیٰ کی عبادت تو علی الاعلان ہو اور معبود برحق اللہ تعالیٰ کی عبادت گھر کے اندر چھپ کر کی جائے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھر کے باہر اپنے صحن میں ایک مسجد بنائی اور اس مسجد میں علی الاعلان نمازوں میں بلند آواز سے قرآن پڑھنے لگے اور کفار مکہ کی عورتیں اور بچے بھیڑ لگا کر قرآن سننے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر کفار مکہ نے ابن دغنہ کو مکہ بلایا اور شکایت کی کہ ابوبکر گھر کے باہر قرآن پڑھتے ہیں۔ جس کو سننے کے لئے ان کے گرد ہماری عورتوں اور بچوں کا میلہ لگ جاتا ہے۔ اس سے ہم کو بڑی تکلیف ہوتی ہے لہٰذا تم ان سے کہہ دو کہ یا تو وہ گھر میں قرآن پڑھیں ورنہ تم اپنی پناہ کی ذمہ داری سے دست بردار ہو جاؤ۔ چنانچہ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اے ابوبکر! رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ گھر کے اندر چھپ کر قرآن پڑھیں ورنہ میں اپنی پناہ سے کنارہ کش ہو جاؤں گا اس کے بعد کفار مکہ آپ کو ستائیں گے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے ابن دغنہ! تم اپنی پناہ کی ذمہ داری سے الگ ہو جاؤ مجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ کافی ہے اور میں اس کی مرضی پر راضی برضا ہوں۔ (بخاری، باب جوار ابی بکر الصدیق)

حضرت حمزہ مسلمان ہو گئے:

اعلان نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دو ایسی ہستیاں دامن اسلام میں آ گئیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کے جاہ وجلال اور ان کے عزت واقبال کا پرچم بہت ہی سربلند ہو گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچاؤں میں حضرت حمزہ کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑی والہانہ محبت تھی اور وہ صرف دو تین سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عمر میں زیادہ تھے اور چونکہ انہوں نے بھی حضرت ثوبیہ کا دودھ پیا تھا اسلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی طاقتور اور بہادر تھے اور شکار کے بہت ہی شوقین تھے۔ روزانہ صبح سویرے تیر کمان لے کر گھر سے نکل جاتے اور شام کو شکار سے واپس لوٹ کر حرم میں جاتے، خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور قریش کے سرداروں کی مجلس میں کچھ دیر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن حسب معمول شکار سے واپس لوٹے تو ابن جدعان کی لونڈی اور خود ان کی بہن حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو بتایا کہ آج ابوجہل نے کس کس طرح تمہارے بھتیجے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کی ہے۔ یہ ماجرا سن کر مارے غصہ کے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون کھولنے لگا۔ ایک دم تیر کمان لئے ہوئے مسجد حرام

میں پہنچ گئے اور اپنی کمان سے ابوجہل کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور کہا کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں دیتا ہے؟ تجھے خبر نہیں کہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں۔ یہ دیکھ کر قبیلۂ بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے تو ابوجہل نے یہ سوچ کر کہ کہیں بنو ہاشم سے جنگ نہ چھڑ جائے یہ کہا کہ اے بنی مخزوم! آپ لوگ حمزہ کو چھوڑ دیجیے۔ واقعی آج میں نے ان کے بھتیجے کو بہت ہی خراب خراب قسم کی گالیاں دی تھیں۔ (مدارج النبوۃ و زرقانی)

شعب ابی طالب ۷ نبوی:

اعلان نبوت کے ساتویں سال نبوی میں کفار مکہ نے جب دیکھا کہ روز بروز مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور حضرت حمزہ و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے بہادران قریش بھی دامن اسلام میں آ گئے تو غیظ و غضب میں یہ لوگ آپے سے باہر ہو گئے اور تمام سرداران قریش اور مکہ کے دوسرے کفار نے یہ اسکیم بنائی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے اور ان لوگوں کو کسی تنگ و تاریک جگہ میں محصور کر کے ان کا دانہ پانی بند کر دیا جائے تا کہ یہ لوگ مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جائیں۔ چنانچہ اس خوفناک تجویز کے مطابق تمام قبائل قریش نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ جب تک بنی ہاشم کے خاندان والے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل کے لئے ہمارے حوالہ نہ کر دیں

(۱) کوئی شخص بنو ہاشم کے خاندان سے شادی بیاہ نہ کرے۔ (۲) کوئی شخص ان لوگوں کے ہاتھ کسی قسم کے سامان کی خرید و فروخت نہ کرے۔ (۳) کوئی شخص ان لوگوں سے میل جول، سلام و کلام اور ملاقات و بات نہ کرے۔ (۴) کوئی شخص ان لوگوں کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ جانے دے۔

قریش کا تین برس تک مشکلات میں زندگی گزارنے کا واقعہ

منصور بن عکرمہ نے اس معاہدہ کو لکھا اور تمام سرداران قریش نے اس پر دستخط کر کے اس دستاویز کو کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا۔ ابو طالب مجبوراً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے تمام خاندان والوں کو لے کر پہاڑ کی اس گھاٹی میں جس کا نام شعب ابی طالب تھا پناہ گزین ہوئے۔ ابولہب کے سوا خاندان بنو ہاشم کے کافروں نے بھی خاندانی حمیت و پاسداری کی بنا پر اس معاملہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور سب کے سب پہاڑ کے اس تنگ و تاریک درہ میں محصور ہو کر قیدیوں کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور یہ تین برس کا زمانہ اتنا سخت اور کٹھن گزرا کہ بنو ہاشم درختوں کے پتے اور سوکھے چمڑے پکا پکا کر کھاتے تھے۔ اور ان کے بچے بھوک پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر دن رات رویا کرتے تھے۔ سنگدل اور ظالم کافروں نے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا تھا کہ کہیں سے بھی گھاٹی کے اندر دانہ پانی نہ جانے پائے۔ (زرقانی علی المواہب)

بعض قریشیوں کا مظالم پر رحم آ جانے کا واقعہ

مسلسل تین سال تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خاندان بنو ہاشم ان ہوش ربا مصائب کو جھیلتے رہے یہاں تک کہ خود

قریش کے کچھ رحم دلوں کو بنو ہاشم کی ان مصیبتوں پر رحم آ گیا اور ان لوگوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کو توڑنے کی تحریک اٹھائی۔ چنانچہ ہشام بن عمرو عامری، زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابو البختری، زمعہ بن الاسود وغیرہ یہ سب مل کر ایک ساتھ حرم کعبہ میں گئے اور زہیر نے جو عبدالمطلب کے نواسے تھے کفار قریش کو مخاطب کر کے اپنی پر جوش تقریر میں یہ کہا کہ اے لوگو! یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کہ ہم لوگ تو آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور خاندان بنو ہاشم کے بچے بھوک پیاس سے بے قرار ہو کر بلبلا رہے ہیں۔ خدا کی قسم! جب تک اس وحشیانہ معاہدہ کی دستاویز پھاڑ کر پاؤں سے نہ روند دی جائے گی میں ہرگز ہرگز چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ تقریر سن کر ابو جہل نے تڑپ کر کہا کہ خبردار! ہرگز ہرگز تم اس معاہدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ زمعہ نے ابو جہل کو للکارا اور اس زور سے ڈانٹا کہ ابو جہل کی بولتی بند ہو گئی۔ اسی طرح مطعم بن عدی اور ہشام بن عمرو نے بھی خم ٹھونک کر ابو جہل کو جھڑک دیا اور ابو البختری نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ اے ابو جہل! اس ظالمانہ معاہدہ سے نہ ہم پہلے راضی تھے اور نہ اب ہم اس کے پابند ہیں۔

اللہ کے نام کے سوا بقیہ معاہدے کو کیڑوں کے کھا جانے کا واقعہ

اسی مجمع میں ایک طرف ابو طالب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے لوگو! میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ اس معاہدہ کی دستاویز کو کیڑوں نے کھا ڈالا ہے اور صرف جہاں جہاں خدا کا نام لکھا ہوا تھا اس کو کیڑوں نے چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس دستاویز کو نکال کر دیکھو اگر واقعی اس کو کیڑوں نے کھا لیا ہے جب تو اس کو چاک کر کے پھینک دو۔ اور اگر میرے بھتیجے کا کہنا غلط ثابت ہوا تو میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ یہ سن کر مطعم بن عدی کعبہ کے اندر گیا اور دستاویز کو اتار لایا اور سب لوگوں نے اس کو دیکھا تو واقعی بجز اللہ تعالیٰ کے نام کے پوری دستاویز کو کیڑوں نے کھا لیا تھا۔ مطعم بن عدی نے سب کے سامنے اس دستاویز کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور پھر قریش کے چند بہادر باوجودیکہ یہ سب کے سب اس وقت کفر کی حالت میں تھے ہتھیار لے کر گھاٹی میں پہنچے اور خاندان بنو ہاشم کے ایک ایک آدمی کو وہاں سے نکال لائے اور ان کو ان کے مکانوں میں آباد کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۰ نبوی کا ہے۔ منصور بن عکرمہ جس نے اس دستاویز کو لکھا تھا اس پر یہ قہر الٰہی ٹوٹ پڑا کہ اس کا ہاتھ شل ہو کر سوکھ گیا۔ (مدارج النبوۃ وغیرہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر طائف کا واقعہ

مکہ والوں کے عناد اور سرکشی کو دیکھتے ہوئے جب حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوسی نظر آئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے لئے مکہ کے قرب و جوار کی بستیوں کا رخ کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف کا بھی سفر فرمایا۔ اس سفر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ طائف میں بڑے بڑے اُمراء اور مالدار لوگ رہتے تھے۔ ان رئیسوں میں عمرو کا خاندان تمام قبائل کا سردار شمار کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ تین بھائی تھے۔ عبد یالیل۔ مسعود۔ حبیب۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم ان تینوں کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ انتہائی بیہودہ اور گستاخانہ جواب دیا۔ ان بدنصیبوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ طائف کے شریر غنڈوں کو ابھار دیا کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ برا سلوک کریں۔ چنانچہ لچوں لفنگوں کا یہ شریر گروہ ہر طرف سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑا اور یہ شرارتوں کے مجسمے آپ پر پتھر برسانے لگے یہاں تک کہ آپ کے مقدس پاؤں زخموں سے لہولہان ہو گئے۔

نعلین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون سے بھر جانے کا واقعہ

اور آپ کے موزے اور نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زخموں سے بے تاب ہو کر بیٹھ جاتے تو یہ ظالم انتہائی بے دردی کے ساتھ آپ کا بازو پکڑ کر اٹھاتے اور جب آپ چلنے لگتے تو پھر آپ پر پتھروں کی بارش کرتے اور ساتھ ساتھ طعنہ زنی کرتے۔ گالیاں دیتے۔ تالیاں بجاتے۔ ہنسی اڑاتے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑ دوڑ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آنے والے پتھروں کو اپنے بدن پر لیتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بچاتے تھے یہاں تک کہ وہ بھی خون میں نہا گئے اور زخموں سے نڈھال ہو کر بے قابو ہو گئے۔ یہاں تک کہ آخر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انگور کے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ مکہ کے ایک مشہور کافر عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حال دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ بن ربیعہ کو آپ پر رحم آ گیا اور کافر ہونے کے باوجود خاندانی حمیت نے جوش مارا۔

چنانچہ ان دونوں کافروں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے باغ میں ٹھہرایا اور اپنے نصرانی غلام عداس کے ہاتھ سے آپ کی خدمت میں انگور کا ایک خوشہ بھیجا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر خوشہ کو ہاتھ لگایا تو عداس تعجب سے کہنے لگا کہ اس اطراف کے لوگ تو یہ کلمہ نہیں بولا کرتے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارا وطن کہاں ہے؟ عداس نے کہا کہ میں شہر نینویٰ کا رہنے والا ہوں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام کا شہر ہے۔ وہ بھی میری طرح خداعزوجل کے پیغمبر تھے۔ یہ سن کر عداس آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور فوراً ہی آپ کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ (زرقانی علی المواہب ج اص ۳۰۰)

اسی سفر میں جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقام نخلہ میں تشریف فرما ہوئے اور رات کو نماز تہجد میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے تو نصیبین کے جنوں کی ایک جماعت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور قرآن سن کر یہ سب جن مسلمان ہو گئے۔ پھر ان جنوں نے لوٹ کر اپنی قوم کو بتایا تو مکہ مکرمہ میں جنوں کی جماعت نے فوج در فوج آ کر اسلام قبول کیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورہ جن کی ابتدائی آیتوں میں خداوند عالم نے اس واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ (زرقانی)

مقام نخلہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چند دنوں تک قیام فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقام حراء میں تشریف لائے اور قریش کے ایک ممتاز سردار مطعم بن عدی کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ کیا تم مجھے اپنی پناہ میں لے سکتے ہو؟ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص ان سے حمایت اور پناہ طلب کرتا تو وہ اگرچہ کتنا ہی بڑا دشمن کیوں نہ ہو وہ پناہ دینے سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ

مطعم بن عدی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی پناہ میں لے لیا اور اس نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ تم لوگ ہتھیار لگا کر حرم میں جاؤ اور مطعم بن عدی خود گھوڑے پر سوار ہو گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ مکہ لایا اور حرم کعبہ میں اپنے ساتھ لے کر گیا اور مجمع عام میں اعلان کر دیا کہ میں نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اطمینان کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیا اور کعبہ کا طواف کر کے حرم میں نماز ادا کی اور مطعم بن عدی اور اس کے بیٹوں نے تلواروں کے سائے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کے دولت خانہ تک پہنچا دیا۔ (زرقانی ج۱ ص۳۰۵)

کفار مکہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں

ابوالاسود ربیعہ بن عمرو عامری نے یہ مشورہ دیا کہ ان کو مکہ سے نکال دو تا کہ یہ کسی دوسرے شہر میں جا کر رہیں۔ اس طرح ہم کو ان کے قرآن پڑھنے اور ان کی تبلیغ اسلام سے نجات مل جائے گی۔ یہ سن کر شیخ نجدی نے بگڑ کر کہا کہ تمہاری اس رائے پر لعنت، کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے کلام میں کتنی مٹھاس اور تاثیر و دل کشی ہے؟ خدا کی قسم! اگر تم لوگ ان کو شہر بدر کر کے چھوڑ دو گے تو یہ پورے ملک عرب میں لوگوں کو قرآن سنا سنا کر تمام قبائل عرب کو اپنا تابع فرمان بنا لیں گے اور پھر اپنے ساتھ ایک عظیم لشکر کو لے کر تم پر ایسی یلغار کر دیں گے کہ تم ان کے مقابلہ سے عاجز و لاچار ہو جاؤ گے اور پھر بجز اس کے کہ تم ان کے غلام بن کر رہو کچھ بنائے نہ بنے گی اس لئے ان کو جلاوطن کرنے کی تو بات ہی مت کرو۔

ابو جہل بولا کہ صاحبو! میرے ذہن میں ایک رائے ہے جو اب تک کسی کو نہیں سوجھی یہ سن کر سب کے کان کھڑے ہو گئے اور سب نے بڑے اشتیاق کے ساتھ پوچھا کہ کہیے وہ کیا ہے؟ تو ابو جہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک مشہور بہادر تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہو اور سب یکبارگی حملہ کر کے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالیں۔ اس تدبیر سے خون کرنے کا جرم تمام قبیلوں کے سر پر رہے گا۔ ظاہر ہے کہ خاندان بنو ہاشم اس خون کا بدلہ لینے کے لئے تمام قبیلوں سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے۔ لہٰذا یقیناً وہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم لوگ مل جل کر آسانی کے ساتھ خون بہا کی رقم ادا کر دیں گے۔ ابو جہل کی یہ خونی تجویز سن کر شیخ نجدی مارے خوشی کے اُچھل پڑا اور کہا کہ بے شک یہ تدبیر بالکل درست ہے۔ اس کے سوا اور کوئی تجویز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ تمام شرکاء کانفرنس نے اتفاق رائے سے اس تجویز کو پاس کر دیا اور مجلس شوریٰ برخاست ہو گئی اور ہر شخص یہ خوفناک ارادوں سے اپنے گھر چلا گیا۔

ہجرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ:

جب کفار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل پر اتفاق کر کے کانفرنس ختم کر چکے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے تو حضرت جبریل امین علیہ السلام رب العالمین کا حکم لے کر نازل ہو گئے کہ اے محبوب! آج رات کو آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جائیں۔ چنانچہ عین دوپہر کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ سب گھر والوں کو ہٹا دو کچھ مشورہ کرنا ہے۔ حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان یہاں آپ کی اہلیہ (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے سوا اور کوئی نہیں ہے (اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شادی ہو چکی تھی) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کی اجازت فرمادی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قربان! مجھے بھی ہمراہی کا شرف عطا فرمایئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار مہینے سے دو اونٹنیاں ببول کی پتی کھلا کھلا کر تیار کی تھیں کہ ہجرت کے وقت یہ سواری کے کام آئیں گی۔ عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان میں سے ایک اونٹنی آپ قبول فرمالیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبول ہے مگر میں اس کی قیمت دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادل ناخواستہ فرمان رسالت سے مجبور ہو کر اس کو قبول کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اس وقت بہت کم عمر تھیں لیکن ان کی بڑی بہن حضرت بی بی اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سامان سفر درست کیا اور توشہ دان میں کھانا رکھ کر اپنی کمر کے پٹکے کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کیے۔ ایک سے توشہ دان کو باندھا اور دوسرے سے مشک کا منہ باندھا۔ یہ وہ قابل فخر شرف ہے جس کی بنا پر ان کو ذات النطاقین (دو پٹکے والی) کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کافر کو جس کا نام عبداللہ بن اُریقط تھا جو راستوں کا ماہر تھا راہ نمائی کے لئے اُجرت پر نوکر رکھا اور ان دونوں اونٹنیوں کو اس کے سپرد کر کے فرمایا کہ تین راتوں کے بعد وہ ان دونوں اونٹنیوں کو لے کر غار ثور کے پاس آجائے۔ یہ سارا انتظام کر لینے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مکان پر تشریف لائے۔ (بخاری ج ص تا باب ہجرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

کاشانۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ

کفار مکہ نے اپنے پروگرام کے مطابق کاشانۂ نبوت کو گھیر لیا اور انتظار کرنے لگے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو جائیں تو ان پر قاتلانہ حملہ کیا جائے۔ اس وقت گھر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس صرف علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ کفار مکہ اگرچہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے مگر اس کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امانت و دیانت پر کفار کو اس قدر اعتماد تھا کہ وہ اپنے قیمتی مال و سامان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس امانت رکھتے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی بہت سی امانتیں کاشانۂ نبوت میں تھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو اور میرے چلے جانے کے بعد تم قریش کی تمام امانتیں ان کے مالکوں کو سونپ کر مدینہ چلے آنا۔

یہ بڑا ہی خوفناک اور بڑے سخت خطرہ کا موقع تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم تھا کہ کفار مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے کہ تم قریش کی ساری امانتیں لوٹا کر مدینہ چلے آنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین کامل تھا کہ میں زندہ رہوں گا اور مدینہ پہنچوں گا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر جو آج کانٹوں کا بچھونا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے پھولوں کی سیج بن گیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بستر پر صبح تک آرام کے ساتھ میٹھی میٹھی نیند سوتے رہے۔ اپنے اسی کارنامے پر فخر کرتے ہوئے شیر خدا نے اپنے اشعار میں فرمایا کہ

وَقَيْتُ بِنَفْسِيْ خَيْرَ مَنْ وَطِيَ الثَّرىٰ وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ وَ بِالْحَجَرِ

میں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اس ذات گرامی کی حفاظت کی جو زمین پر چلنے والوں اور خانہ کعبہ و حطیم کا طواف کرنے والوں میں سب سے زیادہ بہتر اور بلند مرتبہ ہیں۔

رَسُوْلُ اِلٰهٍ خَافَ اَنْ يَّمْكُرُوْا بِهٖ فَنَجَّاهُ ذُوالطَّوْلِ الْاِلٰهُ مِنَ الْمَكْرِ

رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ تھا کہ کفار مکہ ان کے ساتھ خفیہ چال چل جائیں گے مگر خداوند مہربان نے ان کو کافروں کی خفیہ تدبیر سے بچا لیا۔ (زرقانی علی المواہب)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بستر نبوت پر جان ولایت کو سلا کر ایک مٹھی خاک ہاتھ میں لی اور سورہ یٰسٓ کی ابتدائی آیتوں کو تلاوت فرماتے ہوئے نبوت خانہ سے باہر تشریف لائے اور محاصرہ کرنے والے کافروں کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے مجمع سے صاف نکل گئے۔ نہ کسی کو نظر آئے نہ کسی کو کچھ خبر ہوئی۔ ایک دوسرا شخص جو اس مجمع میں موجود نہ تھا اس نے ان لوگوں کو خبر دی کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو یہاں سے نکل گئے اور چلتے وقت تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے ہیں۔ چنانچہ ان کور بختوں نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو واقعی ان کے سروں پر خاک اور دھول پڑی ہوئی تھی۔ (مدارج النبوۃ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب پر سکون و اطمینان کا ایسا سکینہ اُتار دیا کہ وہ بالکل ہی بے خوف ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی وہ جاں نثاریاں ہیں جن کو دربار نبوت کے مشہور شاعر حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا خوب کہا ہے کہ

وَثَانِيْ اثْنَيْنِ فِي الْغَارِ الْمُنِيْفِ وَ قَدْ طَافَ الْعَدُوُّ بِهٖ اِذْ صَاعَدَ الْجَبَلَا

اور دو میں کے دوسرے (ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جب کہ پہاڑ پر چڑھ کر بلند مرتبہ غار میں اس حال میں تھے کہ دشمن ان کے اردگرد چکر لگا رہا تھا۔

وَكَانَ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَدْ عَلِمُوْا مِنَ الْخَلَائِقِ لَمْ يَعْدِلْ بِهٖ بَدَلًا

اور وہ (ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔ تمام مخلوق اس بات کو جانتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کو بھی ان کے برابر نہیں ٹھہرایا ہے (زرقانی علی المواہب)

بہر حال چوتھے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکم ربیع الاول دوشنبہ کے دن غار ثور سے باہر تشریف لائے۔ عبداللہ بن اریقط جس کو رہنمائی کے لئے کرایہ پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوکر رکھ لیا تھا وہ قرارداد کے مطابق دو اونٹنیاں لے کر غار ثور پر حاضر تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور ایک اونٹنی پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے اور عبداللہ بن اُریقط آگے آگے پیدل چلنے لگا اور عام راستہ سے ہٹ کر ساحل سمندر کے غیر معروف راستوں سے سفر شروع کر دیا۔

سو اونٹ کا انعام:

اُدھر اہل مکہ نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک سو اونٹ انعام ملے گا۔ اس گراں قدر انعام کے لالچ میں بہت سے لالچی لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاش شروع کر دی اور کچھ لوگ تو منزلوں دور تک تعاقب میں گئے۔

اُم معبد کی بکری اور زوجین کے قبول اسلام کا واقعہ

دوسرے روز مقامِ قدید میں اُمِ معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے مکان پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ اُمِ معبد ایک ضعیفہ عورت تھی جو اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھی رہا کرتی تھی اور مسافروں کو کھانا پانی دیا کرتی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے کچھ کھانا خریدنے کا قصد کیا مگر اس کے پاس کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس کے خیمہ کے ایک جانب ایک بہت ہی لاغر بکری ہے۔ دریافت فرمایا کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ اُمِ معبد نے کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اس کا دودھ دوہ لوں۔ اُمِ معبد نے اجازت دے دی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر جو اس کے تھن کو ہاتھ لگایا تو اس کا تھن دودھ سے بھر گیا اور اتنا دودھ نکلا کہ سب لوگ سیراب ہو گئے اور اُمِ معبد کے تمام برتن دودھ سے بھر گئے۔ یہ معجزہ دیکھ کر ام معبد اور ان کے خاوند دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (مدارج النبوۃ)

روایت ہے کہ اُمِ معبد کی یہ بکری ۱۸ھ تک زندہ رہی اور برابر دودھ دیتی رہی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب عام الرماد کا سخت قحط پڑا کہ تمام جانوروں کے تھنوں کا دودھ خشک ہو گیا اس وقت بھی یہ بکری صبح و شام برابر دودھ دیتی رہی۔ (زرقانی علی المواہب)

سراقہ کا گھوڑا اور قبول اسلام کا واقعہ

جب اُمِ معبد کے گھر سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے روانہ ہوئے تو مکہ کا ایک مشہور شہسوار سراقہ بن مالک بن جعشم تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر تعاقب کرتا نظر آیا۔ قریب پہنچ کر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا مگر سو اونٹوں کا انعام کوئی معمولی چیز نہ تھی۔ انعام کے لالچ نے اسے دوبارہ ابھارا اور وہ حملہ کی نیت سے آگے بڑھا تو حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے پتھریلی زمین میں اس کے گھوڑے کا پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ یہ معجزہ دیکھ کر خوف و دہشت سے کانپنے لگا اور امان! امان! پکارنے لگا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل رحم و کرم کا سمندر تھا۔ سراقہ کی لاچاری اور گریہ زاری پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا۔ دعا فرمادی تو زمین نے اس کے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد سراقہ نے عرض کیا کہ مجھ کو امن کا پروانہ لکھ دیجیے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سراقہ کے لئے امن کی تحریر لکھ دی۔ سراقہ نے اس تحریر کو اپنے ترکش میں رکھ لیا اور واپس لوٹ گیا۔ راستہ میں جو شخص بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کرتا تو سراقہ اس کو یہ کہہ کر لوٹا دیتے کہ میں نے بڑی دور تک بہت زیادہ تلاش کیا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرف نہیں ہیں۔ واپس لوٹتے ہوئے سراقہ نے کچھ سامان سفر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور نذرانہ کے پیش کیا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا۔

(بخاری باب ہجرۃ النبی و زرقانی و مدارج النبوۃ)

سراقہ اس وقت تو مسلمان نہیں ہوئے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت نبوت اور اسلام کی صداقت کا سکہ ان کے دل پر بیٹھ گیا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ اور جنگ طائف و حنین سے فارغ ہو کر جعرانہ میں پڑاؤ کیا تو سراقہ اسی پروانہ امن کو لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے اور اپنے قبیلہ کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ (دلائل النبوۃ و مدارج النبوۃ)

سراقہ کو بادشاہ کسریٰ کے کنگن پہنائے جانے کا واقعہ

واضح رہے کہ یہ وہی سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے علم غیب سے غیب کی خبر دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اے سراقہ! تیرا کیا حال ہوگا جب تجھ کو ملک فارس کے بادشاہ کسریٰ کے دونوں کنگن پہنائے جائیں گے؟ اس ارشاد کے برسوں بعد جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے کنگن دربار خلافت میں لائے گئے تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی تصدیق و تحقیق کے لئے وہ کنگن حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنا دیئے اور فرمایا کہ اے سراقہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے جس نے ان کنگنوں کو بادشاہ فارس کسریٰ سے چھین کر سراقہ بدوی کو پہنا دیا۔ حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ھ میں وفات پائی۔ جب کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تخت خلافت پر رونق افروز تھے۔ (زرقانی علی المواہب)

بریدہ اسلمی کا جھنڈا اور قبول اسلام کا واقعہ

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو بریدہ اسلمی قبیلۂ بنی سہم کے ستر سواروں کو ساتھ لے کر اس لالچ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے آئے کہ قریش سے ایک سو اونٹ انعام مل جائے گا۔ مگر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے سامنے آئے اور پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں محمد بن عبد اللہ ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔ جمال وجلال نبوت کا ان کے قلب پر ایسا اثر ہوا کہ فوراہی کلمہ شہادت پڑھ کر دامن اسلام میں آ گئے اور پھر بریدہ نے یہ درخواست پیش کی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری تمنا ہے کہ مدینہ میں حضور کا داخلہ ایک جھنڈے کے ساتھ ہونا چاہیے۔ یہ کہا اور اپنا عمامہ سر سے اتار کر اپنے نیزہ پر باندھ لیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمبردار بن کر مدینہ تک آگے آگے چلتے رہے۔ پھر دریافت کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ مدینہ میں کہاں اتریں گے تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اونٹنی خدا کی طرف سے مامور ہے۔ یہ جہاں بیٹھ جائے گی وہی میری قیام گاہ ہے۔ (مدارج النبوۃ)

حضرت زبیر کے بیش قیمت کپڑے:

اس سفر میں حسن اتفاق سے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوگئی جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے ہیں۔ یہ ملک شام سے تجارت کا سامان لے کر آرہے تھے۔ انہوں نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں چند نفیس کپڑے بطور نذرانہ کے پیش کیے جن کو تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبول فرمالیا۔ (مدارج النبوۃ)

شہنشاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد آمد کی خبر چونکہ مدینہ میں پہلے سے پہنچ چکی تھی اور عورتوں بچوں تک کی زبانوں پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا چرچا تھا۔ اس لئے اہل مدینہ آپ کے دیدار کے لئے انتہائی مشتاق و بے قرار تھے۔ روزانہ صبح سے نکل نکل کر شہر کے باہر سراپا انتظار بن کر استقبال کے لئے تیار رہتے تھے اور جب دھوپ تیز ہو جاتی تو حسرت وافسوس کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے۔ ایک دن اپنے معمول کے مطابق اہل مدینہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راہ دیکھ کر واپس جا چکے تھے کہ ناگہاں ایک یہودی نے اپنے قلعہ سے دیکھا کہ تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری مدینہ کے قریب آن پہنچی ہے۔ اس نے بہ آواز بلند پکارا کہ اے مدینہ والو! لوتم جس کا روزانہ انتظار کرتے تھے وہ کاروان رحمت آ گیا۔ یہ سن کر تمام انصار بدن پر ہتھیار سجا کر اور وجد و شادمانی سے بے قرار ہو کر دونوں عالم کے تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استقبال کرنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل پڑے اور نعرہ تکبیر کی آوازوں سے تمام شہر گونج اُٹھا۔

(مدارج النبوۃ)

مہمان و میزبان مدینہ کا قیام اور حسن سلوک

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جہاں آج مسجد قبا بنی ہوئی ہے۔ ربیع الاول کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے اور قبیلہ عمرو بن عوف کے خاندان میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں تشریف فرما ہوئے۔ اہل خاندان

نے اس فخر و شرف پر کہ دونوں عالم کے میزبان ان کے مہمان بنے اللہ اکبر کا پر جوش نعرہ مارا۔ چاروں طرف سے انصار جوشِ مسرت میں آتے اور بارگاہ رسالت میں صلاۃ وسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے وہ لوگ بھی اس مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حکم نبوی کے مطابق قریش کی امانتیں واپس لوٹا کر تیسرے دن مکہ سے چل پڑے تھے وہ بھی مدینہ آ گئے اور اسی مکان میں قیام فرمایا اور حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے خاندان والے ان تمام مقدس مہمانوں کی مہمان نوازی میں دن رات مصروف رہنے لگے۔ (مدارج النبوۃ و بخاری)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان

تمام قبائل انصار جو راستہ میں تھے انتہائی جوش مسرت کے ساتھ اونٹنی کی مہار تھام کر عرض کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم آپ ہمارے گھروں کو شرف نزول بخشیں مگر آپ ان سب محبین سے یہی فرماتے کہ میری اونٹنی کی مہار چھوڑ دو جس جگہ خدا کو منظور ہوگا اسی جگہ میری اونٹنی بیٹھ جائے گی۔ چنانچہ جس جگہ آج مسجد نبوی شریف ہے اس کے پاس حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان تھا اُسی جگہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی اجازت سے آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر میں لے گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہی کے مکان پر قیام فرمایا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوپر کی منزل پیش کی مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ملاقاتیوں کی آسانی کا لحاظ فرماتے ہوئے نیچے کی منزل کو پسند فرمایا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں وقت آپ کے لئے کھانا بھیجتے اور آپ کا بچا ہوا کھانا تبرک سمجھ کر میاں بیوی کھاتے۔ کھانے میں جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا حصول برکت کے لئے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی جگہ سے لقمہ اُٹھاتے اور اپنے ہر قول و فعل سے بے پناہ ادب و احترام اور عقیدت و جاں نثاری کا مظاہرہ کرتے۔

ایک مرتبہ مکان کے اوپر کی منزل پر پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا تو اس اندیشہ سے کہ کہیں پانی بہہ کر نیچے کی منزل میں نہ چلا جائے اور حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ تکلیف نہ ہو جائے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا پانی اپنے لحاف میں خشک کر لیا، گھر میں یہی ایک لحاف تھا جو گیلا ہو گیا۔ رات بھر میاں بیوی نے سردی کھائی مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذرہ برابر تکلیف پہنچ جائے یہ گوارا نہیں کیا۔ سات مہینے تک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی شان کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل کیا۔ جب مسجد نبوی اور اس کے آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان حجروں میں اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔ (زرقانی علی المواہب)

ہجرت کا پہلا سال قسم قسم کے بہت سے واقعات کو اپنے دامن میں لئے ہے مگر ان میں سے چند بڑے بڑے واقعات کو نہایت اختصار کے ساتھ ہم تحریر کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام:

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ میں یہودیوں کے سب سے بڑے عالم تھے، خود ان کا اپنا بیان ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائے اور لوگ جوق در جوق ان کی زیارت کے لئے ہر طرف سے آنے لگے تو میں بھی اُسی وقت خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جونہی میری نظر جمال نبوت پر پڑی تو پہلی نظر میں میرے دل نے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے وعظ میں یہ ارشاد فرمایا کہ

اے لوگو! سلام کا چرچا کرو اور کھانا کھلاؤ اور (رشتہ داروں کے ساتھ) صلہ رحمی کرو اور راتوں کو جب لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھو۔

حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک نظر دیکھا اور آپ کے یہ چار بول میرے کان میں پڑے تو میں اس قدر متاثر ہو گیا کہ میرے دل کی دنیا ہی بدل گئی اور میں مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن اسلام میں آ جانا یہ اتنا اہم واقعہ تھا کہ مدینہ کے یہودیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ (مدارج النبوۃ و بخاری)

مدینہ شریف کے لئے دُعا کرنے کا واقعہ

چونکہ مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی یہاں طرح طرح کی وبائیں اور بیماریاں پھیلتی رہتی تھیں اس لئے کثرت سے مہاجرین بیمار ہونے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدید لرزہ بخار میں مبتلا ہو کر بیمار ہو گئے اور بخار کی شدت میں یہ حضرات اپنے وطن مکہ کو یاد کر کے کفار مکہ پر لعنت بھیجتے تھے اور مکہ کی پہاڑیوں اور گھاسوں کے فراق میں اشعار پڑھتے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی ایسی ہی محبت ڈال دے جیسی مکہ کی محبت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور مدینہ کی آب و ہوا کو صحت بخش بنا دے اور مدینہ کے صاع اور مُد (ناپ تول کے برتنوں) میں خیر و برکت عطا فرما اور مدینہ کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل فرما دے۔ (مدارج، بخاری)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ

اھ کے واقعات میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بہت اہم ہے۔ یہ فارس کے رہنے والے تھے۔ ان کے آباء و اجداد بلکہ ان کے ملک کی پوری آبادی مجوسی (آتش پرست) تھی۔ یہ اپنے آبائی دین سے بیزار ہو کر دین حق کی تلاش میں اپنے وطن سے نکلے مگر ڈاکوؤں نے ان کو گرفتار کر کے اپنا غلام بنا لیا پھر ان کو بیچ ڈالا۔ چنانچہ یہ کئی بار بکتے رہے اور مختلف لوگوں کی غلامی میں رہے۔ اسی طرح یہ مدینہ پہنچے۔ کچھ دنوں تک عیسائی بن کر رہے اور یہودیوں سے بھی میل جول رکھتے رہے۔ اس طرح ان کو توریت و انجیل کی کافی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو پہلے دن تازہ کھجوروں کا ایک طباق خدمت اقدس میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ صدقہ ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو ہمارے سامنے سے اٹھا کر فقرا و مساکین کو دے دو کیونکہ میں صدقہ نہیں کھاتا۔ پھر دوسرے دن کھجوروں کا خوان

لا کر پیش کیا اور یہ کہہ کر کہ یہ ہدیہ ہے سامنے رکھ دیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہاتھ بڑھانے کا اشارہ فرمایا اور خود بھی کھا لیا۔ اس درمیان میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان جو نظر ڈالی تو مہر نبوت کو دیکھ لیا چونکہ یہ توراۃ و انجیل میں نبی آخر الزمان کی نشانیاں پڑھ چکے تھے اس لئے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ (مدارج)

غزوۂ بدر کا واقعہ

بدر مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں زمانۂ جاہلیت میں سالانہ میلہ لگتا تھا۔ یہاں ایک کنواں بھی تھا جس کے مالک کا نام بدر تھا اسی کے نام پر اس جگہ کا نام بدر رکھ دیا گیا۔ اسی مقام پر جنگ بدر کا وہ عظیم معرکہ ہوا جس میں کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان سخت خونریزی ہوئی اور مسلمانوں کو وہ عظیم الشان فتح مبین نصیب ہوئی جس کے بعد اسلام کی عزت و اقبال کا پرچم اتنا سر بلند ہو گیا کہ کفار قریش کی عظمت و شوکت بالکل ہی خاک میں مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن کا نام یوم الفرقان رکھا۔ قرآن کی سورۂ انفال میں تفصیل کے ساتھ اور دوسری سورتوں میں اجمالاً بار بار اس معرکہ کا ذکر فرمایا اور اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح مبین کے بارے میں احسان جتاتے ہوئے خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

اور یقیناً خداوند تعالیٰ نے تم لوگوں کی مدد فرمائی بدر میں جبکہ تم لوگ کمزور اور بے سروسامان تھے تو تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم لوگ شکر گزار ہو جاؤ۔

غزوہ بدر کا سبب:

جنگ بدر کا اصلی سبب تو جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں عمرو بن الحضرمی کے قتل سے کفار قریش میں پھیلا ہوا زبردست اشتعال تھا جس سے ہر کافر کی زبان پر یہی ایک نعرہ تھا کہ خون کا بدلہ خون لے کر رہیں گے۔

مگر بالکل ناگہاں یہ صورت پیش آ گئی کہ قریش کا وہ قافلہ جس کی تلاش میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقام ذی العشیرہ تک تشریف لے گئے تھے مگر وہ قافلہ ہاتھ نہیں آیا تھا بالکل اچانک مدینہ میں خبر ملی کہ اب وہی قافلہ ملک شام سے لوٹ کر مکہ جانے والا ہے اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب و مخرمہ بن نوفل و عمرو بن العاص وغیرہ کل تیس یا چالیس آدمی ہیں اور کفار قریش کا مال تجارت جو اس قافلہ میں ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کفار قریش کی ٹولیاں لوٹ مار کی نیت سے مدینہ کے اطراف میں برابر گشت لگاتی رہتی ہیں اور کرز بن جابر فہری مدینہ کی چراگاہوں تک آ کر غارت گری اور ڈاکہ زنی کر گیا ہے لہٰذا کیوں نہ ہم بھی کفار قریش کے اس قافلہ پر حملہ کر کے اس کو لوٹ لیں تاکہ کفار قریش کی شامی تجارت بند ہو جائے اور وہ مجبور ہو کر ہم سے صلح کر لیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سن کر انصار و مہاجرین اس کے لیے تیار ہو گئے۔

مدینہ سے روانگی:

چنانچہ رمضان ھ کو بڑی عجلت کے ساتھ لوگ چل پڑے، جو جس حال میں تھا اسی حال میں روانہ ہو گیا۔ اس لشکر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نہ زیادہ ہتھیار تھے نہ فوجی راشن کی کوئی بڑی مقدار تھی کیونکہ کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ اس سفر میں کوئی بڑی جنگ ہوگی۔

مگر جب مکہ میں یہ خبر پھیلی کہ مسلمان مسلح ہو کر قریش کا قافلہ لوٹنے کے لئے مدینہ سے چل پڑے ہیں تو مکہ میں ایک جوش پھیل گیا اور ایک دم کفار قریش کی فوج کا دل بادل مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع فرما کر صورتِ حال سے آگاہ کیا اور صاف صاف فرما دیا کہ ممکن ہے کہ اس سفر میں کفار قریش کے قافلہ سے ملاقات ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار مکہ کے لشکر سے جنگ کی نوبت آ جائے۔ ارشاد گرامی سن کر حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق اور دوسرے مہاجرین نے بڑے جوش و خروش کا اظہار کیا مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انصار کا منہ دیکھ رہے تھے کیونکہ انصار نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرتے وقت اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب کفار مدینہ پر چڑھ آئیں گے اور یہاں مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا معاملہ تھا۔

انصار میں سے قبیلۂ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھ کر بول اٹھے کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم! ہم وہ جاں نثار ہیں کہ اگر آپ کا حکم ہو تو ہم سمندر میں کود پڑیں اسی طرح انصار کے ایک اور معزز سردار حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوش میں آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں بلکہ ہم لوگ آپ کے دائیں سے، بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے لڑیں گے۔ انصار کے ان دونوں سرداروں کی تقریر سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ (بخاری غزوہ بدر)

مدینہ سے ایک میل دور چل کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا، جو لوگ کم عمر تھے ان کو واپس کر دینے کا حکم دیا کیونکہ جنگ کے پرخطر موقع پر بھلا بچوں کا کیا کام؟

ننھا سپاہی:

مگر انہی بچوں میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے بھائی حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جب ان سے واپس ہونے کو کہا گیا تو وہ مچل گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور کسی طرح واپس ہونے پر تیار نہ ہوئے۔ ان کی بے قراری اور گریہ وزاری دیکھ کر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قلب نازک متاثر ہو گیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے ان کو ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ننھے سپاہی کے گلے میں بھی ایک تلوار حمائل کر دی مدینہ سے روانہ ہونے کے وقت نمازوں کے لئے حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے مسجد نبوی کا امام مقرر فرمادیا تھا لیکن جب آپ مقام روحا میں پہنچے تو منافقین اور یہودیوں کی طرف سے کچھ خطرہ محسوس فرمایا اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر ان کو مدینہ واپس جانے کا حکم دیا اور حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ کے چڑھائی والے گاؤں پر نگرانی رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔

ان انتظامات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر کی جانب چل پڑے جدھر سے کفار مکہ کے آنے کی خبر تھی۔ اب کل فوج کی تعداد تین سو تیرہ تھی جن میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ منزل بہ منزل سفر فرماتے ہوئے جب آپ مقام صفرا میں پہنچے تو دو آدمیوں کو جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا تا کہ وہ قافلہ کا پتہ چلائیں کہ وہ کدھر ہے؟ اور کہاں تک پہنچا ہے؟ (زرقانی)

ادھر کفار قریش کے جاسوس بھی اپنا کام بہت مستعدی سے کر رہے تھے۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے تو ابوسفیان کو اس کی خبر مل گئی۔ اس نے فوراً ہی ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ بھیجا کہ وہ قریش کو اس کی خبر کر دے تا کہ وہ اپنے قافلہ کی حفاظت کا انتظام کریں اور خود راستہ بدل کر قافلہ کو سمندر کی جانب لے کر روانہ ہو گیا۔ ابوسفیان کا قاصد ضمضم بن عمرو غفاری جب مکہ پہنچا تو اس وقت کے دستور کے مطابق کہ جب کوئی خوفناک خبر سنانی ہوتی تو خبر سنانے والا اپنے کپڑے پھاڑ کر اور اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہو کر چلا چلا کر خبر سنایا کرتا تھا۔ ضمضم بن عمرو غفاری نے اپنا کرتا پھاڑ ڈالا اور اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہو کر زور زور سے چلانے لگا کہ اے اہل مکہ! تمہارا سارا مال تجارت ابوسفیان کے قافلہ میں ہے اور مسلمانوں نے اس قافلہ کا راستہ روک کر قافلہ کو لوٹ لینے کا عزم کر لیا ہے لہٰذا جلدی کرو اور بہت جلد اپنے اس قافلہ کو بچانے کے لئے ہتھیار لے کر دوڑ پڑو۔ (زرقانی)

کفار قریش کا جوش:

جب مکہ میں یہ خوفناک خبر پہنچی تو اس قدر ہل چل مچ گئی کہ مکہ کا سارا امن و سکون غارت ہو گیا، تمام قبائل قریش اپنے گھروں سے نکل پڑے، سرداران مکہ میں سے صرف ابولہب اپنی بیماری کی وجہ سے نہیں نکلا، اس کے سوا تمام رؤساء قریش پوری طرح مسلح ہو کر نکل پڑے اور چونکہ مقام نخلہ کا واقعہ بالکل ہی تازہ تھا جس میں عمرو بن الحضرمی مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اور اس کے قافلہ کو مسلمانوں نے لوٹ لیا تھا اس لئے کفار قریش جوش انتقام میں آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ ایک ہزار کا لشکر جرار جس کا ہر سپاہی پوری طرح مسلح، دوہرے ہتھیار، فوج کی خوراک کا یہ انتظام تھا کہ قریش کے مالدار لوگ یعنی عباس بن عبدالمطلب، عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، ابوجہل، اُمیہ وغیرہ باری باری سے روزانہ دس دس اونٹ ذبح کرتے تھے اور پورے لشکر کو کھلاتے تھے عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے بڑا رئیس اعظم تھا اس پورے لشکر کا سپہ سالار تھا۔

ابوسفیان بچ کرنکل گیا:

ابوسفیان جب عام راستہ سے مڑکر ساحل سمندر کے راستہ پر چل پڑا اور خطرہ کے مقامات سے بہت دور پہنچ گیا اور اس کو اپنی حفاظت کا پورا پورا اطمینان ہو گیا تو اس نے قریش کو ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعہ خط بھیج دیا کہ تم لوگ اپنے مال اور آدمیوں کو بچانے کے لئے اپنے گھروں سے ہتھیار لے کر نکل پڑے تھے اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ کیونکہ ہم لوگ مسلمانوں کی یلغار اور لوٹ مار سے بچ گئے ہیں اور جان و مال کی سلامتی کے ساتھ ہم مکہ پہنچ رہے ہیں۔

کفار میں اختلاف:

ابوسفیان کا یہ خط کفار مکہ کو اس وقت ملا جب وہ مقام جحفہ میں تھے۔ خط پڑھ کر قبیلۂ بنوزہرہ اور قبیلۂ بنوعدی کے سرداروں نے کہا کہ اب مسلمانوں سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لہٰذا ہم لوگوں کو واپس لوٹ جانا چاہیے۔ یہ سن کر ابوجہل بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ ہم خدا کی قسم! اسی شان کے ساتھ بدر تک جائیں گے، وہاں اونٹ ذبح کریں گے اور خوب کھائیں گے، کھلائیں گے، شراب پئیں گے، ناچ رنگ کی محفلیں جمائیں گے تا کہ تمام قبائل عرب پر ہماری عظمت اور شوکت کا سکہ بیٹھ جائے اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں۔ کفار قریش نے ابوجہل کی رائے پر عمل کیا لیکن بنوزہرہ اور بنوعدی کے دونوں قبائل واپس لوٹ گئے۔ ان دونوں قبیلوں کے سوا باقی کفار قریش کے تمام قبائل جنگ بدر میں شامل ہوئے۔ (سیرت ابن ہشام)

کفار قریش بدر میں:

کفار قریش چونکہ مسلمانوں سے پہلے بدر میں پہنچ گئے تھے اس لئے مناسب جگہوں پر ان لوگوں نے اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بدر کے قریب پہنچے تو شام کے وقت حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بدر کی طرف بھیجا تا کہ یہ لوگ کفار قریش کے بارے میں خبر لائیں۔ ان حضرات نے قریش کے دو غلاموں کو پکڑ لیا جو لشکر کفار کے لئے پانی بھرنے پر مقرر تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں غلاموں سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ اس قریشی فوج میں قریش کے سرداروں میں سے کون کون ہے؟ تو دونوں غلاموں نے بتایا کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، زمعہ بن الاسود، ابوجہل بن ہشام، اُمیہ بن خلف، سہیل بن عمرو، عمرو بن عبدود، عباس بن عبدالمطلب وغیرہ سب اس لشکر میں موجود ہیں۔ یہ فہرست سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مسلمانو! سن لو! مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری طرف ڈال دیا ہے۔ (مسلم، غزوہ بدر و زرقانی)

تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ سلم بدر کے میدان میں:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بدر میں نزول فرمایا تو ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا کہ جہاں نہ کوئی کنواں تھا نہ کوئی چشمہ اور وہاں کی زمین اتنی ریتلی تھی کہ گھوڑوں کے پاؤں زمین میں دھنستے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا

رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ نے پڑاؤ کے لئے جس جگہ کو منتخب فرمایا ہے یہ وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری ہے۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ پھر میری رائے میں جنگی تدابیر کی رو سے بہتر یہ ہے کہ ہم کچھ آگے بڑھ کر پانی کے چشموں پر قبضہ کرلیں تاکہ کفار جن کنوؤں پر قابض ہیں وہ بیکار ہو جائیں کیونکہ انہی چشموں سے ان کے کنوؤں میں پانی جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور اسی پر عمل کیا گیا۔ خدا کی شان کہ بارش بھی ہوگئی جس سے میدان کی گرد اور ریت جم گئی جس پر مسلمانوں کے لئے چلنا پھرنا آسان ہوگیا اور کفار کی زمین پر کیچڑ ہوگئی جس سے ان کو چلنے پھرنے میں دشواری ہوگئی اور مسلمانوں نے بارش کا پانی روک کر جابجا حوض بنالئے تاکہ یہ پانی غسل اور وضو کے کام آئے۔ اسی احسان کو خداوند عالم نے قرآن میں اس طرح بیان فرمایا کہ۔

وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ (انفال)

اور خدا نے آسمان سے پانی برسادیا تاکہ وہ تم لوگوں کو پاک کرے۔

سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شب بیداری:

۱۷ رمضان ۲ ھ جمعہ کی رات تھی تمام فوج تو آرام و چین کی نیند سو رہی تھی مگر ایک سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات تھی جو ساری رات خداوند عالم سے لو لگائے دعا میں مصروف تھی۔ صبح نمودار ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کے لئے بیدار فرمایا پھر نماز کے بعد قرآن کی آیات جہاد سنا کر ایسا لرزہ خیز اور ولولہ انگیز وعظ فرمایا کہ مجاہدین اسلام کی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ جوش و خروش کا سمندر بن کر طوفانی موجیں مارنے لگا اور لوگ میدان جنگ کے لئے تیار ہونے لگے۔

کون کب؟ اور کہاں مرے گا؟:

رات ہی میں چند جاں نثاروں کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میدان جنگ کا معائنہ فرمایا، اس وقت دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپ اُسی چھڑی سے زمین پر لکیر بناتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے اور کل یہاں فلاں کافر کی لاش پڑی ہوئی ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس جگہ جس کافر کی قتل گاہ بتائی تھی اس کافر کی لاش ٹھیک اسی جگہ پائی گئی ان میں سے کسی ایک نے لکیر سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کیا۔

(ابوداؤد، مطبع نامی و مسلم، غزوہ بدر)

اس حدیث سے صاف اور صریح طور پر یہ مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کون کب؟ اور کہاں مرے گا؟ ان دونوں غیب کی باتوں کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔

لڑائی ٹلتے ٹلتے پھر ٹھن گئی:

کفار قریش لڑنے کے لئے بے تاب تھے مگر ان لوگوں میں کچھ سلجھے دل و دماغ کے لوگ بھی تھے جو خون ریزی کو پسند نہیں

کرتے تھے۔ چنانچہ حکیم بن حزام جو بعد میں مسلمان ہو گئے بہت ہی سنجیدہ اور نرم خو تھے۔ انہوں نے اپنے لشکر کے سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ سے کہا کہ آخر اس خون ریزی سے کیا فائدہ؟ میں آپ کو ایک نہایت ہی مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ عمرو بن الحضرمی کا خون ہے اور وہ آپ کا حلیف ہے آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجیے، اس طرح یہ لڑائی ٹل جائے گی اور آج کا دن آپ کی تاریخ زندگی میں آپ کی نیک نامی کی یادگار بن جائے گا کہ آپ کے تدبر سے ایک بہت ہی خوفناک اور خون ریز لڑائی ٹل گئی۔ عتبہ بذات خود بہت ہی مدبر اور نیک نفس آدمی تھا۔ اس نے بخوشی اس مخلصانہ مشورہ کو قبول کر لیا مگر اس معاملہ میں ابوجہل کی منظوری بھی ضروری تھی۔ چنانچہ حکیم بن حزام جب عتبہ بن ربیعہ کا یہ پیغام لے کر ابوجہل کے پاس گئے تو ابوجہل کی رگِ جہالت بھڑک اُٹھی اور اُس نے ایک خون کھولا دینے والا طعنہ مارا اور کہا کہ ہاں ہاں! میں خوب سمجھتا ہوں کہ عتبہ کی ہمت نے جواب دے دیا چونکہ اس کا بیٹا حذیفہ مسلمان ہو کر اسلامی لشکر کے ساتھ آیا ہے اس لئے وہ جنگ سے جی چراتا ہے تاکہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے۔

پھر ابوجہل نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ عمرو بن الحضرمی مقتول کے بھائی عامر بن الحضرمی کو بلا کر کہہ کہ دیکھو تمہارے مقتول بھائی عمرو بن الحضرمی کے خون کا بدلہ لینے کی ساری اسکیم تہس نہس ہوئی جا رہی ہے کیونکہ ہمارے لشکر کا سپہ سالار عتبہ بزدلی ظاہر کر رہا ہے۔ یہ سنتے ہی عامر بن الحضرمی نے عرب کے دستور کے مطابق اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنے سر پر دھول ڈالتے ہوئے واعمراہ واعمراہ کا نعرہ مارنا شروع کر دیا۔ اس کارروائی نے کفار قریش کی تمام فوج میں آگ لگا دی اور سارا لشکر خون کا بدلہ خون کے نعروں سے گونجنے لگا اور ہر سپاہی جوش میں آپے سے باہر ہو کر جنگ کے لئے بے تاب و بے قرار ہو گیا۔ عتبہ نے جب ابوجہل کا طعنہ سنا تو وہ بھی غصہ میں بھر گیا اور کہا کہ ابوجہل سے کہہ دو کہ میدان جنگ بتائے گا کہ بزدل کون ہے؟ یہ کہہ کر لوہے کی ٹوپی طلب کی مگر اس کا سر اتنا بڑا تھا کہ کوئی ٹوپی اس کے سر پر ٹھیک نہیں بیٹھی تو مجبوراً اس نے اپنے سر پر کپڑا لپیٹا اور ہتھیار پہن کر جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔

۱۷ رمضان ۲ھ جمعہ کے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجاہدین اسلام کو صف بندی کا حکم دیا۔ دست مبارک میں ایک چھڑی تھی اس کے اشارہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفیں درست فرما رہے تھے کہ کوئی شخص آگے پیچھے نہ رہنے پائے اور یہ بھی حکم فرما دیا کہ بجز ذکر الٰہی کے کوئی شخص کسی قسم کا کوئی شور و غل نہ مچائے۔ عین ایسے وقت میں کہ جنگ کا نقارہ بجنے والا ہی ہے دو ایسے واقعات درپیش ہو گئے جو نہایت ہی عبرت خیز اور بہت زیادہ نصیحت آموز ہیں۔

شکم مبارک کا بوسہ:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی چھڑی کے اشارہ سے صفیں سیدھی فرما رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ حضرت سواد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیٹ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا۔ آپ نے اپنی چھڑی سے ان کے پیٹ پر ایک کونچا دے کر فرمایا کہ اِسْتَوِ یَا سَوَادُ (اے سواد سیدھے کھڑے ہو جاؤ) حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ نے میرے شکم پر چھڑی ماری

ہے مجھے آپ سے اس کا قصاص (بدلہ) لینا ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا پیراہن شریف اٹھا کر فرمایا کہ اے سواد !لو میرا شکم حاضر ہے تم اس پر چھڑی مار کر مجھ سے اپنا قصاص لے لو۔ حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوڑ کر آپ کے شکم مبارک کو چوم لیا اور پھر نہایت ہی والہانہ انداز میں انتہائی گرم جوشی کے ساتھ آپ کے جسم اقدس سے لپٹ گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اس وقت جنگ کی صف میں اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر کھڑا ہوں شاید موت کا وقت آ گیا ہو، اس وقت میرے دل میں اس تمنا نے جوش مارا کہ کاش! مرتے وقت میرا بدن آپ کے جسم اطہر سے چھو جائے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جذبۂ محبت کی قدر فرماتے ہوئے ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی اور حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار رسالت میں معذرت کرتے ہوئے اپنا قصاص معاف کر دیا اور تمام صحابۂ کرام حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس عاشقانہ ادا کو حیرت سے دیکھتے ہوئے ان کا منہ تکتے رہ گئے۔ (سیرت ابن ہشام غزوہ بدر)

ابوجہل ذلت کے ساتھ مارا گیا:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں صف میں کھڑا تھا اور میرے دائیں بائیں دو نوعمر لڑکے کھڑے تھے۔ ایک نے چپکے سے پوچھا کہ چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے اس سے کہا کہ کیوں بھتیجے! تم کو ابوجہل سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا کہ چچا جان! میں نے خدا سے یہ عہد کیا ہے کہ میں ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا تو اس کو قتل کر دوں گا یا خود لڑتا ہوا مارا جاؤں گا کیونکہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہت ہی بڑا دشمن ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حیرت سے اس نوجوان کا منہ تک رہا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے یہی کہا اتنے میں ابوجہل تلوار گھماتا ہوا سامنے آ گیا اور میں نے اشارہ سے بتا دیا کہ ابوجہل یہی ہے، بس پھر کیا تھا یہ دونوں لڑکے تلواریں لے کر اس پر اس طرح جھپٹے جس طرح باز اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ دونوں نے اپنی تلواروں سے مار مار کر ابوجہل کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔ یہ دونوں لڑکے حضرت معوذ اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے جو عفراء کے بیٹے تھے۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے اپنے باپ کے قاتل حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کر دیا اور پیچھے سے ان کے بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے ان کا بازو کٹ گیا لیکن تھوڑا سا چمڑا باقی رہ گیا اور ہاتھ لٹکنے لگا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عکرمہ کا پیچھا کیا اور دور تک دوڑایا مگر عکرمہ بھاگ کر بچ نکلا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حالت میں بھی لڑتے رہے لیکن کٹے ہوئے ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہو رہی تھی تو انہوں نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو پاؤں سے دبا کر اس زور سے کھینچا کہ تسمہ الگ ہو گیا اور پھر وہ آزاد ہو کر ایک ہاتھ سے لڑتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوجہل کے پاس سے گزرے، اس وقت ابوجہل میں کچھ کچھ زندگی کی رمق باقی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی گردن کو اپنے پاؤں سے روند کر فرمایا کہ تو ہی ابوجہل ہے! بتا آج تجھے اللہ نے کیسا رسوا کیا۔ ابوجہل نے اس حالت میں بھی گھمنڈ کے ساتھ یہ کہا کہ تمہارے لئے یہ کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہے میرا قتل ہو جانا اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ایک آدمی کو اس کی قوم

نے قتل کر دیا۔ ہاں! مجھے اس کا افسوس ہے کہ کاش! مجھے کسانوں کے سوا کوئی دوسرا شخص قتل کرتا۔ حضرت معوذ اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہم چونکہ یہ دونوں انصاری تھے اور انصار کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے اور قبیلۂ قریش کے لوگ کسانوں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے اس لئے ابو جہل نے کسانوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کو اپنے لئے قابل افسوس بتایا۔

اُمیہ بن خلف کی ہلاکت:

اُمیہ بن خلف بہت ہی بڑا دشمن رسول تھا۔ جنگ بدر میں جب کفر و اسلام کے دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے تو اُمیہ اپنے پرانے تعلقات کی بنا پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چمٹ گیا کہ میری جان بچائیے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رحم آ گیا اور آپ نے چاہا کہ اُمیہ بچ کر نکل بھاگے مگر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُمیہ کو دیکھ لیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اُمیہ کے غلام تھے تو اُمیہ نے ان کو بہت زیادہ ستایا تھا اس لئے جوشِ انتقام میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار کو پکارا، انصاری لوگ دفعۃً ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُمیہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ وہ لیٹ گیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو بچانے کے لئے اس کے اوپر لیٹ کر اس کو چھپانے لگے لیکن حضرت بلال اور انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کی ٹانگوں کے اندر ہاتھ ڈال کر اور بغل سے تلوار گھونپ گھونپ کر اس کو قتل کر دیا۔ (بخاری)

حضرت عباس کا فدیہ:

انصار نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ درخواست عرض کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عباس ہمارے بھانجے ہیں لہٰذا ہم ان کا فدیہ معاف کرتے ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ درخواست منظور نہیں فرمائی۔ حضرت عباس قریش کے ان دس دولت مند رئیسوں میں سے تھے جنہوں نے لشکر کفار کے راشن کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی، اس غرض کے لئے حضرت عباس کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا۔ چونکہ فوج کو کھانا کھلانے میں ابھی حضرت عباس کی باری نہیں آئی تھی اس لئے وہ سونا ابھی تک ان کے پاس محفوظ تھا۔ اس سونے کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں شامل فرما لیا اور حضرت عباس سے مطالبہ فرمایا کہ وہ اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو بن جحدم چار شخصوں کا فدیہ ادا کریں۔ حضرت عباس نے کہا کہ میرے پاس کوئی مال ہی نہیں ہے، میں کہاں سے فدیہ ادا کروں؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چچا جان! آپ کا وہ مال کہاں ہے؟ جو آپ نے جنگ بدر کے لئے روانہ ہوتے وقت اپنی بیوی ام الفضل کو دیا اور یہ کہا تھا اگر میں اس لڑائی میں مارا جاؤں تو اس میں سے اتنا اتنا مال میرے لڑکوں کو دے دینا۔ یہ سن کر حضرت عباس نے کہا کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ یقیناً آپ اللہ عزوجل کے رسول ہیں کیونکہ اس مال کا علم میرے اور میری بیوی ام الفضل کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت عباس نے اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں اور اپنے حلیف کا فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی پھر اس کے بعد حضرت عباس اور حضرت عقیل اور حضرت نوفل تینوں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

(مدارج النبوۃ ج ۲، ص ۹۸)

عمیر اور صفوان کی خوفناک سازش:

ایک دن عمیر اور صفوان دونوں حطیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے مقتولین بدر پر آنسو بہا رہے تھے۔ایک دم صفوان بول اُٹھا کہ اے عمیر! میرا باپ اور دوسرے رؤسائے مکہ جس طرح بدر میں قتل ہوئے ان کو یاد کر کے سینے میں دل پاش پاش ہو رہا ہے اور اب زندگی میں کوئی مزہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔عمیر نے کہا کہ اے صفوان! تم سچ کہتے ہو میرے سینے میں بھی انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے، میرے اعزہ واقرباء بھی بدر میں بے دردی کے ساتھ قتل کیے گئے ہیں اور میرا بیٹا مسلمانوں کی قید میں ہے۔خدا کی قسم! اگر میں قرضدار نہ ہوتا اور بال بچوں کی فکر سے دو چار نہ ہوتا تو ابھی ابھی میں تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ جاتا اور دم زدن میں دھوکہ سے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قتل کر کے فرار ہو جاتا۔یہ سن کر صفوان نے کہا کہ اے عمیر! تم اپنے قرض اور بچوں کی ذرا بھی فکر نہ کرو۔میں خدا کے گھر میں عہد کرتا ہوں کہ تمہارا سارا قرض ادا کر دوں گا اور میں تمہارے بچوں کی پرورش کا بھی ذمہ دار ہوں۔اس معاہدہ کے بعد عمیر سیدھا گھر آیا اور زہر میں بجھائی ہوئی تلوار لے کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔جب مدینہ میں مسجد نبوی کے قریب پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو پکڑ لیا اور اس کا گلا دبائے اور گردن پکڑے ہوئے دربار رسالت میں لے گئے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیوں عمیر! کس ارادہ سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ اپنے بیٹے کو چھڑانے کے لیے۔آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اور صفوان نے حطیم کعبہ میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے؟ عمیر یہ راز کی بات سن کر سناٹے میں آ گیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ عزوجل کے رسول ہیں کیونکہ خدا کی قسم! میرے اور صفوان کے سوا اس راز کی کسی کو بھی خبر نہ تھی۔ادھر مکہ میں صفوان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سننے کے لیے انتہائی بے قرار تھا اور دن گن گن کر عمیر کے آنے کا انتظار کر رہا تھا مگر جب اس نے ناگہاں یہ سنا کہ عمیر مسلمان ہو گیا تو فرط حیرت سے اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور وہ بوکھلا گیا۔(تاریخ طبری)

واقعہ بیر معونہ:

ماہ صفر ۴ھ میں بیر معونہ کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ابو براء عامر بن مالک جو اپنی بہادری کی وجہ سے ملاعب الاسنہ (برچھیوں سے کھیلنے والا) کہلاتا تھا، بارگاہ رسالت میں آیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے نہ تو اسلام قبول کیا نہ اس سے کوئی نفرت ظاہر کی بلکہ یہ درخواست کی کہ آپ اپنے چند منتخب صحابہ کو ہمارے دیار میں بھیج دیجئے مجھے امید ہے کہ وہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کر لیں گے۔آپ نے فرمایا کہ مجھے نجد کے کفار کی طرف سے خطرہ ہے۔ابو براء نے کہا کہ میں آپ کے اصحاب کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن ہوں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ میں سے ستر منتخب صالحین کو جو قراء کہلاتے تھے بھیج دیا۔یہ حضرات جب مقام بیر معونہ پر پہنچے تو ٹھہر گئے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قافلہ سالار حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کا خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس اکیلے تشریف لے گئے جو قبیلہ کا رئیس اور ابو براء کا بھتیجا تھا۔ اس نے خط کو پڑھا بھی نہیں اور ایک شخص کو اشارہ کر دیا جس نے پیچھے سے حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا اور آس پاس کے قبائل یعنی رعل و ذکوان اور عصیہ و بنولحیان وغیرہ کو جمع کر کے ایک لشکر تیار کر لیا اور صحابہ کرام پر حملہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیر معونہ کے پاس بہت دیر تک حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واپسی کا انتظار کرتے رہے مگر جب بہت زیادہ دیر ہو گئی تو یہ لوگ آگے بڑھے راستہ میں عامر بن طفیل کی فوج کا سامنا ہوا اور جنگ شروع ہو گئی کفار نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہید کر دیا، انہی شہداء کرام میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جن کے بارے میں عامر بن طفیل کا بیان ہے کہ قتل ہونے کے بعد ان کی لاش بلند ہو کر آسمان تک پہنچی پھر زمین پر آ گئی، اس کے بعد ان کی لاش تلاش کرنے پر بھی نہیں ملی کیونکہ فرشتوں نے انہیں دفن کر دیا۔ (بخاری)

حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی اس لئے میں تم کو آزاد کرتا ہوں یہ کہا اور ان کی چوٹی کا بال کاٹ کر ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے چل کر جب مقامِ قرقرہ میں آئے تو ایک درخت کے سائے میں ٹھہرے وہیں قبیلۂ بنوکلاب کے دو آدمی بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب وہ دونوں سو گئے تو حضرت عامر بن اُمیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کافروں کو قتل کر دیا اور یہ سوچ کر دل میں خوش ہو رہے تھے کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا بدلہ لے لیا ہے مگر ان دونوں شخصوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امان دے چکے تھے جس کا حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم نہ تھا۔ جب مدینہ پہنچ کر انہوں نے سارا حال دربار رسالت میں بیان کیا تو اصحاب بیر معونہ کی شہادت کی خبر سن کر سرکار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنا عظیم صدمہ پہنچا کہ تمام عمر شریف میں کبھی بھی اتنا رنج و صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مہینہ بھر تک قبائل رعل و ذکوان اور عصیہ و بنولحیان پر نماز فجر میں لعنت بھیجتے رہے اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن دو شخصوں کو قتل کر دیا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کے خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔ (بخاری و زرقانی)

حضرت ابوبصیر کا کارنامہ:

صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے جو بزرگ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے وہ حضرت ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ کفار مکہ نے فوراً ہی دو آدمیوں کو مدینہ بھیجا کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم مکے چلے جاؤ، تم جانتے ہو کہ ہم نے کفار قریش سے معاہدہ کر لیا ہے اور ہمارے دین میں عہد شکنی اور غداری جائز نہیں ہے حضرت ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا آپ مجھ کو کافروں کے حوالہ فرمائیں گے تا کہ وہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں؟ آپ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم جاؤ! خداوند کریم تمہاری رہائی کا کوئی سبب بنا دے گا۔ آخر مجبور ہو کر حضرت ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کافروں کی حراست میں مکہ واپس ہو گئے۔ لیکن جب مقام ذوالحلیفہ میں پہنچے تو سب کھانے کے لئے بیٹھے اور باتیں کرنے لگے۔ حضرت ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کافر سے کہا کہ اجی! تمہاری تلوار بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے خوش ہو کر نیام سے تلوار نکال کر دکھائی اور کہا کہ بہت ہی عمدہ تلوار ہے اور میں نے بار ہا لڑائیوں میں اس کا تجربہ کیا ہے۔ حضرت ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ذرا میرے ہاتھ میں تو دو۔ میں بھی دیکھوں کہ کیسی تلوار ہے؟ اس نے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی۔ انہوں نے تلوار ہاتھ میں لے کر اس زور سے تلوار ماری کہ کافر کی گردن کٹ گئی اور اس کا سر دور جا گرا۔ اس کے ساتھی نے جو یہ منظر دیکھا تو وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا اور سرپٹ دوڑتا ہوا مدینہ پہنچا اور مسجد نبوی میں گھس گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ شخص خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے ہانپتے کانپتے ہوئے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ میرے ساتھی کو ابوبصیر نے قتل کر دیا اور میں بھی ضرور مارا جاؤں گا۔ اتنے میں حضرت ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے آن پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذمہ داری پوری کر دی کیونکہ صلح نامہ کی شرط کے بموجب آپ نے تو مجھ کو واپس کر دیا۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھ کو ان کافروں سے نجات دے دی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے بڑا رنج پہنچا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خفا ہو کر فرمایا کہ

اس کی ماں مرے! یہ تو لڑائی بھڑکا دے گا کاش اس کے ساتھ کوئی آدمی ہوتا جو اس کو روکتا۔

حضرت ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جملہ سے سمجھ گئے کہ میں پھر کافروں کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا، اس لئے وہ وہاں سے چپکے سے کھسک گئے اور ساحل سمندر کے قریب مقام عیص میں جا کر ٹھہرے۔ ادھر مکہ سے حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زنجیر کاٹ کر بھاگے اور وہ بھی وہیں پہنچ گئے۔ پھر مکہ کے دوسرے مظلوم مسلمانوں نے بھی موقع پا کر کفار کی قید سے نکل نکل کر یہاں پناہ لینی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اس جنگل میں ستر آدمیوں کی جماعت جمع ہو گئی۔ کفار قریش کے تجارتی قافلوں کا یہی راستہ تھا۔ جو قافلہ بھی آمدورفت میں یہاں سے گزرتا، یہ لوگ اس کو لوٹ لیتے۔ یہاں تک کہ کفار قریش کے ناک میں دم کر دیا۔ بالآخر کفار قریش نے خدا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خط لکھا کہ ہم صلح نامہ میں اپنی شرط سے باز آئے۔ آپ لوگوں کو ساحل سمندر سے مدینہ بلا لیجئے اور اب ہماری طرف سے اجازت ہے کہ جو مسلمان بھی مکہ سے بھاگ کر مدینہ جائے آپ اس کو مدینہ میں ٹھہرا لیجئے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ (بخاری باب الشروط فی الجہاد)

یہ بھی روایت ہے کہ قریش نے خود ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ ہم صلح نامہ حدیبیہ میں اپنی شرط سے دست بردار ہو گئے۔ لہٰذا آپ حضرت ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں بلا لیں تا کہ ہمارے تجارتی قافلے ان لوگوں کے قتل و غارت سے محفوظ ہو جائیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس خط بھیجا کہ تم اپنے ساتھیوں سمیت مقامِ عیص سے مدینہ چلے آؤ۔ مگر افسوس! کہ فرمانِ رسالت ان کے پاس ایسے وقت پہنچا جب وہ نزع کی حالت میں تھے۔ مقدس خط کو انہوں

نے اپنے ہاتھ میں لے کر سر اور آنکھوں پر رکھا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور دفن کے بعد ان کی قبر شریف کے پاس یادگار کے لئے ایک مسجد بنا دی۔ پھر فرمان رسول کے بموجب یہ سب لوگ وہاں سے آ کر مدینہ میں آباد ہو گئے۔ (مدارج النبوۃ)

گمشدہ اونٹنی کے علم غیب کا واقعہ

ایک منزل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کہیں چلی گئی۔ اور لوگ اس کی تلاش میں سرگرداں پھرنے لگے۔ تو ایک منافق جس کا نام زید بن لصیت تھا کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں، اور میرے پاس آسمان کی خبریں آتی ہیں۔ مگر ان کو یہ پتہ ہی نہیں کہ میری اونٹنی کہاں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ایک شخص ایسا ایسا کہتا ہے۔ حالانکہ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کے بتا دینے سے میں خوب جانتا ہوں کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ وہ فلاں گھاٹی میں ہے اور ایک درخت میں اس کی مہار کی رسی الجھ گئی ہے۔ تم لوگ جاؤ اور اس اونٹنی کو میرے پاس لے کر آ جاؤ۔ جب لوگ اس جگہ گئے تو ٹھیک ایسا ہی دیکھا کہ اسی گھاٹی میں وہ اونٹنی کھڑی ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں الجھی ہوئی ہے۔ (زرقانی ج3 ص75)

ہوا کے اڑا کر لے جانے کا واقعہ

جب اسلامی لشکر مقام حجر میں پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی شخص اکیلا لشکر سے باہر کہیں دور نہ جائے۔ پورے لشکر نے اس حکم نبوی کی اطاعت کی مگر قبیلہ بنو ساعدہ کے دو آدمیوں نے آپ کا حکم نہیں مانا۔ ایک شخص اکیلا ہی رفع حاجت کیلئے لشکر سے دور چلا گیا وہ بیٹھا ہی تھا کہ اچانک کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور وہ اسی جگہ مر گیا۔ اور دوسرا شخص اپنا اونٹ پکڑنے کیلئے اکیلا ہی لشکر سے کچھ دور چلا گیا تو ناگہاں ایک ہوا کا جھونکا آیا اور اس کو اڑا کر قبیلہ طی کے دونوں پہاڑوں کے درمیان پھینک دیا اور وہ ہلاک ہو گیا آپ نے ان دونوں کا انجام سن کر فرمایا کیا میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کر دیا تھا؟ (زرقانی جلد 3 ص73)

حاتم طائی کی بیٹی اور بیٹا مسلمان

ربیع الآخر سن 9ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں ایک سو پچاس سواروں کو اس لئے بھیجا کہ وہ قبیلہ طی کے بت خانہ کو گرا دیں ان لوگوں نے شہر فلس میں پہنچ کر بت خانہ کو منہدم کر ڈالا۔ اور کچھ اونٹوں اور بکریوں کو پکڑ کر اور چند عورتوں کو گرفتار کر کے یہ لوگ مدینہ لائے۔ ان قیدیوں میں مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ حاتم طائی کا بیٹا عدی بن حاتم بھاگ کر ملک شام چلا گیا۔ حاتم طائی کی لڑکی جب بارگاہ رسالت میں پیش کی گئی تو اس نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)! میں حاتم طائی کی لڑکی ہوں میرے باپ کا انتقال ہو گیا اور میرا بھائی عدی بن حاتم مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا میں ضعیفہ ہوں آپ مجھ پر احسان کیجئے خدا آپ پر احسان کرے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو چھوڑ دیا اور سفر کے لئے ایک اونٹ بھی عنایت فرمایا۔ یہ مسلمان ہو کر اپنے بھائی عدی بن حاتم

کے پاس پہنچی اور اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اخلاقِ نبوت سے آگاہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بہت زیادہ تعریف کی۔ عدی بن حاتم اپنی بہن کی زبانی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلق عظیم اور عاداتِ کریمہ کے حالات سُن کر بے حد متاثر ہوئے اور بغیر کوئی امان طلب کئے ہوئے مدینہ حاضر ہو گئے۔ لوگوں نے بارگاہِ نبوت میں یہ خبر دی کہ عدی بن حاتم آ گیا ہے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی کریمانہ انداز سے عدی بن حاتم کے ہاتھ کو اپنے دستِ رحمت میں لے لیا اور فرمایا کہ اے عدی! تم کس چیز سے بھاگے؟ کیا لا الٰہ الا اللہ کہنے سے تم بھاگے؟ کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ عدی بن حاتم نے کہا کہ نہیں پھر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے ان کے اسلام قبول کرنے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر خوشی ہوئی کہ فرطِ مسرت سے آپ کا چہرہ انور چمکنے لگا اور آپ نے ان کو خصوصی عنایات سے نوازا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے باپ حاتم کی طرح بہت ہی سخی تھے۔ حضرت امام احمد ناقل ہیں کہ کسی نے ان سے ایک سو درہم کا سوال کیا تو یہ خفا ہو گئے اور کہا کہ تم نے فقط ایک سو درہم ہی مجھ سے مانگا۔ تم نہیں جانتے کہ میں حاتم کا بیٹا ہوں خدا کی قسم میں تم کو اتنی حقیر رقم نہیں دوں گا۔ یہ بہت ہی شاندار صحابی ہیں خلافتِ صدیق اکبر میں جب بہت سے قبائل نے اپنی زکوٰۃ روک دی اور بہت سے مُرتد ہو گئے۔ یہ اس دور میں بھی پہاڑ کی طرح اسلام پر ثابت قدم رہے اور اپنی قوم کی زکوٰۃ لا کر بارگاہ خلافت میں پیش کی۔ اور عراق کی فتوحات اور دوسرے اسلامی جہادوں میں مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے اور 68ھ میں ایک سو بیس برس کی عُمر پا کر وصال فرمایا۔ اور صحاح ستہ کی ہر کتاب میں آپ کی روایت کردہ حدیثیں مذکور ہیں۔

(زرقانی ج3 ص53 ومدارج ج2 ص337)

مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اشکبار ہونے کا واقعہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی رنج وغم کی حالت میں صحابہ کرام کے بھرے مجمع میں یہ ارشاد فرمایا کہ زید نے جھنڈا لیا۔ وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ علمبردار بنے اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ جھنڈے کو خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار (خالد بن ولید) نے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کو یہ خبریں سناتے رہے۔ اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (بخاری ج2 ص611 غزوہ موتہ)

موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں لکھا ہے کہ جب حضرت یعلٰی بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ موتہ کی خبر لے کر دربار نبوت میں پہنچے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم مجھے وہاں کی خبر سناؤ گے؟ یا میں تمہیں وہاں کی خبر سناؤں۔ حضرت یعلٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)! آپ ہی سنایئے جب آپ نے وہاں کا پورا پورا حال و ماحول سنایا تو حضرت یعلٰی نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپ نے ایک بات بھی نہیں چھوڑی کہ جس کو میں بیان کروں۔ (زرقانی ج2 ص276)

حضرت جعفر شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر تیل کاجل سے آراستہ کر کے آٹا گوندھ لیا تھا کہ بچوں کے لئے روٹیاں پکاؤں کہ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا کہ جعفر کے بچوں کو میرے سامنے لاؤ! جب میں نے بچوں کو پیش کیا تو آپ بچوں کو سونگھنے اور چومنے لگے اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار رخسار پرانوار پر بہنے لگی تو میں نے عرض کیا کہ کیا حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ہاں! وہ لوگ آج ہی شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر میری چیخ نکل گئی اور میرا گھر عورتوں سے بھر گیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانہ نبوت میں تشریف لے گئے اور ازواج مطہرات سے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کراؤ۔ (زرقانی ج2 ص277)

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار ہو کر ان لوگوں کے استقبال کے لئے تشریف لے گئے اور مدینہ کے مسلمان اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی دوڑتے ہوئے مجاہدین اسلام کی ملاقات کے لئے گئے۔ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ موتہ کے شہدائے کرام کا ایسا پر درد مرثیہ سنایا کہ تمام سامعین رونے لگے۔ (زرقانی جلد ۲، ص ۲۷۷)

حضرت حمزہ کی صاحبزادی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت وشفقت

تین دن کے بعد کفار مکہ کے چند سردار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ شرط پوری ہو چکی۔ اب آپ لوگ مکہ سے نکل جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ نبوت میں کفار کا پیغام سنایا تو آپ اسی وقت مکہ سے روانہ ہو گئے۔ چلتے وقت حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک چھوٹی صاحبزادی جن کا نام امامہ تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چچا چچا کہتی ہوئی دوڑی آئیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد میں شہید ہو چکے تھے۔ ان کی یہ یتیم چھوٹی بچی مکہ میں رہ گئی تھیں۔ جس وقت یہ بچی آپ کو پکارتی ہوئی دوڑی ہوئی آئیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے شہید چچا جان کی اس یادگار کو دیکھ کر پیار آ گیا۔

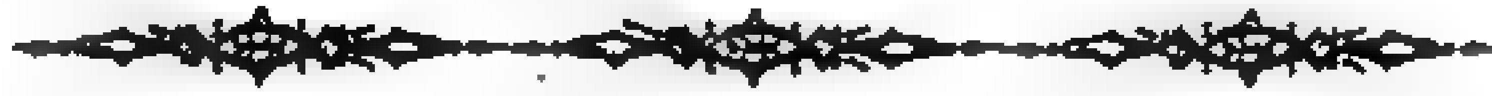
اس بچی نے آپ کو بھائی جان کہنے کی بجائے چچا جان اس رشتہ سے کہا کہ آپ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رضاعی بھائی ہیں، کیونکہ آپ نے اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ثوبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دودھ پیا تھا۔ جب یہ صاحبزادی قریب آئیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کو اپنی گود میں اٹھالیا۔ لیکن اب ان کی پرورش کے لئے تین دعویدار کھڑے ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ میری چچازاد بہن ہے اور میں نے اس کو سب سے پہلے اپنی گود میں اٹھالیا ہے اس لئے مجھ کو اس کی پرورش کا حق ملنا چاہیے۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ گزارش کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)! یہ میری چچازاد بہن بھی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے اس لئے اس کی پرورش کا میں حقدار ہوں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ

یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)! یہ میرے دینی بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لڑکی ہے اس لئے میں اس پرورش کروں گا۔ تینوں صاحبوں کا بیان سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے لہذا یہ لڑکی حضرت جعفر کی پرورش میں رہے گی۔

پھر تینوں صاحبوں کی دلداری و دل جوئی کرتے ہوئے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اے علی! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے جعفر تم سیرت وصورت میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرمایا کہ اے زید! تم میرے بھائی اور میرے مولیٰ (آزاد کردہ غلام ہو)

(بخاری ج2 ص1610) التضاء)



نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

چاند دو ٹکڑے ہو گیا:

حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات میں شق القمر کا معجزہ بہت ہی عظیم الشان اور فیصلہ کن معجزہ ہے۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ کفار مکہ نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اپنی نبوت کی صداقت پر بطور دلیل کے کوئی معجزہ اور نشانی دکھایئے۔ اس وقت آپ نے ان لوگوں کو شق القمر کا معجزہ دکھایا کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس و حضرت انس بن مالک و حضرت جبیر بن مطعم و حضرت علی بن ابی طالب و حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حذیفہ بن یمان وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔ (زرقانی علی المواہب)

ان روایات میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جو بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مذکور ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس موقع پر موجود تھے اور انہوں نے اس معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے نیچے نظر آ رہا تھا۔ آپ نے کفار کو یہ منظر دکھا کر ان سے ارشاد فرمایا کہ گواہ ہو جاؤ گواہ ہو جاؤ۔ (بخاری)

ان احادیث مبارکہ کے علاوہ اس عظیم الشان معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (قمر)

قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا اور یہ کفار اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو تو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔

اس آیت کا صاف و صریح مطلب یہی ہے کہ قیامت قریب آ گئی اور دنیا کی عمر کا قلیل حصہ باقی رہ گیا کیونکہ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا جو علامات قیامت میں سے تھا وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو چکا مگر یہ واضح ترین اور فیصلہ کن معجزہ دیکھ کر بھی کفار مکہ مسلمان نہیں ہوئے بلکہ ظالموں نے یہ کہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہم لوگوں پر جادو کر دیا اور اس قسم کی جادو کی چیزیں تو ہمیشہ ہوتی ہی رہتی ہیں۔

سورج ٹھہر گیا:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آسمانی معجزات میں سے سورج پلٹ آنے کے معجزہ کی طرح چلتے ہوئے سورج کا ٹھہر

جانا بھی ایک بہت ہی عظیم معجزہ ہے جو معراج کی رات گزر کر دن میں وقوع پذیر ہوا۔ چنانچہ یونس بن بکیر نے ابن اسحٰق سے روایت کی ہے کہ جب کفار قریش نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے اس قافلہ کے حالات دریافت کیے جو ملک شام سے مکہ آ رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے تمہارے اس قافلہ کو بیت المقدس کے راستہ میں دیکھا ہے اور وہ بدھ کے دن مکہ آ جائے گا۔ چنانچہ قریش نے بدھ کے دن شہر سے باہر نکل کر اپنے قافلہ کی آمد کا انتظار کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا اور قافلہ نہیں آیا اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو ٹھہرا دیا اور ایک گھڑی دن کو بڑھا دیا۔ یہاں تک کہ وہ قافلہ آن پہنچا۔ (زرقانی و شفاء)

مختصر تذکرۂ معراج:

معراج کی رات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر کی چھت کھلی اور ناگہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام چند فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور آپ کو حرم کعبہ میں لے جا کر آپ کے سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب انور کو نکال کر آب زمزم سے دھویا پھر ایمان و حکمت سے بھرے ہوئے ایک طشت کو آپ کے سینے میں انڈیل کر شکم کا چاک برابر کر دیا۔ پھر آپ براق پر سوار ہو کر بیت المقدس تشریف لائے۔ براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ اس کا قدم وہاں پڑتا تھا جہاں اس کی نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی۔ بیت المقدس پہنچ کر براق کو آپ نے اس حلقہ میں باندھ دیا جس میں انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے پھر آپ نے تمام انبیاء اور رسولوں علیہم السلام کو جو وہاں حاضر تھے دو رکعت نماز نفل جماعت سے پڑھائی۔ (تفسیر روح البیان)

جب یہاں سے نکلے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپ کے سامنے پیش کیے آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پسند فرمایا اگر آپ شراب کا پیالہ اٹھا لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو ساتھ لے کر آسمان پر چڑھے پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے، دوسرے آسمان میں حضرت یحییٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے ملاقاتیں ہوئیں اور کچھ گفتگو بھی ہوئی۔ تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے اور ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی وہ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ بوقت ملاقات، ہر پیغمبر نے خوش آمدید! اے پیغمبر صالح کہہ کر آپ کا استقبال کیا۔ پھر آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی۔ اس کے بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ اس درخت پر جب انوار الٰہی کا پرتو پڑا تو ایک دم اس کی صورت بدل گئی اور اس میں رنگ برنگ کے انوار کی ایسی تجلی نظر آئی جن کی کیفیتوں کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبریل علیہ السلام یہ کہہ کر ٹھہر گئے کہ اب اس سے آگے میں نہیں بڑھ سکتا۔ پھر حضرت حق جل جلالہ نے آپ کو عرش بلکہ عرش کے اوپر جہاں تک اس نے چاہا بلا کر آپ کو باریاب فرمایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتی۔ چنانچہ قرآن مجید میں فَاَوْحٰی

اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی کے رمز واشارہ میں خداوند قدوس نے اس حقیقت کو بیان فرمادیا ہے۔

بارگاہ الٰہی میں بے شمار عطیات کے علاوہ تین خاص انعامات مرحمت ہوئے جن کی عظمتوں کو اللہ ورسول کے سوا اور کون جان سکتا ہے۔

(۱) سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔(۲) یہ خوشخبری کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کا ہر وہ شخص جس نے شرک نہ کیا ہو بخش دیا جائے گا۔(۳) امت پر پچاس وقت کی نماز۔

جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان خداوندی عطیات کو لے کر واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کی امت سے ان پچاس نمازوں کا بار نہ اٹھ سکے گا لہٰذا آپ واپس جائیے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے چند بار آپ بارگاہ الٰہی میں آتے جاتے اور عرض پرداز ہوتے رہے یہاں تک کہ صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میرا قول بدل نہیں سکتا۔ اے محبوب! آپ کی امت کے لیے یہ پانچ نمازیں بھی پچاس ہوں گی۔ نمازیں تو پانچ ہوں گی مگر میں آپ کی امت کو ان پانچ نمازوں پر پچاس نمازوں کا اجر وثواب عطا کروں گا۔

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم ملکوت کی اچھی طرح سیر فرما کر اور آیات الٰہیہ کا معاینہ ومشاہدہ فرما کر آسمان سے زمین پر تشریف لائے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے اور براق پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ نے بیت المقدس سے مکہ تک کی تمام منزلوں اور قریش کے قافلہ کو بھی دیکھا۔ ان تمام مراحل کے طے ہونے کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد حرام میں پہنچ کر چونکہ ابھی رات کا کافی حصہ باقی تھا سو گئے اور صبح کو بیدار ہوئے اور جب رات کے واقعات کا آپ نے قریش کے سامنے تذکرہ فرمایا تو روسائے قریش کو سخت تعجب ہوا یہاں تک کہ بعض کور باطنوں نے آپ کو جھوٹا کہا اور بعض نے مختلف سوالات کیے چونکہ اکثر روسائے قریش نے بار بار بیت المقدس کو دیکھا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی بھی بیت المقدس نہیں گئے ہیں اس لیے امتحان کے طور پر ان لوگوں نے آپ سے بیت المقدس کے در و دیوار اور اس کی محرابوں وغیرہ کے بارے میں سوالوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی آپ کی نگاہ نبوت کے سامنے بیت المقدس کی پوری عمارت کا نقشہ پیش فرمادیا۔ چنانچہ کفار قریش آپ سے سوال کرتے جاتے تھے اور آپ عمارت کو دیکھ دیکھ کر ان کے سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیتے جاتے تھے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ، کتاب الانبیاء، کتاب التوحید، باب المعراج وغیرہ مسلم باب المعراج و شفاء وتفسیر روح المعانی)

سفر معراج کی سواریاں:

امام علائی نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ معراج میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانچ قسم کی سواریوں پر سفر فرمایا مکہ سے بیت المقدس تک براق پر، بیت المقدس سے آسمان اول تک نور کی سیڑھیوں پر، آسمان اول سے ساتویں آسمان تک فرشتوں کے

بازوؤں پر، ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک حضرت جبریل علیہ السلام کے بازو پر، سدرۃ المنتہیٰ سے مقام قاب قوسین تک رفرف پر۔ (تفسیر روح المعانی)

سفر معراج کی منزلیں:

بیت المقدس سے مقام قاب قوسین تک پہنچنے میں آپ نے دس منزلوں پر قیام فرمایا اور ہر منزل پر کچھ گفتگو ہوئی اور بہت سی خداوندی نشانیوں کو ملاحظہ فرمایا۔

(۱) آسمان اول (۲) دوسرا آسمان (۳) تیسرا آسمان (۴) چوتھا آسمان (۵) پانچواں آسمان (۶) چھٹا آسمان (۷) ساتواں آسمان (۸) سدرۃ المنتہیٰ (۹) مقام مستویٰ جہاں آپ نے قلم قدرت کے چلنے کی آوازیں سنیں (۱۰) عرش اعظم (تفسیر روح المعانی)

بادل کٹ گیا اور مسلا دھار بارش ہونے کا معجزہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ عرب میں نہایت ہی سخت قسم کا قحط پڑا ہوا تھا اس وقت جب کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ کے لیے منبر پر چڑھے تو ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر فریاد کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بارش نہ ہونے سے جانور ہلاک اور بال بچے بھوک سے تباہ ہو رہے ہیں لہٰذا آپ دعا فرمایئے۔ اس وقت آسمان میں کہیں بدلی کا نام و نشان نہیں تھا مگر جوں ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اٹھایا ہر طرف سے پہاڑوں کی طرح بادل آ کر چھا گئے اور ابھی آپ منبر پر سے اترے بھی نہ تھے کہ بارش کے قطرات آپ کی نورانی داڑھی پر ٹپکنے لگے اور آٹھ دن تک مسلسل موسلا دھار بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ جب دوسرے جمعہ کو آپ خطبہ کے لیے منبر پر رونق افروز ہوئے تو وہی اعرابی یا کوئی دوسرا کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے فریاد کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مکانات منہدم ہو گئے اور مال مویشی غرق ہو گئے لہٰذا دعا فرمایئے کہ بارش بند ہو جائے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر اپنا مقدس ہاتھ اٹھا دیا اور یہ دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش ہو اور ہم پر نہ بارش ہو۔ پھر آپ نے بدلی کی طرف اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا تو مدینہ کے اردگرد سے بادل کٹ کر چھٹ گیا اور مدینہ اور اس کے اطراف میں بارش بند ہو گئی۔

(بخاری باب الاستسقاء فی الجمعہ)

ایک ضروری تبصرہ:

یہ چند آسمانی معجزات جو مذکور ہوئے اس بات کی دلیل ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کی عطا کی ہوئی طاقت سے آسمانی کائنات میں بھی تصرفات فرماتے ہیں اور آپ کی خداداد سلطنت کی حکمرانی زمین ہی تک محدود نہیں بلکہ آسمانی مخلوقات میں بھی آپ کی حکومت کا سکہ چلتا ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لیے دو وزیر آسمان والوں میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہوا کرتے ہیں اور میرے دونوں آسمانی وزیر جبریل و میکائیل

(خل)یل ہیں اور میرے زمین کے دونوں وزیر ابوبکر و عمر ہیں۔ (مشکوٰۃ، باب مناقب ابوبکر و عمر)

ظاہر ہے کہ کسی بادشاہ کے وزیر اس کی سلطنت کی حدود ہی میں رہا کرتے ہیں۔ اگر آسمانوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سلطنت خداداد نہ ہوتی تو حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام آپ کے دو وزیروں کی حیثیت سے بھلا آسمانوں میں کس طرح مقیم رہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ شہنشاہ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بادشاہی بہ عطاء الٰہی زمین و آسمان کی تمام مخلوقات پر ہے۔

نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام — صاحب رجعت شمس و شق القمر
اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام — عرش تا فرش ہے جس کے زیر نگیں

فاتح خیبر کون ہوگا:

جنگ خیبر کے دوران ایک دن غیب داں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کل میں اس شخص کے ہاتھ میں جھنڈا دوں گا جو اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت کرتے ہیں اور اسی کے ہاتھ سے خیبر فتح ہوگا۔ اس خوشخبری کو سن کر لشکر کے تمام مجاہدین نے اس انتظار میں نہایت ہی بے قراری کے ساتھ رات گزاری کہ دیکھیں کون وہ خوش نصیب ہے جس کے سر اس بشارت کا سہرا بندھتا ہے۔ صبح کو ہر مجاہد اس امید پر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا کہ شاید وہی اس خوش نصیبی کا تاجدار بن جائے۔ ہر شخص گوش بر آواز تھا کہ ناگہاں شہنشاہ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ ارشاد فرمایا کہ قاصد بھیج کر انہیں بلاؤ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا کر دعا فرمائی جس سے فی الفور وہ اس طرح شفایاب ہوگئے کہ گویا انہیں کبھی آشوب چشم ہوا ہی نہیں تھا۔ پھر آپ نے ان کے ہاتھ میں جھنڈا عطا فرمایا اور خیبر کا میدان اسی دن ان کے ہاتھوں سے سر ہوگیا۔ (بخاری)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن قبل ہی یہ بتا دیا کہ کل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر کو فتح کریں گے۔ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا طیعنی کل کون کیا کرے گا کا علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمایا۔

(ہن)دوستان میں مجاہدین کا قابل رشک جہاد

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہندوستان میں اسلام کے داخل اور غالب ہونے کی خوشخبری سناتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ

میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جہنم سے آزاد فرما دیا ہے۔ ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور ایک وہ گروہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم مسلمانوں سے ہندوستان میں جہاد

کرنے کا وعدہ فرمایا تھا تو اگر میں نے وہ زمانہ پالیا جب تو میں اس کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کردوں گا اور اگر میں اس جہاد میں شہید ہو گیا تو میں بہترین شہید ٹھہروں گا اور اگر میں زندہ لوٹا تو میں دوزخ سے آزاد ہونے والا ابو ہریرہ ہوں گا۔

(نسائی باب غزوۃ الہند)

امام نسائی نے ۳۰۲ھ میں وفات پائی اور انہوں نے اپنی کتاب سلطان محمود غزنوی کے حملہ ہندوستان ۳۹۲ھ سے تقریباً سو برس پہلے تحریر فرمائی۔

تمام دنیا کے مورخین گواہ ہیں کہ غیب داں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زبان قدسی بیان سے ہندوستان کے بارے میں سینکڑوں برس پہلے جس غیب کی خبر کا اعلان فرمایا تھا وہ حرف بحرف پوری ہو کر رہی کہ محمد بن قاسم نے سرزمین سندھ و مکران پر جہاد فرمایا اور محمود غزنوی و شہاب الدین غوری نے ہندوستان کے سومنات و اجمیر وغیرہ پر جہاد کر کے اس ملک میں اسلام کا پرچم لہرایا۔ یہاں تک کہ سرزمین ہند میں ناگالینڈ کی پہاڑیوں سے کوہ ہندوکش تک اور راس کماری سے ہمالیہ کی چوٹیوں تک اسلام کا پرچم لہرا چکا۔ حالانکہ مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی اس وقت دی تھی جب اسلام سرزمین حجاز سے بھی آگے نہیں پہنچ پایا تھا۔ ان غیب کی خبروں کو لفظ بلفظ پورا ہوتے ہوئے دیکھ کر کون ہے جو غیب داں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں اس طرح نذرانہ عقیدت نہ پیش کرے گا کہ

سر عرش پر ہے تری گزر دل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

(اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ)

پہاڑوں کا سلام کرنا:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو درخت اور پہاڑ بھی سامنے آتا ہے اس سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کی آواز آتی ہے اور میں خود اس آواز کو اپنے کانوں سے سن رہا تھا۔ (ترمذی جلد ص باب ماجاء فی آیات نبوۃ النبی)

اسی طرح حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ میں ایک پتھر ہے جو مجھ کو سلام کیا کرتا تھا میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں۔ (ترمذی)

پہاڑ کا ہلنا:

بخاری شریف کی یہ روایت چند اوراق پہلے ہم تحریر کر چکے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر احد پہاڑ پر چڑھے پہاڑ (جوشِ مسرت میں) جھوم کر ہلنے لگا اس وقت آپ نے پہاڑ کو ٹھوکر مار کر یہ فرمایا کہ ٹھہر جا اس وقت تیری پشت پر ایک پیغمبر ہے اور ایک صدیق ہے اور دو (حضرت عمر و حضرت عثمان) شہید ہیں۔ (بخاری، باب فضل ابی بکر)

مٹھی بھر خاک کا شاہکار:

مسلم شریف کی حدیث میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ حنین میں جب کفار نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپ اپنی سواری سے اتر پڑے اور زمین سے ایک مٹھی مٹی لے کر کفار کے چہروں پر پھینکی اور شَاہَتِ الْوُجُوْہُ فرمایا تو کافروں کے لشکر میں کوئی ایک انسان بھی باقی نہیں رہا جس کی دونوں آنکھیں اسی مٹی سے نہ بھر گئی ہوں چنانچہ وہ سب اپنی اپنی آنکھیں ملتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے اور شکست کھا گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے اموال غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ (مشکوٰۃ، باب المعجزات)

اسی طرح ہجرت کی رات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کاشانہ نبوت کا محاصرہ کرنے والے کافروں پر جب ایک مٹھی خاک پھینکی تو یہ مٹھی بھر مٹی تمام کافروں کے سروں پر پڑ گئی۔ (مدارج نبوت)

تبصرہ:

مذکورہ بالا پانچوں مستند واقعات گواہی دے رہے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات و تصرفات کی حکمرانی عالم جمادات پر بھی ہے اور عالم جمادات کی ہر ہر چیز جانتی پہچانتی اور مانتی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں اور آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کو عالم جمادات کا ہر ہر فرد اپنے لیے لازم الایمان اور واجب العمل جانتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا اشارہ پا کر کنکریوں نے کلمہ پڑھا، آپ کے دست مبارک میں سنگریزوں نے خدا کی تسبیح پڑھی، آپ کی دعا پر دیواروں نے آمین کہا۔

(دلائل النبوت وشفاء)

دلیل نبوت کیلئے خوشہ درخت سے اُتر پڑا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ ایک اعرابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے عرض کی کہ مجھے یہ کیونکر یقین ہو کہ آپ خدا کے پیغمبر ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس کھجور کے درخت پر جو خوشہ لٹک رہا ہے اگر میں اس کو اپنے پاس بلاؤں اور وہ میرے پاس آ جائے تو کیا تم میری نبوت پر ایمان لاؤ گے؟ اس نے کہا کہ ہاں بے شک میں آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر ضرور آپ کو خدا کا رسول مان لوں گا۔ آپ نے کھجور کے اس خوشہ کو بلایا تو وہ فوراً ہی چل کر درخت سے اترا اور آپ کے پاس آ گیا پھر آپ نے حکم دیا تو وہ واپس جا کر درخت میں اپنی جگہ پر پیوست ہو گیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر وہ اعرابی فوراً ہی دامن اسلام میں آ گیا۔ (ترمذی، باب ما جاء فی آیات نبوۃ النبی)

دلیل نبوت کیلئے درخت چل کر آیا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک اعرابی آپ کے پاس آیا، آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس اعرابی نے سوال کیا کہ کیا آپ کی نبوت پر کوئی گواہ بھی ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں یہ درخت جو میدان کے کنارے پر ہے میری نبوت کی گواہی دے گا۔ چنانچہ

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس درخت کو بلایا اور وہ فوراً ہی زمین چیرتا ہوا اپنی جگہ سے چل کر بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوگا اور اس نے بہ آواز بلند تین مرتبہ آپ کی نبوت کی گواہی دی۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو اشارہ فرمایا تو وہ درخت زمین میں چلتا ہوا اپنی جگہ پر چلا گیا۔

محدث بزار وامام بیہقی وامام بغوی نے اس حدیث میں یہ روایت بھی تحریر فرمائی ہے کہ اس درخت نے بارگاہِ اقدس میں آ کر اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ کہا، اعرابی یہ معجزہ دیکھتے ہی مسلمان ہوگیا اور جوشِ عقیدت میں عرض کی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں خدا کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ یہ فرما کر آپ نے اس کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ پھر اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے دست مبارک اور مقدس پاؤں کو بوسہ دوں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اس نے آپ کے مقدس ہاتھ اور مبارک پاؤں کو والہانہ عقیدت کے ساتھ چوم لیا۔ (زرقانی)

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رونے والا ستون

مسجد نبوی میں پہلے منبر نہیں تھا، کھجور کے تنا کا ایک ستون تھا اسی سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب ایک انصاری عورت نے ایک منبر بنوا کر مسجد نبوی میں رکھا تو آپ نے اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا شروع کر دیا تو ناگہاں اس ستون سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی اور بعض روایات میں ہے آیا ہے کہ اونٹوں کی طرح بلبلانے کی آواز آئی۔ یہ راویانِ حدیث کے مختلف ذوق کی بنا پر رونے کی مختلف تشبیہیں ہیں راویوں کا مقصود یہ ہے کہ دردِ فراق سے بلبلا کر اور بے قرار ہو کر ستون زار زار رونے لگا اور بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ستون اس قدر زور زور سے رونے لگا کہ قریب تھا کہ جوشِ گریہ سے پھٹ جائے اور اس رونے کی آواز کو مسجد نبوی کے تمام مصلیوں نے اپنے کانوں سے سنا۔ ستون کی گریہ وزاری کو سن کر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر سے اتر کر آئے اور ستون پر تسکین دینے کے لئے اپنا مقدس ہاتھ رکھ دیا اور اس کو اپنے سینہ سے لگا لیا تو وہ ستون اس طرح ہچکیاں لے لے کے رونے لگا جس طرح رونے والے بچے کو جب چپ کرایا جاتا ہے تو وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگتا ہے۔ بالآخر جب آپ نے ستون کو اپنے سینے سے چمٹا لیا تو وہ سکون پا کر خاموش ہوگیا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ ستون کا یہ رونا اس بنا پر تھا کہ یہ پہلے خدا کا ذکر سنتا تھا اب جو نہ سنا تو رونے لگا۔ (بخاری، باب النجار و باب علامات النبوۃ)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں کہ یہ بھی وارد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس ستون کو اپنے سینے سے لگا کر یہ فرمایا کہ اے ستون! اگر تو چاہے تو میں تجھ کو پھر اسی باغ میں تیری پہلی جگہ پر پہنچا دوں تاکہ تو پہلے کی طرح ہرا بھرا درخت ہو جائے اور ہمیشہ پھلتا پھولتا رہے اور اگر تیری خواہش ہو تو میں تجھ کو باغ بہشت کا ایک درخت بنا دینے کے لئے خدا سے دعا کر دوں تاکہ جنت میں خدا کے اولیاء تیرا پھل کھاتے رہیں۔ یہ سن کر ستون نے اتنی بلند آواز سے جواب دیا کہ آس پاس

کے لوگوں نے بھی سن لیا۔ ستون کا جواب یہ تھا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) میری یہی تمنا ہے کہ میں جنت کا ایک درخت بنادیا جاؤں تا کہ خدا کے اولیاء میرا پھل کھاتے رہیں اور مجھے حیات جاودانی مل جائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ستون! میں نے تیری اس آرزو کو منظور کرلیا۔ پھر آپ نے سامعین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگو! دیکھو اس ستون نے دارالفناء کی زندگی کو ٹھکرا کر دارالبقاء کی زندگی کو اختیار کرلے۔ (شفاء شریف)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ستون کو اپنے سینہ سے لگا کر ارشاد فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر میں اس ستون کو اپنے سینہ سے نہ چمٹاتا تو یہ قیامت تک روتا ہی رہتا۔

جانوروں کا سجدہ کرنا:

احادیث کی اکثر کتابوں میں چند الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے کہ ایک انصاری کا اونٹ بگڑ گیا تھا اور وہ کسی کے قابو میں نہیں آتا تھا بلکہ لوگوں کو کاٹنے کے لئے حملہ کیا کرتا تھا۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع کیا۔ آپ نے خود اس اونٹ کے پاس جانے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے آپ کو روکا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ اونٹ لوگوں کو دوڑ کر کتے کی طرح کاٹ کھاتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے اس کا کوئی خوف نہیں ہے یہ کہہ کر آپ آگے بڑھے تو اونٹ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے آکر اپنی گردن ڈال دی اور آپ کو سجدہ کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے سر اور گردن پر اپنا دست شفقت پھیر دیا تو وہ بالکل ہی نرم پڑ گیا اور فرمانبردار ہوگیا اور آپ نے اس کو پکڑ کر اس کے مالک کے حوالہ کر دیا۔ پھر یہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی ہر مخلوق جانتی اور مانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن جنوں اور انسانوں میں سے جو کفار ہیں وہ میری نبوت کا اقرار نہیں کرتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اونٹ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جب جانور آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم انسانوں کو تو سب سے پہلے آپ کو سجدہ کرنا چاہیے یہ سن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ (زرقانی، مشکوٰۃ، باب المعجزات)

بارگاہ رسالت میں اونٹ کی فریاد:

ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک اونٹ کھڑا ہوا زور زور سے چلا رہا تھا۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو ایک دم بلبلانے لگا اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریب جا کر اس کے سر اور کنپٹی پر اپنا دست شفقت پھیرا تو وہ تسلی پا کر بالکل خاموش ہوگیا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً ان کو بلوایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے قبضہ میں دے کر ان کو تمہارا محکوم بنادیا ہے لہٰذا تم لوگوں پر لازم ہے کہ تم ان جانوروں پر رحم کیا کرو تمہارے اس اونٹ نے مجھ سے تمہاری شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس کی طاقت

سے زیادہ اس سے کام لے کر اس کو تکلیف دیتے ہو۔ (ابوداود)

بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک نوعمر لڑکا تھا اور مکہ میں کافروں کے سردار عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا اتفاق سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا میرے پاس سے گزر ہوا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے لڑکے! اگر تمہاری بکریوں کے تھنوں میں دودھ ہو تو ہمیں بھی دودھ پلاؤ، میں نے عرض کیا کہ میں ان بکریوں کا مالک نہیں ہوں بلکہ ان کا چرواہا ہونے کی حیثیت سے امین ہوں، میں بھلا بغیر مالک کی اجازت کے کس طرح ان بکریوں کا دودھ کسی کو پلا سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہاری بکریوں میں کوئی بچہ بھی ہے میں نے کہا کہ جی ہاں آپ نے فرمایا اس بچے کو میرے پاس لاؤ۔ میں لے آیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بچے کی ٹانگوں کو پکڑ لیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے تھن کو اپنا مقدس ہاتھ لگا دیا تو اس کا تھن دودھ سے بھر گیا پھر ایک گہرے پتھر میں آپ نے اس کا دودھ دوہا، پہلے خود پیا پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پلایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مجھ کو بھی پلایا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بکری کے تھن میں ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے تھن! تو سمٹ جا چنانچہ فوراً ہی اس کا تھن سمٹ کر خشک ہو گیا۔

تبلیغ اسلام کرنے والا بھیڑیا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بھیڑیئے نے ایک بکری کو پکڑ لیا لیکن بکریوں کے چرواہے نے بھیڑیئے پر حملہ کر کے اس سے بکری کو چھین لیا۔ بھیڑیا بھاگ کر ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے چرواہے! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رزق دیا تھا مگر تو نے اس کو مجھ سے چھین لیا۔ چرواہے نے یہ سن کر کہا کہ خدا کی قسم! میں نے آج سے زیادہ کبھی کوئی حیرت انگیز اور تعجب خیز منظر نہیں دیکھا کہ ایک بھیڑیا عربی زبان میں مجھ سے کلام کرتا ہے۔ بھیڑیا کہنے لگا کہ اے چرواہے! اس سے کہیں زیادہ عجیب بات تو یہ ہے کہ تو یہاں بکریاں چرا رہا ہے اور تو اس نبی کو چھوڑے اور ان سے منہ موڑے ہوئے بیٹھا ہے جن سے زیادہ بزرگ اور بلند مرتبہ کوئی نبی نہیں آیا۔ اس وقت جنت کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہیں اور تمام اہل جنت اس نبی کے ساتھیوں کی شانِ جہاد کا منظر دیکھ رہے ہیں اور تیرے اور اس نبی کے درمیان بس ایک گھاٹی کا فاصلہ ہے۔ کاش! تو بھی اس نبی کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ کے لشکروں کا ایک سپاہی بن جاتا۔ چرواہے نے اس گفتگو سے متاثر ہو کر کہا کہ اگر میں یہاں سے چلا گیا تو میری بکریوں کی حفاظت کون کرے گا؟ بھیڑیئے نے جواب دیا کہ تیرے لوٹنے تک میں خود تیری بکریوں کی نگہبانی کروں گا۔ چنانچہ چرواہے نے اپنی بکریوں کو بھیڑیئے کے سپرد کر دیا اور خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور واقعی بھیڑیئے کے کہنے کے مطابق اس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کو جہاد میں مصروف پایا۔ پھر چرواہے نے بھیڑیئے کے کلام کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جاؤ تم اپنی سب بکریوں کو زندہ و سلامت پاؤ گے۔ چنانچہ چرواہا جب لوٹا تو

یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بھیڑیا اس کی بکریوں کی حفاظت کر رہا ہے اور اس کی کوئی بکری بھی ضائع نہیں ہوئی ہے چرواہے نے خوش ہو کر بھیڑیے کے لئے ایک بکری ذبح کر کے پیش کر دی اور بھیڑیا اس کو کھا کر چل دیا۔ (زرقانی جلد ص تا ص)

اعلان ایمان کرنے والی گوہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک اعرابی ناگہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانی محفل کے پاس سے گزرا آپ اپنے اصحاب کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ یہ اعرابی جنگل سے ایک گوہ پکڑ کر لا رہا تھا اعرابی نے آپ کے بارے میں لوگوں سے سوال کیا کہ وہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں۔ اعرابی یہ سن کر آپ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے لات وعزیٰ کی قسم ہے کہ میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک میری یہ گوہ آپ کی نبوت پر ایمان نہ لائے، یہ کہہ کر اس نے گوہ کو آپ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گوہ کو پکارا تو اس نے لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ اتنی بلند آواز سے کہا کہ تمام حاضرین نے سن لیا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تیرا معبود کون ہے؟ گوہ نے جواب دیا کہ میرا معبود وہ ہے کہ اس کا عرش آسمان میں ہے اور اس کی بادشاہی زمین میں ہے اور اس کی رحمت جنت میں ہے اور اس کا عذاب جہنم میں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے گوہ! یہ بتا کہ میں کون ہوں؟ گوہ نے بلند آواز سے کہا کہ آپ رب العالمین کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں جس نے آپ کو سچا مانا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے آپ کو جھٹلایا وہ نامراد ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر اعرابی اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً ہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں جس وقت آپ کے پاس آیا تھا تو میری نظر میں روئے زمین پر آپ سے زیادہ ناپسند کوئی آدمی نہیں تھا لیکن اس وقت میرا یہ حال ہے کہ آپ میرے نزدیک میری اولاد بلکہ میری جان سے بھی زیادہ پیارے ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے لئے حمد ہے جس نے تجھ کو ایسے دین کی ہدایت دی جو ہمیشہ غالب رہے گا اور کبھی مغلوب نہیں ہو گا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کی تعلیم دی۔ اعرابی قرآن کی ان دو سورتوں کو سن کر کہنے لگا کہ میں نے بڑے بڑے فصیح و بلیغ، طویل و مختصر ہر قسم کے کلاموں کو سنا ہے مگر خدا کی قسم! میں نے آج تک اس سے بڑھ کر اور اس سے بہتر کلام کبھی نہیں سنا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ یہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک مفلس انسان ہے تم لوگ اس کی مالی امداد کر دو۔ یہ سن کر بہت سے لوگوں نے اس کو بہت کچھ دیا یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو دس گابھن اونٹنیاں دیں۔ یہ اعرابی تمام مال و سامان کو ساتھ لے کر جب اپنے گھر کی طرف چلا تو راستے میں دیکھا کہ اس کی قوم بنی سلیم کے ایک ہزار سوار نیزہ اور تلوار لئے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے لئے اور کس ارادہ سے چلے ہو؟ سواروں نے جواب دیا کہ ہم لوگ اس شخص سے لڑنے کے لئے جا رہے ہیں جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ نبی ہے اور ہمارے دیوتاؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ یہ سن کر اعرابی نے بلند آواز سے کلمہ پڑھا اور اپنا سارا واقعہ ان سواروں سے بیان کیا۔ ان سواروں نے جب اعرابی کی زبان سے اس کا ایمان افروز بیان سنا تو سب نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا۔ پھر سب کے سب بارگاہِ نبوت

میں حاضر ہوئے تو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قدر تیزی کے ساتھ ان لوگوں کے استقبال کے لئے کھڑے ہوئے کہ آپ کی چادر آپ کے جسم اطہر سے گر پڑی اور یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہوئے اپنی اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم آپ کے ہر حکم کی فرمانبرداری کریں گے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے کے نیچے جہاد کرتے رہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں بنی سلیم کے سوا کوئی قبیلہ بھی ایسا نہیں تھا جس کے ایک ہزار آدمی بہ یک وقت مسلمان ہوئے ہوں۔ اس حدیث کو طبرانی و بیہقی و حاکم و ابن عدی جیسے بڑے بڑے محدثین نے روایت کیا ہے۔ (زرقانی)

حضرت ابو ہریرہ کی تھیلی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کچھ کھجوریں لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ان کھجوروں میں برکت کی دعا فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو اکٹھا کر کے دعاء برکت فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ تم ان کو اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور تم جب چاہو ہاتھ ڈال کر اس میں سے نکالتے رہو لیکن کبھی توشہ دان جھاڑ کر بالکل خالی نہ کر دینا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیس برس تک ان کھجوروں کو کھاتے اور کھلاتے رہے بلکہ کئی من اس میں سے خیرات بھی کر چکے مگر وہ ختم نہ ہوئیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ اس تھیلی کو اپنی کمر سے باندھے رہتے تھے یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن وہ تھیلی ان کی کمر سے کٹ کر کہیں گر گئی۔ (مشکوٰۃ معجزات و ترمذی مناقب ابو ہریرہ)

اس تھیلی کے ضائع ہونے کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمر بھر صدمہ اور افسوس رہا۔ چنانچہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن نہایت رقت انگیز اور درد بھرے لہجہ میں یہ شعر پڑھتے ہوئے چلتے پھرتے تھے کہ

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِیْ هَمَّانِ بَيْنَهُمْ   هَمُّ الْجِرَابِ وَهَمُّ الشَّيْخِ عُثْمَانَا

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

لوگوں کے لئے ایک غم ہے اور میرے لئے دو غم ہیں ایک تھیلی کا غم دوسرے شیخ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم۔

اُم مالک کا کپہ:

حضرت اُم مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک کپہ تھا جس میں وہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ میں گھی بھیجا کرتی تھیں اس کپے میں اتنی عظیم برکتوں کا ظہور رہا کہ جب بھی اُم مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے سالن مانگتے تھے اور گھر میں کوئی سالن نہیں ہوتا تھا تو وہ اس کپے میں سے گھی نکال کر اپنے بیٹوں کو دے دیا کرتی تھیں۔ ایک مدت دراز تک وہ ہمیشہ اس کپے میں سے گھی نکال کر اپنے گھر کا سالن بنایا کرتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے اس کپے کو نچوڑ کر بالکل ہی خالی کر دیا جب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم نے اس کپے کو نچوڑ ڈالا؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں آپ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس کپے کو نہ نچوڑتیں اور یوں ہی چھوڑ دیتیں تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلتا ہی رہتا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ، باب المعجزات)

بابرکت پیالہ:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ بھر کر کھانا تھا، ہم لوگ دس دس آدمی باری باری صبح سے شام تک اس پیالہ میں سے لگاتار کھاتے رہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایک ہی پیالہ تو کھانا تھا تو وہ کہاں سے بڑھتا رہتا تھا؟ (کہ لوگ اس قدر زیادہ تعداد میں دن بھر اس کو کھاتے رہے) تو انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہاں سے (ترمذی، باب ماجاء فی آیات نبوۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

تھوڑا توشہ عظیم برکت:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چودہ سو اشخاص کی جماعت کے ساتھ ایک سفر میں تھے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھوک سے بے تاب ہو کر سواری کی اونٹنیوں کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ تمام لشکر والے اپنا اپنا توشہ ایک دسترخوان پر جمع کریں۔ چنانچہ جس کے پاس جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا تو تمام سامان اتنی جگہ میں آ گیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی لیکن چودہ سو آدمیوں نے اس میں سے شکم سیر ہو کر کھا بھی لیا اور اپنے اپنے توشہ دانوں کو بھی بھر لیا کھانے کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی مانگا، ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو پیالہ میں انڈیل دیا اور اپنا دستِ مبارک اس میں ڈال دیا تو چودہ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔ (مسلم)

برکت والی کلیجی:

ایک سفر میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سو تیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہمراہ تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگوں کے پاس کھانے کا سامان ہے؟ یہ سن کر ایک شخص ایک صاع آٹا لایا اور وہ گوندھا گیا پھر ایک بہت تندرست لمبا چوڑا کافر بکریاں ہانکتا ہوا آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے ایک بکری خریدی اور ذبح کرنے کے بعد اس کی کلیجی کو بھوننے کا حکم دیا پھر ایک سو تیس آدمیوں میں سے ہر ایک کا اس کلیجی میں سے ایک ایک بوٹی کاٹ کر حصہ لگایا، اگر وہ حاضر تھا تو اس کو عطا فرمادیا اور اگر وہ غائب تھا تو اس کا حصہ چھپا کر رکھ دیا، جب گوشت تیار ہوا تو اس میں سے دو پیالہ بھر کر الگ رکھ دیا پھر باقی گوشت اور ایک صاع آٹے کی روٹی سے ایک سو تیس آدمیوں کی جماعت شکم سیر کھا کر آسودہ ہوگئی اور دو پیالہ بھر کر گوشت فاضل بچ گیا جس کو اونٹ پر لاد لیا گیا۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ اور ایک پیالہ دودھ:

ایک دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھوک سے نڈھال ہو کر راستے میں بیٹھ گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سامنے سے گزرے تو ان سے انہوں نے قرآن کی ایک آیت کو دریافت کیا مقصد یہ تھا کہ شاید وہ مجھے اپنے گھر لے جا کر کچھ کھلائیں گے مگر انہوں نے راستہ چلتے ہوئے آیت بتادی اور چلے گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس راستہ سے نکلے ان سے بھی انہوں نے ایک آیت کا مطلب پوچھا غرض وہی تھی کہ وہ کچھ کھلا دیں گے مگر وہ بھی آیت کا مطلب بتا کر چل دیئے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ کو دیکھ کر اپنی خداداد بصیرت سے جان لیا کہ یہ بھوکے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں پکارا، انہوں نے جواب دیا اور ساتھ ہو لئے جب آپ کاشانۂ نبوت میں پہنچے تو گھر میں دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ دیکھا گھر والوں نے آپ کو اس شخص کا نام بتلایا جس نے دودھ کا یہ ہدیہ بھیجا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ جاؤ اور تمام اصحابِ صفہ کو بلا لاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دل میں سوچنے لگے کہ ایک ہی پیالہ تو دودھ ہے اس دودھ کا سب سے زیادہ حق دار تو میں تھا اگر مجھے مل جاتا تو مجھ کو بھوک کی تکلیف سے کچھ راحت مل جاتی اب دیکھئے اصحاب صفہ کے آ جانے کے بعد بھلا اس میں سے کچھ مجھے ملتا ہے یا نہیں؟ ان کے دل میں یہی خیالات چکر لگا رہے تھے مگر اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت سے کوئی چارہ نہ تھا؛ لہٰذا وہ اصحاب صفہ کو بلا کر لے گئے یہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ ایک قطار میں بیٹھ گئے پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ تم خود ہی ان سب لوگوں کو یہ دودھ پلاؤ۔ چنانچہ انہوں نے سب کو پلانا شروع کر دیا جب سب کے سب شکم سیر پی کر سیراب ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست رحمت میں یہ پیالہ لے لیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ اب صرف ہم اور تم باقی رہ گئے ہیں آؤ بیٹھو اور تم پینا شروع کر دو۔ انہوں نے پیٹ بھر دودھ پی کر پیالہ رکھنا چاہا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اور پیو چنانچہ انہوں نے پھر پیا لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار فرماتے رہے کہ اور پیو اور پیو یہاں تک کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اب میرے پیٹ میں بالکل ہی گنجائش نہیں رہی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیالہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جتنا دودھ بچ گیا تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بسم اللہ پڑھ کے پی گئے۔ (بخاری، باب کیف کان عیش النبی)

سانپ کا زہر اُتر گیا:

واقعہ ہجرت میں ہم تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ جب غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں میں سانپ نے کاٹ لیا اور درد و کرب کی شدت سے بے تاب ہو کر رو پڑے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے زخم پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا جس سے فوراً ہی درد جاتا رہا اور سانپ کا زہر اتر گیا۔ (زرقانی علی المواہب)

ٹوٹی ہوئی ٹانگ درست ہو گئی:

بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ابو رافع یہودی کو قتل

کر کے واپس آنے لگے تو اس کے کوٹھے کے زینے سے گر پڑے جس سے ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور ان کے ساتھی ان کو اٹھا کر بارگاہ نبوت میں لائے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی زبان سے ابورافع کے قتل کا سارا واقعہ سنا پھر ان کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر اپنا دستِ مبارک پھیر دیا تو وہ فوراً ہی اچھی ہوگئی اور یہ معلوم ہونے لگا کہ ان کی ٹانگ میں کبھی کوئی چوٹ لگی ہی نہ تھی۔

(بخاری، باب قتل ابی رافع)

تلوار کا زخم اچھا ہوگیا:

غزوۂ خیبر میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا، وہ فوراً ہی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوگئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے زخم پر تین مرتبہ دم کر دیا پھر انہیں درد کی کوئی شکایت محسوس نہیں ہوئی صرف زخم کا نشان رہ گیا تھا۔ (بخاری، غزوۂ خیبر)

اندھا بینا ہوگیا:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک اندھا حاضر ہوا اور اپنی تکالیف بیان کرنے لگا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو میں دعا کر دوں اور اگر چاہو تو صبر کرو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس نے درخواست کی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میری بینائی کے لئے دعا فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ خداوندا! اپنے رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے ترمذی اور حاکم کی روایت میں اتنا ہی مضمون ہے مگر ابن حنبل اور حاکم کی دوسری روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ اس نابینا نے ایسا کیا تو فوراً ہی اچھا ہوگیا اور اس کی آنکھوں پر بھرپور روشنی آگئی۔ (مسند ابن حنبل و مستدرک)

گونگا بولنے لگا:

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ خثعم کی ایک عورت اپنے بچے کو لے کر آئی اور کہنے لگی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ میرا اکلوتا بیٹا بولتا نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا اور اس میں ہاتھ دھو کر کلی فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ یہ پانی اس بچے کو پلا دو اور کچھ اس کے اوپر چھڑک دو۔ دوسرے سال وہ عورت آئی تو اس نے لوگوں سے بیان کیا کہ اس کا لڑکا اچھا ہوگیا اور بولنے لگا۔ (ابن ماجہ، باب النشرہ)

حضرت قتادہ کی آنکھ:

جنگ اُحد میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ میں ایک تیر لگا جس سے ان کی آنکھ ان کے رخسار پر بہ کر آگئی، یہ دوڑ کر حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً ہی اپنے دست مبارک سے ان کی بہی ہوئی آنکھ کو آنکھ کے حلقہ میں رکھ کر اپنا مقدس ہاتھ اس پر پھیر دیا تو اسی وقت ان کی آنکھ اچھی ہوگئی اور یہ آنکھ

ان کی دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور روشن رہی۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تمہاری آنکھ کو تمہارے حلقہ چشم میں رکھ دوں اور وہ اچھی ہو جائے اور اگر تم چاہو تو صبر کرو اور تمہیں اس کے بدلے پر جنت ملے گی۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جنت بلاشبہ بہت ہی بڑی نعمت ہے مگر مجھے کانا ہونا بہت برا معلوم ہوتا ہے اس لئے آپ میری آنکھ اچھی کر دیجئے اور میرے لئے جنت کی دعا بھی فرما دیجئے۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے اس جاں نثار پر پیار آ گیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ کو حلقہ چشم میں رکھ کر ہاتھ پھیر دیا تو ان کی آنکھ بھی اچھی ہو گئی اور ان کے لئے جنتی ہونے کی دعا بھی فرما دی اور یہ دونوں نعمتوں سے سرفراز ہو گئے۔ (الکلام المبین بحوالہ بیہقی)

جنون اچھا ہو گیا:

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تین معجزات دیکھے۔ پہلا معجزہ یہ کہ ایک اونٹ کو دیکھا کہ اس نے بلبلا کر اپنی گردن آپ کے سامنے ڈال دی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس اونٹ کے مالک کو بلایا اور اس سے فرمایا کہ اس اونٹ نے کام کی زیادتی اور خوراک کی کمی کا مجھ سے شکوہ کیا ہے لہٰذا تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہو۔

دوسرا معجزہ یہ کہ ایک منزل میں آپ سو رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک درخت چل کر آیا اور آپ کو ڈھانپ لیا پھر لوٹ کر اپنی جگہ پر چلا گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے اور میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس درخت نے اپنے رب سے اجازت طلب کی تھی کہ وہ مجھے سلام کرے تو خدا نے اس کو اجازت دے دی اور وہ میرے سلام کے لئے آیا تھا۔

تیسرا معجزہ یہ کہ ایک عورت اپنے بچے کو لے کر آئی جو جنون کا مریض تھا تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بچے کے نتھنے کو پکڑ کر فرمایا کہ نکل جا کیونکہ میں محمد رسول اللہ ہوں پھر ہم وہاں سے چل پڑے اور جب واپسی میں ہم اس جگہ پہنچے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عورت سے اس کے بچے کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد سے اس بچے کو کوئی تکلیف ہوتے ہوئے ہم نے نہیں دیکھا۔ (مشکوٰۃ، معجزات)

جلا ہوا بچہ اچھا ہو گیا:

محمد بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں یہ بچپن میں اپنی ماں کی گود سے آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے، ان کی ماں ان کو لے کر خدمت اقدس میں آئیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ان پر مل کر دعا فرما دی۔ محمد بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں کہتی تھیں کہ میں بچے کو لے کر وہاں سے اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچے کا زخم بالکل ہی اچھا ہو گیا۔

(مسند ابن حنبل و خصائص کبریٰ)

مرض نسیان دور ہوگیا:

تغیر الفاظ اور چند جملوں کی کمی بیشی کے ساتھ بخاری شریف کی متعدد روایتوں میں اس معجزہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلاؤ۔ انہوں نے پھیلایا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس چادر پر ڈالا پھر فرمایا کہ اب اس کو سمیٹ لو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد سے پھر میں کوئی بات نہیں بھولا۔ (بخاری شریف، باب حفظ العلم)

برکت اولاد کی دعا:

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی ہوشمند اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نہایت ہی جاں نثار تھیں ان کا بچہ بیمار ہوگیا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر سے باہر ہی تھے کہ بچے کا انتقال ہوگیا۔ حضرت اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچے کو الگ مکان میں لٹا دیا اور جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکان میں داخل ہوئے اور بیوی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ اس کا سانس ٹھہر گیا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ وہ آرام پا گیا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سمجھا کہ وہ اچھا ہے۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی ایک ہی بستر پر سوئے لیکن صبح کو جب ابوطلحہ غسل کر کے مسجد نبوی میں نماز فجر کے لئے جانے لگے تو بیوی نے بچے کی موت کا حال سنا دیا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رات کا سارا ماجرا بارگاہ نبوت میں عرض کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ خداوند تعالیٰ تمہاری آج کی رات میں برکت عطا فرمائے گا۔ چنانچہ اس رات کی برکت مقررہ مہینوں کے بعد ظاہر ہوئی کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں بٹھا کر اور عجوہ کھجور کو چبا کر ان کے منہ میں ڈالا اور ان کے چہرے پر اپنا دست رحمت پھرا دیا اور عبداللہ نام رکھا۔

ایک انصاری حضرت عبایہ بن رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ دعاءِ نبوی کی برکت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نو اولادوں کو دیکھا جو سب کے سب قرآن مجید کے قاری تھے۔ (مسلم)

انگشت مبارک کی نہریں:

احادیث کی تلاش وجستجو سے پتا چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے تقریباً تیرہ مواقع پر پانی کی نہریں جاری ہوئیں۔ ان میں سے صرف ایک موقع کا ذکر یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔

۶ھ میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمرہ کا ارادہ کر کے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے میدان میں اتر پڑے۔ آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے حدیبیہ کا کنواں خشک ہوگیا اور حاضرین پانی کے ایک ایک قطرہ کے لئے محتاج ہوگئے۔ اس وقت رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دریائے رحمت میں جوش آ گیا اور آپ نے ایک بڑے پیالے میں اپنا دستِ مبارک رکھ دیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے اس طرح پانی کی نہریں جاری ہوگئیں کہ پندرہ سو کا لشکر

سیراب ہوگیا۔لوگوں نے وضو وغسل بھی کیا جانوروں کو بھی پلایا تمام مشکوں اور برتنوں کو بھی بھرلیا۔پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیالہ میں سے دست مبارک کو اٹھالیا اور پانی ختم ہوگیا۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اس وقت تم لوگ کتنے آدمی تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ پندرہ سو کی تعداد میں تھے مگر پانی اس قدر زیادہ تھا کہ لَوْ کُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَکَفَانَا ۔

(مشکوۃ باب المعجزات)

اگر ہم لوگ ایک لاکھ بھی ہوتے تو سب کو یہ پانی کافی ہوجاتا۔یہ حدیث بخاری شریف میں بھی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ حضرت انس و حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایتوں سے بھی انگلیوں سے پانی کی نہریں جاری ہونے کی حدیثیں مروی ہیں ملاحظہ فرمایئے۔(بخاری،علامات النبوۃ)

سبحان اللہ! اسی حسین منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ۔

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ندیاں پنج آب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

زمین نے لاش کو ٹھکرادیا:

ایک نصرانی مسلمان ہوکر دربار نبوت میں رہنے لگا سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھ چکا تھا۔خوشخط کاتب تھا اس لئے اس کو وحی لکھنے کی خدمت سپرد کردی گئی۔مگر یہ بدنصیب پھر کافر و مرتد ہوکر کفار سے جاملا اور کہنے لگا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا میں ان کو لکھ کردے دیا کرتا تھا۔قہر الٰہی نے اس گستاخ کو اپنی گرفت میں پکڑلیا اور یہ مرگیا۔نصرانیوں نے اس کو دفن کیا مگر زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا،نصرانیوں نے گہری قبر کھود کر تین مرتبہ اس کو دفن کیا مگر ہر مرتبہ زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔چنانچہ نصرانیوں نے بھی اس بات کا یقین کرلیا کہ اسکی لاش کو زمین کے باہر نکال پھینکنا یہ کسی انسان کا کام نہیں ہے اس لئے ان لوگوں نے اس کی لاش کو زمین پر ڈال دیا۔(بخاری،علامات النبوۃ)

قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے بارش ہونے کا واقعہ

مشہور تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ابوالجوزاء کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ خشک سالی کی وجہ سے، مدینہ والے سخت قحط میں مبتلا ہوگئے تو انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں کا ذکر کیا (تاکہ وہ بارش کی دعا کریں اور کوئی تدبیر بتائیں) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: ایسا کرو تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر رجوع کرو اور حجرہ کی چھت میں سے کچھ سوراخ آسمان کی طرف اس طرح کھول کہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے چنانچہ لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کہنے کے مطابق عمل کیا اور پھر جو بارش ہوئی ہے تو ہرا چارہ بھی اتنا نکلا کہ (خوب کھا کھا کر) اونٹ فربہ ہوگئے یہاں تک کہ چربی کی زیادتی سے ان کی کوکھیں پھول گئیں، اور اس سال کا نام ہی "فتق کا سال" پڑ گیا۔(سنن دارمی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 540)

یہودیوں کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دینے کا واقعہ

فتح کے بعد چند روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیبر میں ٹھہرے یہودیوں کو مکمل امن و امان عطا فرمایا اور قسم قسم کی نوازشوں سے نوازا، مگر اس بد باطن قوم کی فطرت میں اس قدر خباثت بھری ہوئی تھی کہ سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی اور گوشت میں زہر ملا دیا۔ خدا کے حکم سے گوشت کی بوٹی نے آپ کو زہر کی خبر دی اور آپ نے ایک ہی لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ لیکن ایک صحابی حضرت بشیر بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکم سیر کھالیا اور زہر کے اثر سے ان کی شہادت ہوگئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس زہریلے لقمہ سے عمر بھر تالو میں تکلیف رہی۔ آپ نے جب یہودیوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو ان ظالموں نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا اور کہا کہ ہم نے اس نیت سے آپ کو زہر کھلایا کہ اگر آپ سچے نبی ہوں گے تو آپ پر اس زہر کا کوئی اثر نہیں ہوگا ورنہ ہم کو آپ سے نجات مل جائے گی۔ آپ نے اپنی ذات کے لئے تو کبھی کسی سے انتقام لیا ہی نہیں اس لئے آپ نے زینب سے کچھ بھی نہیں فرمایا مگر جب حضرت بشیر بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی زہر سے وفات ہوگئی تو ان کے قصاص میں زینب قتل کی گئی۔ (بخاری ج 2 ص 242، مدارج جلد 2 ص 251)

طلب معجزہ کے باوجود نہ ماننے پر نزول عذاب کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافروں نے آپ سے کہا کہ حضرت آپ کے پہلے کے انبیاء میں سے بعض کے تابع ہوا تھی، بعض مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے، وغیرہ۔ اب اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم بھی آپ پر ایمان لائیں تو آپ اس صفا پہاڑ کو سونے کا کر دیجئے، ہم آپ کی سچائی کے قائل ہو جائیں گے۔ آپ پر وحی آئی کہ اگر آپ کی بھی یہی خواہش ہو تو میں اس پہاڑ کو ابھی سونے کا بنا دیتا ہوں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ اگر پھر بھی یہ ایمان نہ لائے تو اب انہیں مہلت نہ ملے گی، فی الفور عذاب آ جائے گا اور تباہ کر دئے جائیں گے۔ اور اگر آپ کو انہیں تاخیر دینے اور سوچنے کا موقع دینا منظور ہے تو میں ایسا کروں۔ آپ نے فرمایا اے اللہ میں انہیں باقی رکھنے میں ہی خوش ہوں۔

مسند میں اتنا اور بھی ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ باقی کی اور پہاڑیاں یہاں سے کھسک جائیں تاکہ ہم یہاں کھیتی باڑی کر سکیں۔ الخ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے دعا مانگی، جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو صبح کو ہی یہ پہاڑ سونے کا ہو جائے لیکن اگر پھر بھی ان میں سے کوئی ایمان نہ لایا تو اسے وہ سزا ہوگی جو اس سے پہلے کسی کو نہ ہوئی ہو اور اگر آپ کا ارادہ ہو تو میں ان پر توبہ اور رحمت کے دروازے کھلے چھوڑوں۔ آپ نے دوسری شق اختیار کی۔

مسند ابو یعلی میں ہے کہ آیت (وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ۲۱۴) 26-الشعراء : 214) جب اتری تو تعمیل ارشاد کے لئے جبل ابی قبیس پر چڑھ گئے اور فرمانے لگے اے بنی عبد مناف میں تمہیں ڈرانے والا ہوں۔ قریش یہ آواز سنتے ہی جمع ہو گئے پھر کہنے لگے سنئے آپ نبوت کے مدعی ہیں۔ سلیمان نبی علیہ السلام کے تابع ہوا تھی، موسیٰ نبی علیہ السلام کے تابع دریا ہو گیا تھا، عیسیٰ

نبی علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ تو بھی نبی ہے اللہ سے کہہ کہ یہ پہاڑ یہاں سے ہٹوا کر زمین قابل زراعت بنا دے تا کہ ہم کھیتی باڑی کریں۔ یہ نہیں تو ہمارے مردوں کی زندگی کی دعا اللہ سے کر کہ ہم اور وہ مل کر بیٹھیں اور ان سے باتیں کریں۔ یہ بھی نہیں تو اس پہاڑ کو سونے کا بنوا دے کہ ہم جاڑے اور گرمیوں کے سفر سے نجات پائیں اسی وقت آپ پر وحی اترنی شروع ہوگئی اس کے خاتمے پر آپ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم نے جو کچھ مجھ سے طلب کیا تھا مجھے اس کے ہو جانے میں اور اس بات میں کہ دروازہ رحمت میں چلے جاؤ، اختیار دیا گیا کہ ایمان اسلام کے بعد تم رحمت الٰہی سمیٹ لو یا تم یہ نشانات دیکھ لو لیکن پھر نہ مانو تو گمراہ ہو جاؤ اور رحمت کے دروازے تم پر بند ہو جائیں تو میں تو ڈر گیا اور میں نے در رحمت کا کھلا ہونا ہی پسند کیا۔ کیونکہ دوسری صورت میں تمہارے ایمان نہ لانے پر تم پر وہ عذاب اترتے جو تم سے پہلے کسی پر نہ اترے ہوں۔

اس پر یہ آیتیں اتریں۔ اور آیت (وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى 31 13-الرعد:31) ، نازل ہوئی یعنی آیتوں کے بھیجنے اور منہ مانگے معجزوں کے دکھانے سے ہم عاجز تو نہیں بلکہ یہ ہم پر بہت آسان ہے جو تیری قوم چاہتی ہے، ہم انہیں دکھا دیتے لیکن اس صورت میں ان کے نہ ماننے پر پھر ہمارے عذاب نہ رکتے۔ اگلوں کو دیکھ لو کہ اسی میں برباد ہوئے۔ چنانچہ سورہ مائدہ میں ہے کہ میں تم پر دستر خوان اتار رہا ہوں لیکن اس کے بعد جو کفر کرے گا اسے ایسی سزا دی جائے گی جو اس سے پہلے کسی کو نہ ہوئی ہو۔ ثمودیوں کو دیکھو کہ انہوں نے ایک خاص پتھر میں اسے اونٹنی کا نکلنا طلب کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی دعا پر وہ نکلی لیکن وہ نہ مانے بلکہ اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں، رسول کو جھٹلاتے رہے، جس پر انہیں تین دن کی مہلت ملی اور آخر غارت کر دیئے گئے۔ ان کی یہ اونٹنی بھی اللہ کی وحدانیت کی ایک نشانی تھی اور اس کے رسول کی صداقت کی علامت تھی۔ لیکن ان لوگوں نے پھر بھی کفر کیا، اس کا پانی بند کیا بالآخر اسے قتل کر دیا، جس کی پاداش میں سب مار ڈالے گئے اور اللہ زبردست کی پکڑ میں آگئے، آیتیں صرف دھمکانے کے لئے ہوتی ہیں کہ وہ عبرت و نصیحت حاصل کریں۔

مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کوفے میں زلزلہ آیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم اس کی جانب جھکو، تمہیں فوراً اس کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مدینہ شریف میں کئی بار جھٹکے محسوس ہوئے تو آپ نے فرمایا واللہ تم نے ضرور کوئی نئی بات کی ہے، دیکھو اگر اب ایسا ہوا تو میں تمہیں سخت سزائیں دونگا۔ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا سورج چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان میں کسی کی موت و حیات سے گرہن نہیں لگتا بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے بندوں کو خوفزدہ کر دیتا ہے، جب تم یہ دیکھو تو ذکر اللہ دعا اور استغفار کی طرف جھک پڑو۔ اے امت محمد! واللہ، اللہ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں کہ اس کے لونڈی غلام زنا کاری کریں۔ اے امت محمد واللہ جو میں جانتا ہوں، اگر تم جانتے تو بہت کم ہنستے زیادہ روتے۔

وفات اقدس:

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس عالم میں تشریف لانا صرف اس لئے تھا کہ آپ خدا کے آخری اور قطعی پیغام

یعنی دین اسلام کے احکام اُس کے بندوں تک پہنچا دیں اور خدا کی حجت تمام فرمادیں۔ اس کام کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیونکر انجام دیا؟ اور اس میں آپ کو کتنی کامیابی حاصل ہوئی؟ اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ جب سے یہ دنیا عالمِ وجود میں آئی ہزاروں انبیاء ورُسل علیہم السلام اس عظیم الشان کام کو انجام دینے کے لئے اس عالم میں تشریف لائے مگر تمام انبیاء ومرسلین کے تبلیغی کارناموں کو اگر جمع کرلیا جائے تو وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تبلیغی شاہکاروں کے مقابلہ میں ایسے ہی نظر آئیں گے جیسے آفتاب عالم تاب کے مقابلہ میں ایک چراغ یا ایک صحرا کے مقابلہ میں ایک ذرہ یا ایک سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ نے عالم میں ایسا انقلاب پیدا کردیا کہ کائناتِ ہستی کی ہر پستی کو معراجِ کمال کی سربلندی عطا فرما کر ذلت کی زمین کو عزت کا آسمان بنادیا اور دینِ حنیف کے اس مقدس اور نورانی محل کو جس کی تعمیر کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء ورسل معمار بنا کر بھیجے جاتے رہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کی شان سے اس قصرِ ہدایت کو اس طرح مکمل فرمادیا کہ حضرت حق جل جلالہ نے اس پر اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی مہر لگادی۔

جب دین اسلام مکمل ہو چکا اور دنیا میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا مقصد پورا ہو چکا تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ محکم اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ کے پورا ہونے کا وقت آ گیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی وفات کا علم:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت پہلے سے اپنی وفات کا علم حاصل ہو گیا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر لوگوں کو اس کی خبر بھی دے دی تھی۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے لوگوں کو یہ فرما کر رخصت فرمایا تھا: شاید اس کے بعد میں تمہارے ساتھ حج نہ کرسکوں گا۔

اسی طرح غدیرِ خم کے خطبہ میں اسی انداز سے کچھ اسی قسم کے الفاظ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے ادا ہوئے تھے اگرچہ ان دونوں خطبات میں لفظ لعل (شاید) فرما کر ذرا پردہ ڈالتے ہوئے اپنی وفات کی خبر دی مگر حجۃ الوداع سے واپس آ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو خطبات ارشاد فرمائے اس میں لَعَلَّ (شاید) کا لفظ آپ نے نہیں فرمایا بلکہ صاف صاف اور یقین کے ساتھ اپنی وفات کی خبر سے لوگوں کو آگاہ فرمادیا۔

چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے اور شہداء احد کی قبروں پر اس طرح نماز پڑھی جیسے میت پر نماز پڑھی جاتی ہے پھر پلٹ کر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہارا پیش رو (تم سے پہلے وفات پانے والا) ہوں اور تمہارا گواہ ہوں اور میں خدا کی قسم! اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں۔ (بخاری کتاب الحوض)

اس حدیث میں اِنِّیْ فَرَطٌ لَّکُمْ فرمایا یعنی میں اب تم لوگوں سے پہلے ہی وفات پا کر جا رہا ہوں تا کہ وہاں جا کر تم لوگوں کے حوض کوثر وغیرہ کا انتظام کروں۔

یہ قصہ مرض وفات شروع ہونے سے پہلے کا ہے لیکن اس قصہ کو بیان فرمانے کے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسکا یقینی علم حاصل ہو چکا تھا کہ میں کب اور کس وقت دنیا سے جانے والا ہوں اور مرض وفات شروع ہونے کے بعد تو اپنی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو صاف صاف لفظوں میں بغیر شاید کا لفظ فرماتے ہوئے اپنی وفات کی خبر دے دی۔

تجہیز و تکفین:

چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصیت فرمادی تھی کہ میری تجہیز و تکفین میرے اہل بیت اور اہل خاندان کریں۔ اس لئے یہ خدمت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاندان ہی کے لوگوں نے انجام دی۔ چنانچہ حضرت فضل بن عباس و حضرت قثم بن عباس و حضرت علی و حضرت عباس و حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مل جل کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غسل دیا اور ناف مبارک اور پلکوں پر جو پانی کے قطرات اور تری جمع تھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوش محبت اور فرط عقیدت سے اس کو زبان سے چاٹ کر پی لیا۔ (مدارج النبوۃ)

غسل کے بعد تین سوتی کپڑوں کا جو سحول گاؤں کے بنے ہوئے تھے کفن بنایا گیا ان میں قمیص و عمامہ نہ تھا۔ (بخاری)

نماز جنازہ:

جنازہ تیار ہوا تو لوگ نماز جنازہ کے لئے ٹوٹ پڑے۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ جنازہ مبارکہ حجرہ مقدسہ کے اندر ہی تھا۔ باری باری سے تھوڑے تھوڑے لوگ اندر جاتے تھے اور نماز پڑھ کر چلے آتے تھے لیکن کوئی امام نہ تھا۔ (مدارج النبوت)

قبر انور:

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبر شریف تیار کی جو بغلی تھی۔ جسم اطہر کو حضرت علی و حضرت فضل بن عباس و حضرت عباس و حضرت قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قبر منور میں اتارا۔ (مدارج النبوۃ)

لیکن ابوداؤد کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُسامہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی قبر میں اترے تھے۔ (ابوداؤد)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہ اختلاف رونما ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے کچھ لوگوں نے کہا کہ مسجد نبوی میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مدفن ہونا چاہیے اور کچھ نے یہ رائے دی کہ آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ ہر نبی اپنی وفات کے بعد اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جس جگہ اس کی وفات ہوئی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو سن کر لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بچھونے کو اٹھایا اور اسی جگہ (حجرۂ عائشہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا) میں آپ کی قبر تیار کی اور آپ اسی میں مدفون ہوئے۔(ابن ماجہ ص باب ذکر وفاتہ)
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غسل شریف اور تجہیز و تکفین کی سعادت میں حصہ لینے کے لئے ظاہر ہے کہ شمع نبوت کے پروانے کس قدر بے قرار رہے ہوں گے؟ مگر جیسا کہ ہم تحریر کر چکے کہ چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ہی یہ وصیت فرمادی تھی کہ میرے غسل اور تجہیز و تکفین میرے اہل بیت ہی کریں۔ پھر امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بحیثیت امیر المؤمنین ہونے کے یہی حکم دیا کہ یہ اہل بیت ہی کا حق ہے اس لئے حضرت عباس اور اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کواڑ بند کر کے غسل دیا اور کفن پہنایا مگر شروع سے آخر تک خود حضرت امیر المؤمنین اور دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حجرہ مقدسہ کے باہر حاضر رہے۔(مدارج النبوۃ)

نامہ مبارک اور قیصر:

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقدس خط لے کر بصریٰ تشریف لے گئے اور وہاں قیصر روم کے گورنر شام حارث غسانی کو دیا۔ اس نے اس نامہ مبارک کو بیت المقدس بھیج دیا۔ کیونکہ قیصر روم ہرقل ان دنوں بیت المقدس کے دورہ پر آیا ہوا تھا۔ قیصر کو جب یہ مبارک خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ قریش کا کوئی آدمی ملے تو اس کو ہمارے دربار میں حاضر کرو۔ قیصر کے حکام نے تلاش کیا تو اتفاق سے ابوسفیان اور عرب کے کچھ دوسرے تاجر مل گئے۔ یہ سب لوگ قیصر کے دربار میں لائے گئے۔ قیصر نے بڑے طمطراق کے ساتھ دربار منعقد کیا اور تاج شاہی پہن کر تخت پر بیٹھا۔ اور تخت کے گرد ارکین سلطنت، بطارقہ اور احبار و رہبان وغیرہ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اسی حالت میں عرب کے تاجروں کا گروہ دربار میں حاضر کیا گیا اور شاہی محل کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے۔ پھر قیصر نے ترجمان کو بلایا اور اس کے ذریعہ گفتگو شروع کی۔ سب سے پہلے قیصر نے یہ سوال کیا کہ عرب میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم میں سے ان کا سب سے قریبی رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں قیصر نے ان کو سب سے آگے کیا اور دوسرے عربوں کو ان کے پیچھے کھڑا کیا اور کہا کہ دیکھو! اگر ابوسفیان کوئی غلط بات کہے تو تم لوگ اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا۔

قیصر روم کا حقانیت پر مبنی تبصرہ

اس سوال و جواب کے بعد قیصر نے کہا کہ تم نے ان کو خاندانی شریف بتایا اور تمام پیغمبروں کا یہی حال ہے۔ کہ ہمیشہ پیغمبر اچھے خاندانوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ ان کے خاندان میں کبھی کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ شخص اوروں کی نقل اتار رہا ہے۔ تم نے اقرار کیا ہے کہ ان کے خاندان میں کبھی کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہے، اگر یہ بات ہوتی تو میں سمجھ لیتا کہ یہ شخص اپنے آباؤ اجداد کی بادشاہی کا طلبگار ہے۔ تم مانتے ہو کہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے وہ کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولے تو جو شخص انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا بھلا وہ خدا پر کیوں کر جھوٹ باندھ سکتا ہے؟ تم کہتے ہو کہ کمزور لوگوں نے ان کے دین کو قبول کیا ہے۔ تو سن لو ہمیشہ ابتداء میں پیغمبروں کے متبعین مفلس اور کمزور ہی لوگ ہوتے رہے ہیں۔ تم نے یہ تسلیم کیا

ہے کہ ان کی پیروی کرنے والے بڑھتے ہی جا رہے ہیں تو ایمان کا معاملہ ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے کہ اس کے ماننے والوں کی تعداد ہمیشہ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ تم کو یہ تسلیم ہے کہ کوئی ان کے دین سے پھر کر مرتد نہیں ہو رہا ہے۔ تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ایمان کی شان ایسی ہی ہوا کرتی ہے کہ جب اس کی لذت کسی کے دل میں گھر کر لیتی ہے تو پھر وہ کبھی نکل نہیں سکتی۔ تمہیں اس کا اعتراف ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی غداری اور بدعہدی نہیں کی ہے۔ تو رسولوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ کبھی کوئی دغا فریب کا کام کرتے ہی نہیں۔ تم نے ہمیں بتایا کہ وہ خدائے واحد کی عبادت، شرک سے پرہیز، بت پرستی سے ممانعت، پاک دامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ تو سن لو کہ تم نے جو کچھ کہا ہے اگر یہ صحیح ہے۔ تو وہ عنقریب اس جگہ کے مالک ہو جائیں گے جہاں اس وقت میرے قدم ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ ایک رسول کا ظہور ہونے والا ہے مگر میرا یہ گمان نہیں تھا کہ وہ رسول تم عربوں میں سے ہوگا۔ اگر میں یہ جان لیتا کہ میں ان کی بارگاہ میں پہنچ سکوں گا تو میں تکلیف اٹھا کر وہاں تک پہنچتا۔ اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو میں ان کا پاؤں دھوتا۔ قیصر نے اپنی اس تقریر کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خط پڑھ کر سنایا جائے۔ نامہ مبارک کی عبارت یہ تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد عبداللہ و رسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فانی علیک اثمہ الاریسین یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون ۔

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا۔ اللہ کے بندے اور رسول محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا بادشاہ ہے۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو مسلمان ہو جا تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دوگنا ثواب دے گا اور اگر تو نے روگردانی کی تو تیری تمام رعایا کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو خدا نہ بنائیں اور اگر تم نہیں مانتے تو گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان ہیں!

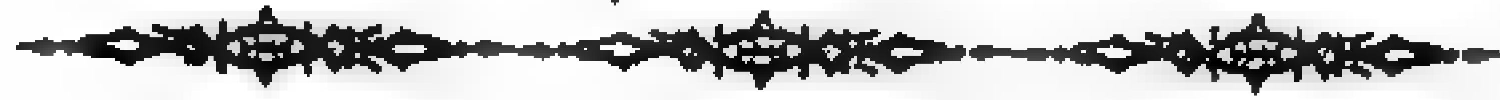
قیصر روم کے درباریوں کا ردعمل کا واقعہ

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی اس سے اس کے درباری پہلے ہی انتہائی برہم اور بیزار ہو چکے تھے۔ اب یہ خط سنا۔ پھر جب قیصر نے ان لوگوں سے یہ کہا کہ اے جماعت روم! اگر تم اپنی فلاح اور اپنی بادشاہی کی بقا چاہتے ہو تو اس نبی کی بیعت کر لو۔ تو درباریوں میں اس قدر ناراضگی اور بیزاری پھیل گئی کہ وہ لوگ جنگلی گدھوں کی طرح بدک بدک کر دربار سے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ مگر چونکہ تمام دروازے بند تھے اس لئے وہ لوگ باہر نہ نکل سکے۔ جب قیصر نے اپنے درباریوں کی نفرت کا یہ منظر دیکھا تو وہ ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا اور اس نے کہا کہ ان درباریوں کو بلاؤ جب سب آ گئے تو قیصر نے کہا کہ ابھی ابھی

میں نے تمہارے سامنے جو کچھ کہا۔ اس سے میرا مقصد تمہارے دین کی پختگی کا امتحان لینا تھا تو میں نے دیکھ لیا کہ تم لوگ اپنے دین میں بہت پکے ہو۔ یہ سن کر تمام درباری قیصر کے سامنے سجدہ میں گر پڑے اور ابوسفیان وغیرہ دربار سے نکال دیئے گئے۔ اور دربار برخواست ہو گیا۔ چلتے وقت ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب یقیناً ابو کبشہ کے بیٹے (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا معاملہ بہت بڑھ گیا۔ دیکھ لو۔ رومیوں کا بادشاہ ان سے ڈر رہا ہے۔

(بخاری باب کیف کان بدء الوحی ج 1 ص 4 تا 5 و مسلم ج 2 ص 97 تا 99، و مدارج ج 2 ص 221)

قیصر چونکہ توراۃ و انجیل کا ماہر اور علم نجوم سے واقف تھا اس لئے وہ نبی آخر الزماں کے ظہور سے باخبر تھا اور ابوسفیان کی زبان سے حالات سن کر اس کے دل میں ہدایت کا چراغ روشن ہو گیا تھا۔ مگر سلطنت کی حرص و ہوس کی آندھیوں نے اس چراغ کو بجھا دیا اور وہ ہدایت سے محروم رہ گیا۔



انبیائے کرام کے گستاخوں کے قتل کے واقعات

ابولہب کی عبرتناک موت:

ابولہب جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکا۔ جب کفار قریش شکست کھا کر مکہ واپس آئے تو لوگوں کی زبانی جنگ بدر کے حالات سن کر ابولہب کو انتہائی رنج و ملال ہوا۔ اس کے بعد ہی وہ بڑی چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو گیا جس سے اس کا تمام بدن سڑ گیا اور آٹھویں دن مر گیا۔ عرب کے لوگ چیچک سے بہت ڈرتے تھے اور اس بیماری میں مرنے والے کو بہت ہی منحوس سمجھتے تھے اس لیے اس کے بیٹوں نے بھی تین دن تک اس کی لاش کو ہاتھ نہیں لگایا مگر اس خیال سے کہ لوگ طعنہ ماریں گے ایک گڑھا کھود کر لکڑیوں سے دھکیلتے ہوئے لے گئے اور اس گڑھے میں لاش کو گرا کر اوپر سے مٹی ڈال دی اور بعض مورخین نے تحریر فرمایا کہ دور سے لوگوں نے اس گڑھے میں اس قدر پتھر پھینکے کہ ان پتھروں سے اس کی لاش چھپ گئی۔ (زرقانی ج ۱ ص ۲۵۳)

کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذاء پہنچائی ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ پسند کریں گے کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے عرض کیا پھر مجھے تعریض کہنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا: کہہ لینا، پس وہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور اس سے باتیں کیں اور اپنا اور حضور کا فرضی معاملہ بیان کیا۔ اور کہا یہ شخص ہم سے صدقات لیتا ہے اور اس نے ہم کو اس تختی میں ڈال رکھا ہے۔ جب کعب نے یہ سنا تو کہا خدا کی قسم! ابھی تو تم کو اور مصیبت پڑے گی۔

حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا ہم اس کی اتباع کر چکے ہیں اب ہمیں اس کو چھوڑنا برا معلوم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ دیکھ لیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے قرض دو۔ کعب نے کہا تم میرے پاس کیا رہن رکھو گے؟ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا جو تم چاہو۔ کعب بن اشرف نے کہا کہ تم اپنی عورتیں میرے پاس رہن رکھو۔ حضرت ابن مسلمہ نے کہا تم عرب کے حسین ترین شخص ہو۔ ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں کیسے گروی رکھ سکتے ہیں۔ کعب نے کہا پھر اپنے بچے گروی رکھ دو۔

حضرت ابن مسلمہ نے کہا پھر ہمارے بچوں کو یہ گالی دی جائے گی۔ کہ یہ تو دو، وسق کھجور کے بدلے گروی رکھا گیا تھا۔ البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس گروی رکھ دیں گے کعب نے کہا اچھا، حضرت ابن مسلمہ نے کعب سے وعدہ کیا۔ کہ حارث، ابوعبس بن جبیر اور عباد بن بشر کو لیکر تمہارے پاس آؤں گا، لہٰذا یہ لوگ اس کے پاس گئے اور رات کے وقت اسے بلایا کعب ان کی طرف جانے لگا اس کی بیوی نے کہا

مجھے ایسی آواز آرہی ہے جیسے خون کی آواز ہو یہ محمد بن مسلمہ اور اس کا رضاعی بھائی اور ابو نائلہ ہے اور معزز آدمی کو اگر رات کے وقت بھی نیزہ بازی کیلئے بلایا جائے تو وہ چلا جاتا ہے۔

اُدھر محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ دیا تھا کہ جب کعب آئے گا تو میں اپنا ہاتھ اس کے سر کی طرف بڑھاؤں گا جب میں اس پر قابو پاؤں تو تم اس وقت اس پر حملہ کر دینا۔ جب کعب نیچے اُترا۔ تو وہ سر کو چادر سے چھپائے ہوئے تھا، ان لوگوں نے کہا آپ سے تو خوشبو کی مہک آرہی ہے اس نے کہاہاں میرے پاس فلاں عورت ہے جو عرب کی سب سے معطر عورت ہے حضرت ابن مسلمہ نے کہا کیا آپ مجھے یہ خوشبو سونگھنے کی اجازت دیں گے کعب نے کہاہاں سونگھ لو۔ حضرت ابن مسلمہ نے اس کا سر سونگھا پھر کہا کیا آپ مجھے دوبارہ سر سونگھنے کی اجازت دیں گے اور پھر اس کا سر مضبوطی سے پکڑ لیا اور ساتھیوں سے کہا حملہ کرو اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

(صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۱۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا قتل ہے۔ کہ اسے فوری طور پر قتل کر دیا جائے گا۔

توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتکب کی سزا

محمد بن سحنون کہتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنے والا اور آپ کی شان میں کمی کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے جو شخص اس کے عذاب میں اور کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (الشفاء ج ۲، ص ۱۹۰، عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

ابورافع گستاخ کے قتل کا واقعہ

سن 6ھ کے واقعات میں سے ابورافع یہودی کا قتل بھی ہے۔ ابورافع یہودی کا نام عبداللہ بن ابی الحقیق یا سلام بن الحقیق تھا۔ یہ بہت ہی دولت مند تاجر تھا لیکن اسلام کا زبردست دشمن اور بارگاہ نبوت کی شان میں نہایت ہی بدترین گستاخ اور بے ادب تھا۔ یہ وہی شخص ہے جو حیی بن اخطب یہودی کے ساتھ مکہ گیا اور کفار قریش اور دوسرے قبائل کو جوش دلا کر غزوہ خندق میں مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے دس ہزار کی فوج لیکر آیا تھا۔ اور ابوسفیان کو ابھار کر اسی نے اس فوج کا سپہ سالار بنایا تھا۔ حیی بن اخطب تو جنگ خندق کے بعد غزوہ بنی قریظہ میں مارا گیا تھا مگر یہ بچ نکلا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں تن، من، دھن سے لگا ہوا تھا۔

انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج میں ہمیشہ مقابلہ رہتا تھا اور یہ دونوں اکثر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ چونکہ قبیلہ اوس کے لوگوں حضرت محمد بن مسلمہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے 3ھ میں بڑے خطرہ میں پڑ کر ایک دشمن رسول کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا تھا۔ اس لئے قبیلہ خزرج کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن ابورافع رہ گیا ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کو چاہیئے کہ

اس کو قتل کر ڈالیں تا کہ ہم لوگ بھی قبیلہ اوس کی طرح ایک دشمن رسول کو قتل کرنے کا اجر وثواب حاصل کر لیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عتیک وعبداللہ بن انیس وابوقتادہ وحارث بن ربعی ومسعود بن سنان وخزاعی بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس جماعت کا امیر مقرر فرمادیا۔ اوران لوگوں کو منع کر دیا کہ بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔ (زرقانی علی المواہب ج2ص163)

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو رافع کے محل کے پاس پہنچے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ تم لوگ یہاں بیٹھ کر میری آمد کا انتظار کرتے رہو۔ اور خود بہت ہی خفتہ تدبیروں سے رات میں اس کے محل کے اندر داخل ہو گئے۔ اور اس کے بستر پر پہنچ کر اندھیرے میں اس کو قتل کر دیا۔ جب محل سے نکلنے لگے تو سیڑھی سے گر پڑے جس سے ان کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ مگر انہوں نے فوراً ہی اپنی پگڑی سے اپنے ٹوٹے ہوئے پاؤں کو باندھ دیا اور کسی طرح محل سے باہر آ گئے۔ پھر اپنے ساتھیوں کی مدد سے مدینہ پہنچے جب دربار رسالت میں حاضر ہو کر ابو رافع کے قتل کا سارا ماجرا بیان کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پاؤں پھیلاؤ انہوں نے پاؤں پھیلایا تو آپ نے اپنا دست مبارک ان کے پاؤں پر پھرا دیا۔ فوراً ہی ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑ گئی اور ان کا پاؤں بالکل صحیح وسالم ہو گیا۔ (بخاری ج1ص224 باب قتل النائم المشرک)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی گستاخی کرنے کی سزا

دمشق کے بادشاہ حداد بن حداد نے ایک مرتبہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی پھر بغیر حلالہ کے وہ اسے اپنی بیوی بنانا چاہتا تھا اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا وہ اب تم پر حرام ہو چکی ہے۔ اس کی سابقہ بیوی کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے منصوبے بنانے لگی۔

چنانچہ اس گستاخ عورت نے بادشاہ کو مجبور کر کے قتل کی اجازت حاصل کر لی جس وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرا دیا اور آپ کا سر مبارک ایک طشت میں اپنے سامنے منگوایا۔ کٹا ہوا سر بھی یہی کہتا رہا کہ تو بغیر حلالہ کرائے بادشاہ کے لئے حلال نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے مقدس نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شان میں بے ادبی کرنے کے جرم میں سزا ملی کہ وہ عورت زمین میں دھنس گئی۔

((ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج2، صفحہ 55))

مسلمانو! یاد رکھو اس انسان سے زیادہ بدبخت اور کوئی انسان نہیں ہو سکتا جو انبیاء علیہم السلام کے ناموس کو تار تار کر کے رکھ دیتا ہو حالانکہ یہ وہ مقدس اور برگزیدہ ہستیاں ہوتی ہیں جو نہ کسی کو ستاتی ہیں اور نہ ہی کسی کے حق پر ڈاکہ ڈالتی ہیں جو بغیر کسی اجرت کے انسانوں کی اصلاح کر کے انہیں فلاح وسعادت دارین کی عزتوں سے سرفراز کرتی ہیں۔

انبیاء کرام کی عزت وناموس سے کھیلنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے قہر وغضب سے دونوں جہاں میں ملعون کر دیتا ہے۔ محبوبان خدا سے دشمنی رکھنا ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اے گستاخ نبی سن لے غیرت مسلم زندہ دین پہ مر مٹنے کا جذبہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل سے اسلام کے معزز ہونے کا بیان

بحرین میں چند بچے ہاکیوں سے کھیل رہے تھے اور بحرین کے عیسائیوں کا (بڑا پادری) بشپ بھی (قریب ہی) بیٹھا ہوا تھا۔ دوران کھیل گینداس کے سینے پر جالگی۔ اس نے گیند اٹھا کر (اپنے پاس رکھ لی اور) منت سماجت کے باوجود (گیند) دینے سے انکار کردیا۔ بچوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر گیند واپس کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا **اسالتک بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم الا رددتھا علینا** تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ گیند ہمیں واپس کردو۔ اس ملعون نے گیند واپس دینے کی بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کردی۔ (پادری کی طرف سے توہین رسالت ہوتے ہی) غیرت اسلامی سے سرشار ننھے منے محمدی شیروں نے اس ملعون پادری کو ہاکیوں ہی سے مار مار کرواصل جہنم کردیا۔

(المستطرف فی کل فن مستظرف، امام شہاب الدین محمد بن احمد ابیالفتح الاشہبی، باب 75، صفحہ 689، مطبع موسستہ المختار قاھرہ، مصر)

یہ مقدمہ خلیفہ وقت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش کیا گیا (تو اس وقت آپ کی کیفیت دیدنی تھی) راوی کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے قبل سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوئیں اور بیش قیمت مال غنیمت بھی ملا لیکن آپ ان سب چیزوں سے اتنا خوش نہ ہوئے جتنا ان بچوں کے ہاتھوں گستاخ رسول عیسائی پادری کے قتل پر خوش تھے۔ اس موقع پر آپ نے تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا **الآن عـز الاسلام** یعنی (گستاخ رسول کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک کرنے کی برکت سے) آج اسلام غالب (معزز) ہوگیا۔

پھر عیسائیوں کو مخاطب ہوکر فرمایا جب ان بچوں کے آقا و مولا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گندی زبان استعمال کی گئی تو کیا پھر بھی وہ غصے میں نہ آتے؟ اور اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری کا ثبوت نہ دیتے؟ (اس کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس گستاخ پادری کے قتل کو درست قرار دیتے ہوئے بچوں کے حق میں فیصلہ صادر کیا اور فرمایا سنو! اس (گستاخ) عیسائی پادری کے خون کی کوئی قیمت نہیں۔

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے   رفعت شان و رفعنالک ذکرک دیکھے

ایک گستاخ عورت کا قتل

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک شخص نابینا تھے ان کی ایک ام ولد تھی (ام ولد اس باندی کو کہتے ہیں جس کی اولاد کو آقا اپنی اولاد قرار دیدے) جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتی تھی اور آپ کی شان میں گستاخی کرتی تھی وہ اس کو منع کرتے لیکن وہ باز نہ آتی ایک مرتبہ رات کو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا شروع کردی جس پر انہوں نے ایک چھوٹی تلوار اس کے پیٹ پر رکھی اور دبا کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا اور اس کا کام تمام کیا جب صبح ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کا یہ واقعہ بتایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

میں اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس نے (میری عزت و ناموس کی حفاظت کے خاطر) جو کچھ کیا ہے وہ کھڑا ہو جائے مجھ پر اس کا حق ہے۔

یہ سن کر وہ نابینا کھڑے ہوئے اور لڑکھڑاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر بیٹھ گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مقتولہ ام ولد کا میں مالک ہوں وہ آپ کی شان میں گستاخی کرتی تھی اور بُرا بھلا کہتی تھی میں اس کو منع کرتا تھا لیکن وہ باز نہ آتی تھی میرے اس سے دو خوبصورت لڑکے بھی ہیں اور وہ مجھ پر مہربان بھی تھی لیکن گزشتہ شب جب اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی اور آپ کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا تو میں نے ایک چھوٹی تلوار سے اس کو قتل کر دیا یہ سن کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گواہ رہو ان کا خون معاف ہے۔ (سنن ابوداؤد)

گستاخ یہودی عورت کا انجام

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بدتمیزی کرتی تھی تو ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور وہ مر گئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون بھی معاف کر دیا۔ (السیف البتار)

گستاخِ رسول ابن خطل کا قتل

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار آدمی جہاں ملیں انہیں قتل کر دیا جائے اگر چہ کعبہ کے پردے کے نیچے ہوں ان میں سے ایک عبداللہ ابن خطل اور دوسرا حویرث ابن نقید۔

عبداللہ ابن خطل کے قتل کا حکم اس لئے فرمایا کہ پہلے یہ شخص مسلمان تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے روانہ کیا اس کے ساتھ ایک انصاری صحابی اور اس کا ایک مسلمان غلام بھی تھا جو ابن خطل کی خدمت کیا کرتا تھا رات کو کسی جگہ ٹھہرے تو ابن خطل نے اپنے خادم غلام کو حکم دیا کہ وہ اس کے لئے بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کرے اور خود سو گیا جب جاگا تو دیکھا غلام نے کوئی چیز تیار کر کے نہیں رکھی تو غصہ میں اس نے غلام کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مشرکین مکہ سے جا ملا اور وہاں پہنچ کر ابن خطل نے دو باندیاں خریدیں جو گا نا گا کر نعوذ باللہ آپ کی ہجو کرتی تھیں اور یہ اس سے لطف اندوز ہوتا تھا اس لئے حضرت زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا جبکہ وہ خانہ کعبہ کے پردہ سے لٹکا ہوا تھا اور اس کی ایک باندی بھی فتح مکہ کے موقع پر قتل کی گئی جبکہ دوسری باندی فرار ہو گئی جو بعد میں مسلمان ہو گئی، اور حویرث بن نقید مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید ایذا پہنچایا کرتا تھا اس لئے یہ بھی قتل کیا گیا اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ (فتح الباری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدگوئی کرنے والوں کے یہ واقعات وہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کی جرم میں انہیں معاف نہیں کیا گیا بلکہ کیفر کردار تک پہنچایا گیا، اب چند واقعات وہ لکھے جاتے ہیں جو پاکستان بننے سے پہلے انگریزی دورِ حکومت میں واقع ہوئے اور غازیانِ اسلام نے ان شاتمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم رسید کیا اور خود بھی جامِ شہادت نوش کیا۔

ابی بن خلف کے قتل کا واقعہ

ابی بن خلف دنیا کے بدترین انسانوں سے ایک ہے اور اُن تیرہ بخت لوگوں میں سے ہے جو جہنم کے شدید ترین عذاب میں مبتلا ہونگے۔ یہ قریش کے نمایاں افراد میں سے ایک تھا جنگ بدر میں قیدی بنا لیکن اسے رہا کر دیا گیا۔ اس احسان کا بدلہ اس نے یہ دیا کہ قسم اُٹھائی کہ میں اپنے قیمتی گھوڑے العود کو روزانہ اتنے سیر مکئی کا دانہ کھلایا کروں گا اور پھر اس پر سوار ہو کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دوں گا۔ اسکی یہ بڑ جب حضور کے گوشِ انور تک پہنچی تو آپ نے فرمایا وہ نہیں بلکہ میں اسے موت کے گھاٹ اتاروں گا، انشاء اللہ۔ اُحد کے دن وہ اپنے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر شریک ہوا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا خیال رکھنا ،مبادا کہ ابی بن خلف مجھ پر عقب سے حملہ آور ہو، تم اسے دیکھو تو مجھے اطلاع دے دینا۔ یہ ارشاد اس لیے ہوا کہ حضور لڑائی کے دوران پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا کرتے تھے، جب حضور اُحد کی گھاٹی پر تھے تو اچانک یہ آ دھمکا۔ اس نے سر پر خود اور چہرے پر آہنی نقاب ڈالا ہوا تھا وہ گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں؟ اگر وہ بچ گئے میرا بچنا محال ہے اسکے عزائم بھانپ کر بہت سے مجاہدین نے اس کا راستہ روکنا چاہا، لیکن حضور علیہ السلام نے بلند آواز سے کہا اسے چھوڑ دو، اس کا راستہ خالی کر دو۔ پھر حضور نے ابی سے کہا اے کذاب! اب بھاگ کر کہاں جاتے ہو؟ آپ نے حارث بن صمہ کے ہاتھ سے چھوٹا نیزہ پکڑ لیا اور ایک ایسے عالمِ جلال میں بڑے جوش سے جھرجھری لی کہ صحابہ کرام بھی اسکی تاب نہ لا سکے اور دیکھنے والوں کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ نے اکیلے اسکے سامنے کھڑے ہو کر نیزے سے اسکی گردن کے اس حصے پر ضرب لگائی جو خود اور زرہ کے درمیان ننگا رہ گیا تھا، پھر کیا تھا اُسکے تو حواس باختہ ہو گئے، سر چکرا گیا گھوڑے کی پشت سے غش کھا کر لڑھکنے لگا، اس ضرب سے بظاہر معمولی خراش آئی تھی لیکن بظاہر معمولی چوٹ نے اسکے سینے کی پسلیاں اور جسم کی ہڈیاں کڑکڑا دی تھیں اور سر پیٹتا، چیختا چلاتا اپنی قوم کے پاس پہنچا۔ بخدا مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قتل کر دیا، لوگوں نے معمولی خراش دیکھی تو کہنے لگے، حد ہو گئی تمہاری بزدلی کی بھی، کوئی گہرا زخم تو آیا نہیں اور تم نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا ہے۔ اس قسم کی خراش تو ہم میں سے کسی کی آنکھ پر بھی لگ جاتی تو قطعاً نقصان دہ نہ ہوتی۔ وہ کہنے لگا، لات اور عزیٰ کی قسم! جو چوٹ مجھے لگی ہے وہ چوٹ اگر ربیعہ اور مضر قبائل کو بھی لگتی تو سارے کے سارے ہلاک ہو جاتے اور وہ بالکل درست کہہ رہا تھا۔ اُن غفلت شعاروں کو کیا خبر کہ نبی کی قوت کیا ہوتی ہے اور اسکی لگائی ہوئی ضرب کا اثر کیا ہوتا ہے اور کہاں تک ہوتا ہے۔ وہ واپسی کے سارے سفر میں اسی اذیت میں مبتلا رہا اور مکہ کے قریب سرف کے مقام پر پہنچ کر ہلاک ہو گیا اور جہنم کے بدترین اور شدید ترین عذاب کا ایندھن بن گیا۔

اصحاب کھف کا قصہ

یہ چند نوجوان تھے جو دین حق کی طرف مائل ہوئے اور ہدایت پر آ گئے قریش میں بھی یہی ہوا تھا کہ جوانوں نے تو حق کی آواز پر لبیک کہی تھی لیکن بجز چند کے اور بوڑھے لوگ اسلام کی طرف جرات سے مائل نہ ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض کے کانوں میں بالے تھے یہ متقی مومن اور راہ یافتہ نوجوانوں کی جماعت تھی اپنے رب کی وحدانیت کو مانتے تھے اس کی توحید کے قائل ہو گئے تھے اور روز بروز ایمان و ہدایت میں بڑھ رہے تھے۔ یہ اور اس جیسی اور آیتوں اور احادیث سے استدلال کر کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محدثین کرام کا مذہب ہے کہ ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔ اس میں مرتبے ہیں، یہ کم و بیش ہوتا رہتا ہے۔ یہاں ہے ہم نے انہیں ہدایت میں بڑھا دیا اور جگہ ہم آیت (وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ 17) 47-محمد:17) ہدایت والوں کو ہدایت بڑھ جاتی ہے الخ اور آیت میں ہے (فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۱۲۴) 9-التوبہ 124) ایمان والوں کے ایمان کو بڑھاتی ہے الخ اور جگہ ارشاد ہے آیت (هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا) 48-الفتح: 4) تا کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ایمان میں اور بڑھ جائیں اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ مذکور ہے کہ یہ لوگ مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین پر تھے واللہ اعلم۔ لیکن بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام کے زمانے سے پہلے کا واقعہ ہے اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر یہ لوگ نصرانی ہوتے تو یہود اس قدر توجہ سے نہ ان کے حالات معلوم کرتے نہ معلوم کرنے کی ہدایت کرتے۔

حالانکہ یہ بیان گزر چکا ہے قریشیوں نے اپنا وفد مدینے کے یہود کے علماء کے پاس بھیجا تھا کہ تم ہمیں کچھ بتلاؤ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کر لیں تو انہوں نے کہا کہ تم اصحاب کہف کا اور ذوالقرنین کا واقعہ آپ سے دریافت کرو اور روح کے تعلق سوال کرو پس معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی کتاب میں ان کا ذکر تھا اور انہیں اس واقعہ کا علم تھا جب یہ ثابت ہوا تو یہ ظاہر ہے کہ یہود کی کتاب نصرانیت سے پہلے کی ہے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں قوم کی مخالفت پر صبر عطا فرمایا اور انہوں نے قوم کی کچھ پرواہ نہ کی بلکہ وطن اور راحت و آرام کی بھی ترک کر دیا۔

بعض سلف کا بیان ہے کہ یہ لوگ رومی بادشاہ کی اولاد اور روم کے سردار تھے۔ ایک مرتبہ قوم کے ساتھ عید منانے گئے تھے اس زمانے کے بادشاہ کا نام دقیانوس تھا بڑا سخت اور سرکش شخص تھا۔ سب کو شرک کی تعلیم کرتا اور سب سے بت پرستی کراتا تھا یہ نوجوان جو

اپنے باپ دادوں کے ساتھ اس میلے میں گئے تھے انہوں نے جب وہاں یہ تماشا دیکھا تو ان کے دل میں خیال آیا کہ بت پرستی محض لغو اور باطل چیز ہے عبادتیں اور ذبیحہ صرف اللہ کے نام پر ہونے چاہئیں جو آسمان و زمین کا خالق مالک ہے پس یہ لوگ ایک ایک کر کے یہاں سے رکنے لگے ایک درخت تلے جا کر ان میں سے ایک صاحب بیٹھ گئے دوسرے بھی یہیں آ گئے اور بیٹھ گئے تیسرے بھی آئے چوتھے بھی آئے غرض ایک ایک کر کے سب یہیں جمع ہو گئے حالانکہ ایک دوسرے میں تعارف نہ تھا لیکن ایمان کی روشنی نے ایک دوسرے کو ملا دیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ روحیں بھی ایک جمع شدہ لشکر ہیں جو روز ازل میں تعارف والی ہیں وہ یہاں مل جل کر رہتی ہیں اور جو وہیں انجان رہیں ان کا یہاں بھی ان میں اختلاف رہتا ہے (بخاری و مسلم)

عرب کہا کرتے تھے کہ جنسیت ہی میل جول کی علت ہے۔ اب سب خاموش تھے ایک کو ایک سے ڈر تھا کہ اگر میں اپنے مافی الضمیر کو بتادوں گا تو یہ دشمن ہو جائیں گے کسی کو دوسرے کی نسبت اطلاع نہ تھی کہ وہ بھی اس کی طرح قوم کی اس احمقانہ اور مشرکانہ رسم سے بیزار ہے۔ آخر ایک دانا اور جری نوجوان نے کہا کہ دوستو! کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے کہ لوگوں کے اس عام شغل کو چھوڑ کر تم ان سے یکسو ہو کر یہاں آ بیٹھے ہو میرا تو جی چاہتا ہے کہ ہر شخص اس بات کو ظاہر کر دے جس کی وجہ سے اس نے قوم کو چھوڑا ہے۔ اس پر ایک نے کہا بھائی بات یہ ہے کہ مجھے تو اپنی قوم کی یہ رسم ایک آنکھ نہیں بھاتی جب کہ آسمان وزمین کا اور ہمارا تمہارا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر ہم اس کے سوا دوسرے کی عبادت کیوں کریں؟ یہ سن کر دوسرے نے کہا اللہ کی قسم یہی نفرت مجھے یہاں لائی ہے تیسرے نے بھی یہی کہا جب ہر ایک نے یہی وجہ بیان کی تو سب کے دل میں محبت کی ایک لہر دوڑ گئی اور یہ سب روشن خیال موحد آپس میں سچے دوست اور ماں جائے بھائیوں سے بھی زیادہ ایک دوسرے کے خیر خواہ بن گئے آپس میں اتحاد و اتفاق ہو گیا۔ یہ انہوں نے ایک جگہ مقرر کر لی وہیں اللہ واحد کی عبادت کرنے لگے رفتہ رفتہ قوم کو بھی پتہ چل گیا وہ ان سب کو پکڑ کر اس ظالم مشرک بادشاہ اور اہل دربار اور کل دنیا کو اس کی دعوت دی دل مضبوط کر لیا اور صاف کہہ دیا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمان وزمین کا مالک خالق ہے۔ ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور کو معبود بنائیں ہم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ اس کے سوا کسی اور کو پکاریں اس لئے کہ شرک نہایت باطل چیز ہے ہم اس کام کو کبھی نہیں کرنے کے۔ یہ نہایت ہی بیجا بات اور لغو حرکت اور جھوٹی راہ ہے۔

یہ ہماری قوم مشرک ہے اللہ کے سوا دوسروں کی پکار اور ان کی عبادت میں مشغول ہے جس کی کوئی دلیل یہ پیش نہیں کر سکتی، پس یہ ظالم اور کاذب ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کی اس صاف گوئی اور حق گوئی سے بادشاہ بہت بگڑا انہیں دھمکایا ڈرایا اور حکم دیا کہ ان کے لباس اتار لو اور اگر یہ باز نہ آئیں گے تو میں انہیں سخت سزا دوں گا۔ اب ان لوگوں کے دل اور مضبوط ہو گئے لیکن یہ انہیں معلوم ہو گیا کہ یہاں رہ کر ہم دینداری پر قائم نہیں رہ سکتے اس لئے انہوں نے قوم، وطن، دیس اور رشتے کنبے کو چھوڑنے کا ارادہ پختہ کر لیا۔ یہی حکم بھی ہے کہ جب انسان دین کا خطرہ محسوس کرے اس وقت ہجرت کر جائے۔ حدیث میں ہے کہ انسان کا بہترین مال ممکن ہے کہ بکریاں ہوں جنہیں لے کر دامن کوہ میں اور مرغزاروں میں رہے سہے اور اپنے دین کے بچاؤ کی خاطر بھاگتا پھرے۔ پس ایسے حال

میں لوگوں سے الگ تھلگ ہو جانا امر مشروع ہے۔

ہاں اگر ایسی حالت نہ ہو، دین کی بربادی کا خوف نہ ہو تو پھر جنگلوں میں نکل جانا مشروع نہیں کیونکہ جمعہ جماعت کی فضیلت ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ جب یہ لوگ دین کے بچاؤ کے لئے اتنی اہم قربانی پر آمادہ ہو گئے تو ان پر رب رحمت نازل ہوئی۔ فرمادیا گیا کہ ٹھیک ہے جب تم ان کے دین سے الگ ہو گئے تو بہتر ہے کہ جسموں سے بھی ان سے جدا ہو جاؤ۔ جاؤ تم کسی غار میں پناہ حاصل کرو تم پر تمہارے رب کی رحمت کی چھاؤں ہو گی وہ تمہیں تمہارے دشمن کی نگاہوں سے چھپا لے گا اور تمہارے کام میں آسانی اور راحت مہیا فرمائے گا۔ پس یہ لوگ موقعہ پا کر یہاں سے بھاگ نکلے اور پہاڑ کے غار میں چھپ رہے۔

بادشاہ اور قوم نے ہر چند ان کی تلاش کی، لیکن کوئی پتہ نہ چلا اللہ نے ان کے غار کو اندھیرے میں چھپا دیا۔ دیکھئے یہی بلکہ اس سے بہت زیادہ تعجب خیز واقعہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا۔ آپ مع اپنے رفیق خاص یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غار ثور میں تشریف لے گئے۔ مشرکین نے بہت کچھ دوڑ دھوپ کی، تگ و دو میں کوئی کمی نہ کی لیکن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پوری تلاش اور سخت کوشش کے باوجود نہ ملے، اللہ نے ان کی بینائی چھین لی، آس پاس سے گزرتے تھے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے تھے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی نے اپنے پیر کی طرف بھی نظر ڈال لی تو ہم دیکھ لئے جائیں گے آپ نے اطمینان سے جواب دیا کہ ابوبکر ان دو کے ساتھ تیرا کیا خیال ہے، جن کا تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ اگر تم میرے نبی کی امداد نہ کرو تو کیا ہوا؟ جب کافروں نے اسے نکال دیا، میں نے خود اس امداد کی جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے سکون اس پر نازل فرمایا اور ایسے لشکر سے اس کی مدد کی جسے تم نہ دیکھ سکتے تھے آخر اس نے کافروں کی بات پست کر دی اور اپنا کلمہ بلند فرمایا۔ اللہ عزت و حکمت والا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ یہ واقعہ اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی عجیب تر اور انوکھا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان نوجوانوں کو قوم اور بادشاہ نے پا لیا جب غار میں انہیں دیکھ لیا تو بس کہا بس ہم تو خود ہی چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے اس کا منہ ایک دیوار سے بند کر دیا کہ یہیں مر جائیں لیکن یہ قول تامل طلب ہے قرآن کا فرمان ہے کہ صبح شام ان پر دھوپ آتی جاتی ہے۔

غار اور سورج کی شعائیں

یہ دلیل ہے اس امر کی کہ اس غار کا منہ شمال رخ ہے۔ سورج کے طلوع کے وقت ان کے دائیں جانب دھوپ کی چھاؤں جھک جاتی ہے پس دوپہرے کے وقت وہاں بالکل دھوپ نہیں رہتی۔ سورج کی بلندی کے ساتھ ہی ایسی جگہ سے شعائیں دھوپ کی کم ہوتی جاتی ہیں اور سورج کے ڈوبنے کے وقت دھوپ ان کے غار کی طرف اس کے دروازے کے شمال رخ سے جاتی ہے مشرق جانب سے۔

علم ہیئت کے جاننے والے اسے خوب سمجھ سکتے ہیں۔ جنہیں سورج چاند اور ستاروں کی چال کا علم ہے۔ اگر غار کا دروازہ

مشرق رخ ہوتا تو سورج کے غروب کے وقت وہاں دھوپ بالکل نہ جاتی اور اگر قبلہ رخ ہوتا تو سورج کے طلوع کے وقت دھوپ نہ پہنچتی اور نہ غروب کے وقت پہنچتی اور نہ سایہ دائیں بائیں جھکتا اور اگر دروازہ مغرب رخ ہوتا تو بھی سورج نکلنے کے وقت اندر دھوپ نہ جاسکتی بلکہ زوال کے بعد اندر پہنچتی اور پھر برابر مغرب تک رہتی۔ پس ٹھیک بات وہی ہے جو ہم بیان نے کی۔

ایک آنکھ بند ایک کھلی

یہ سو رہے ہیں لیکن دیکھنے والا انہیں بیدار سمجھتا ہے کیونکہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ مذکور ہے کہ بھیڑیا جب سوتا ہے تو ایک آنکھ بند رکھتا ہے، ایک کھلی ہوتی ہے پھر اسے بند کر کے اسے کھول دیتا ہے چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

ینام باحدی مقلتیه ویتقی　　　باخری الرزایا فهو یقظان نائم

جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں اور دشمنوں سے بچانے کے لئے تو اللہ نے نیند میں بھی ان کی آنکھیں کھلی رکھی ہیں اور زمین نہ کھا جائے، کروٹیں گل نہ جائیں اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں کروٹیں بدلوا دیتا ہے، کہتے ہیں سال بھر میں دو مرتبہ کروٹ بدلتے ہیں۔ ان کا کتا بھی انگنائی میں دروازے کے پاس مٹی میں چوکھٹ کے قریب بطور پہریدار کے بازو زمین پر ٹکاتے ہوئے بیٹھا ہوا ہے دروازے کے باہر اس لئے ہے کہ جس گھر میں کتا تصویر جنبی اور کافر شخص ہو اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے۔ جیسے کہ ایک حسن حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اس کتے کو بھی اسی حالت میں نیند آ گئی ہے۔ سچ ہے بھلے لوگوں کی صحبت بھی بھلائی پیدا کرتی ہے دیکھئے نا اس کتے کی کتنی شان ہو گئی کہ کلام اللہ میں اس کا ذکر آیا۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی کا یہ شکاری کتا پلا ہوا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بادشاہ کے باورچی کا یہ کتا تھا۔ چونکہ وہ بھی ان کے ہم مسلک تھے۔ ان کے ساتھ ہجرت میں تھے۔ ان کا کتا ان کے پیچھے لگ گیا تھا۔ واللہ اعلم۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں حضرت ذبیح اللہ کے بدلے جو مینڈھا ذبح ہوا اس کا نام جریر تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جس ہد ہد نے ملکہ سبا کی خبر دی تھی اس کا نام عنفر تھا اور اصحاب کہف کے اس کتے کا نام قطمیر تھا اور بنی اسرائیل نے جس بچھڑے کی پوجا شروع کی تھی اس کا نام مہموت تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام بہشت بریں سے ہند میں اترے تھے، حضرت حوا جدہ میں ابلیس دشت بیسان میں اور سانپ اصفہان میں۔ ایک قول ہے کہ اس کتے کا نام حمران تھا۔ نیز اس کتے کے رنگ میں بھی بہت سے اقوال ہیں،

موت کے بعد زندگی کی دلیل کا واقعہ

ارشاد ہوتا ہے کہ جیسے ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں سلا دیا تھا، اسی طرح اپنی قدرت سے انہیں جگا دیا۔ تین سو نو سال تک سوتے رہے لیکن جب جاگے بالکل ویسے ہی تھے۔ جیسے سوتے وقت تھے، بدن بال کھال سب اصلی حالت میں تھے۔ بس جیسے سوتے وقت تھے ویسے ہی اب بھی تھے۔ کسی قسم کا کوئی تغیر نہ تھا آپس میں کہنے لگے کہ کیوں جی ہم کتنی مدت سوتے رہے؟ تو جواب ملا کہ ایک دن بلکہ اس سے بھی کم کیونکہ صبح کے وقت یہ سو گئے تھے اور اس وقت شام کا وقت تھا اس لئے انہیں یہی خیال ہوا۔ لیکن پھر خود انہیں خیال ہوا کہ ایسا تو نہیں اس لئے انہوں نے ذہن لڑانا چھوڑ دیا اور فیصلہ کن بات کہہ دی کہ اس کا صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی

ہے۔اب چونکہ بھوک پیاس معلوم ہو رہی تھی اس لئے انہوں نے بازار سے سودا منگوانے کی تجویز کی۔دام ان کے پاس تھے۔جن میں سے کچھ راہ اللہ خرچ کئے تھے۔ کچھ موجود تھے۔ کہنے لگے کہ اسی شہر میں کسی کو دام دے کر بھیج دو، وہ وہاں سے کوئی پاکیزہ چیز کھانے پینے کی لائے یعنی عمدہ اور بہتر چیز جیسے آیت (وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ 21) 24-النور:21) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی پاک نہ ہوتا اور آیت میں ہے (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى 14) 87-الأعلى:14) وہ فلاح پا گیا جس نے پاکیزگی کی۔ زکوۃ کو بھی زکوۃ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مال کو طیب و طاہر کر دیتی ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ مراد بہت سارا کھانا لانے سے ہے جیسے کھیتی کے بڑھ جانے کے وقت عرب کہتے ہیں زکا الزرع اور جیسے شاعر کا قول ہے

قبائلنا سبع وانتم ثلاثة   واسبع ازكى من ثلاث والطيب

پس یہاں بھی یہ لفظ زیادتی اور کثرت کے معنی میں ہے لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے اس لئے کہ اصحاب کہف کا مقصد اس قول سے حلال چیز کا لانا تھا۔خواہ وہ زیادہ ہو یا کم۔ کہتے ہیں کہ جانے والے کو بہت احتیاط برتنی چاہئے، آنے جانے اور سودا خریدنے میں ہوشیاری سے کام لے جہاں تک ہو سکے لوگوں کی نگاہوں میں نہ چڑھے دیکھو ایسا نہ ہو کوئی معلوم کرلے۔اگر انہیں علم ہو گیا تو پھر خیر نہیں۔دقیانوس کے آدمی اگر تمہاری جگہ کی خبر پا گئے تو وہ طرح طرح کی سخت سزائیں تمہیں دیں گے یا تو تم ان سے گھبرا کر دین حق چھوڑ کر پھر سے کافر بن جاؤ یا یہ کہ وہ انہی سزاؤں میں تمہارا کام ہی ختم کر دیں۔اگر تم ان کے دین میں جا ملے تو سمجھ لو کہ تم نجات سے دست بردار ہو گئے پھر تو اللہ کے ہاں کا چھٹکارا تمہارے لئے محال ہو جائے گا۔

دوبارہ زندہ ہونے کی دلیل کا واقعہ

ارشاد ہے کہ اسی طرح ہم نے اپنی قدرت سے لوگوں کو ان کے حال پر آگاہ کر دیا تا کہ اللہ کے وعدے اور قیامت کے آنے کی سچائی کا انہیں علم ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے کے وہاں موجود لوگوں کو قیامت کے آنے میں کچھ شکوک پیدا ہو چلے تھے۔ایک جماعت تو کہتی تھی کہ فقط روحیں دوبارہ جی اٹھیں گی، جسم کا اعادہ نہ ہوگا پس اللہ تعالیٰ نے صدیوں بعد اصحاب کہف کو جگا کر قیامت کے ہونے اور جسموں کے دوبارہ جینے کی حجت واضح کر دی ہے اور عینی دلیل دے دی۔مذکور ہے کہ جب ان میں سے ایک صاحب دام لے کر سودا خریدنے کو غار سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کی دیکھی ہوئی ایک چیز نہیں سارا نقشہ بدلا ہوا ہے اس شہر کا نام افسوس تھا زمانے گزر چکے تھے، بستیاں بدل چکی تھیں، صدیاں بیت گئی تھیں اور یہ تو اپنے نزدیک یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ہمیں یہاں پہنچے ایک آدھ دن گزرا ہے یہاں انقلاب زمانہ اور کا اور ہو چکا ہے جیسے کسی نے کہا ہے۔

اما الديار فانها كديارهم   وارى رجال الحى غير رجاله

گھر گو انہیں جیسے ہیں لیکن قبیلے کے لوگ اور ہی ہیں اس نے دیکھا کہ نہ تو شہر کوئی چیز اپنے حال پر ہے، نہ شہر کا کوئی بھی رہنے والا جان پہچان کا ہے نہ یہ کسی کو جانیں نہ انہیں اور کوئی پہچانے۔تمام عام خاص اور ہی ہیں۔ یہ اپنے دل میں حیران تھا۔ دماغ چکرا-

رہا تھا کہ کل شام ہم اس شہر کو چھوڑ کر گئے ہیں۔

یہ اچانک ہو کیا گیا؟ ہر چند سوچتا تھا کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر خیال کرنے لگا کہ شاید میں مجنوں ہو گیا ہوں یا میرے حواس ٹھکانے نہیں رہے یا مجھے کوئی مرض لگ گیا ہے یا میں خواب میں ہوں۔ لیکن فوراً ہی یہ خیالات ہٹ گئے مگر کسی بات پر تسلی نہ ہو سکی اس لئے ارادہ کر لیا کہ مجھے سودا لے کر اس شہر کو جلد چھوڑ دینا چاہئے۔ ایک دکان پر جا کر اسے دام دیئے اور سودا کھانے پینے کا طلب کیا۔ اس نے اس سکے کو دیکھ کر سخت تر تعجب کا اظہار کیا اپنے پڑوسی کو دیا کہ دیکھنا یہ سکہ کیا ہے کب کا ہے؟ کسی زمانے کا ہے؟ اس نے دوسرے کو دیا اس سے کسی اور نے دیکھنے کو مانگ لیا الغرض وہ تو ایک تماشہ بن گیا ہر زبان سے یہی نکلنے لگا کہ اس نے کسی پرانے زمانے کا خزانہ پایا ہے، اس میں سے یہ لایا ہے اس سے پوچھو یہ کہاں کا ہے؟ کون ہے؟ یہ سکہ کہاں سے پایا؟

چنانچہ لوگوں نے اسے گھیر لیا مجمع لگا کر کھڑے ہو گئے اور اوپر تلے ٹیڑھے ترچھے سوالات شروع کر دئے۔ اس نے کہا میں تو اسی شہر کا رہنے والا ہوں، کل شام کو میں یہاں سے گیا ہوں، یہاں کا بادشاہ دقیانوس ہے۔ اب تو سب نے قہقہہ لگا کر کہا بھئی یہ تو کوئی پاگل آدمی ہے۔ آخر اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا اس سے سوالات ہوئے اس نے تمام حال کہہ سنایا اب ایک طرف بادشاہ اور دوسرے سب لوگ متحیر ایک طرف سے خود ششدر و حیران۔ آخر سب لوگ ان کے ساتھ ہوئے۔ اچھا ہمیں اپنے اور ساتھی دکھاؤ اور اپنا غار بھی دکھادو۔ یہ انہیں لے کر چلے غار کے پاس پہنچ کر کہا تم ذرا ٹھیرو میں پہلے انہیں جا کر خبر کر دوں۔ ان کے الگ ہٹتے ہی اللہ تعالیٰ نے ان پر بیخبری کے پردے ڈال دئے۔ انہیں نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں گیا؟ اللہ نے پھر اس راز کو مخفی کر لیا۔ ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ یہ لوگ مع بادشاہ کے گئے، ان سے ملے، سلام علیک ہوئی، بغلگیر ہوئے، یہ بادشاہ خود مسلمان تھا۔ اس کا نام تندوسیس تھا، اصحاب کہف ان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور محبت و انسیت سے ملے جلے، باتیں کیں، پھر واپس جا کر اپنی اپنی جگہ لیٹے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں فوت کر لیا، رحمہم اللہ اجمعین واللہ اعلم۔

کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حبیب بن مسلمہ کے ساتھ ایک غزوے میں تھے، وہاں انہوں نے روم کے شہروں میں ایک غار دیکھا، جس میں ہڈیاں تھیں، لوگوں نے کہا یہ ہڈیاں اصحاب کہف کی ہیں، آپ نے فرمایا تین سو سال گزر چکے کہ ان کی ہڈیاں کھوکھلی ہو کر مٹی ہو گئیں۔ (ابن جریر)

پس فرماتا ہے کہ جیسے ہم نے انہیں انوکھی طرز پر سلایا اور بالکل انوکھے طور پر جگایا، اسی طرح بالکل نرالے طرز پر اہل شہر کو ان کے حالات سے مطلع فرمایا تا کہ انہیں اللہ کے وعدوں کی حقانیت کا علم ہو جائے اور قیامت کے ہونے میں اور اس کے برحق ہونے میں انہیں کوئی شک نہ رہے۔ اس وقت وہ آپس میں سخت مختلف تھے، لڑ جھگڑ رہے تھے، بعض قیامت کے قائل تھے، بعض منکر تھے، پس اصحاب کہف کا ظہور منکروں پر حجت اور ماننے والوں کے لئے دلیل بن گیا۔ اب اس بستی والوں کا ارادہ ہوا کہ ان کے غار کا منہ بند کر دیا جائے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ جنہیں سرداری حاصل تھی انہوں نے ارادہ کیا کہ ہم تو ان کے اردگرد مسجد بنا لیں گے۔

امام ابن جریر ان لوگوں کے بارے میں دو قول نقل کرتے ہیں ایک یہ کہ ان میں سے مسلمانوں نے یہ کہا تھا دوسرے یہ کہ یہ قول کفار کا تھا۔ واللہ اعلم۔ لیکن بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اسکے قائل کلمہ گو تھے، ہاں یہ اور بات ہے کہ ان کا یہ کہنا اچھا تھا یا برا؟ تو اس بارے میں صاف حدیث موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ یہود و نصاری پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور اولیا کی قبروں کو مسجدیں بنالیں جو انہوں نے کیا اس سے آپ اپنی امت کو بچانا چاہتے تھے۔ اسی لئے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں جب حضرت دانیال کی قبر عراق میں پائی تو حکم فرمایا کہ اسے پوشیدہ کر دیا جائے اور جو رقعہ ملا ہے جس میں بعض لڑائیوں وغیرہ کا ذکر ہے اسے دفن کر دیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اصحاف کہف کی تعداد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میں انہیں میں سے ہوں، میں جانتا ہوں وہ سات تھے۔ حضرت عطا خراسانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے اور یہی ہم نے پہلے لکھا تھا۔ ان میں سے بعض تو بہت ہی کم عمر تھے۔ عنفوان شباب میں تھے یہ لوگ دن رات اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے، روتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہتے تھے۔

مروی ہے کہ یہ تو نو تھے ان میں سے جو سب سے بڑے تھے ان کا نام مکسلمین تھا اسی نے بادشاہ سے باتیں کی تھیں اور اسے اللہ واحد کی عبادت کی دعوت دی تھی۔ باقی کے نام یہ ہیں فحستلمین، تملیخ، مطونس، کشطونس، بیرونس، دنیموس، بطونس اور قابوس۔ ہاں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح روایت یہی ہے کہ یہ سات شخص تھے آیت کے ظاہری الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ شعیب جبائی کہتے ہیں ان کے کتے کا نام حمران تھا۔

سچوں کو چھوڑ کر جھوٹوں کو آگ نے جلا دیا

حضرت عبدالرحمن بن جبیر فرماتے ہیں کہ تبع کے زمانہ میں یمن میں خندقیں کھدوائی گئی تھیں اور قسطنطین کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں بھی مسلمانوں کے یہی عذاب دیا گیا تھا۔ جبکہ نصرانیوں نے اپنا قبلہ بدل دیا دین مسیح میں بدعتیں ایجاد کرلیں توحید کو چھوڑ بیٹھے اس وقت جو سچے دیندار تھے انہوں نے ان کا ساتھ نہ دیا اور اصلی دین پر قائم رہے تو ان ظالموں نے خندقیں آگ سے بھروا کر انہیں جلا دیا اور یہی واقعہ بابل کی زمین پر عراق میں ہوا جس نے ایک بت بنالیا تھا اور لوگوں سے اسے سجدہ کراتا تھا ،حضرت دانیال اور ان کے دونوں ساتھی عزریا اور مشایل نے اس سے انکار کر دیا تو اس نے انہیں اس آگ کی خندق میں ڈال دیا اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان پر ٹھنڈا کر دیا انہیں سلامتی عطا فرمائی صاف نجات دی اور اس سرکش کافروں کو ان خندقوں میں ڈال دیا یہ نو قبیلے تھے سب جل کر خاک ہو گئے۔

سدی فرماتے ہیں تین جگہ یہ معاملہ ہوا عراق میں شام میں اور یمن میں، مقاتل فرماتے ہیں کہ خندقیں تین جگہ تھیں ایک تو یمن کے شہر نجران میں، دوسری شام میں تیسری فارس میں۔ شام میں اس کا بانی انطنانوس رومی تھا اور فارس میں بخت نصر اور زمین عرب پر یوسف ذونواس، فارس اور شام کی خندقوں کا ذکر قرآن میں نہیں یہ ذکر نجران کا ہے۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا

ہے فترۃ کے زمانے میں یعنی حضرت عیسیٰ اور پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کے زمانہ میں ایک قوم تھی انہوں نے جب دیکھا کہ لوگ فتنے اور شر میں گرفتار ہو گئے ہیں اور گروہ گروہ بن گئے ہیں اور ہر گروہ اپنے خیالات میں خوش ہے تو ان لوگوں نے انہیں چھوڑ دیا یہاں سے ہجرت کر کے الگ ایک جگہ بنا کر وہیں رہنا سہنا شروع کیا اور اللہ کی مخلصانہ عبادت میں یکسوئی کے ساتھ مشغول ہو گئے نمازوں کی پابندی زکاتوں کی ادائیگی میں لگ گئے اور ان سے الگ تھلگ رہنے لگے یہاں تک کہ ایک سرکش بادشاہ کو اس اللہ والی جماعت کا پتہ لگ گیا اس نے ان کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور انہیں سمجھایا کہ تم بھی ہمارے ساتھ مل جاؤ اور بت پرستی شروع کر دو ان سب نے بالکل انکار کیا کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کسی اور کی بندگی کریں بادشاہ نے کہلوایا کہ اگر یہ تمہیں منظور نہیں تو میں تمہیں قتل کرا دوں گا، جواب ملا کہ جو چاہو کرو لیکن ہم سے دین نہیں چھوڑا جائے گا، اس ظالم نے خندقیں کھدوائیں آگ جلوائی اور ان سب مرد و عورتوں اور بچوں کو جمع کر لیا اور ان خندقوں کے کنارے کھڑا کر کے کہا بولو یہ آخری سوال جواب ہے آیا بت پرستی قبول کرتے ہو یا آگ میں گرنا قبول کرتے ہو انہوں نے کہا ہمیں جل مرنا منظور ہے۔

لیکن چھوٹے چھوٹے بچوں نے چیخ و پکار شروع کر دی بڑوں نے انہیں سمجھایا کہ بس آج کے بعد آگ نہیں۔ نہ گھبراؤ اور اللہ کا نام لے کر کود پڑو چنانچہ سب کے سب کود پڑے انہیں آنچ بھی نہیں لگنے پائی تھی کہ اللہ نے ان کی روحیں قبض کر لیں اور آگ خندقوں سے باہر نکل پڑی اور ان بدکردار سرکشوں کو گھیر لیا اور جتنے بھی تھے سارے کے سارے جلا دیئے گئے ان کی خبر ان آیتوں قتل الخ میں ہے۔ تو اس بنا پر فتنوں کے معنی ہوئے کہ جلایا تو فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے مسلمان مردوں عورتوں کو جلا دیا ہے اگر انہوں نے توبہ نہ کی یعنی اپنے اس فعل سے باز نہ آئے نہ اپنے اس کئے پر نادم ہوئے تو ان کے لیے جہنم ہے اور جلنے کا عذاب ہے تا کہ بدلہ بھی ان کے عمل جیسا ہو، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کے کرم و رحم اس کی مہربانی اور عنایت کو دیکھو کہ جب بدکاروں نے اس کے پیارے بندوں کو ایسے بدترین عذابوں سے مارا انہیں بھی وہ توبہ کرنے کو کہتا ہے اور ان سے بھی مغفرت اور بخشش کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ ہمیں بھی اپنے وسیع رحمتوں سے بھرپور حصہ عطا فرمائے۔ آمین۔

کرامت کی تعریف کا بیان

کرامت کی تعریف:" کرامات " دراصل " کرامت " کی جمع ہے جو اکرام اور تکریم کا اسم ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی " نفیس ہونا عزت دار ہونا اور سخی ہونا " کے ہیں لیکن اصطلاحی طور پر کرامت اس خارق عادات فعل (یعنی کرشمہ) کو کہتے ہیں جو مؤمن نیکوکار کے ہاتھ پر ظاہر ہو لیکن وہ نہ نبوت کے دعوے کے ساتھ ہو اور نہ اس کا مقصد کفار کا معارضہ و مقابلہ ہو کیونکہ جو خارق عادات اہل نبوت کے دعوے کے ساتھ ہو اور کفار کے معارضہ و مقابلہ پر ہو اس کو " معجزہ " کہتے ہیں اہل سنت کرامت کے مقر اور قائل ہیں جب کہ معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

کرامت کے برحق ہونے میں اہل سنت و جماعت کا مسلک

اہل حق یعنی تمام اہل سنت و جماعت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ولی سے کرامت کا ظاہر ہونا واقعی اور حقیقی چیز ہے۔ ولی اللہ اس

نیک بندے کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا بقدر طاقت بشری عرفان رکھتا ہو، طاعات (نیکی) کرنے اور منہیات (برائی) کے ترک پر قائم ودائم ہو، دنیاوی لذات وخواہشات میں غیر منہمک ہو اور اتباع سنت وتقویٰ میں بحسب تفاوت مراتب کامل ہو اولیاء اللہ سے کرامتوں کے ظہور ووقوع کا اثبات عقلاً تو یوں محال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز مشکل اور بعید از امکان نہیں ہے، اس کی ذات جس طرح اپنے پیارے پیغمبروں کے ذریعہ معجزوں کا ظہور کرا سکتی ہے، اس طرح اپنے پیغمبر کے سچے تابعداروں اور نیکوکار مؤمنوں کے ہاتھ پر کرامتوں کا ظہور کرا سکتی ہے، جہاں تک نقلاً اثبات کا تعلق ہے تو قرآن پاک اور احادیث رسول دونوں میں کرامت کا ثبوت صراحۃً مذکور ہے، پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد کے زمانہ کے اولیاء اللہ سے صادر ہونے والی کرامتوں کی روایتیں جس تسلسل کے ساتھ منقول ہیں وہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور قدر مشترک میں تو تواتر معنی اس درجہ کا ہے کہ اگر صاف ذہن اور کھلے دل ودماغ سے دیکھا جائے تو اس بارہ میں کسی کو شک وشبہ اور انکار کی مجال نہیں ہو سکتی، خصوصاً بعض اکابر مشائخ طریقت جیسے حضرت سیّدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامتیں نہ صرف یہ کہ اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں بلکہ وہ اتنے تواتر کے ساتھ منقول ہیں کہ ان کا انکار کوئی عقل کا دشمن ہی کر سکتا ہے، ان کے زمانہ کے بعض مشائخ کا یہ قول منقول ہے کہ سیّدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامتیں مروارید کی طرح تھیں کہ پے درپے صادر ہوتی تھیں کبھی خود ان کی ذات میں ظاہر ہوتیں اور کبھی ان کی ذات میں ظاہر ہوتیں۔

کرامت کا صدور اختیاری بھی ہوتا ہے اور غیر اختیاری بھی

بعض حضرات نے یہ لکھا ہے ولی سے کوئی بھی کرامت اس کے قصد واختیار کے تحت صادر نہیں ہوتی بلکہ بلاقصد واختیار صادر ہوتی ہے انہی بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ کرامت معجزہ کی جنس سے نہیں ہوتی، یعنی جو چیزیں معجزہ کے طور پر ظاہر ہو چکی ہیں جیسے تھوڑے سے کھانے کا بہت ہو جانا اور انگلیوں سے پانی کا ابل پڑنا وغیرہ وہ کرامت کے طور پر ظاہر نہیں ہوتی لیکن اس سلسلہ میں تحقیقی قول یہ ہے کہ کرامت کا قصد واختیار کے تحت بھی صادر ہونا ممکن ہے اور بلاقصد واختیار بھی۔ اسی طرح کا ظہور ان چیزوں کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے جو معجزہ کے طور پر ظاہر ہو چکی ہیں اور ان کے علاوہ دوسری صورتوں میں بھی۔



صحابی کی اصطلاحی تعریف

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: الصحابی من لقی النبی موئمناً بہ ومات علی الاسلام ،فیدخل فیمن لقیہ من طالت مجالستہ لہ اوقصرت ،ومن رویٰ عنہ او لم یرو ،ومن غزا معہ اَو لم یغز ،ومن رآہ ولم یجالسہ ،ومن لم یرہ لعارض کالعمیٰ ویخرج بقید الایمان من لقیہ کافراً ولو اسلم بعد ذلك اذا لم یجتمع بہ مرۃ آخریٰ ۔

صحابی وہ ہے جو نبی علیہ السلام سے حالت ایمان میں ملاقات کرے اور اسلام پر اس کو موت آئے، پس (اس تعریف میں) وہ داخل ہو جاتا ہے جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہو یا نہ کی ہو، نیز آپ کے ساتھ غزوہ میں شریک ہوا ہو یا نہ ہوا ہو ،اور اگر کسی نے آپ کو ایک بار دیکھا ہو لیکن آپ کی ہم نشینی کا شرف حاصل نہ کر سکا یا اصلاً آپ کی زیارت سے محروم رہا ہو کسی مانع کی بنا پر مثلاً وہ شخص نابینا ہو تو ایسا شخص بھی آپ کی صحابیت کے زمرے میں داخل ہوگا اس تعریف میں جو ایمان کی قید لگائی گئی ہے اس سے وہ شخص خارج ہو جاتا ہے جس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت کفر میں ملاقات کی ہو اگر چہ بعد میں مسلمان ہو گیا ہو جب کہ دوسری مرتبہ آپ سے ملاقات نہ کر سکا ہو۔ (کتاب الاصابۃ)

صحابی اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے بہ حالت بیداری اپنی آنکھوں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں یعنی دین واسلام پر اس کا خاتمہ ہوا ہو اگر چہ اس درمیان میں ارتداد بھی خلل انداز ہوا ہو جیسے اشعب یا اشعث ابن قیس کے بارے میں کہا جاتا ہے اور بعض حضرات نے صحابی ہونے کے لئے طول صحبت کو شرط قرار دیا ہے یعنی ان کے نزدیک "صحابی" اسی مسلمان کو کہا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں کافی عرصہ تک رہا ہو، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکتساب علم کیا ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شامل ہوا ہو ان حضرات نے "طول صحبت" یا کافی عرصہ" کی کم سے کم مدت چھ مہینہ بیان کی ہے لیکن اس چھ مہینہ کے تعین کی دلیل ان کے پاس کیا ہے یہ معلوم نہیں، تاہم اس میں کوئی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس نے زیادہ سے زیادہ عرصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وصحبت میں گزارا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا اس کا مرتبہ ان لوگوں بہ نسبت یقیناً سوا ہے جنہیں زیادہ عرصہ کی خدمت وصحبت کا موقع نہیں ملا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں شریک نہیں ہوئے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک دور کی نظر سے دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام وگفتگو کی سعادت سے بہت کم سرفراز ہوئے یا جنہوں

نے صرف طفولیت کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اگرچہ مجرد شرف صحبت سب کو حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چن لیا تھا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں دیکھا تو ان میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل کو سب سے بہتر پایا، اس لیے انہیں اپنے لیے چن لیا اور انہیں منصب رسالت عطا کیا، اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں دیکھا تو صحابہ کرام (رضوان اللہ عنہم اجمعین) کے دلوں کو سب سے بہتر پایا، اس لیے انہیں اپنے نبی کے وزراء کا منصب عطا کر دیا جو اس کے دین کا دفاع کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ (مسند احمد، جلد اول)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنے کی سزا قتل ہونے کا بیان

شرح مسلم میں لکھا ہے جاننا چاہئے کہ صحابہ کرام کو برا کہنا جرم ہے اور اکبر فواحش (سخت بڑے گناہوں) میں سے ہے ہمارا اور جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ جو کوئی صحابہ کو برا کہے اس کو سزا دی جائے اور بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ اس کو قتل کیا جائے، اسی طرح کی بات طیبی نے بھی لکھی ہے اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ صحابہ میں سے کسی کو بھی برا کہنا گناہ کبیرہ ہے اور ہمارے بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ جو شخص شیخین (یعنی ابو بکر و عمر) کو برا کہے وہ مستوجب قتل ہے۔ مشہور کتاب الاشباہ والنظائر کی کتاب السیر میں لکھا ہے جو بھی کافر اپنے کفر سے توبہ کر لے اس کے لئے دنیا و آخرت کے لئے معافی ہے۔ لیکن جو لوگ اس بناء پر کافر قرار پائے ہوں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا تھا، یا شیخین کو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو برا کہا تھا یا سحر کاری کے مرتکب ہوئے تھے اور یا زندقہ میں مبتلا تھے، اور پھر توبہ کرنے سے پہلے ان کو گرفتار کر لیا گیا ہو تو اب اگر وہ توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور ان کو معافی نہیں ملے گی اسی طرح صاحب اشباہ علامہ زین ابن نجیم نے یہ بھی کہا ہے کہ، شیخین کو برا کہنا یا ان کو لعنت کرنا کفر ہے اور جو شخص حضرت علی کو شیخین پر فضیلت دے وہ مبتدع ہے۔ اور مناقب کردری میں لکھا ہے اگر وہ شخص (جو شیخین پر حضرت علی کی فضیلت کا قائل ہے) اور دونوں یعنی شیخین کی خلافت کا منکر بھی ہو تو اس کو کافر کہا جائے گا اسی طرح اگر وہ ان دونوں سے دلی بغض و عناد رکھے تو بھی اس کو کافر کہا جائے گا۔ بایں سبب کہ اس نے ان ہستیوں سے قلبی بغض و عناد رکھا جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قلبی محبت تھی، ہاں اگر (یہ صورت ہو کہ) کوئی شخص (نہ تو شیخین پر حضرت علی کی فضیلت کا قائل ہے نہ شیخین کی خلافت کا منکر ہے نہ ان دونوں بغض و عناد رکھتا ہے اور نہ ان کو برا کہتا ہے مگر (شیخین کی بہ نسبت حضرت علی کے تئیں زیادہ پسندیدگی و گرویدگی اور محبت رکھتا ہے۔ تو وہ محض اس بناء پر ماخوذ نہیں ہوگا۔ اس سلسلہ میں ان دونوں یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی تخصیص کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان دونوں کی فضیلت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جس مخصوص طور سے منقول ہیں اس طرح سے کسی اور صحابی کے بارے میں منقول نہیں ہیں جیسا کہ آگے آنے ایک علیحدہ باب میں منقول احادیث سے واضح ہوگا یا وجہ تخصیص یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی خلافت پر مسلمانوں کا مکمل اجماع تھا ان کی قیادت و سربراہی کو کسی طرف بھی چیلنج نہیں کیا گیا ان کے برخلاف حضرت عثمان ہوں یا حضرت علی اور یا حضرت معاویہ وغیرہ دوسرے خلفاء ان کی خلافت پر اس درجہ کا اجماع نہیں تھا بلکہ ان میں سے ہر ایک کے زمانے میں بغاوت و خروج کا عمل ظاہر ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ضرور جنت میں جائے گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے آج روزہ کس نے رکھا؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم میں سے آج کس نے کسی بیمار کی عیادت کی؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم میں سے آج کون جنازے میں شریک ہوا؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا میں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: آج کس نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی ایک دن میں یہ سارے کام کرے گا وہ جنت میں ضرور جائے گا۔ (مشکوۃ المصابیح، فضائل صحابہ، حیاۃ الصحابہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خواب اور قبول اسلام کا واقعہ

اعلان نبوت سے پہلے آپ نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا، آسمان پر چودھویں کا چمکتا ہو چاند اچانک پھٹ گیا، اس کے ٹکڑے مکہ کے ہر گھر میں بکھر گئے پھر یہ ٹکڑے سمٹ کر اکٹھے ہوئے اور یہ چمکتا ہوا چاند آپ کی گود میں آ گیا۔

آپ نے یہ خواب اہل کتاب کے عالم کو سنایا تو اُس نے تعبیر بتائی کہ وہ نبی محتشم جن کا انتظار ہے؛ اس نبی آخر الزماں کے آپ معاون و مددگار رہوں گے۔ تو جب حضور کی بعثت ہوئی تو آپ نے بلاتوقف بغیر کسی پس وپیش کے اسلام قبول کر لیا۔ جیسا کہ سبل الھدی والرشاد میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ویار غار ہونے کا شرف

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو "خلیل" بناتا تو ابوبکر کو "خلیل" بناتا، تاہم ابوبکر میرے بھائی ہیں اور میرے رفیق وساتھی ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے صاحب کو (یعنی مجھ کو) اللہ نے اپنا خلیل بنالیا ہے"۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 626)

امام احمد ابن حنبل کی روایت میں یوں ہے کہ ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں اور میرے یار غار ہیں اور مسند ابو یعلی میں حضرت

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔

ابو بکر صاحبی ومونسی فی الغار سدوا کل خوخة فی المسجد غیر خوخة ابی بکر۔

"ابو بکر میرے غار کے رفیق اور مونس ہیں، مسجد کی جانب تمام کھڑکیاں یا روشن دان بند کر دیئے جائیں علاوہ ابو بکر کی کھڑکی یا روشن دان کے۔"

اس روایت کو ابو حاتم نے بھی نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: سدوا الخ دراصل اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ میرے بعد خلافت کا پہلا استحقاق ابو بکر کا ہے ان کے علاوہ باقی تمام لوگوں کی آرزوئے خلافت کا دروازہ بند ہے۔

"اللہ نے اپنا خلیل بنالیا ہے" پہلی حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو اپنا خلیل بنایا ہے اور یہاں اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا خلیل بنایا، اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جو شخص محبت میں صادق و خالص ہوتا ہے وہ خود مرتبہ محبوبیت کو پہنچ جاتا ہے۔

ہر کہ او در عشق صادق آمدہ است بر سرش معشوق عاشق آمدہ است

دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "حبیب اللہ" تھے اور "حبیب" اس محبت کو کہتے ہیں جو مرتبہ محبوبیت کو پہنچ جائے بعض حضرات خلت کو اعلیٰ اخص قرار دیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتبہ محبت اور خلت کا جامع کہتے ہیں۔ نیز امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت سے زیادہ کامل اور اتم ہے، بہر حال مذکورہ بالا حدیث اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل صحابہ ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال کا احسان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا کوئی شخص نہیں جس نے ہمیں کچھ دیا ہو ہماری امداد کی ہو اور ہم نے اس کا (جوں کا توں یا اس سے بھی زیادہ) بدلہ اس کو نہ دے دیا ہو علاوہ ابو بکر کے یہ حقیقت ہے کہ ابو بکر نے ہمارے ساتھ عطاء و امداد کا جو عظیم سلوک کیا ہے اس کا بدلہ (یعنی کامل بدلہ) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی ان کو عطا کرے گا کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابو بکر کے مال نے پہنچایا ہے۔ اگر میں کسی کو خلیل یعنی جانی دوست بناتا تو یقیناً ابو بکر کو اپنا خلیل بناتا۔ یاد رکھو تمہارے صاحب (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے خلیل ہیں (کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کو حقیقی دوست نہیں رکھتے۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 632)

ید سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے فائدہ حاصل کیا جا سکے، اس اعتبار سے یہ لفظ مال و دولت، جان اور آل اولاد سب کو شامل ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ اور رسول کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حضرت ابو بکر نے اپنا یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں اور اللہ کے رسول کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ فان لہ عندنا یدا یکافئہ اللہ الخ کے ذریعہ حضرت ابو بکر کے جس عطاء و امداد کے عظیم سلوک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے ان کا وہ عظیم مالی ایثار مراد ہے جو انہوں نے حضرت بلال کو

کافروں سے خرید کر اللہ کے رسول کی خوشنودی کی راہ میں آزاد کر دینے کی صورت میں کیا تھا۔ اور جس کی طرف قرآن کریم نے بھی اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔

(وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى 17 الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى 18) 92 ۔ الیل : 18-17)

"اور اس (دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ) سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیز گار ہے اور جو اپنا مال اس غرض سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے کہ (گناہوں سے) پاک ہو جائے۔

جتنا ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے" اس کی سب سے بڑی دلیل وہ واقعہ ہے کہ جب ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے اللہ کی راہ میں مالی امداد و تعاون کے لئے کہا تو ہر شخص نے اپنی اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق جو کچھ مناسب سمجھا لا کر دیا اور حضرت ابوبکر گھر کا سارا اثاثہ و سامان سمیٹ کر لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، اپنی اور اپنے اہل و عیال کی بڑی سے بڑی ضرورت کا بھی کوئی سامان گھر میں نہیں رہنے دیا۔ یہاں تک کہ جب تمام مال و سامان اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور بدن کے کپڑوں تک کے لئے کچھ نہ رہا، تو کملی کو بدن پر اس طرح لپیٹ لیا کہ کانٹے لگا کر اس کا خرقہ سا بنا لیا۔ اسی مناسبت سے حضرت ابوبکر کا ایک لقب "ذوالخلال بھی ہے، خلال کانٹے کو کہتے ہیں۔

ریاض الصالحین میں یہ روایت ہے کہ: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے تو (یہ سن کر) حضرت ابوبکر رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری جان اپنی ہے، نہ میرا مال اپنا ہے، میرے پاس جو کچھ بھی ہے سب آپ ہی کی ملکیت ہے۔

موافقات میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان شخص کا مال میرے لئے ابوبکر کے مال سے زیادہ نافع نہیں ہے، نیز حضرت ابوبکر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس ہزار درہم خرچ کئے، عروہ کی روایت ہے کہ "حضرت ابوبکر نے اسلام قبول کیا تو اس وقت ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور وہ سب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فی سبیل اللہ خرچ کئے۔ عروہ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے وہ سات غلام خرید کر اللہ کی راہ میں آزاد کئے جو (قبولیت اسلام) کی وجہ سے اپنے آقاؤں اور مالکوں کی طرف سے سخت ظلم و تشدد کا شکار تھے۔ حضرت بلال اور حضرت عامر ابن فہیرہ ان ہی سات میں سے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خطبہ

بزار رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ (اس کی اصل صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مختصر روایت ہے) کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا: اے امیر المؤمنین وہ آپ ہیں، تو انہوں نے فرمایا: جہاں تک میرا تعلق ہے، مجھ سے جس نے بھی مقابلہ کیا تو میں نے اس سے بدلہ لیا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ بہادر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، ہم نے غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے لئے ایک سائبان بنایا اور ہم آپس میں کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آج کون ہوگا، تاکہ مشرکین میں سے کوئی آپ کی طرف نہ آ سکے! پس بخدا ہم میں سے ابوبکر کے سوا کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہیں گیا۔ وہ تلوار تانے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑے ہو گئے، اور جو مشرک بھی آپ کی طرف آتا، آپ اس کے سامنے کھڑے ہو جاتے۔ یہ سب لوگوں میں زیادہ بہادر ہیں۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے قریش کو دیکھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا ہوا ہے، کوئی آپ کو مار رہا ہے، کوئی برا بھلا کہہ رہا ہے، کوئی دھکے دے رہا ہے اور کہہ رہے ہیں: تو نے اتنے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود چن لیا ہے؟ پس بخدا! ہم میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہیں آیا سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے، وہ آئے اور کسی کو مار رہے ہیں، کسی سے لڑ رہے ہیں اور کسی کو دھکا دے رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں: تم ہلاک ہو جاؤ، تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟!

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر سے چادر اتاری اور رونے لگے، یہاں تک کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر فرمانے لگے کہ مجھے بتاؤ کہ فرعون کے خاندان کا مؤمن بہتر ہے یا ابوبکر؟ لوگ خاموش ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! ابوبکر کی ایک گھڑی فرعون کے خاندان کے مؤمن سے زمین بھر جائے، ان سے بہتر ہے۔ کیونکہ فرعون کے خاندان کے شخص نے ایمان چھپا رکھا تھا اور ابوبکر وہ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کا اعلان کیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ

امام بیہقی رحمہ اللہ نے محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کچھ لوگ آپس میں تبصرہ کر رہے تھے، جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے رہے ہیں، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی تو وہ فرمانے لگے: بخدا! ابوبکر کی ایک رات آل عمر سے بہتر ہے اور ابوبکر کا ایک دن آل عمر سے بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات گھر سے نکلے اور غار کی طرف روانہ ہو گئے اور آپ کے ساتھ ابوبکر بھی اور وہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اور کبھی آپ کے پیچھے چلتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے اور فرمانے لگے: اے ابوبکر! کیا بات ہے؟ کبھی آپ میرے پیچھے اور کبھی میرے آگے چلتے ہیں؟ تو آپ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کبھی میں سوچتا ہوں کہ ہمارا پیچھا کوئی نہ کر رہا ہو تو میں پیچھے چلتا ہوں اور کبھی سوچتا ہوں کہ کوئی آگے تاک لگائے نہ بیٹھا ہو تو آپ کے سامنے چلتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! اگر کوئی چیز ہو تو کیا آپ کو یہ پسند ہے کہ آپ میرے سامنے آ جائیں؟ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: جی ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، پھر جب وہ دونوں غار کے پاس پہنچے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ذرا ٹھہر جائیں، تاکہ میں آپ کے لئے غار کو صاف کر دوں، ابوبکر غار میں داخل

ہوئے اور اسے صاف کیا، بعد میں انہیں خیال آیا کہ ایک سوراخ بند نہیں کیا، تو عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ذرا ٹھہریں میں اسے بند کردوں، پھر وہ غار میں داخل ہوئے اور اس سوراخ کو بند کر کے عرض کیا: یارسول اللہ! تشریف لائیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، وہ رات آل عمر سے بہتر ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے بھی ان اوصاف کے ساتھ اپنی قوم میں مشہور تھے کہ: وہ غریبوں کی مدد کرتے تھے، صلہ رحمی کرتے تھے، بے نواؤں کا سہارا تھے، مہمان نوازی کرتے تھے اور آسمانی آفات میں مدد کرتے تھے، جاہلیت میں بھی کسی گناہ میں ملوث نہیں ہوئے، نرم دل تھے، کمزوروں کے ساتھ نہایت رحم دل، یہ صفات ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات تھیں، لہذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل ہوں اور مردوں میں آپ کے دین پر ایمان لانے والے پہلے مرد ہوں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت بہت پر تاثیر تھی، آپ تاجر تھے اور تجارت کی وجہ سے لوگوں میں جان پہچان تھی تو آپ نے ایمان لانے کے بعد ایمان کی دعوت شروع کردی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوگوں کو بلانے لگے، اس لئے بہت سے لوگ آپ کی وجہ سے ایمان لے آئے، جن میں حضرت سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان، طلحہ، زبیر اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم جیسے حضرات تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے اور آپ کے دین کی خدمت کے لئے اپنا مال خرچ کرتے تھے، غلاموں کو آزاد کرتے، آپ نے بہت سے غلاموں کو آزاد کیا، جن میں حضرت بلال بن ابی رباح، عامر بن فُہیرہ، اُم عُبیس، زِنّیرہ، نہدیہ اور ان کی بیٹی، بنو مؤمل کی باندی وغیرہ کے نام مشہور ہیں، جس کی وجہ سے آپ کو لوگ واھب الحریات آزادیاں دینے والے اور محرر العبید غلاموں کو آزاد کرنے والے کے القاب سے یاد کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے لئے اپنا مال خرچ کیا، اور ہجرت کے سفر میں تو اپنا سارا مال اپنے ساتھ رکھ لیا تھا، اس کے بعد بھی جب کبھی مال خرچ کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا تو آپ دوسروں سے سبقت لے جاتے اور کتنے ہی ایسے مواقع آئے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اپنا سارا مال خرچ کر ڈالا اور گھر والوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے نام کو چھوڑا۔ اور ان تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہوتی تھی اور آپ ہی کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى (اللیل)

اور بچادیں گے اس سے بڑے ڈرنے والے کو جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو اور نہیں کسی کا اس پر احسان، جس کا بدلہ دے مگر واسطے چاہے مرضی اپنے رب کی جو سب سے برتر ہے اور آگے وہ راضی ہوگا۔ اور جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے تو سورۃ لقمان کی بعض آیات نازل ہوئیں، جن میں ایک آیت یہ بھی ہے:

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ (لقمان)

اور راہ چل اس کی جو رجوع ہوا میری طرف۔ نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ محبوب تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

ابو بكر سيّدنا، وخيرنا، واحبّنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم

ابوبکر ہمارے سردار ہیں، اور ہم میں سب سے بہتر ہیں۔ اور سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل تھی، صحیح اور مشہور حدیث میں آیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے آخری خطبے میں یہ فرمایا:

إن عبداً خيّره الله بين أن يؤتيه من زهرة الدنيا ماشاء و بين ماعنده، فاختار ماعنده

یعنی ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ یا دنیا کی زیبائش میں سے جو چاہے اسے دے دے یا جو اللہ کے ہاں ہے وہ اسے مل جائے تو اس بندہ نے جو اللہ کے پاس ہے اسے پسند کرلیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے اور کہنے لگے:

فديناك يا رسول الله بآبائنا و اُمهاتنا

یارسول اللہ! ہمارے باپ اور مائیں سب آپ پر قربان ہو جائیں۔ تو راوی کہتے ہیں کہ ہمیں تعجب ہوا کہ یہ بزرگ کیوں رو رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک شخص کا ذکر فرمایا ہے، پھر پتا چلا کہ جس بندہ کو اللہ نے اختیار دیا ہے وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہم سے زیادہ آپ کی معرفت حاصل تھی۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن الناس أحد أمنّ إلينا في صحبته وذات يده من ابن ابي قُحافة، ولو كنت متخذا خليلاً لاتخذت ابن ابي قحافة خليلاً، وفي رواية اباىكر

لوگوں میں سے کسی شخص کا رفاقت اور مال میں مجھ پر اتنا احسان نہیں جتنا کہ ابوبکر کا مجھ پر ہے اور اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابن ابوقحافہ کو اپنا خلیل بناتا، اور ایک روایت میں (ابن ابوقحافہ کے بجائے ابوبکر ہے)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک خطبہ میں فرمایا: ہم پر جس کسی کا بھی احسان ہے ہم نے اس کا بدلہ اسے دے دیا، سوائے ابوبکر کے، کہ اس کا ہم پر ایسا احسان ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن عطا فرمائیں گے اور جتنا کہ ابوبکر کے مال نے مجھے فائدہ پہنچایا اتنا کسی کے مال نے فائدہ نہیں پہنچایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے آخر میں فرمایا: ابوبکر کے تاقچہ کے علاوہ کسی کا دروازہ مسجد میں کھلا نہ رکھا جائے اور ایک روایت میں ہے کہ: ابوبکر کے دروازہ کے علاوہ کسی کا دروازہ نہ رکھا جائے،

کیونکہ میں نے اس پر نور دیکھا ہے،،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ صرف ان کا تاقچہ باقی رکھا جائے اور خوخہ ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جو براہ راست مسجد نبوی میں کھلتا تھا، لہذا اسے باقی رکھا گیا، کیونکہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ضرورت تھی تاکہ وہ مسلمانوں کے معاملات کی نگرانی کر سکیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں اشارہ کرنے والی احادیث بہت ہیں اور ان کی خلافت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت کا اجماع ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایثار وسخاوت

آپ کو بدر، احد، خندق، تبوک، حدیبیہ، بنی نظیر، بنی مصطلق، حنین، خیبر، فتح مکہ سمیت تمام غزوات میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمراہی کا شرف حاصل رہا. غزوہ تبوک میں آپ نے جو اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلی مثال قائم کی جس کی نظیر ملنا مشکل ہے. اس غزوہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترغیب پر تمام صاحب استطاعت صحابہ نے دل کھول کر لشکر اسلامی کی امداد کی مگر ابوبکر نے ان سب پر اس طرح سبقت حاصل کی کہ آپ اپنے گھر کا سارا سامان لے آئے. جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اے ابوبکر! گھر والوں کے لئے بھی کچھ چھوڑا ہے"؟ تو آپ نے عرض کی" گھر والوں کے لئے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کافی ہے۔

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس ۔۔۔ صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فقر اور اللہ کی رضا

تفسیر قرطبی میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت مذکور ہے: حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال ومتاع راہ خدا میں خرچ کرنے کے بعد ایک پیوند زدہ عباء پہن کر حاضر بارگاہ ہوئے جس میں گنڈیوں کی جگہ کانٹے لگے ہوئے تھے، اسی لمحہ طائر سدرہ جبریل امین پیغام خداوندی لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالی صدیق اکبر کو سلام فرماتا ہے، آپ اُن سے دریافت کریں کہ وہ اس فقر کی حالت میں اپنے رب سے راضی ہیں کہ نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب حضرت صدیق سے فرمایا تو آپ بے اختیار رو پڑے اور کہنے لگے میں اپنے رب سے ناراض کیسے ہو سکتا ہوں؟ بے شک میں اپنے رب سے راضی ہوں، اس کو تین بار دہراتے رہے۔ حضرت جبریل نے عرض کیا: حضور! بیشک اللہ تعالی فرماتا ہے؛ میں اُن سے راضی ہو چکا ہوں جس طرح وہ مجھ سے راضی ہے۔ اور اللہ کے حکم سے تمام حاملین عرش بھی وہی لباس پہنے ہوئے ہیں جو آپ کے صدیق نے پہنا۔ (تفسیر قرطبی، سورۃ الحدید، آیت نمبر ۱۰)

سیدنا عمر اور ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہم کے درمیان پیش آنے والے اس واقعہ میں، جو لوگ غور وفکر اور تدبر کرنا چاہتے ہوں، اُن کی عبرت کے لئے بہت سی باتیں پوشیدہ ہیں۔

بوڑھی عورت کے ساتھ حسن سلوک

ابن قیم لکھتے ہیں کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ صبح کی نماز کے بعد سیّدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غائب پاتے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز کی ادائیگی کیلئے تو باقاعدگی سے مسجد میں آتے ہیں مگر جونہی نماز ختم ہوئی وہ چپکے سے مدینہ کے مضافاتی ملاقوں میں ایک دیہات کی طرف نکل جاتے ہیں۔ کئی بار ارادہ بھی کیا کہ سبب پوچھ لیں مگر ایسا نہ کر سکے۔ ایک بار وہ چپکے سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے چل دیئے۔

سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ دیہات میں جا کر ایک خیمے کے اندر چلے گئے۔ کافی دیر کے بعد جب وہ باہر نکل کر واپس مدینے کی طرف لوٹ چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس خیمے میں داخل ہوئے، کیا دیکھتے ہیں کہ خیمے میں ایک اندھی بڑھیا دو چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑھیا سے پوچھا: اے اللہ کی بندی، تم کون ہو؟ بڑھیا نے جواب دیا: میں ایک نابینا اور مفلس و نادار عورت ہوں، ہمارے والدین ہمیں اس حال میں چھوڑ کر فوت ہو گئے ہیں کہ میرا اور ان دو لڑکیوں کا اللہ کے سوا کوئی اور آسرا نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا: یہ شیخ کون ہے جو تمہارا گھر میں آتا ہے؟ بوڑھی عورت (جو کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پہچانتی نہ تھی) نے جواب دیا کہ میں اس شیخ کو جانتی تو نہیں مگر یہ روزانہ ہمارے گھر میں آ کر جھاڑو دیتا ہے، ہمارے لیئے کھانا بناتا ہے اور ہماری بکریوں کا دودھ دوہ کر ہمارے لیئے رکھتا اور چلا جاتا ہے۔

حضرت عمر یہ سُن کر رو پڑے اور کہا: اے ابو بکر، آپ نے اپنے بعد کے آنے والے حکمرانوں کیلئے ایک تھکا دینے والا امتحان کھڑا کر کے رکھ دیا ہے۔

کرامات سیّدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

امام مالک (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ "حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بیس وسق (یعنی ساٹھ صاع تقریباً پانچ من) کھجوریں جو درختوں میں لگی تھیں ہبہ کی تھیں اور اپنی وفات سے پہلے ہی فرمایا: اے میری پیاری بیٹی! مال و دولت کے باب میں مجھے تم سے زیادہ کوئی پیارا نہیں اور مجھے تمہاری حاجت مندی بھی پسند ہے، بلاشبہ بیس وسق کھجوریں میں نے تمہیں ہبہ کی تھیں، اگر تم نے انہیں توڑ کر اکٹھا کر لیا ہوتا تو وہ تمہاری مملوکہ ہو جاتیں؛ لیکن اب وہ تمام وارثوں کا مال ہے، جس میں تمہارے دو بھائی اور تمہاری دو بہنیں شریک ہیں، بس اس کو تم قرآنِ کریم کے احکام کے موافق تقسیم کر لو، جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: ابا جان! اگر زیادہ بھی ہوتیں تو تب بھی میں اس ہبہ سے دست بردار ہو جاتی؛ لیکن یہ تو فرمایئے کہ میری بہن تو صرف اسماء رضی اللہ عنہا ہے، یہ دوسری کون؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بنت خارجہ کے پیٹ میں مجھے لڑکی دکھائی دے رہی ہے"۔

اس واقعہ کو ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح روایت کیا ہے کہ بنت خارجہ کے پیٹ کی لڑکی کو میرے دل میں القاء کیا گیا، یعنی میری بیوی بنت خارجہ کے پیٹ میں لڑکی ہی ہے۔ پس میری اس نصیحت و وصیت کو قبول کرو، بالآخر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئیں۔

اس وصیت سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی الہامی کرامت ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کے پیٹ ہی میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہ کے وجود کو معلوم کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تمہاری بہن موجود ہے۔

اپنے وصال کی خبر دینے کا واقعہ

ابو یعلیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک قصہ کے تحت نقل کیا ہے کہ: "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے کس دن رخصت فرمائی؟ انہوں نے کہا: پیر کے دن، اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک رات کے بعد اسی چیز کا امیدوار ہوں؛ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منگل کی رات میں داعی اجل کو لبیک کہا اور صبح ہونے سے پہلے ہی پہلے آپ دفن کیے گئے"۔

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ دوسری کرامت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جو حکم لگایا تھا اسی وقت آپ کی وفات ہوئی، اگرچہ زہوق روح (روح نکلنا) شب میں ہوا؛ لیکن وفات کے مقدمات بقیہ دن ہی میں واقع ہوئے جو موت کے حکم میں ہیں۔

کھانے کا بطور کرامت زیادہ ہو جانے کا واقعہ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت مکہ معظمہ تھرایا تھا، جس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ زلزلہ کیسا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے صاحبزادہ نے جام رحمت نوش فرمایا، جس پر حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تو بڑی سخت مصیبت آن پڑی"۔ آپ لوگوں نے دیکھا کہ مکہ معظمہ کانپا، تھرایا اور زلزلہ پذیر ہو کر آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت کا ظہور ہوا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے ایک بڑا قصہ میں منقول ہے کہ "ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مہمانوں کی دعوت کی اور خود بھی شریک طعام تھے، جس میں ہر شخص یہ محسوس کر رہا تھا اور مشاہدہ میں بھی آ رہا تھا کہ ہر لقمہ اٹھانے کے بعد کھانا پہلے سے زیادہ بڑھ جاتا، گویا اور پیدا ہو جاتا، سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے جو بنی فراس کے قبیلہ کی تھیں فرمایا: اے ہمشیرہ بنی فراس! یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے جواباً عرض کیا: اے آنکھوں کے سکھ! کلیجہ کی ٹھنڈک! اس وقت تو یہ کھانا پہلے سے تین گنا زیادہ ہے، چنانچہ ان سبھوں نے خوب کھانا کھایا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی روانہ کیا، جسے حضور ہادی کل صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نوش فرمایا"۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نیک نیتی اور برکت کا یہ طفیل تھا؛ بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت کا ادنیٰ ظہور تھا کہ تھوڑا سا کھانا تمام مہمانوں نے کھایا جس میں برابر اضافہ ہی ہوتا رہا۔

جبریل کی دوائی سے شفا پانے والے

محمد بن منظور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "ایک مرتبہ حضور پُر نور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بیمار دیکھا اور پھر اس بیماری کی اطلاع کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے اور ان سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی علالت کو بیان ہی فرما رہے تھے کہ عین اسی وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہادی کل صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضر ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہی، جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ابا جان تو آ رہے ہیں، اس پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے کہ شافی مطلق نے اتنی جلد اچھا کر دیا، تعجب فرمایا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جوں ہی میرے پاس سے نکلے جبریل امین علیہ السلام نے آ کر مجھے ایک دوا سنگھائی اور میں تندرست ہو گیا، اس واقعہ کو ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان فرمایا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ کرامت بھی آپ نے دیکھی کہ ایک ہی لمحہ میں بیماری سے صحت یاب ہو گئے اور حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ احکامات الٰہی کو حاصل کیا۔

ابوجعفر سے روایت کی گئی ہے کہ "سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل امین علیہ السلام کی سرگوشیوں کو سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سنتے تھے اور ان کو دیکھتے نہیں تھے، اس کو مصاحف میں بھی ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اور حافظ محدث ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کرامت سے کھانے میں اضافہ ہونے کا واقعہ

حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اصحاب صفہ مفلس لوگ تھے (جن کے خورد و نوش کا انتظام تمام مسلمان اپنی اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق کیا کرتے تھے، چنانچہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ جس شخص کے ہاں چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں شخص کو (اصحاب صفہ میں سے لے جائے یا چھٹے شخص کو بھی لے جائے" (یہ سن کر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین آدمیوں کو لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کھانا کھایا اور وہیں (کھانے کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے یہاں تک کہ جب عشاء کی نماز ہو گئی تو وہ (نماز کے بعد بھی اپنے گھر نہیں گئے بلکہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر چلے آئے اور اس وقت تک خدمت اقدس میں حاضر رہے۔ جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (تنہا یا اپنے مہمانوں کے ساتھ) کھانا نہیں کھا لیا۔

اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنے گھر پہنچے تو رات کا اتنا حصہ کہ جو اللہ نے چاہا گذر چکا تھا۔ اور اس وقت تک نہ صرف ان کے اہل و عیال بلکہ ان کے مہمان بھی گھر میں بیٹھے ان کا انتظار کرتے رہے، گھر میں ان کے داخل ہوتے ہی ان کی بیوی نے کہا: کس چیز نے آپ کو اپنے مہمانوں سے روک رکھا تھا، یعنی آپ نے گھر آنے میں اتنی تاخیر کیوں کی جب کہ یہاں آپ کے مہمان کھانے کے لئے آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے تو کیا تم نے اب

تک مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا؟ بیوی بولیں: ان مہمانوں نے آپ کے آنے تک کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا، تا کہ کھانے میں ان کے ساتھ آپ بھی شریک رہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر اپنے گھر والوں پر) سخت غضب ناک ہوئے کیونکہ ان کو یہ خیال گذرا کہ گھر والوں ہی کی کوتاہی ہے جو انہوں نے اصرار کر کے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا چنانچہ انہوں نے (اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے) کہا کہ: خدا کی قسم میں یہ کھانا ہرگز نہیں کھاؤں گا پھر ان کی بیوی نے بھی قسم کھالی کہ وہ اس کھانے کو (ہرگز نہیں کھائیں گی اور مہمانوں نے بھی قسم کھائی کہ وہ بھی اس کھانے کو (یا تو مطلق یا تنہا) نہیں کھائیں گے پھر چند ہی لمحوں بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ میرا اس طرح غضبناک ہو جانا اور قسم کھالینا (کوئی موزوں بات نہیں ہے بلکہ) شیطان کے (بہکا دینے کے سبب) سے تھا (جس پر مجھے اب سخت پشیمانی ہو رہی ہے اور میں اپنے اللہ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں۔ یہ کہ) انہوں نے کھانا منگایا اور پھر سب لوگوں نے (یعنی خود انہوں نے ان کے گھر والوں نے اور ان کے مہمانوں نے کھانا کھایا۔ (کھانے کے دوران یہ عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے مہمان (برتن سے منہ کی طرف) جو لقمہ بھی اٹھاتے تھے اس کی جگہ کھانا اور بڑھ جاتا تھا (یعنی جب وہ لوگ لقمہ اٹھاتے تو برتن میں اس لقمہ کی جگہ کھانا کم ہونے کے بجائے پہلے سے بھی زیادہ ہو جاتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (یہ حیرت انگیز بات دیکھ کر) اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا: ارے بنو فراس کی بہن! (ذرا دیکھنا) یہ کیسا عجیب معاملہ ہے۔ بیوی بولیں: اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم (میں خود بھی حیرت سے یہی دیکھے جا رہی ہوں) یہ کھانے کا برتن جتنا پہلے بھرا ہوا تھا اس سے سہ چند زیادہ اب بھرا ہوا ہے، بہر حال سب نے (خوب سیر ہو کر) کھانا کھایا اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ کھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی بھیجا، اور بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے میں سے تناول فرمایا۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 536)

دوست کو دوست کے ساتھ ملا دو کی آواز کا واقعہ

ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جنازہ مبارک لے کر چلے۔ ہم نے اجازت کیلئے دروازہ پر دستک دی اور عرض کیا تو دروازہ خود بخود کھل گیا اور ہم نہیں جانتے کہ دروازہ ہمارے لئے کس نے کھول دیا جب کہ اس وقت حجرہ مبارک کے اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز آئی انہیں داخل کر دو اور دفن بھی کر دو۔

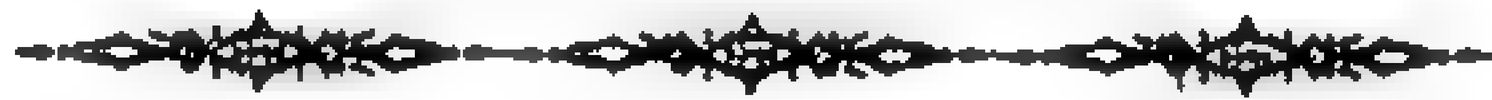
حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ ہم انہیں شہداء میں دفن کر دیں گے اور جنت البقیع میں لے جائیں گے۔ میں نے کہا کہ اپنے حجرہ میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن کروں گی۔ اس اختلاف میں تھے کہ مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا، میں نے آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے۔

ضُمُّوا الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ ۔

دوست کو دوست کے ساتھ ملا دو۔ جب میں بیدار ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس آواز کو سب نے سنا تھا یہاں تک کہ مسجد میں بھی لوگوں نے سن لیا۔ امام آجری کی روایت: حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کا وصال کا وقت آیا تو انہوں نے صحابہ کرام سے کہا کہ جب میں انتقال کر جاؤں اور تم میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو جاؤ تو اس کمرہ کے دروازہ کے سامنے لے جانا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں، وہاں جا کر رکھ جانا اور عرض کرنا۔

السلام عليك يا رسول الله ۔

یہ ابوبکر صدیق ہیں جو کہ اجازت کے طلب گار ہیں اگر اجازت مل جائے اور بند دروازہ کھل جائے تو تم مجھے وہاں داخل کر دینا اور دفن کر دینا اور اگر تمہیں اجازت نہ مل سکے تو تم مجھے جنت البقیع کی طرف لے جانا اور وہاں مجھے دفن کر دینا چنانچہ صحابہ کرام نے ایسا ہی کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے۔ تو تالہ خود بخود گر گیا اور دروازہ خود بخود کھل گیا اور حجرہ مبارکہ کے اندر سے آواز آئی حبیب کو حبیب کے پاس داخل کر دو کیونکہ حبیب سے ملاقات کے لئے حبیب بہت ہی خواہش مند ہیں۔



حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام کا ایمان افروز واقعہ

جب مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ ربّ العزّت کے حضور دعا فرمائی: اے اللہ، عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعہ سے اسلام کو عزت اور قوت عطا فرما۔
(ترمذی۔ابن عباس رضی اللہ عنہما)

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے تین دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے انہیں ایک دفعہ گھر سے باہر رات گزارنا پڑی وہ بیت اللہ میں تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیت اللہ میں آکر نماز شروع کردی اور سورۃ الحاقہ کی تلاوت کرنے لگے تو عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر قرآن کریم کو غور سے سننے لگے اور قرآن مجید کی تالیف پر بہت زیادہ حیران زدہ رہ گئے اپنے دل ہی دل میں کہنے لگے کہ اللہ کی قسم یہ تو شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں لیکن اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ) یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے تم لوگ تو بہت ہی کم ایمان لاتے ہو (الحاقہ 69: آیت 41) یہ آیت سنتے ہی عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کاہن ہو سکتے ہیں اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ) یہ کسی کاہن کا قول نہیں تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

(الحاقہ 69: آیات 42تا43)

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیات سننے کے بعد میرے دل میں اسلام جاگزیں ہو گیا۔ (مسند احمد) لیکن دل کے اندر جاہلی جذبات اور عصبیت اس قدر زیادہ تھی کہ اس نے مجھے اسلام قبول کرنے سے دور اور دشمنی پر قائم رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شروع دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کا یہ حال تھا کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی نیت سے تلوار لے کر نکل پڑے۔ راستہ میں ایک آدمی سے ملاقات ہوئی اس نے پوچھا اے عمر کہا جا رہے ہو؟ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جا رہا ہوں، اس نے کہا تمہارے بہن اور بہنوئی بھی تو تمہارا دین چھوڑ چکے ہیں یہ سنتے ہی عمر رضی اللہ عنہ شدید غصہ کی حالت میں سیدھے اپنی بہن (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے گھر پہنچے، وہاں حضرت خباب رضی اللہ عنہ انہیں قرآن پڑھا رہے تھے۔

جب حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے کی آواز سنی تو گھر کے اندر چھپ گئے اور بہن نے جلدی سے قرآن چھپا دیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی قرءت کی آواز سن چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا: کیا پڑھنے کی آواز آرہی تھی؟ بہن نے کہا: ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم دونوں بے دین ہو چکے ہو اس پر ان کے بہنوئی (حضرت سعید رضی اللہ عنہ) نے کہا: اے عمر، یہ بتاؤ کہ اگر حق تمہارے دین کے علاوہ کسی اور دین میں ہو تو؟ یہ سنتے ہی عمر رضی اللہ عنہ اپنے بہنوئی کو زمین پر گرا کر انہیں مار پیٹ کرنے لگے۔ بہن اپنے شوہر کو چھڑانے کے لئے آگے بڑھیں،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی اتنا مارا کہ ان کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ بہن نے غصہ میں آکر کہا اے عمر، کیا ہم پھر بھی تمہارے دین پر قائم رہیں جبکہ تمہارے دین کے علاوہ دوسرا دین برحق ہو اور جوش ایمانی میں اس نے بآواز بلند کلمہ شہادت پڑھا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے مایوس ہو گئے اور اپنی بہن کے چہرہ پر خون دیکھ کر شرمندہ ہوتے ہوئے کہنے لگے: تمہارے پاس جو کتاب ہے ذرا مجھے بھی دکھاؤ، میں بھی اسے پڑھوں۔ بہن نے کہا: تم ناپاک ہو اور اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ اگر تم اسے لینا چاہتے ہو تو پہلے غسل کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا، پھر سورہ طٰہٰ 20 کی ابتدائی آیات تلاوت کرنے لگے۔ جب آیت نمبر 14 تک پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یہ تو بڑا عمدہ اور محترم کلام ہے۔ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پتہ بتاؤ۔ یہ سنتے ہی حضرت خباب رضی اللہ عنہ باہر آگئے اور کہنے لگے: اے عمر، خوش ہو جاؤ، مجھے امید ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے حق میں جو دعا مانگی تھی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے قبول فرما لیا ہے۔

پھر انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صفا پہاڑی کے قریب دارارقم میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے اور دروازہ بجایا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دروازے سے جھانک کر دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ تلوار اٹھائے دروازے پر موجود ہیں، اس نے فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: دروازہ کھول دو اگر عمر خیر کی نیت سے آئے ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر کسی برے ارادہ سے آئے ہیں تو ہم ان ہی کی تلوار سے ان کا کام تمام کر دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت وحی نازل ہو رہی تھی۔ جب وحی نازل ہو چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمر کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا ارادہ ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایمان لانے کے لئے آیا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزّ وجل سے یہ دعا مانگی: اے اللہ یہ عمر بن خطاب ہیں اس کے ذریعہ سے اسلام کو عزت وقوت عطا فرما۔

اس کے فوراً بعد عمر رضی اللہ عنہ کلمہ حق پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا تو وہاں پر موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے خوشی سے نعرہ تکبیر (اللہ اکبر) بلند کیا، جس سے در و دیوار گونج اٹھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے مشرکین میں غم کی لہر دوڑ گئی اور مسلمانوں کو بڑی خوشی حاصل ہوئی اور مسلمانوں کو پہلی بار علی الاعلان خانہ کعبہ میں باجماعت نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت وخدمت عوام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں رات کے وقت شہر کی حفاظت فرمایا کرتے تھے اور دورہ کیا کرتے تھے تاکہ انہیں اپنی رعیت کے حالات معلوم ہوں۔

ایک مرتبہ اسی حالت میں ایک میدان سے گزر ہوا۔ تو دیکھا کہ ایک خیمہ بالوں کا بنا ہوا وہاں پر لگا ہوا ہے۔ جو پہلے وہاں نہیں تھا۔ اس کے قریب ہوئے تو دیکھا کہ ایک صاحب وہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور خیمہ سے کچھ کراہنے کی آواز آرہی ہے آپ رضی اللہ عنہ سلام کر کے ان صاحب کے پاس بیٹھ گئے۔ اور دریافت کیا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا مسافر ہوں جنگل کا رہنے والا ہوں۔

امیر المؤمنین کے سامنے کچھ اپنی ضرورت پیش کر کے مدد چاہنے کے واسطے آیا ہوں۔ فرمایا یہ خیمہ سے آواز کیسی آرہی ہے؟ تو اس شخص نے کہا میاں جاؤ اپنا کام کرو۔ آپ نے بار بار اصرار کیا کہ نہیں بتا دو کچھ تکلیف کی آواز آرہی ہے؟ تو اس نے کہا کہ میری بیوی حالت زچگی میں ہے اور وقت ولادت قریب ہے۔ درد زہ ہو رہی ہے آپ نے فرمایا: کوئی دوسری عورت پاس بھی ہے یا نہیں؟ تو اس شخص نے کہا نہیں۔ آپ وہاں سے اٹھے اور اپنے گھر تشریف لائے اور اپنی بیوی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ایک بڑے ثواب کی چیز مقدر سے تمہارے لئے آئی ہے انہوں نے پوچھا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک گاؤں میں رہنے والی بیچاری تنہا ہے۔ اس کو درد زہ ہو رہا ہے انہوں نے کہا کہ ہاں اگر تمہاری اجازت ہو تو میں تیار ہوں۔ اور کیوں نہ تیار ہوتیں آخر یہ بھی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جن چیزوں کی ولادت کیلئے ضرورت ہوتی ہے وہ ساتھ لے لو۔ وہ لیکر چلیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود پیچھے پیچھے ہو لئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تو خیمہ میں چلی گئیں۔ اور آپ نے آگ جلا کر اس ہانڈی میں دانے ابالے، گھی ڈالا اتنے میں ولادت سے فراغت ہوگئی۔ اندر سے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے آواز دے کر کہا امیر المؤمنین! اپنے دوست کو لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دیجئے۔ امیر المؤمنین (رضی اللہ عنہ) کا لفظ جب ان صاحب کے کانوں میں پڑا۔ تو وہ صاحب بڑے گھبرائے۔ آپ نے فرمایا گھبرانے کی بات نہیں۔ وہ ہانڈی خیمہ کے پاس رکھ دی۔ کہ اس عورت کو بھی کچھ کھلا دیں۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اس سے کچھ اس کو کھلا دیا۔ اس کے بعد ہانڈی باہر دے دی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس دیہاتی سے کہا کہ لو تم بھی کھاؤ۔ رات بھر تمہاری جاگتے ہوئے گزر گئی اس کے بعد اپنی اہلیہ کو ساتھ لیکر گھر تشریف لائے اور اس شخص سے فرمایا: کہ کل تم آنا تمہارے لئے انتظام کر دیا جائے گا۔ (مشہور کتب سیر)

آج ہمارے زمانے میں بھی کوئی ایسا بادشاہ یا رئیس یا زمیندار جنہوں نے غریبوں کے ساتھ اس طرح کی ہمدردی کی ہو۔ بلکہ ہمارے معاشرے میں عمومی طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ امیر لوگ غریبوں کو حقارت کی نگاہ دیکھتے ہیں۔

کرامات خلیفہ دوم فاروق اعظم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "پہلی امتوں میں ایسے لوگ تھے جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے باتیں القاء کی جاتی تھیں، یعنی الہام ہوتا تھا اور میری امت میں اگر کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر ہیں

نیز علامہ طبرانی نے کتاب الاوسط میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ایک لمبی مرفوع حدیث کے تحت بیان کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے جس امت پر کوئی نبی بھیجا تو اس امت میں کوئی نہ کوئی ملہم ضرور ہوتا تھا، یعنی نبی کی آمد سے قبل اس امت میں ایسی شخصیت ضرور ہوتی تھی جس پر پروردگار الہام فرماتے رہتے تھے اور اگر ان الہاماتِ الٰہی سے سرفراز ہونے والا کوئی شخص میری ملت میں ہے تو وہ عمر ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر کہ محدث وملہم کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی زبان پر فرشتے بولتے ہیں، یعنی اس شخص ملہم کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ فرشتے اس سے جو کچھ کہتے ہیں وہ فرشتوں کی کہی ہوئی باتوں کو انسانوں سے کہہ دیتا ہے اور کوئی بات اپنی طرف سے کسی سے بھی نہیں کہتا"۔ اس حدیث کی سند حسن یعنی معتبر ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا صاحب الہام ہونا، آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت کو ظاہر کرتا ہے اور ان دونوں حدیثوں میں لفظ "اِن یکن" یعنی اگر کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے تا کہ انتہائی وثوق ظاہر ہو اور کلام میں قوت پیدا ہو، جیسے کوئی شخص اپنے پکے دوست سے یوں کہے کہ اگر دنیا میں میرا کوئی یار ہے تو وہ تم ہو، اس جملہ سے کسی سمجھ دار کو اس کی یاری اور دوستی میں وہم اور شک پیدا نہیں ہوتا؛ بلکہ بے انتہاء و پکی دوستی کو ظاہر کرتا ہے، جبکہ پچھلی امتوں میں صاحب الہام ہوا کرتے تھے تو ملت اسلامیہ جو باعتبار علم وفضل افضل تر ہے، اس نعمت الہام سے زیادہ تر مشرف ہوئی، ان دونوں حدیثوں میں کوئی لفظ تو کیا، کوئی نقطہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے پر منحصر اور دلالت کرتا ہو، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا صاحب الہام ہونا پہلے بیان کیا جا چکا ہے، جو بالکل صحیح ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر الہامات کی بارش آپ رضی اللہ عنہ کے اوصاف حمیدہ کے ساتھ متصف ہے، نیز ہر شخص پر واضح ہے کہ تقریباً بائیس مقامات ایسے ہیں جہاں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے فرمانِ پروردگار کے عین موافق تھی، جن کا تذکرہ قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "البتہ میں نے انسانوں، جناتوں اور شیاطین کو دیکھا کہ وہ عمر کے خوف سے بھاگ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شیطان کے ڈرنے کا بیان

اور امام احمد (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے عمر! البتہ تم سے شیطان تک ڈرتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جہاد کی غرض سے ایک لشکر روانہ فرمایا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اپنے اسی خطبہ کے دوران میں فرمانے لگے: اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہٹ جا، آپ رضی اللہ عنہ نے تین دفعہ اسی طرح فرمایا؛ کیونکہ پہاڑ کی طرف ہٹ جانے سے مسلمانوں کے غالب ہو جانے کی امید تھی، جب تھوڑے دنوں بعد اس فوج کا قاصد آیا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس لڑائی کا حال پوچھا، قاصد نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! ایک دن شکست کھانے والے تھے کہ ہمیں ایک آواز سنائی دی، جیسے کوئی پکار

کر کہہ رہا ہے کہ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہٹ جا، اس آواز کو ہم نے تین مرتبہ سنا اور ہم نے پہاڑ کی طرف پیٹھ کر کے سہارا لیا، ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کو شکست فاش دی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا :جبھی تو آپ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ کے درمیان اسی لئے چیخ رہے تھے اور یہ پہاڑ جہاں حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج تھی مشرق کے شہر نہاوند میں تھا"۔

اہل حرقہ کے سوختہ ہونے کا واقعہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ " حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے اس کا نام دریافت کیا، اس نے کہا: جمرہ (بمعنی چنگاری) پھر آپ رضی اللہ عنہ نے استفسار کیا کہ تمہارے باپ کا نام؟ اس نے جواب دیا کہ ابن شہاب (بمعنی شعلہ) پھر پوچھا کہ تم کس قبیلہ کے فرد ہو؟ اس نے کہا حرقہ (بمعنی سوزش) پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری بود باش کی جگہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا حرہ (یعنی گرمی) اور دوبارہ دریافت پر کہ حرہ کے کس حصہ میں سکونت پذیر ہو؟ اس شخص نے کہا کہ ذات لظی (بمعنی شعلہ والا) میں، اس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: جا اپنے کنبے کی خبر لے کہ وہ سب جل کر سوختہ ہوگئے، چنانچہ اس آدمی نے لوٹ کر اپنے کنبے والوں کو سوختہ سامان پایا"۔ (اس تاریخی واقعہ کو ابوالقاسم بن بشر رضی اللہ عنہ نے فوائد میں اور حضرت مالک - رحمہ اللہ تعالیٰ - نے بروایت یحیٰ بن سعید موطا میں اور ابن درید نے اخبار مشہورہ میں اور ابن کلبی نے جامع میں بیان کیا ہے)

سچ اور جھوٹ کو پہچان لینے کا بیان

حضرت ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے طارق بن شہاب (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت کی ہے کہ "ایک شخص تھا جو دوران گفتگو میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جب کوئی جھوٹی بات کہتا تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے اس بات کو یاد رکھنا، پھر باتیں کرنے لگتا اور پھر جب کوئی جھوٹ بات کہتا تو آپ رضی اللہ عنہ اس کو ٹوک کر فرماتے اس بات کو بھی یاد رکھنا، آخر کار اس شخص نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میری تمام گفتگو میں جہاں جہاں ٹوک کر آپ رضی اللہ عنہ نے اس بات کو یاد رکھنا فرمایا ہے: بس یہ جھوٹی ہیں اور باقی پوری باتیں ٹھیک اور سچی ہیں، حافظ حدیث حضرت ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں جھوٹی بات کا پہچاننا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حق تھا"۔

ہر جھوٹی بات پہچان لینا یہ آپ رضی اللہ عنہ کا سچا ادراک بلکہ درحقیقت کشفِ فراست تھا جو خرق عادت ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کی کرامتوں کا مظہر ہوا، اس شبہ کا جواب کہ بعض عقلمند بھی قرائن سے ایسی باتیں معلوم کر لیتے ہیں، جن کو خرق عادت کہا جا سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عقلمندوں کا اندازہ صرف تحقیق پر مبنی ہوتا ہے اور ان کا قیاس بیشتر اوقات اس لئے صحیح نہیں ہوتا کہ وہ فراست کشفیہ کے مالک نہیں ہیں اور فراستِ کشفیہ میں کسی قرینہ کی تحقیق کی حاجت نہیں؛ بلکہ ایسے کاشف کو خود بخود ضروری علم حاصل ہوتا ہے، نیز چونکہ کشف کو شرعی حجت قرار نہیں دیا گیا؛ اس لئے محض کشف کی بنیاد پر کسی سے بدگمانی کرنا بھی جائز نہیں رکھا گیا،

پس جس صورت میں کشف پر عمل کرنے سے کوئی شرعی عذر لازم آئے، ایسے کشف پر عمل نہ کیا جائے گا؛ بلکہ اسباب ظاہری کی تحقیق پر جو نتیجہ ہاتھ آئے اس پر کاربند ہونا چاہئے۔

اہل عراق کیلئے دعائے ضرر کا بیان

علامہ بیہقی نے کتاب الدلائل میں بروایت ابی ہدیہ حمصی بیان کیا ہے کہ "عراقیوں کے اپنے حاکم اعلیٰ کو سنگسار کرنے کی خبر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو ان کی یہ ناشائستہ حرکت سن کر آپ کو غصہ آ گیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے نماز ادا فرمائی، جس میں آپ رضی اللہ عنہ کو سجدہ سہو لازم ہو گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے نماز ختم کر کے دعا کی کہ اے اللہ! ان ظالم عراقیوں نے مجھے شبہ میں ڈال دیا، جس سے میری نماز میں سہو ہو گیا، اے بار خدایا! تو ان کو بھی شبہ میں ڈال دے اور نو عمر ثقفی کی حکومت کو ان پر جلدی سے مسلط کر دے؛ تاکہ ان پر زمانہ جاہلیت جیسی حکومت نظر آئے، نیک و بد کی مطلق تمیز نہ کرنے والی رعایا پر یہ نئی حکومت اپنا حکم چلائے اور ان کی برائیوں سے درگزر کر کے ان کی اچھائیوں کو شرف قبول بھی نہ دے، علامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس نئی حکومت سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مراد حجاج سے تھی؛ لیکن ابن لہیعہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حجاج اس تاریخ تک پیدا ہی نہیں ہوا تھا"۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا غصہ کی حالت میں ان ظالم عراقیوں کے لئے ایسی دعا کرنا جس سے بددعاء کا غالب گمان واضح ہوتا ہے کہ یہ بددعا دراصل دعویٰ اور مقابلہ کے عنوان اور طریق پر ہے اور اس صورت میں اس قسم کی دعاء کرنا درست اور جائز ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی بردعاء کا قبول ہونا خرق عادت اور کرامت ہے۔

حضرت ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت سلیمان بن یسار (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت کی ہے کہ "سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات حسرت آیات پر جنات نے بھی اظہار رنج و غم کیا اور نوحہ پڑھا"۔

جبل تبالہ کے کلام کرنے کا واقعہ

حضرت حکم نے مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے کہ "جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقتول ہوئے تو جبل تبالہ سے یہ آواز آئی: "اسلام سے محبت رکھنے والے کو اسلام کی حالت پر رونا چاہئے، اسلامی زمانہ اگرچہ پرانا نہیں؛ لیکن اہل اسلام بچھڑ گئے اور مسلمانوں میں ضعف نمودار ہو گیا، دنیا اچھائیوں اور دنیا والوں نے اسلام سے منہ موڑ لیا اور جس کو موت کا یقین ہے وہ تو اس دنیا میں ملول اور رنجیدہ ہی رہتا ہے، چونکہ دنیاوی نعمتیں فنا ہونے والی ہیں اور آخرت میں حشر و نشر اور بقا پیش آنے والی ہے؛ اس لئے اس دنیا میں عقلمندوں کو سکون جامد جس کو چین اور سکھ کا نام دیا گیا ہے، ہرگز ہرگز نہیں مل سکتا"۔

جنات کا یہ گریہ وزاری اور ان کے آہ و بکا کا سنا جانا نہ صرف عجیب و غریب امر ہے؛ بلکہ یہ بات خوارق عادت میں داخل ہے۔

دریائے نیل سے جاہلیت کی رسم چھڑوانے کا واقعہ

حافظ الحدیث ابوالشیخ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتاب العصمہ میں قیس بن الحجاج کے ذریعہ بیان کنندہ سے روایت کی ہے کہ "مصر فتح ہونے کے بعد عجمی مہینوں میں سے ایک مہینہ کی پہلی تاریخ کو ایک وفد نے رئیس مملکت حضرت عمرو بن العاص رضی

اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: اے امیر المومنین! ہمارا یہ معمول ہے اور جب تک اس کی تکمیل نہ کر دی جائے ہمارے اس دریائے نیل میں روانی نہیں ہوتی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بتاؤ تو تمہارا معمول کیا ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارا سالانہ دستور یہ ہے کہ ہر سال ایک کنواری جوان لڑکی کو جو اپنے والدین کی اکلوتی ہوتی ہے اس کے والدین کو راضی کر لیتے ہیں اور پھر اس کو نہلا دھلا کر اس کو اچھے اچھے کپڑے اور عمدہ سے عمدہ زیورات پہنا کر اور اس کو خوب سجا کر دریائے نیل کی نظر کر دیتے ہیں، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ سن کر فرمایا: یہ سب کچھ ایام جاہلیت کی رسوم ہیں اور خدا کی قسم اسلام کے عہد میں تو ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہوگا! اس لئے کہ اسلام نے زمانہ جاہلیت کے تمام رسوم کو ختم کر دیا ہے، چنانچہ تمام مصری خاموش ہو گئے اور اس سال زندہ لڑکیوں کو اس طرح ڈبونے کی رسم ادا نہ ہونے سے دریائے نیل کی روانی رُکی رہی، دریا کی روانی کو بند دیکھ کر لوگوں نے ترکِ وطن کا ارادہ کیا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان تمام حالات کی امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی، جنہوں نے جواب میں لکھا کہ اے عمرو بن العاص! تم نے جو کچھ کیا درست کیا اور تمہاری رائے بالکل ٹھیک ہے، اسلام نے رسوم سابق کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ دیا ہے، نیز اپنے مکتوب گرامی میں ایک علیحدہ پرچہ رکھ کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تمہارے موسومہ خط میں ہم ایک علیحدہ پرچہ بھیج رہے ہیں، اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا، پس عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے موسومہ خط میں اس علیحدہ پرچہ کو پڑھا جس میں مرقوم تھا: "منجانب عبداللہ عمر امیر المومنین بنام نیل مصر، حمد وصلاۃ کے بعد اگر تو باختیار خود بہتا ہے تو ہرگز مت چل اور اللہ تعالیٰ تجھ کو رواں کرتے ہیں تو خداوند یکتا و زبردست سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ تجھ کو جاری کرے، چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ستارہ صلیب نکلنے سے ایک دن پہلے کے وقت اس حکم نامہ کو دریائے نیل میں ڈال دیا، دوسرے دن صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ ایک ہی رات میں سولہ ہاتھ اونچا پانی دریائے نیل میں اللہ تعالیٰ نے جاری فرما کر لڑکی کے ڈباؤ کے دستور قدیم کو اہلیان مصر سے آج تک کے لئے مسدود و منقطع کر دیا"۔

معزز حکم نامہ میں "إن کان" یعنی اجرائے آب میں لفظ اگر سے تو یہ تو کوئی بھی یہ شک نہیں کر سکتا کہ اللہ کے سوا کوئی دوسری طاقت پانی پر قابض ہے! بلکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس قسم کی تحریر سے بتاکید ثابت ہوتی ہے، یعنی اے دریائے نیل! تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہے، اس پر تیرا کوئی اقتدار اور اختیار نہیں اور "جاری مت ہو" کا لفظ کہنا محض زجر و توبیخ اور سرزنش کے لئے تھا ورنہ ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح کا بھی مختار نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے تو اس سے دنیا کی ہر چیز ڈرتی ہے، اللہ سے ڈرنے والی شخصیت کی سب پر حکومت ہوتی ہے۔

نیک نوجوان نے قبر سے امیر المومنین کو سلام کا جواب دیا

یحییٰ بن ایوب خزاعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیان کرتے ہیں کہ "ایک دن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کی قبر پر جا کر فرمایا کہ جو شخص اپنی زندگی میں پروردگار عالم سے ڈرتا رہا تو اللہ تعالیٰ جنت میں اسے دو باغ دے گا: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔ یہ سورہ رحمٰن میں موجود ہے، اس نوجوان نے اپنی قبر میں سے جواب دیا: اے فاروق اعظم! مجھے تو رب نے ایسے دو مرتبہ عطا

فرمائے ہیں"۔(اس دراز قصہ کو حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان کیا ہے)

وصال کی تعبیر بتانے کا واقعہ

حضرت معدان بن ابی طلحہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک واقعہ کے تحت لکھا ہے کہ "حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: لوگو سنو! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ دو لال مرغوں نے مجھے ٹھونگیں ماریں اور اس خواب کی تعبیر میری موت کی قربت ہے"۔(اس واقعہ کو ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے) چونکہ یہ خواب الہامی کشف تھا جو آپ رضی اللہ عنہ کی رحلت سے ثابت ہوا اور یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت کو ظاہر کرتا ہے۔

ایام جاہلیت میں کاہنت کرنے والے شخص کی پہچان کا واقعہ

حضرت مجاہد (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں: "ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تمام شیاطین مقید اور بند تھے؛ لیکن ان کے وصال کے بعد یہ سارے طاغوت پھیل گئے"۔(اس خبر کو حافظ حدیث ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے)

حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "میں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کہیں یہ کہتے نہیں سنا کہ میں امر کے متعلق یہ اور یہ گمان کرتا ہوں؛ لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ جیسا آپ فرماتے تھے ویسا ہی ہوا کرتا تھا، ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے کہ سامنے سے ایک شخص گذرا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا گمان غلط نکلا، یہ تو زمانہ جاہلیت میں نجومی اور فال بتانے والا تھا اور اب تک اپنے پرانے دین پر قائم ہے، ذرا اس کو میرے پاس تو لاؤ، جب وہ حاضر ہو گیا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میرا یہ گمان غلط تھا کہ اب تک تم اپنے پرانے مذہب پر قائم ہو اور زمانہ جاہلیت میں تم نجومی اور فال دیکھنے والے تھے؟ اس نجومی نے جواب دیا، میں نے آج تک تم جیسا مسلمان نہیں دیکھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو اچھا تم مجھے اپنے پورے حالات بتاؤ، اس پر اس نجومی نے کہا کہ ہاں میں ایام جاہلیت میں ان کا کاہن تھا"۔(اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان کیا ہے)

عدل وانصاف کی روشن مثال کا واقعہ

خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نقش محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر کاربند رہتے ہوئے سادہ سا دربار خلافت برائے عدل و انصاف برپا فرماتے تھے جس میں اکابر صحابہ کرام موجود رہتے تھے۔ایک دن دربار خلافت سرگرم عدل وانصاف تھا کہ اچانک ایک خوش رو نوجوان کو دو نوجوان پکڑے ہوئے لائے اور فریاد کی یا امیر المومنین اس ظالم سے ہمارا حق دلوایئے اس لئے کہ اس نے ہمارے بوڑھے والد کو مار ڈالا حضرت عمر نے اس نوجوان کی طرف دیکھ کر فرمایا ہاں ان دونوں کا دعویٰ تو سن چکا اب بتا تیرا کیا جواب ہے۔"اس نوجوان نے نہایت ہی فصاحت وبلاغت سے پورا واقعہ بیان کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "ہاں مجھ سے یہ جرم ضرور سرزد ہوا

ہے کہ میں نے طیش میں آ کر ایک پتھر کھینچ مارا جس کی ضرب سے وہ پیر ضعیف مر گیا۔"

حضرت عمر نے فرمایا تو تجھے اعتراف ہے لہذا اب قصاص کا عمل لازمی ہو گیا ہے اور جان کے بدلے تجھے اپنی جان دینا ہو گی۔
نوجوان نے سر جھکا کر عرض کیا" مجھے امام کے حکم اور شریعت اسلام کا فتویٰ ماننے میں کوئی عذر نہیں لیکن ایک بات کی درخواست ہے۔
"ارشاد ہوا وہ کیا عرض کیا" میرا ایک چھوٹا بھائی ابھی نابالغ ہے جس کے لئے والد مرحوم نے کچھ سونا چھوڑا تھا اور میرے سپرد کیا تھا جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کے سپرد کروں میں نے اس سونے کو ایک جگہ زمین میں دفن کر دیا اور اس کا حال سوائے میرے کسی کو معلوم نہیں ہے۔ اگر وہ سونا اس کو نہ پہنچا تو قیامت کے دن میں ذمہ دار ہوں گا اس لئے اتنا چاہتا ہوں کہ تین دن کے لئے ضمانت پر چھوڑ دیا جاؤں۔ جناب عمر نے اس بارے میں سر جھکا کر ذرا غور فرمایا اور پھر سر اٹھا کر ارشاد فرمایا" اچھا کون ضمانت کرتا ہے کہ تین دن کے بعد تکمیل قصاص کے لئے چلا آئے گا۔"

فاروق اعظم کے اس ارشاد پر اس نوجوان نے چاروں طرف دیکھا اور حاضرین کے چہروں پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پھر ابوذر غفاری کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا" یہ میری ضمانت کر لیں گے۔" حضرت عمر نے پوچھا" ابوذر! کیا تم ضمانت کرتے ہو؟" انہوں نے فرمایا" بے شک میں ضمانت کرتا ہوں کہ یہ نوجوان تین دن کے بعد حاضر ہو جائے گا۔"

یہ ایسے جلیل القدر صحابی کی طرف سے ضمانت تھی کہ حضرت عمر بھی راضی ہو گئے اور دونوں مدعی نوجوانوں نے بھی رضامندی ظاہر کر دی اور وہ شخص چھوڑ دیا گیا۔

اب تیسرا دن تھا' حضرت عمر کا دربار بدستور قائم ہوا تمام جلیل القدر صحابہ کرام حاضر ہوئے۔ دونوں مدعی نوجوان بھی آ موجود ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاری بھی تشریف لائے اور وقت مقررہ پر مجرم نوجوان کا انتظار ہونے لگا۔ اب وقت گزرتا جاتا تھا اور مجرم کا کوئی اتہ پتہ نہ تھا۔ صحابہ کرام میں حضرت ابوذر غفاری کی نسبت تشویش پیدا ہو چلی تھی تب دونوں مدعی نوجوانوں نے آگے بڑھ کر کہا" اے ابوذر ہمارا مجرم کہاں ہے؟ تب انہوں نے کمال استقلال اور ثابت قدمی سے جواب دیا کہ اگر تیسرے دن کا وقت مقرر گزر گیا اور مجرم نوجوان نہ آیا تو خدا کی قسم میں اپنی ضمانت پوری کروں گا" عدالت فاروقی بھی جوش میں آئی اور حضرت عمر بھی سنبھل بیٹھے اور فرمایا" اگر مجرم نوجوان نہ آیا تو ابوذر کی نسبت وہی کارروائی کی جائے گی جس کی شریعت اسلامی متقاضی ہو گی" یہ سنتے ہی صحابہ کرام میں تشویش پیدا ہو گئی بعض آبدیدہ اور بعض کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ لوگ اسی پریشانی میں تھے کہ ناگہاں وہ نوجوان مجرم اس حالت میں نمودار ہوا کہ پسینے میں ڈوبا ہوا اور سانس پھولی ہوئی تھی وہ آتے ہی حضرت عمر کے سامنے آیا خندہ پیشانی سے سلام کیا اور عرض کیا" میں اپنے چھوٹے بھائی کو ماموں کے سپرد کر آیا ہوں اور اس کی جائیداد انہیں بتا دی ہے۔ اب آپ جو خدا تعالیٰ اور شریعت اسلامی کا حکم ہے وہ بجا لائیں۔"

سبحان اللہ! کیسا یادگار' قابل ستائش اور قابل تقلید ایفائے عہد تھا۔ محترم قارئین! حضرت ابوذر غفاری اس مجرم نوجوان کو جانتے تک نہ تھے مگر پھر بھی اس کی ضمانت کی حالانکہ وہ جانتے تھے کہ مجرم نوجوان موت کے ڈر سے بھاگ بھی سکتا ہے۔ مگر ان کے دل میں پختہ یقین تھا کہ مجرم واپس آئے گا اور یہ مضبوط ترین ایمان کی نشانی ہے مجرم نوجوان نے اپنے مرحوم والد کا قول نبھایا اور اپنے چھوٹے بھائی کی امانت میں خیانت نہ کی۔ مجرم نوجوان موت کے ڈر سے نہیں بھاگا اور ایفائے عہد پورا کرتے ہوئے حضرت ابوذر غفاری کے اعتماد کو دھوکہ نہ دیا۔

اروق [illegible] رضی اللہ عنہ کا تقویٰ

حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں اہل بصرہ کے ایک وفد کے ساتھ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ آیا۔ ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تو دیکھتے کہ ان کے لیے روزانہ ایک روٹی توڑ کر لائی جاتی ہے وہ اسے کبھی گھی سے، کبھی تیل سے اور کبھی دودھ سے کھا لیتے ہیں۔ کبھی دھوپ میں خشک کیے ہوئے گوشت کے ٹکڑے بھی لائے جاتے جو محض پانی میں ابلے ہوئے ہوتے تھے۔ تازہ گوشت تو شاذ و نادر ہی نظر آتا۔

ایک دن حضرت عمر نے ہم سے فرمایا واللہ! اگر میں چاہتا تو تم سب ہی، سب سے زیادہ عمدہ کھانے والا ہوتا۔ اور تم سب سے زیادہ ناز و نعمت کی زندگی گزارتا۔ غور سے سنو قسم بخدا! میں اونٹ کے سینے اور کوہان کے بھنے ہوئے گوشت، چپاتیوں اور رائی کی چٹنی سے ناواقف نہیں ہوں لیکن میں انھیں دانستہ استعمال میں نہیں لاتا۔ میں نے ایک قوم کے بارے میں اللہ کا ارشاد سنا ہے۔ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں برت چکے ہو اور ان سے خوب حظ اٹھا چکے ہو۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ تم امیر المومنین سے بات کرو کہ تمہارے لیے بیت المال سے کچھ کھانا مقرر کر دیں۔ ان لوگوں نے حضرت عمر سے بات کی، آپ نے فرمایا کیا تم لوگ اپنے لیے وہ روزینہ پسند نہیں کرتے جو میں اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ ان لوگوں نے کہا، ہم مدینہ منورہ میں رہ نہیں سکتے، آپ کا کھانا ایسا نہیں کہ کوئی اسے کھانے کے لیے آپ کے پاس آئے۔ ہم لوگ سرسبز وشاداب علاقے کے رہنے والے ہیں، ہمارے امیر ایسے لوگ ہیں کہ لوگ شوق سے ان کے پاس آتے ہیں اور ان کا کھانا ایسا ہوتا ہے کہ خوب سیر ہو کر کھایا جاتا ہے۔ یہ سن کر آپ نے تھوڑی دیر اپنا سر جھکایا، اور ارشاد فرمایا: میں تم لوگوں کے لیے بیت المال سے روزانہ دو بکریاں اور آٹے کی دو تھیلیاں مقرر کر دیتا ہوں۔

ایک بکری صبح ذبح کرو اور ایک تھیلی سے روٹیاں پکا لیا کرو خود بھی کھاؤ اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھلاؤ۔ پھر حلال مشروب منگوا کر پہلے خود پیو پھر اپنے دائیں طرف والے کو پلاؤ اور پھر اس کے ساتھ والے کو پھر اپنے کام کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور پوری تندہی سے اپنے فرائض سرانجام دو اور پھر اسی طرح شام کو دوسری بکری اور دوسرے تھیلی استعمال میں لاؤ۔ غور سے سنو تم عام لوگوں کے گھروں میں اتنا بھیجو کہ ان کا پیٹ بھر جائے۔ اور ان کے اہل و عیال کو کھلاؤ۔ یاد رکھو! اگر تم منصب دار لوگ، عوام سے بد اخلاقی سے پیش آؤ گے تو عام لوگوں کے اخلاق اچھے نہیں ہو سکیں گے۔ اور ان کے بھوکوں کے کھانے کا انتظام نہیں ہو سکے گا۔ اللہ کی قسم اس سب کے باوجود میرا خیال یہ ہے کہ جس قصبے کے بیت المال سے حکام کے لیے روزانہ دو بکریاں اور آٹے کی دو بوریاں لی جائیں گی وہ جلد اجڑ جائے گا۔ (کنز العمال)

حضرت عمر ابن خطاب روایت کرتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھا انہوں نے دنبے کی کھال کو اپنی کمر پر لپیٹا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: اس شخص کی طرف دیکھو جس کے دل کو اللہ نے نورانی بنا دیا ہے۔ میں نے اس کا وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جس میں اس کے والدین اس کو سب سے عمدہ کھانا کھلایا کرتے تھے اور سب سے

بہتر مشروب پلایا کرتے تھے۔ میں نے اس کو وہ جوڑا پہنے ہوئے بھی دیکھا ہے جس کی قیمت دو سو درہم تھی۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اس نے سب کچھ ترک کر دیا اور فقر و فاقہ نے اس کا جو حال کر دیا ہے جو تم لوگ دیکھ رہے ہو۔ (طبرانی)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں تشریف فرما تھے آپ کے ساتھ چند صحابہ کرام بھی تھے اتنے میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آتے ہوئے دکھائی دیے۔ انھوں نے اتنی چھوٹی چادر اُوڑھی ہوئی تھی جوان کے ستر کو پوری طرح ڈھانپ نہیں پا رہی تھی تمام صحابہ کرام نے سر جھکا لیے۔

مصعب بن عمیر نے قریب آ کر سلام کیا، صحابہ کرام نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بڑی تعریف کی اور فرمایا: میں نے مکہ مکرمہ میں دیکھا ہے کہ ان کے والدین ان کا خوب اکرام کیا کرتے تھے۔ ان کو ہر طرح کی نعمتیں فراہم کیا کرتے تھے اور قریش کا کوئی جوان ان جیسا نہیں تھا۔ لیکن پھر انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کرنے کے لیے یہ سب کچھ ترک کر دیا۔ غور سے سنو! تھوڑا ہی عرصہ گزرے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں فارس اور روم کی فتح عطا فرمائے گا۔ دنیا کی اتنی فراوانی ہو جائے گی کہ تم میں سے ہر آدمی ایک جوڑا صبح پہنے گا اور ایک جوڑا شام کو۔ کھانے کا ایک بڑا اور لبریز پیالہ صبح تمہارے سامنے آئے گا اور اسی طرح شام کو بھی کھانے کا ایک بڑا پیالہ تمہیں ملے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آج بہتر حالت میں ہیں یا اس دن بہتر ہوں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: نہیں آج تم لوگ بہت بہتر ہو۔ غور سے سنو! اگر تم لوگ دنیا کے بارے میں وہ جان لو جو میں جانتا ہوں تو تمہاری طبیعتیں دنیا سے بالکل سرد ہو جائیں۔ (حاکم)

حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو ان کے پاس صرف ایک کپڑا تھا جو اتنا چھوٹا تھا کہ جب اس کپڑے سے ان کا سر ڈھانپتے تھے تو ان کے پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے پیروں پر اذخر (گھاس) ڈال دو۔ (الاصابہ فی معرفت صحابہ، رضی اللہ عنہم)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا پرنالہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کے گھر کا پرنالہ مسجد نبوی کی طرف لگا ہوا ہے۔ بارش وغیرہ کا پانی مسجد نبوی کے اندر گرتا تھا گویا کہ مسجد کی فضا میں وہ پرنالہ لگا ہوا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ مسجد تو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور کسی شخص کے ذاتی گھر کا پرنالہ مسجد کے اندر آ رہا ہوں تو یہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا حکم دے دیا اور وہ توڑ دیا گیا۔ اب دیکھئے کہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا جو حکم دیا یہ غصے کی وجہ سے تو دیا لیکن غصہ اس بات پر آیا کہ یہ کام مسجد کے احکام اور آداب کے خلاف ہے۔

جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ میرے گھر کا پرنالہ توڑ دیا گیا ہے تو حضرت فاروق کے پاس آئے اور ان سے فرمایا کہ آپ نے یہ پرنالہ کیوں توڑ دیا؟ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ یہ جگہ تو مسجد کی ہے۔ کسی کی ذاتی نہیں ہے۔ مسجد کی جگہ میں کسی کا

پرنالہ آنا شریعت کے حکم کے خلاف تھا۔ اس لئے میں نے توڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو پتہ بھی ہے کہ یہ پرنالہ یہاں پر کس طرح لگا تھا؟ یہ پرنالہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لگا تھا اور آپ کی اجازت سے میں نے لگایا تھا۔ آپ اس کو توڑنے والے کون ہوتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی؟ انہوں نے کہا فرمایا کہ ہاں! اجازت دی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس سے فرمایا کہ خدا کے لئے میرے ساتھ آؤ۔ چنانچہ اس پرنالے کی جگہ کے پاس گئے اور وہاں جا کر خود رکوع کی حالت میں کھڑے ہوگئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اب میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ دوبارہ لگاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اسے دوسروں سے لگوا لوں گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمر کی یہ مجال کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے پرنالے کو توڑ دے۔ مجھ سے یہ اتنا بڑا جرم سرزد ہوا، اس کی کم سے کم سزا یہ ہے کہ میں رکوع میں کھڑا ہوتا ہوں اور تم میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ لگاؤ۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی کمر پر کھڑے ہو کر وہ پرنالہ اس کی جگہ پر واپس لگا دیا۔

وہ پرنالہ آج بھی مسجد نبوی میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر دے جن لوگوں نے مسجد نبوی کی تعمیر کی ہے۔ انہوں نے اب بھی اس جگہ پر پرنالہ لگا دیا ہے۔ اگرچہ اب اس پرنالے کا بظاہر کوئی مصرف نہیں ہے لیکن یادگار کے طور پر لگا دیا ہے۔

یا ساریہ پہاڑ کی جانب

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کئی الہام اور آپ رضی اللہ عنہ کی کئی کرامات نقل کی ہیں، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

ایک روز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں خطبۂ جمعہ پڑھ رہے تھے کہ یکایک بلند آواز سے دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمایا یا ساریۃ الجبل! اور اس کے بعد پھر خطبہ شروع کر دیا، تمام حاضرین کو حیرت تھی کہ یہ بے ربط جملہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک سے کیسا نکلا، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے تکلفی زیادہ تھی، انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آج آپ نے خطبہ کے درمیان میں یا ساریۃ الجبل کیوں فرمایا؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک لشکر کا ذکر کیا جو عراق میں بمقام نہاوند جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول تھا، اس لشکر کے امیر حضرت ساریہ رحمہ اللہ تھے، فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ وہ پہاڑ کے پاس لڑ رہے ہیں اور دشمن کی فوج سامنے سے بھی آ رہی ہے اور پیچھے سے بھی آ رہی ہے جس کی ان لوگوں کو خبر نہیں، یہ دیکھ کر میرا دل قابو میں نہ رہا اور میں نے آواز دی کہ اے ساریہ اس پہاڑی سے مل جاؤ، تھوڑے دنوں بعد جب ساریہ کا قاصد آیا تو اس نے سارا واقعہ بیان کیا کہ ہم لوگ لڑائی میں مشغول تھے کہ یکایک یہ آواز آئی کہ یا ساریۃ الجبل اس آواز کو سن کر ہم لوگ پہاڑ سے مل گئے اور ہم کو فتح ملی۔

واعمراہ کی پکار کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک لشکر آپ رضی اللہ عنہ کا کسی دور دراز مقام میں مشغول جہاد تھا۔ ایک دن مدینہ منورہ میں بیٹھے بیٹھے آپ نے

بلند آواز سے فرمایا لبیکاہ! کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا بات ہے یہاں تک کہ وہ لشکر واپس آیا اور سردار لشکر نے فتوحات کا بیان شروع کیا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان باتوں کو رہنے دو، اس شخص کا حال بیان کرو جس کو تم نے جبراً پانی میں بھیجا تھا، اس پر کیا گزری؟ ۔ سردار لشکر نے کہ امیر المؤمنین! اللہ کی قسم میں نے اس کے ساتھ بدی کا ارادہ نہیں کیا تھا، بات یہ ہوئی کہ ہم لوگ ایک پانی پر پہنچے جس کی گہرائی کی حد معلوم نہ تھی کہ اسے عبور کیا جا سکے، لہٰذا میں نے اس شخص کو برہنہ کیا اور پانی میں بھیجا۔ ہوا بہت ٹھنڈی تھی، اس شخص پر ہوا کا اثر ہو گیا اور اس نے فریاد کی واعمراہ! واعمراہ! اس کے بعد وہ شخص سردی کی شدت سے انتقال کر گیا۔ جب لوگوں نے یہ قصہ سنا تو پھر وہ سمجھے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی لبیک اسی مظلوم کے جواب میں تھی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سردار لشکر پر شدید غصہ کا اظہار کیا اور مقتول شخص کے اہل وعیال کو خون بہا ادا کرنے کا حکم دیا۔

حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمہ اللہ کے آنے کی خبر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں مستقبل میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی عادلانہ خلافت کی خبر دی تھی۔ چنانچہ ایک روز خواب سے بیدار ہو کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت میں اس شخص کو دیکھ رہا تھا جو عمر ابن خطاب کی نسل سے ہوگا اور عمر ابن خطاب کی روش اختیار کرے گا۔ یہ اشارہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی طرف تھا جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں۔

زلزلے کا رک جانا

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں زلزلہ آیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور ایک درہ زمین پر مار کر فرمایا: ساکن ہو جا، کیا میں نے تیرے اوپر عدل نافذ نہیں کیا؟ فوراً زلزلہ رک گیا۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام بعد وفات

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا۔ ان کو کفن پہنایا گیا تو ان کے سینہ سے گنگناہٹ محسوس ہوئی اور اس کے بعد انہوں نے کلام کیا، فرمایا کہ: احمد احمد فی الکتاب الاول، صدق صدق ابو بکر الصدیق الضعیف فی نفسه القوی فی امر الله فی الکتاب الاول، صدق صدق عمر بن الخطاب القوی الامین فی الکتاب الاول، صدق صدق عثمان بن عفان علی منهاجهم مضعف ربع وبقیت سنتان، اتت الفتنة واکل الشدید الضعیف وقامت الساعة وسیأتیکم خبر بیر اریس وما بیر اریس،

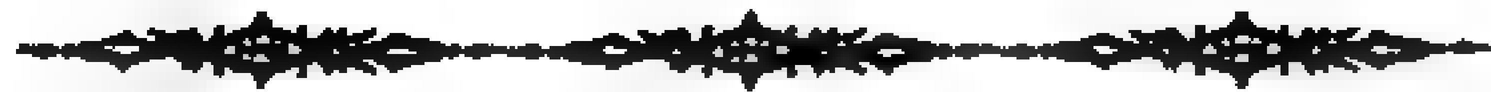
احمد احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگلی کتاب میں سچے ہیں۔ ابو بکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو اپنے کاموں میں کمزور اور اللہ کے کاموں میں طاقتور ہیں اگلی کتاب میں سچے ہیں عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو بڑے طاقتور اور امانتدار ہیں اگلی کتاب میں سچے ہیں عثمان بن عفان انہی تینوں کے منہاج (روش) پر چار سال گزار چکے ہیں اور دو باقی ہیں۔

فتنے قریب آ گئے اور طاقتور نے کمزور کو کھالیا (یعنی ایسا ضرور ہوگا، گویا کہ ہو چکا)، قیامت قائم ہوگئی اور عنقریب تمہارے پاس اریس نامی کنویں کی خبر آئے گی اور وہ بری چیز ہے۔ اس کنویں میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر والی انگوٹھی گر گئی اور تمام پانی نکالنے اور بہت ڈھونڈنے کے باوجود نہ مل سکی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

مدینہ منورہ میں ایک پارسی غلام "فیروز" نام کا تھا جس کی کنیت ابولولو تھی، اس نے ایک دن حضرت عمر فاروق کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے آقا مغیرہ ابن شعبہ کی شکایت کی کہ انہوں نے مجھ پر بہت بھاری ٹیکس عائد کر رکھا ہے آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے اس ٹیکس کی مقدار اور اسکے کام کی صلاحیت و آمدنی وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کر کے اس سے کہا کہ یہ ٹیکس کچھ زائد نہیں ہے، ابولولو یہ سن کر دل میں سخت ناراض ہوا اور حضرت عمر کے پاس سے واپس چلا گیا۔ دوسرے دن ابولولو ایک زہر آلود دو دھاری خنجر لے کر اندھیرے منہ مسجد میں آ کر ایک کونے میں چھپ گیا اور جب حضرت عمر فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے اور امامت کے لئے آگے بڑھنے لگے تو اس نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر ان پر خنجر کے چھ وار کئے، جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا زخم اتنا کاری تھا کہ حضرت عمر تاب نہ لا کر فوراً گر پڑے، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر جلدی جلدی نماز پڑھائی، نماز کے بعد حضرت عمر کو اٹھا کر گھر لایا گیا۔

حملہ کے تین دن کے بعد حضرت عمر نے جان جاں آفریں کے سپرد کی، اور محرم ۲۴ھ کی پہلی تاریخ شنبہ کے دن مدفون ہوئے حضرت صہیب نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ بعض حضرات نے حملہ کا واقعہ ذی الحجہ ۲۳ھ کی ۲۷ تاریخ چہار شنبہ کے دن کا لکھا ہے اور تاریخ مدفون ۱۰ محرم ۲۴ھ بروز یکشنبہ بیان کی ہے، حضرت عمر کی خلافت ساڑھے دس سال رہی اور عمر تحقیقی قول کے مطابق ۶۳ سال کی ہوئی، صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے ان سے احادیث روایت کی ہیں جن میں حضرت ابوبکر اور باقی عشرہ مبشرہ صحابہ بھی شامل ہیں۔



حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وصف حیاء کا واقعہ

ام المؤمنین حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں اپنی رانیں یا پنڈلیاں کھولے ہوئے لیٹے تھے کہ حضرت ابوبکر نے حاضری کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اندر بلالیا اور اسی حالت میں لیٹے رہے، حضرت ابوبکر (کچھ دیر تک بیٹھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے رہے پھر حضرت عمر نے حاضری کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اندر بلالیا اور اسی طرح لیٹے رہے حضرت عمر (بھی کچھ دیر تک بیٹھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے رہے، اور پھر جب حضرت عثمان نے حاضری کی اجازت چاہی (اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئے) تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے، اور کپڑوں کو درست کرلیا (یعنی رانیں یا پنڈلیاں ڈھک لیں) جب حضرت عثمان (اور خدمت اقدس میں حاضر دوسرے لوگ) چلے گئے تو عائشہ نے عرض کیا کہ حضرت ابوبکر اندر تو آپ نے نہ جنبش کی اور نہ ان کی پرواہ کی، (بلکہ اسی طرح لیٹے رہے اور اپنے کپڑے بھی درست نہیں کئے نہیں) اسی طرح حضرت عمر اندر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی نہ حرکت کی اور نہ ان کی پرواہ کی، مگر جب حضرت عثمان اندر داخل ہوئے تو آپ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کرلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ عثمان بہت حیادار آدمی ہیں میں نے محسوس کیا کہ اگر میں نے عثمان کو اسی حالت میں بلالیا (کہ میری رانیں یا پنڈلی کھلی ہوئی ہوں) تو وہ مجھ سے اپنا مقصد پورا نہیں کریں گے یعنی اگر وہ مجھ کو اس حالت میں دیکھیں کے تو غلبہ ادب اور شرم وحیا سے میرے پاس نہیں بیٹھیں گے اور جس مقصد سے یہاں آئے ہیں اس کو پورا کئے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 678)

جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں" امام نووی نے لکھا ہے کہ یہ ارشاد گرامی حضرت عثمان کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ "حیاء" فرشتوں کی ایک اعلی صفت ہے جو مذکورہ الفاظ کے ذریعہ حضرت عثمان میں ثابت کی گئی ہے اور مظہر نے لکھا ہے: یہ الفاظ حضرت عثمان کی اس عزت وتوقیر کو ظاہر کرتے ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تھی لیکن اس سے نہ تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے اس مقام ومرتبہ پر کوئی فرق پڑتا ہے جو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کو حاصل تھا اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی بہ نسبت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی، دراصل حضرت ابوبکر اور

حضرت عمر کو تعلق، محبت اور قربت کا جو خصوصی مقام بارگاہ رسالت میں حاصل تھا وہ اسی "بے تکلفی" کا متقاضی تھا، جس کا اظہار ان دونوں کی آمد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ جس طرح لیٹے تھے اسی طرح لیٹے رہ گئے۔ سب جانتے ہیں، جیسا کہ کہا گیا ہے: اذا حصلت الالفة بطلت الكفة : اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو یہ حدیث فضیلت عثمان کے موضوع سے زیادہ فضیلت ابوبکر وعمر کے موضوع سے تعلق رکھتی نظر آتی ہے مگر حدیث کا ظاہری مفہوم اور اس کا سیاق وسباق چونکہ حضرت عثمان کی تعظیم وتوقیر پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس حدیث کو حضرت عثمان کے مناقب کے باب میں ذکر کرنا ہی زیادہ موزوں ہے۔ یہ حقیقت بھی ذہن میں رہنے چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء وصحابہ میں سے جو شخص جس صفت کا زیادہ حامل ہوتا تھا اور جس کی طبیعت ومزاج پر جس خصلت وخوبی کا غلبہ ہوتا تھا آپ اسی صفت وخصلت کی رعایت سے اس کے ساتھ سلوک فرماتے تھے، چنانچہ حضرت عثمان پر چونکہ صفت حیا کا غلبہ تھا اس لئے آپ ہمیشہ ان کا حجاب ولحاظ کرتے تھے جب کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر چونکہ آپ سے بہت بے تکلف تھے اس لئے ان کے ساتھ بے تکلفی کا معاملہ رکھتے تھے۔

فرشتوں نے حضرت عثمان سے جن مواقع پر حیا کی ہے ان میں سے ایک یہ نقل کیا گیا ہے کہ مدینہ میں ایک قضیہ کے دوران حضرت عثمان جو آگے بڑھے تو ان کا سینہ کھل گیا اور فرشتے فوراً پیچھے ہٹ گئے۔ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو متوجہ کیا کہ اپنا سینہ ڈھک لیں۔ اس کے بعد فرشتے اپنی جگہ واپس آ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فرشتوں سے ان کے پیچھے ہٹنے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ عثمان کی حیا سے ہم پیچھے ہٹ گئے تھے اور جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توجہ دلانے پر اپنا سینہ ڈھک لیا تو ہم اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔

کرامات سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

حضرت امام مالک (رحمہ اللہ تعالی) سے روایت ہے کہ "خلیفہ سوم حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ شہید کی نعش مبارک آپ کے دروازہ پر رکھی ہوئی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے طق، طق "دفن دفن" کی پے در پے آواز آ رہی تھی؛ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک باغ کوکب پہنچائی گئی، جہاں آپ رضی اللہ عنہ دفن کئے گئے۔

حضرت امام مالک (رحمہ اللہ تعالی) سے روایت ہے کہ "سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ جب کبھی باغ کوکب سے گزرتے تو فرماتے کہ یہاں عنقریب ایک نیک مرد دفن کیا جائے گا؛ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ خود وہاں دفن کئے گئے"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے روزے کی افطاری کے انتظام جنت کا واقعہ

ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کہتے ہیں کہ "حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے ایک دن صبح کے وقت بیان فرمایا: میں نے رات کو دیکھا کہ سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان! آج کا روزہ ہمارے پاس کھولنا؛ چنانچہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کو روزہ کی حالت میں اسی دن شہید کیا گیا، اس واقعہ کو حاکم نے بھی بیان کیا ہے۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ بھی کہتے سنا کہ اے عثمان! تم جمعہ کے دن ہمارے پاس آ جاؤ گے۔ چونکہ جمعہ کے دن ہی آپ رضی اللہ عنہ نے روزہ کی حالت میں جامِ شہادت نوش فرمایا، جس سے آپ رضی اللہ عنہ کا خواب مزید کسی تعبیر کا محتاج نہ رہا، یہ آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت نہیں ہے تو کیا چیز تھی؟

الہامی کشف سے لوگوں کے احوال کو جانے لینے کا واقعہ

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام مجحن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "ایک دن میں آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کی زمین پر گیا، جہاں ایک عورت نے --- جو کسی تکلیف کا شکار تھی --- آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر عرض کیا: اے امیر المومنین! مجھ سے زنا کی غلطی ہوگئی، اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے مجھ کو حکم دیا کہ اس عورت کو نکال دو، چنانچہ میں نے اس کو بھگا دیا، تھوڑی دیر بعد اس عورت نے آ کر پھر کہا کہ میں نے تو زنا کیا ہے؛ چنانچہ سرکار کے فرمانے پر کہ اے مجحن! اسے باہر نکال دو، میں نے دور بھگا دیا اور تیسری مرتبہ پھر اس عورت نے کہا: اے خلیفہ وقت! میں نے بلاشک وشبہ زنا کیا ہے اور میرے تین مرتبہ کے اقرار پر حد زنا جاری فرمائی جائے، اس پر میرے آقا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: او ناواقف مجحن! اس عورت پر مصیبت آ پڑی ہے اور مصیبت و تکلیف ہمیشہ شر وفساد کا سبب ہوتی ہے، تم جاؤ اور اس کو اپنے ساتھ لے جا کر اس کو پیٹ بھر روٹی اور تن بھر کپڑا دو، اس دیوانی کو میں اپنے ساتھ لے گیا اور اس کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جو میرے آقا نے فرمایا تھا، یعنی میں نے آرام سے رکھا، تھوڑے دنوں بعد جب اس کے ہوش وحواس ٹھکانے لگے اور وہ مطمئن ہوگئی تب آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا اب کھجور، آٹا اور کشمش سے ایک گدھا بھر کر کل اس کو جنگل کے باشندوں کے پاس لے جاؤ اور ان بادیہ نشینوں سے کہو کہ اس عورت کو اس کے کنبہ والوں اور اہل وعیال کے پاس پہنچا دیں؛ چنانچہ میں کھجور، کشمش اور آٹے سے بھرے ہوئے گدھا لے کر اس کے ساتھ روانہ ہوا، میں نے راستہ چلتے چلتے کہا کہ کیا اب بھی تم اس کا اقرار کرتی ہو، جس کا تم نے امیر المومنین کے سامنے اقرار کیا تھا؟ وہ کہنے لگی نہیں ہرگز نہیں؛ کیونکہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ تو صرف مصیبتوں اور تکلیفوں کے پہاڑ پھٹ پڑنے سے کہا تھا؛ تاکہ حد لگا دی جائے اور مصیبتوں سے نجات پا جاؤں، اس واقعہ کو عقیلی نے بھی کہا ہے۔

لوگو! دیکھو الہامی کشف تھا جو بالکل صحیح واقعہ ثابت ہوا، اس سے بڑھ کر اور کس کرامت کے طلب گار ہو؟ خلیفہ سوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ مجسم کرامت تھے، ان کی کرامتوں کو مشتے از خروارے بیان کیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو نبی اکرم کے اس محبوب خلیفہ کو ایک عظیم سازش، جو کہ درحقیقت اسلامی تاریخ کی سب سے اول اور سب سے عظیم سازش تھی، کے بعد اس عالم میں قتل کر دیا گیا کہ آپ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے، کئی دن کے روزے سے تھے، اور اپنے گھر میں محصور تھے۔ گو کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سمیت کئی صحابہ کرام آپ کے گھر کے دروازے پر پہرہ بھی دے رہے تھے لیکن اس کے باوجود بلوائی آپ کے گھر میں پیچھے کی سمت سے داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اور عین

تلاوت قرآن کی حالت میں خلیفہ وقت اور امیر المومنین کو شہید کر دیا گیا۔

یہ عظیم سازش جو عبداللہ بن سبا سمیت متعدد منافقین کی سعی کا نتیجہ تھی درحقیقت صرف حضرت عثمان کے خلاف نہ تھی بلکہ اسلام اور تمام مسلمانوں کے خلاف تھی اور آپ کی شہادت کے بعد وہ دن ہے اور آج کا دن کہ مسلمان تفرقہ اور انتشار میں ایسے گرفتار ہوئے کہ نکل نہ سکے۔ یہ وہ بات تھی جس کی خبر حضرت عثمان نے ان الفاظ میں دی تھی کہ بخدا اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے۔

آپ کی شہادت پر مدینہ میں ایک عام کہرام مچ گیا۔ حضرت سعید بن زید نے ارشاد فرمایا لوگو واجب ہے کہ اس بداعمالی پر کوہ احد پھٹے اور تم پر گرے، حضرت انس نے فرمایا حضرت عثمان جب تک زندہ تھے اللہ کی تلوار نیام میں تھی، اس شہادت کے بعد یہ تلوار نیام سے نکلے گی اور قیامت تک کھلی رہے گی، حضرت ابن عباس نے ارشاد فرمایا اگر حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ بھی نہ کیا جاتا تو لوگوں پر آسمان سے پتھر برستے، حضرت علی کو جیسے ہی شہادت عثمان کی خبر ملی آپ نے فرمایا اے اللہ میں تیرے حضور خون عثمان سے بریت کا اظہار کرتا ہوں اور ابن کثیر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان کے پاس جا کر ان پر گر پڑے اور رونے لگے حتی کے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ بھی ان سے جا ملیں گے۔

امام اعمش اور حافظ ابن عساکر نے صاحب اسرار رسول حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلا فتنہ حضرت عثمان کا قتل ہے اور سب سے آخری فتنہ خروج دجال ہے اور اس ذات کی قسم جس کہ قبضے میں میری جان ہے کہ وہ شخص جس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی حضرت عثمان کے قتل کی حب ہے، اگر اس نے دجال کو پالیا تو وہ اس کی پیروی کیے بغیر نہیں مرے گا اور اگر اس نے اسے نہ پایا تو وہ اپنی قبر میں اس پر ایمان لائے گا۔

علامہ ذہبی نے حضرت عثمان کے کمالات و خدمات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ابو عمر عثمان، ذوالنورین تھے۔ ان سے فرشتوں کو حیا آتی تھی۔ انھوں نے ساری امت کو اختلافات میں بڑ جانے کے بعد ایک قرآن پر جمع کر دیا۔ وہ بالکل سچے، کھرے، عابد شب زندہ دار اور صائم النہار تھے اور اللہ کے راستے میں بے دریغ خرچ کرنے والے تھے، اور ان لوگوں میں سے تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے۔

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوتراب ہونے کا واقعہ

ابوتراب " سیدنا علی کی کنیت اس طرح پڑی کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت علی گھر نہیں ہیں۔ پوچھا: علی کہاں ہیں؟ حضرت فاطمہ نے جواب دیا: میرے اور ان کے درمیان کچھ ان بن ہوگئی تھی، اسی غصہ میں گھر سے چلے گئے ہیں، آج تو انہوں نے اس گھر میں قیلولہ بھی نہیں کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبھی حضرت انس کو حکم دیا کہ جا کر دیکھو، علی کہاں ہیں، حضرت انس نے بتایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ وہ تو مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت علی مسجد کی دیوار سے لگے ہوئے ننگی زمین پر لیٹے محوخواب ہیں، چادر کاندھے سے کھسک کر الگ ہوگئی تھی اور پیٹھ و پہلو پر مٹی لگی ہوئی تھی، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جسم کے اوپر سے مٹی صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے، اے ابوتراب اٹھو، جبھی سے حضرت علی کی کنیت " ابوتراب " مشہور ہوگئی۔

فاتح خیبر ہونے کے شرف وعزت کا واقعہ

حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے دن فرمایا: کل میں یہ جھنڈا (کہ جو کمانداری کی علامت ہے) ایسے شخص کو عطا کروں گا کہ جس کے ہاتھ پر اللہ تعالٰی فتح عطا فرمائے گا اور وہ شخص اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اس کو دوست رکھتے ہیں" چنانچہ تمام صحابہ نے اس انتظار اور شوق میں پوری رات جاگ کر گزاری کہ دیکھئے کل صبح یہ سرفرازی کس کے حصہ میں آتی ہے اور جب) صبح ہوئی تو ہر شخص اس آرزو کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ جھنڈا اسی کو ملے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (تمام صحابہ پر نظر ڈال کر فرمایا کہ " علی ابن ابی طالب کہاں ہیں" دراصل حضرت علی آشوب چشم میں مبتلا ہو گئے تھے اور اس وجہ سے اس وقت وہاں حاضر نہیں تھے) صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آنکھوں نے ان کو پریشان کر رکھا ہے (اور اس عذر کی بنا پر وہ یہاں موجود نہیں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو بھیج کر ان کو بلوالو، چنانچہ حضرت علی کو بلا کر لایا گیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈالا اور وہ آنکھیں ایک دم اس طرح اچھی ہوگئیں جیسے ان میں کوئی تکلیف اور خرابی تھی نہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا۔ حضرت علی (اس سرفرازی سے بہت خوش ہوئے اور) بولے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم! میں ان لوگوں (دشمنوں سے) اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہو جائیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اور نرمی و بردباری کے ساتھ چل کر ان (دشمنوں) علاقہ میں پہنچو، پھر (سب سے پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو اللہ کے وہ حقوق بتاؤ جو اسلام میں ان پر عائد ہوتے ہیں (اور پھر اگر وہ دعوت اسلام کو ٹھکرا دیں تو ان سے جزیہ طلب کرو، اگر وہ جزیہ پر صلح کرنے سے انکار کر دیں تو پھر آخر میں ان کے خلاف اعلان جنگ کر دو اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ دے کر اسلامی نظام کی سیاسی اطاعت قبول کرنے پر تیار نہ ہو جائیں) پس (اے علی) خدا کی قسم، یہ بات کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے، تمہیں ملنے والے سرخ اور چوپائیوں سے کہیں بہتر ہے۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 704)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قاتل کی جانب اشارہ کرنے کا واقعہ

حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ابن ملجم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "آگاہ ہو جاؤ یہ شخص مجھے قتل کرے گا! اس پر لوگوں نے کہا کہ اس کے قصاص کے بارے میں کیا چیز مانع ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے ابھی تک مجھ کو قتل نہیں کیا ہے؛ اس لئے قصاص لینا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

آخر کار جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہی شیطنت پیش آئی، یعنی بد بخت ابن ملجم نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، دیکھئے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر بات میں الہامی کشف ہوا کرتا تھا، جو ان حضرات کی کرامات ہیں۔

آپ کی دعائے ضرر سے جھوٹے کے اندھا ہو جانے کا واقعہ

طبرانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتاب الاوسط میں اور ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الدلائل میں حضرت زاذان سے روایت کی ہے کہ حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے کسی سے گفتگو فرمائی جس نے دوران گفتگو ہی میں آپ رضی اللہ عنہ کو جھٹلایا، اس پر حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جھوٹا تو دراصل تو ہے اور کیا تیرے جھوٹ کے اظہار کے لئے میں حضرت باری عزّ اسمہ میں دعا کروں؟ اس بے وقوف نے اپنے جھوٹ کو چھپانے کے لئے بڑی دلیری سے کہا کہ میں تو سچا ہوں، اگر میں جھوٹا ہوں گا تو آپ رضی اللہ عنہ کی بد دعا مجھے لگے گی، آپ رضی اللہ عنہ نے اس جھوٹے کے حق میں بد دعا کی اور آپ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہو گئی یعنی وہ جھوٹا ابھی بیٹھا تھا کہ بد دعا کے ساتھ ہی اندھا ہو گیا اور اس مجلس سے اٹھنے بھی نہ پایا۔

حضرت ابو یحییٰ (رحمہ اللہ تعالیٰ) روایت کرتے ہیں کہ "میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے سنا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہوں اور اس کلمہ کو میرے بعد سوائے کسی کذاب کے اور کوئی زبان پر نہیں لائے گا، عدنی (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین کی موجودگی میں ان کلمات کو جس شخص نے اپنی زبان سے ادا کیا وہ فوراً ہی مجنون اور پاگل ہو گیا۔

محبت علی رضی اللہ عنہ اور بغض والوں کی حالت کا واقعہ

قاضی عبدالرحمٰن بن ابی لیلی (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیان کرتے ہیں کہ "حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھتے پڑھتے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں اسلامی قسم دلاتا ہوں کہ ہر شخص کو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بیچ میں جحفہ کے پاس جو مقام خم غدیر کے نام سے موسوم ہے، اس میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ اے مسلمانو! کیا میں تمہاری جانوں سے زیادہ تم کو پیارا نہیں ہوں؟ ان سب لوگوں کے اقرار کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جس کا پیارا ہوں تو علی بھی اس کے پیارے ہیں، اے پروردگار! تو محبوب کرلے اس کو جو محبوب کرلے علی رضی اللہ عنہ کو اور دشمنی کا مزہ چکھادے اس کو، جو علی سے دشمنی رکھے اور اے بار خدایا! جو علی کی مدد کرے تو تو اس کی مدد کر اور ذلیل و رسوا کر اس کو جو علی کو مصیبت میں تنہا چھوڑ دے، لوگو! سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اقوال کہتے ہوئے جس کسی نے سنا ہو وہ کھڑا ہو جائے؛ چنانچہ دس سے زیادہ آدمیوں نے کھڑے ہو کر گواہی دی کہ آپ رضی اللہ عنہ سچ کہتے ہیں، ان آدمیوں کے سوا ایک قوم نے اس شہادت کو چھپایا جس کی وجہ سے ان کو برص کا مرض ہو گیا، یعنی ان کے جسم پر سفید داغ پڑ گئے اور وہ سب اندھے ہو کر اس دنیا سے فنا ہوئے، اس واقعہ کو خطیب نے افراد میں بیان کیا ہے۔ آپ نے یہ زندہ کرامت دیکھی کہ اس قوم کے افراد اندھے ہو کر موت کے گھاٹ اترتے ہیں۔

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلے تک دیوار کے کھڑے رہنے کا واقعہ

حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ ادق رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمی اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کا جھگڑا سننے کے لئے آپ رضی اللہ عنہ ایک دیوار کی جڑ میں بیٹھ گئے، ایک نے کہا کہ دیوار گر رہی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اپنا بیان شروع کرو، حفاظت کے لئے اللہ کافی ہے، جب ان دونوں کے بیانات سن کر مقدمہ کا فیصلہ کر کے کھڑے ہوئے تو اس کے بعد وہ دیوار گر پڑی، اس واقعہ کو ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الدلائل میں بیان کیا ہے۔

جھوٹی تعریف کرنے والے کو پہچان لینے کا واقعہ

ابوالبختری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ "ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر آپ رضی اللہ عنہ کی بڑھ چڑھ کر تعریف کرنا شروع کی، اس شخص کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سے پہلے ہی کچھ معلومات ہو چکی تھیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو جو منافقانہ مدح سرائی کر رہا ہے میں تو اس سے بہت زیادہ بلند ہوں یعنی تو جس قدر میرا مرتبہ سمجھا ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سربلندی اور ذی مرتبہ کیا ہے، اس واقعہ کو ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان کیا ہے۔ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کو اس جھوٹے مدح سرا کی خوشامد کا کشف بذریعہ الہام ہو جانا کرامت ہے۔

وقت شہادت کی پیش گوئی کرنے کا واقعہ

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "رمضان کا مہینہ تھا اور حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ ایک ایک دن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس روزہ افطار کرتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ دو تین لقموں سے زیادہ تناول نہیں کرتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی کم خوردنی دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ آپ اس قدر کم کیوں کھا رہے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میری زندگی تو بہت تھوڑی سی رہ گئی ہے، وہ وقت قریب ہے کہ میں بھوکا رہوں گا اور موت کا فرشتہ آ جائے گا، آپ رضی اللہ عنہ اسی شب میں شہید کر دیئے گئے"۔ اس واقعہ کو عسکری رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کیا ہے۔

اہل عراق کے طرز عمل کو بتانے کا واقعہ

حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "رات کو خواب میں میرے محبوب یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی، میں نے ان سے عراقیوں کے طرز عمل کی شکایت کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے مجھے مخالفت اور ایذاء رسانی کر کے پہنچائیں، اس پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان کی ایذاء رسانی سے نجات دلا کر عنقریب راحت و آرام دلانے کا وعدہ کیا، اس خواب کے بعد شیر خدا رضی اللہ عنہ صرف تین دن اس دنیا میں مقیم رہے اور اس کے بعد شہید کر دیئے گئے۔ اس واقعہ کو عدنی نے بھی بیان کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نوحہ بطخوں کے پڑھنے کا واقعہ

حضرت حسن بن کثیر اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ "حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لئے تشریف لے گئے جہاں بطخیں آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر چلانے لگیں، لوگوں نے ان کو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہنکایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کو رہنے دو، چھوڑ دو یہ تو نوحہ پڑھ رہی ہیں، پھر ابن ملجم نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا"۔ اس واقعہ کو ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جہاد میں جبرائیل و مکائیل کے ساتھ ہونے کا واقعہ

حضرت عاصم بن ضمرہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر کے دوران فرمایا کہ "سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم جب والد بزرگوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی جہاد میں روانہ کرتے تو آپ رضی اللہ عنہ کے داہنے طرف جبریل علیہ السلام اور بائیں جانب میکائیل علیہ السلام ہوتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ اس جنگ کو جیت کر واپس آ جاتے تھے، یعنی جہاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام رہا کرتے تھے اور اللہ کی امداد سے حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ اس جنگ کو جیت لیتے تھے"۔ اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے بھی بیان کیا ہے۔

خط کو لے جانے والی عورت کو گرفتار کرنے کا واقعہ

اچانک ایک شہسوار دوڑتا ہوا آیا اور بلند آواز سے عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! قریش مکہ نے بدعہدی کر دی، نبی کریم نے فتح مکہ کے لئے تیاری شروع فرمادی۔ دوسری جانب حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کے نام ایک خط لکھا جس میں انہوں نے حضور نبی کریم کی مکہ روانگی اور مکہ پر فوج کشی کی تیاریوں کے متعلق خبر کا ذکر کیا۔ حاطب رضی اللہ عنہ نے وہ خط ایک عورت کو دیا اور اس کو کچھ مال دیا کہ وہ یہ خط قریش مکہ تک پہنچادے، چنانچہ اس عورت نے وہ خط اپنے سر کے بالوں میں چھپا کر اوپر سے جوڑا کرلیا اور فوری طور پر مکہ کے لئے روانہ ہوئی۔ حاطب رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی خبر وحی آسمانی کے ذریعہ پہنچ گئی تو حضور اقدس نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ یا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو گرفتاری کے لئے بھیجا اور فرمایا: اس عورت کو گرفتار کرو حاطب رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے ہاتھ قریش مکہ کو خط لکھا جس میں اس نے ہماری تیاری وغیرہ کے متعلق ان کو ہوشیار کیا ہے۔ وہ دونوں حضرات دوڑتے ہوئے گئے اور اس عورت کو اسی جگہ پالیا، اس عورت سے کہا: کیا تیرے پاس کوئی خط ہے؟ اس نے گھبراتے ہوئے کہا: نہیں، میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ ان دونوں نے اس عورت کے سامان اور کجاوہ کی تلاشی لی گی کچھ نہ ملا، جب وہ ناامید ہو کر واپس جانے لگے تو حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے اس عورت کو پُرعزم اور ایمان بھرے قلب سے کہا: خدا کی قسم! رسول اللہ پر آنے والی وحی جھوٹی نہیں ہوسکتی اور رسول کریم نے بھی ہم سے جھوٹ نہیں بولا، بخدا! تم وہ خط نکالو ورنہ ہم تمہیں برہنہ کردیں گے۔ جب اس عورت نے معاملہ کی سنگینی اور ان کے چہرہ پر آثار سنجیدگی دیکھی تو کہنے لگی: ذرا چہرہ پھیرو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے منہ پھیرا تو اس نے اپنے سر کے بالوں سے وہ خط نکالا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چہرہ دمک اٹھا، وہ خط پکڑا اور اسے لیکر رسول اللہ کی جانب روانہ ہوگئے۔

تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنسو بہاتے ہوئے حضور نبی کریم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کپڑے کے کونے سے آنسو پونچھتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا لیکن مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا۔ نبی کریم مسکرائے اور ان کو اپنے ساتھ بٹھایا اور اپنے سینہ سے لگا کر فرمایا: تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو، پھر لوگوں کے عام مجمع میں یہ اعلان فرمادیا: لوگو! یہ علی رضی اللہ عنہ میرا بھائی ہے، یہ علی رضی اللہ عنہ میرا بھائی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بوسہ دینا

ایک آدمی پریشان روتا ہوا امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سخت آواز میں پکار کر کہنے لگا: یا امیر المومنین! میری مدد فرمائیں۔ یا امیر المومنین! میری مدد فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متحیر ہو کر فرمایا: ارے! کس کے خلاف تیری مدد کروں؟ اس آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی نظر کا نشانہ بناتے ہوئے کہا: اس آدمی کے خلاف جو

آپ رضی اللہ عنہ کے برابر بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: اے ابوالحسن! اٹھو اور اپنے فریق کے برابر بیٹھ جاؤ۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اٹھے اور اپنے فریق مخالف کے برابر بیٹھ گئے، دونوں نے باہمی مباحثہ کیا پھر وہ شخص جو صاحب استغاثہ تھا، واپس چلا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جگہ پر امیر المومنین کے برابر آ کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چہرہ متغیر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے ابوالحسن: کیا بات ہے، آپ کا رنگ کیوں بدلا ہوا ہے؟ کیا آپ رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ سے ناگواری ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ رضی اللہ عنہ کو کس بات پر ناگواری ہوئی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے میرے مخالف فریق کی موجودگی میں میری کنیت سے یاد کیا اور کہا کہ اے ابو الحسن! اٹھو! آپ رضی اللہ عنہ نے یوں کیوں نہیں کہا: اے علی رضی اللہ عنہ! اٹھو! اپنے فریق مخالف کے ساتھ بیٹھ جاؤ؟ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا چہرہ دمک اٹھا، چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گلے لگایا اور یہ کہتے ہوئے ان کو بوسہ دینے لگے: میرے باپ تم پر فدا ہوں، تمہاری وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی اور تمہاری وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے ہم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی عطا فرمائی۔

بہادر لڑکا

ایک مرتبہ ابوطالب کی اپنے بیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی، دیکھا کہ وہ نبی کے پیچھے پوشیدہ طور پر نماز پڑھ رہا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا جب ابوطالب کو اپنے چھوٹے بیٹے کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بھی محمد کے پیروکاروں میں شامل ہو چکا ہے اور ان کے دین و مذہب کو قبول کر چکا ہے اور قریش کے معبودوں سے خود کو بہت دور کر چکا ہے۔ جب لڑکے نے نماز پوری کر لی تو اپنے والد کی جانب پامردی اور استقلال کے ساتھ متوجہ ہوا اور بلا تامل پکار کر کہنے لگا: ابا جان! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا ہوں اور میں نے آنحضرت کے لائے ہوئے دین کی تصدیق اور اتباع کی ہے۔ ابوطالب نے کہا: یاد رکھو! یہ شخص آپ رضی اللہ عنہ کو خیر و بھلائی کی ہی دعوت دیتا ہے، پس اس کے دامن سے وابستہ رہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شفا پانا

رات کی تاریکی چھا چکی تھی اور مکہ اپنی گھاٹیوں کے ساتھ تاریک اندھیرے میں چھپ چکا تھا، اس دوران قرشی نوجوان علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے اپنی لاٹھی کندھے پر ڈالی اور رات کے اندھیرے میں لوگوں سے چھپ چھپا کر رخت سفر باندھا۔ بعد اس کے کہ آپ رضی اللہ عنہ تین روز تک ان امانتوں کی ادائیگی کے لئے جو نبی اکرم نے آپ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کی تھیں، مکہ میں مقیم رہے۔ وہ نوجوان بلا تردد اور بلا خوف جرأت مندی کے ساتھ سفر طے کرتا رہا، رات کو سفر کرتے اور دن کو کہیں روپوش ہو جاتے، حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچ گئے حال یہ تھا کہ پاؤں مبارک سوجھ گئے اور پھٹ گئے تھے۔ جب نبی کریم کو آپ رضی اللہ عنہ کی آمد کا علم ہوا تو فرمایا: علی رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بلاؤ۔ عرض کیا گیا کہ وہ تو پیدل نہیں چل سکتے، زیادہ چلنے کی وجہ سے ان کے

پاؤں متورم ہیں، چنانچہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، آپ نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ زمین پر پڑے ہیں، آپ جذبہ شفقت و رحمت سے رونے لگے اور شوق سے گلے لگا لیا۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک میں لعاب دہن ڈال کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قدموں کو لگا دیا تو وہ اس سے بالکل ٹھیک ہو گئے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تادم حیات اپنے قدموں میں تکلیف نہیں ہوئی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سونا و چاندی

ابن التیاح دوڑتا ہوا بارگاہ خلافت میں حاضر ہوا، اس نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضور اکرم کی سیرت طیبہ کے ذکر سے اہل مجلس کو معطر کیے ہوئے ہیں۔ ابن التیاح نے عرض کیا: اے امیر المومنین! بیت المال زرد اور سفید مال سے بھر گیا ہے۔ (یعنی سونے اور چاندی سے) حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً اٹھے اور ابن التیاح کا سہارا لئے بیت المال پہنچے۔ یہاں پہنچ کر آپ رضی اللہ عنہ نے سونے چاندی کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے فرمایا: اے زرد مال! اے سفید مال! میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے وہ مال مسلمانوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا، حتیٰ کہ بیت المال میں ایک درہم یا ایک دینار بھی باقی نہ رہا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس جگہ کو صاف کرنے اور پانی چھڑکنے کا حکم دیا اور پھر وہاں دو رکعتیں نماز ادا کیں۔

اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا

ایک عورت آنسو بہاتے ہوئے امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، اس کا حال یہ تھا کہ کپڑے میلے کچیلے تھے، ننگے پاؤں تھی، پیشانی اور رخساروں سے خون بہہ رہا تھا اور اس عورت کے پیچھے ایک طویل القامت آدمی کھڑا تھا، اس آدمی نے زوردار آواز میں کہا: اے زانیہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مسئلہ کیا ہے؟ اس آدمی نے کہا کہ اے امیر المومنین! اس عورت کو سنگسار کریں، میں نے اس سے شادی کی تھی اور اس نے چھ مہینہ میں ہی بچہ جنم دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برابر بیٹھے تھے، کہا: اے امیر المومنین! یہ عورت زنا سے بری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ کیسے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف: 15) اور دوسری جگہ فرمایا ہے: وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ (لقمان: 14) تو جب ہم اس سے رضاعت کی مدت نکالیں گے جو کہ تیس مہینوں میں سے چوبیس مہینے ہیں تو چھ ماہ ہی باقی رہ جائیں گے، لہٰذا ایک عورت چھ ماہ میں بچہ جن سکتی ہے۔ (یہ سن کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چہرہ دمک اٹھا اور فرمایا: اگر (آج) علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قلعہ کا دروازہ

معرکہ جاری تھا اور موت سروں پر منڈلا رہی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ شوق شہادت میں آگے بڑھے اور میدان کارزار میں

اپنی جان کی بازی لگاتے ہوئے بغیر کسی تردد کے لڑنے لگے، یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ نے بہت سے یہودیوں کو ٹھکانے لگا دیا، قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے، اچانک قلعہ کے پہرے داروں کا ایک گروہ نکلا، اس گروہ کے ایک آدمی نے آپ رضی اللہ عنہ پر اس زور کا وار کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ڈھال گر گئی۔ (یہ دیکھ کر) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یا تو میں بھی (شہادت کا) وہی مزا چکھوں گا جو حمزہ رضی اللہ عنہ نے چکھایا، پھر اللہ تعالیٰ ضرور میرے لئے اس کو کھول دے گا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ ایک شیر کی طرح پرانے دروازہ کی طرف جلدی سے دوڑے جو قلعہ کے پاس پڑا ہوا تھا، اس دروازہ کو اٹھایا اور اس کو ڈھال کی طرح اپنے بچاؤں کا ذریعہ بنایا، جب تک لڑتے رہے وہ دروازہ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہی رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اس قلعہ کو فتح فرمایا تو پھر اس دروازہ کو پھینک دیا۔ رسول کریم کے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا لشکر اس بات کا گواہ ہے کہ میں نے اپنے سات ساتھیوں سمیت یہ کوشش کی کہ اس دروازہ کو جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا، زمین سے اٹھائیں یا دروازہ کو الٹا دیں، مگر ہم نہ اٹھا سکے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

تین خارجی ابن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر تیمی اکٹھے ہوئے اور انہوں نے منصوبہ بنایا حضرت علیؓ، معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو ایک ہی رات میں قتل کر دیا جائے۔ انہوں نے اپنی طرف سے اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کیا، خود کش حملے کا ارادہ کیا اور تلواریں زہر میں بجھالیں۔ ابن ملجم کوفہ آ کر دیگر خوارج سے ملا جو خاموشی سے مسلمانوں کے اندر رہ رہے تھے۔ اس کی ملاقات ایک حسین عورت قطامہ سے ہوئی، جس کے باپ اور بھائی جنگ نہروان میں مارے گئے تھے۔ ابن ملجم اس کے حسن پر فریفتہ ہو گیا اور اسے نکاح کا پیغام بھیجا۔ قطامہ نے نکاح کی شرط یہ رکھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جائے۔ ایک خارجی شبیب نے ابن ملجم کو روکا بھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اسلام کے لیے خدمات کا حوالہ بھی دیا لیکن ابن ملجم نے اسے قائل کر لیا۔

اس نے نہایت ہی سادہ منصوبہ بنایا اور صبح تاریکی میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب فجر کی نماز کے لیے مسجد کی طرف آ رہے تھے تو اس نے آپ پر حملہ کر کے آپ کو شدید زخمی کر دیا۔ اس کے بقیہ دو ساتھی جو حضرت معاویہ اور عمرو رضی اللہ عنہما کو شہید کرنے روانہ ہوئے تھے، ناکام رہے۔ برک بن عبداللہ، جو حضرت معاویہ کو شہید کرنے گیا تھا، انہیں زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ حضرت عمرو اس دن بیمار تھے، اس وجہ سے انہوں نے فجر کی نماز پڑھانے کے لیے خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔ خارجی عمرو بن بکر نے عمرو بن عاص کے دھوکے میں خارجہ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد وہ گرفتار ہوا اور مارا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وفات سے پہلے کچھ وقت مل گیا جسے آپ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرنے میں صرف کیا۔ جانکنی کے

اس عالم میں بھی آپ نے جو باتیں ارشاد فرمائیں، وہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ یہاں ہم طبری سے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں:

آپ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو بلوایا اور ان سے فرمایا: "میں تم دونوں کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ دنیا کے پیچھے ہرگز نہ لگنا خواہ دنیا تم سے بغاوت ہی کیوں نہ کر دے۔ جو چیز تمہیں نہ ملے، اس پر رونا نہیں۔ ہمیشہ حق بات کہنا، یتیموں سے شفقت کرنا، پریشان کی مدد کرنا، آخرت کی تیاری میں مصروف رہنا، ہمیشہ ظالم کے دشمن اور مظلوم کے حامی رہنا اور کتاب اللہ کے احکامات پر عمل کرتے رہنا۔ اللہ کے دین کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے مت گھبرانا۔

(تیسرے بیٹے) محمد بن حنفیہ سے فرمایا: "میں نے تمہارے بھائیوں کو جو نصیحت کی، تم نے بھی سن کر محفوظ کر لی؟ میں تمہیں بھی وہی نصیحت کرتا ہوں جو تمہارے بھائیوں کو کی ہے۔ اس کے علاوہ یہ وصیت کرتا ہوں کہ اپنے بھائیوں (حسن و حسین) کی عزت و توقیر کرنا اور ان دونوں کے اس اہم حق کو ملحوظ رکھنا جو تمہارے ذمہ ہے۔ ان کی بات ماننا اور ان کے حکم کے بغیر کوئی کام نہ کرنا۔

پھر حسن و حسین سے فرمایا: "میں تم دونوں کو بھی محمد کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ تمہارا بھائی اور تمہارے باپ کا بیٹا ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ تمہارا باپ اس سے محبت کرتا ہے۔"

پھر خاص طور پر حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "میرے بیٹے! تمہارے لیے میری وصیت یہ ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہنا، نماز وقت پر ادا کرنا، زکوۃ کو اس کے مصرف میں خرچ کرنا، وضو کو اچھی طرح کرنا کہ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی اور زکوۃ نہ دینے والے کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ ہر وقت گناہوں کی مغفرت طلب کرنا، غصہ پینا، صلہ رحمی کرنا، جاہلوں سے بردباری سے کام لینا، دین میں تفقہ حاصل کرنا، ہر کام میں ثابت قدمی دکھانا، قرآن پر لازمی عمل کرتے رہنا، پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنا، نیکی کی تلقین اور برائیوں سے اجتناب کی دعوت دیتے رہنا اور خود بھی برائیوں سے بچتے رہنا۔

جب وفات کا وقت آیا تو پھر یہ (قرآنی آیات پر مشتمل) وصیت فرمائی: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! یہ وہ وصیت ہے جو علی بن ابی طالب نے کی ہے۔ وہ اس بات کی وصیت کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب فرما دیں، خواہ یہ بات مشرکین کو ناگوار گزرے۔ یقیناً میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرمانبردار لوگوں میں سے ہوں۔

حسن بیٹا! میں تمہیں اور اپنی تمام اولاد اور اپنے تمام گھر والوں کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں جو تمہارا رب ہے۔ اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ صرف اسلام ہی کی حالت میں جان دینا۔ تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ایک دوسرے باہمی تعلق رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا نفل نمازوں اور

روزوں سے بہتر ہے۔ اپنے رشتے داروں سے اچھا سلوک کرنا، اس سے اللہ تم پر حساب نرم فرمادے گا۔ یتیموں کے معاملے میں اللہ سے ڈرنا، ان پر یہ نوبت نہ آنے دینا کہ وہ اپنی زبان سے تم سے مانگیں اور نہ ہی تمہاری موجودگی میں پریشانی میں مبتلا ہوں۔ اللہ سے ڈرتے رہنا اور اللہ سے پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں بھی ڈرنا کیونکہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ہے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور بھی بہت سی نصیحتیں فرمائیں جن میں خاص کر نماز، زکوۃ، جہاد، امر بالمعروف کی نصیحت تھی۔ معاشرے کے کمزور طبقات یعنی غرباء و مساکین اور غلاموں کے بارے میں خاص وصیت فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا:

تمہارے موجود ہوتے ہوئے کسی پر ظلم نہ کیا جائے۔ اپنے نبی کے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔۔۔۔ پشت دکھانے، رشتوں کو توڑنے اور تفرقہ سے بچتے رہنا۔ نیکی اور تقوی کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور نافرمانی اور سرکشی میں کسی کی مدد نہ کرنا۔ اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ اللہ تعالی تمہاری، تمہارے اہل خاندان کی حفاظت کرے جیسے اس نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی تھی۔ میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور تم پر سلام اور اللہ کی رحمت بھیجتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیتیں ایسی ہیں کہ پڑھنے والے کا دل بھر آتا ہے۔ ان وصیتوں میں جو خط کشیدہ الفاظ ہیں، ان پر غور کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ کی رائے کیا تھی؟ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خاص کر اس بات کی تلقین فرمائی کہ صحابہ کرام کو ساتھ ملایا جائے، ان سے تفرقہ نہ پیدا کیا جائے اور انہی کے ساتھ رہا جائے خواہ اس کے لیے انہیں کسی بھی قسم کی قربانی دینا پڑے۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت حسن نے یہی کیا اور قربانی کی ایک ایسی تاریخ رقم کی، جس پر ملت اسلامیہ قیامت تک فخر کرتی رہے گی۔

اپنے قاتل کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا وصیت فرمائی، اسے بھی پڑھتے چلیے: بنو عبد المطلب! کہیں تم میری وجہ سے مسلمانوں کے خون نہ بہا دینا، اور یہ کہتے نہ پھرنا کہ امیر المومنین قتل کیے گئے ہیں (تو ہم ان کا انتقام لے رہے ہیں۔) سوائے میرے قاتل کے کسی کو قتل نہ کرنا۔ حسن! اگر میں اس کے وار سے مر جاؤں تو قاتل کو بھی ایک ہی وار میں ختم کرنا کیونکہ ایک وار کے بدلے میں ایک وار ہی ہونا چاہیے۔ اس کی لاش کو بگاڑنا نہیں کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ تم لوگ مثلہ سے بچو خواہ وہ باؤلے کتے ہی کا کیوں نہ ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ابن ملجم کو طلب کیا تو اس نے آپ کو ایک آفر کی: کیا آپ مجھے ایک اچھا کام کرنے دیں گے؟ وہ یہ ہے کہ میں نے اللہ سے عہد کیا تھا اور میں اسے ضرور پورا کرنا چاہتا ہوں۔ وہ عہد میں نے حطیم (خانہ کعبہ) کے قریب کیا تھا کہ میں علی اور معاویہ دونوں ہی کو ضرور قتل کروں گا یا خود اس کوشش میں مارا جاؤں گا۔ اگر آپ چاہیں تو مجھے چھوڑ دیں تاکہ میں معاویہ کو قتل کر دوں۔ میں آپ سے اللہ کے نام پر وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں انہیں قتل نہ کر سکا یا

قتل کر کے زندہ بچ گیا تو آپ کے پاس آ کر آپ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں گا۔" حضرت حسن نے فرمایا: "میں اس کام کے لیے تمہیں ہرگز نہ چھوڑوں گا کہ تم آگ کو اور بھڑکاؤ۔

اس کے بعد آپ نے اسے قتل کر دیا۔ پھر لوگ اس کی لاش کو چمٹ گئے اور اس کی بوٹیاں کر کے آگ میں ڈال دیں۔ افسوس کہ اس معاملے میں وہ اتنے جذباتی تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت پر عمل نہ کر سکے۔

بیل کا گدھے کو مار ڈالنے پر فیصلہ کرنے کا واقعہ

"ایک مرتبہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے، ایک نے دعویٰ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک گدھا تھا اور اس شخص کے پاس ایک بیل، اس کے بیل نے میرے گدھے کو مار ڈالا، حاضرین جلسہ میں سے ایک صاحب بولے کہ جانور بے زبان پر کیا ضمان و تاوان، حبیب اکرم نے فرمایا کہ اے علی! تم ان دونوں میں تصفیہ کر دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فریقین سے سوال کیا، یہ دونوں رسی میں بندھے تھے یا کھلے تھے یا ایک بندھا تھا اور ایک کھلا تھا؟ فریقین نے جواب دیا گدھا بندھا تھا، مگر بیل چھوڑا ہوا تھا اور بیل کا مالک اس کے پاس تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا: بیل والے پر ضمان ہے، گدھے کی قیمت اس کے مالک کے حوالہ کر دے، حضرت رسول الثقلین نے یہ فیصلہ پسند فرمایا اور یہی حکم جاری کیا"۔

نیز حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی یہ بات بہت مشہور تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قضاء کے باب میں سب سے آگے ہیں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علی ہم لوگوں میں بڑے فیصلہ کرنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اہل مدینہ میں آپ (علی) اچھے قاضی اور فیصلہ کرنے والے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر کوئی معتمد شخص ہمارے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتوے اور احکام بیان کرے تو ہم مقدمات میں ان سے ہٹ کر کوئی فتویٰ نہیں دیں گے"۔

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس دشوار اور پیچیدہ مقدمہ میں اللہ سے پناہ مانگتے تھے، جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے نہ ہوتی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لو لا علی لهلك عمر"()"اگر (رائے و فیصلہ دینے میں) علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "اہل مدینہ میں علم فرائض کے اور کار قضاء و افتاء میں علی رضی اللہ عنہ سب سے اعلیٰ ہیں"۔ تاریخ و ادب کی کتابوں میں یہ جملہ ضرب المثل بن گیا تھا: قضية ولا ابا حسن لها، ()"ایک پیچیدہ مسئلہ ہے مگر اس کے حل کے لئے ابوالحسن نہیں"۔

اس کے علاوہ خود رسول اللہ نے آپ کی شان میں یہ جملہ ارشاد فرمایا: "واقضاهم علی"(٠)"حق کے مطابق سب سے

اچھا فیصلہ کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ نے پوری زندگی اس وصف کمال کو فصل خصومات میں صرف کیا جس کے چند نظام درج ذیل ہیں:

حساب وریاضی کے مطابق فیصلہ کرنے کا واقعہ

ابن حویش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "دو شخص کھانے بیٹھے، ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں، دوسرے کے پاس تین، جب دونوں نے اپنا اپنا کھانا سامنے رکھا تو ایک تیسرا شخص ادھر سے گذرا اور ان کو سلام کیا، دونوں نے اس کو بلایا، وہ بھی آکر بیٹھ گیا، تینوں نے مل کر وہ سب آٹھ روٹیاں کھا ڈالیں، تیسرا شخص اٹھ کھڑا ہوا اور جاتے ہوئے آٹھ درہم دونوں کو دیتے ہوئے کہا: یہ کھانے کا عوض ہے، جو میں نے تمہارے ساتھ کھایا ہے، اس کے جانے کے بعد دونوں میں حجت وتکرار شروع ہوئی جس کی پانچ روٹیاں تھیں، اس نے کہا: میں پانچ درہم لوں گا اور تجھ کو تین درہم ملیں گے؛ کیونکہ تیری روٹیاں تین تھیں، تین روٹی والے نے کہا: میں تو نصف سے کم پر ہرگز راضی نہ ہوں گا، یعنی چار درہم لے کر چھوڑوں گا، یہ جھگڑا اتنا طول پکڑا کہ بالآخر حضرت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا اور انصاف طلب کیا گیا، آپ نے دونوں کے بیانات سن کر تین روٹی والے سے فرمایا تم کو تین درہم ملتے ہیں، یہ کم نہیں ہے؛ کیونکہ تمہاری تین ہی روٹیاں تھیں؛ لہٰذا تم کو جو ملتا ہے اس پر راضی ہو جاؤ، مدعی: میں اپنا پورا حق لوں گا، علی رضی اللہ عنہ: اگر حق پر چلتے ہو تو تمہارا حق صرف ایک درہم ہے، تین درہم جو تم کو ملتا ہے تمہارے حق سے کہیں زیادہ ہے، مدعی: سبحان اللہ! آپ نے اچھا فیصلہ کیا، تین درہم یہ شخص خود دیتا رہا اور میں اس پر راضی نہ ہوا، اب آپ فرماتے ہیں کہ تیرا حق ایک ہی درہم ہے، علی رضی اللہ عنہ: بے شک تمہارا حق صرف ایک درہم ہے، تمہارا فریق تین درہم پر صلح کرتا رہا، مگر تم نے نہ مانا اور بات بڑھا دی، اب تم مانتے نہیں تو سن لو کہ تمہارا حق کیا ہے، مدعی: فرمایئے اور وجہ معقول بیان کیجئے، علی رضی اللہ عنہ: آٹھ آٹھ روٹیوں کے تین ٹکڑے برابر کے کرو تو چوبیس () ٹکڑے ہوئے، اب تم تین آدمی کھائے، یہ تو معلوم نہیں کہ کس نے زیادہ کھایا اور کس نے کم؛ لہٰذا فرض کر لو کہ سب برابر کھائے، مدعی: ہاں، بے شک، علی رضی اللہ عنہ: تو اس صورت میں ہر ایک نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے، صرف ایک ٹکڑا بچا جو تیسرے نے کھایا اور تمہارے فریق کی پانچ روٹیاں تھیں، جن کے پندرہ ٹکڑے ہوئے، آٹھ خود کھایا اور سات تیسرے کو کھلائے، اب تمہاری تین روٹیوں کے نو ٹکڑوں میں سے صرف ایک ٹکڑا تیسرے آدمی نے کھایا جس کا عوض ایک درہم ہے اور تمہارے فریق کے سات ٹکڑے کھائے جس کا عوض سات درہم ہے، مدعی: آپ نے ٹھیک فیصلہ کیا، بے شک میرا حق ایک ہی درہم ہے اور میں راضی ہوں"۔

قاتل کی دیت کا عجیب فکر فیصلہ کرنے کا واقعہ

روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ عہد رسالت میں حاکم بن کر یمن پہونچے تو وہاں یہ مقدمہ آپ کی عدالت میں دائر ہوا کہ ایک غار شیر کو شکار کرنے کے واسطے کھودا گیا تھا، اتفاقاً چار شخص اس غار پر ہو کر گزرے، ان میں ایک کا پاؤں پھسلا اور گرنے لگا تو دوسرے کو پکڑ لیا، پہلا شخص غار میں چلا تو اس کے ساتھ دوسرا بھی چلا، اس نے تیسرے کو اور تیسرے نے چوتھے

کو پکڑا، آخر چاروں غار میں گر پڑے اور بقضائے الٰہی شیر بھی اس غار میں آ پہنچا، اس نے چاروں کو چیر پھاڑ کر ہلاک کر ڈالا، مرنے والے تو مر گئے، مگران کے اولیاء میں باہم تنازع ہوا، ایک نے دوسرے پر دعویٰ کیا اور دیت طلب کرنے لگے، آپ کے اجلاس میں دعویٰ پیش ہوا، آپ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان فیصلہ کئے دیتا ہوں، اگر تم اس پر راضی ہو جاؤ گے تو بہتر ہوگا، ورنہ تم لوگوں کو باہمی تکرار اور جنگ وجدال سے روکوں گا یہاں تک کہ تم رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہو اور حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے بارے میں حکم صادر ہو، میرا فیصلہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ گڑھا کھدوایا ہے، ان کے قبیلے والوں کو جمع کرو اور ان سے دیت بہ تفصیل ذیل لو، یعنی ایک ربع دیت ایک ثلث ایک نصف ایک دیت کامل جو شخص ان میں اول گرنے لگا تھا اس کی دیت تو ایک ربع ہے؛ کیونکہ اس کے پکڑنے سے تین آدمی ضائع ہوئے؛ لہٰذا اس کی دیت بھی بقدر تین ربع ساقط ہوگئی اور دوسرے کی دیت جس کو پہلے نے پکڑا تھا، ایک ثلث ہے؛ کیونکہ یہ باعث ہلاکت دو شخصوں کا ہوا، تیسرے کی نصف؛ کیونکہ اس نے ایک کو ہلاک کیا، چوتھے کی دیت کامل یہ کسی کے ہلاک ہونے کا سبب نہیں بنا، وہ لوگ آپ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوئے اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کی تجویز بھی پیش کی، رسول اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ پسند فرمایا اور اسی کے مطابق حکم دیا۔

ایک ساتھ قرض وصول کرنے والوں کے فیصلہ کرنے کا واقعہ

حسن بن معتمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "دو شخصوں نے ایک قریشی عورت کے پاس سو دینار امانت رکھے اور یہ کہہ دیا کہ ہم دونوں جب آئیں تو دینا، صرف ایک کے حوالے نہ کرنا، اس کو ایک سال گذر گیا، اب ان دونوں میں سے ایک شخص آیا اور عورت سے ظاہر کیا کہ میرا ساتھی مر گیا ہے، امانت مجھ کو واپس دے، عورت نے انکار کیا، مرد نے عورت کے اقرباء کو بیچ میں ڈالا، بعد گفتگو عورت نے مجبور ہو کر اس کو دینار دے دئے، پھر ایک برس کے بعد دوسرا شخص آیا اور امانت طلب کی، عورت نے سارا قصہ کہہ سنایا، جس میں دونوں کی تکرار ہوئی اور عورت نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، آپ نے عورت پر ادائے تاوان کا حکم کرنا چاہا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ فرمایا کہ میرے نزدیک تو ضامن ہے، عورت نے کہا: خدا کے واسطے آپ فیصلہ نہ کریں اور ہمارے مقدمہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کردیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فریقین کو خدمت مرتضی رضی اللہ عنہ میں بھیج دیا، آپ پہچان گئے کہ دونوں مردوں کی چالاکی ہے، غریب عورت کو مفت پھانسا ہے، آپ نے مدعی سے فرمایا: کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ ایک کو نہ دینا؛ بلکہ جب دونوں ایک ساتھ آئیں تو دینا؟ مدعی نے جواب دیا: ہاں! یہ بات کہی تھی، آپ نے فرمایا: تو جاؤ اور حسب شرط اپنے ساتھی کو لاؤ، جب امانت ملے گی۔

تین مخاصمت کرنے والوں کے فیصلہ کا واقعہ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں تین شخص

ایک مقدمہ لے کر آئے کہ ایک لونڈی مشترکہ سے ایک ہی طہر میں تینوں نے صحبت کی، اس کا لڑکا پیدا ہوا، ہر ایک مدعی تھا کہ میرا لڑکا ہے، آپ نے ہر ایک سے جداگانہ یہ سوال کیا کہ کیا تم یہ لڑکا اس شخص کو (دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) دینے میں خوش ہو گے؟ ہر ایک نے جواب دیا نہیں، یہ ہرگز پسند نہیں، آپ نے فرمایا: تم شرکاء متشاکسین ہو، میں قرعہ ڈالتا ہوں، جس کا نام نکلے اسی کا لڑکا ہے، وہ دو ثلث قیمت بچے کی اپنے دوسرے شرکاء کو ادا کرے؛ چنانچہ اسی پر فیصلہ ہوا، جب آنحضرت نے یہ فیصلہ سنا تو پسند کر کے فرمایا: جیسا علی نے فیصلہ کیا ہے، میرے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔

عورت پر جنون ظاہر ہونے کا واقعہ

حارث سے روایت ہے کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے اجلاس میں ایک شخص اپنی عورت لے کر حاضر ہوا اور ظاہر کیا کہ اس عورت نے وقت نکاح مجھ سے عیب چھپایا تھا، اب معلوم ہوا ہے کہ مجنونہ ہے، آپ نے غور و تامل فرمایا اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عورت بہت حسین و جمیل ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے اس سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: تیرا شوہر کیا کہتا ہے؟ عورت نے جواب دیا: امیر المومنین مجھ کو جنون نہیں ہے؛ لیکن وقت مباشرت مجھ پر غشی طاری ہو جاتی ہے، یہ سمجھتا ہے کہ جنون ہے، آپ نے عورت کے جواب سن کر شوہر سے فرمایا: اس کو لے جاؤ اور اچھی طرح رکھو؛ البتہ تو اس کے قابل نہیں، تجھ کو یہ تمیز نہیں کہ یہ مجنونہ ہے یا نازک مزاج حسینہ ہے۔

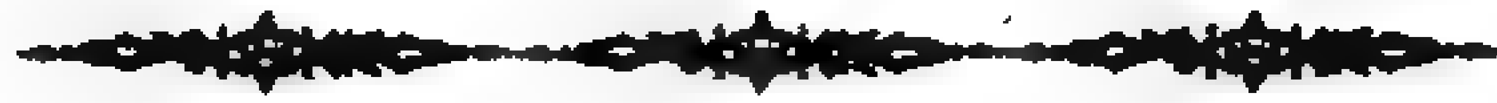
سترہ مشترکہ اونٹوں کے فیصلہ کرنے کا واقعہ

ایک مرتبہ تین شخص سترہ اونٹ لے کر آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا امیر المومنین رضی اللہ عنہ! یہ سترہ اونٹ ہمارے مشترکہ منافع کے ہیں، ان میں نصف حصہ ایک شخص کا ہے، تیسرا حصہ دوسرے کا اور نواں حصہ تیسرے کا ہے، ہم اپنا اپنا نفع تقسیم کرنا چاہتے ہیں، براہ کرم ایسی صورت میں تقسیم کر دیں کہ کسی اونٹ کو ذبح کرنا یا بیچ کر تقسیم نہ کیا جائے اور ہر ایک اپنا اپنا حق حاصل کر لے، آپ نے اپنے غلام قنبر کو حکم دیا کہ اونٹوں کو ایک قطار میں کھڑا کر دو اور ایک طرف اپنا اونٹ لے کر ان ہی میں کھڑا کر دو، جب حسب الحکم تعمیل ہو چکی، تو آپ نے پہلے شخص کو بلا کر فرمایا کہ تم اپنا نصف حصہ ان اونٹوں میں سے لے لو، چنانچہ اس نے نو اونٹ علیحدہ کر لئے، پھر دوسرے کو بلایا اور فرمایا کہ تم اپنا تیسرا حصہ لے لو، اس نے اپنے تیسرے حصے کے چھ اونٹ علاحدہ کر لئے، پھر تیسرے کو فرمایا کہ تم اپنا نواں حصہ لے لو، چنانچہ اس نے اپنے حصہ کے دو اونٹ لے لئے، پھر آپ نے قنبر کو حکم دیا کہ تم اپنا اونٹ لے جاؤ، تینوں سائل خوش ہو کر چلے گئے اور اپنا اونٹ اپنے ہی پاس رہا۔

قاتل کی پہچان کر لینے کا حکمت بھرا واقعہ

ایک مرتبہ ایک نوجوان چند آدمیوں کی شکایت لے کر آیا کہ لوگ میرے باپ کو سفر میں لے گئے تھے، یہ سب لوگ تو واپس آ گئے؛ لیکن میرا باپ واپس نہ آیا، میں ان سے پوچھتا ہوں تو کہتے ہیں کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے اور جب اس کا مال دریافت

کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ اس کے پاس کچھ مال نہ تھا؛ حالاں کہ وہ بہت سا مال اپنے ساتھ لے گئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے ان سب کو علیحدہ علیحدہ رکھا اور پہلے ایک کو بلایا اور اس سے تمام تفصیلات معلوم کیں، مگر اس نے اس کے قتل کرنے کا اقرار نہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے ایک نعرہ تکبیر بلند کیا، جتنے ان کے ساتھ علیحدہ کمروں میں تھے، انہوں نے سمجھا کہ ان کے ساتھی نے راز فاش کر دیا، اس کے بعد جب یکے بعد دیگرے وہ سب بلائے گئے تو سبھوں نے اس کے باپ کے قتل کرنے کا اقرار کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ اس کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔ (طبقات کبریٰ، استیعاب، بدایہ ونہایہ)



حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

اہل جنت کے سردار ہونے کے شرف کا بیان

حضرت حسن حضرت فاطمہ زہراء کے بطن سے حضرت علی کے صاحبزادے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آنکھوں کی ٹھنڈک، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنگن پھول تھے۔ اور تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں حضرت حسن کی کنیت "ابو محمد" تھی۔ صحیح تر روایت کے مطابق سن تین ہجری کے ماہ رمضان کی پندرہ تاریخ کو پیدا ہوئے اور سن بچپن میں وفات ہوئی۔ بعض حضرات نے سن وفات ۵۸ھ اور بعض نے ۴۹ھ اور بعض ۴۴ھ لکھا ہے بقیع میں دفن کیے گئے ان سے ایک بڑی جماعت کو شرف روایت حاصل ہے جس میں ان کے صاحبزادے حضرت حسن ابن حسن اور حضرت ابو ہریرہ بھی شامل ہیں تاریخی روایت کے مطابق حضرت علی کی شہادت (رمضان ۴۰ھ) کے بعد کوفہ میں جن لوگوں نے حضرت حسن کو خلیفہ بنایا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی ان تعداد چالیس ہزار تھی لیکن وہ امت کو افراق وانتشار سے بچانے کی خاطر چھ ماہ بعد ہی ۱۵ جمادی الاول ۴۱ھ کو حضرت امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔

سید الشہداء حضرت حسین کی کنیت ابو عبداللہ ہے، سن چار ہجری کے ماہ شعبان کی پانچ تاریخ کو پیدا ہوئے اپنے بڑے بھائی حضرت حسن سے صرف ۱۰ ماہ ۳۰ دن چھوٹے تھے ۱۰ محرم ۶۱ھ جمعہ کے دن کربلا (عراق) کی سرزمین پر یزید ابن معاویہ کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے ایک روایت تو یہ ہے کہ سنان ابن انس نخعی نے آپ کو شہید کیا جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ شمر ذی الجوش نے شہید کیا اور آپ کی نعش مبارک اور آپ کے اہل بیت کو میدان کربلا سے عبداللہ ابن زیاد کے پاس خولی ابن یزید اصحی لے کر آیا، روایتوں میں آتا ہے کہ کربلا کے میدان میں حضرت حسین کے ساتھ آپ کی اولاد، آپ کے بھائیوں اور اہل بیت میں سے ۲۳ مردوں کو شہید کیا گیا شہادت کے دن حضرت حسین کی عمر اٹھاون سال کی تھی۔

دنیا مؤمن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے

ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ شاندار جبہ زیب تن فرما کر انتہائی وجیہانہ شان کے ساتھ گھر سے باہر تشریف لائے، آپ کی ظاہری حالت بہت خوبصورت معلوم ہو رہی تھی، اتنے میں ایک یہودی سے ملاقات ہوئی جس کی شکستہ حالی اس کے لباس اور بدن سے عیاں ہو رہی تھی، سخت تپتی دھوپ میں جان گداز محنت نے اس کو بے حال کر رکھا تھا اور اس نے پانی کا گھڑا گردن پر اٹھایا ہوا تھا، اس نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر کے کہا "مجھے ایک سوال پوچھنا ہے" حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اسے سوال

پوچھنے کی اجازت دی تو اس نے کہا" تمہارے نانا کا فرمان ہے دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے، تم مومن ہو اور میں کافر ہوں، میرا تو یہ خیال ہے کہ یہ دنیا تمہارے لئے جنت ہے کہ تم اس میں عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے ہو اور میرے لئے قید خانہ ہے کہ فقر نے مجھے خستہ حال کر چھوڑا ہے اس کی یہ بات سن کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو آخرت میں میرے لئے تیار کردہ نعمتوں کو دیکھ لے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کرنی ہیں تو ان نعمتوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے تو یہی کہے گا کہ میں قید خانہ میں ہوں اور اگر تو اس عذاب کو دیکھ لے جو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں تیرے لئے تیار کر رکھا ہے تو اس عذاب کو دیکھ کر تو یقین کرلے گا کہ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے تو جنت میں ہے۔ (الحسن والحسین)

کرامات سیّدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

حافظ حدیث ابن عبدالبر (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ "ہم کو کئی سندوں سے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ قریب المرگ ہوئے تو انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: اے بھائی! ابا جان کو امر خلافت کا خیال ہوا تھا کہ اسلام کی خدمت کریں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر ان کو خلافت نہ دے کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کا والی بنایا، ان کی وفات کے بعد پھر ابا جان کو اس کا خیال ہوا تو سلطنت خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کردی گئی اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ میں ابا جان کو یقین تھا کہ خلافت ان کو تجاوز نہ کرے گی، یعنی وہی خلیفہ مقرر کئے جائیں گے؛ لیکن خلافت کی باگ ڈور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی گئی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد والد بزرگوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی، یعنی وہ خلیفہ بنائے گئے، پھر ایک فتنہ برپا ہوا جس میں تلواریں کھینچ لی گئیں اور لڑائیاں ہوئیں، یعنی وہ خلافت ابا جان کو بلا غبار نہیں ملی، خدا کی قسم میں یہ امر تجویز نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ ہم اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت اور خلافت دونوں چیزیں جمع کردے، یعنی میرا اندازہ یہ ہے کہ خلافت اہل بیت میں نہیں رہے گی اور یقیناً میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ کوفہ کے بیوقوف تم کو حرکت دے کر جنگ وجدل کی طرف متوجہ کردیں اور تم کو وطن سے باہر نکال دیں۔

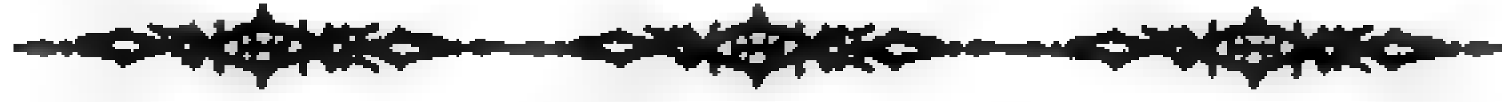
ان امور کا اس وقت تک بظاہر کوئی قرینہ تو نہ تھا کہ کوئی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ نازیبا برتاو کریں گے؛ لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو کشف کے ذریعہ یہ سب کچھ معلوم ہوجانا آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔

مقام بقیع میں مدفن امام حسن رضی اللہ عنہ

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری خواہش پر کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن کیا جاوں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اقرار فرمایا تھا، یعنی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجھے دفن ہونے کی اجازت دے دی تھی اور جب میں مرجاوں تو اس کی درخواست ان سے پھر کرلینا؛ لیکن اس کے ساتھ ہی میرا گمان ہے کہ قوم تم کو اس بات سے روکے گی اور اگر وہ ایسا کریں یعنی میرے دفن سے تم کو روکیں تو ان سے بار بار نہ کہنا، الحاصل حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضرت حسین رضی

اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جا کر کہا: انہوں نے جواب دیا نہایت خوشی سے؛ لیکن مدینہ کے گورنر مروان نے ان کو وہاں دفن کرنے سے منع کر دیا، اس پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء مسلح ہو کر لڑائی کے لئے آمادہ ہو گئے؛ لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اس ارادہ جنگ سے باز رکھا اور کہا اس موقع پر اگرچہ مروان نے نامعقول اور ناشائستہ حرکت کی ہے؛ لیکن تمہارا آمادہ جنگ ہونا مناسب نہیں، آخر کار حضرت حسن رضی اللہ عنہ مقامِ بقیع میں اپنی والدہ ماجدہ کے پاس دفن ہوئے۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت رفقاء اہل بیت کی کثرت کی وجہ سے کسی سے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کو دفن سے روکا جائے گا؛ لیکن امام عالی مقام نے ظاہراً حالت کے خلاف جس ہونے والے واقعہ کو بذریعہ کشف ظاہر کیا وہ آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔



حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ

امام عالی مقام کا نام ونسب یوں ہے: حسین بن علی بن ابو طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم القرشی الہاشمی۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے (عبداللہ آپکے چھوٹے بیٹے حضرت علی اصغر کا نام ہے)، آپ کے القاب سبط رسول، ریحانہ رسول، سید شباب اہل الجنہ وغیرہا ہیں۔ آپ کی والدہ سیدہ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء ہیں۔ آپ 5 شعبان المعظم 4ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی کا واقعہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی ولادت سے پہلے ہی آپ کے متعلق پیش گوئی فرمادی تھی۔ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہ (زوجہ عم رسول حضرت عباس رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ وہ رسول کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک ناپسندیدہ خواب دیکھا ہے۔ فرمایا: وہ کیا ہے؟ عرض کی وہ بہت ہی ناپسندیدہ ہے۔ فرمایا: وہ کیا ہے؟ عرض کی میں نے دیکھا ہے گویا آپکے جسم کا ایک ٹکڑا آپکے جسم سے جدا ہوا ہے اور میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے اچھا (خواب) دیکھا ہے، فاطمہ انشاء اللہ بیٹا جنم دے گی وہ تمہاری گود میں ہوگا۔ پس جیسے آپ نے فرمایا ویسے ہی ہوا اور حسین رضی اللہ عنہ میری گود میں آئے۔ فرماتی ہیں ایک دن میں رسول کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہیں (حسین رضی اللہ عنہ کو) آپکی گود میں رکھا دیکھا تو آپکی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا وجہ ہے؟ فرمایا جبرائیل علیہ السلام ابھی آئے ہیں اور انہوں نے خبر دی ہے کہ بیشک میری امت کے لوگ میرے اس بیٹے کو قتل کر دینگے۔ میں نے کہا اس بیٹے کو۔ تو کہا ہاں اور میرے پاس سرخ رنگ کی مٹی بھی لائے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج:2، صفحہ:300، طبع دار الفکر بیروت)

محدث ابونعیم نے روایت کیا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ نے اس مٹی کو سونگھا اور فرمایا کرب وبلاء کی بو ہے۔ اور اے ام سلمہ جس روز یہ مٹی خون میں بدل جائیگی تو جان لینا کہ میرا بیٹا قتل کر دیا گیا ہے۔ فرماتی ہیں میں نے اس مٹی کو ایک شیشی میں محفوظ کرلیا۔

علاوہ ازیں سیدہ عائشہ صدیقہ حضرت علی المرتضیٰ حضرت فاطمۃ الزہراء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر سے امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور مقام شہادت کے بارے میں روایات اور پیش گوئیاں کتب معتبرہ میں موجود ہیں۔ لیکن یہ بات قابل

حیرت ہے کہ نبی اکرم اور آپکے اہلبیت میں سے کسی سے اس حادثہ فاجعہ کے ٹل جانے کی دعاء ثابت نہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم اور تمام اہل بیت رسول چاہتے تھے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اس امتحان عظیم سے گزر کر جہاد اور شہادت فی سبیل اللہ کا حق ادا کر کے مسلمانوں کیلئے روشنی کا اونچا مینارہ ثابت ہوں اور خدا تعالیٰ کے ہاں اعلیٰ و ارفع درجات کے مستحق ٹھہریں۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام رکھنے کا واقعہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حسین کی ولادت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا حرب فرمایا بلکہ وہ حسین ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے اپنے تینوں نواسوں (حسن، حسین اور محسن) کے نام حضرت ہارون علیہ السلام کے بیٹوں شبر، شبیر اور مشبر کے نام پر رکھے ہیں۔

آپ نے خود کان میں اذان پڑھی۔ تحنیک فرمائی (یعنی کھجور چبا کر لعاب میں مکس کر کے کھلائی)، عقیقہ فرمایا، بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔

پانچ مبارک ہستیوں کی شان و عظمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بے حد پیار تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ رنگ کی بالوں سے بنی ہوئی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ حسن آئے تو انہیں چادر میں داخل فرمالیا پھر حسین آئے تو انہیں چادر میں داخل فرمالیا پھر فاطمہ آئیں تو انہیں چادر میں داخل فرمالیا پھر علی آئے تو انہیں چادر میں داخل فرمالیا پھر فرمایا: اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دور رکھے اے اہلبیت اور تم کو خوب پاک فرمائے۔ اسی حدیث مبارک سے پنجتن پاک کی اصطلاح بنی۔

وقت مباہلہ میں اہل بیت کو ساتھ لے جانے کا واقعہ

ہجرت کے 9 ویں سال جب نجران کے عیسائیوں کو آپ نے اسلام کی دعوت دی جب آپ نے دلائل سے اتمام حجت فرمائی تو آپ نے انہیں مباہلہ (ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے) کا چیلنج کیا۔ اس موقع پر جب حضور مباہلہ کیلئے تشریف لائے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو آپ اٹھائے ہوئے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ دائیں جانب اور حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے۔ اس موقع پر عیسائیوں کے سب سے بڑے پادری (اسقف) نے کہا: اے عیسائیوں کی جماعت ہرگز مباہلہ نہ کرنا میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ سے سوال کریں کہ وہ پہاڑوں کو جڑ سے اکھاڑ دے تو اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو جڑوں سے اکھاڑ دے گا۔ پھر کہا اگر تم نے آج مباہلہ کر لیا تو تمہارا نام و نشان مٹ جائیگا اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی نظر نہیں آئیگا۔ اسکے بعد عیسائیوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ ان روایات سے شہزادہ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت شان روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی محبت حسین رضی اللہ عنہ

اسی طرح خلفاء ثلثہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اپنے دورِ خلافت میں شہزادہ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت فرمائی۔ فتح ایران کے بعد جب بے پناہ خزانے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئے تو آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وظیفہ 2 دو ہزار درہم مقرر فرمایا اور نواسہ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا وظیفہ پانچ ہزار درہم مقرر فرمایا اور شاہ ایران یزدجرد کی بیٹی حضرت شہربانو کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیا۔

رجب 60ھ میں صحابی رسول کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وصال فرما گئے۔ ان کے بعد ان کا بیٹا یزید بن معاویہ تخت نشین ہوا تو گورنر مدینہ ولید بن عقبہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے یزید کی بیعت (یعنی یزید کی حکومت کی تائید کرنے) کا مطالبہ کیا تو آپ نے یزید کے فسق وفجور کی بنیاد پر اس کی بیعت کرنے سے صاف صاف انکار فرمادیا۔

اس کے بعد آپ 4 شعبان 60ھ کو مکہ مکرمہ چلے گئے۔ اسی اثناء میں کوفہ کے لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے (اور وہاں خلافت راشدہ کی بنیاد رکھنے) کی دعوت دی۔ آپ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم ابن عقیل کو اپنا نمائندہ بنا کر کوفہ بھیجا۔ اہل کوفہ نے ابتداء میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی لیکن بعد میں یزیدی گورنر عبیداللہ ابن زیاد کے ڈرانے دھمکانے کے بعد آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور امام مسلم اور آپ کے دونوں بیٹوں محمد و ابراہیم کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔

آپ کی سیرت کے چند درخشاں گوشے

1۔ آپ کی سیرت کا سب سے روشن و درخشاں پہلو یہ ہے کہ آپ نے یزید جیسے فاسق وفاجر ظالم حکمران کی حمایت نہیں فرمائی اور اس سلسلہ میں نہ صرف بڑی بڑی پیش کشوں کو ٹھکرا دیا۔ بلکہ ہجرت وطن سے لے کر مال واولاد، احباب اقرباء حتیٰ کہ جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں فرمایا۔ آپ کا یزید سے کوئی ذاتی اختلاف نہ تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سر الشہادتین میں فرماتے ہیں: پس امام حسین یزید کی بیعت وحمایت سے رک گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فاسق وفاجر، شرابی اور ظالم تھا۔ اور مشہور مفسر محدث اور مورخ حافظ ابن کثیر دمشقی اپنی تصنیف البدایہ والنہایہ جلد: 8 میں لکھتے ہیں: یزید کے متعلق یہ باتیں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ وہ ساز وراگ کا دلدادہ، شرابی، ناچ، گانے کا شیدائی، خوبرو لڑکوں اور نوعمر حسین وجمیل گانے والی لونڈیوں کا شوقین تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ہر صبح شراب کے نشہ میں مدہوش اٹھتا تھا۔ جبکہ اسلام میں ایسا شخص مسلمانوں کی امامت وحکومت کا اہل نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآن پاک میں سورۃ شعراء کی آیت 181 میں ہے: ترجمہ: اور تم گناہ کرنے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کرو۔ جو کہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ فاسق وظالم کو امیر وحکمران نہ بناؤ۔ جبکہ حدیث پاک میں نبی اکرم نے فرمایا: ترجمہ: ایسے شخص کی اطاعت نہیں جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو۔

باطل کے خلاف شہادت حسین کے مقاصد

لہٰذا امام حسین رضی اللہ عنہ کیلئے کیسے ممکن تھا کہ ایسے خبیث ولعین کی بیعت کرتے۔ آپ نے ظالم وجابر، فاسق وفاجر حکمران کا

نہ صرف ڈٹ کر مقابلہ کیا بلکہ اپنا سب کچھ لٹا دیا اور قیامت تک کے مسلمانوں کو درس دیا کہ امارت وحکومت صرف صالح لوگوں کا حق ہے۔ فاسق وفاجر، ظالم و جابر مسلمانوں کا حاکم نہیں ہو سکتا۔ نیز آپ نے مسلمانوں کو یہ درس دیا کہ ایک مسلمان کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اسلام کے اصولوں پر سودے بازی کرے۔ مسلمان جان و مال واولاد اور عزت وآبرو تو قربان کر سکتا ہے لیکن اسلام کے اصولوں پر سودے بازی نہیں کر سکتا۔

لہٰذا آج اگر ہم محبت حسین کا دعویٰ کر کے فاسقوں، فاجروں اور ظالموں کو ووٹ دے کر حکومت کیلئے منتخب کریں تو اس سے بڑھ کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ منافقت اور کیا ہوگی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ غلامان حسین یزیدان وقت کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور کسی فاسق وفاجر کو ووٹ دے کر اسے حکومت کیلئے منتخب نہ کریں۔

2۔ آپ کی سیرت کا ایک اور روشن ترین پہلو صبر واستقامت ہے کہ آپ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے.... میدان کربلا میں آپ کے ساتھی، بھتیجے، بھانجے اور بیٹے خاک وخون میں غلطاں تھے.... خیموں میں بیٹیاں، بہنیں اور بیویاں اپنے بعد بے سہارا نظر آ رہی تھیں.... ان نہایت خوفناک حالات میں یزیدی افواج آپ کو بار بار پیش کش کر رہی تھیں کہ آپ اگر اب بھی یزید کی بیعت کر لیں تو آپ کو قتل نہیں کیا جائیگا.... لیکن آپ استقامت کا پہاڑ بن کر اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

3۔ آپ صبر کا مجسمہ بنے رہے اور اپنے اہل بیت کو بھی صبر کی تلقین کرتے رہے۔ اِعلامُ الوَرٰی بِاَعلامِ الھُدیٰ میں ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی ہمشیرہ سے فرمایا اے میری بہن! اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا ہر شے فانی ہے۔ میرے باپ مجھ سے بہتر تھے۔ جن کی شہادت پر تم نے صبر کیا تھا۔ بیشک میرے لیے اور ہر مسلمان کیلئے رسول اللہ بہترین نمونہ ہیں۔ پھر فرمایا: اے میری بہن! میں تجھے قسم دیتا ہوں میری قسم کو پورا کرنا:

مجھ پر اپنا گریبان چاک نہ کرنا اور مجھ پر اپنے چہرے کو ہرگز نہ نوچنا اور ہائے افسوس اور ہائے ہلاکت کے الفاظ سے بین نہ کرنا جب میں جام شہادت نوش کر جاؤں۔

الغرض امام حسین امام الصابرین تھے۔ لہٰذا آپکے محبین کو بھی صبر واستقامت کا پیکر بننا چاہیے۔

4۔ آپ نے میدان کربلا میں ایسے حالات میں جبکہ آپکے تمام ساتھی اور رشتہ دار شہید ہو چکے تھے اور آپکا اپنا جسم تیروں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ نماز کو ترک نہیں کیا اس میں بھی امت کیلئے درس تھا کہ نماز بڑا قیمتی متاع ہے۔ ایسے خوفناک حالات میں بھی نماز کا ترک کرنا جائز نہیں۔

5۔ آپ نے یزید کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس سلسلہ میں کسی خطرہ کی پرواہ نہیں کی۔ جبکہ اس سے قبل حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہ نے تینوں خلفائے رسول حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مکمل تعاون فرمایا بلکہ اپنے بیٹوں کے نام خلفاء کے نام پر رکھے اور ان کی بیعت کی ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں۔ لہٰذا جو شخص حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان سے دشمنی رکھتا ہے وہ نہ صرف ان کا دشمن ہے بلکہ وہ اہلبیت رسول کا بھی دشمن ہے۔

6۔خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا۔ خلیفہ چہارم امیر المومنین حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں صحابی رسول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام و مصر میں الگ خلافت قائم کر لی۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہ دونوں بھائیوں نے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح و اتحاد کی خاطر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے امت کو ایک امیر کی امارت پر متحد فرما دیا۔ اور اس طرح رسول اللہ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ جس میں آپ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائیگا۔ (بخاری شریف)

الغرض امام حسین رضی اللہ عنہ کی محبت مسلمانوں پر لازم کر دی گئی ہے جسکا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ یزیدیوں کے مقابلہ میں قافلہ امام حسین میں شامل رہیں۔

شہادت حسین سے آسمان کے سیاہ ہونے کا واقعہ

خلف بن خلیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت آسمان کالا ہو گیا اور دن میں ستارے نکل آئے، محمد بن صلت اسدی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ربیع بن منذر ثوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے آ کر امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع دی اور وہ اندھا ہو گیا، جس کو دوسرا آدمی کھینچ کر لے گیا، ابن عیینہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا بیان ہے کہ مجھ سے میری دادی نے کہا قبیلہ جعفین کے دو آدمی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے جن میں سے ایک کی شرمگاہ اتنی لمبی ہوئی کہ وہ مجبوراً اس کو لپیٹتا تھا اور دوسرے آدمی کو اتنا سخت استسقاء ہو گیا کہ وہ پانی کی بھری ہوئی مشک کو منہ سے لگا لیتا اور اس کی آخری بوند تک چوس جاتا، سدی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک جگہ مہمان گیا، جہاں قتل حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر ہو رہا تھا، میں نے کہا: حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں جو شریک ہوا وہ بُری موت مرا، جس پر گفتگو کرنے والے نے کہا: اے عراقیو! تم کتنے جھوٹے ہو، مجھے دیکھو میں قتل حسین رضی اللہ عنہ میں شریک تھا؛ لیکن اب تک بُری موت سے محفوظ ہوں، اسی لمحہ اس نے جلتے ہوئے چراغ میں اور تیل ڈال کر بتی کو اپنی انگلی سے ذرا بڑھایا ہی تھا کہ پوری بتی میں آگ لگ گئی، جسے وہ اپنی پھونک سے بجھا رہا تھا کہ اس کی ڈاڑھی میں آگ لگ گئی، وہ وہاں سے دوڑا اور پانی میں کود پڑا؛ تاکہ آگ بجھ جائے؛ لیکن آخر کار جب اسے دیکھا تو جل کر کوئلہ ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی دکھا دیا کہ تیری شرارت کا یہ انجام ہے۔

عمارہ بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ "جب عبید اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لا کر مسجد کے برآمدے میں برابر برابر رکھے گئے اور میں اس وقت ان لوگوں کے پاس پہنچا جب کہ وہ لوگ کہہ رہے تھے وہ آ گیا کہ اتنے میں ایک سانپ نے آ کر ان سروں میں گھسنا شروع کر دیا اور عبید اللہ بن زیاد کے نتھنے میں گھستا اور اس میں تھوڑی دیر ٹھہر کر باہر آ جاتا۔ اس واقعہ کو امام

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کر کے سند کو بھی صحیح کہا ہے۔

مٹی کا امام حسین کی شہادت کی خبر دینے کا واقعہ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ابھی حضور کی گود میں کھیلتے تھے اس وقت سے ہی آپ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا تذکرہ عام کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت فضل بنت حارث رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور آنحضرت کی چچی ہیں۔ ان سے مروی ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور حسین رضی اللہ عنہ کو آپ کی گود میں دے کر ذرا دوسری طرف متوجہ ہوگئی اور پھر (مڑ کر میں نے جو آپ کی طرف نظر اٹھائی تو) کیا دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو جاری تھے۔ حضرت اُم فضل رضی اللہ عنہ کہتی ہیں: میں نے پوچھا اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کو کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا ابھی میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ میری امت (یعنی مسلمانوں ہی سے بعض لوگوں کی جماعت) میرے اس بیٹے کو عنقریب قتل کر دے گی۔ میں نے پوچھا کیا اس بیٹے کو؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ (مشکوۃ المصابیح، باب مناقب اہلبیت)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ابھی بچے تھے کہ آقائے دو جہاں نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہ کو اس جگہ کی مٹی عطا فرمائی جہاں امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پانا تھی۔ چنانچہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ دونوں میرے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیل رہے تھے کہ جبرائیل امین علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک آپ کی امت میں سے ایک جماعت آپ کے اس بیٹے حسین رضی اللہ عنہ کو آپ کے بعد قتل کر دے گی اور آپ کو (وہاں کی تھوڑی سی) مٹی دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مٹی کو اپنے سینہ مبارک سے چمٹا لیا اور روئے پھر فرمایا: اے اُم سلمہ رضی اللہ عنہ! جب یہ مٹی خون میں بدل جائے تو جان لینا کہ میرا یہ بیٹا قتل ہو گیا۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہ نے اس مٹی کو بوتل میں رکھ دیا تھا اور وہ ہر روز اس کو دیکھتیں اور فرماتیں اے مٹی! جس دن تو خون ہو جائے گی وہ دن عظیم ہوگا۔

(خصائص الکبریٰ 2:125، سر الشہادتین 28، المعجم الکبیر للطبرانی 3:108)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے ہی خبر دے دی تھی بلکہ جس مقام پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پانا تھی اس مقام کی نشاندہی بھی فرما دی تھی۔ چنانچہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ کو جبریل امین نے خبر دی کہ میرا بیٹا حسین رضی اللہ عنہ میرے بعد زمین طف میں قتل کر دیا جائے گا اور جبرائیل میرے پاس (اس زمین کی) یہ مٹی لائے ہیں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ مٹی حسین کا مدفن ہے۔ (سر الشہادتین: 24)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کئی سال پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان یہ بات شہرت پا چکی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کربلا کے مقام پر ہوگی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بارش برسانے پر مامور

فرشتے نے اللہ تعالیٰ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت مانگی جو مل گئی۔ اس دن حضور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف فرما تھے فرشتے کی آمد پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اُم سلمہ رضی اللہ عنہ! دروازے کا خیال رکھنا کوئی اندر داخل نہ ہو۔ اس اثناء میں کہ آپ دروازے پر نگہبان تھیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آئے اور بزور اندر چلے گئے۔ وہ حضور علیہ السلام کے کندھوں پر جا چڑھے۔ رسول اللہ ان کو گود میں لے کر چومنے لگے تو فرشتے نے عرض کی: کیا آپ اس کو محبوب رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں فرشتے نے کہا: بے شک آپ کی اُمت اس کو قتل کر دے گی اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھا دوں جہاں یہ قتل کیے جائیں گے پس اس نے اپنا ہاتھ مارا اور آپ کو سرخ مٹی دکھا دی۔ وہ مٹی اُم سلمہ رضی اللہ عنہ نے لے لی اور اپنے کپڑے کے کونے میں باندھ لی۔

راوی فرماتے ہیں۔ ہم سنا کرتے تھے کہ حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں شہید ہوں گے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ جو کہ حضور اکرم کو اپنی سب ازواج میں سے زیادہ محبوب تھیں ان کو مٹی عطا نہیں فرمائی اور نہ ہی کسی اور زوجہ مطہرہ کے سپرد فرمائی بلکہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمائی اور فرمایا کہ اے اُم سلمہ رضی اللہ عنہ! جب یہ مٹی خون میں بدل جائے تو یہ سمجھ لینا کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنی نگاہ نبوت سے یہ دیکھ رہے تھے کہ میرے بیٹے کی شہادت کے وقت ازواج مطہرات میں سے صرف اُم سلمہ رضی اللہ عنہ ہی زندہ ہوں گی۔ چنانچہ جب واقعہ کربلا ظہور پذیر ہوا اس وقت صرف اُم سلمہ رضی اللہ عنہ ہی زندہ تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی تمام ازواج مطہرات وفات پا چکی تھیں۔ محبوب خدا نے نہ صرف یہ کہ اس جگہ کی نشاندہی فرما دی تھی بلکہ اس سن کی طرف اشارہ بھی فرما دیا تھا جس سن و سال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہونے والی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت محمد کا فرمان ہے: ساٹھ ہجری کے سال اور لڑکوں کی امارت (حکومت) سے اللہ کی پناہ مانگو۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر، 8:321)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ ہجری کے سال سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ساٹھ ہجری میں میرے جگر کے ٹکڑوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جائیں گے اور انہیں بڑی بے دردی سے شہید کر دیا جائے گا۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تو لوگوں نے رخصت کی راہ دکھائی اور کہا کہ کوفی بے وفا ہیں۔ وہ دھوکہ کریں گے۔ اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کے قدم منزل شہادت کی طرف کشاں کشاں بڑھ رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ اتنی مدت کے انتظار کے بعد آج وہ مبارک گھڑی آ رہی ہے جس گھڑی میں میرے نانا جی کے جوہر شہادت کا ظہور تام ہونا قرار پایا ہے۔ وہ خود کو خوش نصیب تصور کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے جسم کو شہادت عظمیٰ کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

چنانچہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ جب میدان کربلا پہنچے تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو بارہا کہا کہ شہادت میرا مقدر ہو چکی ہے۔ مجھ کو تو شہید ہونا ہے لیکن میں تم پر شہادت ٹھونسنا نہیں چاہتا۔ تم میں سے جس کسی نے جانا ہے رات کے اندھیرے میں چلا

جائے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ چونکہ آپ کو معلوم تھا کہ میری شہادت جوہر نبوی کے ظہور تام کے لیے مقدر کردی گئی ہے۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے جان دینے سے خود کو بچانے کی کوشش نہ کی۔ وہ کسی بھی لمحہ زندگی میں بارگاہ خداوندی میں اس انجام سے بچنے کی دعا کرتے نظر نہیں آتے اگر آپ دعا کرتے تو ممکن تھا کہ کربلا میں پانسا پلٹ جاتا اور اہل بیت کے ایک ایک فرد کے شہید ہونے کی بجائے یزیدی لشکر تہس نہس ہو جاتا۔ دعا سے حالات تو بدل جاتے ہیں لیکن اس طرح جوہر شہادت نبوی کا ظہور ممکن نہ ہوتا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اگر چاہتے تو آسمان کی طرف توجہ فرماتے، خدا کی ذات قدیر بادلوں کو حکم کرتی، وہ برستے اور پیاس کی کوئی صورت نہ رہتی لیکن یہ شہادت نبوی کا ظہور تھا اور شہادت جتنی مظلومیت اور غربت کی حالت میں ہو۔ جتنی بے کسی کی حالت میں ہو۔ اس قدر رتبے میں بلند سے بلند تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پانی پی کر بھی شہید ہو سکتے تھے لیکن پانی پی کر شہید ہونا اور بات تھی اور پیاس کی شدت میں تڑپ تڑپ کر شہید ہونا اور بات ہے۔ مظلومیت کی یہ ساری کیفیات جوہر شہادت کے ظہور کے نقطۂ کمال تک پہنچانے کے لیے تھیں۔ اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑی رگڑنے سے چشمہ پیدا ہو سکتا ہے تو نواسہ رسول کے لیے یہ بعید نہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے حکم سے میدانِ کربلا میں پانی کے کئی چشمے بہہ نکلتے۔ اگر آپ فرات کی طرف اشارہ کرتے تو فرات اپنا رخ بدل کر آپ رضی اللہ عنہ کے قدموں میں آجاتا۔ الغرض آپ رضی اللہ عنہ جو چاہتے خدا تعالیٰ کی ذات وہ کر دیتی مگر نہ آپ رضی اللہ عنہ نے چاہا اور نہ خدا تعالیٰ کی ذات نے ایسا کیا۔ اس لیے کہ یہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا باب رقم ہونے والا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں رقم نہ ہو سکا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت دس محرم الحرام کو بڑی شہرت، چرچے اور تحمل کے ساتھ رونما ہوئی۔

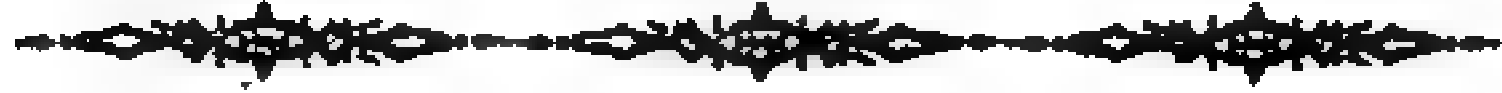
ایک عبدالشیطان کی گستاخی اور امام کی دعائے ضرر سے اس کی ہلاکت

پھر آپ رضی اللہ عنہ اونٹ سے اترے اور گھوڑے پر سوار ہو کر صف آرا ہو گئے اور اس بات کا انتظار کیا کہ ابتدائے جنگ لشکر ابن سعد کی جانب سے ہو۔ کہتے ہیں کہ لشکر ابن سعد میں سے عبداللہ نامی ایک شخص جو درحقیقت عبدالشیطان تھا، نے اپنے گھوڑے کو مہمیز کیا اور میدان جنگ میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام کے اہل وعیال اور بچوں کے خیموں کے گرد آگ روشن کی گئی ہے تاکہ وہاں کوئی نہ پہنچ سکے۔ کہنے لگا: اے حسین رضی اللہ عنہ تمہیں آخرت کی آگ سے پہلے ہی دنیا کی آگ مبارک ہو

امام عالی مقام علیہ السلام نے یہ سن کر اس کے حق میں بددعا کی۔ اسی وقت اس کے گھوڑے کے پاوں میں لغزش ہوئی اور وہ آگ سے بھری ہوئی خندق میں جا گرا۔ وہ جہنمی اسی آگ میں جل کر جہنم رسید ہوا۔ اس کے بعد لشکر ابن سعد سے دو آدمی اور نکلے اور طالب مبارزت ہوئے امام عالی مقام کی جانب سے دو افراد مقابلہ کے لئے برآمد ہوئے اور ان دونوں کو جہنم کے تاریک گڑھوں تک پہنچا دیا۔

رفقائے امام کا ان پر نثار ہونا

کہتے ہیں کہ جب لشکریان سعد نے مبارزت طلب کی تو امام مظلوم رضی اللہ عنہ نے خود پیش قدمی فرمائی، جنگ کے لئے سوار ہوئے اور مقابلہ کا ارادہ کیا لیکن سب بھائیوں عزیزوں اور غلاموں نے عرض کی: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند! جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ و سلامت موجود ہے ہم آپ علیہ السلام کو جنگ نہ کرنے دیں گے۔



حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سردار ہونے کی پیش گوئی

حضرت واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ آپ نبی کریم کے ساتھ غزوہ حنین میں شامل ہوئے۔ آپ نے انہیں ایک سو اونٹ اور چالیس سنہری اُوقیے عطا فرمائے جن کا وزن حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کیا اور آپ نے جنگ یمامہ میں بھی شرکت کی۔ معرکہ یرموک اور اس سے پہلے اور اس کے بعد آپ نے قابل تعریف کارنامے سرانجام دیئے۔ صحیحین اور دیگر سنن و مسانید میں آپ نے رسول کریم سے بہت سی احادیثِ مبارکہ روایت کی ہیں اور آپ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ آپ لوگوں میں حلیم باوقار رئیس سردار کریم عادل اور تیز فہم تھے۔ (البدایہ والنہایہ)

حضرت امام شافعی نے بیان کیا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے حضرت ہند رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں دیکھا گویا اُس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا ہے اور اس کے ساتھ ایک بچہ کھیل رہا ہے۔ پس ایک شخص گزرا اور اُس بچے کی طرف دیکھ کر کہا اگر یہ بچہ زندہ رہا تو میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ضرور اپنی قوم کا سردار بنے گا۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہ کہنے لگیں اگر یہ اپنی قوم کا سردار نہ بنے تو اللہ اس کو موت دے دے اور وہ بچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (البدایہ والنہایہ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی لیاقت و قابلیت: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت دیانتدار تخی سیاستدان، قابل حکمران وجیہہ صحابی تھے۔ آپ نے عہدِ فاروقی و عہدِ عثمانی میں نہایت قابلیت سے حکمرانی کی۔ آپ کی حکومت میں نہایت آسانی سے مالیہ وصول ہو جاتا تھا جو مدینہ منورہ پہنچا دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آپ سے نہایت خوش رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نہایت محتاط اور حکام پر سخت گیر تھے۔ ذرا سے قصور پر حکام کو معزول فرما دیتے تھے معمولی سی بات پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے جرنیل کو معزول فرما دیا مگر اس کے باوجود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھا جس سے معلوم ہوا کہ آپ سے اتنی دراز مدت حکومت میں لغزش سرزد نہ ہوئی۔

حضرت امیر معاویہ کے فضائل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل دو طرح کے ہیں۔ ایک عمومی دوسری خصوصی۔ عمومی فضائل یہ ہیں کہ وہ جلیل الشان عظیم المرتبت صحابی رسول ہیں لہٰذا اصحابہ رضی اللہ عنہ کے جس قدر فضائل و درجات اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بیان فرمائے ہیں اُن سب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ داخل ہیں۔ رب کریم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کُل صحابہ رضی اللہ عنہ سے جنت کا وعدہ فرما

کا ہے۔ان کے لئے تقوی طہارت لازم فرمادی وہ سب سچے ہیں۔اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو چکا وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو چکے۔ وہ بڑے کامیاب ہیں اُن سے جلنے والے عناد رکھنے والے کفار ہیں وغیرہ وغیرہ۔حضور نے جس قدر مراتب و درجات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اپنے اہل قرابت کے بیان فرمائے اُن سب میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔

حافظ امام ہیثمی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اپنی زوجہ مطہرہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو ملاحظہ فرمایا کہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کا سر اپنی گود میں لیے بیٹھی ہیں اور اُن کو بار بار چوم رہی ہیں تو سرکار نے فرمایا کہ اے اُم حبیبہ کیا تم معاویہ رضی اللہ عنہ سے محبت کرتی ہو انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں! کہ یہ میرا بھائی ہے۔حضور نے فرمایا کہ اللہ و رسول بھی معاویہ سے محبت کرتے ہیں۔تمام علماء محدثین اور صحابہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ثناء وصفت فرمائی۔

حضرت امیر معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما

چنانچہ امام قسطلانی نے شرح بخاری میں فرمایا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اعدل فضلاء اور بہترین صحابہ رضی اللہ عنہ میں سے ہیں۔امام شافعی نے فرمایا کہ معاویہ حلیم کریم عاقل کامل بہت رائے سلیم والے تھے۔گویا انہیں قدرت نے ملک رانی کے لئے پیدا فرمایا تھا۔تمام محدثین اُن کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے رہے۔عبداللہ ابن عباس نے انہیں مجتہد وفقیہہ صحابی فرمایا جیسا کہ بخاری کی روایت سے گزر گیا۔کسی نے عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ابو عبدالرحمٰن معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ میں سے کون افضل ہے تو آپ نے فرمایا کہ معاویہ کے گھوڑے کی ناک کا غبار جو حضور کے ساتھ جہاد کے موقع پر واقع ہوا وہ عمر ابن عبدالعزیز سے ہزار گناہ زیادہ اچھا ہے کیوں نہ ہو کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضور کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔خیال رہے کہ عبداللہ بن مبارک وہ بزرگ ہیں جن کے علم زہد تقویٰ امانت پر تمام اُمت رسول متفق ہے۔آپ کے انہی اوصاف حمیدہ کی وجہ سے سرکار دو عالم نے اُن کے حق میں بہت سی دُعائیں اِرشاد فرمائیں۔ایک مرتبہ فرمایا:(ترجمہ) اے اللہ (تعالیٰ) اِس کو کتاب کا علم عطا فرما اور اِس کو شہروں میں حکومت عطا فرما۔کتاب کے علم کے ساتھ رسول کریم نے اُن کے لئے علم حساب کے حصول کی بھی دُعا بھی فرمائی چنانچہ حضرت سیّدنا عبدالرحمٰن بن عمیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جناب رسول کریم رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دُعا کے طور پر فرمایا کہ حضرت سیّدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے حساب کے ساتھ کتاب کے علم کے حصول کی دُعا بھی منقول ہے کہ رسول اللہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا۔

(التاریخ الکبیر للبخاری جلد 4 ص 327 مجمع الزوائد جلد 9 ص 356)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ علم میں دعائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سیّدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے حساب کے ساتھ کتاب کے علم کے حصول کی دُعا بھی منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا۔(ترجمہ) اے اللہ (تعالیٰ)! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے اس کو محفوظ فرما۔(البدایہ والنہایہ، استیعاب، الفتح الربانی)

حضور نبی کریم کی اسی دُعا کا اثر تھا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ اگر تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سے حالات و معاملات میں ہوتے تو پکار اُٹھتے کہ یہ مہدی ہے: اسی لے ثے کو امیر المومنین حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خاص عقید تمند ابو اسحٰق السبیع رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں فرمایا کرتے تھے۔ اگر تم لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کو پالیتے یا اس کے زمانہ کو پالیتے تو کہہ اُٹھتے کہ یہ مہدی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ، العواصم من القواصم)

اسی طرح کا قول سیدنا مجاہد رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے فرماتے ہیں اگر تم لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پالیتے تو بول اُٹھتے کہ یہ مہدی ہیں۔ (العواصم ص205)

معلوم ہوا کہ آپ خود ہدایت پر تھے لوگوں کو ہدایت کی تلقین کرتے تھے آپ کی کوئی بات ایسی نہ تھی جو ہدایت سے خالی ہو کیونکہ حضور اکرم نے ان کے لئے ہادی اور مہدی ہونے کی دُعا فرمائی تھی اب جو آدمی حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاموں میں رخنہ اندازی پیدا کرنے میں نقص نکالنے کی کوشش کرتا ہے یا تاریخ کی بعض لغو مہمل اور غیر مستند روایات سے خالی ہوں تو اس کو خود اپنے لئے ہدایت کی تلاش کرنی چاہیے اور اپنے ایمان پر نظر ثانی کرنی چاہیے کیونکہ یہ اعتراض صحابی رسول پر نہیں بلکہ خود ذات رسول اللہ پر ہے جس کا نتیجہ ایمان کا خسران ہے۔

سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابلیس

ایک مرتبہ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں آرام فرما رہے تھے، اچانک کہیں سے ایک آدمی نے آکر انہیں بیدار کیا کہ حضرت! نماز کا وقت ہو گیا ہے، نماز پڑھ لیجئے، حضرت سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنکھیں کھول کر جب ایک اجنبی آدمی کو اپنے سامنے دیکھا تو حیران ہوئے کہ یہ میری خواب گاہ میں کیسے آ گیا؟ اس سے پوچھا کہ پہلے یہ بتا تو ہے کون؟ جو میری خواب گاہ میں اس طرح گھس آیا؟ اس نے پہلے تو جواب دینے میں پس و پیش کیا لیکن جب دیکھا کہ اس کے بغیر جان نہیں چھوٹے گی تو اسے بتانا ہی پڑا کہ میرا نام ابلیس ہے، سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تیرا کام تو عبادت سے غافل کرنا ہے، متوجہ کرنا نہیں پھر تو مجھے کیوں بیدار کر رہا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ گزشتہ کل آپ کی نماز رہ گئی تھی اور اس پر آپ نے خوب آہ و زاری کی تھی جو اللہ کو بہت پسند آئی اور آپ کے درجات میں کافی بلندی ہوئی، میں نہیں چاہتا تھا کہ آج بھی آپ کی نماز رہ جائے اور آپ اسی طرح آہ و زاری کر کے دوبارہ بلند درجات حاصل کر لیں، اس لئے میں نے آپ کو آ کر جگا دیا۔

ہم کون ہوتے ہیں علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو رد کرنے والے

سیّدنا علی مرتضٰی کے دورِ خلافت میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو خاص الفاظ کے ساتھ طلاق دے دی، لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہو گئی، وہ آدمی یہ مسئلہ لے کر سیّدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ساری صورت حال سن کر یہی فیصلہ دیا کہ اس پر اس کی بیوی حرام ہو چکی ہے، حلالہ شرعیہ کے بغیر کسی صورت میں حلال نہیں ہو سکتی۔ جب سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو وہی شخص اپنا مسئلہ لیکر سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور مسئلہ کا حل دریافت کیا، ساتھ ساتھ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کا بھی ذکر کر دیا جو انہوں نے اس معاملے میں کیا تھا، سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑا پیارا اور خوبصورت جواب ارشاد فرمایا، آپ کی زبان سے یہ جملہ صادر ہوا۔ ہم کون ہوتے ہیں علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو رد کرنے والے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مرتبہ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ بصرہ میں ایک شخص ہے جو نبی کریم کے ساتھ بہت مشابہت رکھتا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں کے گورنر کو خط لکھا کہ تم فوراً اسے عزت واکرام کے ساتھ یہاں روانہ کرو، چنانچہ اسے عزت واکرام کے ساتھ لایا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا، اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کو انعامات اور خلعت سے نوازا۔

سب سے زیادہ اچھی گفتگو کرنے والے

ایک مرتبہ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ اچھی گفتگو حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کرتے ہیں، جن کے متعلق ہم چاہتے ہیں کہ وہ گفتگو کرتے رہیں اور درمیان میں خاموش نہ ہوں، پھر فرمایا کہ میں نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی زبان سے سوائے ایک مرتبہ کے کبھی کوئی ناگفتہ بہ کلمہ نہیں سنا۔ وہ اس طرح کہ سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عثمان کے درمیان زمین کے ایک ٹکڑے میں اختلاف پیدا ہو گیا، اس معاملے میں جھگڑا ختم کرنے کے لئے سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک تجویز پیش کی لیکن عمرو بن عثمان کو وہ تجویز پسند نہیں آئی، اس موقع پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ہمارے پاس اس کے سوا کچھ نہیں اس کی ناک خاک آلودہ ہو بس یہی وہ ناگفتہ بہ کلمہ ہے جس کے سوا میں نے ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں سنی۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازے کو فرشتوں کے اٹھانے کا واقعہ

تہذیب التہذیب میں درج ہے کہ "حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی وفات پر منافقوں نے کہا کہ ان کا جنازہ کتنا ہلکا ہے؟ اس پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنازہ کو ملائکہ اٹھائے ہوئے ہیں؛ اس لئے ہلکا معلوم ہو رہا ہے؛ حالانکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بڑے موٹے تازے آدمی تھے جیسا کہ علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی اور زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج الہدایہ پر درج کیا ہے اور کئی معتبر سندوں کے ذریعہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت عرشِ اعظم بھی اس شوق میں جھوما کہ اب ان کی روح ہمارے پاس آجائے گی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ "حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے جو اس سے پہلے اتنی تعداد میں زمین پر نہیں آئے، تا ختم حدیث شریف۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیان پر کہا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "تین آدمیوں میں سے میں ایک شخص ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث بھی سنی وہ اللہ کا حق ہے اور میں نے کثرت مشاغل کے باوجود اپنی پوری نمازیں پڑھی ہیں اور میں جس جنازے میں شریک رہا تو میں نے اس سے باتیں کیں، حضرت ابن مسیب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتے ہیں کہ میں تو ان خصلتوں کو صرف انبیائے کرام میں جانتا ہوں؛ لیکن اپنی آنکھوں سے یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ میں دیکھ لیں، (تہذیب التہذیب جلد سوم)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جذبہ جہاد

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خندق سے لوٹ کر آئے، اس میں یہ قصہ بھی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی ہفت اندام رگ میں تیر لگا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہی سے ان کی عیادت کے لئے مسجد میں ایک خیمہ لگا دیا تھا، جس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعاء کی، اے الہ العالمین! تو خوب جانتا ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور ان کو مکہ معظمہ سے جلاوطن کیا ہے، مجھے ایسے لوگوں سے جہاد کرنا بہت زیادہ محبوب ہے، اے اللہ! میرا گمان ہے کہ تو نے ہم میں اور ان میں لڑائی بند کر دی ہے، یعنی میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ ہم مسلمانوں اور ان ظالموں میں کوئی جنگ نہیں ہوگی، اگر میرا یہ خیال غلط ہے اور قریش کے ساتھ کوئی معرکہ ہونا باقی ہے تو مجھے زندہ رکھ؛ تا کہ میں تیری راہ میں ان سے جہاد کروں اور اگر میرا یہ گمان صحیح ہے کہ ہم سے ان کا کوئی معرکہ نہ ہوگا تو میرے زخم کے خون کو جاری کر دے اور اسی میں مجھے موت دی دے، چنانچہ اسی رات کو اس رگ کا منہ کھل گیا اور مسجد والوں نے دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا خون بہتے ہوئے ان لوگوں کی طرف آ رہا تھا، پس اسی حالت میں کہ خون بہہ رہا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے بلیغ الارض ہونے کا واقعہ

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک طویل قصہ میں بیان کیا ہے کہ "وہ خاتون جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے، وہ کہتی تھی کہ میں نے کسی قیدی کو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے زیادہ اچھا نہیں دیکھا، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ خبیب رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں کافروں کی قید و بند میں تھے، نیز انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب وہ لوہے کے پنجرے میں مقید تھے اور کہیں آ جا نہ سکتے تھے اور اس وقت مکہ معظمہ میں پھلوں کا موسم بھی نہ تھا، انہیں انگور کے خوشے کھاتے دیکھا اور ان کا وہ کھانا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ہے کوئی جو خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو سولی سے اتار لائے؟ چنانچہ حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کام کا اقرار کیا اور پھر روانہ ہو گئے، وہ رات کو چلتے اور دن کو چھپتے رہتے، چنانچہ وہ اس سولی کے پاس پہنچ گئے جہاں چالیس محافظ موجود تھے؛ لیکن سب سو رہے تھے، ان دونوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی سے اتارا اور گھوڑے پر رکھ لیا، اگرچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کو چالیس دن گذر چکے تھے؛ لیکن ان کا جسم بالکل تازہ

تھا، زخموں سے خون ٹپک رہا تھا اور مشک کی خوشبو آ رہی تھی صبح کے وقت جب قریش کو اس کی خبر ہوئی تو چاروں طرف شتر سوار دوڑا دیے، کچھ شتر سواروں نے آپ رضی اللہ عنہ کو آ لیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر لاش کو فوراً زمین پر رکھ دیا اور زمین انہیں نگل گئی؛ اس لئے تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو "بلیغ الارض" کہا جاتا ہے، اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کفار کی طرف منہ کر کے کہا: میں زبیر بن العوام ہوں اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عبد المطلب میری ماں ہیں اور یہ میرے رفیق حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ہیں، تمہارا جی چاہے تو تیروں سے اور کہو تو اتر کر نیزے اور تلوار سے لڑیں اور چاہو تو لوٹ سکتے ہو، چنانچہ وہ شتر سوار کافر واپس ہو گئے۔

ان دونوں حضرات نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں کل ماجرا بیان کیا اور اسی وقت حضرت جبریل امین علیہ السلام نے مجلس میں حاضری دے کر کہا کہ سرکار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں اصحاب رضی اللہ عنہ کی فرشتوں میں تعریف ہو رہی ہے۔

سعد کی شادی جنت میں ہوگئی

حضرت سعد الاسود رضی اللہ عنہ کا اصل نام تو سعد تھا لیکن ان کی غیر معمولی سیاہ رنگت کی وجہ سے لوگ ان کو سعد الاسود یا اسود کہا کرتے تھے (جیسا کہ ہمارے ملک میں سیاہ فام آدمی کو لوگ کالو یا کالا کہہ کر پکارتے ہیں)۔ حضرت سعد الاسود رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نکاح کرنا چاہتا ہوں لیکن کوئی شخص میری بدصورتی کے سبب مجھ کو رشتہ دینے پر راضی نہیں ہوتا۔ میں نے بہت سے لوگوں کو پیام دیے لیکن سب نے رد کر دیے۔ ان میں سے کچھ یہاں موجود ہیں اور کچھ غیر حاضر ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اس سیاہ فام شخص کو اللہ تعالیٰ نے نورانی جبلت عطا کی ہے اور جوشِ ایمان اور اخلاص فی الدین کے اعتبار سے اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت تھے، بیکسوں اور حاجت مندوں کے ملجا وماویٰ تھے۔ اپنے ایک جاں نثار کی بیکسانہ درخواست سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحیمی نے گوارا نہ کیا کہ لوگ اس کو محض اس وجہ سے ٹھکرائیں کہ وہ ظاہری حسن و جمال سے محروم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعد گھبراؤ نہیں، میں خود تمہاری شادی کا بندوبست کرتا ہوں، تم اسی وقت عمرو رضی اللہ عنہ بن وہب ثقفی کے گھر جاؤ اور سلام کے بعد ان سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی بیٹی کا رشتہ میرے ساتھ کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر حضرت سعد الاسود رضی اللہ عنہ شاداں و فرحاں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن وہب کے گھر کی طرف چل دیئے۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن وہب ثقفی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور ابھی ان کے مزاج میں زمانۂ جاہلیت کی درشتی موجود تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر پہنچ کر انہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے مطلع کیا تو ان کو بڑی حیرت ہوئی کہ میری ماہ پیکر ذہین وفطین لڑکی کی شادی ایسے کریہہ منظر شخص سے کیسے ہوسکتی ہے! انہوں نے سوچے سمجھے بغیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا پیام رد کر دیا اور بڑی سختی کے ساتھ انہیں واپس جانے کے لیے کہا۔ سعادت مند لڑکی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور اپنے باپ کی گفتگو سن لی تھی، جونہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ واپس جانے کے لیے مڑے وہ لپک کر دروازے پر آئی اور آواز دی: اللہ کے

بندے واپس آؤ، اگر واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں بھیجا ہے تو میں بخوشی تمہارے ساتھ شادی کے لیے تیار ہوں، جس بات سے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہیں میں بھی اس پر راضی ہوں۔ اس اثناء میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ آگے بڑھ چکے تھے، معلوم نہیں انہوں نے لڑکی کی بات سنی یا نہیں، بہر صورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کر دیا۔ اُدھر ان کے جانے کے بعد نیک بخت لڑکی نے اپنے والد سے کہا: ابا قبل اس کے کہ اللہ آپ کو رسوا کرے آپ اپنی نجات کی کوشش کیجیے۔ آپ نے بڑا غضب کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پروانہ کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ کے ساتھ درشت سلوک کیا۔ عمرو رضی اللہ عنہ بن وہب نے لڑکی کی بات سنی تو اپنے انکار پر سخت پشیمان ہوئے اور ڈرتے ہوئے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا: تم ہی نے میرے بھیجے ہوئے آدمی کو لوٹایا تھا۔ عمرو رضی اللہ عنہ بن وہب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک میں نے اس آدمی کو لوٹایا تھا لیکن یہ غلطی لاعلمی میں سرزد ہوئی۔ میں اس شخص سے واقف نہ تھا، اس لیے اس کی بات کا اعتبار نہ کیا اور اس کا پیام نامنظور کر دیا، خدا کے لیے مجھے معاف فرما دیجیے۔ مجھے اپنی لڑکی کی شادی اس شخص سے بسر و چشم منظور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن وہب کا عذر قبول فرمایا اور حضرت سعد الاسود رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: سعد میں نے تمہارا عقد بنت عمرو بن وہب سے کر دیا۔ اب تم اپنی بیوی کے پاس جاؤ۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بے حد مسرت ہوئی، بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اٹھ کر سیدھے بازار گئے اور ارادہ کیا کہ نو بیاہتا بیوی کے لیے کچھ تحائف خریدیں۔ ابھی کوئی چیز نہیں خریدی تھی کہ ان کے کانوں میں ایک منادی کی آواز پڑی جو پکار رہا تھا: اے اللہ کے شہسوارو، جہاد کے لیے سوار ہو جاؤ اور جنت کی بشارت لو۔ سعد رضی اللہ عنہ نوجوان تھے۔ نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ دل میں ہزار امنگیں اور ارمان تھے۔ بار ہا مایوس ہونے کے بعد شادی کا مژدہ فردوسِ گوش ہوا تھا، لیکن منادی کی آواز سن کر تمام جذبات پر جوشِ ایمانی غالب آ گیا اور نو عروس کے لیے تحائف خریدنے کا خیال دل سے یکسر کافور ہو گیا، جو رقم اس مقصد کے لیے ساتھ لائے تھے، اس سے گھوڑا، تلوار اور نیزہ خریدا اور سر پر عمامہ باندھ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں غزوہ پر جانے والے مجاہدین میں جا شامل ہوئے۔ اس سے پہلے نہ ان کے پاس گھوڑا تھا، نہ نیزہ و تلوار، اور نہ انہوں نے کبھی عمامہ اس طرح باندھا تھا، اس لیے کسی کو معلوم نہ ہوا کہ یہ سعد الاسود رضی اللہ عنہ ہیں۔ میدان جہاد میں پہنچ کر سعد رضی اللہ عنہ ایسے جوش و شجاعت کے ساتھ لڑے کہ بڑے بڑے بہادروں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ایک موقع پر گھوڑا اڑ گیا تو اس کی پشت پر سے کود پڑے اور آستینیں چڑھا کر پیادہ پا ہی لڑنا شروع کر دیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھوں کی سیاہی دیکھ کر شناخت کر لیا اور آواز دی سعد۔ لیکن سعد رضی اللہ عنہ اُس وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر اس جوش و وارفتگی کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کی بھی خبر نہ ہوئی۔ اسی طرح داد شجاعت دیتے ہوئے جُرعۂ شہادت نوش کیا اور عروسِ نو کے بجائے حورانِ جنت کی آغوش میں پہنچ گئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سعد الاسود رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی لاش کے پاس تشریف لائے، ان کا سر اپنی گود میں رکھ کر دعائے مغفرت کی اور پھر فرمایا: میں نے سعد رضی اللہ عنہ

کا عقد عمرو بن وہب کی لڑکی سے کر دیا تھا، اس لیے اس کے متروکہ سامان کی مالک وہی لڑکی ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ کے ہتھیار اور گھوڑا اسی کے پاس پہنچادو اور اس کے ماں باپ سے جا کر کہہ دو کہ اب خدا نے تمہاری لڑکی سے بہتر لڑکی سعد کو عطا کر دی، اور اس کی شادی جنت میں ہوگئی۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت سعد الاسود رضی اللہ عنہ نے اس دنیائے فانی میں بہت کم عرصہ قیام کیا، لیکن اس مختصر مدت میں انہوں نے اپنے جوشِ ایمان اور اخلاصِ عمل کے جو نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے وہ امتِ مسلمہ کے لیے تا ابد مشعلِ راہ بنے رہیں گے

ابوداحداح کے مقدر پر صحابہ کرام کا رشک کرنا

سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک یتیم جوان شکایت لیئے حاضر خدمت ہوا۔ کہنے لگا یا رسول اللہ؛ میں اپنی کھجوروں کے باغ کے ارد گرد دیوار تعمیر کرا رہا تھا کہ میرے ہمسائے کی کھجور کا ایک درخت دیوار کے درمیان میں آ گیا۔ میں نے اپنے ہمسائے سے درخواست کی کہ وہ اپنی کھجور کا درخت میرے لیئے چھوڑ دے تاکہ میں اپنی دیوار سیدھی بنو۔

اسکوں، اُس نے دینے سے انکار کیا تو میں نے اُس کھجور کے درخت کو خریدنے کی پیشکش کر ڈالی، میرے ہمسائے نے مجھے کھجور کا درخت بیچنے سے بھی انکار کر دیا ہے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس نوجوان کے ہمسائے کو بلا بھیجا۔ ہمسایہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے نوجوان کی شکایت سُنائی جسے اُس نے تسلیم کیا کہ واقعتاً ایسا ہی ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا کہ تم اپنی کھجور کا درخت اِس نوجوان کیلیئے چھوڑ دو یا اُس درخت کو نوجوان کے ہاتھوں فروخت کر دو اور قیمت لے لو۔ اُس آدمی نے دونوں حالتوں میں انکار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو ایک بار پھر دہرایا؛ کھجور کا درخت اِس نوجوان کو فروخت کر کے پیسے بھی وصول کر لو اور تمہیں جنت میں بھی ایک عظیم الشان کھجور کا درخت ملے گا جس کے سائے کی طوالت میں سوار سو سال تک چلتا رہے گا۔ دُنیا کیا یک درخت کے بدلے میں جنت میں ایک درخت کی پیشکش ایسی عظیم تھی جسکو سُن کر مجلس میں موجود سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما دنگ رہ گئے۔ سب یہی سوچ رہے تھے کہ ایسا شخص جو جنت میں ایسے عظیم الشان درخت کا مالک ہو کیسے جنت سے محروم ہو کر دوزخ میں جائے گا۔ مگر وائے قسمت کہ دنیاوی مال و متاع کی لالچ اور طمع آڑے آ گئی اور اُس شخص نے اپنا کھجور کا درخت بیچنے سے انکار کر دیا۔

مجلس میں موجود ایک صحابی (ابا الدحداح) آگے بڑھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اگر میں کسی طرح وہ درخت خرید کر اِس نوجوان کو دیدوں تو کیا مجھے جنت کا وہ درخت ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں تمہیں وہ درخت ملے گا۔ ابا الدحداح اُس آدمی کی طرف پلٹے اور اُس سے پوچھا میرے کھجوروں کے باغ کو جانتے ہو؟ اُس آدمی نے فوراً جواب دیا؛ جی کیوں نہیں، مدینے کا کونسا ایسا شخص ہے جو ابا الدحداح کے چھ سو کھجوروں کے باغ کو نہ جانتا ہو، ایسا باغ جس کے اندر ہی ایک محل تعمیر کیا گیا ہے، باغ میں میٹھے پانی کا ایک کنواں اور باغ کے ارد گرد تعمیر خوبصورت اور نمایاں دیوار دور سے

ہی نظر آتی ہے۔ مدینہ کے سارے تاجر تیرے باغ کی اعلیٰ اقسام کی کھجوروں کو کھانے اور خریدنے کے انتظار میں رہتے ہیں۔ ابالداحداح نے اُس شخص کی بات کو مکمل ہونے پر کہا، تو پھر کیا تم اپنے اُس کھجور کے ایک درخت کو میرے سارے باغ، محل، کنویں اور اُس خوبصورت دیوار کے بدلے میں فروخت کرتے ہو؟ اُس شخص نے غیر یقینی سے سرکارِ دو عالم کی طرف دیکھا کہ کیا عقل مانتی ہے کہ ایک کھجور کے بدلے میں اُسے ابالداحداح کے چھ سو کھجوروں کے باغ کا قبضہ بھی مل پائے گا کہ نہیں؟ معاملہ تو ہر لحاظ سے فائدہ مند نظر آ رہا تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مجلس میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے گواہی دی اور معاملہ طے پا گیا۔

ابالداحداح نے خوشی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور سوال کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جنت میں میرا ایک کھجور کا درخت پکا ہو گیا ناں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ ابالدحداح سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے حیرت زدہ سے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا اُس کا مفہوم یوں بنتا ہے کہ: اللہ رب العزت نے تو جنت میں ایک درخت محض ایک درخت کے بدلے میں دینا تھا۔ تم نے تو اپنا پورا باغ ہی دیدیا۔ اللہ رب العزت جود و کرم میں بے مثال ہیں، اُنہوں نے تجھے جنت میں کھجوروں کے اتنے باغات عطاء کیئے ہیں کثرت کی بنا پر جنکے درختوں کی گنتی بھی نہیں کی جا سکتی۔ ابالدحداح، میں تجھے پھل سے لدے ہوئے اُن درختوں کی کسقدر تعریف بیان کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اِس بات کو اسقدر دہراتے رہے کہ محفل میں موجود ہر شخص یہ حسرت کرنے لگا اے کاش وہ ابالداحداح ہوتا۔ ابالداحداح وہاں سے اُٹھ کر جب اپنے گھر کو لوٹے تو خوشی کو چھپا نہ پا رہے تھے۔ گھر کے باہر سے ہی اپنی بیوی کو آواز دی کہ میں نے چار دیواری سمیت یہ باغ، محل اور کنواں بیچ دیا ہے۔ بیوی اپنے خاوند کی کاروباری خوبیوں اور صلاحیتوں کو اچھی طرح جانتی تھی، اُس نے اپنے خاوند سے پوچھا؛ ابالداحداح کتنے میں بیچا ہے یہ سب کچھ؟ ابالداحداح نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے یہاں کا ایک درخت جنت میں لگے ایسے ایک درخت کے بدلے میں بیچا ہے جس کے سایہ میں سوار سو سال تک چلتا رہے۔ ابالداحداح کی بیوی نے خوشی سے چلاتے ہوئے کہا۔ ابالداحداح، تو نے منافع کا سودا کیا ہے۔ ابالداحداح، تو نے منافع کا سودا کیا ہے۔

چشم فلک نازاں ہے اخلاق مسلم پر

عرب سالار قتیبہ بن مسلم نے اسلامی لشکر کشی کے اصولوں سے انحراف کرتے ہوئے سمرقند کو فتح کر لیا تھا، اصول یہ تھا کہ حملہ کرنے سے پہلے تین دن کی مہلت دی جائے۔ اور یہ بے اصولی ہوئی بھی تو ایسے دور میں جب زمانہ بھی عمر بن عبدالعزیز کا چل رہا تھا۔

سمرقند کے پادری نے مسلمانوں کی اس غاصبانہ فتح پر قتیبہ کے خلاف شکایت دمشق میں بیٹھے مسلمانوں کے حاکم کو ایک پیغامبر کے ذریعہ خط لکھ کر بھجوائی۔ پیغامبر نے دمشق پہنچ کر ایک عالیشان عمارت دیکھی جس میں لوگ رکوع و سجود کر رہے تھے۔ اُس نے لوگوں سے پوچھا: کیا یہ حاکم شہر کی رہائش ہے؟ لوگوں نے کہا یہ تو مسجد ہے، تو نماز نہیں پڑھتا کیا؟ پیغامبر نے کہا نہیں، میں اہل سمرقند کے دین کا پیروکار ہوں۔ لوگوں نے اُسے حاکم کے گھر کا راستہ دکھا دیا۔

پیغامبر لوگوں کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتے حاکم کے گھر جا پہنچا، کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص دیوار سے لگی سیڑھی پر چڑھ کر چھت کی لپائی کر رہا ہے اور نیچے کھڑی ایک عورت گارا اُٹھا کر اُسے دے رہی ہے۔ پیغامبر جس راستے سے آیا تھا واپس اُسی راستے سے اُن لوگوں کے پاس جا پہنچا جنھوں نے اُسے راستہ بتایا تھا۔ اُس نے لوگوں سے کہا میں نے تم سے حاکم کے گھر کا پتہ پوچھا تھا نہ کہ اِس مفلوک الحال شخص کا جس کے گھر کی چھت بھی ٹوٹی ہوئی ہے۔ لوگوں نے کہا، ہم نے تجھے پتہ ٹھیک ہی بتایا تھا، وہی حاکم کا گھر ہے۔ پیغامبر نے بے دلی سے دوبارہ اُسی گھر پر جا کر دستک دی،

جو شخص کچھ دیر پہلے تک لپائی کر رہا تھا وہی اندر سے نمودار ہوا۔ میں سمرقند کے پادری کی طرف سے بھیجا گیا پیغامبر ہوں کہہ کر اُس نے اپنا تعارف کرایا اور خط حاکم کو دیدیا۔ اُس شخص نے خط پڑھ کر اُسی خط کی پشت پر ہی لکھا: عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے سمرقند میں تعینات اپنے عامل کے نام؛ ایک قاضی کا تقرر کرو جو پادری کی شکایت سنے۔ مہر لگا کر خط واپس پیغامبر کو دیدیا۔

پیغامبر وہاں سے چل تو دیا مگر اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے، کیا یہ وہ خط ہے جو مسلمانوں کے اُس عظیم لشکر کو ہمارے شہر سے نکالے گا؟ سمرقند لوٹ کر پیغامبر نے خط پادری کو تھمایا، جسے پڑھ کر پادری کو بھی اپنی دنیا اندھیر ہوتی دکھائی دی، خط تو اُسی کے نام لکھا ہوا تھا جس سے اُنہیں شکایت تھی، اُنہیں یقین تھا کاغذ کا یہ ٹکڑا اُنہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ مگر پھر بھی خط لیکر مجبوراً اُس حاکمِ سمرقند کے پاس پہنچے جس کے فریب کا وہ پہلے ہی شکار ہو چکے تھے۔ حاکم نے خط پڑھتے ہی فوراً ایک قاضی (جمیع نام کا ایک شخص) کا تعین کر دیا جو سمرقندیوں کی شکایت سن سکے۔

موقع پر ہی عدالت لگ گئی، ایک چوبدار نے قتیبہ کا نام بغیر کسی لقب و منصب کے پکارا، قتیبہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر قاضی کے رو برو اور پادری کے ساتھ ہو کر بیٹھ گیا۔ قاضی نے سمرقندی سے پوچھا، کیا دعویٰ ہے تمہارا؟

پادری نے کہا: قتیبہ نے بغیر کسی پیشگی اطلاع کے ہم پر حملہ کیا، نہ تو اس نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور نہ ہی ہمیں کسی سوچ و بچار کا موقع دیا تھا۔ (ایک تاریخی نکتہ ملحوظ فرمالیجیئے کہ قتیبہ بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا اُس وقت تک انتقال ہو چکا تھا، یہاں پر قتیبہ سے مراد اُنکا نائب ہے

قاضی نے قتیبہ (کے نائب) کو دیکھ کر پوچھا، کیا کہتے ہو تم اس دعویٰ کے جواب میں؟ قتیبہ (کے نائب) نے کہا: قاضی صاحب، جنگ تو ہوتی ہی فریب اور دھوکہ ہے، سمرقند ایک عظیم ملک تھا، اس کے قرب و جوار کے کمتر ملکوں نے نہ تو ہماری کسی دعوت کو مان کر اسلام قبول کیا تھا اور نہ ہی جزیہ دینے پر تیار ہوئے تھے، بلکہ ہمارے مقابلے میں جنگ کو ترجیح دی تھی۔ سمرقند کی زمینیں تو اور بھی سر سبز و شاداب اور زور آور تھیں، ہمیں پورا یقین تھا کہ یہ لوگ بھی لڑنے کو ہی ترجیح دیں گے، ہم نے موقع سے فائدہ اُٹھایا اور سمرقند پر قبضہ کر لیا۔

قاضی نے قتیبہ (کے نائب) کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا: قتیبہ میری بات کا جواب دو، تم نے ان لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت، جزیہ یا پھر جنگ کی خبر دی تھی؟

قتیبہ (کے نائب) نے کہا: نہیں قاضی صاحب، میں نے جس طرح پہلے ہی عرض کر دیا ہے کہ ہم نے موقع سے فائدہ اُٹھایا تھا۔ قاضی نے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنی غلطی کا اقرار کر رہے ہو، اس کے بعد تو عدالت کا کوئی اور کام رہ ہی نہیں جاتا۔ قتیبہ: اللہ نے اس دین کو فتح اور عظمت تو دی ہی عدل و انصاف کی وجہ سے ہے نہ کہ دھوکہ دہی اور موقع پرستی سے۔

میری عدالت یہ فیصلہ سناتی ہے کہ تمام مسلمان فوجی اور انکے عہدہ داران بمع اپنے بیوی بچوں کے، اپنی ہر قسم کی املاک، گھر اور دکانیں چھوڑ کر سمرقند کی حدوں سے باہر نکل جائیں اور سمرقند میں کوئی مسلمان باقی نہ رہنے پائے۔ اگر ادھر دوبارہ آنا بھی ہو تو بغیر کسی پیشگی اطلاع و دعوت کے اور تین دن کی سوچ و بچار کی مہلت دیئے بغیر نہ آیا جائے۔

پادری جو کچھ دیکھ اور سن رہا تھا وہ ناقابل یقین بلکہ ایک مذاق اور تمثیل نظر آ رہا تھا۔ چند لمحوں کی یہ عدالت، نہ کوئی گواہ اور نہ ہی دلیلوں کی ضرورت۔ اور تو اور قاضی بھی اپنی عدالت کو برخاست کر کے قتیبہ کے ساتھ ہی اُٹھ کر جا رہا تھا۔

اور چند گھنٹوں کے بعد ہی سمرقندیوں نے اپنے پیچھے گرد و غبار کے بادل چھوڑتے لوگوں کے قافلے دیکھے جو شہر کو ویران کر کے جا رہے تھے۔ لوگ حیرت سے ایک دوسرے سے سبب پوچھ رہے تھے اور جاننے والے بتا رہے تھے کہ عدالت کے فیصلے کی تعمیل ہو رہی تھی۔

اور اُس دن جب سورج ڈوبا تو سمرقند کی ویران اور خالی گلیوں میں صرف آوارہ کتے گھوم رہے تھے اور سمرقندیوں کے گھروں سے آہ و پکار اور رونے دھونے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، اُن کو ایسے لوگ چھوڑ کر جا رہے تھے جن کے اخلاق، معاشرت، برتاؤ، معاملات اور پیار و محبت نے اُن کو اور اُن کے رہن سہن کو مہذب بنا دیا تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ سمرقندی یہ فراق چند گھنٹے بھی برداشت نہ کر پائے، اپنے پادری کی قیادت میں لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا اقرار کرتے مسلمانوں کے لشکر کے پیچھے روانہ ہوگئے اور اُن کو واپس لے آئے۔

اور یہ سب کیوں نہ ہوتا، کہیں بھی تو ایسا نہیں ہوا تھا کہ فاتح لشکر اپنے ہی قاضی کی کہی دو باتوں پر عمل کرے اور شہر کو خالی کر دے۔ دینِ رحمت نے وہاں ایسے نقوش چھوڑے کہ سمرقند ایک عرصہ تک مسلمانوں کا دار الخلافہ بنا رہا۔

جی ہاں، ایسے ہوا کرتے تھے مسلمان حکمران، اور ایسا ہوا کرتا تھا سیدنا عمر فاروق بن خطاب کے نواسوں میں سے ایک نواسہ یعنی عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن اَبی العاص بن اُمیہ رضی اللہ عنہ وارضاہ، اُموی دور کا آٹھواں اور خلفائے راشدین کے سلسلہ کا پانچویں خلیفہ، جس کے عدل و انصاف سے مشرق و مغرب کے ممالک دینِ اسلام سے بہرہ ور ہو کر دائرہ اسلام میں شامل ہوئے۔

حضرت اسید بن حضیر اور ابن بشر رضی اللہ عنہما کی کرامات کا واقعہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن دو جلیل القدر صحابی) حضرت اسید ابن حضیر اور حضرت عباد ابن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے اپنے کسی (اہم معاملہ میں گفتگو کر رہے تھے) اور وہ گفتگو اتنی

طویل ہوگئی تھی کہ) اس کا سلسلہ ایک ساعت یعنی بڑی رات گئے تک جاری رہا، جب کہ وہ رات بھی نہایت تاریک تھی، جب یہ دونوں حضرات اپنے گھروں کو لوٹنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلے تو اس وقت ان دونوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں لاٹھی تھی، ان دونوں کی لاٹھی (اچانک) روشن ہوگئی اور اس کی روشنی میں وہ چلنے لگے، یہاں تک کہ جب دونوں کے راستے جدا ہوئے (یعنی اس جگہ پہنچے جہاں سے ہر ایک کے گھر کی طرف الگ الگ راستہ جاتا تھا، تو دوسرے کی لاٹھی بھی روشن ہوگئی اور پھر وہ دونوں اپنی اپنی لاٹھی کی روشنی میں چل کر اپنے اہل وعیال یعنی اپنے گھروں تک پہنچ گئے۔

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 534)

بخاری کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: وہ دونوں صحابی اندھیری رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے تو اس وقت (ایسا لگا) جیسے ان دونوں کے ساتھ دو چراغ ہیں (جو ان کے راستے کو روشن رکھتے ہوئے ساتھ چل رہے ہیں، پھر جب وہ صحابی (اس جگہ پہنچ کر کہ جہاں سے ان دونوں کے گھروں کو الگ الگ راستے جاتے تھے) ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ایک ایک چراغ ہر ایک کے ساتھ ہوگیا یہاں تک کہ وہ دونوں اپنے اہل وعیال میں پہنچ گئے۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ اور شیر سے رہنمائی کا واقعہ

اور جلیل القدر تابعی ابن منکدر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کرتے غلام حضرت سفینہ رومی علاقہ میں لشکر کا راستہ بھول گئے تھے یا دشمن کے ہاتھوں قید کر لئے گئے، پھر دشمن کے قبضہ سے نکل بھاگے اور اپنے لشکر کی تلاش میں لگ گئے اسی دوران (جنگل میں) ان کی مڈبھیڑ ایک بڑے شیر سے ہوگئی انہوں نے نہ صرف یہ کہ خطرناک شیر کو سامنے دیکھ کر بھی اپنے اوسان بحال رکھے بلکہ اس کو اس کی کنیت کے ذریعہ مخاطب کر کے) کہا: اے ابو حارث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں اور میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے (کہ میں اپنے لشکر سے بھٹک گیا ہوں، یا یہ کہ دشمن کے ہاتھوں قید ہوگیا تھا، اب ان کے قبضہ سے نکل بھاگا ہوں۔

اور اپنے لشکر کی تلاش میں سرگرداں ہوں، شیر (یہ سنتے ہی) دم ہلاتا ہوا (کہ جو جانور کے مطیع و فرمانبردار ہو جانے کی علامت ہے) ان کے پہلو میں آ کر کھڑا ہوگیا، اور پھر کسی طرف سے کوئی خوفناک (درندے وغیرہ کی) آواز آئی تو شیر (اس کے دفعیہ کے لئے) اس آواز کی طرف لپکتا اور پھر واپس آ جاتا، اسی طرح وہ شیر (ایک محافظ اور رہبر کی مانند) سفینہ کے پہلو بہ پہلو چلتا رہا یہاں تک کہ سفینہ اپنے لشکر میں پہنچ گئے اور شیر واپس چلا گیا۔" (شرح السنۃ، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 539)

یا دشمن کے ہاتھوں قید کر لئے گئے" یہاں راوی نے اپنے شک کو ظاہر کیا کہ یا تو یہ صورت حال پیش آئی تھی کہ اس علاقہ میں حضرت سفینہ اسلامی لشکر سے بچھڑ گئے تھے اور اس کی تلاش میں ادھر ادھر سرگرداں تھے یا یہ کہ کہیں موقع پا کر دشمن نے ان کو اچک لیا تھا اور قید میں ڈال دیا تھا۔ "سفینہ" نام نہیں لقب ہے، اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس کا اصل نام کیا ہے اور یہ لقب اس لئے مشہور ہوا کہ وہ ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور بہت سارا سامان اپنے اوپر لادے ہوئے تھے، اس کے

باوجود شرکاء سفر میں سے جو شخص تھک جاتا وہ اپنا سامان بھی ان پر لاد دیتا تھا اور وہ ہنسی خوشی سب کا بوجھ اپنے اوپر لادتے جاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حال میں دیکھا تو مزاحاً فرمایا کہ انت السفینۃ (تم تو کشتی ہو) بس اسی دن سے وہ "سفینہ" کے لقب سے اس طرح مشہور ہوئے کہ لوگوں نے ان کے اصل نام کا پتہ نہیں چلتا تھا، اگر کوئی ان سے پوچھتا کہ تمہارا اصل نام کیا ہے تو وہ جواب میرا نام بس وہی ہے جو میرے آقا نے رکھ دیا تھا یعنی سفینہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے باغ میں دوہرے پھلوں کی کرامت کا واقعہ

حضرت ابوخلدہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے (بزرگ تابعی) حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا: کیا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سنی ہیں؟ حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس سال رہنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ نیز ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا لگی ہوئی تھی، ان کا جو باغ تھا اس میں سال کے اندر دو دفعہ پھل آتے تھے اور اس باغ میں جو پھول تھے ان سے مشک کی خوشبو پھوٹتی تھی اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 542)

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی قسم کے پورے ہونے کا واقعہ

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ خاندان نجار کے رئیس تھے، جد رسول حضرت عبدالمطلب کی والدہ سلمہ بنت عمرو، رشتہ میں حضرت انس بن نضر کی پھوپھی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت گار خصوصی حضرت انس بن مالک آپ کے سگے بھتیجے ہیں۔ انہی کے نام پر آپ کا نام انس رکھا گیا، کسی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ اس غیر حاضری پر انہیں بڑا ملال رہتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے: یہ حق و باطل کے درمیان پہلا معرکہ تھا جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی اور میں اس سعادت سے محروم رہ گیا، اگر اللہ تعالیٰ نے پھر ایسا موقع عنایت فرمایا تو اللہ دیکھے گا کہ دین حق کو سربلند کرنے کیلئے میں کیا کارنامے سرانجام دیتا ہوں۔ غزوہ احد میں بڑے ہی ذوق و شوق سے شریک ہوئے، اس جنگ میں اچانک ایسا سانحہ رونما ہوا کہ مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا الٰہی جو کچھ مسلمانوں سے سرزد ہوا میں اس کیلئے معافی کا طلبگار ہوں اور جو کچھ مشرکین نے کیا ہے اس سے میں لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔

ان کا گزر ایسی جگہ سے ہوا جہاں چند صحابہ کرام مایوسی کے عالم میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے پوچھا کہ اس طرح کیوں بیٹھے ہو؟ بڑی بے بسی سے کہنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں، اب ہم کیا کریں۔ آپ نے ان کو جھڑکتے ہوئے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہ کر تم کیا کرو گے، اٹھو اور اس مقصد کیلئے اپنی جان قربان کر دو جس مقصد کیلئے ہمارے آقا نے جان دی ہے۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے، جبل احد کے پاس حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہوگئی، انھوں نے کہا: انس میں تمہارے ساتھ ہوں، حضرت انس کفار کی صفوں میں گھس گئے، بار بار کہہ رہے تھے واہ واہ! مجھے جنت کی خوشبو آرہی ہے، نضر کی پروردگار کی قسم! میں

جبل احد کی طرف سے جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ بڑی جرات سے مصروف پیکار رہے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کیا حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ نیزوں، تیروں اور تلواروں کے اسی سے زیادہ زخم انکے جسم پر لگے ہوئے تھے۔ مشرکین نے انکی لاش کا مثلہ کر دیا کہ وہ پہچانی نہیں جاتی تھی۔ انکی ہمشیرہ نے ایک انگلی کے پورے یا ایک تل کے نشان سے انکو بمشکل پہچانا۔ انس بن مالک کہتے ہیں، قرآن کی یہ آیت انکے حق میں نازل ہوئی اہل ایمان میں ایسے جواں مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انھوں نے اللہ سے کیا تھا۔ ایک بار انکی بہن ربیع بنت نضر کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ قصاص میں انکا دانت توڑ دیا جائے تو انس بن نضر نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم ربیع کا دانت نہ توڑا جائیگا، انھوں نے اللہ پر اعتماد کر کے قسم کھائی تھی۔ حالات ایسے ہوئے کہ دوسرا فریق دیت لینے سے راضی ہو گیا اور ربیع قصاص سے بچ گئیں۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا: خدا کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جب قسم کھاتے ہیں تو خدا انکی قسم پوری کرتا ہے۔ (بخاری، ج ۲)

تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رزق میں ایک مچھلی کے کافی ہونے کا واقعہ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو اس سفر میں تقریباً ایک مہینہ رہنا پڑا۔ اور جب بھوک کی شدت سے ہم لوگ درختوں کے پتے کھانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ہمارے رزق کا یہ سامان پیدا فرما دیا کہ سمندر کی موجوں نے ایک اتنی بڑی مچھلی ساحل پر پھینک دی۔ جو ایک پہاڑی کے مانند تھی۔ چنانچہ تین سو صحابہ اٹھارہ دنوں تک اس مچھلی کا گوشت کھاتے رہے۔ اور اس کی چربی اپنے بدن پر ملتے رہے۔ اور جب وہاں سے روانہ ہونے لگے تو اس کا گوشت کاٹ کاٹ کر مدینہ تک لائے اور جب یہ لوگ بارگاہ نبوت میں پہنچے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے رزق کا سامان ہوا تھا۔ پھر آپ نے اس نے مچھلی کا گوشت طلب فرمایا اور اس میں سے کچھ تناول بھی فرمایا۔ یہ اتنی بڑی مچھلی تھی کہ امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی دو پسلیاں زمین میں گاڑ کر کھڑی کر دیں تو کجاوہ بندھا ہوا اونٹ اس محراب کے اندر سے گزر گیا۔ (بخاری ج 2 ص 625 غزوہ سیف البحر و زرقانی ج 2 ص 680)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے بعد عروہ بن مسعود صحابہ کرام کو دیکھنے لگا اور پوری لشکر گاہ کو دیکھ بھال کو وہاں سے روانہ ہو گیا۔ عروہ بن مسعود نے حدیبیہ کے میدان میں صحابہ کرام کی حیرت انگیز اور تعجب انگیز اور تعجب خیز عقیدت و محبت کا جو منظر دیکھا تھا اس نے اس کے دل پر بڑا عجیب اثر ڈالا تھا۔ چنانچہ اس نے قریش کے لشکر میں پہنچ کر اپنا تاثر ان لفظوں میں بیان کیا۔

اے میری قوم! خدا کی قسم! جب محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اپنا کھنکھار تھوکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی صحابی کی ہتھیلی پر پڑتا ہے۔ اور وہ فرط عقیدت سے اس کو اپنے چہرے اور اپنی کھال پر مل لیتا ہے۔ اور اگر وہ کسی بات کا ان لوگوں کو حکم دیتے ہیں تو سب کے سب اس کی تعمیل کے لئے جھپٹ پڑتے ہیں۔ اور وہ جب وضو کرتے ہیں تو ان کے اصحاب ان کے وضو کے دھوون کو اس طرح لوٹتے ہیں کہ گویا ان میں تلوار چل پڑے گی۔ اور وہ جب کوئی گفتگو کرتے ہیں تو تمام اصحاب خاموش ہو جاتے ہیں۔ اور ان

کے ساتھیوں کے دلوں میں ان کی اتنی زبردست عظمت ہے کہ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر دیکھ نہیں سکتا۔ اے میری قوم! خدا کی قسم میں نے بہت سے بادشاہوں کا دربار دیکھا ہے۔ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی باریاب ہو چکا ہوں۔ مگر خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کے دربار کو اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے جتنی تعظیم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی کرتے ہیں۔

عروہ بن مسعود کی یہ گفتگو سن کر قبیلہ بنی کنانہ کے ایک شخص نے جس کا حلیس تھا کہا کہ تم لوگ مجھ کو اجازت دو کہ میں ان کے پاس جاؤں۔ قریش نے کہا کہ ضرور جائیے چنانچہ یہ شخص جب بارگاہ رسالت کے قریب پہنچا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ فلاں شخص ہے اور یہ اس قوم سے تعلق رکھتا ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں۔ لہٰذا تم لوگ قربانی کے جانوروں کو اس کے سامنے کھڑا کر دو اور سب لوگ لبیک پڑھنا شروع کر دو۔ اس شخص نے جب قربانی کے جانوروں کو دیکھا اور احرام کی حالت میں صحابہ کرام کو لبیک پڑھتے ہوئے سنا تو کہا کہ سبحان اللہ! بھلا ان لوگوں کو کس طرح مناسب ہے کہ بیت اللہ سے روک دیا جائے؟ وہ فوراً ہی پلٹ کر کفار قریش کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں کہ قربانی کے جانور ان لوگوں کے ساتھ ہیں اور سب احرام کی حالت میں ہیں لہٰذا میں کبھی بھی یہ رائے نہیں دے سکتا کہ ان لوگوں کو خانہ کعبہ سے روک دیا جائے۔ اس کے بعد ایک شخص کفار قریش کے لشکر میں سے کھڑا ہو گیا جس کا نام مکرز بن حفص تھا۔

اس نے کہا کہ مجھ کو تم لوگ وہاں جانے دو۔ قریش نے کہا تم بھی جاؤ چنانچہ یہ چلا جب یہ نزدیک پہنچا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مکرز ہے۔ یہ بہت ہی لچا آدمی ہے۔ اس نے آپ سے گفتگو شروع کی۔ ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ناگہاں سہیل بن عمرو آ گیا اس کو دیکھ کر آپ نے نیک فالی کے طور پر یہ فرمایا کہ سہیل آ گیا۔ لو، اب تمہارا معاملہ سہل ہو گیا۔

چنانچہ سہیل نے آتے ہی کہا کہ آئیے! ہم اور آپ اپنے اور آپ کے درمیان معاہدہ کی ایک دستاویز لکھ لیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو منظور فرمالیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دستاویز لکھنے کے لئے طلب فرمایا۔

سہیل بن عمرو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان دیر تک صلح کے شرائط پر گفتگو ہوتی رہی۔ بالآخر چند شرطوں پر دونوں کا اتفاق ہو گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ لکھو، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سہیل نے کہا کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے؟ آپ باسمک اللّٰھم لکھوایئے جو ہمارا اور آپ کا پرانا دستور ہے۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے سوا کوئی دوسرا لفظ نہیں لکھیں گے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل کی بات مان لی اور فرمایا کہ اچھا۔ اے علی! باسمك اللھم ہی لکھ دو۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ عبارت لکھوائی۔ ھذا ما قضی علیہ محمد رسول اللہ یعنی یہ وہ شرائط ہیں جن پر قریش کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صلح کا فیصلہ کیا۔ سہیل پھر بھڑک گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم! اگر ہم جان لیتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو نہ ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے۔ نہ آپ کے ساتھ جنگ کرتے لیکن آپ محمد بن عبداللہ

لکھئے آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ تم لوگ میری رسالت کو جھٹلاتے ہو۔ یہ کہہ کر آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ محمد رسول اللہ کو مٹادو اور اس جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کون مسلمان آپ کا فرمانبردار ہوسکتا ہے؟ لیکن محبت کے عالم میں کبھی کبھی ایسا مقام بھی آ جاتا ہے کہ سچے محبّ کو بھی اپنے محبوب کی فرمانبرداری سے محبت ہی کے جذبہ میں انکار کرنا پڑتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ کے نام کو تو کبھی ہرگز ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھے دکھاؤ۔ میرا نام کہاں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جگہ پر انگلی رکھ دی۔ آپ نے وہاں سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا۔ بہر حال صلح کی تحریر مکمل ہوگئی۔ اس دستاویز میں یہ طے کر دیا گیا کہ فریقین کے درمیان دس سال تک لڑائی بالکل موقوف رہے گی۔ صلح نامہ کی باقی دفعات اور شرطیں یہ تھیں کہ۔

مسلمان اس سال بغیر عمرہ ادا کئے واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال عمرہ کیلئے آئیں اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہر کر واپس چلے جاؤ۔ تلوار کے سوا کوئی دوسرا ہتھیار لیکر نہ آئیں۔ تلوار بھی نیام کے اندر رکھ کر تھیلے وغیرہ میں بند ہو۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی مکہ میں رہنا چاہیے تو اس کو نہ روکیں۔

کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ چلا جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ میں چلا جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کرلیں۔

یہ شرطیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اور صحابہ کرام کو اس پر بڑی زبردست ناگواری ہو رہی تھی مگر وہ فرمان رسالت کے خلاف دم مارنے سے مجبور تھے۔ (ابن ہشام ج 3 ص 317 وغیرہ)

حضرت ابوجندل کی آمد اور صلح حدیبیہ کا واقعہ

یہ عجیب اتفاق ہے کہ معاہدہ لکھا جا چکا تھا لیکن ابھی اس پر فریقین کے دستخط نہیں ہوئے تھے۔ کہ اچانک اسی سہیل بن عمرو کے صاحبزادے حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے گرتے پڑتے حدیبیہ میں مسلمانوں کے درمیان آن پہنچے۔ سہیل بن عمرو اپنے بیٹے کو دیکھ کر کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس معاہدہ کی دستاویز پر دستخط کرنے کے لئے میری پہلی شرط یہ ہے کہ آپ ابوجندل کو میری طرف واپس لوٹایئے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو اس معاہدہ پر فریقین کے دستخط ہی نہیں ہوئے ہیں۔ ہمارے اور تمہارے دستخط ہو جانے کے بعد یہ معاہدہ نافذ ہوگا۔ یہ سن کر سہیل بن عمرو کہنے لگا کہ پھر جایئے۔ میں آپ سے کوئی صلح نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اے سہیل! تم اپنی طرف سے اجازت دے دو کہ میں ابوجندل کو اپنے پاس رکھ لوں۔ اس نے کہا کہ میں ہرگز کبھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ میں پھر مکہ لوٹا دیا جاؤں گا تو انہوں نے مسلمانوں سے فریاد کی اور کہا کہ اے جماعت مسلمین! دیکھ میں مشرکین کی طرف لوٹایا جارہا ہوں حالانکہ میں مسلمان ہوں اور تم مسلمانوں کے پاس آ گیا ہوں کفار کی مار سے ان کے بدن پر چوٹوں کے جو نشانات تھے۔ انہوں نے ان

نشانات کو دکھا دکھا کر مسلمانوں کو جوش دلایا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے قراری کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سن کر ایمانی جذبہ سوار ہو گیا اور وہ نہایت جذبہ میں بارگاہ رسالت میں پہنچے اور عرض کیا کہ کیا آپ سچ مچ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں؟ پھر انہوں نے کہا کہ تو پھر ہمارے دین میں ہم کو یہ ذلت کیوں دی جا رہی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اے عمر! میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا ہوں، وہ میرا مددگار ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ ہم سے یہ وعدہ نہ فرماتے تھے کہ ہم عنقریب بیت اللہ میں آ کر طواف کریں گے؟ ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تم کو یہ خبر دی تھی کہ ہم اسی سال بیت اللہ میں داخل ہوں گے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں پھر کہتا ہوں کہ تم یقیناً کعبہ میں پہنچو گے۔ اور اس کا طواف کرو گے۔

دربار رسالت سے اٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور وہی گفتگو کی جو بارگاہ رسالت میں عرض کر چکے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر! وہ خدا کے رسول ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے کرتے ہیں وہ کبھی خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور خدا ان کا مددگار ہے اور خدا کی قسم! یقیناً وہ حق پر ہیں لہٰذا تم ان کی رکاب تھامے رہو۔ (ابن ہشام ج 3 ص 317))

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام عمر ان باتوں کا صدمہ اور سخت رنج و افسوس رہا جو انہوں نے جذبہ بے اختیاری میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کہہ دی تھیں۔ زندگی بھر وہ اس سے توبہ و استغفار کرتے رہے۔ اور اس کے کفارہ کے لئے انہوں نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، خیرات کی، غلام آزاد کئے، بخاری شریف میں اگرچہ ان اعمال کا مفصل تذکرہ نہیں ہے۔ اجمالاً ہی ذکر ہے لیکن دوسری کتابوں میں نہایت تفصیل کے ساتھ یہ تمام باتیں بیان کی گئی ہیں۔

بہرحال یہ بڑے سخت امتحان اور آزمائش کا وقت تھا۔ ایک طرف حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ گڑگڑا کر مسلمانوں سے فریاد کر رہے ہیں اور ہر مسلمان اس قدر جوش میں بھرا ہوا ہے کہ اگر رسول اللہ کا ادب مانع نہ ہوتا تو مسلمانوں کی تلواریں نیام سے باہر نکل پڑتیں۔ دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں اور اپنے عہد کو پورا کرنے کی ذمہ داری سر پر آن پڑی ہے۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے موقع پر نزاکت کا خیال فرماتے ہوئے حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم صبر کرو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور دوسرے مظلوموں کے لئے ضرور ہی کوئی راستہ نکالے گا۔ ہم صلح کا معاہدہ کر چکے۔ اب ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے۔ غرض حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی طرح پابزنجیر پھر مکہ واپس جانا پڑا۔

جب صلح نامہ مکمل ہو گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اٹھو اور قربانی کرو اور سر منڈا کر احرام کھول دو۔ مسلمانوں کی ناگواری اور ان کے غیظ و غضب کا یہ عالم تھا کہ فرمان نبوی سن کر ایک شخص بھی نہیں اٹھا۔ مگر ادب کے خیال سے کوئی

ایک لفظ بول بھی نہ سکا۔ آپ نے حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کا تذکرہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ کسی سے کچھ بھی نہ کہیں اور خود آپ اپنی قربانی کرلیں اور بال ترشوالیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ جب صحابہ کرام نے آپ کو قربانی کرکے احرام اتارتے دیکھ لیا تو پھر وہ لوگ مایوس ہوگئے کہ اب آپ اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتے تو سب لوگ قربانی کرنے لگے اور ایک دوسرے کے بال تراشنے لگے مگر اس قدر رنج و غم میں بھرے ہوئے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کرڈالے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہوگئے۔

(بخاری ج2 ص610 باب عمرۃ القضاء مسلم جلد2 ص104 صلح حدیبیہ)

شہد کی مکھیوں سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا واقعہ

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک قصہ کے تحت روایت کی ہے کہ کفار قریش نے اپنے ایک دستہ کو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش میں سے کوئی ٹکڑا کاٹ لانے کے لئے بھیجا؛ تاکہ اس عضوِ بدن کو دیکھ کر ان کے قتل کا یقین ہوجائے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے دل کو ٹھنڈک بھی ہوجائے کہ یہی وہ عاصم رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے ہمارے ایک بڑے آدمی کو جنگ بدر میں قتل کردیا تھا، اس دستہ کے پہنچتے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اوران کے مقتول ساتھیوں کی لاش پر شہد کی مکھیوں کو بادل کی طرح بھیج دیا، جنہوں نے ان شہیدوں کی لاش کو ان سے محفوظ کردیا اور وہ کافر کچھ بھی نہ کرسکے"۔

بخاری شریف کے حاشیہ پر حضرت اسحاق (رحمہ اللہ) نے یہ مضمون لکھا ہے کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے حق تعالیٰ سے عہد کرلیا تھا کہ کوئی مشرک ان کو چھونہ سکے گا، چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ قصہ معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے معاہدہ کے مدنظر اپنے مسلمان بندہ کی اس کے انتقال کے بعد بھی حفاظت کی، بظاہر اگرچہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کی حفاظت کا کوئی خاص انتظام نہ تھا؛ لیکن پروردگار نے اس کی حفاظت کی اوران کے جسد اطہر کو کوئی کافر ہاتھ تک نہ لگاسکتا اور آپ رضی اللہ عنہ کا عہد بھی پورا ہوگیا، یہ سب آپ رضی اللہ عنہ کی کرامتیں تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کرامت کا واقعہ

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے، روایت کرتے ہیں کہ "ان کی پھوپھی نے کسی لڑکی کا اگلا دانت توڑ دیا تھا، ہمارے آدمیوں نے اس لڑکی والوں سے معافی مانگی تو انہوں نے انکار کردیا، پھر ان سے کہا گیا کہ تم لوگ دیت یعنی دانت کے بدلے میں دانت لینے کے بجائے کچھ رقم لے لو، اس پر بھی ان لوگوں نے انکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر معافی دینے اور دیت قبول کرنے پر انکار کرتے ہوئے قصاص طلب کیا، چنانچہ بحکم قرآن کریم سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص ہی کا حکم دیا، اس پر حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا میری پھوپھی حضرت ربیع کا اگلا دانت توڑ دیا جائے گا؟ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ان کا دانت تو نہیں توڑا جائے گا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول شریعت کے مقابلہ میں انکار کے طور پر نہ تھا؛ بلکہ غلبہ حال میں ایسا توکل اور بھروسہ غالب ہوا تو قسم کھالی

اور سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دل میں معافی ڈال دیں گیا پھر یہ لوگ دیت قبول کرلیں گے، اس پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے انس! اللہ کی کتاب تو قصاص کا حکم دیتی ہے، اس پر ان لوگوں نے خوش ہو کر دانت کا بدلہ معاف کردیا، اسی واقعہ پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرماتا ہے۔

ایسی قسم صرف غلبہ حال و کیفیت میں ہوتی ہے، جب تک ہر شخص حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسی کیفیت پیدا نہ کرلے، اس کو ہرگز ایسی قسم نہ کھانا چاہیے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی کرامت کا واقعہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) ایک طویل قصہ میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں اس شخص کے لئے بددعا کرتا ہوں جس نے میری تین باتوں کی جھوٹی شکایت کی تھی، اے اللہ! یہ تیرا جھوٹا بندہ جو مکاری سے شکایتیں سنانے کے لئے کھڑا ہوا ہے اس کی عمر دراز کردے، اس کی محتاجی میں اضافہ کردے اور اس کو فتنہ وفساد میں مبتلا کردے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس دعا کے بعد لوگوں نے اسے دیکھا کہ جب اس سے خیریت دریافت کی جاتی تو وہ بوڑھا پھونس جواب دیتا، میں بالکل بڈھا ہوگیا ہوں، میری عقل ماری گئی ہے اور مجھے سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگ گئی ہے، حضرت عبدالملک (رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتے ہیں کہ میں نے اس بڈھے کو اس حال میں دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کو اس کی دونوں بھوؤں نے بالکل چھپالیا اور وہ راستہ چلتی باندیوں کو روکتا اور اتنا بے حیا ہوگیا تھا کہ راستہ ہی میں چھیڑ چھاڑ کرتا اور افلاس وغربت کی وجہ سے وہ اسی قسم کی ذلیل حرکتیں کیا کرتا تھا، وہ اگر مالدار ہوتا تو اس میں شرم ولحاظ کا کچھ اثر رہتا"۔() الحاصل حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ تینوں باتیں درازئ عمر، افلاس اور فتنہ میں مبتلا ہونا درگاہ خداوندی میں مقبول ہوگئیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "میں نے یوم احد میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو سفید پوش لوگوں کو دیکھا جو بڑی سخت جنگ لڑ رہے تھے، ایسے جنگ جو میں نے نہ تو پہلے دیکھے اور نہ بعد میں اور یہ دونوں سفید پوش جبرائیل اور میکائیل تھے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کے غسل دینے کا واقعہ

حافظ حدیث علامہ واقدی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتاب مغازی میں لکھا ہے کہ "حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ نے جمیلہ دختر عبداللہ بن ابی سلول رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے شادی کی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر جنگ احد کی ایک رات اپنی بیوی سے ہم بستر ہوئے اور اسی حالت جنابت میں صبح سویرے ہتھیار لگا کر مسلمانوں کی فوج میں پہنچ گئے، ادھر ان کی نئی نویلی دلہن نے اپنی قوم کے چار آدمیوں کے پاس اطلاع بھیجی کہ میرے خاوند ہم بستری کے بعد جہاد میں چلے گئے اور لوگوں کو اس لئے گواہ کرلیا؛ تاکہ حمل رہ جانے کی صورت میں کسی کو کوئی بات کہنے کی گنجائش نہ رہے، جس کو سُہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب زیلعی

میں بھی ذکر کیا ہے، لوگوں نے اس نئی دلہن سے پوچھا کہ ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ رات کو میں نے خواب میں دیکھا، آسمان کھولا گیا، اس میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور پھر آسمان کے دروازے بند کردئے گئے، جس سے مجھے یقین ہوا کہ کل وہ شہید کردیئے جائیں گے، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان نیک سیرت بی بی کا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح ہوا، جن کے پیٹ سے محمد بن ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں، اور ادھر کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے فوج میں آتے ہی دل کھول کر ہاتھ دکھائے، جس کے نتیجہ میں مشرکین کو شکست نظر آ رہی تھی اور انہوں نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ---جواب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ---مارنا ہی چاہا تھا کہ پیچھے سے اسود بن شعیب نے حملہ کرکے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو ایسا برچھا مارا کہ وہ شہید ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کو نقرہ طشت یعنی چاندی کے ٹب میں مینہ کے پانی سے آسمان وزمین کے بیچ نہلا رہے تھے، ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے بالوں سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں اور یہ دیکھ کر میں نے فوراً رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دے کر تمام واقعہ سنایا، اس پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ ان کی حالت روانگی معلوم کرے، چنانچہ اس قاصد سے حضرت جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ وہ جہاد کے میدان میں گھر سے بحالت جنابت گئے تھے، یعنی ان کو غسل کی ضرورت تھی۔

ہر وہ شخص جو بحالتِ جنابت شہید ہو جائے تو شریعتِ اسلامیہ کے مدِ نظر ایسے شہید کو بھی غسل دیا جانا ضروری ہے؛ چونکہ حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل کی ضرورت تھی اور اسلامی فوج کے کسی آدمی کو اس کی اطلاع نہ تھی کہ ان کو غسل دیتا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دلایا، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سر کے بالوں سے پانی کی بوندیں ٹپکتے ہوئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے اور لوگوں نے بھی دیکھیں اور یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔

ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کی کرامت کا واقعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "جنگ بدر کے دن ایک مسلمان شخص ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ اس نے اپنے آگے والے مشرک کے سر پر ایک کوڑا مارنے کی آواز سنی اور گھوڑے سوار کو یہ بھی کہتے ہوئے سنا کہ حیزوم (جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے) آگے بڑھ، اس کے بعد مشرک کو چت گرا ہوا دیکھا جس کی ناک چر گئی تھی اور چہرہ لہولہان تھا، جیسا کہ خوب زور سے کوڑا مارانے کی وجہ سے ہو جایا کرتا ہے، ایسے ہی اس کے بدن کے سب اعضاء نیلے پڑ گئے تھے، چنانچہ ان انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کیا، جس پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو سچ کہتا ہے، یہ تو تیسرے آسمان کی مدد تھی؛ چنانچہ مسلمانوں نے اس روز ستر مشرکوں کو قید کیا اور ستر کافروں کو تلوار کے گھاٹ اتارا، اس کو امام مسلم (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بیان کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور کھانے کا سبحان اللہ پڑھنے کا واقعہ

مشکوۃ شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بروایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مروی ہے، انہوں نے فرمایا: "ہم کئی صحابی رضی اللہ عنہ جو کھانا کھا رہے تھے ہم نے سنا کہ وہ غذا جو ہم کھا رہے تھے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہی تھی، یعنی وہ کھانا سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ رہا تھا۔

ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں ایک طویل قصہ کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رات میرے سامنے چھوارے کے پیڑوں میں سے ایک کالا بادل اٹھا، جس سے مجھے خوف ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کوئی صدمہ نہ پہنچے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم یاد آنے پر کہ "اس جگہ سے مت ہٹنا" میں اپنی جگہ جمار ہا اور اسی حالت میں میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، تو وہ سارا بادل بیٹھ گیا اور صبح ہوتے ہوتے وہ سارا بادل چھٹ گیا، صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جگہ تشریف آوری پر میں نے اپنا اندیشہ اور پورا واقعہ سنایا تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نصیبین کے جن تھے جو مجھ سے ملنے آئے تھے۔ چونکہ جنات کو دیکھنا خلاف عادت ہے! اس لئے اس کو بھی خوارق میں شمار کیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا صاحب نعلین ہونے کا بیان

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں شام پہنچا تو سب سے پہلے میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور یہ دعا کی کہ اے اللہ! مجھے کسی (نیک) ساتھی کی صحبت سے فیض یابی کی توفیق عطا فرما، چنانچہ میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ آرہے ہیں، جب وہ قریب آگئے تو میں نے سوچا کہ شاید میری دعا قبول ہوگئی ہے۔ انہوں نے دریافت فرمایا: آپ کا وطن کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں کوفہ کا رہنے والا ہوں، اس پر انہوں نے فرمایا: کیا تمہارے یہاں صاحب نعلین، صاحب وسادہ ومطہرہ (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما) نہیں ہیں؟ کیا تمہارے یہاں وہ صحابی نہیں ہیں جنہیں شیطان سے (اللہ کی) پناہ مل چکی ہے۔ (یعنی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ) کیا تمہارے یہاں سربستہ رازوں کے جاننے والے نہیں ہیں کہ جنہیں ان کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (پھر دریافت فرمایا) ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما) آیت واللیل کی قرآت کس طرح کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ واللیل اذا یغشیٰ والنہار اذا تجلی والذکر والانثی آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان مبارک سے اسی طرح سکھایا تھا۔ لیکن اب شام والے مجھے اس طرح قرآت کرنے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔

کرامات حضرت اسید بن حضیر وعباد بن بشیر رضی اللہ عنہما

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اسید وعباد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی کچھ ضرورتیں ظاہر کیں، جس میں کچھ رات ہوگئی، رات بہت ہی تاریک تھی، چنانچہ وہ اسی اندھیرے میں اپنے اپنے گھروں کو

لوٹے، ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں، ان میں سے ایک کی لاٹھی روشن ہوگئی اور لالٹین کا کام دینے لگی، جس کی روشنی کی مدد سے دونوں چلنے لگے، جب ایک راستہ ختم ہوگیا اور دوسرے کو آگے جانا تھا تو اس روشن عصا نے اس دوسرے کی لاٹھی کو بھی روشن کر دیا اور یہ دوسرا بھی اپنے گھر کو روانہ ہوگیا اور یہ دونوں آدمی اپنی اپنی لاٹھی کی روشنی میں اپنے اپنے ہاں بچوں میں پہنچ گئے۔ اس کو امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی بیان کیا ہے۔

اس قصہ میں دو کرامتیں ظاہر ہوئیں: ایک تو یہ کہ بغیر کسی تیل بتی کے ایک لاٹھی روشن ہوگئی اور دوسری کرامت یہ کہ ایک لاٹھی سے دوسری لاٹھی جس میں کوئی الیکٹرک کرنٹ نہ تھا، وہ بھی روشن ہوگئی اور رات کے اندھیرے سے ان دونوں حضرات کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

کرامات والدِ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "جنگ احد کے وقت ایک رات مجھے میرے والد بزرگوار نے طلب کر کے فرمایا: کل اصحاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت میں سب سے اول میری شہادت واقع ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مجھے سب سے زیادہ عزیز تم ہو، سنو! مجھ پر ایک آدمی کا قرضہ ہے، وہ تم ادا کر دینا اور میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اپنی بہنوں کے ساتھ بھلائی کرنا صبح کو میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے میرے والد ماجد ہی نے جام شہادت نوش فرمایا ہے، میں نے ان کو اور ان کے ایک ساتھی کو جگہ کی تنگی کی وجہ سے ایک ہی قبر میں سپرد خاک کیا" اس کو امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی بیان کیا ہے۔ یہ الہام کشفی دراصل کرامت ہی کرامت ہے۔

کرامات بعض صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کپڑے اتار کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیں، جیسا کہ عام طور پر اپنی میتوں کے ساتھ کرتے ہیں یا کپڑوں سمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہلائیں؟ اس معاملہ میں اختلاف رائے ہو رہا تھا کہ اللہ نے ان پر نیند کو اس طرح مسلط کر دیا کہ ہر ایک کی ٹھوڑی اس کے سینہ پر ہوگئی، یعنی وہ سب سو گئے اور اسی حالت میں مکان کی ایک سمت سے جس کو کہتے ہوئے کسی نے دیکھا نہیں، اس نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دو، پس صحابہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نہلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کرتہ پہنے ہوئے تھے، اسی پر پانی ڈالتے اور اسی کرتہ پر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو ملتے جاتے" دلائل النبوۃ میں علامہ بیہقی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی کرامات

حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "ایک آدمی کے برابر میں مضبوط رسیوں سے ایک گھوڑا بندھا ہوا تھا اور یہ آدمی سورہ

کہف کی تلاوت کرر ہاتھا کہ اتنے میں ایک ابر اٹھااور وہ گھوڑے پر بھی چھا گیا، گھوڑا بدک رہاتھااور بادل برابر بڑھتا جارہاتھا، اس قصہ کا تذکرہ جب صبح ہوئی تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بادل نہیں تھا؛ بلکہ تلاوت قرآن کی وجہ سے طمانیت اور سکون کے فرشتے نازل ہوئے تھے۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی کرامت

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: "وہ ایک رات سورہ بقرہ کی تلاوت کرر ہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا، وہ دفعۃً کودا تو یہ خاموش ہو گئے اور وہ گھوڑا بھی ٹھہر گیا اور جب وہ تلاوت کرنے لگے تو گھوڑے نے پھر جولانی دکھائی تو یہ پھر چپ ہو گئے اور گھوڑا بھی خاموش کھڑا ہو گیا، پھر پڑھنے لگے تو تیسری مرتبہ گھوڑے نے ٹاپیں مارنی شروع کردیں تو یہ قرآن شریف پڑھنا چھوڑ کر اس جگہ سے اس لئے ہٹ گئے کہ گھوڑا ان کے چھوٹے لڑکے کو جو ان کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا، کہیں لات نہ ماردے جس سے بچہ کو نقصان پہنچ جائے، انہوں نے اپنے لڑکے کو وہاں سے اٹھا کر اپنا سر جو اونچا کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان پر سائبان کی طرح ایک چیز ہے جس میں چراغ جل رہا ہے، صبح کو یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ نے فرمایا: تم پڑھتے جاتے اور برابر پڑھتے رہتے، انہوں نے کہا میں اس بات سے ڈر گیا کہ میرا بیٹا یحییٰ جو گھوڑے کے قریب ہی تھا کہیں اس کو کوئی نقصان نہ ہو جائے؛ اس لئے میں نے تلاوت چھوڑ کر بچے کی طرف رخ کیا اور اتفاقاً آسمان کی طرف سر اٹھانے پر اس سائبان کو دیکھا جس میں لیمپ روشن تھے، میں یحییٰ کو وہاں سے اٹھا کر نکلا تو میں نے وہ سائبان وغیرہ کچھ نہ دیکھا، اس پر سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم جانتے ہو وہ کیا تھا؟ میں نے عرض کیا جی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز کے قریب آرہے تھے، اگر تم مسلسل اور برابر پڑھتے رہتے تو صبح کو تمام لوگ ان کو دیکھتے، یعنی ہر ایک کو دکھائی دیتے"۔ بخاری شریف کی اس حدیث کو مسلم میں بھی درج کیا گیا ہے۔

قبر سے سورہ ملک کی تلاوت ہونے کا واقعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں: "بعض اصحاب رضی اللہ عنہ نے اپنا خیمہ اس جگہ لگایا جہاں ایک قبر تھی جو انہیں معلوم نہ تھی اور اس قبر کے مردے نے سورہ "تبارک الذی" پڑھ کر پوری کی، ان اصحاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کیا؛ چنانچہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سورہ "تبارک الذی" انسان کو برائیوں سے روکنے والی ہے، اس سورت نے اس قبر والے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلائی"۔ اس واقعہ کو امام ترمذی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی بیان کیا ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بعض اصحاب رضی اللہ عنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جیتے جاگتے اس قبر والے کی آواز سنی اور اس کی حالت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جو خرق عادت و کرامت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کرامت کا واقعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے ماتحت کہتے ہیں کہ: "مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر کہ تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! اس کا ارادہ ہے کہ مجھے ایسی باتیں سکھائے گا جن سے مجھے فائدے ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاد رکھو جو کچھ اس نے کہا وہ تو ٹھیک ہے اور تم تین راتوں سے جس سے باتیں کر رہے ہو جانتے ہو وہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا: حضور! میں تو پوری پوری اس کی حقیقت نہیں جانتا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مردود شیطان ہے۔

امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس سالم حدیث کو بخاری شریف میں بیان کیا ہے؛ لیکن ضرورت کے مطابق اس کا تھوڑا سا وہ مضمون یہاں نقل کر دیا گیا ہے، جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مردود شیطان کو گرفتار کر لینا مذکور ہے، شیطان کی گرفتاری یہ خرق عادت اور کرامت ہے۔

حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کی کرامت کا واقعہ

حضرت ربعی بن خراش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "ہم چار بھائی تھے اور ہمارے بڑے بھائی حضرت ربیع رضی اللہ عنہ پکے نمازی اور بڑے روزہ دار تھے، سردیوں، گرمیوں میں بھی وہ نفلیں پڑھتے اور روزے رکھتے، جب ان کا انتقال ہوا تو ہم سب ان کے آپ پاس اکٹھے تھے اور ہم ان کے لئے کفن کا کپڑا لینے ایک آدمی بھیج چکے تھے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا کر کہا السلام علیکم (ہم لوگ عبسی قوم کے ہیں) جواب دیا: وعلیکم السلام برادران عبس، کیا موت کے بعد بھی تم بات چیت کرتے ہو؟ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں تم سے جدا ہو کر جب میں پروردگار عالم سے ملا تو میں نے اسے غضبناک نہیں دیکھا، اس نے مجھ پر رحمتوں کے بادل برسا کر جنت کی خوشبوئیں، جنت کی روزی، جنت کے لباس اور دبیز ریشمی کپڑے مرحمت فرمائے، سنو! حضرت ابوالقاسم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم میری نماز پڑھانے کے لئے منتظر ہیں، بس اب دیر مت لگاؤ اور جلدی کرو، اس کے بعد وہ اس طرح ہو گئے جیسے کسی طست میں ایک کنکری گر جائے، یعنی تھوڑی دیر کے لئے ان کی زبان نے حرکت کی اور پھر وہ بالکل خاموش اور بے جان ہو گئے اور پھر ان کے کفن دفن کا انتظام کیا گیا، یہ قصہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنایا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ہاں مجھے یاد ہے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری امت میں ایسے آدمی ہیں جو مرنے کے بعد بھی گفتگو کرتے ہیں"۔ اس واقعہ کو حلیہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی فہرست میں دیکھا تو نہیں گیا، مگر دوسرے قرینوں اور اس واقعہ سے بھی آپ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا مسلم ہو جاتا ہے۔

حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کی کرامت کا واقعہ

حضرت سہم رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ "ہم علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ ہو کر جب مقامِ

دارین پہنچے جو ہندوستانی مشک اور کستوری کی بحرین میں بہت بڑی منڈی ہے اور سمندر کے ساحل پر واقع ہے، چنانچہ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے سمندر کے کنارے پر کھڑے ہو کر کہا: اے اللہ! تو جاننے والا ہے، تو قوت والا ہے، تو بہت بڑا ہے، ہم تیرے معمولی بندے یہاں کھڑے ہیں اور اسلام کا دشمن سمندر کے اس سرے پر ہے، اللہ! ان کو شکست دینے کے لئے، ان کو راہ راست پر لانے کے لئے اور ان کو اسلام کا کلمہ پڑھانے کے لئے ان تک پہنچا دے، اس دعاء کے بعد انہوں نے ہم کو سمندر میں اتار دیا، اس سمندر کا پانی ہمارے گھوڑوں کے سینوں تک بھی نہیں پہنچا اور ہم سمندر پار ہو کر اسلام کے دشمنوں پر جا ٹوٹے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان حالت میں بادشاہِ کسریٰ کے عامل نے دیکھ کر اپنی فوج کے سرداروں سے کہا کہ ہم ان مجاہدوں سے ہرگز نہیں لڑ سکتے، ان بہادروں سے مقابلہ کی میں تو ہمت ہی نہیں رہی اور بالآخر وہ کشتی میں بیٹھ کر فارس روانہ ہو گیا اور اس کی فوج بھی ایک دو تین ہو گئی" اس قصہ کو حلیہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

کرامت حضرت زید بن خارجہ بن زید بن ابی زبیر انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ

حافظ حدیث ابن حجر (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ "زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے مرنے کے بعد بھی گفتگو کی، اس کو ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ، بغوی رحمۃ اللہ علیہ، طبری رحمۃ اللہ علیہ اور ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے۔

زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے خلافتِ سوم میں داعِ اجل کو لبیک کہا، تہذیب التہذیب کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ اس قصہ کی سند حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان کی ہے کہ "زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری کا انتظار تھا، میں نے کہا: لاؤ اتنی دیر میں دو رکعت نفل پڑھ لیتا ہوں، ادھر میں نماز میں لگا ادھر حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے اپنے منہ سے کپڑا اٹھا کر کہا: السلام علیکم یا اہل البیت! سب لوگوں سے ان کی گفتگو ہو رہی تھی اور میں سجدہ میں "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھ رہا تھا، زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے اپنی دوران گفتگو میں کہا: لوگو! بالکل خاموش ہو جاؤ سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ سب سے سچے پہلے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو جسمانی طور پر تو دبلے پتلے تھے، مگر اللہ کے احکام کے اجراء میں بڑے طاقتور اور قوت دار تھے اور اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ سچے تھے وہ جس طرح مضبوط بدن کے آدمی تھے اسی طرح احکامِ خدا کے اجراء میں بھی بڑے سخت اور بڑے کڑے تھے اور اب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بھی دو برس گزر چکے ہیں اور چار سال باقی ہیں، یہ بھی سچ اور صداقت کا مجسمہ ہیں، ان کے دورِ خلافت میں تمام معاملات اور اشیائے محفوظ پر فتنوں کا دباؤ ہے اور اُریس کے کنویں کو تو تم لوگ جانتے ہی ہو، جہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے گر گئی تھی اور اسی دن سے فتنہ وفساد کے دروازے کھل گئے تھے اور اے عبداللہ بن رواحہ! تم پر اللہ کی سلامتی ہو، کیا تم کو خارجہ اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حالات معلوم نہیں، اس کے بعد وہ بالکل خاموش ہو گئے، میں تو نماز سے فارغ ہو کر یہ تمام باتیں سن ہی رہا تھا کہ حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ نے تشریف لا کر نماز جنازہ پڑھادی"۔اس واقعہ کو کئی طریقوں سے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔

کرامت حضرت ابوواقد اللیثی رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق اور علامہ بیہقی (رحمہما اللہ تعالیٰ) روایت کرتے ہیں کہ "حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ جنگ بدر میں ایک مشرک کے قتل کرنے کے لئے جھپٹے، کیا دیکھتے ہیں کہ شمشیر آب دار ابھی اس تک پہنچی بھی نہیں تھی کہ اس کا سر کٹ کر نیچے گر پڑا۔

کرامت حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ

حاکم، بیہقی اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ "حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنگِ بدر کی حالت یہ تھی کہ ہمارے کسی مشرک اور خدا کے باغی کے لئے تلوار کا اشارہ کرتے ہی ہماری تلوار اس کے سر پر پڑتی تک نہ تھی کہ اس بدبخت کی کھوپڑی کٹ کر دور جا پڑتی"۔

واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتے آئے تھے اور وہ ہر مسلمان کا اشارہ پاتے ہی اس مشرک کو قتل کر دیتے تھے۔

حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ کی کرامت کا واقعہ

امام بیہقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) روایت کرتے ہیں کہ "حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشرکوں کے تین سر لے جا کر عرض کیا: یارسول اللہ! ان میں سے دو کو تو میں نے قتل کیا ہے اور تیسرے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک خوش رو نوجوان جو بڑا البساتر لگا تھا؛ لیکن وہ ہم مجاہدوں میں کا نہیں تھا؛ کیونکہ سب دوستوں کو تو میں پہچانتا ہوں، اس شیر مرد نے اس ناپاک کو مار گرایا اور میں اس گندے سر کو یہاں لے آیا ہوں، اس پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فلاں فرشتہ تھا۔

کرامت حضرت سہل بن عمر رضی اللہ عنہ

علامہ بیہقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیان فرماتے ہیں کہ "حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے جنگ بدر میں کچھ گورے چٹے اور سرخ وسفید لوگوں کو دیکھا جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے اور مشرکوں میں سے کوئی بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، وہ جدھر بھی رخ کرتے صفوں کی صفیں کھیت کر دیتے۔

موج رواں کی طرح جدھر یہ پلٹ گئے
مشرک سر اپنا پھینک کر پیچھے کو ہٹ گئے

کرامت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما

صحیحین میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جبرئیل کو دیکھا"۔

کرامت زنِ صالحہ

بیہقی اور ابن عدی (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ "ایک اندھی بڑھیا کے ایک نوجوان انصاری بیٹے نے وفات پائی اور بڑھیا نے اس کے منہ پر کپڑا اڑھادیا، ہم اس کو صبر و تسلی دے رہے تھے، بیچ میں وہ کہنے لگی: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے پیغمبر کی طرف اس امید پر ہجرت کی کہ تو تکلیفوں میں میری مدد کرے، آج میری مصیبت کو تو ٹال دے، اے اللہ! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ میری مدد کر، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ابھی وہیں بیٹھے تھے کہ اس مردے نے - جو اپنے باپ کے لحاظ سے انصاری تھا - اپنے منہ سے کپڑا اٹھایا اور اپنی بوڑھی مہاجر ماں سے کہا: اب تم گھبراو مت، میں اچھا ہو گیا؛ چنانچہ ہم سب نے اس کے ساتھ کھانا کھایا"۔

لیکن ان صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجبوراً غلبہ حال میں دعا کی تھی اور غلبہ حال میں ہر شخص معذور ہوتا ہے اور ان صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نیتِ ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت تھی تو اللہ کے لئے، مگر اس کی برکت سے مقصود انسانی بھی پیش نظر تھا اور صلوۃ الحاجۃ کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ انسان کی تکلیفیں دور ہو جائیں؛ تا کہ وہ اطمینان سے عبادت کر سکے۔

کرامت حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

علامہ بیہقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے عبداللہ بن عبیداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ "حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جس وقت جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تو ان کے دفن میں میں بھی شریک تھا، جب ان کو قبر میں رکھ دیا گیا تو انہوں نے کہا:

محمد رسول الله ،ابو بكر الصديق ، عمر الشهيد ، عثمان البر الرحيم

اس پوری شہادت کو ہم نے سنا، اس کے بعد ان شہید کو ویسے ہی پایا جیسا کہ وہ باتیں کرنے سے پہلے تھے، یعنی بالکل خاموش مردہ۔

کرامت حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں، جس حدیث پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور جس کو "روض الریاحین" میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ: "ایک مکار عورت نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ پر یہ جھوٹا دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے اس سے زبردستی کچھ زمین لے لی ہے، اس پر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے بددعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کی آنکھیں پھوڑ دے اور اس کو اس کی زمین میں ہی موت دے دے، بس وہ اپنی زندگی میں ہی اندھی ہو گئی اور ایک دن جبکہ وہ اپنی زمین پر چل رہی تھی ناگاہ

ایک گڑھے میں گر کر مرگئی"، اس قصہ کو صحیحین میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

کرامت حضرت سلیمان وابوداود رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت سلیمان وابوداود رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیٹھے ہوئے تھے اور دونوں کے بیچ میں پیالہ رکھا ہوا تھا جو سبحان اللہ پڑھ رہا تھا اور اس کی اس تسبیح کو دونوں حضرات نے سنا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی کرامت کا واقعہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک لمبی حدیث کے تحت بیان کیا ہے کہ "مجھ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے ابوذر! تم کو کھانا کون کھلاتا تھا؟ میں نے جواب دیا حضور مجھے کھانا تو کوئی نہیں کھلاتا تھا؛ البتہ آب زمزم خوب پیا کرتا تھا، جس سے میں اتنا موٹا ہوگیا کہ میرے پیٹ میں بٹیں پڑنے لگیں اور بھوک نے میرے جگر کا فعل بھی خراب نہیں کیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آب زمزم بڑی اچھی چیز ہے اور پیٹ بھرنے کے لئے عمدہ قسم کا کھانا ہے"، اس کو مسلم میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ چاہ زمزم پر ایک ماہ تک مقیم رہے، آپ رضی اللہ عنہ وہاں صرف آب زمزم ہی پیتے رہے اور کوئی غذا نہیں کھائی، اگرچہ اس متبرک پانی کی تاثیر یہی ہے، مگر ہر شخص اس کا مظہر نہیں ہوسکتا، جن کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے، وہی ایسی برکتوں کے محل ومظہر ہوا کرتے ہیں ؎ درنجواہی آدمیت، دررہ آں، زودزن

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی کرامت کا واقعہ

صحیح مسلم میں حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "فرشتے مجھے سلام کیا کرتے تھے، مجھے تیس برس سے بواسیر تھی، اس بیماری کو دور کرنے کے لئے میں نے مسوں کو داغنا شروع کیا تو فرشتوں نے مجھے سلام کرنا چھوڑ دیا اور جب میں نے اس مکروہ چیز کو ترک کردیا تو ملائکہ پھر مجھے سلام کرنے لگے۔

اور صحیح ترمذی میں ہے کہ "عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے گھر میں لوگ کسی سلام کرنے والے کو نہیں دیکھتے تھے، مگر السلام علیکم یا عمران کی آواز برابر ان کو سنائی دیتی تھی۔

نسیم الریاض میں معتبر کتابوں کے حوالے سے لکھا ہوا ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرشتے مصافحہ کیا کرتے تھے۔ بدن کے کسی حصہ کو داغنا، گودنا اور جلانا بہت ہی برا کام ہے؛ لیکن حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرشتوں کو سلام، گفتگو اور مصافحہ یہ سب آپ رضی اللہ عنہ کی کرامتیں ہیں۔

حضرت حارث بن کلدہ رضی اللہ عنہ کرامت کا واقعہ

ابن سعد اور حاکم (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے صحیح سند کے ساتھ بذریعہ ابن شہاب (رحمہ اللہ تعالیٰ) روایت کیا ہے کہ "حضرت صدیق اکبر اور حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں بیٹھے تھے اور دلیا کھا رہے تھے، جو تحفہ کے طور پر آیا تھا، دلیا کھاتے کھاتے

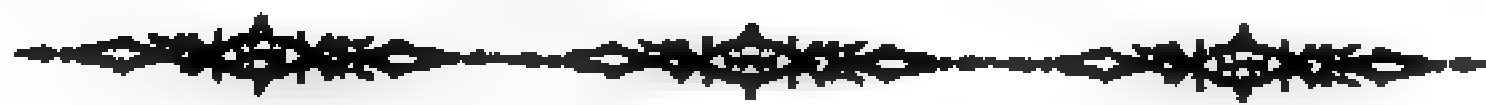
ایک مرتبہ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے کہا: اے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہاتھ کھینچ لیجئے، اللہ کی قسم اس حریرہ میں وہ زہر ہے جس سے سال بھر میں ہلاکت واقع ہوتی ہے، اب آپ رضی اللہ عنہ اور میں ایک دن میں مریں گے؛ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہ دلیا کھانا چھوڑ دیا اور پھر وہ دونوں ایک سال تک بیمار رہ کر ایک ہی دن اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی دو کرامتیں ظاہر ہوئیں، ایک تو دلیا کھاتے کھاتے بغیر کسی ظاہری سبب کے یہ معلوم کر لیا کہ اس میں وہ سلو پائزن (سست رفتار سے اثر کرنے والا زہر) ملا ہوا ہے، جس کا کھانے والا ایک سال میں ہلاک ہو جاتا ہے اور دوسری کرامت یہ کہ دونوں کی وفات ایک ہی دن ہوگی اور یہ سب ایسا ہی ہوا جس کو قرینہ سے کوئی دوسرا معلوم نہیں کر سکتا اور یہ کشف آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔

حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی کرامت کا وقعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ "حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر زنا کا دعویٰ کیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ہلال! تم گواہ لاؤ ورنہ اس تہمت کی وجہ سے تم پر حدقذف جاری ہوگی، یعنی تم کو اسّی کوڑے مارے جائیں گے، اس پر حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا! میں بالکل سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ عنقریب کوئی حکم بھیجے گا، جو میری کمر کو حدِ قذف سے بری کر دے گا، اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور لعان کی آیت ساتھ لائے، یعنی وہ حکم جو میاں بیوی کی قسموں سے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ ہوتا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر لعان کا یہ حکم اللہ تعالیٰ نازل نہ کرتا تو میرا اور اس عورت کا معاملہ بڑا ہی سخت ہو جاتا۔

یعنی اس کو وہ سزا دی جاتی جو ولدِ حرام پیدا ہونے والے لڑکے کے لئے مقرر کر دی گئی ہے، () اس کو بخاری، ترمذی اور ابوداود نے بھی بیان کیا ہے۔



حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جرأت و بہادری

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ قریش کے ایک معزز افراد اور بنومخزوم قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سیف اللہ یعنی 'اللہ کی تلوار' کا خطاب عطا فرمایا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی تاریخ کا اہم واقعہ حسب ذیل ہے۔ توما کو قتل کرنے کے بعد حضرت خالد بن ولید ہربیس کو تلاش کر رہے تھے تاکہ اس کو بھی اس کے انجام تک پہونچا دیں۔ دفعۃً انھوں نے ایک بھاری ڈیل ڈول والے گبر کو دیکھا۔ اس گبر کی سرخ رنگ کی بڑی داڑھی تھی اور اس نے ریشمی کپڑے کا قیمتی لباس پہن رکھا تھا۔ اور لوہے کی زرہ پہن رکھی تھی۔ حضرت خالد نے گمان کیا کہ یہ ہربیس ہے۔ حضرت خالد نے اس کی طرف گھوڑا دوڑایا۔ حضرت خالد کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ گبر بھاگا۔ حضرت خالد نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے قریب پہنچ گئے اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس پر نیزہ کا وار کیا۔ لیکن صرف نیزہ کی نوک اس کی پشت سے مس ہوئی اور معمولی زخم لگا۔ وہ گبر گھبراہٹ کی وجہ سے گھوڑے کی پشت سے زمین پر گرا۔ حضرت خالد اپنے گھوڑے سے کودے اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے اور اس کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ کیوں ہربیس بھاگ کر کہاں جا رہا تھا؟ اب تو میرے ہاتھ سے بچنے والا نہیں۔ وہ گبر عربی زبان اچھی طرح جانتا تھا، اس نے جواب دیا کہ اے برادر عربی! مجھے مت مارو۔ میں ہربیس نہیں ہوں۔ اگر تم نے مجھ کو مار ڈالا تو ہربیس تمہارے ہاتھ سے بچ کر نکل جائے گا اور پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ اگر تم مجھ کو امان دو تو میں تم کو ہربیس کا پتہ بتا دوں۔

حضرت خالد اس کے سینے سے اُتر گئے اور اس کو امان دی۔ اس گبر نے پہاڑ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ دیکھو۔ حضرت خالد نے پہاڑ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو چند آدمی پہاڑ پر چڑھتے ہوئے دکھائی دیئے۔ گبر نے کہا کہ ہربیس اپنے ساتھیوں کے آگے چل رہا ہے اور وہ سب بھاگ کر جا رہے ہیں۔ حضرت خالد نے اپنے قریب کھڑے حضرت اسد بن جابر کو قریب بلایا اور اس گبر کو ان کے حوالے کر کے فرمایا کہ تم اس گبر کو روکے رہو۔ اگر یہ اپنی اطلاع میں جھوٹا ثابت ہوگا تو ہم اس کی گردن مار دیں گے ورنہ رہا کر دیں گے۔

حضرت خالد نے اپنے گھوڑے کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی اور فوراً ہربیس کے قریب پہنچ گئے۔ ہربیس کے ہمراہ قوم نصرانی کے بیس گبر تھے جو ہتھیاروں سے لیس تھے۔ زرہ اور خود میں جڑے ہوئے تھے۔ وہ تمام گبر ملک شام کے جنگجو شہسوار اور شجاع تھے۔ حضرت خالد نے جاتے ہی دو گبروں کو نیزہ مار کر ہلاک کر دیا اور گبروں کے آگے چلنے والے ہربیس کو للکارتے ہوئے فرمایا کہ اے دشمن خدا!

میں خالد بن ولید تیری ہلاکت کے لئے آپہنچا ہوں۔ بھاگتا کیوں ہے؟ رُک جا، اے بزدل نامرد تا کہ تجھے بھی تیرے سردار توما کے پاس بھیج دوں۔ گرجتی ہوئی آواز میں حضرت خالد کی دھمکی سن کر ہربیس گھوڑے کے زین سے سمٹ گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ سختی ہو تم پر! کھڑے کھڑے منہ کیا دیکھتے ہو؟ یہ وہی شخص ہے جس نے ارکہ، تدمر، بصرہ، اجنادین اور دمشق کے لوگوں کو لوٹا اور قتل کیا ہے۔ اس کو زندہ واپس مت جانے دو۔ اگر تم نے اس کو مار ڈالا تو ہماری کھوئی ہوئی عزت واپس پلٹ آئے گی اور ہمارے مقتول بھائیوں کا بدلہ بھی حاصل ہوگا۔ ہربیس کے کہنے اور ترغیب دینے پر رومی گبروں نے حضرت خالد کی طرف رُخ کیا۔ جس جگہ یہ معرکہ ہو رہا تھا وہ جگہ غیر ہموار اور تنگ تھی۔ گھوڑے پر سوار ہو کر لڑنا ممکن نہیں تھا لہٰذا حضرت خالد گھوڑے سے اُتر گئے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال تھام لی۔ گبروں نے دیکھا کہ حضرت خالد اکیلے ہیں تو انھوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ دین اسلام کا شیر ببر اٹھارہ بھیڑیوں کے درمیان پھنس گیا تھا۔ تنِ تنہا مقابلہ کر کے حضرت خالد نے گبروں کو جنگ کے وہ جوہر دکھائے کہ وہ حیران و ششدر رہ گئے۔ حضرت خالد اتنی تیزی سے تلوار گھماتے تھے کہ کسی کو قریب آنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اس دوران ہربیس نے موقع پا کر حضرت خالد کے سر پر زور سے تلوار ماری لیکن حضرت خالد نے عمامہ کے نیچے لوہے کا خود پہن رکھا تھا۔ تلوار عمامہ کو کاٹتی ہوئی خود سے ٹکرائی اور ایسا بازگشت جھٹکا لگا کہ ہربیس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ حضرت خالد تنِ تنہا بڑی دلیری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ لیکن سخت مصیبت میں تھے۔ بچنا مشکل تھا۔ حضرت خالد کو بھی اپنی شہادت کا یقین ہو گیا تھا لیکن حضرت خالد کو اپنے آقا و مولیٰ، جانِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیضِ اتم پر یقینِ کامل تھے:

جنگل درندوں کا ہے، میں بے یار شب قریب　　　گھیرے ہیں چار سمت سے بدخواہ لے خبر

(از:- امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی)

اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہونا۔ حضرت خالد کی دلی خواہش تھی، اسی لئے حضرت خالد ہمیشہ خطرے کی جگہ پر ٹھہرتے اور دشمنان اسلام سے دلیری سے جنگ کرتے۔ مرج الدیباج کی لڑائی سے قبل حضرت خالد نے بتیس (۳۲) جنگوں میں شرکت فرمائی تھی اور ہر جنگ میں شہادت کے خواستگار تھے:

دے خدا ہمت کہ یہ جانِ حزیں　　　آپ پر واریں وہ صورت کیجئے

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اب بپھرے ہوئے شیر کی طرح خشمناک ہو کر لڑنے لگے لیکن جوش کے ساتھ ہوش سے کام لیتے ہوئے رومیوں پر رعب ڈالنے کے لئے زور سے نعرہ تکبیر کی صدا بلند کی۔ رومی گبر یہ سمجھے کہ شاید ان کے ساتھی قریب میں چھپے ہوئے ہیں، اُن کو بلانے کے لئے یہ "اللہ اکبر" کی صدا لگاتے ہیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ قریب میں حضرت خالد کا کوئی بھی ساتھی نہ تھا۔ انھوں نے گبروں پر رعب اور ہیبت ڈالنے کے لئے ایک حیلہ اور تدبیر کی تھی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاں نثار عاشق کے حیلے کو حقیقت میں بدل دیا۔ حضرت خالد نے جیسے ہی نعرہ تکبیر بلند کیا فوراً صدائے بازگشت کی طرح جواب سنائی دیا:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، یَا اَبَا سُلَیْمَان وَشْکَ الْغَوْثُ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ،

نہیں ہے کوئی معبود مگر تنہا اللہ، نہیں ہے شریک اس کا اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے ابوسلیمان پروردگار عالم کی طرف سے تمہارے لئے فریاد رس آیا۔

ایمان اور ایقان پر مشتمل صدا سن کر حضرت خالد بھی محو حیرت تھے کہ دفعۃً حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ہاتھ میں ننگی تلواریں لئے دوڑے چلے آرہے ہیں۔ آتے ہی مجاہدوں نے گبروں کو گھیر لیا اور حضرت ضرار بن ازور نے تو آنے کے ساتھ ہی گبروں کو تلوار کی نوک پر لیا۔ لمحہ بھر میں اٹھارہ گبر زمین پر بے جان پڑے تھے۔ حضرت خالد نے دیکھا کہ مجاہدوں کے آتے ہی ہربیس اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر بھاگ رہا ہے لہٰذا آپ نے اس کا تعاقب کیا اور چند قدموں کے فاصلہ پر اس کو پالیا۔ ہربیس بری طرح لرز رہا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ اڑنے لگا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر آواز حلق میں دبی کی دبی رہ گئی۔ حضرت خالد نے تلوار کی ایک ضرب میں اس کو زمین پر کشتہ ڈال دیا۔ حضرت خالد نے تمام مجاہدوں کا شکریہ ادا کیا۔ حضرت خالد نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر سے پوچھا کہ میرے یہاں ہونے کی خبر تم کو کس نے دی؟ حضرت عبدالرحمٰن نے جو جواب دیا وہ علامہ واقدی کی زبانی سماعت فرمائیں۔

پس کہا عبدالرحمٰن نے کہ اے سردار! تھے ہم رومیوں کی لڑائی میں اور فتح دی اللہ تعالیٰ نے ہم کو اُن پر اور وہ لوگ کشتہ اور گرفتار ہوئے اور مسلمان مصروف تھے یکجا کرنے مال غنیمت میں کہ دفعۃً سنی ہم نے آواز پکارنے والے کی ہوا سے اور وہ کہتا تھا کہ مشغول ہو تم لوٹ کے مال جمع کرنے میں اور خالد بن الولید کو گھیر لیا ہے دشمنوں نے، پس جب سنا میں نے آواز کو اور میں نہیں جانتا تھا کہ کس جگہ میں ہو تم اور گم کیا تھا ہم نے تمہاری ذات کو اور مسلمان اس سبب سے رنج میں تھے پس راہ بتائی ہمارے تئیں ایک گبر نے جو تمہارے ایک ساتھی کے قابو میں تھا اور کہا اُس نے تمہارے سردار کو میں نے راہ بتائی ہے بجانب ہربیس کے اور وہ اُس کے ساتھ پہاڑ پر ہیں۔ پس جلدی روانہ ہوئے ہم تمہاری طرف (فتوح الشام، علامہ واقدی، ص: ۱۲۵)

پھر حضرت خالد بن ولید اپنے مجاہد ساتھیوں کے ساتھ مرج الدیباج کی طرف روانہ ہوئے مرج الدیباج میں اسلامی لشکر میں حضرت خالد کے گم ہونے اور دشمنوں کے درمیان پھنس جانے کی خبر بجلی کی طرح پھیل چکی تھی۔ ہر مجاہد حضرت خالد کے لئے پریشان اور بیقرار تھا۔ لشکر کے تمام لوگ حضرت خالد کی حفاظت اور سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے۔ جب حضرت خالد کو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس آتے دیکھا تو لشکر اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ تمام نے نعرہ تکبیر سے ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا اور خیر و عافیت سے لوٹنے کی مبارکباد دی۔ حضرت خالد نے ہربیس کا پتہ بتانے والے رومی گبر کو بلایا اور فرمایا کہ میں نے تجھ سے جو وعدہ کیا ہے چاہتا ہوں کہ اسے پورا کروں کیونکہ تیرے ساتھ خیر خواہی کرنا مجھ پر واجب ہے۔ کیا تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تو دین اسلام قبول کر کے اہل جنت میں سے ہو جائے؟ اس گبر نے جواب دیا کہ میں اپنا دین بدلنا نہیں چاہتا لہٰذا حضرت خالد نے حسب وعدہ امان

دے کر اس کی راہ چھوڑ دی۔ وہ گبرا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رومی شہروں کی طرف اکیلا چلا گیا۔

حضرت خالد بن ولید نے مجاہدوں کو مال غنیمت اور قیدیوں کو یکجا کرنے کا حکم دیا۔ جب تمام مال ایک جگہ جمع کیا گیا تو مال غنیمت کا ایک چھوٹا ٹیلہ بن گیا۔ پھر حضرت خالد نے راہ بتانے والے نجیب کو بلایا اور اس کا شکریہ ادا کیا اور بعد میں اس کی بیوی کا حال پوچھا۔ نجیب نے اپنی درد بھری داستان کہہ سنائی۔ حضرت خالد نے اظہار افسوس کیا اور صبر کرنے کی تلقین فرمائی۔ اس پر حضرت رافع بن عمیرہ الطائی نے کہا کہ اے سردار! ہرقل بادشاہ کی بیٹی کو ہم نے قید کیا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ نجیب کو ہرقل بادشاہ کی بیٹی ہبہ کر دیں تا کہ اس کی بیوی کا نعم البدل ہو جائے۔ حضرت خالد نے فرمایا کہ اگر ہرقل بادشاہ نے اپنی بیٹی ہم سے طلب کی تو ہم کو واپس دینی پڑے گی اور اگر ہرقل نے ہم سے اپنی بیٹی کا مطالبہ نہیں کیا تو پھر وہ نجیب کی ہی ہے۔

راہبر نجیب نے حضرت خالد سے کہا کہ اس وقت ہم ایسے علاقے میں ہیں کہ اطراف میں ہرقل بادشاہ کا لشکر موجود ہے۔ لہذا ہم پر کوئی لشکر آ پڑے اس سے پہلے یہاں سے روانہ ہو کر جلد از جلد دمشق پہنچ جانا چاہئے۔ نجیب کے مشورے کو قبول کر کے حضرت خالد نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ مرج الدیباج سے کوچ کر کے اسلامی لشکر "پل اُمِ حکیم" کے قریب مرج الصفر نام کے مقام پر پہنچا تو دفعۃً ایک غبار اٹھتا ہوا نظر آیا۔ حضرت خالد نے حضرت صَعصَعہ غفاری نام کے مجاہد کو اس غبار کی تحقیق کرنے بھیجا۔ حضرت صعصعہ غفاری تیز گھوڑا دوڑاتے ہوئے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آ کر اطلاع دی کہ رومیوں کا لشکر اس شان سے ہے کہ سپاہیوں کے بدن لوہے سے اس طرح مستور ہیں کہ ان کی آنکھ کی پتلی کے سوا جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ تھوڑی دیر میں وہ لشکر قریب آ گیا اور لشکر سے ایک بوڑھا راہب نکل کر آیا اور پکار کر کہا کہ میں ہرقل بادشاہ کا ایلچی ہوں اور اسلامی لشکر کے سردار سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ مجاہدین اس بوڑھے راہب کو حضرت خالد کے پاس لے آئے۔ حضرت خالد نے فرمایا کہ اپنا مقصد بیان کرو۔ بوڑھے راہب نے کہا کہ ہرقل بادشاہ نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ تم نے میرے داماد توما کو قتل کر کے میری بیٹی کو گرفتار کر لیا ہے میں تم سے یہ امید رکھتا ہوں کہ تم میری بیٹی مجھ کو واپس کر دو۔ اگر میری بیٹی کے عوض کچھ مال درکار ہے تو مجھے دینے سے انکار نہیں یا اپنی طرف سے بطور ہدیہ میری بیٹی مجھ کو دے دو کیونکہ کرم اور بخشش کرنا مسلمانوں کے خصائل سے ہے۔ حضرت خالد نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ ہم کو مال دنیا کی طمع نہیں۔ ہم بادشاہ کے ہاتھ پر اس کی بیٹی فروخت نہیں کرنا چاہتے۔ ہم کسی بھی قسم کا کوئی معاوضہ یا فدیہ لئے بغیر اس کی بیٹی کو آزاد کرتے ہیں اور یہ ہماری طرف سے تمہارے بادشاہ کو ہدیہ ہے۔ چنانچہ حضرت خالد نے اسی وقت ہرقل اعظم کی بیٹی کو رہا کر کے شاہی ایلچی کے ساتھ روانہ کر دی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے جسم پر کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں تلوار تیر یا نیزے کے زخم کا نشان نہ ہو۔ لیکن افسوس! موت نے مجھے بستر پر آ دبوچا۔ میدان کارزار میں شہادت نصیب نہ ہوئی۔

اس پر لوگوں نے ان کو یہ کہا کہ رسول اللہ نے آپ کو سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ آپ اگر کسی کافر کے ہاتھ سے مارے جاتے تو اس کا مطلب تھا کہ ایک دشمن خدا نے اللہ کی تلوار کو توڑ ڈالا۔ جو ناممکن تھا۔ یہ سن کر آپ کو کچھ اطمینان

نصیب ہوا۔ (فتوح شام وکتب سیر صحابہ)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کرامت کا واقعہ

بیہقی اور نسائی نے بیان کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر خالد رضی اللہ عنہ نے جب عمارت عزیٰ کو ڈھایا تو اس میں سے ایک کالی بھجنگی ننگی عورت پریشان حال بنے سر پر ہاتھ رکھے چیختے ہوئے نکلی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو دو ٹکڑے کر ڈالے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آ کر اس قصہ کو بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عزیٰ وہی عورت تھی جس کو تم نے قتل کر دیا، اب کبھی اس عورت کی عبادت نہ ہوگی، شاباش! شاباش! عزیٰ درخت پر بنائی ہوئی ایک عمارت تھی، جس کو مشرکین اس لئے پوجتے تھے کہ اس میں سے آوازیں سنائی دیتی تھیں از قبیل شیطان، اس عمارت میں ایک خبیث روح تھی جو بولا کرتی تھی؛ چنانچہ وہ خبیث روح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف سے انسانی حالت میں جب نکلی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا، اسی کا نام عزیٰ تھا۔ اس شیطان روح کو قتل کرنا اور بت خانہ عزیٰ کی پھر دوبارہ عبادت نہ ہونا، یہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی کرامت کا واقعہ

امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک طویل حدیث میں روایت بیان کی ہے کہ ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ سے میرے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ "بیر معونہ میں جس وقت صحابہ رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو قید کیا گیا تو ان سے عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ نے ایک مقتول وشہید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے؟ جس پر اسیر مشرکین عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تم نہیں جانتے یہ تو عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں نے اس شہید یعنی عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے جنازے کو آسمان کی طرف جاتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ جنازہ اتنا اونچا ہو گیا کہ آسمان وزمین کے درمیان میں اس کو دیکھ نہ سکا، یعنی وہ میری حدِ نگاہ سے بھی پرے ہو گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد ان کا جنازہ زمین پر لا کر رکھ دیا گیا"۔

اللہ نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی بزرگی دکھانے کے لئے ان کے جنازہ کو آسمان کی طرف اٹھا نا دکھایا، یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔

کرامات ایک جن صحابی رضی اللہ عنہ کی

حافظ حدیث ابن جوزی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتاب صفوۃ الصفوۃ میں اپنی سند سے امام الاولیاء حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے تھے کہ "میں قوم عاد کے شہروں میں شہر عاد کی ایک سرحد پر تھا، جہاں میں نے تراشیدہ پتھروں کا ایک شہر دیکھا یعنی اس شہر کی سب عمارتیں پتھروں کو اندر سے کھود کر بنائی گئی تھیں اور اس شہر کے بیچوں بیچ ایک سنگین محل تھا، جس میں جنات رہا کرتے تھے، ایک دن میں اس محل میں گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک موٹا تازہ اور جسیم، شخیم پرانا بڈھا جن کعبہ کی طرف منہ کر کے

نماز پڑھ رہا ہے اور پر رونق جبہ پہنے ہوئے ہے، میں اس کے بے انتہا موٹاپے اور اس بزرگ دار عبا پر تعجب ہی کر رہا تھا کہ اس نے نماز سے فراغت کے لئے سلام پھیرا، میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا اور کہا: اے سہل بن عبداللہ! بدن سے کپڑے پرانے اور بوسیدہ نہیں ہوتے؛ اس لئے کہ بدن میں کوئی ایسی خاصیت نہیں کہ اس سے کپڑے پھٹ جائیں؛ بلکہ کپڑے تو صرف گناہوں کی بدبو اور حرام غذاء کے کھانے سے بوسیدہ ہو کر پھٹ جاتے ہیں، اس اونی جبہ کو تقریباً سات سو سال سے پہنے ہوئے ہوں اور میں نے اسی لباس میں حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے اور دونوں پر ایمان بھی لا چکا ہوں، میں نے ان کو پوچھا آپ ہیں کون؟ تو انہوں نے جواب دیا میں ان میں سے ہوں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے: "قد اوحی الی انہ استمع نفر من الجن")

دیکھا آپ نے ان جن صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی تین کراماتوں کو ظاہر کیا: اول: یہ کہ انہوں نے بلا میل جول نام معلوم کر لیا۔ دوم: یہ بتایا کہ گناہوں کی نحوست بُری چیز ہے۔

اور تیسری کرامت یہ بتائی کہ تعجب کی کوئی بات نہیں یہ تو سات سو سال سے بھی پرانا جبہ ہے، مگر برائیوں سے دور رہنے کی وجہ سے بالکل نیا معلوم ہو رہا ہے۔

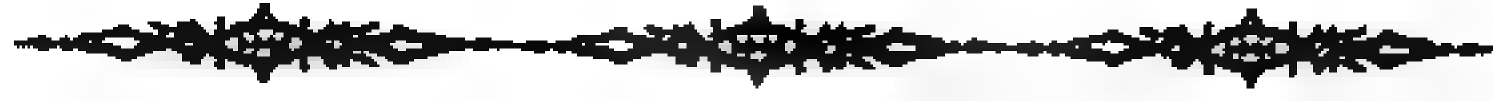
حضرت اسود راعی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

حضرت اسود راعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قلعہ کی جنگ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ان کا واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک حبشی تھے جو خیبر کے کسی یہودی کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جب یہودی جنگ کی تیاریاں کرنے لگے تو انہوں نے پوچھا کہ آخر تم لوگ کس سے جنگ کے لئے تیاریاں کر رہے ہو؟ یہودیوں نے کہا کہ آج تم اس شخص سے جنگ کریں گے جو کہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ سن کر ان کے دل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کا جذبہ پیدا ہوا۔ چنانچہ یہ بکریاں لئے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے خداوند تعالیٰ کی طرف سے کیا اجر و ثواب ملے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو جنت اور اس کی نعمتیں ملیں گی۔ انہوں نے فوراً ہی کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں۔ اب میں ان کو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ تم ان بکریوں کو قلعہ کی طرف ہانک دو اور ان کو کنکریوں سے مارو۔ یہ سب خود بخود اپنے مالک کے گھر پہنچ جائیں گی۔ چنانچہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا کہ انہوں نے بکریوں کو کنکریاں مار کر ہانک دیا اور وہ سب اپنے مالک کے گھر پہنچ گئیں۔

اس کے بعد یہ خوش نصیب حبشی ہتھیار پہن کر مجاہدین اسلام کی صف میں کھڑا ہو گیا اور انتہائی جوش و خروش کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ عمل قلیلا واجر کثیرا۔

یعنی اس شخص نے بہت ہی کم عمل کیا اور بہت زیادہ اجر دیا گیا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی لاش کو خیمہ میں

لانے کا حکم دیا اور ان کی لاش کے سرہانے کھڑے ہو کر آپ نے یہ بشارت سنائی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کالے چہرہ کو حسین بنا دیا۔ اس کے بدن کو خوشبودار بنا دیا اور وہ حوریں اس کو جنت میں ملیں۔ اس شخص نے ایمان اور جہاد کے سوا کوئی دوسرا عمل نہیں کیا، نہ ایک وقت کی نماز پڑھی، نہ ایک روزہ رکھا، نہ حج و زکوٰۃ کا موقعہ ملا۔ مگر ایمان اور جہاد کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس کا اتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ (مدارج النبوۃ ج2 ص240)



حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ ذوالبجادین کی قبر میں تدفین کا ایمان افروز واقعہ

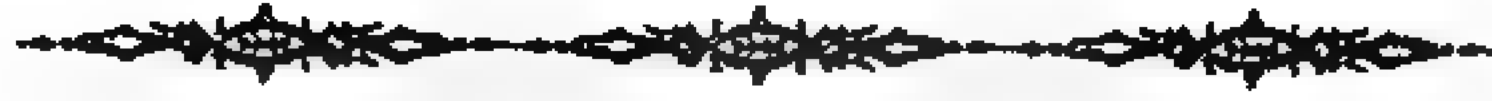
غزوہ تبوک میں بجز ایک حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کے نہ کسی صحابی کی شہادت ہوئی نہ وفات، حضرت ذوالبجادین کون تھے؟ اوران کی وفات اور دفن کا کیسے منظر تھا؟ یہ ایک بہت ہی ذوق آفریں اورلذیذ حکایت ہے۔

یہ قبیلہ مرینہ کے ایک یتیم تھے اور اپنے چچا کی پرورش میں تھے۔ جب یہ سن شعور کو پہنچے اور اسلام کا چرچا سنا تو ان کے دل میں بت پرستی سے نفرت اور اسلام قبول کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ مگر ان کا چچا بہت ہی کٹر کافر تھا۔ اس کے خوف سے یہ اسلام قبول نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن فتح مکہ کے بعد جب لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو انہوں نے اپنے چچا کو ترغیب دی کہ تم بھی دامن اسلام میں آ جاؤ۔ کیونکہ میں قبول اسلام کیلئے بہت ہی بیقرار ہوں۔ یہ سن کر ان کے چچا نے ان کو برہنہ کر کے گھر سے نکال دیا یہ اپنی والدہ سے ایک کمبل مانگ کر اس کو دو ٹکڑے کر کے آدھے کو تہبند اور آدھے کو چادر بنا لیا اور اسی لباس میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ رات بھر مسجد نبوی میں ٹھہرے رہے۔ نماز فجر کے وقت جب جمال محمدی کے انوار سے ان کی آنکھیں منور ہوئیں تو کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام دریافت فرمایا تو انہوں نے اپنا نام عبدالعزیٰ بتا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ آج سے تمہارا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین (دو کمبلوں والا) ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بہت کرم فرماتے تھے اور یہ مسجد نبوی میں اصحاب صفہ کی جماعت کے ساتھ رہنے لگے اور نہایت بلند آواز سے ذوق وشوق کے ساتھ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک کیلئے روانہ ہوئے تو یہ بھی مجاہدین میں شامل ہو کر چل پڑے اور بڑے ہی ذوق وشوق اور انتہائی اشتیاق کے ساتھ درخواست کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائے کہ مجھے خدا کی راہ میں شہادت نصیب ہو جائے آپ نے فرمایا تم کسی درخت کی چھال لاؤ۔ وہ تھوڑی سی ببول کی چھال لائے آپ نے ان کے بازو پر وہ چھال باندھ دی اور دعا کی کہ اے اللہ! میں نے اس کے خون کو کفار پر حرام کر دیا ہے انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرا مقصد تو شہادت ہی ہے ارشاد فرمایا جب تم جہاد میں نکلے ہو تو اگر بخار میں بھی مرو گے تو تم شہید ہی ہو گے۔ خدا کی شان کہ جب حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ تبوک میں پہنچے تو بخار میں مبتلا ہو گئے اور اسی بخار میں ان کی وفات ہو گئی۔

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے دفن کا عجیب منظر تھا۔ کہ حضرت بلال مؤذن رضی اللہ عنہ ہاتھ میں چراغ لئے ان کی قبر کے پاس کھڑے تھے اور خود بہ نفس نفیس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں اترے اور حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تم دونوں اپنے اسلامی بھائی کی لاش کو اٹھاؤ۔ پھر آپ نے ان کو اپنے دست مبارک

سے لحد میں سلایا اور خود ہی قبر کی کچی اینٹوں سے بند فرمایا اور پھر یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! میں ذوالبجادین سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ذوالبجادین کے دفن کا یہ منظر دیکھا تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا کہ کاش ذوالبجادین کی جگہ میری میت ہوتی۔ (مدارج النبوۃ ج2 ص350 اورص351)



حضرت عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت ہے، ابھی بڑے بڑے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی جماعت موجود ہے، خلیفہ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے بلاد عجم میں ایک شہر کی داغ بیل ڈالی گئی ہے جس کو بصرہ کے نام سے جانا جاتا ہے، بصرہ بلاد عجم میں ایک فوجی چھاؤنی، دعوت کا مرکز اور منبع نور وہدایت کی حیثیت سے آباد کیا گیا ہے۔

چناں چہ جزیرہ عرب کے ہر خطہ نجد، حجاز ویمن سے مسلمان کھنچ کھنچ کے چلے آرہے ہیں، سب کا مقصد سرحد اسلامی کی حفاظت ہے۔

قافلہ نجد میں قبیلہ تمیم کا ایک نوجوان بھی شامل ہے جس کو لوگ عامر بن عبداللہ تمیمی کے نام سے جانتے ہیں، جوانی کی دہلیز میں قدم رکھنے والے اس نوجوان کی روشن پیشانی شرافت ونجابت، ذہانت وفطانت، قلب کی طہارت اور فطرت کی پاکیزگی کا پتہ دے رہی ہے، بصرہ اگرچہ ابھی نیا نیا آباد ہوا ہے، لیکن دوسرے اسلامی شہروں کے مقابلہ میں یہ شہر زیادہ مال دار اور ثروت والا ہے، اس کی وجہ فتوحات کی کثرت، مال غنیمت کی بہتات ہے، ایسا لگتا ہے کہ مال کا ایک سیلاب ہے، جو ہر طرف سے اس شہر میں اُمڈا آرہا ہے۔

لیکن اس تمیمی نوجوان کو اس سے کچھ بھی لینا دینا نہیں ہے، مال ودولت سے بے رغبت یہ نوجوان صرف اللہ کا دل دادہ ہے، دنیا اور دنیا کی آرائش سے کنارہ کش یہ اللہ کا بندہ اللہ کی مرضیات کے حصول میں مگن ہے۔

اس وقت اس نو آباد شہر کے والی اور ذمہ دار صحابی رسول ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں، یہی یہاں کے گورنر، فوج کے کمانڈر، مسجد کے امام اور مدرسہ کے معلم ہیں یعنی اپنی قابلیت وصلاحیت سے ان تمام امور کو انجام دے رہے ہیں، بس عامر بن عبداللہ، موسیٰ اشعری کے ساتھ ہو گئے اور پھر سفر وحضر، امن وجنگ ہر حال میں ان کے ساتھ رہنے لگے، چناں چہ عامر نے ابو موسیٰ اشعری سے قرآن کو اسی طرح پڑھا جیسے رسول پاک کے قلب اطہر پر نازل ہوا تھا، حدیث رسول کی اسی طرح روایت کی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اور انہیں کی شاگردی میں تفقہ فی الدین کی دولت سے مالا مال ہوئے، جب انہوں نے کامل علم حاصل کر لیا تو اپنے معمولات کچھ اس طرح بنائے کہ اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا، ایک حصہ خاص کر دیا تعلیم وتعلم کے لیے، اس وقت آپ بصرہ کی مسجد میں لوگوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے، ایک حصہ عبادت کے لیے خاص تھا، اس میں اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوتے، لمبی لمبی نمازیں پڑھتے کہ پاؤں تھک تھک جاتے اور ایک حصہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خاص کر دیا تھا، اس میں اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے تھے۔

انہوں نے چوبیس گھنٹہ کی زندگی میں کوئی وقت خالی نہ چھوڑ رکھا تھا، جس میں ان تین کاموں کے علاوہ کوئی اور کام کرتے، یہاں تک کہ لوگ آپ کو زاہد بصرہ کے لقب سے پکارنے لگے۔

عامر بن عبداللہ کے واقعات میں بصرہ کے ایک شیخ نے بیان کیا ہے۔

کہتے ہیں ایک سفر میں عامر کے ساتھ تھا، جب رات ہوئی تو ہم نے ایک نالہ کے پاس جنگل تھا، اس جگہ قیام کیا، میں نے دیکھا عامر نے اپنا سامان جمع کیا، گھوڑے کو ایک درخت سے باندھا، اسی کی رسی ذرا لمبی کردی اور گھاس لا کر اس کے سامنے ڈال دیا، خود اس جنگل میں گھس گئے، میں نے سوچا آج ان کے پیچھے چلتے ہیں، دیکھیں رات کو یہ کیا کرتے ہیں۔

میں نے دیکھا، چلتے چلتے وہ ایک ٹیلہ پر پہنچے، جو درختوں سے گھرا ہوا تھا، لوگوں کی نگاہ اس پر نہیں پڑ سکتی تھی، قبلہ رخ ہوئے اور نماز کی نیت باندھ لی، بخدا! میں نے اس سے زیادہ کامل خشوع وخضوع والی نماز اپنی عمر میں اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی، جب نماز پڑھ چکے تو دعا شروع کی، منجملہ اور دعاؤں کے یہ دعا بھی تھی، الٰہی! تو نے اپنے حکم سے مجھے پیدا فرمایا اور اپنی مشیت سے اس دنیا کی آزمائش میں لا کھڑا کیا ہے، پھر تو نے یہ حکم دیا ہے میں اپنے اوپر ضبط کروں تو اے طاقت والے، اے قوت والے! کیسے میں اپنے نفس پر قابو پاسکتا ہوں اگر تو نے اپنے لطف وکرم سے میری مدد نہیں فرمائی، اے بارالٰہا! تو جانتا ہے کہ اگر پوری دنیا اور دنیا کا سارا ساز وسامان مجھ کو مل جائے اور کوئی تیری رضا کے بدلے مجھ سے مانگے تو میں اس کو دے دوں گا، لہٰذا اے ارحم الراحمین! تو مجھ کو بخش دے۔

اے رب کریم! میں نے تجھ سے ایسی محبت کی ہے کہ اس نے ہر مصیبت کو میرے لیے آسان اور ہر فیصلہ پر مجھ کو راضی کردیا ہے، اگر تیری محبت مجھ کو حاصل ہے تو پھر مجھ کو اس کی کوئی پروا نہیں کہ میرے شام وسحر کیسے گزر رہے ہیں۔

روای کہتے ہیں کہ پھر مجھ پر نیند کا غلبہ ہونے لگا، تو میں نیم بیدار، نیم خوابی کے عالم میں رہا اور عامر کھڑے اپنے رب کی عبادت ومناجات کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح نمودار ہوگئی، جب صبح ہوئی تو فجر کی نماز ادا کی اور دعا فرمائی، اے اللہ! صبح روشن ہوگئی ہے، لوگ آجا رہے ہیں، ہر شخص اپنی حالت میں تیرے رزق کی تلاش میں لگا ہے، ہر ایک کی ایک حاجت اور ضرورت ہے، لیکن تیرے بندے عامر کی ضرورت صرف یہ ہے کہ تو اس کو معاف فرمادے، اے اللہ! تو میری اور لوگوں کی ضرورت پوری فرمادے۔

اے اللہ! میں نے تجھ سے تین چیزیں مانگی تھیں تو نے دو قبول فرمائیں ایک قبول نہیں فرمائی، اے اللہ! تو اس کو بھی قبول فرمالے تاکہ تیری عبادت اس طرح کرسکوں جیسے میں کرنا چاہتا ہوں پھر اپنی جگہ سے اٹھے تو ان کی نگاہ مجھ پر پڑی وہ گھبرا اٹھے، اس لیے کہ سمجھ گئے کہ میں نے رات کا ماجرا دیکھا ہے، ایسا لگا کہ ان کی کوئی بڑی پونجی گم ہوگئی، پھر بڑے غم بھرے لہجہ میں بولے، بھائی! میں سمجھ رہا ہوں کہ آج رات تم مجھ کو دیکھ رہے تھے۔

میں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: جو کچھ دیکھا ہے لوگوں سے مخفی رکھنا، اللہ تمہاری ستاری فرمائے گا۔

میں نے کہا آپ وہ تینوں باتیں مجھے بتادیں جو اپنے رب سے مانگی ہیں، ورنہ میں تو اس راز کو فاش کردوں گا۔ انہوں نے

بڑی لجاجت سے کہا نہ، ایسا نہ کرو، میں نے کہا نہیں، آپ میری شرط پوری کیجیے۔ جب انہوں نے میرا اصرار دیکھا تو فرمایا کہ اچھا تم مجھ سے وعدہ کرو کہ کسی اور کو نہیں بتاؤ گے۔ میں نے کہا اللہ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی زندگی میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔

فرمایا: میرے نزدیک دین کے سلسلے میں عورتوں سے زیادہ کوئی چیز خطرہ کی نہیں تھی تو میں نے اللہ سے دعا کہ عورت کی محبت میرے دل سے نکال دے، اس کو اللہ نے قبول فرمالیا۔ میں نے کہا: دوسری بات؟

فرمایا: دوسرے یہ کہ میں نے دعا مانگی اے اللہ! میں تیرے سوا کسی سے نہ ڈروں، چناں چہ یہ بھی قبول ہوگئی، اب میں آسمان وزمین میں سوا اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتا۔

میں نے کہا: تیسری چیز؟ فرمایا: میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھ سے نیند ختم کردے، تاکہ میں رات دن تیری عبادت کرسکوں، اللہ نے اس کو قبول نہیں فرمایا۔

جب میں نے یہ سنا تو کہا، عامر! اپنے اوپر رحم کرو، تم پوری رات کھڑے ہوکر اللہ کی عبادت میں اور دن بھر روزہ رکھ کر گزارتے ہو، جنت کی نعمت اس سے کم میں مل سکتی ہے اور دوزخ کے عذاب سے تو اس سے کم مجاہدہ میں بچا جاسکتا ہے۔

فرمایا: میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس دن مجھ کو ندامت نہ ہو جس دن ندامت کوئی فائدہ نہ دے گی، بخدا! میں اللہ کی عبادت میں مجاہدہ کرتا رہوں گا جب تک میرے اندر اس کی سکت باقی رہے گی پھر بھی اگر نجات پا گیا تو یہ اللہ کا رحم ہوگا اور اگر دوزخ میں ڈال دیا گیا تو یہ میری کوتاہی کا نتیجہ ہوگا۔

مگر یہ بھی یاد رہے کہ عامر بن عبداللہ صرف رات کے عبادت گزار ہی نہ تھے، بلکہ میدان جنگ کے شہسوار بھی تھے، جب اللہ کا منادی جہاد کی ندا لگاتا تو عامر بن عبداللہ سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں ہوتے، جب مجاہدین کے ساتھ جہاد میں جانا ہوتا تو مناسب جماعت کی تلاش میں رہتے، تاکہ اس کے ساتھ ہولیں، جب ایسی جماعت مل جاتی جن کی رفاقت مناسب معلوم ہوتی تو ان سے کہتے بھائیو! میں تمہارے ساتھ چلنا چاہتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ تم اپنے تین کام میرے حوالہ کردو۔ وہ پوچھتے: وہ کیا؟

فرماتے: پہلی بات یہ کہ میں سفر میں آپ سب کا خدمت گزار رہوں گا، خدمت میں مجھ سے کوئی جھگڑے گا نہیں، دوسرے یہ کہ نماز کے لیے اذان میں دوں گا تیسرے یہ کہ اپنی استطاعت کے بقدر میں آپ لوگوں پر خرچ کروں گا۔

اگر وہ منظور کرتے تو ان کے ساتھ ہوجاتے، راستہ میں اگر کوئی شخص ان کاموں میں ان سے مزاحمت کرتا تو ان کا ساتھ چھوڑ کر کسی اور جماعت کے ساتھ ہولیتے۔

عامر بن عبداللہ ان مجاہدین میں سے تھے جو لڑائی میں تو پیش پیش اور مال غنیمت لینے سے گریز کرنے والے تھے، وہ خطرات مول لینے میں آگے آگے اور نفع حاصل کرنے میں پیچھے پیچھے رہتے تھے۔

یہ سعد بن وقاص ہیں، اسلامی فوج کے کمانڈر، جنگ قادسیہ میں فتح ہوتی ہے، یہ کسریٰ کے محل میں اترتے ہیں اور عمر بن مقرن کو حکم دیتے ہیں کہ مال غنیمت جمع کرو اور اس کو شمار کروتا کہ خمس بیت المال میں اور باقی مجاہدین میں تقسیم کیا جاسکے، ان کے سامنے

مال و دولت اور قیمتی قیمتی اشیاء کا اتنا بڑا ڈھیر لگ جاتا ہے جو بیان سے باہر ہے، کہیں بڑی بڑی مہر بند ٹوکریاں ہیں، جن میں شاہان ایران کے سونے چاندی کے برتن بھرے ہیں، تو کسی طرف قیمتی لکڑی کے صندوق ہیں جن میں شاہ ایران کسریٰ کے جوڑے، ہار اور موتی و جواہر سے جڑی زرہیں ہیں۔

عورتوں کے سنگھاردان ہیں، جو قیمتی زیورات اور عمدہ سنگھار کے سامان سے پُر ہیں، اس میں شاہان ایران کی نیامیں ہیں، جن میں ان کی تلواریں اور ان قائدین اور بادشاہوں کی تلواریں ہیں جو شاہان ایران کو مال غنیمت میں حاصل ہوئی تھیں۔

ابھی عمال مال غنیمت مسلمانوں کے سامنے شمار کر ہی رہے ہیں کہ ایک پراگندہ بال اور گرد سے اٹا شخص لوگوں کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے، اس کے ساتھ ایک وزنی صندوقچہ ہے، جو دونوں ہاتھوں سے اٹھائے ہوئے ہے۔

لوگوں نے غور کیا تو کیا دیکھتے ہیں یہ تو بڑا قیمتی ہے، ایسا تو کسی نے دیکھا بھی نہیں ہے اور اب تک اتنے مال جمع کیے گئے، مگر اس میں کوئی چیز اتنی قیمتی نہیں ملی ہے، جب کھولا تو وہ عمدہ اور قسم قسم کے ہیرے و جواہرات اور موتی سے بھرا تھا۔

لوگوں نے آدمی سے پوچھا، اتنا قیمتی خزانہ تم کو کہاں سے ہاتھ لگا؟

اس نے کہا، اس معرکہ میں فلاں جگہ ملا ہے، لوگوں نے کہا اس میں سے کچھ نکالا تو نہیں ہے۔

اس نے کہا، اللہ تمہیں ہدایت دے، یہ صندوقچہ اور شاہان ایران کی تمام دولت میرے نزدیک تراش کر پھینکے جانے والے ناخن کے برابر بھی نہیں ہے، اگر بیت المال کا حق نہ ہوتا تو اس کو چھوتا بھی نہیں، وہیں پڑا رہنے دیتا۔

لوگوں کو بڑا تعجب ہوا، پوچھا آپ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے کہا، واللہ! نہ تو میں تم کو اپنا پتہ بتاؤں گا نہ کسی اور کو، کہ تم میری قصیدہ خوانی اور تعریف کرو، بلکہ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں، اسی سے ثواب کی امید رکھتا ہوں پھر وہ شخص چلا گیا۔

لوگوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ جاؤ پتہ لگاؤ! یہ کون صاحب ہیں؟ آدمی پیچھے چلا چلتے چلتے ان کے اپنے ساتھیوں میں پہنچ گیا، اس شخص نے ان کے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟

لوگوں نے کہا کہ تم نہیں جانتے؟ ارے! یہ تو بصرہ کے زاہد عامر بن عبداللہ تمیمی ہیں۔ عامر بن عبداللہ کو اس درجہ زہد و تقویٰ کے باوجود حاسدوں کے حسد اور دشمنوں کی دشمنی کی وجہ سے سخت حالات سے دوچار ہونا پڑا۔

ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ پولیس والا ایک ذمی کو گھسیٹے لیے جا رہا تھا اور زبردستی اس سے کام کروانا چاہتا تھا، اس پر عامر بن عبداللہ نے اس کی مدد کر دی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو ذمی کو چھوڑنا پڑا، بس اس بات کو لے کر وہ خفا رہا اور بہت سی بے بنیاد باتیں جو آپ کی عبادت گزاری اور دنیا بےزاری میں معاون تھیں، مثلاً یہ کہ سنت رسول سے ان کو بے رغبتی ہے کہ شادی نہیں کرتے اور گوشت نہیں کھاتے اور اسی طرح کی بعض اور باتوں سے خلیفہ کے کان بھرے، خلیفہ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تحقیق کرائی تو معلوم ہوا سب الزامات ہیں، حقیقت کچھ اور ہے، پھر بھی احتیاطاً آپ سے درخواست کی گئی کہ بصرہ چھوڑ کر شام چلے جائیں، آپ شام چلے گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر کو حکم دیا کہ ان کا بھرپور استقبال کیا جائے، چناں چہ ان کا

خوب استقبال کیا گیا، جب وہ بصرہ چھوڑنے لگے تو ایک جم غفیر آپ کو الوداع کہنے کے لیے آپ کے ساتھ نکلا، جب ظاہر المربد پہنچے تو لوگوں سے کہا، دیکھو! میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو۔

لوگ ساکت ہو گئے، سب کی نگاہیں ان کی جانب اٹھ گئیں، انہوں نے ہاتھ اٹھایا اور دعا کی۔

اے اللہ! جس نے میرے خلاف لگائی بجھائی کی ہے، جھوٹے الزامات لگائے ہیں، اس شہر سے نکلوانے کا سبب بنا، میرے اور میرے ساتھیوں میں جدائی کا باعث ہوا ہے، اے اللہ! میں نے اس کو معاف کر دیا، تو بھی اس کو معاف کر دے، دنیا و آخرت دونوں جہاں میں اس کو عافیت وسلامتی عطا فرما، مجھ کو اور اس کو اور سارے مسلمانوں کو اپنی بے پایاں رحمت سے ڈھانپ لے۔

پھر شام کی جانب روانہ ہو گئے اور بقیہ زندگی وہیں گزاری، بیت المقدس میں بود و باش اختیار کر لی، شام کے گورنر حضرت معاویہ بن ابو سفیان کی طرف سے ان کے ساتھ ان کے شایان شان عزت و اکرام کا برتاؤ کیا گیا۔

جب عامر کا آخری وقت آ گیا تو لوگ ان کے پاس حاضر ہوئے، دیکھا رو رہے ہیں! لوگوں نے کہا آپ کیوں روتے ہیں، آپ تو بڑی عبادت وریاضت کرنے والے ہیں؟ فرمایا، روتا اس لیے ہوں کہ سفر بڑا طویل اور زاد راہ قلیل ہے، زندگی کے نشیب وفراز کو طے کرتے ہوئے زندگی کی شام آ پہنچی، نہیں معلوم دوزخ کی طرف جا رہا ہوں یا جنت کی طرف، اس کے بعد دنیا کے اس مسافر کی شام میں زندگی کی شام ہو گئی۔ آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی خریداریٔ ایمان کا واقعہ

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ گو غریب الوطن تھے اور اس سرزمین کفر میں ان کا کوئی حامی و معاون نہ تھا، تاہم غیرت ایمان نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا، انہوں نے ابتداء ہی میں اپنے تبدیل مذہب کا حال ظاہر کر دیا اور راہِ خدا میں گوناگوں مصائب ومظالم برداشت کیے؛ لیکن استقامت، صبر اور تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سب سے آخری مہاجر تھے، انہوں نے رختِ سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا، تو مشرکین قریش نہایت سختی کے ساتھ سدِ راہ ہوئے اور بولے تم ہمارے یہاں مفلس ومحتاج آئے تھے، مکہ میں رہ کر دولت وثروت جمع کی اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لیے جاتے ہو، خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا اے گروہ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں،

خدا کی قسم جب تک اس میں ایک بھی تیر ہے تم میرے قریب نہیں آ سکتے۔ اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا، ہاں اگر مال و دولت چاہتے ہو تو کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ مشرکین نے اس پر رضامندی ظاہر کی، اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنے مال ومنال کے عوض متاعِ ایمان کا سودا خرید کر مدینہ پہنچے۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث)

حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مہمان تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ بھی حاضرِ خدمت تھے، کھجوروں کا نقل ہو رہا تھا کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ پہنچے اور بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر اس پر

ٹوٹ پڑے، چونکہ سفر میں ان کی ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صہیب رضی اللہ عنہ کو ملاحظہ نہیں فرماتے کہ آشوبِ چشم کے باوجود کھجوریں کھا رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا، صہیب رضی اللہ عنہ تمہاری آنکھ جوش کر آئی ہے اور تم کھجوریں کھاتے ہو؟ مزاج نہایت بذلہ سنج تھا، بولے، میں صرف اپنی ایک تندرست آنکھ سے کھاتا ہوں، اس حاضر جوابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار ہنس پڑے۔ مستدرک حاکم

جب بھوک کی شدت کسی قدر رفع ہوئی تو شکوہ شکایت کا دفتر کھلا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ آپ نے باوجود وعدہ مجھے شریک سفر نہ فرمایا، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے بھی خیال نہ فرمایا، قریش نے مجھے تنہا دیکھ کر روک رکھا، بالآخر تمام دولت وثروت کے عوض اپنی جان خرید کر حاضر ہوا ہوں۔ ارشاد ہوا، ابویحییٰ تمہاری تجارت منفعت رہی اس کے بعد ہی قرآن پاک نے اس عظیم الشان قربانی کی ان الفاظ میں داد دے دی۔

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کا دو آدمیوں کے برابر ہونے کا واقعہ

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا سب سے تابناک واقعہ وہ ہے جس میں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا اور وہ ذوالشہادتین کے منفرد لقب سے مشہور ہوئے۔ مسند احمد بن حنبل، مسند ابوداؤد، نسائی اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے (جس کا نام طبرانی اور ابن شاہین نے سوار بن الحرث لکھا ہے) ایک گھوڑا خریدا تو وہ اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلا۔ یہ سودا راستے میں کسی ایسی جگہ پر طے ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس سے کچھ دور تھی اور قیمت آپ کے پاس نہ تھی۔

چنانچہ آپ اس اعرابی کو قیمت دینے کے لیے اپنے ساتھ لے چلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چلنے میں جلدی کی تاکہ گھر جلد پہنچ کر قیمت ادا کریں، لیکن اعرابی نے چلنے میں سستی کی (یہاں تک کہ بہت پیچھے رہ گیا) اسی اثناء میں اس سے کچھ لوگ ملے اور اس سے گھوڑے کا بھاؤ تاؤ کرنے لگے۔ انہیں علم نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گھوڑا خرید لیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اعرابی کو اُس قیمت سے زیادہ کی پیشکش کی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طے پا چکی تھی۔ اس پر اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باآواز بلند پکارا (کیونکہ آپ آگے بڑھ چکے تھے) آپ یہ گھوڑا خریدتے ہیں یا نہیں ورنہ میں اس کو دوسرے کے ہاتھ بیچتا ہوں۔

آپ نے اعرابی کی آواز سنی تو کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ اعرابی آپ کے قریب آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تو گھوڑا میرے ہاتھ بیچ چکے ہو۔ اعرابی مکر گیا اور بولا: واللہ میں نے اس کو آپ کے ہاتھ نہیں بیچا۔ آپ نے فرمایا: ہاں تُو اس کو میرے ہاتھ بیچ چکا ہے اور میں نے تجھ سے اس کو خریدا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار یہ بات فرمائی اور اعرابی نے ہر مرتبہ انکار کیا اور کہا کہ اگر میں نے اسے آپ کے ہاتھ بیچا ہے تو اس کا کوئی گواہ لایئے۔

اسی دوران میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ انہوں نے اعرابی سے کہا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، جھوٹ نہیں بول سکتے، جو آپ

فرما رہے ہیں یقیناً یہی سچ ہے۔ تُو غلط کیوں اصرار کر رہا ہے! لیکن وہ بار بار گواہ مانگے ہی جا رہا تھا۔ اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ بن ثابت بھی وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے اعرابی کو مخاطب ہو کر کہا کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تُو نے یہ گھوڑا ان کے ہاتھ بیچا ہے۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم تو اُس وقت موجود نہ تھے، تم شہادت کس طرح دے رہے ہو۔

انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کی بات کی تصدیق کر رہا ہوں۔ (یعنی آپ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہی فرماتے ہیں، اس لیے میں نے یہ گواہی دی) ان کا جوشِ اخلاص دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خزیمہ رضی اللہ عنہ جس کے مخالف یا موافق گواہی دیں تو بس صرف ان کی تنہا گواہی کافی ہی، یعنی ان کی شہادت دو آدمیوں کی شہادت کے برابر ہے۔

چنانچہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ اُسی دن سے ذوالشہادتین کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ بعض لوگوں نے اس روایت کا اس بناء پر انکار کیا ہے کہ یہ صحیحین میں موجود نہیں ہی، لیکن صحیح بخاری کی ایک حدیث میں اس واقعہ کا ضمناً ذکر آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعہ کی صحت پر یقین تھا۔ یہ حدیث کاتب وحی جرالامت حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے مصاحف نقل کیے تو سورہ احزاب کی یہ آیت جس کو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، نہیں پائی: (ترجمہ) ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا ہے اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہی، انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ (احزاب:23)

یہ آیت حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ بن ثابت انصاری سے ملی جن کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ بن ثابت کے گلشنِ اخلاق میں جوشِ ایمان اور حُبِّ رسول سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔

اس کا اندازہ اوپر دیے گئے واقعات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق اگر ان کو خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین مبارک چومنے کا شرف حاصل ہوا تو ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے خواب میں اپنے آپ کو حضور اقدس کے سامنے سجدہ ریز پایا۔ بیدار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں یہ خواب بیان کیا۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ اور ماں کی محبت

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک شخص یمن سے تمہارے پاس آئے گا جس کا نام اویس ہوگا، وہ یمن میں اپنی ماں کے سوا کسی کو نہیں چھوڑے گا، اس کے بدن میں سفیدی (یعنی برص کی بیماری) تھی۔ اس نے اللہ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن سے سفیدی کو ختم کر دیا ہاں صرف ایک درہم یا ایک دینار کے بقدر سفیدی باقی رہ گئی ہے۔ پس تم میں سے جو شخص اس (اویس) سے ملے اس کو چاہئے کہ اس سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کرائے، ایک اور روایت میں یوں ہے کہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ) میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، تابعین میں بہتر شخص وہ ہم جس کا نام اویس ہے اس کی ایک ماں ہوگی اور اس کے بدن پر برص کا نشان ہے، پس تم اس سے اپنے لئے دعا مغفرت کرانا۔ (مسلم)

وہ یمن میں اپنی ماں کے سوا ان الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ اہل و عیال میں سے صرف ایک ماں کے علاوہ اور کوئی یمن میں اس کا نہیں ہے اور اسی ماں کی خدمت و خبر گیری نے اس کو یمن سے چل کر یہاں میری زیارت و ملاقات کے لئے آنے سے باز رکھا ہے۔ اگر اس کو اپنی ماں کی تنہائی اور بے کسی کا فکر نہ ہوتا تو وہ ضرور میری خدمت میں حاضر ہوتا اور میری زیارت و صحبت کا شرف حاصل کرتا۔

ایک درہم یا ایک دینار کے بقدر یہاں راوی کو شک ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درہم کے بقدر فرمایا تھا یا ایک دینار کے بقدر کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے، بہرحال دعا کے نتیجہ میں برص کا ختم ہو جانا اور ایک درہم یا ایک دینار کے بقدر معمولی سا نشان باقی رہ جانا شاید قدرت کی اس مصلحت کے تحت ہوگا کہ اس مرض کی کچھ نہ کچھ علامت باقی رہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا بہشتی لباس سفیدی اور چمک میں ناخن کی طرح تھا جو کبھی میلا نہیں ہوتا تھا پھر دنیا میں آنے کے بعد ان میں بھی اور ان کی نسل میں بھی اسی لباس کا ذرا سا نشان ناخن کی صورت میں باقی رہ گیا اور یا اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم پر برص کا وہ تھوڑا سا نشان اس مصلحت سے باقی رہنے دیا کہ وہ شرم کے مارے لوگوں میں خلط ملط رکھنے سے باز رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اویس قرنی گوشہ نشینی اور گمنامی کو اختیار کئے ہوئے تھے، لوگوں کے درمیان خلط ملط رکھنے اور شہرت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ خود انہوں نے دعا کی تھی کہ پروردگار! میرے جسم پر اس مرض کا تھوڑا سا نشان باقی رکھئے تا کہ میں تیری نعمت کو یاد رکھوں اور اس کا شکر ادا کرتا رہوں کہ تو نے مجھے اس

برے مرض سے نجات عطا فرمائی تابعین میں سے بہترین شخص حضرت اویس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین تابعی اس اعتبار سے فرمایا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور عذر شرعی نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے باز رکھا تھا ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں حضرت اویس کی مدح و تعریف ہے نیز اس ارشاد رسالت سے معلوم ہوا کہ اہل خیر وصلاح سے دعائے مغفرت کی درخواست کرنی چاہئے اگرچہ درخواست کرنے والا ان اہل خیر وصلاح سے افضل ہو۔

اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعریفی الفاظ حضرت اویس قرنی کا دل خوش کرنے کے لئے ارشاد فرمائے تھے اور اس کا مقصد ان لوگوں کے واہمہ کا دفعیہ جو شاید یہ سمجھ بیٹھے کہ اویس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے اور شرف زیارت وصحبت حاصل کرنے سے قصداً اعراض کر رہا ہے۔ حالانکہ خدمت رسالت میں ان کے حاضر نہ ہونے کی وجہ ماں کی دل داری اور ماں کی خدمت وخبر گیری کا عذر شرعی تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تابعین میں سب سے بہتر حضرت اویس قرنی ہیں جب کہ حضرت امام احمد بن حنبل سے منقول ہے ہم تابعین میں سب سے بہتر اور افضل سعید بن مسیب ہیں، لیکن ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ حضرت سعید بن مسیب تو علوم دین اور احکام شرائع کی معرفت سب سے زیادہ رکھنے کے سبب تابعین میں افضل ہیں اور اللہ کے نزدیک ثواب کی کثرت کے اعتبار سے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ تابعین میں افضل ہیں اور قاموس میں جو یہ لکھا ہے کہ اویس قرنی سادات تابعین میں سے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ حدیث کے الفاظ بھی اسی معنی پر محمول ہیں۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی شان میں جو اور آثار واخبار منقول ہیں اور جن کو سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع الجوامع میں ذکر کیا، ان کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی کہتے ہیں کہ اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، جب تک حضرت اویس، حضرت عمر فاروق کے پاس نہیں پہنچے تھے، وہ (عمر فاروق) یمن سے آنے والے ہر اسلامی لشکر اور قافلے سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا تمہارے ہاں کوئی شخص اویس بن عامر ہے، اور جب حضرت اویس دربار فاروقی میں پہنچے تو حضرت عمر نے ان سے پوچھا! کیا تم اویس بن عامر ہو؟ وہ بولے: ہاں میں اویس بن عامر ہوں! پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم قبیلہ مراد سے تعلق رکھتے ہو اور قرنی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں حضرت عمر نے پوچھا کیا تم کو برص کا مرض لاحق تھا اور پھر تم اچھے ہو گئے سوائے ایک درہم کے بقدر نشان کے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں حضرت عمر نے پوچھا کیا تمہاری ایک ماں ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! تب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا! میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہارے پاس ایک شخص اویس بن عامر اہل یمن کے اسلامی لشکر اور قافلے کے ساتھ آئے گا جو قبیلہ مراد سے تعلق رکھتا ہوگا اور قرن کا ہوگا، اس کو برص کا مرض لاحق تھا جو اب جاتا رہا ہے مگر ایک درہم کے بقدر نشان باقی رہ گیا ہے، اس کی ایک ماں ہے جن کی خدمت وخبر گیری میں مصروف ہے۔ (ان کی شان یہ ہے کہ) اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر کسی بات پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم سچی کرتا ہے، اگر تم سے ہوسکے اس سے درخواست کرنا۔ پس اے اویس میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے دعاء مغفرت کرو، (یہ سن کر) حضرت

اویس بولے: امیر المؤمنین! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں مجھ جیسا آدمی آپ کے لئے دعا مغفرت کرے؟ حضرت عمر نے فرمایا: یقیناً تمہیں میرے لئے دعا مغفرت کرنی ہے۔ تب حضرت اویس قرنی نے فاروق اعظم کے لئے دعاء مغفرت کی۔ پھر فاروق اعظم نے پوچھا کہ: اویس! اب بتاؤ کہاں جانا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں کوفہ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ حضرت عمر نے پوچھا: کیا تمہارے بارے میں کوفہ کے حاکم کو کچھ لکھ دوں؟ حضرت اویس بولے بس مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیجئے، میں لوگوں سے دور اور درماندہ رہنا ہی اپنے لئے زیادہ اچھا سمجھتا ہوں اور یہ کہہ کر وہاں سے چل دیئے۔ اگلے (کوفہ سے) ایک یمنی معزز شخص حج کے لئے آیا اور حضرت عمر کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو حضرت عمر نے اس سے حضرت اویس کے بارے میں پوچھا کہ کس حال میں ہیں؟ اس شخص نے بتایا کہ میں نے ان کو بہت پھٹے پرانے کپڑوں اور بے سروسامانی کی حالت میں چھوڑا ہے، حضرت عمر نے اس کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث پڑھی۔ چنانچہ وہ شخص جب واپس حضرت اویس کے پاس پہنچا تو ان سے دعائے مغفرت کی درخواست کی حضرت اویس نے اس سے کہا کہ تم بھی میرے لئے دعاء مغفرت کرو کیونکہ تم نیک سفر سے واپس آئے ہو، اس شخص نے پھر کہا کہ آپ میرے لئے دعا مغفرت کیجئے اور اس کے ساتھ اس نے حضرت عمر کی روایت کردہ حدیث ان کے سامنے پڑھی، تب حضرت اویس نے اس کے لئے دعائے مغفرت کی ملاس کے بعد جب لوگوں کو حضرت اویس کا مقام معلوم ہوا اور ان کی حقیقت حال کا چرچا ہوا تو وہاں سے چلے گئے۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ اور معاف کر دینے کا واقعہ

ایک اور روایت میں یوں ہے: اسیر بن جابر نے بیان کیا کہ کوفہ میں ایک محدث تھے جو ہمارے سامنے احادیث بیان کرتے تھے، جب وہ حدیثیں بیان کر کے فارغ ہوتے تو لوگ منتشر ہو جاتے تھے مگر چند آدمی اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے تھے اور ان میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو بڑی عجیب وغریب باتیں کرتا تھا ویسی باتیں مجھ کو کسی زبان سے سننے کا موقع نہیں ملا تھا، چنانچہ میں اس کے پاس بھی جا کر بیٹھ جایا کرتا تھا، ایک دن میں نے اس شخص کو اس کی جگہ پر نہیں پایا تو اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص اس آدمی کو بھی جانتا ہے جو یہاں ہمارے پاس بیٹھا کرتا تھا اور بڑی عجیب وغریب باتیں کرتا تھا، ایک شخص بولا کہ ہاں میں اس آدمی کو جانتا ہوں، وہ اویس قرنی ہیں میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ان کی قیام گاہ کو جانتے ہو؟ وہ بولا کہ ہاں جانتا ہوں چنانچہ میں اس شخص کے ساتھ ہولیا اور اویس قرنی کے حجرہ پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر نکلے تو میں نے پوچھا کہ میرے بھائی! ہمارے درمیان موجود رہنے سے کس چیز نے تمہیں باز رکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا عریانیت نے، یعنی میرے پاس اتنے کپڑے نہیں ہیں جس سے اپنے جسم اور ستر کو پوری طرح چھپائے رکھوں اور اسی وجہ سے تم لوگوں کے درمیان آنے سے بچ رہا ہوں، یہ حقیقت ہے کہ ان کے ہم وطن اور ان کے اردگرد کے لوگ ان کی خستہ حالی کو دیکھ کر ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور ان کو ستانے سے بھی باز نہیں رہتے تھے۔ بہرحال میں نے اپنی چادر ان کو پیش کی اور کہا کہ لیجئے یہ چادر اوڑھ لیجئے، انہوں نے کہا کہ نہیں تم یہ چادر مجھ کو مت دو اور جب لوگ میرے جسم پر اس چادر کو دیکھیں گے تو میرا مذاق اڑائیں گے اور مجھ کو ستائیں گے تاہم میں نے جب بہت زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے وہ چادر لے کر اوڑھ لی اور پھر اپنے حجرہ سے نکل کر لوگوں کے درمیان باہر آئے، لوگوں نے ان کو چادر میں دیکھا تو کہنا شروع کیا کہ میاں کس کو دھوکہ دے دیا، کس سے یہ چادر ہتھیالی ہے۔ حضرت اویس نے یہ سن کر مجھ سے کہا کہ تم دیکھ رہے ہو، لوگ

کیا کہہ رہے ہیں اسی خوف سے میں چادر نہیں لے رہا تھا، میں نے ان لوگوں کو ڈانٹا کہ آخر تم اس درویش سے کیا چاہتے ہو، کاہے کو اس کو ستا رہے ہو یہ بھی ایک انسان ہے جو کبھی بے لباس رہنے پر مجبور ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ دیتا ہے تو لباس میں نظر آنے لگتا ہے، غرضیکہ میں نے ان لوگوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر ہٹا دیا، پھر ایسا اتفاق ہوا کہ کچھ دنوں بعد کوفہ سے چند لوگ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں ایک وہ شخص بھی تھا جو حضرت اویس قرنی کا مذاق اڑایا کرتا تھا، حضرت عمر نے دوران گفتگو ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کا تعلق قرن سے ہو ان لوگوں نے اس شخص کو آگے کر دیا جو حضرت اویس قرنی کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ حضرت عمر نے پہلے تو اس کے سامنے وہ حدیث پڑھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویس کی شان میں فرمائی تھی اور پھر اس شخص سے بولے کہ میں نے سنا ہے کہ وہ یمنی شخص (یعنی حضرت اویس قرنی) کوفہ میں تم لوگوں کے ہاں پہنچا ہوا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ہمارے تو ایسا شخص کوئی نہیں ہے اور نہ ہم کو کسی ایسے شخص کو پہچانتے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں ہوگا لیکن وہ شخص تمہارے ہی ہاں ہے اور پھر اس کی علامت بتلائی کہ وہ اس طرح خراب وخستہ حال ہے تب اس شخص نے کہا کہ ہاں ایک شخص ہمارے ہاں ہے، اس کا نام اویس ہے اور ہم اس کا مذاق بھی اڑایا کرتے ہیں حضرت عمر نے اس شخص سے فرمایا: اب تو کوفہ جاؤ تو اس شخص سے ضرور ملنا (اور اپنی گستاخیوں و بے ادبیوں کی معافی چاہ کر اس سے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا) اگرچہ مجھ کو شبہ ہے کہ اب تم اس کو نہیں پاؤ گے یا نہیں، بہرحال وہ شخص کوفہ روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اپنے گھر والوں کے پاس بعد میں گیا، پہلے حضرت اویس قرنی کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت اویس نے اس شخص کو دیکھا تو بولے میرے تئیں تمہارے رویہ میں یہ تبدیلی کیسی؟ اس شخص نے کہا میں نے آپ کی تعریف امیر المؤمنین سے سنی ہے آپ کے بارے میں انہوں نے مجھ کو سب کچھ بتا دیا ہے للہ! آپ مجھے معاف فرما دیجئے، مذاق اڑانے گستاخی کرنے والے اور بے ادبی کے ساتھ پیش آنے کی صورت میں میں نے آپ کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے اس سے درگزر فرمائیے، اور میرے لئے دعائے مغفرت کیجئے۔ حضرت اویس قرنی نے اس سے کہا کہ میں تمہارے لئے دعائے مغفرت کئے دیتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ تم نے میرے بارے میں امیر المؤمنین حضرت عمر سے جو کچھ سنا ہے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کروگے، اس کے بعد انہوں نے دعائے مغفرت کی۔

اسیر ابن جابر جو اس کے راوی ہیں بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت اویس کا مقام کوفہ والوں کو معلوم ہوا۔

اویس قرنی کو میرا سلام کہنا

ایک اور روایت میں حضرت یحییٰ بن سعید المسیب سے اور حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے بیان کیا: ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو آواز دی کہ اے عمر! میں بولا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں، جو حکم ہو بجا لانے کو تیار ہوں، حضرت عمر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھ کو آواز دی تو میں نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے مجھ کو کہیں بھیجیں گے، لیکن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یوں فرمایا: اے عمر! میری امت میں ایک شخص جس کو اویس کہا جائے گا، اس کے بدن کو ایک بلا یعنی برص کی بیماری لاحق ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی اس بیماری کو دور کر دے گا مگر اس کا کچھ داغ اس کے پہلو پر باقی رہ جائے گا تم اس کو دیکھو گے تو تمہیں عزوجل یاد آ جائے گا۔ جب تم اس سے ملنا تو اس کو میرا سلام پہنچانا اور اس سے اپنے

لئے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے ہاں ایسا معزز اور ایسا بزرگ ہے کہ اگر اللہ کے بھروسہ پر کسی بات پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم سچی کر دے وہ اللہ تعالیٰ سے اتنے زیادہ لوگوں کی شفاعت کرے گا جتنے ربیعہ اور مضر جیسے کثیر القوم قبیلوں میں بھی افراد نہیں ہیں حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ یہ ارشاد رسالت سننے کے بعد میں نے اس شخص کی تلاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی کی مگر اس شخص کو نہیں پا سکا، پھر میں نے حضرت ابوبکر صدیق کے عہد خلافت میں بھی اس شخص کی ٹوہ میں رہا، مگر اس تک نہیں پہنچ سکا اور پھر جب میرا عہد امارت وخلافت آیا تو میں اور زیادہ تلاش وجستجو میں لگ گیا یہاں تک کہ مختلف شہروں اور علاقوں سے جو بھی قافلے آتے تو میں ہر ایک سے یہی سوال کرتا کہ کیا تم میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کا نام اویس ہو، قبیلہ مراد سے تعلق رکھتا ہو اور قرن کا ہو، اسی تلاش وجستجو کے دوران قرن سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ امیر المؤمنین آپ جس شخص کو پوچھتے ہیں وہ میرے چچا کا بیٹا ہے لیکن وہ تو نہایت خستہ حال کم رتبہ اور بے حیثیت شخص ہے، بھلا وہ اس درجہ کا کب ہے کہ آپ جیسی ہستی عظیم اس کا حال دریافت کرے۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ مجھ کو ایسا لگ رہا ہے کہ تو اس آدمی کی شان میں ایسے حقارت آمیز الفاظ استعمال کر کے ان لوگوں میں سے ہے جو اس کے تئیں گستاخانہ رویہ اختیار کرنے کے سبب ہلاکت میں پڑنے والے ہیں۔ میں اس شخص سے یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک اونٹ آتا دکھائی دیا جس پر ایک بوسیدہ پالان بندھا ہوا تھا اور اس پالان میں ایک ایسا شخص بیٹھا ہوا تھا جس نے پھٹے پرانے کپڑوں سے اپنے جسم کا کچھ حصہ ڈھک رکھا تھا، اس کو دیکھتے ہی میرے دل میں آیا کہ یہی شخص اویس ہے، پھر میں اس کی طرف لپکا اور اس سے پوچھا بندۂ خدا! کیا تم ہی اویس قرنی ہو؟ اس شخص نے جواب دیا ہاں! میں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام کہا ہے تھا: وہ شخص بولا: علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السلام وعلیک یا امیر المؤمنین، اس کے بعد میں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ تم میرے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اس کے بعد میرا معمول ہو گیا کہ ہر سال حج کے موقع پر اویس سے ملاقات کرتا، اپنے احوال واسرار ان سے بیان کرتا اور وہ اپنے حال واسرار مجھ سے بیان کرتے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت حسن بصری نے بیان کیا: جب حج کے دنوں میں قرن کے لوگ آئے تو امیر المؤمنین عمر نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں کوئی شخص اویس نامی ہے، ان میں سے ایک شخص بولا کہ امیر المؤمنین، بھلا اس شخص سے آپ کو کیا واسطہ؟ وہ تو ایک ایسا شخص ہے جو کھنڈرات میں پڑا رہتا ہے اور لوگوں کے درمیان آنے جانے سے اجتناب کرتا ہے، حضرت عمر نے فرمایا: جب تو واپس جاؤ تو اس کو میرا سلام پہنچانا اور اس سے کہنا کہ مجھ سے ملاقات کرے، اس شخص نے واپس جا کر حضرت عمر کا پیغام پہنچا دیا اور حضرت اویس امیر المؤمنین! حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عمر نے ان سے پوچھا اویس تم ہی ہو؟ وہ بولے: ہاں: اے امیر المؤمنین! حضرت عمر نے پوچھا: کیا تمہارے بدن پر سفیدی تھی اور تم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس سفیدی کو تمہارے بدن سے دور کر دیا تھا اور پھر تم نے یہ دعا کی تھی کہ اس سفیدی کا کچھ نشان باقی رہے؟ اویس بولے ہاں: لیکن اے امیر المؤمنین یہ سب کچھ آپ کو کس نے بتایا؟ حضرت عمر نے کہا: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا اور مجھ کو حکم دیا تھا کہ میں تم سے اپنے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کروں، چنانچہ حضرت اویس نے حضرت عمر کے لئے مغفرت کی دعا کی اور پھر بولے کہ اے امیر المؤمنین! آپ سے بس اتنا چاہتا

ہوں کہ آپ میری شخصیت اور میرے احوال کو پوشیدہ رکھیں، اور مجھ کو یہاں سے واپس جانے کی اجازت عطا فرمائیں، چنانچہ حضرت اویس نے ہمیشہ اپنے آپ کو چھپائے رکھا تا آنکہ جنگ نہاوند میں شہید ہوئے۔

ایک روایت میں سعید بن مسیب نے اس طرح بیان کیا کہ (ایک سال حج کے موقع پر) امیر المؤمنین حضرت عمر نے منیٰ میں منبر پر کھڑے ہوئے آواز دی: اے اہل قرن! معمر قرنی لوگ اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے: ہم حاضر ہیں اے امیر المؤمنین! کیا حکم ہے امیر المؤمنین عمر نے پوچھا، کیا قرن میں کوئی ایسا شخص ہے جس کا نام اویس ہے؟ ان میں سے ایک معمر شخص نے جواب دیا، ہم لوگوں کے درمیان رہنے والا کوئی شخص اس نام کا نہیں ہے، ہاں ایک دیوانہ صفت کا نام اویس ضرور ہے جو جنگلوں میں رہتا ہے نہ کوئی اس کے ساتھ الفت و موانست رکھتا ہے اور نہ خود وہ کسی کے ساتھ صحبت و اختلاط کا روادار ہے۔ حضرت عمر نے یہ سن کر فرمایا، بس وہی شخص میرا مطلوب ہے، جب تم قرن واپس جاؤ تو اس شخص کو تلاش کر کے میرا اسلام اس کو پہنچا دینا اور کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو تمہارے تئیں خوشخبری دی ہے اور مجھ کو حکم دیا تھا کہ میں تم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچاؤں، چنانچہ جب وہ لوگ قرن پہنچے تو اویس کو تلاش کیا وہ ریگستانوں میں پڑے ہوئے پائے گئے، ان لوگوں نے ان کو حضرت عمر کا سلام اور ان کے واسطہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچا دیا حضرت اویس بولے، امیر المؤمنین نے تو میرا چرچا کر دیا اور میرا نام کو شہرت دے دی۔ اسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ اور یہ کہہ کر لق و دق جنگل میں جا گھسے اور مدتوں کسی نے ان کا نام و نشان نہیں پایا یہاں تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں پھر نمودار ہوئے اور ان کی طرف سے لڑتے ہوئے جنگ صفین میں شہید ہو گئے۔

صعصہ بن معویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ انہوں نے بیان کیا اہل کوفہ کا کوئی بھی قافلہ جب حضرت عمر فاروق کے پاس آتا تو وہ اس سے پوچھتے کہ کیا لوگ اویس بن عامر قرنی کو جانتے ہو، اہل قافلہ جواب دیتے! ہم میں سے کوئی اس نام کے شخص کو نہیں جانتا اور حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں حضرت اویس کوفہ کی ایک مسجد میں پڑے رہتے تھے وہاں سے نہ باہر نکلتے تھے اور نہ کسی سے کچھ تعارف رکھتے تھے، ان کا ایک چچازاد بھائی تھا جوان کو ستایا کرتا تھا۔ اتفاق کی بات کہ کوفہ کے ایک قافلہ میں وہ بھی شریک ہو کر ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق کے ہاں پہنچا تو حضرت عمر فاروق نے حسب معمول اہل قافلہ سے سوال کیا! کیا تم لوگ حضرت اویس بن عامر قرنی کو جانتے ہو؟ یہ سوال سن کر حضرت اویس کا وہی چچازاد بھائی اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا کہ یا امیر المؤمنین! اویس اس درجہ کا آدمی نہیں ہے کہ آپ اس کے بارے میں پوچھیں اور اس کا تعارف حاصل کریں، وہ تو نہایت کمتر اور بے حیثیت انسان ہے اگرچہ وہ میرا چچازاد بھائی ہے حضرت عمر نے اس شخص کی زبان سے یہ تحقیری کلمات سنے تو فرمایا، تجھ پر افسوس، تو نے اویس کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کر کے اپنی ہلاکت مول لے لی ہے پھر حضرت عمر نے وہ حدیث پڑھی جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اویس کی شان میں سنی تھی، اس کے بعد حضرت عمر نے اس شخص سے فرمایا کہ جب تم واپس پہنچو تو اویس کو میرا اسلام کہنا، اس واقعہ کے بعد حضرت اویس کی شخصیت مشہور ہو گئی لیکن وہ عام نظروں سے پوشیدہ ہو گئے۔

اس سلسلہ میں ایک روایت حضرت ابن عباس سے بھی منقول ہے، انہوں نے بیان کیا کہ پہلے تو دس سال تک حضرت عمر فاروق نے

اویس قرنی کے بارے میں کوئی تلاش وجستجو نہیں کی، پھر انہوں نے ایک سال حج کے دوران اہل یمن کو آواز دے کر کہا کہ تم میں جو لوگ قبیلہ مراد سے تعلق رکھتے ہوں وہ کھڑے ہو جائیں چنانچہ قبیلہ مراد کے لوگ کھڑے ہو گئے اور باقی لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے، حضرت عمر نے ان (قبیلہ مراد کے لوگوں) سے پوچھا! کیا تم میں کوئی شخص اویس نام کا ہے؟ یہ سن کر ایک شخص بولا کہ اے امیر المؤمنین! ہمیں نہیں معلوم آپ کس اویس کو پوچھ رہے ہیں، ہاں میرا ایک بھتیجا ہے جس کو لوگ اویس اویس کہہ کر پکارتے ہیں اور وہ اس درجہ کا پست و بے حیثیت انسان ہے کہ آپ جیسی ہستی کو اس سے کیا سروکار ہوگا۔ حضرت عمر نے پوچھا کیا وہ حدود حرم میں موجود ہے؟ اس نے کہا ہاں، میدان عرفات سے متصل اراک جھاڑیوں میں لوگوں کے اونٹ چرا رہا ہے (گویا حضرت اویس اپنی شخصیت چھپانے کے لئے لوگوں کے اونٹ چرا رہے تھے تا کہ ایک چرواہے سے زیادہ کوئی اہمیت ان کو نہ دی جائے) حضرت عمر نے یہ سنا تو حضرت علی کو اپنے ساتھ لیا اور دونوں ایک گدھے پر سوار ہو کر اراک کی طرف روانہ ہو گئے، وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اویس کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور اپنی نظریں سجدہ گاہ پر گاڑے ہوئے ہیں ان کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت عمر اور حضرت علی نے آپس میں کہا کہ جس شخص کی تلاش میں ہم لوگ ہیں ہو نہ ہو یہ وہی شخص ہے، حضرت اویس کے کانوں میں جب ان دونوں کی آہٹ پڑی تو انہوں نے نماز کو مختصر کر دیا اور فارغ ہو کر ان کی طرف متوجہ ہوئے ان دونوں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے دونوں کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: علیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ پھر حضرت عمر اور حضرت علی مرتضیٰ نے پوچھا برادرم! تمہارا نام کیا ہے اللہ کی رحمت وسلامتی نازل ہو تم پر! اویس بولے میں عبداللہ ہوں سیدنا علی المرتضیٰ نے کہا، ہمیں معلوم ہے، آسمانوں میں اور زمین پر جو بھی متنفس ہے، وہ عبداللہ ہے۔ میں تم کو پروردگار کعبہ اور پروردگار حرم کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، تمہارا وہ نام کیا ہے جو تمہاری ماں نے رکھا ہے۔ حضرت اویس نے کہا تم لوگ مجھ سے آخر چاہتے کیا ہو، میرا نام اویس بن مراد ہے۔ حضرت عمر اور حضرت علی نے کہا: ذرا اپنا بایاں پہلو کھول کر دکھاؤ، حضرت اویس نے اپنا بایاں پہلو کھول دیا، ان دونوں نے دیکھا کہ اس جگہ ایک درہم کے بقدر سفیدی کا نشان موجود ہے۔ دونوں تیزی کے ساتھ اویس کی طرف لپکے تا کہ اس نشان کو بوسہ دیں اور بولے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام تمہیں پہنچائیں اور یہ کہ تم سے اپنے لئے دعاء مغفرت کی درخواست کریں۔ حضرت اویس نے کہا: میں تو مشرق و مغرب کے ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے دعا گو ہوں۔ ان دونوں نے فرمایا: ہم خاص طور پر اپنے لئے دعائے مغفرت کے طلب گار ہیں۔ چنانچہ حضرت اویس نے بالخصوص ان دونوں کے لئے اور بالعموم تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کی اس کے بعد حضرت عمر نے فرمایا، میں اپنی جیب خاص سے یا (بیت المال کے) اپنے عطیہ سے تمہیں کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں حضرت اویس بولے یہ پھٹے پرانے کپڑے میرے پاس ہیں میری دونوں پاپوشیں گانٹھ دی گئی ہیں، چار درہم بھی میرے پاس ہیں جب یہ اثاثہ ختم ہو جائے گا تو آپ کا عطیہ قبول کر لوں گا اور انسان کی بات تو یہ ہے کہ جو کوئی ہفتہ بھر کے لئے آرزو کرتا ہے اس کی آرزو مہینہ بھر تک کے لئے دراز ہو جاتی ہے اور جو کوئی مہینہ بھر کے لئے آرزو کرتا ہے اس کی آرزو سال سال بھر تک کے لئے دراز ہو جاتی ہے (یعنی انسان اگر قناعت کا دامن چھوڑ دے تو پھر اس کی آرزوئیں اور حرصیں بڑھتی چلی جاتی ہیں) اس کے بعد حضرت اویس نے اونٹوں کو ان کے مالکوں کے حوالے کیا اور خود وہاں سے ایسے روپوش ہوئے کہ پھر کبھی نہیں دیکھے گئے۔

واقعات صحابیات

حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں۔ جو حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن کی والدہ اور حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہم کی نانی تھیں۔ اُن کے والد کا نام خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قُصی بن کلاب تھے۔ اُن کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ بن اصم حبیب بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوئی تھی۔ آپ نسباً قریشیہ تھیں۔

شعب ابی طالب میں رہنا

ایک مرتبہ مشرکینِ مکہ نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ سارے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا بائیکاٹ کیا جائے۔ نہ اُن کو کوئی شخص اپنے پاس بیٹھنے دے، نہ اُن سے بات کرے، نہ خرید و فروخت کرے، نہ اُن کو اپنے گھر آنے دے اور اُس وقت تک صلح نہ کی جائے جب تک یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ زبانی باتوں ہی پر ختم نہیں ہوا بلکہ تحریری معاہدہ لکھ کر کعبہ محترمہ پر لٹکا دیا گیا تاکہ ہر شخص اِس کا احترام کرے۔

اِس معاہدہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سارے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب تین سال تک دو پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی میں رہے۔ اِس تین برس میں اُن کو فاقوں پر فاقے گزرے۔ مرد و عورت سب ہی بھوک سے بیتاب ہو کر روتے اور چیختے چلاتے تھے جس کی وجہ سے اُن کے والدین کو اور بھی زیادہ دُکھ ہوتا تھا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سب ہی اِس گھاٹی میں رہے اور دعوتِ دین کے لیے فاقے جھیلے اور مصیبت کے دِن کاٹے۔ آخر تین سال کے بعد معاہدہ والی تحریر کو دیمک کھا گئی تب اُن حضرات کو اُس گھاٹی سے نکلنا نصیب

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور نماز پڑھنے کا واقعہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں پنج وقتہ نمازیں فرض نہ ہوئی تھیں اِن کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی تب یہ نمازیں فرض ہوئیں، البتہ مطلق نماز پڑھنا ضروری تھا جسے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتی تھیں۔ حافظ ابنِ کثیر لکھتے ہیں کہ جب مطلق نماز فرض ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے پاس تشریف لائے اور ایک جگہ اپنی ایڑی ماری جس سے چشمہ اُبل نکلا۔ پھر دونوں نے اِس میں وضو کیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دو رکعتیں پڑھیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے وضو اور نماز سیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دولت کدہ پر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑ کر اُس چشمہ پر لے گئے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرح اُن کے سامنے وضو کیا اور دو رکعت پڑھیں۔ اِس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پوشیدہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ (البدایہ)

عفیف کندی کا بیان ہے کہ میں حج کے موقع پر عباس بن عبدالمطلب کے پاس آیا۔ وہ تاجر آدمی تھے مجھے اُن سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنا تھا اچانک نظر پڑی کہ ایک شخص ایک خیمہ سے نکل کر کعبہ کے سامنے نماز پڑھنے لگا۔ پھر ایک عورت نکلی اور اُن کے پاس آئی وہ بھی (اُن کے پاس) نماز پڑھنے لگی اور ایک لڑکا بھی نکل کر آیا وہ بھی (اُن کے پاس) نماز پڑھنے لگا۔ یہ ماجرہ دیکھ کر میں نے کہا اے عباس! یہ کونسا دین ہے؟ ہم تو آج تک اِس سے واقف نہیں ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا (جو اُس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) یہ نوجوان محمد بن عبداللہ ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ خدا نے اِسے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور یہ کہتا ہے کہ قیصرو کسریٰ کے خزانے اِس کے ہاتھوں فتح ہوں گے اور یہ عورت اُس کی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا بنتِ خویلد ہے جو اِس پر ایمان لا چکی ہے اور یہ لڑکا اِس نوجوان کا چچیرا بھائی ہے علی بن ابی طالب ہے جو اِس پر ایمان لا چکا ہے۔ عفیف کہتے ہیں کاش میں اُسی روز مسلمان ہو جاتا تو (بالغ مسلمانوں میں) دُوسرا مسلمان شمار ہوتا۔ (البدایہ)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فضائل کا بیان

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پاکیزگی اخلاق کی وجہ سے اِسلام سے پہلے ہی "طاہرہ" کے لقب سے مشہور تھیں پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نکاح میں آ کر اُنہوں نے جو اپنی دانشمندی و عقلمندی اور خدمت گزاری سے جو فضائل حاصل کیے ہیں اُن کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی بیوی پر بھی مجھے اِتنا رشک نہیں جتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتا تھا حالانکہ میں نے اُن کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ اِس رَشک کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے۔ اور اکثر یہ بھی ہوتا کہ آپ بکری ذبح فرماتے تو اُس میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو تلاش کر کے گوشت بھجواتے تھے، ایسے موقع پر بعض مرتبہ میں نے کہا کہ آپ کو اُن کا ایسا خیال ہے جیسے دُنیا و آخرت میں اُن کے علاوہ آپ کی اور کوئی بیوی ہی نہیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا۔ وہ ایسی اچھی تھیں ایسی اچھی تھیں اور اُن سے میری اَولاد ہوئی۔ سبحان اللہ وفاداری اور یادگاری کی یہ مثال کہاں ملے گی کہ صاحبِ محبت کے وفات پا جانے پر اُس کے دوستوں سے وہ برتاؤ رکھا جائے جسے وہ خود زندگی میں اپنے دوستوں سے رکھتا اور اُس پر خوش ہوتا۔

ایک مرتبہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کھانا اور سالن لے کر جا رہی تھیں۔ ابھی پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور عرض کیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آ رہی ہیں وہ آپ کے پاس پہنچ جائیں تو اُن کو اللہ کا اور میرا سلام پہنچا دیجئے اور اُن کو جنت کا ایسا مکان مل جانے کی خوشخبری سنا دیجئے جو موتیوں کا ہو گا جس

میں نہ ذرا شور و شغب ہوگا نہ ذرا تکلیف ہوگی۔۲

جنت میں خلافِ طبع اور مکروہ آواز تو کسی کے کان میں بھی نہ آئے گی مگر خصوصیت کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جو ایسے مکان کی بشارت دی گئی یہ غالباً اِس لیے کہ دشمنانِ اِسلام اور داعی اِسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جو طرح طرح کی باتیں کرتے تھے وہ اُن کے کانوں میں پڑتی تھیں اُن کی وجہ سے جو سخت کوفت ہوتی تھی اُس کی وجہ سے تسلی دینے کے لیے یہ خصوصی بشارت دی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی ہیں۔ (الاصابہ)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لاکر گھر سے باہر نہیں جایا کرتے تھے جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ نہ فرمالیتے تھے۔ ایک مرتبہ (لمعات میں لکھا ہے کہ) یہ کھانا حضرت خدیجہ غارِ حرا میں لے جارہی تھیں اور یہ نبوت مل جانے کے بعد کی بات ہے کیونکہ نبوت مل جانے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غارِ حرا میں آنا جانا رہا ہے۔۲ بخاری و مسلم، الاستیعاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اُس کے رب کا سلام پہنچا دیجیے چنانچہ آپ نے پہنچا دیا۔ اُس کے جواب میں حضرت خدیجہ نے کہا اَللّٰهُ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ وَعَلٰى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ یعنی اللہ کے سلام کا جواب کیا دُوں وہ تو خود سلام ہے اور اُسی سے سلامتی ملتی ہے۔ سلام لانے والے جبرائیل علیہ السلام پر سلام ہو۔

جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کا ذکر فرمایا تو مجھے عورتوں والی غیرت سوار ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ ایک بڑھیا کو آپ یاد کرتے ہیں تو آپ بہت ناراض ہوئے۔ اِس کے بعد میں نے یہ طے کرلیا کہ کبھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو برائی سے یاد نہ کروں گی۔ (الاصابہ)

جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ اُن کی وفات کے بعد حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے نکاح ہوا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کا واقعہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ۱۰ نبوی میں بماہِ رمضان المبارک مکہ میں وفات پائی۔ اُس وقت اُن کی عمر ۶۵ سال تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں کم وبیش ۲۵ سال رہیں۔ ۱۵ سال آپ کی نبوت سے پہلے اور دس برس نبوت مل جانے کے بعد، جس وقت اُن کی وفات ہوئی نمازِ جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، کفن دے کر حجون میں دفن کر دی گئیں جسے اَب "جَنَّتُ الْمُعَلّٰى" کہتے ہیں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَاَرْضَاهَا

Grave of Ummul Mo'menein Hazrat Ayesha Siddiqa (R.A.)
(Jannat-ul-Baqi)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کرامات سیدتنا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ابوالجوزاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ "ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں سخت قحط آیا تو ان قحط زدہ لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جا کر کہا کہ اس قحط سے ہم لوگ بہت پریشان ہو گئے ہیں، اس پر بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ کے مزار شریف کی طرف دیکھو اور گنبد خضراء میں آسمان کی طرف کو ایک آر پار سوراخ کر دو؛ تاکہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہے، ان لوگوں نے ایسا ہی کیا تھا کہ خوب بارش ہوئی، اتنا مینہ پڑا کہ گھاس جم آئی اور اونٹ اتنے موٹے ہو گئے کہ چربی کی وجہ سے پھٹ پڑے اور اس کا نام فتق رکھا گیا"۔اس قصہ کو دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان کیا ہے۔

ایک طویل قصہ کے تحت درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ام سلمہ! تم عائشہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہا- سے کوئی برا برتاؤ کر کے مجھے تکلیف مت پہنچاؤ، اللہ کی قسم! بی بی عائشہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہا- کے پاس لیٹنے کی حالت میں مجھ پر وحی آتی رہی، ان کے سوائے کسی دوسری بی بی کے پاس لیٹے رہنے کی حالت میں مجھ پر وحی نہیں آئی اور وہ تم سب میں ایک اچھی خاتون ہیں۔

اللہ اللہ! حضرت بی بی عائشہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہا- کی کرامت ملاحظہ فرمایئے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کوئی بات ناگوار ہونے سے سرکار دو جہاں کو صدمہ ہوتا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ایک دیندار کی اذیت اور تکلیف سے دوسرے دیندار کو رنج، دکھ غم اور اندوہ وملال ہوا ہی کرتا ہے۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا: اے عائشہ! یہ جبریئل تم کو سلام کہہ رہے ہیں، میں نے جواباً کہا: ان پر اللہ کی سلامتی، رحمتیں اور برکتیں ہوں، اے حضو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے ہیں اور میں نہیں دیکھ سکتی۔

یعنی: جس طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سلام کہلوایا، اسی طرح ان کو حضرت عائشہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہا- نے جواب بھجوایا اور چونکہ عورت کسی مرد کو نہیں دیکھتی؛ اس لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی ان کو جانکا تا کا نہیں، اس حدیث سے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عالم بالا کے ساتھ جس طرح اعلیٰ درجہ کا تعلق ظاہر ہوا کہ فرشتے تک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سلام کہتے تھے، یہ بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا بیان

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی تو حضرت خولہ بنتِ حکیم رضی اللہ عنہا نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ نکاح نہیں کر لیتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کس سے؟ عرض کیا آپ چاہیں تو کنواری سے کرلیں اور چاہے تو بیوہ سے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کنواری کون ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا مخلوق میں جو آپ کوسب سے محبوب ہیں اُن کی بیٹی یعنی عائشہ بنت ابی بکر (صدیق) آپ نے دوبارہ سوال فرمایا بیوہ کون ہے؟ جواب دیا سودہ بنت زمعہ جو آپ پر ایمان لا چکی ہیں اور آپ کا اتباع کرتی ہیں۔

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہتر ہے جاؤ دونوں جگہ میرا پیغام لے جاؤ چنانچہ حضرت خولہ پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچیں۔ اُس وقت حضرت صدیقِ اکبر تشریف نہ رکھتے تھے۔ اُن کی بیوی سے کہا اے اُم رومان کچھ خبر بھی ہے اللہ نے کس خیر و برکت سے تم کو نوازنے کا اِرادہ فرمایا ہے؟ اُنہوں نے سوال کیا وہ کیا؟ جواب دیا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ سے نکاح کرنے کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ حضرت اُمِ رومان نے جواب دیا ذرا ابو بکر کے آنے کا انتظار کرو۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں وہ بھی تشریف لے آئے۔ اُن سے بھی حضرت خولہ نے یہی کہا کہ اے ابو بکر کچھ خبر بھی ہے اللہ تعالیٰ نے تم کو کس خیر و برکت سے نوازنے کا اِرادہ فرمایا ہے؟ بولے وہ کیا؟ جواب دیا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس مقصد کے لیے بھیجا ہے کہ عائشہ سے نکاح کے بارے میں آپ کا پیغام پہنچا دوں۔

یہ سن کر حضرت صدیق اکبر نے کہا کہ وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھتیجی ہے (کیونکہ میں آپ کا بھائی ہوں) کیا اِس سے آپ کا نکاح ہوسکتا ہے؟ اِس سوال کا جواب لینے کے لیے حضرت خولہ بارگاہِ رسالت میں واپس پہنچیں اُور حضرت صدیق اکبر کا اشکال سامنے رکھ دیا۔ اِس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکر سے کہہ دو کہ تم اور میں دینی بھائی ہیں، تمہاری لڑکی سے میرا نکاح ہوسکتا ہے۔ (رشتہ کے حقیقی یا باپ شریک یا ماں شریک بھائی کی لڑکی سے نکاح دُرست نہیں ہے، دینی بھائی کے لڑکی سے نکاح جائز ہے۔

چنانچہ حضرت خولہ واپس حضرت صدیقِ اکبر کے گھر آئیں اور شرعی فتویٰ جو بارگاہِ رسالت سے صادر ہوا تھا اُس کا اظہار کر دیا جس پر حضرت صدیق اکبر حضرت عائشہ سے آپ کا نکاح کر دینے پر راضی ہوگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا کر اپنی بیٹی عائشہ کا نکاح کر دیا۔ اِس کے بعد حضرت خولہ حضرت سودہ کے پاس گئیں اور اُن کے اِشارہ سے اُن کے والد زمعہ سے گفتگو کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت سودہ کا نکاح کر دینے پر راضی کرلیا اور نکاح کرا دیا۔

ہجرت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ اور کوشش سے حضرت عائشہ اور حضرت سودہ سے نکاح فرمایا لیکن چونکہ حضرت عائشہ کی عمر بہت کم (صرف ۶ سال) تھی اِس لیے رُخصتی ابھی ملتوی رہی البتہ حضرت سودہ کی رُخصتی بھی

ہوگئی اور آپ کے دولت کدہ پر تشریف لے آئیں اور گھر کی دیکھ بھال اِن کے سپرد ہوئی۔ اِس کے بعد ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور حضرات صحابہ مدینہ منورہ پہنچنے لگے بلکہ اکثر پہنچ گئے۔ حضرت صدیق اکبر نے بھی بار ہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہجرت کی اجازت چاہی لیکن آپ فرماتے رہے کہ جلدی نہ کرو، اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو تمہارا رفیقِ سفر بنا دیں۔ یہ جواب سن کر حضرت ابوبکر کو اُمید بندھ گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میرا سفر ہوگا چنانچہ جب اللہ جل شانہ نے آنحضرت کو ہجرت کی اجازت دے دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ دونوں حضرات اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے اہل وعیال کو مکہ معظمہ سے بلانے کا انتظام فرمایا جسکی صورت یہ ہوئی کہ حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہما کو دو اُونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا تا کہ دونوں کے گھرانوں کو لے آویں۔ چنانچہ وہ دونوں مکہ معظمہ پہنچے اور راستے سے اُن حضرات نے تین اُونٹ خرید لیے، مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت طلحہ بن عبیداللہ سے ملاقات ہوئی۔ وہ اُس وقت ہجرت کا ارادہ کر چکے تھے۔ چنانچہ یہ مبارک قافلہ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا جس میں حضرت زید بن حارثہ، اُن کا بچہ اُسامہ اور اُن کی بیوی اُم ایمن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیٹیاں حضرت فاطمہ اور حضرت اُم کلثوم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں حضرت عائشہ حضرت سودہ اور حضرت عائشہ کی والدہ حضرت اُمِ رومان اور حضرت عائشہ کی بہن اسماء بنت ابی بکر اور اُن کے بھائی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔

اِس سفر میں حضرت عائشہ اور اُن کی والدہ رضی اللہ عنہما دونوں ایک کجاوہ میں اُونٹ پر سوار تھیں۔ راستہ میں ایک موقع پر وہ اُونٹ بدک گیا جس کی وجہ حضرت اُمِ رومان رضی اللہ عنہا کو بہت پریشانی ہوئی اور گھبراہٹ میں اپنی بچی عائشہ کے متعلق پکار اُٹھیں "ہائے میری بیٹی ہائے میری دُلہن" لیکن اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد یہ ہوئی کہ غیب سے آواز آئی کہ اُونٹ کی نکیل چھوڑ دو۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے اُس کی نکیل چھوڑ دی تو وہ آرام کے ساتھ ٹھہر گیا اور اللہ نے سب کو سلامت رکھا۔

جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی (علیٰ صاحبِہ الصلوٰۃ والسلام) کے آس پاس اپنے اہل وعیال کیلیے حجرے بنوا رہے تھے۔ حضرت سودہ حضرت فاطمہ اور حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہن کو اِن ہی حجروں میں ٹھہرا دیا اور حضرت عائشہ اپنے ماں باپ کے پاس ٹھہر گئیں (الاستیعاب، البدایہ)۔ اِس کے چند ماہ بعد شوال میں حضرت عائشہ کی رُخصتی ہوئی۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر (حضرت عائشہ کی بہن) کا زمانہ ولادت قریب تھا۔ وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ ہجرت کر کے آئی تھیں۔ اُنہوں نے قبا میں قیام فرمایا اور وہیں بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ حضرت اسماء کے شوہر حضرت زبیر تھے اس لیے یہ بچہ عبداللہ بن زبیر کے نام سے مشہور ہوا۔ ہجرت کے بعد مہاجرین میں یہ سب سے پہلا بچہ تولد ہوا۔ اِن کے تولد سے مسلمانوں کو بہت ہی زیادہ خوشی ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ یہودیوں نے مشہور کر دیا تھا کہ ہم نے جادو کر دیا ہے اَب مسلمانوں کی اولاد نہ ہو گی۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو یہودیوں کا دعویٰ جھوٹا ہوا۔ (الاستیعاب والبدایہ) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب عبداللہ کی پیدائش ہوگئی تو میں اُس کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کو اپنی گود میں لے لیا اور ایک کھجور منگا کر اپنے مبارک منہ میں چبائی پھر بچہ کے منہ میں اپنے مبارک منہ میں سے ڈال دی۔ حاصل یہ ہے کہ سب سے پہلے بچہ کے پیٹ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب مبارک گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا بھی دی اور بارَکَ اللّٰہُ بھی فرمایا۔ (البدایہ) حضرت عبداللہ بن زبیر حضرت عائشہ کے بھانجے تھے اُن کے نام سے حضرت عائشہ کی کنیت اُم عبداللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی۔ (البدایہ۔ الاصابہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رُخصتی کا واقعہ

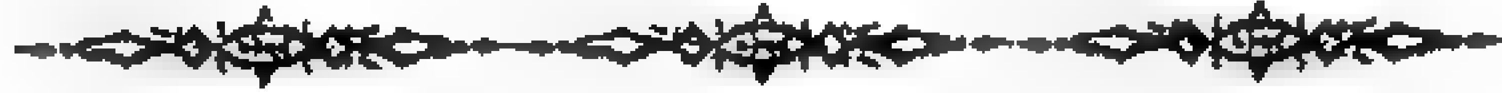
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رُخصتی شوال میں ہوئی۔ عرب کے لوگ شوال میں شادی کرنے کو برا سمجھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اِس جہالت کی تردید کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے شوال میں نکاح کیا اور شوال میں میری رُخصتی ہوئی تو اَب بتاؤ مجھ سے زیادہ کونسی بیوی آپ کی چہیتی تھی۔ (جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے نکاح بھی شوال میں کیا اور رُخصتی بھی شوال میں کی تو اَب اِس کے خلاف چلنے کا کسی مسلمان کو کیا حق ہے۔ اسی جہالت کو توڑنے کے لیے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاہا کرتی تھیں کہ شوال کے مہینے میں عورتوں کی رُخصتی کی جائے۔ (البدایہ عن الامام احمد)

بخاری شریف میں ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم مجھ کو خواب میں دو مرتبہ دکھائی گئی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص تم کو ریشم کے بہترین کپڑے میں اُٹھائے ہوئے ہے۔ میں نے کھول کر دیکھا تو تم نکلیں، میں نے (دل میں) کہا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے دکھایا گیا ہے تو اللہ ضرور اِس کی تعبیر پوری فرما دیں گے۔ دُوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ بصورت اِنسان ریشم کے کپڑے میں اِن کو لے کر آیا تھا۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۶۸)

رُخصتی کی پوری کیفیت اِس طرح ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنی بیوی کو گھر کیوں نہیں بلا لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لیے رقم نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں (بطورِ قرض) پیش کر دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے اُن کی پیشکش قبول فرمائی اور بیوی کے باپ ہی سے قرض لے کر مہر ادا کر دیا۔

مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کا مہر (عموماً) ساڑھے بارہ اُوقیہ یعنی پانچ سو درہم تھا۔ آج کل مہر میں ہزاروں روپے مقرر کیے جاتے ہیں اور مہر کی کمی کو باعثِ ننگ و عار سمجھتے ہیں حالانکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اُمت میں کوئی بھی معزز نہیں ہے۔ اُن کی بیٹی کا مہر پانچ سو درہم تھا جس سے اُن کی عزت کو کچھ بھی بٹہ نہ لگا اور دینے والے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہر نہ ہونے کی وجہ سے کم مقرر کرنے کو ذرا بھی عار نہ سمجھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ رُخصتی سے اَدائیگی مہر کی اہمیت بھی معلوم ہوگئی کیونکہ مہر کے اَدا کرنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس قدر ضروری سمجھا کہ مہر کی اَدائیگی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے رُخصت کر لینے میں تامل فرمایا۔ اُمت کے لیے اِن باتوں میں نصیحت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واقعۂ رُخصتی کو اِس طرح ذکر فرماتی تھیں کہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی کہ میری والدہ نے آکر مجھے آواز دی۔ مجھے خبر بھی نہ تھی کہ کیوں بلا رہی ہیں۔ میں اُن کے پاس پہنچی تو میرا ہاتھ پکڑ کر لے چلیں اور مجھے گھر کے دروازہ کے اندر کھڑا کر دیا۔ اُس وقت (اُن کے اچانک بلانے سے) میرا سانس پھول گیا تھا۔ ذرا دیر بعد سانس ٹھکانے سے آیا۔ گھر کے اندر دَروازہ کے پاس والدہ صاحبہ نے پانی لے کر میرا سر اور منہ دھویا۔ اِس کے بعد مجھے گھر میں اندر داخل کر دیا۔ وہاں انصار کی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں، اُنہوں نے دیکھتے ہی کہا عَلَى الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ وَعَلَى خَيْرِ طَائِرٍ تمہارا آنا خیر و برکت ہے اور نیک فال ہے۔ میری والدہ نے مجھے اُن عورتوں کے سپرد کر دیا اور انہوں نے میرا بناؤ سنگھار کر دیا اُس کے بعد وہ عورتیں علیحدہ ہو گئیں اور اَچانک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لے آئے یہ چاشت کا وقت تھا۔ اِس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نئی بیوی سے ملاقات فرمائی۔ (بخاری شریف و جمع الفوائد)



حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلمہ بنت امیہ رضی اللہ عنہا کا نام ونسب اور ولادت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ام المؤمنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور ان کو اسی گھر میں ٹھہرایا جس میں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا رہا کرتی تھیں۔ ان کا نام ہند تھا۔ نسب یوں ہے: ہند بنت ابو امیہ۔ ان کا تعلق قریش کے خاندان مخزوم سے تھا۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن عبدالمطلب تھا۔ جو بنو فراس سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد ابو امیہ کی سخاوت وفیاضی بڑی مشہور تھی۔ جب بھی وہ کسی سفر میں جاتے تو اپنے تمام ساتھیوں کی کفالت خود کرتے۔ اسی لیے ان کا لقب زاد الراکب یعنی مسافروں کے سفر کا سامان پڑ گیا تھا۔

آپ کی ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے نو سال قبل عام الفیل میں ہوئی۔ آپ کی پرورش ابو امیہ جیسے سخی باپ کی آغوشِ تربیت میں بڑے ناز ونعم سے ہوئی۔ آپ شادی تک نہایت آرام وآسائش کی زندگی بسر کرتی رہیں۔

قبولِ اسلام اور پہلا نکاح

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ان مبارک ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ ان کا پہلا نکاح ان کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی تھے۔ ان سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے چار بچے ہوئے۔ جن کے نام یوں ہیں: سلمہ، عمر، رقیہ اور زینب۔ یہ دونوں میاں بیوی اسلام قبول کرنے میں سابقین اولین میں سے تھے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ دس شخصوں کے بعد مسلمان ہوئے یعنی آپ گیارہویں مسلمان تھے۔ حضرت ام سلمہ اور ان کے شوہر عبداللہ بن عبدالاسد کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

اللہ جل شانہ نے جب اپنے محبوب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا تو اس وقت عرب کی حالت بڑی خراب اور خستہ تھی۔ ہر طرف کفر وشرک کی تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں۔ گناہوں کا بازار گرم تھا۔ ایک معبودِ برحق کی بجائے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے نہ جانے کتنے باطل خداؤں کی لوگ عبادت کرتے تھے۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا لوگ بہادری کی علامت تصور کرتے تھے۔ شراب نوشی، قمار بازی اور طرح طرح کی برائیوں میں عرب کا پورا معاشرہ جکڑا ہوا تھا۔

ایسے تاریک ماحول میں اللہ جل شانہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام و ایمان کی روشنی بکھیرنے کے لیے مبعوث فرمایا تا کہ کفر و شرک کی ظلمتوں میں وحدانیت و رسالت کا نور لوگوں کے دلوں کو روشن و منور کر دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد جہاں کفر و شرک کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہوا وہیں نیک اور سعید فطرت انسانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام توحید و رسالت کو دل و جان سے قبول کر لیا اور اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں اس طرح دے دیا کہ اسلام کے لیے انھوں نے ہر ستم گوارا کر لیا یہاں تک کہ اسلام کے لیے ان میں سے سیکڑوں تیک انسانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ بھی قربان کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ابھی صرف دس افراد نے ہی قبول کیا تھا۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقم میں تشریف فرما تھے اور چند ایک دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ اسی دوران عبداللہ بن عبدالاسد جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے مشہور تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی تھے حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی ہند (ام سلمہ) بھی تھیں۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی کو ان کی بیوی کے ساتھ دیکھا تو بے حد خوش ہوئے اور فرمایا: کیسے آئے ہو؟ اور پھر محبت سے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے قرآنِ مجید پڑھ کر سنایا۔

قرآن مجید سننے کے بعد حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد نے کہا: بھائی کے رشتے سے میرا بھی یہ حق بنتا ہے کہ میں بھی اس روشنی سے اپنی روح کو منور کروں جس سے دوسرے فیض حاصل کر رہے ہیں۔ جب یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا، حضرت ابوسلمہ نے دوبارہ عرض کی: ہم دونوں میاں بیوی کو مسلمان کر کے اپنی غلامی میں داخل کر لیجیے۔ اس طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر نے اسلام قبول کیا اور ایسی سعادت حاصل کی کہ یہ دونوں میاں بیوی دس کے بعد گیارہویں اسلام قبول کرنے والے کہلائے۔

حبشہ کی طرف پہلی ہجرت

ابتدائی تین سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے در پردہ تبلیغ فرمائی۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کے حکم سے اعلانیہ دعوتِ دین کا کام شروع کیا تو یہ کفار و مشرکین کو بہت گراں گذرا اور انھوں نے مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانا اور تکلیف دینا شروع کر دیا۔

یوں تو حضرت ام سلمہ اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہما کا تعلق عرب کے مشہور و معروف اور بڑے قبیلے سے تھا۔ ان کے والدین کا مقام پورے عرب میں بڑا اونچا تھا۔ لیکن جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کے رشتے داروں نے ان سے تعلقات توڑ لیے اور انھیں طرح طرح سے اذیت پہنچانے لگے۔ ان پر ایسی ایسی سختیاں کی گئیں کہ جن کے تصور سے دل گھبرا اٹھتا ہے۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں ایسے واقعات لکھے ہوئے ہیں۔ جیسے جیسے اسلام کے ان متوالوں پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جاتے ویسے

ویسے ان کی اسلام سے محبت اور ثابت قدمی میں اضافہ ہوتا جاتا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جاں نثاروں نے ہر ظلم وستم کو ہنس ہنس کر برداشت کیا۔

اعلانِ نبوت کے پانچویں سال رجب المرجب کا مہینہ تھا۔جب کہ کفار ومشرکین کے ظلم وستم عروج پا چکے تھے۔ آخر کار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی اجازت عطا فرمادی کہ جو مکہ مکرمہ چھوڑ کر جانا چاہے حبشہ چلا جائے کیوں کہ وہاں کا بادشاہ نجاشی بڑا انصاف پسند اور کشادہ قلب ہے۔ لہٰذا گیارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل چھوٹا سا قافلہ اپنے وطن مکہ مکرمہ کو الوداع کہتے ہوئے حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔اس قافلے کے امیر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے۔ اسلام کی اس سب سے پہلی ہجرت میں حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی حضرت ام سلمہ بنت ابوامیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔

جب مشرکینِ مکہ کو اس بات کا علم ہوا تو انھیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں حبشہ کے ساتھ ان کے تجارتی تعلقات متاثر نہ ہو جائیں۔ان کا یہ خیال تھا کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جانے والے مسلمانوں کی باتوں میں آ کر بادشاہِ حبشہ نجاشی ان سے تعلقات نہ توڑ لے۔ اس لیے انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس اپنا ایک آدمی بھیجیں۔

چناں چہ انھوں نے کچھ سامان وغیرہ جمع کیا جو بہ طور ہدیہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا جانا تھا۔پھر انھوں نے وہ تمام مال و اسباب دے کر عبداللہ بن ربیعہ المخزومی اور عمرو بن العاص (یہ دونوں اُس وقت تک اسلام نہ لائے تھے) کو حبشہ کی طرف روانہ کیا۔انھوں نے جا کر بادشاہ کی خدمت میں وہ تحفے تحائف پیش کیے اور بتایا کہ ہم قریش کے سفیر ہیں۔ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ کے پاس ہمارے خاندان کے کچھ لوگ آئے ہیں اور انھوں نے آپ کی پناہ لے رکھی ہے۔ انھوں نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر نیا دین (اسلام) قبول کر رکھا ہے۔ آپ مہربانی کر کے انھیں ہمارے حوالے کر دیں۔بادشاہ دراصل خدا ترس اور نیک فطرت تھا وہ فوراً معاملہ بھانپ گیا اور صاف انکار کر دیا۔

مشرکینِ مکہ کا وفد ناکام ونامراد لوٹا۔حبشہ میں مسلمان سکون واطمینان کی زندگی گزارنے لگے۔ اسی دوران حضرت ہند بنت عاتکہ (ام سلمہ) رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عبدالاسد (ابوسلمہ) رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بچہ عطا فرمایا جس کا نام سلمہ رکھا گیا۔یہ بچہ ان دونوں میاں بیوی کو اتنا پیارا تھا کہ اسی کے نام سے یہ دونوں تاریخ کے اوراق میں ابوسلمہ اور ام سلمہ کی کیت سے مشہور ہوئے اور ان کا اصل نام پس پشت چلا گیا۔

حبشہ میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی مکمل آزادی تھی۔ایک روز انھیں کہیں سے یہ خبر ملی کہ کفار ومشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی ہے اور وہ سب مسلمان ہو گئے ہیں۔اس خبر کو سننے کے بعد مہاجرین میں یہ تڑپ اور ولولہ پیدا ہوا کہ وہ جلد سے جلد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مکہ مکرمہ حاضر ہو کر اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر سکیں۔

سب لوگ واپسی کی تیاری کرنے لگے کہ بنو کنانہ کا ایک شخص وہاں پہنچا اور اس نے بتایا کہ تم لوگوں تک جو خبر پہنچی ہے وہ جھوٹ

ہے مکہ کے کفار و مشرکین اب بھی اپنی پرانی روش پر سختی سے قائم ہیں۔

یہ بتانے کے بعد بنو کنانہ کا وہ شخص چلا گیا تو مہاجرین سوچ میں پڑ گئے کہ آخر سچائی کیا ہے؟ چناں چہ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہیے۔ جب یہ فیصلہ ہو گیا تو مکۂ مکرمہ پہنچنے والا ہر شخص کسی نہ کسی قریشی سردار کی پناہ لے کر اپنے آبائی وطن میں داخل ہوا۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ماموں ابو طالب نے پناہ دی لہٰذا وہ اپنی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے مکۂ مکرمہ پہنچ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

قبیلۂ بنو مخزوم کو جب اس بات کی خبر پہنچی کہ ابو طالب نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے تو انھیں بہت غصہ آیا۔ چناں چہ بنو مخزوم کے لوگ جمع ہو کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہا: ہمارے آدمیوں سے آپ کا کیا واسطہ؟

کون سے آدمی؟ ابو طالب نے پوچھا۔ ابو سلمہ (رضی اللہ عنہ) اور اس کی بیوی ام سلمہ (رضی اللہ عنہا)۔ بنو مخزوم کے لوگوں نے کہا۔ اس پر ابو طالب نے کہا: ابو سلمہ (رضی اللہ عنہ) میرا بھانجا ہے، جب میں اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دے سکتا ہوں تو اسے کیوں نہیں دے سکتا؟

اس موقع پر ابو طالب اور بنو مخزوم میں زبردست بحث و تکرار شروع ہو گئی قریب تھا کہ جھگڑا ہو سکتا تھا۔ ابولہب جیسے کٹر دشمنِ اسلام کے دل میں اچانک صلۂ رحمی کا جذبہ جاگ اٹھا، اور وہ درمیان میں بول پڑا: اے بنی مخزوم! تم نے ابو طالب کے ساتھ بہت کچھ بحث و تکرار کر لی اور تم اس پر برابر دباؤ ڈال رہے ہو۔ اگر تم نے ان کو تنگ کرنا بند نہ کیا تو میں بھی ان کی حمایت میں کھڑا ہو جاؤں گا۔

قبیلۂ بنو مخزوم کے لوگوں نے جب ابولہب کے یہ سخت تیور دیکھے تو گھبرا گئے اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے کہ: اے ابو عتبہ! ہم تم کو ناراض نہیں کرنا چاہتے۔

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

جزیرۃ العرب میں اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا۔ اس کے ماننے والوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ کفار و مشرکین نے جب یہ دیکھا تو ان کی دشمنی اور تعصب حد سے بڑھنے لگا۔ انھوں نے مسلمانوں پر اپنے ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمانوں پر مکۂ مکرمہ میں چین و سکون سے رہنا دوبھر ہوتا جا رہا ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔ یہ اعلانِ نبوت کے چھٹے سال کے شروعات کی بات ہے۔ کفار و مشرکین کو جب اس بات کی خبر ملی تو انھوں نے بہت کوشش کی کہ مسلمان مکۂ مکرمہ سے کسی بھی صورت ہجرت نہ کر سکیں۔ انھوں نے مکہ سے نکلنے والے تمام راستوں پر سخت پہرے بٹھا دیے لیکن ان سب کے باوجود مرد اور عورتیں مکہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور حبشہ پہنچ کر سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ جہاں انھیں ہر قسم کی آزادی حاصل تھی۔ حبشہ کی طرف ہونے والی اس

دوسری ہجرت میں بھی حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا شامل تھیں جنھوں نے اسلام کے لیے دوبارہ اپنا آبائی وطن چھوڑا۔

حبشہ کی طرف ہونے والی اس دوسری ہجرت نے پہلی ہجرت کی بہ نسبت مکہ کے لوگوں پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کے کٹر دشمنوں کے بیٹے بیٹیوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور انھیں ہی وہ لوگ طرح طرح کی اذیتیں دے رہے تھے۔ وہی مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ یہ ایسے تھے کہ ان کی جدائی انھیں برداشت نہ ہوسکی۔ مکہ کے مشرکین پریشان ہو اٹھے کہ آخر اسلام میں ایسی کون سی بات ہے کہ مسلمان ہو جانے کے بعد وہ اپنے ماں باپ، بہن بھائی، مال و دولت اور وطن تک کو چھوڑ دیتے ہیں لیکن اسلام نہیں چھوڑتے؟

جب ان کفار و مشرکین نے دیکھا کہ ان کی کوئی چال کامیاب نہیں ہورہی ہے تو انھوں نے دوبارہ بادشاہ حبشہ نجاشی کی طرف عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو تحفے تحائف دے کر روانہ کیا۔ تاکہ وہ نجاشی کو کسی نہ کسی طرح اس بات کے لیے آمادہ کریں کہ وہ مہاجرین کو واپس کردے۔

کفار قریش کا یہ وفد شاہ حبشہ کے دربار میں پہنچا اور مسلمانوں کے خلاف ایسی باتیں کیں جو مسلمانوں میں پائی نہیں جاتی تھیں یہ باتیں سن کر بادشاہ نے سخت غصے میں کہا: جن لوگوں نے اپنا ملک چھوڑ کر میرے ملک اور مجھ پر بھروسہ کیا ہے۔ میں ان کے ساتھ بے وفائی نہیں کرسکتا۔ تم لوگ کل آنا اس معاملے میں فیصلہ کردیا جائے گا۔

دوسرے دن بادشاہ نجاشی نے تمام مسلمانوں کو دربار میں بلایا۔ وہاں کفار قریش کے سفیر عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ بھی موجود تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بادشاہ نے مسلمانوں سے کہا:

یہ تم نے کیا کردیا کہ اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا اور میرے دین کو بھی قبول نہ کیا اور نہ ہی دنیا کے کسی دین کو اختیار کیا۔ آخر تمہارا دین کیا ہے؟

بادشاہ حبشہ نجاشی کی یہ بات سن کر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیا: اے بادشاہ! ہم ہر طرح کی برائیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا جس کے نسب، سچائی، امانت داری اور پاک دامنی کے ہم گواہ تھے، اس نے ہمیں ایک معبود اللہ کی طرف بلایا اور ہم نے اس کی بات مان لی کہ جس کی پوری زندگی پاک دامنی کا نمونہ ہو اور جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو اس نے ہمیں برائیوں، غلط کاموں اور بت پرستی سے روکا۔ نیکیوں کی نصیحت کی اور سیدھا راستہ دکھایا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اس پر بادشاہ نے کہا: تمہارے نبی پر جو کلام اترا ہے اس میں سے کچھ سناؤ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں جس سے بادشاہ بے حد متاثر ہوا۔ عمرو بن العاص کا رویہ بڑا سخت تھا لیکن عبداللہ بن ربیعہ کا رویہ ہمارے معاملے میں کچھ نرم تھا۔ عمرو بن العاص نے بادشاہ سے کہا: اے بادشاہ! ذرا مکہ کے ان مہاجرین سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں پوچھیں۔ یہ اُن کو

اللہ کا بندہ قرار دیتے ہیں۔

بادشاہ نے جب دریافت کیا تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک کلمہ اور روح ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا فرمایا تھا۔

یہ جواب سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا: اللہ کی قسم! جو تم نے کہا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے ایک تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں۔

اس کے بعد بادشاہِ حبشہ نجاشی نے حکم دیا کہ: مکہ کے سفیروں کے تحفے واپس کر دیئے جائیں، مجھے ان کی ضرورت نہیں۔

اس بار بھی مکہ کے کفار و مشرکین کو منہ کی کھانی پڑی اور اُن کے سفیروں کو ناکام و نامراد واپس لوٹنا پڑا۔ حبشہ میں مسلمانوں نے اپنے اعلیٰ ترین اَخلاق و کردار اور نیک عادات و اَطوار کا ایسا نقش وہاں کے لوگوں پر چھوڑا کہ حبشہ کی عوام اور حکومت کے کارندے اسلام میں ایک خاص قسم کی کشش رکھنے لگے۔ لہٰذا حبشہ کے عیسائیوں کا ایک وفد جو تیس افراد پر مشتمل تھا مکہ مکرمہ آیا۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وفد کے لوگوں نے ملاقات کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوالات کیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے تشفی بخش جوابات عنایت فرمائے۔ جب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ پاک کی چند آیات انھیں سنائیں تو وہ رونے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت

مکہ مکرمہ کے کفار و مشرکین کے دلوں میں اسلام کی روز بروز بڑھتی ہوئی مقبولیت سے تعصب و عناد کا لاوا پک رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کو طرح طرح پریشان کرتے، اذیتیں دیتے، ظلم و ستم ڈھاتے اور ستاتے۔ کفار و مشرکین کی ان حرکات کے باوجود اسلام کا نور وادیٔ مکہ سے نکل کر اطراف و جوانب کے لوگوں کے دلوں کو بھی چمکانے لگا۔ مکہ مکرمہ کے قریب قبیلۂ دوس کی بستی تھی یہاں ایک ناقابلِ تسخیر اور مضبوط قلعہ واقع تھا وہاں کے سردار طفیل بن عمرو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر یہاں آ جائیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا اور اس سلسلہ میں اللہ رب العزت کے حکم کا انتظار فرمانے لگے۔

آخر کار اعلانِ نبوت کا تیرہواں سال تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام لیواؤں کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ چناں چہ مسلمانوں نے مدینے کی طرف ہجرت شروع کی۔ سب سے پہلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ہجرت کے سفر پر روانہ ہوئے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا واقعہ بڑا دردناک ہے۔ خود حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو اونٹ پر کجاوہ کس کر مجھے اور سلمہ رضی اللہ عنہ کو اونٹ پر بٹھا دیا اور اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلتے رہے جب میرے میکے

والوں یعنی قبیلہ بنو مغیرہ کو ہمارے روانہ ہونے کی خبر ہوئی تو انھوں نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اپنے بارے میں خود مختار ہو سکتے ہو مگر ہم اپنی بیٹی کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جانے دیں گے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: یہ سُن کر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ام سلمہ میری بیوی ہے میں اسے لے کر جہاں چاہوں جا سکتا ہوں۔ اس پر قبیلے والوں نے کہا کہ: یہ ہمارا فیصلہ ہے کہ ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) تمہارے ساتھ ہرگز ہرگز نہیں جائے گی۔ یہ کہہ کر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے اونٹ کی نکیل چھین لی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو زبردستی اپنے ساتھ لے گئے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے جاتے جاتے اپنی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: ام سلمہ! اسلام پر سختی سے ڈٹے رہنا۔ پھر چند نصیحتیں کیں۔ اپنے شوہر کی باتیں سن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: آپ مطمئن رہیے جان قربان کر دوں گی مگر اسلام کو میں کسی حال میں نہیں چھوڑوں گی۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ مدینۂ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ اسی دوران حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندان والے بھی اس جگہ پہنچ گئے۔ جب انھیں پورا ماجرا معلوم ہوا تو وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاندان والوں سے کہنے لگے کہ: جب تم نے اپنی بیٹی کو ہمارے آدمی سے چھین لیا تو اب ہم اپنے بچے سلمہ کو کیوں اُس کے پاس رہنے دیں۔

چناں چہ انھوں نے آگے بڑھ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بچے کو بھی چھین لیا۔ بچے کو زبردستی چھیننے میں اس کا ہاتھ اتر گیا اور وہ تیز تیز رونے لگا۔ لیکن ان ظالموں کو اس کا کوئی احساس نہ تھا کہ بچے اور ماں پر کیا گذر رہی ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندان والے سلمہ کو چھین کر لے گئے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اُن کے خاندان والے لے گئے اور شوہر مدینے کی طرف ہجرت کر گئے۔ آپ رضی اللہ عنہا سے بیک وقت شوہر اور بچے کو چھین لیا گیا لیکن کیا مجال تھی کہ اسلام کی اس مقدس خاتون کے ایمان میں ذرّہ بھر بھی کمزوری آئی ہو۔ صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھوں نے ایک مثال قائم کردی۔ اصل میں انھیں اللہ رب العزت پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ ان قربانیوں کو ضائع نہیں کرے گا بل کہ بہتر صلہ عطا فرمائے گا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ظالموں نے اُن کی ساری کائنات چھین لی تھی۔ ان کے دل پر گہرے زخم لگائے تھے۔ انھیں اپنے شوہر اور بچے کی جدائی کا غم ستاتا۔ وہ فرماتی ہیں کہ: مجھے اس بات کا اس قدر شدید صدمہ پہنچا کہ میں روزانہ آبادی سے باہر جاتی اور شام تک اس مقام پر بیٹھ کر روتی جہاں میں نے اپنے شوہر کو مدینے کی طرف رخصت ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی طرح ایک سال کا عرصہ گذر گیا نہ شوہر کے پاس جا سکی نہ بچہ ہی مل سکا۔ ایک روز میرے ایک چچازاد بھائی نے میری حالت دیکھ کر خاندان والوں سے کہا کہ تم اس بے کس پر رحم کیوں نہیں کرتے؟ اسے کیوں نہیں چھوڑ دیتے اور اس کو بچے اور شوہر سے دور کیوں رکھا ہے؟

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: بنی مغیرہ نے اپنے اُس آدمی کی سفارش پر مجھے اپنے شوہر (حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ) کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔ جب اس بات کی خبر بچہ کی دادھیال والوں کو لگی تو انھوں نے بچہ بھی مجھے دے دیا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب ان کا بچہ مل گیا تو انھوں نے تنِ تنہا مدینے کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا اور ایک اونٹ تیار کر کے بچے کو ساتھ لیا اور اکیلے سوار ہو کر مدینۂ منورہ کے لیے نکل پڑیں۔ کوئی مرد ساتھ نہ تھا۔ تین چار میل چلی ہوں گی کہ بنی عبدالدار کے ایک شخص جن کے پاس خانۂ کعبہ کی چابی رہا کرتی تھی عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہوئی۔ جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ لیکن نہایت رحم دل اور نیک تھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: عثمان بن طلحہ نے مجھ سے پوچھا کہاں جاتی ہو؟ --میں نے کہا: اپنے شوہر کے پاس مدینۂ منورہ جارہی ہوں۔ انھوں نے دوبارہ سوال کیا: کوئی ساتھ بھی ہے؟ مَیں نے کہا: اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بچہ ہے۔

یہ سُن کر عثمان بن طلحہ نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور آگے آگے چلنے لگے۔ خدا کی قسم! مَیں نے عثمان جیسا شریف آدمی نہیں دیکھا۔ جب منزل پر اترنا ہوتا تو وہ اونٹ بٹھا کر کسی درخت کی آڑ میں کھڑے ہو جاتے اور پھر اونٹ کو باندھ کر مجھ سے دور کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتے اور جب کوچ کرنے کا وقت ہوتا تو اونٹ پر کجاوہ کس کر میرے پاس لا کر بٹھا دیتے اور خود وہاں سے ہٹ جاتے۔ جب مَیں سوار ہو جاتی تو اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل دیتے۔ اسی طرح وہ مجھے مدینۂ منورہ تک لے گئے جب ان کی نظر بنی عمرو بن عوف کی آبادی پر پڑی جو قبا میں تھی تو انھوں نے کہا کہ جاؤ تمہارا شوہر یہیں ہے۔ اس کے بعد وہ سلام کر کے رخصت ہو گئے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات

مدینۂ منورہ پہنچ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے پاس رہنے لگیں اور وہاں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکے کا نام عمر اور ایک لڑکی کا نام درّہ اور دوسری کا نام زینب رکھا۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں شرکت کی اپنی جواں مردی کے جوہر دکھائے اور غازی بن کر لوٹے۔ دوبارہ جنگ احد میں بھی شریک ہوئے اس معرکے میں آپ کے بازو میں دشمن کا ایک تیر ایسا لگا کہ آپ بہت زیادہ زخمی ہو گئے۔ ایک مہینے تک علاج چلتا رہا۔ جس کی وجہ سے آپ کا زخم کچھ حد تک بھر گیا۔ اسی دوران سریۂ قطن کا واقعہ پیش آیا۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک دستہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ جنگ سے واپسی پر آپ کا پرانا زخم ہرا ہو گیا اور اسی کے اثر سے جمادی الاخریٰ ھ میں آپ نے وفات پائی۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی اسلام کی حفاظت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری اور جاں نثاری میں سرکی اور ایک مثالی کردار ادا کیا۔ آپ کی نمازِ جنازہ خود رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی اور نمازِ جنازہ میں نو مرتبہ تکبیر کہی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پوچھنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ہزار تکبیروں کے مستحق ہیں۔ سبحان اللہ!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت و الفت تھی۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے

کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ مَیں نے سنا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں جنتی ہوں اور عورت مرد کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو وہ عورت جنت میں اسی مرد کو ملے گی۔ اسی طرح مرد اگر دوسری عورت سے نکاح نہ کرے تو وہی عورت اسے ملے گی۔ اس لیے آؤ ہم عہد کریں کہ ہم میں سے جو پہلے اس دنیا سے چلا جائے وہ دوسرا نکاح نہ کرے۔

یہ سُن کر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میرا کہا مان لوگی؟ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ماننے کے لیے ہی مشورہ کر رہی ہوں۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میرے بعد نکاح کر لینا۔ اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا دعا مانگا کرتی تھیں کہ یا اللہ! مجھے ان سے بہتر شوہر عطا فرما۔ لیکن پھر سوچتیں کہ ابوسلمہ سے بہتر اور کون ہوگا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کی وجہ سے ان کی نظروں میں ایک مثالی شوہر کی حیثیت رکھتے تھے۔ انھیں کیا پتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے کیسے عظیم ترین شوہر کا انتخاب کر رکھا ہے؟

شوہر کے انتقال کے وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حمل سے تھیں۔ ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام زینب رکھا گیا۔ اس کی ولادت پر عدت بھی ختم ہوگئی۔ عدت گذر جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا پیغام بھیجا تو انھوں نے معذرت طلب کر لی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اُن کو نکاح کا پیغام بھیجا لیکن اس مرتبہ بھی انھوں نے عذر پیش کر دیا۔

چند دنوں کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام لے کر آئے۔ اس پر انھوں نے یہ عذر کیا کہ میرے بچے زیادہ ہیں، میری عمر بھی زیادہ ہے، کوئی میرا وارث بھی نہیں اور میرے مزاج میں غیرت بھی بہت ہے۔ اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب بھیجا کہ عمر کی بات تو یہ ہے کہ میری عمر تم سے زیادہ ہے۔ اور بچوں کا اللہ نگہبان ہے ان کی پرورش میں تمہیں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ مَیں بھی ان کا خیال رکھوں گا۔ اور اللہ سے دعا کروں گا کہ تمہاری غیرت والی بات جاتی رہی ہے۔ تمہارا کوئی ولی میرے ساتھ رشتے کو ناپسند نہیں کرے گا۔

اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ پیغام قبول کر لیا۔ چناں چہ شوال ھ کی آخری تاریخوں میں آپ کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگیا۔ اور اس طرح آپ کی دعا اعلیٰ ترین انداز میں قبولیت کے منصب پر فائز ہوئی۔ اور آپ ام المؤمنین کے لقب سے سرفراز ہوئیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب نکاح ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی حجرے میں ٹھہرایا جس میں ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا رہا کرتی تھیں۔ انھوں نے وہاں دیکھا کہ ایک مٹکے میں جَو رکھے ہیں اور ایک چکّی اور ہانڈی بھی موجود ہے۔ لہٰذا خود جَو پیسے اور چکنائی ڈال کر مالیدہ بنایا اور پہلے ہی دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

مالیدہ کھلایا جسے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب علوم سیکھے اور ان کو عام کیا

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں تو انھوں نے اسے بہت بڑی سعادت مندی تصور کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کو غنیمت جانا۔ آپ اچھے قوتِ حافظہ کی مالکہ تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی ارشاد فرماتے انھیں اپنے ذہن میں محفوظ کرتی جاتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کر کے اپنے علم میں اضافہ کرتیں۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علوم سیکھے ہی نہیں بل کہ ان کو خوب پھیلایا بھی۔ حدیث میں ان کے شاگردوں میں صحابہ بھی تھے اور تابعین بھی (رضی اللہ عنہم)۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی بعض سیرت نگاروں نے ان کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔ حدیث شریف کی کتابوں میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جو روایتیں ملتی ہیں ان کی تعداد ہیں۔ آپ کا شمار محدثین کے تیسرے طبقے میں ہوتا ہے۔

محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب ہی ازواجِ مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سن کر یاد کرتی تھیں لیکن ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی ہم پلہ اس میں کوئی اور بیوی نہ تھی۔

• مروان بن الحکم ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم کسی اور سے کیوں پوچھیں جب کہ ہمارے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں موجود ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ اگر ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو خاصی تعداد میں جمع ہو سکتے ہیں اور ان کے مجموعہ کا ایک رسالہ بن سکتا ہے۔

آپ سے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حدیث کا علم حاصل کیا۔ جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چند ایک کے نام یہ ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر، اسامہ بن زید، ہند بنؑ الحارث الفراسیہ، صفیہ بنت شیبہ، عمر و زینب (اولادِ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا)، مصعب بن عبداللہ (حضرت ام سلمہ کے بھائی)، نبہان (غلام مکاتب)، عبداللہ بن رافع، شعبہ، ابوبکیر، خیرہ والدہ حسن بصری، سلمان بن یسار، ابوعثمان الہندی، حمید، سعید بن مسیب، ابو وائل، صفیہ بنت محصن، شعبی، عبدالرحمٰن ابن حارث بن ہشام، عکرمہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عثمان بن عبداللہ ابن موہب، عروہ بن زبیر، کریب مولیٰ ابن عباس، قبیصہ بن زویب، نافر مولیٰ بن مملک رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی چند احادیث

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سننے کا بہت شوق تھا۔ آپ سے روایت کردہ حدیثیں جو کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے چند ایک درج کی جاتی ہیں: ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مَیں نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: دنیا کی عورتیں بہتر ہیں یا حوریں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا کی عورتیں۔ مَیں نے عرض کی: یارسول اللہ! کس وجہ سے؟ ارشاد فرمایا کہ: اس لیے کہ ان عورتوں نے نمازیں پڑھی ہیں، روزے

رکھے ہیں اور عبادتیں کی ہیں۔

ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ: یارسول اللہ! میں اپنے سر کی مینڈھیاں سختی سے باندھتی ہوں تو کیا غسل جنابت کے لیے ان کو کھولا کروں؟ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! بس اتنا کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین بار لپ بھر کر پانی ڈال لیا کرو (جس سے بالوں کی جڑیں تر ہو جائیں) اس کے بعد (سارے بدن پر) پانی بہا لیا کرو۔ ایسا کرنے میں پاک ہو جاؤ گی۔ (مسلم شریف)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی تھیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ پڑھا کرو: اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا اِقْبَالُ لَیْلِكَ وَاِدْبَارُ نَھَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْلِی ۔ (ترجمہ: اے اللہ! یہ تیری رات کے آنے اور دن کے جانے اور تیرے بلانے کی آوازوں کا وقت ہے سو مجھے بخش دے)۔ (مشکوٰۃ شریف)

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقدس کاشانے میں تشریف فرما تھے اور آپ کے قریب ہی ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں کہ اچانک حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے، وہ چوں کہ نابانی تھے اس لیے یہ سمجھ کر کہ ان سے کیا پردہ کرنا ہے۔ دونوں وہیں بیٹھی رہیں اور پردہ نہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ان سے پردہ کرو۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ ہم کو تو نہیں دیکھ سکتے! پھر پردہ کی کیا ضرورت؟ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟ (مشکوٰۃ و ترمذی شریف)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پناہ لینے والا بیت اللہ میں آ کر پناہ لے گا۔ اس سے لڑنے کے لیے ایک لشکر چلے گا اور وہ لشکر ایک میدان میں پہنچ کر زمین میں دھنس جائے گا۔

میں نے عرض کی: یارسول اللہ! جو لوگ اس لشکر میں شریک نہ ہوں گے اور اس لشکر کے حملے کو برا سمجھ رہے ہوں گے کیا وہ بھی اس میدان میں ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ دھنسا دیئے جائیں گے؟ -- نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس لشکر کے ساتھ وہ بھی دھنسا دیئے جائیں گے، لیکن قیامت کے روز ہر ایک کا اپنی اپنی نیت پر حشر ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف)

ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ: یارسول اللہ! کیا مجھے (اپنے شوہر) ابو سلمہ کی اولاد پر خرچ کرنے سے اجر ملے گا حال آں کہ وہ میری ہی اولاد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ: اُن پر خرچ کرو تم کو اس خرچ پہ اجر ملے گا۔ (بخاری)

ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! مرد جہاد کرتے ہیں اور عورتیں جہاد نہیں کرتیں اور عورتوں کو مرد کے مقابلے میں آدھی میراث ملتی ہے (اس کا سبب کیا ہے؟) اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (سورہ نسا)

(ترجمہ:) اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک دوسرے پر بڑائی دی۔

ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حدیث سنائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ جو مسلمان سمجھے جاتے ہیں (اور وہ دل سے مسلمان نہیں ہیں) ایسے لوگوں کو اپنی وفات کے بعد میں نہ دیکھوں گا اور نہ وہ مجھے دیکھ سکیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان کو یہ حدیث سنائی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا خدا کی قسم! سچ سچ کہنا میں ان میں سے تو نہیں ہوں (جن کا ذکر اس حدیث میں ہے) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نہیں۔

اسی طرح ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر قرات کر کے بتائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت پر ٹھہرتے تھے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ٹھہرتے پھر الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر رکتے، الرحمٰن الرحیم پڑھ کر توقف فرماتے، پھر مالک یوم الدین پڑھ کر ٹھہرتے۔ غرض یہ کہ اسی طرح نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم علاحدہ علاحدہ آیات کر کے پڑھتے تھے۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم فرماتے تھے کہ ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ جن میں پہلا پیر یا جمعرات ہو۔ (ابوداؤد و نسائی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور امر بالمعروف

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی بہت پابند تھیں۔ ایک روز ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی۔ چوں کہ سجدہ کی جگہ غبار تھا۔ اس لیے وہ صاحب زادے سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑ دیتے تھے۔ یہ دیکھ کر ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو روکا اور فرمایا کہ یہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک غلام (افلح) نے ایسا کیا تھا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تھا: اے افلح! اپنا چہرہ مٹی میں ملا۔ (مسند امام احمد)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی دانش مندی

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی دانش مند اور سمجھ دار تھیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ سے صلح کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے ایک معاملہ پیش آیا تو وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہترین رائے سے ہی حل ہوا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۶ھ میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مکہ کے مشرکین کو اس بات کی خبر ہوئی تو انھوں نے مزاحمت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے مقام پر رکنا پڑا۔ جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم چوں کہ اپنے آقا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔

اس لیے اس موقع پر وہ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی بجائے صلح کرنا پسند فرمایا۔اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم جنگ کے لیے بالکل تیار تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی رعایت کے ساتھ کفار مکہ سے صلح فرمائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہر شرط قبول فرمائی جو ظاہر میں مشرکین کے لیے فائدے مند اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ لگ رہی تھی۔ صلح کی شرائط میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس سال مسلمان عمرہ نہیں کریں گے آیندہ سال عمرہ کے لیے آسکتے ہیں۔ صلح نامہ سے فارغ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ اپنے احرام کھول دو، قربانی کے جانور ذبح کر لو اور اپنے سر منڈ والو۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اپنے آقا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرمٹنے کے جذبات سے سرشار تھے۔ ان کی طبیعتیں اس بات پر آمادہ نہ ہوئیں کہ ہم بغیر عمرہ کیے مدینۂ منورہ واپس چلے جائیں۔ لہٰذا اپنے پیارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر کوئی بھی نہ اٹھا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ حکم دیا جب کسی نے بھی اس پر عمل نہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے واقعہ ذکر فرمایا۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ سب احرام کھول دیں؟ تو پھر ایسا کریں کہ آپ باہر نکل کر کسی سے کوئی بات نہ کریں اور اپنے جانور ذبح فرمادیں اور بال مونڈنے والے کو بلا کر اپنے بال مونڈا لیں۔

چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا اور باہر نکل کر اپنا جانور ذبح کر دیا اور بال منڈا لیے۔ جب جاں نثار اور وفادار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے آقا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بے تابانہ وہ بھی آگے بڑھے اور اپنے اپنے احرام کھول دیئے اور اپنے اپنے جانور ذبح کر ڈالے اور آپس میں ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس رائے کے بارے میں جس سے یہ معاملہ حل ہوا حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رائے دینے سے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ بڑی عقل مند اور ٹھیک رائے رکھنے والی خاتون تھیں۔ (الاصابہ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی تمام زندگی اسلام کی خدمت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری میں بسر کی۔ مدینۂ منورہ میں ۸۴ برس کی عمر پا کر آپ نے وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کے وصال کے سال میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ آپ کی وفات ۶۳ھ میں ہوئی۔ ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں آپ ہی نے وفات پائی۔ آپ کا مزار جنت البقیع میں ہے۔ (زرقانی)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی صبر و استقامت، علم و عمل، جوشِ اسلامی، محنت و جفاکشی اور عقل و دانش کا ایک روشن باب ہے۔ جس کی مثال مشکل ہی سے مل سکے گی۔ ان کے کارناموں اور بہادری کی داستانوں کو تاریخ اسلام کے صفحات پر دیکھ کر ان کی زندگی کے شب و روز پر عمل کرتے ہوئے ہماری ماؤں بہنوں کو اپنی زندگی نکھارنا اور سنوارنا چاہیے۔

ام المؤمنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت کا پس منظر اور نام ونسب

ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا حارث ہلالی کی اولاد میں تھیں۔ بنو ہلال قبیلہ بنو عامر کی ایک شاخ تھی۔ جو حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ حالات کی وجہ سے یہ قبیلہ یمن میں جا کر بس گیا تھا۔ شمالی یمن میں تبالہ نامی مقام پر ذوالخلصہ نام کا ایک بت تھا جس کی وہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں منقول ہے کہ یمن کے لوگ بڑے خوش حال تھے۔ عیش وعشرت اور آرام وسکون کی وجہ سے نافرمانیاں اور بداعمالیاں ان کے اندر سرایت کر گئی تھیں۔ آخر رب قہار وجبار جل شانہ کا عذاب اُن لوگوں پر نازل ہوا۔ ہوا یوں کہ مآرب کا بند ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے دور دور تک بڑی تباہی وبربادی پھیلی۔ عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل ہو گئیں اور آبادیاں ویرانے میں بدل گئیں۔ کافی جانی ومالی نقصان ہوا۔ جن کی جانیں بچ گئیں اُن کے لیے وہاں زندگی گذارنا دوبھر ہو گیا۔ چاروناچار بچے ہوئے لوگ وہاں سے مختلف علاقوں میں نقلِ مکانی پر مجبور ہو گئے۔ ان ہی میں ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا قبیلہ بنو ہلال بھی شامل تھا۔ جو کہ یمن سے حجاز میں آکر آباد ہو گیا۔

وقت گذرتا رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ سے ۱۳ سال پہلے ۵۹۷ء کی بات ہے ایک دن خزیمہ بن حارث کے گھر میں بہت ساری عورتیں، رشتے دار اور دوست واحباب جمع تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ لوگ بڑی بے تابی سے کوئی خوش خبری سننے کے منتظر ہیں۔ تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کہ گھر میں سے ایک عورت آئی اور پوچھنے لگی کہ: خزیمہ کہاں ہے؟

خزیمہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا بات چیت میں مصروف تھا، جیسے ہی اُس نے عورت کی آواز سنی فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا، اور پوچھا: کیا خبر لائی ہو؟

اُس عورت نے جواب دیا: خزیمہ! لڑکی ہوئی ہے، مبارک ہو۔ بڑی خوب صورت، جیسے چاند کا ٹکڑا، اس کے چہرے سے خوش بختی اور بلند اقبالی ٹپک رہی ہے۔

عورت کی بات سُن کر خزیمہ بے تابی اور مسرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کمرے کے اندر چلا گیا۔ بیوی کے پہلو میں لیٹی ہوئی اپنی خوبصورت بچی کو دیکھا تو اسے عجیب سی کشش محسوس ہوئی، بے اختیار اُس سے پیار کرنے لگا اور کہا کہ: یہ میری زینب ہے۔

اس طرح آپ کا نام زینب قرار پایا۔ اس وقت کسے خبر تھی کہ یہ بلند اقبال لڑکی ایک دن خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی

ہو کرامت مسلمہ کی مقدس ماں بن جائی گی۔آپ کا سلسلۂ نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ میں معد بن عدنان سے اکیسویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔کتابوں میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عدنان کے درمیان سال کا زمانہ ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں آپ کا نسب نامہ یوں لکھا ہے: زینب بنت بن حارث بن عبداللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصہ۔

مشہور لقب اُم المساکین

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا بچپن بڑے ناز و نعم میں گذرا۔اس دور کی دوسری بچیوں کی بہ نسبت آپ بڑی منفرد تھیں۔بچپن ہی سے انھیں غریبوں، مسکینوں اور فاقہ مستوں کو کھانا کھلانے کا بڑا شوق و ذوق تھا۔جب تک وہ کسی کو کھانا نہ کھلا لیتیں انھیں سکون محسوس نہ ہوتا۔اُن کا باپ خزیمہ کا شمار اُس زمانے کے بڑے رئیسوں میں ہوتا تھا۔اُس کے پاس کسی چیز کی کمی نہ تھی۔باوجود اس دولت و ثروت کے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے اندر بچپن ہی سے عاجزی، انکساری اور فیاضی کی صفت پائی جاتی تھی۔سخاوت و فیاضی کا حال یہ تھا کہ اگر وہ خود کوئی چیز کھا رہی ہوتیں اور کوئی غریب یا مسکین آ جاتا تو وہ چیز اس کو دے دیتیں اس طرح انھیں سکون حاصل ہو جاتا تھا۔اگر خاندان کا کوئی فرد انھیں اس فیاضی اور سخاوت سے روکتا بھی تو وہ اس کی ذرہ بھر پروانہ کرتیں، کیوں کہ وہ جانتی تھیں کہ اس سے ان کے رزق میں کوئی بھی کمی واقع نہیں ہو سکتی۔زمانۂ جاہلیت سے ہی لوگ آپ کی اس صفت کی وجہ سے آپ کو ام المساکین کے لقب سے یاد کرنے لگے، اور یہی نام لوگوں کی زبانوں پر جاری ہو گیا۔آپ جس طرف سے بھی گذرتیں یا کہیں جاتیں تو سب یہی کہنے لگے کہ: دیکھو! ام المساکین آ گئی ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اس وقت حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی عمر یا سال تھی۔اعلان نبوت کے بعد مکۂ معظمہ کے حالات میں تبدیلی آنے لگی۔حق پسند طبیعت کے حامل لوگ اعلانیہ اور پوشیدہ طور پر دولتِ اسلام سے مالا مال ہونے لگے۔ساتھ ہی ازلی طور پر شقاوتوں کے حامل لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو طرح طرح سے ستانے اور تکلیف پہنچانے میں ہر قسم کے حربے استعمال کرنے لگے۔تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ تو نہیں ملتا کہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کب دامنِ اسلام سے وابستہ ہوئیں، لیکن آپ کے اعلیٰ اَخلاق و کردار، صاف ستھری زندگی اور سخاوت و فیاضی سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ابتدائی دور میں ہی اسلام سے قریب آ گئی ہوں گی۔

حضرت طفیل بن حارث سے نکاح

دورِ جاہلیت میں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بڑی شان و شوکت کے ساتھ خزیمہ نے طفیل بن حارث بن مطلب سے کرایا۔جب ام المساکین ڈولی میں بیٹھ کر رخصت ہو رہی تھیں تو اُن کے گھر کا ہر فرد مغموم تھا۔ہر کسی کا یہی خیال تھا کہ اچھی عادتوں اور اعلیٰ اَخلاق و کردار کی حامل ام المساکین زینب بڑی خوشگوار زندگی بسر کرے گی۔لیکن زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ طفیل بن حارث نے انھیں طلاق دے دی۔سخاوت و فیاضی میں بے مثال، غریبوں، مسکینوں اور فاقہ مستوں کی ہمدرد اور غم گسار اس

نیک سیرت خاتون کو اُن کے شوہر نے طلاق کیوں دی اس کی وجہ بیان کرنے میں تاریخ وسیرت کی کتابیں خاموش دکھائی دیتی ہیں۔بعض روایتوں میں آتا ہے کہ طفیل بن حارث کے بعد آپ کا نکاح ان کے چچازاد جہنم بن عمرو بن حارث سے ہوا۔ان کے بعد وہ حضرت عبیدہ بن حارث سے بیاہی گئیں۔حضرت طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ نے بعد میں اسلام بھی قبول کیا اور بدر میں شرکت کی تھی۔

حضرت عبیدہ بن حارث (رضی اللہ عنہ) سے نکاح

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کو طفیل بن حارث نے طلاق دے دی تو اس کے بعد آپ کی شادی طفیل کے بھائی حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے کردی گئی۔جن کی کنیت ابو معاویہ تھی، ماں کا نام سخیلہ تھا۔قد میانہ، رنگ گندم گوں اور چہرہ بہت خوب صورت تھا۔وہ جوانی کی منزلیں پار کر چکے تھے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کو سنا اور پھر اسلام کی منور کرنیں جب ان کے دل پر پڑی تو سعادت مندی نے آپ کے قدم چومے۔جب کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم دارارقم میں قیام پذیر تھے، حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ آئے اور اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں دے دیا۔بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں انھیں غیر معمولی مرتبہ حاصل تھا۔مشہور صحابی مؤذنِ رسول حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے مالک نے انھیں طرح طرح سے اذیتیں دیں لیکن وہ صبر واستقامت کے ایک مضبوط پہاڑ کی طرح اسلام پر ڈٹے رہے۔چوں کہ آپ حبشہ کے تھے مکۂ معظمہ میں آپ کا کوئی رشتے دار وغیرہ نہ تھا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکۂ معظمہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا اسلامی بھائی قرار دیا تھا۔حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا کردہ اس نسبت پر بڑا ناز تھا۔اور انھوں نے اخوت ومحبت کی جو مثال قائم کی وہ اسلامی تاریخ کے اوراق میں آج بھی جگمگ جگمگ کر رہی ہے۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کرنے والوں پر جو ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے اُن کے تصور سے ہی کلیجہ کانپنے لگتا ہے۔لیکن محبت اور جاں نثاری کی مثال دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسرا اب تک پیش نہیں کر سکا کہ جو بھی شخص نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آجاتا اسے کسی بھی قسم کے مظالم اور مصائب وآلام کا ذرہ بھر بھی احساس نہ ہوتا بل کہ وہ ان تکلیفوں اور مصیبتوں کو ہنس کر سہہ جاتے۔ان کے پائے استقامت میں کبھی بھی لرزہ طاری نہیں ہوتا۔حضرت عبیدہ بن حارث اور ان کی بیوی ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما پر بھی دشمنانِ اسلام نے مظالم ڈھائے۔ان دونوں جاں نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنی سختیاں کی جاتیں ان کے اندر محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چنگاری شعلۂ جوالہ بن کر بھڑکنے لگتی۔حضرت ام المساکین زینب رضی اللہ عنہا تو ابھی جواں سال تھیں جب کہ آپ کے شوہر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی عمر زیادہ تھی، لیکن اسلام پر ثابت قدمی اور عقیدت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ ابھی جوان تھا۔

حضرت عبیدہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما کی مدینہ ہجرت اور شیخ المہاجرین کا لقب

جب مکہ مکرمہ میں کفار و مشرکین کے ظلم و ستم حد سے زیادہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو مدینۂ منورہ ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم تو ہجرت کر جائیں گے مگر آپ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے ابھی ہجرت کا حکم نہیں ہوا ہے۔

شام کے وقت جب حسب معمول حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اپنے مکان میں داخل ہوئے تو آپ کی وفاشعار بیوی حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: آپ کے چہرے کے تاثرات بتا رہے ہیں کہ آج کوئی خاص بات ہوئی ہے۔ اس پر اُن کے شوہر نے سرگوشی کے انداز میں کہا: ہاں! آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا ہے۔

حضرت ام المساکین زینب رضی اللہ عنہا نے اس پر پوچھا کہ: کس طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا ہے۔ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے کہا: مدینۂ منورہ کی طرف۔

اپنے آقا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کا حکم مل جانے کے بعد دونوں میاں بیوی خاموشی کے ساتھ ہجرت کی تیاریاں کرنے لگے اور کسی مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔ آخر کار ایک دن حضرت عبیدہ بن حارث اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما دونوں بھائیوں حضرت طفیل بن حارث و حضرت حصین بن حارث اور ایک ساتھی حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکۂ مکرمہ کے کفار و مشرکین سے چھپتے ہوئے مدینۂ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مہاجرین کا یہ چھوٹا سا کارواں اپنی منزل کی طرف احتیاط کے ساتھ قدم بڑھا رہا تھا کہ اچانک راستے میں حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کو ایک بچھو نے ڈنک مار دیا اور وہ پیچھے رہ گئے۔ انھوں نے حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ لوگ اپنا سفر اسی طرح جاری رکھیں جیسے ہی میری طبیعت میں سدھار آئے گا میں آکر راستے میں مل جاؤں گا۔ لیکن جب دوسرے دن یہ اطلاع ملی کہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ چلنے پھرنے کی بھی سکت نہیں رکھتے تو حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ایک اسلامی بھائی کو اس طرح اکیلا چھوڑ دیا جائے۔ اخوت اسلامی کا تقاضا تو یہی ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے لیے قربانی اور ایثار کے جذبات سے سرشار رہیں۔ لہٰذا وہ لوگ کچھ دور چلنے کے بعد دوبارہ واپس لوٹ آئے اور حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لیا اور اُن کی صحت کا خیال رکھتے ہوئے بڑی آہستگی سے مدینۂ طیبہ کی طرف سفر کرتے رہے۔

طویل سفر کے بعد اسلام کے ان جاں نثاروں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان عاشقوں کا قافلہ اپنی منزل مقصود مدینۂ منورہ میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس نورانی قافلے کا استقبال حضرت عبدالرحمٰن بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ نے کیا اور بڑے محبت و خلوص کے ساتھ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی مہمان نوازی کی۔

جب اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرما کر مدینۂ منورہ کو اپنے مقدس قدموں سے شرف بخشا تو آپ نے انصار و مہاجرین کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا۔ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو حضرت عمیر بن حمام

انصاری رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے دیگر انصاری صحابہ کی طرح بھائی چارگی کی وہ مثال قائم کی کہ دنیا دیکھتی رہ گئی۔ آپ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کی رہائش کے لیے ایک بڑی زمین دے دی جہاں وہ رہنے لگے۔

حضرت عبیدہ بن حارث اور ان کی بیوی ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں نثاری اور فدا کاری کے جذبات سے سرشار ہوکر مدینۂ منورہ میں اپنی زندگی کے شب و روز بسر کرنے لگے۔ ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا حسبِ معمول غریبوں، مسکینوں اور فاقہ مستوں کو کھانا کھلاتیں، لوگوں کا دکھ درد بانٹتیں، ان کے دروازے پر آنے والے سائل کو کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتیں۔ یہاں بھی وہ سخاوت و فیاضی میں بڑی مشہور ہوگئیں۔ اسی طرح ان کے شوہر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت و عقیدت تھی اس سے آپ بہ خوبی واقف تھے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی جو منزلت و رفعت تھی، اس کو دیکھتے ہوئے مہاجرین و انصار انھیں شیخ المہاجرین کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

سریۂ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ

مدینۂ منورہ میں ہجرت کرنے کے بعد اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثاروں کے حُسنِ سیرت اور اعلیٰ اخلاق و کردار اور اپنی حقانیت اور صداقت کی بنیاد پر بڑی تیزی سے پھیلنے لگا۔ اسلام کی اس طرح بڑھتی مقبولیت اور لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی نیندیں اڑ گئیں۔ ان دشمنانِ اسلام نے اسلام کو ختم کرنے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے طرح طرح کے منصوبے بنائے۔ اب اسلام سے ان کی مخالفت میں بھی بڑی تیزی آ گئی۔ جب کفار و مشرکین کی ہرزہ سرائیاں عروج پکڑنے لگیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم نے ان کا سدِ باب کرنا شروع کیا۔ چناں چہ ہجرت کے آٹھویں سال ماہِ شوال کے آغاز میں آپ نے رابغ نامی علاقے کی طرف ایک سریہ بھیجا (سریہ = ایسا اسلامی لشکر یا ٹولی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہ ہوں اسے سریہ کہتے ہیں) اس سریہ کا امیر ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر شیخ المہاجرین حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ٹولی کو ایک سفید جھنڈا عطا کیا جس کو حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ لیے ہوئے تھے۔ رابغ کے قریب جب یہ لشکر ثنیۂ مریہ کے مقام پر پہنچا تو ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل کی کمان میں دو سو مشرکین کی جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے کفار پر تیر پھینکا۔ یہ سب سے پہلا تیر تھا جو مسلمانوں کی طرف سے کفار پر چلایا گیا۔ مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے کل آٹھ تیر پھینکے اور ہر تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا۔ کفار ان تیروں کی مار سے گھبرا کر فرار ہوگئے۔ اس لیے کوئی جنگ نہ ہوئی۔ اس سریہ کو سریۂ عبیدہ بن الحارث کہا جاتا ہے۔

حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی شہادت

ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ اور شیخ المہاجرین حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہما کا خوش نصیب جوڑا۔ اپنے آقا و مولا نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ان کی رحمتوں کے سایے میں ہنسی خوشی اپنی زندگی گذارتا رہا۔ رمضان المبارک ھ سنیچر کا دن تھا جب کہ یہ دونوں میاں بیوی آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ اچانک ایک آواز سنائی دی کہ: آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف غزوہ کے لیے تشریف لے جائیں گے (غزوہ= ایسا اسلامی لشکر یا ٹولی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس خود شامل ہوں اسے غزوہ کہتے ہیں)۔ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے فوراً تیاری کی اور اپنی زوجہ ام المساکین زینب رضی اللہ عنہا سے رخصت ہوئے۔ یہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی اپنے موجودہ شوہر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے آخری ملاقات تھی۔

مدینۂ منورہ سے میدانِ بدر کا فاصلہ تقریباً اٹھانوے میل کا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثار اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ جمعہ کی رات رمضان المبارک ھ کو بدر کے قریب اترے۔ یہ اسلامی تاریخ کا حق و باطل کے درمیان پہلا باضابطہ معرکہ تھا۔ دونوں لشکروں میں صف آرائی ہونے کے بعد دشمنانِ اسلام کی طرف سے کفارِ مکہ کے سردار عتبہ، شیبہ اور ولید میدانِ جنگ میں اترے اور انفرادی لڑائی کے لیے آواز لگائی۔

جس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تین جاں نثار اصحاب علی، حمزہ اور عبیدہ (رضی اللہ عنہم) کے نام پکارے۔ لبیک یارسول اللہ! کہتے ہوئے تینوں اصحابِ رسول (رضی اللہ عنہم) دشمن سے مقابلے کے لیے میدان میں کود پڑے۔

جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما جلد ہی فارغ ہو گئے جب کہ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور ولید میں دیر تک لڑائی جاری رہی۔ دونوں ہی زخمی ہو گئے۔ حضرت علی اور حمزہ رضی اللہ عنہم نے بڑھ کر ولید کو قتل کیا۔ اس معرکے میں حضرت عبیدہ بن حارث کا ایک پاؤں شہید ہو گیا تھا یہ زخم بڑا کاری تھا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد جب لشکر مدینے کی طرف واپس ہونے لگا تو صفراء کے مقام پر آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور وہیں مدفون ہوئے۔ مدینے میں جب بدر کے لشکر کے لوٹنے کی خبر پہنچی تو لوگ سراپا انتظار ہو گئے۔ اس دوران حضرت ام المساکین کو اپنے شوہر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔ اس جاں نثار خاتون نے جب یہ سنا تو اُن کی آنکھیں نم ہو گئیں، لیکن صبر کا دامن نہیں چھوڑا بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا: اے اللہ! بس تو راضی ہو جا۔

غزوۂ بدر کے کافی عرصے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ وادیِ صفراء سے گذرے تو رات کو وہیں قیام فرمایا کہ اچانک وہاں خوشبوئیں پھیل گئیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ کیا ماجرا ہے کہ یہاں اس قدر بھینی خوشبو آ رہی ہے۔ اس پر نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہاں عبیدہ (رضی اللہ عنہ) کی قبر کے ہوتے ہوئے اس خوشبو پر تمہیں کیوں تعجب ہو رہا ہے؟

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا حضرت عبداللہ بن جحش سے نکاح

ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر بدر کے میدان میں شہید ہو گئے، اور آپ بیوگی کی زندگی بسر کر رہی تھیں کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا رشتہ آیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور اسلام کے آغاز میں ہی مسلمان ہونے والوں میں سے تھے۔ آپ بھی حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی طرح بہادر اور پُر جوش مجاہد تھے۔ قد میانہ اور سر کے بال بڑے گھنے تھے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والفت ان کی رگ رگ میں پیوست تھی۔ اس محبت کے ہوتے آپ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ ان کے دل میں بس ایک ہی خواہش تھی کہ یہ جان اللہ و رسول کے لیے قربان ہو جائے۔

جب ایسے جاں نثار صحابی کا رشتہ آیا تو ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بہ خوشی راضی ہو گئیں، اس طرح دونوں کی شادی ہو گئی اور دوبارہ زندگی میں مسرت و شادمانی دوڑنے لگی۔

رجب المرجب ۲ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک ٹولی کا امیر بنا کر ایک خط دے کر فرمایا کہ: عبداللہ! دو دن سفر کرنے کے بعد اس کو کھول کر پڑھنا اور اس پر عمل کرنا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے فرمان لیا اور سفر پر روانہ ہو گئے۔ دو روز بعد خط نکال کر پڑھا، لکھا تھا: مکہ اور طائف کے بیچ جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت اور دوسرے حالات کا پتا چلائیں۔ خط پڑھنے کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمیں اس خط پر عمل کرنا ہے، اس لیے جسے شہادت کا شوق ہے وہ میرے ساتھ چلے۔ چناں چہ آپ کے ساتھ بارہ افراد تھے سبھی نے ساتھ چلنے پر راضی ہو گئے اور وہ سب نخلہ کے بیچ میں پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے لگے۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب اسلام کی مقبولیت روز بہ روز بڑھنے لگی تو دشمنانِ اسلام نے ایک بار پھر اس کے سدِ باب کے لیے جنگ کا ارادہ کیا۔ چناں چہ غزوۂ احد واقع ہوا۔ اس غزوہ سے ایک روز قبل حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا مانگی کہ: اے اللہ! مجھے ایسا مقابل عطا فرما جو بہت بہادر ہو، میں تیری راہ میں اس سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے ناک، کان کاٹ ڈالے، جب میں تجھ سے ملوں اور تو فرمائے کہ اے عبداللہ! یہ تیرے کان ناک کیوں کاٹے گئے، تو میں عرض کروں تیرے اور تیرے رسول کے لیے۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو اپنی خواہش کے پورا ہونے کا مکمل یقین تھا، وہ قسم کھا کھا کر کہتے تھے کہ: اے اللہ! میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ میں دشمن سے جہاد کروں گا اور وہ میرا مثلہ کرے گا۔ (مثلہ = ناک کان وغیرہ اعضا کاٹ ڈالنا)

شوال ۳ھ سنیچر کو میدانِ جنگ میں دونوں لشکر آمنے سامنے تیار ہو گئے۔ معرکہ شروع ہوا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ایسے جوش وخروش اور شوق و ذوق سے لڑ رہے تھے کہ اُن کی تلوار کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو کھجور کی

ایک چھڑی عطا فرمادی جس نے اُن کے ہاتھ میں تلوار کا کام کیا۔ دیر تک لڑتے رہے، ابوالحکم ابن اخنس ثقفی نے ایک ایسا وار کیا کہ آپ جنت مکین ہو گئے۔ مشرکین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک کان کاٹ کر دھاگے میں پرو دیا۔ اسلامی تاریخ میں انھیں المسجدع فی اللہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کاشانہ نبوت میں

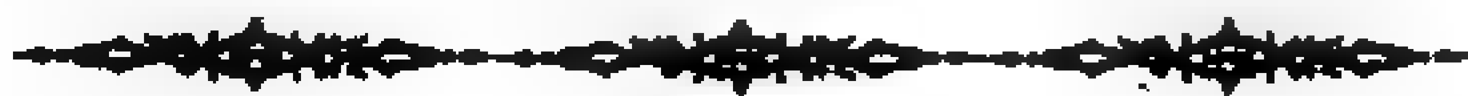
ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سُنی تو دوبارہ بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے اللہ! تیرا ہر حال میں شکر ہے، تیری رضا میں میری رضا شامل ہے۔ حضرت زینب دوبارہ بیوہ ہو گئیں مگر صبر و شکیبائی کا دامن پھر بھی نہ چھوڑا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۳۰ سال تھی۔ اب ان کی قسمت کا ستارا ایسی بلندی پر پہنچنے والا تھا کہ اس سے بڑی بلندی کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس شاکر و صابر بندی کے اعزاز میں کاشانہ نبوت لکھا تھا۔ چناں چہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھیجا تو انھوں نے قبول فرمالیا۔

اس طرح ہجرت کے اکتیسویں مہینے کی ابتدا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما کر ان کے سر پر ام المؤمنین کا تاج بھی سجا دیا یہ ایسا اعزاز تھا جس کی وجہ سے آپ کے ماضی کے تمام دکھ درد ختم ہو گئے۔ خوشی و مسرت کے شادیانے بجنے لگے۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں عربیہ غیر قریشیہ زوجۂ محترمہ تھیں۔ جب آپ کاشانہ نبوت میں آئیں تو تین ازواج مطہرات موجود تھیں۔ نبی کریم کے ساتھ ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا آٹھ مہینے تک رہیں اور ہجرت کے انتالیسویں مہینے کی ابتدا میں ربیع الآخرہ کو ۳۰ برس کی عمر میں آپ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں صرف ماہ رہیں اس کے بعد وفات ہوئی۔

بہ ہر حال اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا وصال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی ہی میں ہوا اور مدینۂ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سب سے پہلے اِن ہی کی وفات ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ کے تینوں بھائیوں نے آپ کو قبر میں اتارا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات تک ان سے بے حد خوش رہے، ان کی وفات کا قلب نازک پر بڑا صدمہ گذرا۔ یہ ماں کی طرف سے ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔ ان کی وفات کے بعد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔



ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ولادت کا تاریخی پس منظر

اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقدس گھر خانۂ کعبہ کی دیواروں میں مختلف موسموں کی وجہ سے جگہ جگہ سوراخ پڑ گئے تھے۔ برسات کے موسم میں جب بھی سیلاب آتا تو ان سوراخوں میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ پچھلے سال سے یہی حالات چل رہے تھے۔ مکۂ مکرمہ میں آباد قبیلۂ قریش کے لوگوں نے کئی مرتبہ خانۂ کعبہ کی مرمت کا ارادہ کیا لیکن وہ ڈرتے تھے کہ کہیں اللہ عزوجل ناراض نہ ہو جائے اور ان پر عذاب ٹوٹ پڑے۔

اتفاق سے اسی دوران جدہ کے قریب سمندر میں سخت طوفان آیا اور یاقوم نامی ایک رومی تاجر کی کشتی اس طوفان کا شکار ہو کر ٹوٹ پھوٹ گئی۔ اور وہ جدہ کے ساحل پر آ کر سکونت پذیر ہو گیا۔ اس یاقوم نامی تاجر کو فنِ تعمیر میں مہارت حاصل تھی، قریش کو جب اس بات کی خبر ملی تو انھوں قریش کے سب سے ذہین شخص ولید بن مغیرہ اور دوسرے چند لوگوں کو اُس تاجر کے پاس بھیجا تا کہ وہ یاقوم کو خانۂ کعبہ کی تعمیر و مرمت کے بارے میں آمادہ کر سکیں۔

چوں کہ کشتی کی تباہی کے ساتھ ساتھ اس کا سارا مالِ تجارت بھی تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ اس کے پاس اس وقت روپیہ پیسہ کچھ بھی نہ تھا۔ اس لیے وہ خانۂ کعبہ کی تعمیر و مرمت کے لیے فوراً راضی ہو گیا۔ مکۂ مکرمہ میں رہنے والے ایک قبطی شخص جس کو بڑھئی اور معماری کے کام میں مہارت حاصل تھی یاقوم کی مدد کے لیے تیار کر لیا گیا۔

خانۂ کعبہ کی تعمیر و مرمت سے پہلے قریش کے قبیلوں نے آپس میں یہ طے کر لیا کہ ہر قبیلہ ایک ایک طرف کی دیوار مسمار کرے لیکن ان میں کسی کو بھی ہمت نہ ہوئی۔ سب ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے کہ دیکھیں پہل کون کرتا ہے؟ انھیں شدید خوف اور اندیشہ تھا کہ کعبہ کی دیواروں کو شہید کرنے پر خداوند قدوس سخت ناراض ہو گا اور پھر اُن کا دنیا و آخرت میں کہیں بھی ٹھکانہ نہ رہے گا۔

ہر طرف خوف اور خاموشی طاری تھی۔ ولید بن مغیرہ ڈرتے سہمتے آگے بڑھا آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ رکن یمانی کے پاس پہنچا اور دھیرے سے رکن یمانی کے ایک حصے کو منہدم کر دیا۔ اس وقت اس کی حالت بڑی غیر تھی۔ خوف کے مارے اُس کی جان نکلی جا رہی تھی اس کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ موت کے منہ میں ڈھکیلا جا رہا ہو۔ ولید بن مغیرہ نے جب رکن یمانی کے پاس کے حصے کو مسمار کر دیا تو سب لوگ بُری طرح ڈر گئے اور اس کام کو جوں کا توں روک کر اپنے اپنے گھروں کی طرف چل پڑے۔ لوگوں کو سخت اندیشہ تھا کہ اب ولید کو سخت سزا ملے گی۔

دوسرے دن صبح سویرے تمام لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکلے تا کہ ولید کا حال دریافت کریں کہ اس کے ساتھ رات میں کیا بیتی؟ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ ولید بن مغیرہ تو صحیح سلامت ہے تو ان کا خوف اور ڈر ایک پل میں دور ہو گیا۔ اب لوگوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ ادب کے ساتھ کعبے کی دیواریں شہید کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ہر قبیلہ اس کام کو اپنے لیے ایک بڑی خوش نصیبی سمجھ کر بڑے جوش و خروش سے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر رہا تھا۔

کعبے کی دیواروں کی مسماری کے بیچ ایک بہت بڑا پتھر نمودار ہوا جس پر کدال اور پھاوڑے کا کچھ بھی اثر نہ ہوا، اس پتھر کو لوگوں نے سنگِ بنیاد قرار دیا۔ مکۂ مکرمہ کے آس پاس کی پہاڑیوں سے نیلے پتھر اکٹھا کر کے کعبے کی تعمیر و مرمت شروع کی گئی۔ جب دیواریں کافی بلند ہو گئیں تو خیال آیا کہ حجر اسود کو اس کی پرانی جگہ پر لگا دیا جائے۔ قریش کا ہر قبیلہ اس بات کا خواہش مند تھا کہ حجر اسود کو دوبارہ نصب کرنے کی سعادت اُسے نصیب ہو۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا قبیلہ بنی عبدالدار اور بنی عدی نے یہ عہد کر لیا کہ ہم کسی دوسرے قبیلے کو حجر اسود لگانے نہیں دیں گے۔ بنی عبدالدار کا یہ عہد صرف زبانی نہیں تھا بل کہ وہ خون سے بھرا ہوا ایک برتن لائے اور اس میں ہاتھ ڈال کر اپنے عہد کو دہرایا۔ اس واقعہ کے بعد سے عبدالدار کا لقب لعقۃ الدم یعنی خون چاٹنے والا پڑ گیا۔

ہر قبیلے کے لوگوں کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں اور وہ ایک دوسرے کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وقت بڑا نازک ہو گیا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ کسی بھی وقت کوئی بہت خطرناک واقعہ پیش آ سکتا ہے۔

اس جھگڑے فساد کو ختم کرنے کے لیے قریش کے کئی سرکردہ لوگ اکٹھا ہوئے کہ اس معاملے کو کس طرح حل کیا جائے۔ ابوامیہ بن مغیرہ مخزومی قریش کے تمام قبیلوں میں بڑا اور عقل مند تسلیم کیا جاتا تھا، اس نے مشورہ دیا کہ:

اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اس شخص کو ثالث مانو جو صفا کے دروازے سے کل صبح سویرے سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہو۔

ابوامیہ بن مغیرہ مخزومی کی اس تجویز سے قریش کے سب ہی قبائل نے اتفاق کیا۔ اس کے ساتھ ہی تلواریں نیام میں چلی گئیں اور سب ایک طرف ہٹ کر اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ دیکھیں کل صبح سویرے کون شخص ادھر آتا ہے۔

یہ رات قریش کے لوگوں کے لیے ایک بڑی رات ثابت ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ رات گزر رہی نہیں رہی ہے۔ بڑی آہستہ آہستہ رات گزرتی رہی کہ اچانک منہ اندھیرے لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص بڑے وقار اور متانت سے چلا آ رہا ہے اور پھر وہ صفا کے دروازے سے کعبۃ اللہ میں داخل ہوا۔ لوگوں نے دیکھا تو بیک زبان چلا اٹھے۔ یہ امین ہے۔ یہ صادق ہے۔ ہم اسے خوشی خوشی اپنا ثالث مانتے ہیں۔

یہ عظیم ہستی ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور کعبۃ اللہ کی تعمیر کا یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا ہے۔ قریش کے بزرگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری صورت حال عرض کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سخت انداز کو فوراً بھانپ لیا کہ ان کی مرضی کے خلاف اگر کوئی بھی بات ہوگئی تو دوبارہ تلواریں نیاموں سے نکل آئیں گی۔ آپ نے حالات کی نزاکت کے اعتبار سے فرمایا: ایک چادر لاؤ۔

چناں چہ اس وقت لوگوں نے چادر لا کر دے دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس ہاتھوں سے حجر اسود کو اٹھایا اور اُس چادر کے بیچوں بیچ رکھ دیا، پھر ارشاد فرمایا: ہر قبیلے کے کچھ لوگ اس چادر کا ایک ایک گوشہ پکڑ کر اٹھائیں۔

سب نے ایسا ہی کیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حجر اسود کو اپنے مبارک ہاتھوں سے اُس کے اصل مقام پر رکھ دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ اتنا صحیح اور دانش مندانہ تھا کہ قریش کے ہر قبیلے کا ایک ایک فرد خوش ہوگیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے حجر اسود کو اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہا وسلم ہاتھوں لگوا دیا۔ بعثتِ مبارکہ سے پہلے قریش کے تمام قبیلوں نے آپ کی امانت اور صداقت کی گواہی دی۔

بنی عبدالدار نے اس معاملے میں جو تیور دکھایا وہ بڑا سخت گیر تھا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بصیرت افروز اور مدبرانہ فیصلے کی وجہ سے ایک بڑا خونی ٹکراؤ ٹل گیا۔ اسی دوران بنی عدی کے ایک گھرانے میں زینب زوجہ عمر بن خطاب نے ایک خوب صورت بچی کو جنم دیا۔ اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آج سے بائیس سال بعد اس بچی کو اتنا بڑا اعزاز حاصل ہوگا کہ قیامت تک پیدا ہونے والے مومنوں کی گردنیں اس کے سامنے ادب سے جھک جائیں گی۔ یہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اور ام المؤمنین کے لقب سے سرفراز ہوں گی۔ اسی بچی کو اسلامی تاریخ میں حضرت سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے نام سے جانا جاتا ہے۔

نام و نسب اور والدین

ام المؤمنین حضرت سدیہ حفصہ رضی اللہ عنہا امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خلیفہ تھے۔ ان کا نام حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما تھا۔ ان کی نسبت قرشیہ عدویہ ہے، اور ان کی والدہ زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح تھیں۔

زمانۂ جاہلیت میں قریش نے مکۂ مکرمہ میں نظم و نسق قائم رکھنے اور انتشار و افتراق کو ختم کرنے کے لیے آپس میں مختلف قبیلوں کو الگ الگ ذمہ داریاں تقسیم کر رکھی تھیں۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے بنی عدی کے پاس سفارت کا عہدہ تھا۔ یہ وہ قبیلہ تھا جس کا سلسلۂ نسب دسویں پشت میں لوی پر جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا تھا۔ اگر کسی دوسرے قبیلے کو قریش کے ساتھ کوئی سیاسی معاملہ پیش آجاتا تو بنی عدی کے لوگ ہی بہ حیثیت سفیر معاملات طے کرتے تھے۔ مکۂ مکرمہ میں ثالثی کے فیصلے اسی قبیلے کو انجام دینا پڑتے تھے، اسلام سے پہلے مکۂ مکرمہ میں ثالثی اور سفارت کا منصب ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والدِ گرامی امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اندر معاملہ فہمی، دور اندیشی، تدبر، فصاحت و بلاغت، عدل و انصاف کی خصوصیات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ قریش کے تمام قبیلوں

میں آپ کی شخصیت سب سے ممتاز تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شمار قریش کے ان سترہ افراد میں ہوتا تھا۔

جس طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دسویں پشت پر جاملتا تھا اسی طرح ماں حضرت زینب بنت مظعون کی طرف سے ان کا نسب آپ سے کعب میں جاملتا ہے۔

اُن دنوں یوں تو دینِ ابراہیمی معدوم ہو چکا تھا اور بیت اللہ شریف میں بت پرستی عروج پر تھی۔ کعبۃ اللہ میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ ان حالات کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین سے ناواقف نہیں تھا۔ زید بن عمرو بن نفیل جو کہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والدِ محترم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ یہ زمانہ جاہلیت کے وہ پہلے شخص تھے جن کو کفر وشرک کے اندھیروں میں توحید کی روشنیاں دکھائی دیں اور انھوں نے پکار کر کہا کہ :اے اللہ! مَیں تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ مَیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر ہوں۔ اور پھر قریش سے یوں مخاطب ہوئے: اے قریش! اللہ کی قسم میرے سوا تم میں کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم نہیں۔

وہ بتوں کے نام پر قربان کیے گئے ذبیحے نہیں کھاتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کے بڑے سخت مخالف تھے۔ وہ لوگوں کو بت پرستی ترک کرنے کی تلقین کرتے۔ ان کا چچا خطاب بن نفیل اپنے بھتیجے کے اس رویے سے سخت ناراض تھا اور اس کا دشمن بن گیا تھا۔ اور انھیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا شروع کردی، یہاں تک کہ جب زید بن عمرو بن نفیل یہ مصائب برداشت نہ کر سکے تو ہجرت کر کے حرا میں جا کر رہنے لگے۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ انہی زید بن عمرو بن نفیل کے چچازاد بھائی تھے اس لیے ان کے کانوں میں توحید کی آواز پڑ چکی تھی۔ چوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فطرت بڑی سلیم تھی اور وہ دور اندیش، عقل مند اور پڑھے لکھے شخص تھے اس لیے وہ راہِ حق پر آگئے۔ نیک کاموں کی طرف ان کی رغبت بڑھ گئی اور وہ اللہ کی رضا و خوشنودی کے متلاشی رہنے لگے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہوتے اُن کے گھر میں اسلام داخل ہو چکا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے افراد میں سب سے پہلے زید بن عمرو بن نفیل کے بیٹے حضرت سعید بن زید نے اسلام قبول کیا اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ بنت خطاب سے ہوا تو وہ بھی اسلام میں داخل ہو گئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلانِ نبوت فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ستائیس سال کے تھے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مرادِ رسول بن کر اسلام کے دامن میں آئے اور اپنے سارے خاندان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار غلام بن گئے۔

تعلیم وتربیت

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش جس گھریلو ماحول میں ہوئی۔ اس نے ان کے اَخلاق و کردار اور طبیعت و

مزاج کو بڑا نکھارا۔ اُن کے اندر بے خوفی اور بے لوثی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ والدِ گرامی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خصوصی طور پر ان کی تربیت فرمائی۔ انھیں اس زمانے کے اعتبار سے ضروری علوم و فنون سکھائے۔ چوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود ایک ایسے تعلیم یافتہ مدبر اور دانش ور شخص تھے جن کو زمانۂ جاہلیت میں سفارت کا عہدہ حاصل تھا۔ وہ قریش کے سترہ پڑھے لکھے افراد میں سے ایک اہم شخص تھے۔ اس لحاظ سے بھی انھوں نے اپنی اولاد کی بڑی خوش اسلوبی سے تربیت فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے اندر صاف گوئی اور یک رنگی نمایاں تھی۔ جرات و بے باکی آپ کے ایک ایک انداز سے ظاہر ہوتی تھی۔[1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اعلانِ نبوت کے چھٹے سال میں اسلام قبول کیا۔ انھوں نے تنہا اسلام نہیں لایا بل کہ اسی دن اپنے پورے خاندان کو بھی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں دے دیا تھا۔ اُس وقت ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عمر دس سال تھی۔ چناں چہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تربیت دائرۂ اسلام میں آنے کے بعد مزید تیزی سے اور احسن طریقے سے ہوئی۔ حتیٰ کہ آپ نے پڑھنا لکھنا بھی سیکھا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح

بنوسہم میں سے ایک صحابی حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے تھے۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح انھیں بھی کفار و مشرکین نے طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دیں، لیکن حق کے اس جاں نثار نے ان مصائب و آلام کو ہنس کر برداشت کیا۔ لیکن جب دوسری مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حبش کی طرف ہجرت کی اجازت عطا فرما دی تو یہ بھی اُن مہاجرین میں شامل ہو گئے۔ یہ مہاجرین وہاں آزادی سے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے بڑے سکون سے دن گزارتے رہے اور پھر کچھ عرصہ بعد واپس مکۂ مکرمہ آ گئے۔

اُن دنوں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عمر اتنی ہو چکی تھی کہ اب اُن کی شادی کر دینی چاہیے تھی۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کے لیے حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ دونوں کی شادی کر دی گئی اور وہ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

مدینۂ منورہ ہجرت

اعلانِ نبوت کے بعد مکۂ مکرمہ کے کفار و مشرکین نے مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانا شروع کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جاں نثار غلام اُن دشمنانِ اسلام کے ہر ستم کو ہنس ہنس کر گوارا کرتے رہے اور اُف بھی نہ کی۔ اللہ عزوجل کے حکم پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت کے تیرہویں سال اپنے جاں نثاروں کو مکۂ مکرمہ سے مدینۂ منورہ ہجرت کر جانے کی اجازت عطا فرمائی تو تب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنا وطن چھوڑا۔ اس دوران بھی مکہ کے کفار و مشرکین نے ہجرت

کے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کی۔ چناں چہ مسلمان عام راستے سے ہٹ کر مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن جب ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو بڑی شان وشوکت سے مکۂ مکرمہ کو خیر باد کیا۔ گلے میں تلوار لٹکالی، اپنے پہلو میں نیزہ باندھا، پیٹھ پر ترکش لگایا، ہاتھ میں کمان لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھے خانۂ کعبہ کی طرف گئے۔ اس وقت کفار ومشرکین کا جتھا وہاں الگ الگ گروہوں کی شکل میں موجود تھا۔

ہجرت کے سفر پر روانہ ہوتے وقت ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت عمر فاروق بن خطاب رضی اللہ عنہ سب سے پہلے بیت اللہ میں داخل ہوئے اور خانۂ کعبہ کا سات بار طواف کیا۔ پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد کفار ومشرکین کی طرف لپکے اور ببانگ دہل یہ خطاب فرمایا:

تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں، تمہاری ناک خاک آلود ہو، جو شخص چاہتا ہے کہ اپنی ماں کو اپنے پیچھے روتا ہوا چھوڑے۔ اپنی بیوی کو بیوہ بنائے اور اپنے بچوں کو یتیم ہونے دے وہ حرم کے باہر آکر مجھ سے جنگ کرلے۔ میں ہجرت کر کے مدینہ جا رہا ہوں۔ اگر کسی میں دم خم ہو تو مجھے روک کر دکھائے۔

اتنا خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے آس پاس نظر ڈالی۔ جہاں مختلف گروہوں میں کفار ومشرکین بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر ان میں کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ اپنی زبان سے کوئی جملہ نکالے یا آگے بڑھ کر انھیں روکنے کی جرات کر سکے۔ ایسا لگتا تھا جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہے۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ حرم شریف سے باہر تشریف لائے۔ اسی دوران مکہ میں ٹھہرے ہوئے مسلمانوں کو اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ آج حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں۔ لہٰذا ایسے کمزور مسلمان جو کفار ومشرکین کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ سب بھی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی غرض سے آکر مل گئے۔ ان مہاجرین کی تعداد بیس ہو گئی۔ ان لوگوں میں ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ، ان کے شوہر حضرت خنیس بن خذافہ، ان کے چچا حضرت زید بن خطاب اور پھوپھا حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم جیسی بلند مرتبہ شخصیات بھی تھیں۔

یہ مختصر سا قافلہ مدینۂ منورہ کی طرف رخصت ہوا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے رعب وجلال اور ہیبت ودبدبہ کا وہ عالم تھا کہ کفار ومشرکین خاموشی سے انھیں جاتے دیکھتے رہے کسی میں کوئی ہمت وجرات نہ ہوئی کہ انھیں روک سکے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ نورانی قافلہ سفر کی مشکلات اور پریشانیوں کو سہتا ہوا بعض جگہوں پر قیام کرتے ہوئے چلتا رہا۔ چند دنوں کے بعد یہ لوگ مدینۂ منورہ کے قریب قبا میں پہنچے اور وہیں رہنے لگے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت خنیس رضی اللہ عنہ کی شہادت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اعلانِ نبوت کے تیرہویں سال صفر کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رات کے اندھیرے میں اپنے

پیارے دوست حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے لیے روانہ ہوئے۔ غارِ ثور میں تین دن قیام فرمانے کے بعد ربیع الاول بروز اتوار رات میں مدینہ جانے کے لیے نکلے۔ اور ربیع الاول پیر کے روز قبا تشریف لائے۔ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن قیام فرمایا اور پھر مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ جمعہ کے روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ی داخل ہوئے یہ دن مدینہ کے لوگوں کے لیے کسی عید سے کم نہ تھا۔ وہاں کے لوگ خوشی و مسرت کے ترانے گنگنا رہے تھے، وجد کر رہے تھے، بنو نجار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر استقبالیہ گیت گا رہی تھیں۔ ہجرت کے بعد اسلام کا یہ نیا انقلابی دور شروع ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے ہجرت تک قریش کے لوگوں نے پوری شد و مد کے ساتھ اسلام کی مخالفت کی توحید و رسالت کے متوالوں اور شیدائیوں کو مارا پیٹا ستایا اور طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ مدینہ منورہ کے یہودیوں نے جب اسلام کی مقبولیت دیکھی تو وہ بھی چراغ پا ہو گئے اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔

امنِ عالم کے داعی رحمتِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی جنگ و جدال اور خوں ریزی سے اجتناب برتا۔ ہاں! جب بھی موقع پیش آیا اور مخالفین کو سبق سکھانا ضروری معلوم ہوا تو اس وقت آپ نے جنگ کی۔

مکہ مکرمہ کے کفار و مشرکین نے ایک لشکر تیار کر کے مدینے کی طرف چڑھائی کی۔ یہاں بھی مسلمانوں نے اپنا ایک مختصر فوجی دستہ تیار کر لیا تھا۔ چناں چہ اسلامی تاریخ کی پہلی جنگ میدانِ بدر میں ہوئی جسے جنگِ بدر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ وہ رمضان المبارک کی سترہ تاریخ اور سنہ ہجری دو تھا جب معرکۂ بدر پیش ہوا۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کے شوہر حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی اس مقدس معرکے میں شریک ہوئے۔ بڑی جرأت و بہادری کو مظاہرہ کیا۔ دشمنوں کے چھکے چھڑا دیے، خوب جم کر لڑے۔ دشمنوں کو مارا بھی اور خود بھی زخم کھائے آخر کار زخموں سے چور چور ہو گئے۔ اسی حالت میں انھیں مدینہ منورہ واپس لایا گیا جہاں انھوں نے غزوۂ بدر کے زخموں کی وجہ سے شہادت کا جام نوش کیا۔ اس وقت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عمر اکیس سال تھی۔

غزوۂ بدر ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے بنی عدی کے لیے بڑے اعزاز و اکرام اور خصوصیت کا سبب بنا۔ جیسے:

☆ جنگ سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مشرکوں کے پاس بات چیت کے لیے بھیجا گیا تا کہ جنگ سے پہلے حجت قائم ہو جائے۔ انھوں نے جا کر کہا: تمہارے ساتھ ہماری خونی رشتے داریاں اور تعلقات ہیں۔ تمہارا ہمارے ساتھ لڑنا غیر مناسب ہے۔ بہتر ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات سُن کر ابو جہل نے کہا: یہ بات ہمیں قطعی منظور نہیں۔ ہم تم سے ضرور بدلہ لیں گے۔ اس کے بعد جنگ کا آغاز ہوا۔

☆ دشمنوں کی فوج میں مکہ کے ہر قبیلے کے نمائندے شامل تھے لیکن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کے قبیلے کا کوئی بھی

فرد اُس میں نہیں تھا جس نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ہو۔

☆ مسلمانوں کی طرف مہاجرین میں ہر قبیلے کے افراد موجود تھے۔ اُن میں بنی عدی کے لیے یہ امتیاز تھا کہ اس قبیلے کے چودہ افراد تھے جنھوں نے ہمت و بہادری اور جرات و جواں مردی کا جو مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ تھا۔

☆ جنگِ بدر میں جس مسلمان مجاہد کا سب سے خون بہا وہ حضرت مہجع رضی اللہ عنہ تھے۔ جن کا تعلق بھی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے بنی عدی سے تھا۔

☆ اسی معرکہ بدر میں ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت پیا اور بارگاہ خداوندی میں مقبولیت حاصل کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حفصہ سے نکاح

غزوۂ بدر میں حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پہلے شوہر حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اس وقت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عمر شریف اکیس سال تھی۔ جب عدت کی مدت ختم ہو گئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہا کو اپنی جوان بیٹی کے نکاح کی فکر ہونے لگی۔ وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد حضرت حفصہ (رضی اللہ عنہا) کا گھر دوبارہ آباد ہو جائے۔ چناں چہ اپنی جوان اور بیوہ بیٹی کے لیے نیک اور صالح اور خوش سلیقہ شوہر کی تلاش شروع کر دی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما چکی تھیں۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف گیا۔ اس خیال سے انھیں یک گونہ مسرت اور تسکین حاصل ہوئی اور وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملنے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ یہاں پہنچ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: مَیں آپ کے پاس ایک مقصد کے لیے آیا ہوں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا: کہو! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس پر کہنا شروع کیا: تم جانتے ہو کہ میری بیٹی حفصہ بیوہ ہو چکی ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تم اس سے نکاح کر لو۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: مَیں کچھ دن سوچ کر جواب دوں گا۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ انھیں اپنے ساتھی پورا بھروسہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس رشتے کو قبول کر لیں گے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اُن سے پوچھا کہ: کیا سوچا ہے تم نے حفصہ (رضی اللہ عنہا) کے بارے میں؟ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: میرا فی الحال شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سُن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ملال ہوا۔ انھیں یہی فکر تھی کہ جلد سے جلد حضرت حفصہ (رضی اللہ عنہا) کا گھر دوبارہ بس جائے۔ ان ہی سوچوں میں محو تھے کہ انھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خیال آیا اور وہ اُن کے مکان پر پہنچ گئے۔ یہاں بھی پہنچ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے آنے کا مقصد بتایا اور کہا کہ: تم تو جانتے

ہو کہ حفصہ بیوہ ہو چکی ہے اس لیے اس سے شادی کر لو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ اسی طرح خاموشی میں کچھ لمحے گذر گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ اپنی بیوہ اور جوان بیٹی کی فکر لیے ہوئے آخر کار ایک دن اُس بارگاہِ عظمت نشان میں پہنچے جہاں ہر دکھی دل کی نہ صرف سنی جاتی ہے بل کہ اُس کی بگڑی بھی بنائی جاتی ہے۔ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عریضہ پیش کیا: یارسول اللہ! میں نے حفصہ (رضی اللہ عنہا) سے شادی کے لیے عثمان (رضی اللہ عنہا) سے کہا تو انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے اس سلسلے میں بات چیت کی تو وہ خاموش ہی رہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس طرح جوان بیوہ بیٹی کے لیے فکر مند دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فکر نہ کرو! حفصہ (رضی اللہ عنہا) کی شادی اس شخص کے ساتھ ہوگی جو (حضرت) ابوبکر اور (حضرت) عثمان غنی (رضی اللہ عنہم) سے افضل ہے اور عثمان (رضی اللہ عنہ) کی شادی اس خاتون سے ہوگی جو حفصہ (رضی اللہ عنہا) سے بہتر ہے۔

آقائے کائنات مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سُن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بے قرار دل کو سکون حاصل ہو گیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس جاں نثار صحابی سے فرمایا: اے عمر! تم اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خوشیوں اور مسرتوں کا ستارا اوجِ ثریا پر پہنچ گیا۔ اس کے چند روز بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار سو درہم مہر کے بدلے کر دیا۔ اس طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ بن کر ام المؤمنین کے لقب سے سرفراز ہوئیں۔ یہ نکاح شعبان المعظم کے مہینے ھ میں ہوا۔ اس وقت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عمر تقریباً سال تھی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دوست حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور کہا: اے عمر! جب تم نے اپنی بیٹی حفصہ (رضی اللہ عنہا) کا رشتہ پیش کیا تو عثمان (رضی اللہ عنہ) کے انکار اور مری خاموشی پر یقیناً تمہیں دکھ پہنچا ہوگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں! اور پھر بولے: مجھے عثمان (رضی اللہ عنہ) کے انکار پر اتنا رنج نہیں پہنچا جتنا تمہاری خاموشی پر۔

اس بات پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اے عمر! اگر تم کو حقیقت کا پتا چلے گا تو تمہاری خوشیوں کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حفصہ (رضی اللہ عنہا) کا ذکر کیا تھا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے نکاح کرنے کا ارادہ نہ فرماتے تو میں اس کے لیے تیار تھا۔ یہ بات سُن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرطِ مسرت سے جھوم اٹھے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کاشانۂ نبوت میں

جب حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہ ام المؤمنین کے شرف سے سرفراز ہوکر کاشانۂ نبوت میں داخل ہوئیں تو اس وقت دو ازواجِ مطہرات پہلے سے موجود تھیں۔ ایک حضرت سیدہ سودہ بنت زمعہ اور دوسری سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جاں نثار صحابی حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے کئی مکانات بالکل مسجد نبوی سے لگ کر تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاتون سے نکاح فرماتے تو یہ جاں نثار صحابی اپنا مکان خالی کر دیتے اور بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نذر کر دیتے۔ اس طرح انھوں نے ایک کے بعد ایک اپنے تمام مکانات سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نچھاور کر دیے۔ ان مکانات میں چار مکان پکی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے اور پانچ مکان گارے اور کھجور کی شاخوں کے تھے۔ شادی کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو جس مکان میں رکھا گیا وہ مشرقی جانب تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے درمیان جو باہمی محبت و الفت تھی، اُس کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابو بکر اور حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہم کے آپس میں بڑے محبت آمیز رویے تھے اور وہ دونوں ایک دوسرے سے بے حد قریب تھیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سات سال کے لگ بھگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں۔ آپ چوں کہ غیظ المنافقین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں اس وجہ سے بھی آپ کے مزاج میں جسارت بھی تھی اور نکتہ سنجی و نکتہ آفرینی بھی۔ ساتھ ہی کسی سے سوال کرنے اور بات کا جواب دینے سے ہچکچاتی بھی نہیں تھیں۔ آپ بڑے ذوق وشوق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنتی تھیں۔ انھیں سمجھتیں اور اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیتی تھیں۔ کبھی کسی مسئلہ میں کوئی مشکل پیش آتی تو اس کو دور کرنے میں دیری نہیں دکھاتی تھیں ۔ بل کہ اس کو پہلے تو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کرتیں اگر نہ سمجھ پاتیں تو بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس مشکل کا اظہار کر دیتیں تا کہ وضاحت ہو جائے اور کسی بھی طرح کا کوئی شک باقی نہ رہے۔

حضرت ام مبشر انصاریہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ: میں حفصہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس بیٹھی تھی، اسی دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان شآء اللہ جو اہل ایمان غزوۂ بدر میں شریک تھے اور جنھوں نے مجھ سے (حدیبیہ کے موقع پر) درخت کے نیچے بیعت کی وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔

یہ سن کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو تعجب ہوا اُن کے ذہن میں طرح طرح کے سوالات ابھرنے لگے۔ اپنی عادت کریمہ کے مطابق پہلے تو کافی غور وخوض کیا، لیکن جب اس فرمان کی تشریح نہ کر سکیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ کر سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (یعنی: اور تم میں ایسا کوئی نہیں جس کا گذر دوزخ پر نہ ہو، سورۂ مریم آیت) جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے تو آپ نے یہ کیسے فرمادیا کہ درخت کے نیچے حدیبیہ کے موقع پر بیعت کرنے والے دوزخ میں نہ جائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے آگے یہ بھی تو فرمایا ہے ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ

اتَّقَوْا وَ نَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا (یعنی: پھر ہم ڈر والوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں چھوڑ دیں گے گھٹنوں کے بل گرے، سورۂ مریم آیت) اس آیت میں پل صراط کا ذکر ہے جو دوزخ کی پشت پر قائم ہے۔ سب کو اس پر سے گزرنا ہوگا۔ پرہیز گار اور نیک بندے اپنے اعمال کے لحاظ سے جلدی یا آرام سے پل صراط سے گذر کر جنت میں پہنچ جائیں گے اور کافر کٹ کر اس میں ہمیشہ کے لیے گر جائیں گے اور پار نہ ہو سکیں گے۔ اسی طرح وہ مسلمان جو اپنے گناہوں کی وجہ سے اس میں گریں گے اُن کو اللہ تعالیٰ معاف فرما کر جنت میں بھیجے گا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا اس طرح سوال کرنا بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی خصوصی تربیت اور قرآن لکھنا

حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کی جو تربیت فرمائی اس کی ایک ہلکی سی جھلک پیچھے گذر چکی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خاندان کو عرب کے قبیلوں میں یہ امتیازی حیثیت حاصل تھی کہ یہ خاندان بڑا دور اندیش، معاملہ فہم، نکتہ آفریں، زورِ خطابت اور فصاحت و بلاغت میں مشہور تھا۔ یہ خصوصیات ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ورثے میں پائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے واقف تھے اس لیے انھوں نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے کاشانۂ نبوت میں آنے کے بعد اُن کی مزید تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام فرمایا۔ مسند احمد بن حنبل کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیہ حضرت شفا بن عبداللہ عدویہ رضی اللہ عنہا کو جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اس بات پر مامور فرمایا کہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ چناں حضرت شفا رضی اللہ عنہا نے انھیں لکھنا پڑھنا سکھایا اور زہریلے کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے کا دم بھی بتایا۔ بہت جلد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنے میں مہارت حاصل کر لی۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا دین میں بڑی مخلص، ایمان و یقین میں پختہ، زہد و ریاضت میں ہمہ وقت مصروف، محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبی ہوئیں، وفا شعار، اطاعت گزار، شب بیدار، کثرت سے روزے رکھنے والی اور دین کے احکام کو پورے اہتمام کے ساتھ مکمل کرنے والی خاتون تھیں۔

چوں کہ آپ نے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا تھا ایک مرتبہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصوں پر مشتمل کوئی کتاب کہیں سے مل گئی تو وہ اس کتاب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنے لگیں۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میرے موجود ہوتے ہوئے بھی تم میں حضرت یوسف علیہ السلام آ جائیں تو تم مجھے چھوڑ کر ان کے پیچھے لگ جاؤ گے اور گمراہی کا راستہ اختیار کر لو گے۔ حال آں کہ میں تمام نبیوں میں سے تمہارا نبی ہوں اور تمام امتوں میں سے تم میری اُمت ہو۔

جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے پڑھیں تو کتاب فوراً چھوڑ دی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کو ناراض نہیں دیکھ سکتی۔

بعض محدثین اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ دراصل بات یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات پر مشتمل جو

کتابیں بھی اس زمانے میں ملتی تھیں وہ سب یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے گھڑی ہوئی تھیں۔ اللہ جل شانہ نے سورۂ یوسف نازل فرما کر اُمت کی صحیح رہنمائی فرمادی۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم انبیائے سابقہ علیہم السلام سے متعلق جو بھی باتیں اور واقعات پڑھنا چاہیں تو وہ قرآن کریم کی مستند تفسیروں سے ہی پڑھیں تاکہ غلط سلط روایات سے ہم دور رہیں۔

ازواجِ مطہرات کے ذریعے معاشرتی اصلاح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بھی نکاح ہوئے وہ سب حکمت و موعظت سے خالی نہیں تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عورتوں کے ساتھ شادی فرمائی اُن کے ذریعے سے عرب معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کو دور کرنے کا درس بھی دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے امت کی عورتوں کے مسائل ہمیں معلوم ہوئے۔ اسی طرح دوسری ازواجِ مطہرات کے ذریعے بھی اصلاحِ نسواں کے باتیں ہم تک پہنچیں۔

دورِ جاہلیت میں عرب کے معاشرے نے مردوں اور عورتوں کے درمیان جن امتیازی رویوں کو جنم دیا تھا ان کو دور کرنے کے لیے کافی وقت درکار تھا۔ اور اس کے لیے نبی کریم ہادیٔ برحق رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی رہنمائی اور تربیت کی ضرورت تھی۔ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ معاشرے کی اصلاح جتنی ایک عورت کے ذریعہ ہوسکتی ہے وہ مرد سے نہیں ہوسکتی کیوں کہ مرد اکیلے اپنی زندگی میں انقلاب پیدا کرسکتا ہے جب کہ عورت اپنے پورے خاندان کی اصلاح کرسکتی ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کی عورتوں کی اصلاح کے لیے خصوصی طور پر امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی تعلیم و تربیت کی۔ عورتوں کے مسائل کے سلسلے مں ک امہات المؤمنین نے بھی اپنی ذمہ داری نبھائی اور جو نہ سمجھ سکیں وہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتیں۔ اسلام نے عورتوں کو بلند درجہ دیا۔ قرآن پاک میں ان کے لیے کئی آیتیں نازل ہوئیں۔ یہ اسلام ہی کی برکتیں ہیں کہ بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے کی فرسودہ اور ظالمانہ روایت ختم ہوئی۔ جب قرآن پاک نازل ہوا تو لوگوں کو عورتوں کی قدر و منزلت کا پتا چلا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حقوق و تحفظ کی خاطر بے شمار اصلاحات فرمائیں۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مکان میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے حُسنِ سلوک کا ایک منفرد اور مثالی معیار قائم فرمایا۔ انھیں اپنی رائے کے اظہار کا پورا پورا حق دیا۔ یہی وجہ ہے کہ کتابوں میں بعض ایسی روایتیں ملتی ہیں جن میں وہ اپنی ضروریات اور اپنے مطالبات پوری بے باکی اور بے تکلفی سے رسولِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیا کرتی تھیں اور معاشرتی اور دیگر معاملات میں اپنی رائے کا اظہار بلا تکلف کردیا کرتی تھیں۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں قدرے جسارت تھی۔ لہٰذا بعض مرتبہ گھریلو ماحول میں ہلکی سی تلخی پیدا ہو جاتی تھی لیکن اس مبارک و مسعود اور مثالی گھر میں جلد ہی یہ صورت حال محبت و الفت اور نرمی و ملائمت کی مٹھاس میں بدل جایا کرتی تھی۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! ہم جاہلیت کے زمانے میں عورتوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے، انھیں دبا کر رکھتے تھے۔ جب ہم مدینہ آئے تو ہمیں یہاں ایسے لوگ بھی ملے جن پر ان کی بیویاں غالب تھیں اور یہی سبق ہماری

عورتیں ان سے سیکھنے لگیں۔ ایک دفعہ کسی کام کے بارے میں مَیں کسی سے مشورہ کر رہا تھا۔ میری بیوی کہنے لگی: ایسا اور ایسا کرلو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اِس پر مَیں نے کہا: تمھیں اس بات سے کیا تعلق؟ بیوی نے جواب دیا: تعجب ہے کہ آپ اپنے کام میں کسی کی مداخلت گوارا نہیں کرتے۔ حال آں کہ آپ کی بیٹی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تکرار کرتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دکھ کا سبب بنتی ہے۔

فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہ اپنی بیوی کی یہ بات سُن کر مَیں نے چادر سنبھالی اور سیدہ حفصہ (رضی اللہ عنہا) کے مکان پر گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوئی۔ مَیں نے پوچھا: بیٹی! کیا تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تکرار کرتی اور انھیں جواب دیتی ہو جو ان کے رنج کا سبب بنتا ہے؟

بیٹی نے جواب دیا: ہاں! کیا تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب سے نہیں ڈرتی ہو جو ایسا کرتی ہو؟ اور پھر مَیں نے اس سے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی ایسی بات نہ کرنا جو اُن کی طبیعت پر گراں گذرے اور نہ ان سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا۔

ایک دن مسلمان مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز کے لیے جمع تھے لیکن کافی انتظار کرنے کے باوجود بھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے تو مسلمان بے چین ہو اٹھے۔ چناں چہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اجازت لے کر کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اجازت طلب کی اور وہ بھی بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن جمع ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تشریف فرما ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ مجھے ایسی کوئی بات کرنی چاہیے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگیں۔

چناں چہ انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر مَیں اپنی بیوی کو دیکھوں کہ وہ مجھ سے نفقہ مانگتی ہے تو مَیں اس کی گردن پر دھول مار دوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سُن کر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ سب بھی چیز مانگ رہی ہیں۔

اس پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹا اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیٹی کو ڈانٹ پلائی۔

ازواجِ مطہرات کی باہمی محبت

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ ازواجِ مطہرات میں جو باہمی محبت والفت تھی وہ تاریخ کا ایک روشن حصہ ہے۔ دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ دنیا بھر کے لیے ایک آئیڈیل اور رہنما تھا۔ اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نکاح فرمائے وہ امت کی اصلاح اور سبق ہی کے لیے تھا۔ آپ نے ازواجِ مطہرات سے جیسا برتاؤ رکھا اس کے ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویاں

آپس میں بڑی شیر وشکر تھیں، اُن کے درمیان جو خلوص ومحبت تھا وہ ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی تکلیف اور دکھ درد پر بے چین ہو جایا کرتی تھیں۔ آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتی تھیں۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت میں تمام ازواج مطہرات سرشار تھیں۔ انسانی فطرت کے مطابق کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ آپس میں معمولی شکر رنجی ہو جاتی لیکن جلد ہی وہ آپس میں گھل مل جاتیں۔ دل سے بھی اُن باتوں کو بھلا دیتیں۔

ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت سے پوچھا: کیا ہوا؟

حفصہ (رضی اللہ عنہا) نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ: اے حفصہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے کہا کہ: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہیں کیوں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تو ہیں ساتھ ہی چچازاد بہن بھی ہیں۔

اس بات سے بھی حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا رنجیدہ ہو گئیں، انھوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی جس پر آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اے صفیہ! تم نے یوں کیوں نہیں کہہ دیا کہ تم مجھ سے زیادہ پسندیدہ کیوں کر ہو سکتی ہو میرے شوہر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم)، میرے باپ حضرت ہارون علیہ السلام اور میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

شہد کا ایک واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس گھر ایسا تھا جس کی کوئی مثال اب تک نہیں پیش کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں عام عورتوں کی طرح نہ تھیں، بل کہ وہ تمام مومنوں کی مائیں ہیں۔ ان مقدس خواتین نے امتِ مسلمہ کی عورتوں سے متعلق ایسے ایسے مسائل حل کیے جو ان کے علاوہ اور کوئی حل کر ہی نہیں سکتا۔ اسی پر بس نہیں بل کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رخصت فرمانے کے بعد ان مقدس ماؤں۔ نے امت کی روحانی بیٹیوں اور بیٹوں کی جس طرح سے تعلیم و تربیت فرمائی کوئی دوسرا کر ہی نہیں سکتا تھا۔

ایک مرتبہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں، ساربان اونٹوں کو تیز تیز ہانک رہے تھے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دیکھو! یہ نازک شیشیاں ہیں۔ اس ایک جملے سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں امہات المؤمنین رضی اللہ عنھن کا کیا مقام و مرتبہ تھا۔

تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن بھی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت والفت اور عقیدت رکھتی تھیں۔ ان کی خواہش یہی رہا کرتی تھی کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ قربت نصیب ہو اور وہ اس کے لیے محبت کے ہاتھوں مجبور

تی تھیں۔ لہٰذا کبھی کبھار کوئی ایسا واقعہ ہو جاتا جو بہ ظاہر اُن کی شان کے لائق نہ ہوتا تھا۔

واقعہ یوں ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھا بہت پسند تھا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس کہیں سے شہد آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں شہد کا شربت پیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے اُن کے حجرے میں معمول سے کچھ زیادہ وقت لگ جایا کرتا تھا۔ لیکن اس دیر کی وجہ دوسری ازواجِ مطہرات کو نہ تھی۔ امہات المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت سودہ، حضرت صفیہ بنت حیی اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہن نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائیں تو وہ کہا کریں گی کہ: یارسول اللہ! آپ کے منہ سے مغافیر کی بُو آتی ہے۔ (مغافیر: ایک قسم کا گوند ہوتا ہے بعض نے کہا ہے کہ درخت کا پھل ہوتا ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں تشریف لے گئے اور سب سے ملاقات فرمانے کے بعد جب آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آئے تو دیگر ازواجِ مطہرات کی طرح انھوں نے بھی وہی بات دہرائی جو مشورے میں طے ہوئی تھی۔

اس پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے حفصہ! مَیں نے زینب بنت جحش (رضی اللہ عنہا) کے یہاں شہد پیا ہے۔ مَیں نے مغافیر نہیں کھایا۔

چوں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت نفاست پسند بل کہ نفاستوں کی بھی آبرو تھے۔ آپ کے جسمِ مبارک سے کسی بھی قسم کی بو وغیرہ نہیں آتی تھی۔ جب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی باتیں سنیں تو فرمایا کہ: اے حفصہ! اب مَیں آیندہ شہد کا شربت نہیں پیوں گا، لیکن تم اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے اس لیے منع فرمایا تھا تا کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو دکھ نہ پہنچے، کیوں کہ نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات سے کبھی کسی کو دکھ اور تکلیف نہیں پہنچتی تھی۔

یہ باہمی مشورہ جو امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے کیا تھا وہ اُن کی شان کے لائق نہ تھا جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ایک حلال چیز کھانے سے روک لیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ تحریم کی آیت نازل فرمادی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک زوجہ کو راز کی بات بتادی اور وہ اس نے دوسری کو بتادی۔ اس پر آیت اس لیے نازل ہوئی کہ اول تو وہ اس عظیم مرتبت رسول کی بیوی تھیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے انتہائی ذمہ داری کا کام سونپا تھا، دوم اگر کوئی بات راز نہ رہے تو تبلیغ و اشاعتِ دین جیسے بڑے مقصد کو نقصان پہنچ سکتا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرما کر راستہ روشن فرمادیا کہ آیندہ کوئی ایسی بات نہ ہو۔

واقعۂ طلاق اور رجوع (جنت میں اہلیہ ہونے کا اعزاز)

حضرت قیس بن زید رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے

دی تھی۔ جب اُن کے دونوں ماموں (قدامہ وعثمان) اُن کے پاس آئے تو انھوں نے روتے ہوئے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی دشمنی اور عیب کی وجہ سے طلاق نہیں دی ہے، یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کرلیا۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے جبریل امین (علیہ السلام) نے نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ حفصہ کو اپنے نکاح ہی میں رکھیے اور جبریل امین کہتے ہیں کہ یہ انتہائی عبادت گزار اور کثرت سے روزے رکھنے والی ہے اور جنت میں بھی آپ کی اہلیہ ہوں گی۔

علامہ ابن عبدالبر نے حضرت عمار بن یاسر سے روایت کردہ حدیث نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبریل امین علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اسے طلاق مت دو اس لیے کہ یہ انتہائی زہد و تقویٰ والی اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر سختی سے عمل کرنے والی، عبادت گزار، کثرت سے روزے رکھنے والی اور جنت میں بھی آپ کی اہلیہ ہوں گی۔

بعض شارحین حدیث کہتے ہیں کہ ممکن ہے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق نہ دی ہو بل کہ صرف ارادہ ہی فرمایا ہو اور معاملہ جو بھی رہا ہوگا اُس کو دیکھ کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور دیگر حضرات نے یہ سمجھ لیا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی۔ جیسا کہ اوپر درج کی گئی روایت میں بیان ہوا ہے۔ جبریل امین علیہ السلام نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنا دیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہا کہ یہ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوں گی تو لوگوں نے سمجھا ہوگا کہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع فرمالی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور روایتِ حدیث

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ایک پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ آپ بہت ذہین اور اعلیٰ قوتِ حافظہ کی حامل تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جو سنتیں اسے یاد کرلیا کرتی تھیں۔ حدیث کی کتابوں میں آپ سے ساٹھ حدیثیں ہی منقول ہیں۔ جن میں چار متفق علیہ ہیں۔ چھ صرف صحیح مسلم شریف میں ہیں اور باقی پچاس حدیثیں حدیث کی دوسری کتابوں میں ہیں۔ علمِ حدیث میں بہت سے صحابہ وتابعین ان کے شاگردوں کی فہرست میں نظر آتے ہیں۔ جن میں خود ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بہت مشہور ہیں۔

آپ سے روایت کردہ چند حدیثیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔ ام المؤمنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

(۱) مؤذن اذان دے کر بیٹھ جاتا تھا اور صبح شروع ہو جاتی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز باجماعت سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ جاندار ایسے ہیں جن کے ہلاک کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں (۱) کوا (۲) چیل (۳) چوہا (۴) بچھو (۵) کاٹنے والا کتا۔

(۳) حضرت حفصہ فرماتی ہیں کہ مَیں نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا بات ہے کہ لوگوں نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا ہے اور آپ نے احرام نہیں کھولا؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَیں نے اپنے سر کے بالوں کو خطمی وغیرہ سے جمالیا ہے اور اپنے قربانی کے جانور کے گلے میں قلادہ ڈال رکھا ہے اس لیے مَیں جب تک قربانی نہ کرلوں احرام نہیں کھول سکتا۔

(۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ سے کھاتے پیتے تھے، اور لباس بھی پہلے دائیں سمت سے پہنتے تھے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان المعظم کے مہینے ۴۵ھ میں مدینہ منورہ کے اندر وفات پائی۔ جب کہ آپ کی عمر شریف ۶۰ یا ۶۳ برس کی تھی۔ اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ تھا اور مروان بن حکم مدینے کا حاکم تھا اسی نے نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک ان کے جنازے کو بھی اٹھایا، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قبر تک جنازہ کو کاندھا دیے چلتے رہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے دونوں بھائی حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہم اور ان کے تین بھتیجے حضرت سالم بن عبداللہ و حضرت عبداللہ بن عبداللہ اور حضرت حمزہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم نے ان کو قبر میں اتارا اور انھیں جنت البقیع میں دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ (زرقانی)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن گھریلو کام کاج کے علاوہ عبادت وریاضت اور روزے کثرت سے رکھا کرتی تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے پڑھنا لکھنا سیکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کیا کرتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو جوابات دیتے ان کو یاد کرلیتیں۔ اس طرح آپ نے امت کی روحانی ماں کی حیثیت سے ہمارے لیے بہت ساری حدیثوں کو یاد کیا۔ یہی نہیں بل کہ انھوں نے صحابہ و تابعین کو علمِ حدیث سکھایا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کی زندگی کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنانا ہمارے لیے بے حد ضروری اور دونوں جہاں میں کامیابی کا وسیلہ ہے۔

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کا نام ونسب

سودہ نام تھا، قبیلہ عامر بن لوی سے تھیں، جو قریش کا ایک نامور قبیلہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر ابن لوی، ما کا نام شموس تھا، یہ مدینہ کے خاندان بنونجار سے تھیں، انکا پورا نام ونسب یہ ہے، سشموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن فراش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجا۔

آپ کا قبول اسلام کا واقعہ

ابتدائے نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، انکے ساتھ انکے شوہر بھی اسلام لائے۔اس بنا پر انکو قدیم السلام ہونے کا شرف حاصل ہے، حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور انکے شوہر مکہ ہی میں مقیم رہے، لیکن جب مشرکین کے ظلم وستم کی کوئی انتہا نہ رہی اور مہاجرین کی ایک بڑی جماعت ہجرت کے لیے آمادہ ہوئی تو ان میں حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور انکے شوہر بھی شامل ہو گئے۔ کئی برس حبشہ میں رہ کر مکہ کو واپس آئیں، اور سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ دن کے بعد وفات پائی۔

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حرم نبوت بنتی ہیں

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تمام ازواج مطہرات میں یہ فضیلت حاصل ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت پریشان وغمگین تھے، یہ حالت دیکھ کر خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنت حکیم (عثمان بن مظعون کی بیوی) نے عرض کی کہ آپ کو ایک مونس ورفیق کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا ہاں، گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق تھا، آپکے ایماء سے وہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کے پاس گئیں، اور جاہلیت کے طریقہ پر اسلام کیا، انعم صباحا، پھر نکاح کا پیغام سنایا، انہوں نے کہا ہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شریف کفو ہیں، لیکن سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی تو دریافت کرو، غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے اور سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد نے نکاح پڑھایا، چار سو درہم مہر قرار پایا، نکاح کے بعد عبداللہ بن زمع (حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے، آئے اور انکو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہو گیا، چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت ونادانی پر ہمیشہ انکو افسوس آتا

تھا(1) حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا کا نکاح رمضان سن دس نبوی میں ہوا، اور چونکہ انکے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے نکاح کا زمانہ قریب قریب ہے، اسلیئے مؤرخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہ رضی اللہ تعالی عنہا کو تقدم ہے اور عبداللہ بن محمد بن عقیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو مقدم سمجھتے ہیں۔

بعض روائتوں میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا، ان سے بیان کیا تو بولے کہ شائد میری موت کا زمانہ قریب ہے، اور تمھارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا، چنانچہ یہ خواب حرف بہ حرف پورا ہوا۔

آپ کے عام حالات کا بیان

نبوت کے تیرہویں سال جب آپ نے مدینہ منورہ میں ہجرت کی تو حضرت زید رضی اللہ تعالی عنہ بن حارثہ کو مکہ بھیجا کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا وغیرہ کو لیکر آئیں، چنانچہ وہ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہ حضرت زید رضی اللہ تعالی عنہ کے ہمراہ مدینہ آئیں، سن دس ہجری میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہ بھی ساتھ تھیں، چونکہ وہ بلند و بالا و فربہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ اور لوگوں کے مزدلفہ سے روانہ ہونے کے قبل انکو چلا جانا چاہیے، کیونکہ انکو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی،

آپ کی وفات

ایک دفعہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں، انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے سب سے پہلے کون مرے گا، فرمایا کہ جسکا ہاتھ سب سے بڑا ہے، لوگوں نے ظاہرہ معنی سمجھے، ہاتھ ناپے گئے تو سب سے بڑا ہاتھ حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا کا تھا لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا کا انتقال ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی بڑائی سے آپ کا مقصد سخاوت و فیاضی تھی، بہرحال واقدی نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا کا سال وفات 54 ہجری بتایا ہے لیکن ثقات کی روایت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے اخیر زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔ (اسد الغابہ واستیعاب وخلاصہ تہذیب حالات سودہ رضی اللہ تعالی عنہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے سن 23 ہجری میں وفات پائی ہے اس لیے حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات کا سال 22 ہجری ہوگا خمیس میں یہی روایت ہیاور سب س یزیادہ صحیح ہے، اور اسکو امام بخاری، ذہبی، جزری ابن عبدالبر اور خزرجی نے اختیار کیا ہے۔

آپ کے فضل و کمال کا بیان

حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے، صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ، ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ اور یحی بن عبدالرحمٰن (بن اسعد بن زرارہ) نے ان

سے روایت کی ہے،

آپ کے اچھے اخلاق

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں۔ سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اسکے قالب میں میری روح ہوتی۔

اطاعت وفرمانبرداری میں وہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہما سے ممتاز تھیں، آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا، چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اس حکم پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لیے نہ نکلیں، فرماتی تھیں کہ میں حج وعمرہ دونوں کر چکی ہوں، اور اب خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھونگی،

سخاوت وفیاضی بھی انکا ایک اور نمایاں وصف تھا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے سواوہ اس وصف میں بھی سب سے ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے انکی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا، اس میں کیا ہے؟ بولا درہم، بولیں کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں۔ یہ کہکر اسی وقت سبکو تقسیم کر دیا، وہ طائف کی کھالیں بناتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی، اسکو نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں میں صرف کرتی تھیں،

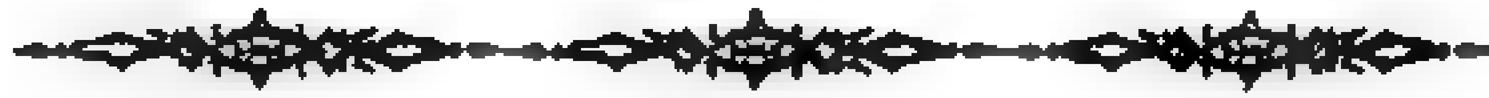
ایثار میں بھی وہ ممتاز حیثیت رکھتی تھیں، وہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا آگے پیچھے نکاح میں آئیں تھیں لیکن چونکہ انکا سن بہت زیادہ تھا۔ اس لیے جب بوڑھی ہوگئیں تو انکو سوء ظن ہوا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دے دیں، اور شرف صحبت سے محروم ہو جائیں، اس بنا پر انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو دے دی اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لی،

مزاج تیز تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا انکی بیحد معترف تھیں، لیکن کہتی ہیں کہ وہ بہت جلد غصہ سے بھڑک اٹھتی تھیں، ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جارہی تھیں، راستے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ مل گئے، چونکہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہ کا قد نمایاں تھا، انہوں نے پہچان لیا، حضرت عمر کو ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہما کا باہر نکلنا ناگوار تھا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پردہ کی تحریک کر چکے تھے، اس لیے بولے سودہ رضی اللہ تعالی عنہا تمکو ہم نے پہچان لیا۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا کو سخت ناگوار ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی شکایت کی، اسی واقعہ کے بعد آیتِ حجاب نازل ہوئی۔

باایں ہمہ ظرافت اس قدر تھی کہ کبھی کبھی اس انداز سے چلتی تھیں، کہ آپ ہنس پڑتے تھے ایک مرتبہ کہنے لگیں کہ کل رات کو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تھی، آپ نے (اس قدر دیر تک) رکوع کیا کہ مجھکو نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا، اس لیے میں دیر تک ناک پکڑے رہی، آپ اس جملہ کو سن کر مسکرا اٹھے،

دجال سے بہت ڈرتی تھیں، ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس آ رہی تھیں دونوں نے مذاق کے لہجہ میں کہا تم نے کچھ سنا؟ بولیں کیا؟ کہا دجال نے خروج کیا، حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا یہ سنکر گھبرا گئیں، ایک خیمہ جس میں کچھ آدمی آگ سلگا رہے تھے، قریب تھا، فوراً اسکے اندر داخل ہوگئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا ہنستی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں، اور آپکو اس مذاق کی خبر کی، آپ تشریف لائے اور خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابھی دجال نہیں نکلا ہے، یہ سن کر حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا باہر آئیں۔ تو مکڑی کا جالا بدن میں لگا ہوا تھا، اسکو باہر آ کر صاف کیا۔ (طبقات ابن سعد، زرقانی، اصابہ)



حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

آپ کا نام ونسب

زینب نام، ام الحکیم کنیت، قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ، والدہ کا نام امیمہ تھا جو عبدالمطلب جد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں، اسی بنا پر حضرتِ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

آپ کا نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حارثہ کے ساتھ (آپکے آزاد کردہ غلام اور متبنی تھے انکا نکاح کر دیا۔ اسلام نے مساوات کی جو تعلیم رائج کی ہے اور پست و بلند کو جسطرح ایک جگہ لا کھڑا کر دیا ہے، اگرچہ تاریخ میں اسکی ہزاروں مثالیں موجود ہیں، لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ اسی سے عملی تعلیم کی بنیاد قائم ہوتی ہے، قریش اور خصوصاً خاندان ہاشم کو تولیت کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا، اسکے لحاظ سے شاہان یمن بھی انکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے لیکن اسلام نے محض "تقویٰ" کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر و ادعاء کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا ہے، اس بنا پر اگرچہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بظاہر غلام تھے تاہم وہ چونکہ (مسلمان اور مرد صالح تھے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد کر دینے میں کوئی تکلف نہیں ہوا) تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک اور مقصد بھی تھا جو اسد الغابہ میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا نکاح زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسلیے کیا تھا کہ انکو قرآن وحدیث کی تعلیم دیں۔

تقریباً ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا، لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکر رنج بڑھ گئی، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی اور طلاق دے دینا چاہا۔

زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں اور میں انکو طلاق دینا چاہتا ہوں۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار انکو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں، قرآن مجید میں ہے "اور جبکہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا، یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لیے رہو اور خدا سے خوف کرو۔

لیکن یہ کسی طرح صحبت برآنہ ہو سکے، اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکو طلاق دے دی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں۔ اور آپ ہی کی تربیت میں پلی تھیں، آپکے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا۔ جوانکے نزدیک انکے خلاف شان تھا (چونکہ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ غلام رہ چکے تھے، اس لیے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ نسبت گوارہ نہ تھی) بہرحال وہ مطلقہ ہوگئیں تو آپ نے انکی دلجوئی کے لیے خودان سے نکاح کر لینا چاہا، لیکن عرب میں اس وقت تک متبنی اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اس لیئے عام لوگوں کے خیال سے اپ تامل فرماتے تھے، لیکن چونکہ محض یہ جاہلیت کی رسم تھی اور اسکو مٹانا مقصود تھا، اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جسکو خدا ظاہر کر دینے والا ہے، اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس میرا پیغام لیکر جاؤ، زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ انکے گھر آئے تو وہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھیں، چاہا انکی طرف دیکھیں لیکن پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا اور کہا "زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لایا ہوں" جواب ملا "میں بغیر استخارہ کیے کوئی رائے قائم نہیں کرتی" یہ کہا اور مصلی پر کھڑی ہوگئیں، ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی۔ اور نکاح ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔

دن چڑھے ولیمہ ہوا جو اسلام کی سادگی کی اصل تصویر تھا اس میں روٹی اور سالن کا انتظام تھا۔ انصار میں حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ تھیں، مالیدہ بھیجا تھا۔ غرض سب چیزیں جمع ہوگئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کے بلانے کے لیے بھیجا۔ 300 آدمی شریک ہوئے۔ کھانے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دس آدمیوں کی ٹولیاں کر دیں تھیں، باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس جاتے تھے۔

اسی دعوت میں آیت حجاب اتری، جسکی وجہ یہ تھی کہ چند آدمی مدعو تھے، کھا کر باتیں کرنے لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرط مروت سے خاموش تھے، بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے، اسی مکان میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں، اور انکا منہ دیوار کی طرف تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و رفت کو دیکھ کر بعضوں کو خیال ہوا اور اٹھ کر چلے گئے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دوسری ازواج کے مکان میں تھے، اطلاع دی، آپ باہر تشریف لائے تو وحی کی زبان اسطرح گویا ہوئی۔

اے ایمان والو! نبی کے گھروں پر مت جایا کرو، مگر جس وقت تمکو کھانے کے لے اجازت دی جائے، ایسے طور پر کہ تم اسکی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تمکو بلایا جائے تب جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو۔ اور باتوں میں جی لگا کر مت

بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری پیدا ہوتی ہے، سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا ہے اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ سے باہر مانگو۔

آپ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا، اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہوگئی یہ ذوالقعدہ سن پانچ ہجری کا واقعہ ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی چند خصوصیتیں ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں، انکے نکاح سے جاہلیت کی ایک اور رسم کہ متبنیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے، مٹ گئی، مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر سامنے آیا کہ آزاد کردہ غلام کی تمیز اٹھ گئی، پردہ کا حکم ہوا۔ نکاح کے لیے وحی الٰہی آئی۔ ولیمہ میں تکلف ہوا، اسی بنا پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ازواج کے مقابلہ میں فخر کیا کرتی تھیں۔

ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں جو بیبیاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں، ان میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں، خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں۔ ازواج میں سے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی انکی خاطر داری منظور رہتی تھی، یہی وجہ تھی کہ جب چند ازواج نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سفیر بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، اور وہ ناکام واپس آئیں، تو سب نے اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتخاب کیا کیونکہ وہ اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں تھیں، انہوں نے بڑی دیدہ دلیری سے پیغام ادا کیا، اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چپ ہو کر سن رہی تھیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب تقریر کر چکیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا لاجواب ہو کر رہ گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کیوں نہ ہو ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بیٹی ہے۔

آپ کی وفات کی پیش گوئی کا واقعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے فرمایا تھا۔" تم میں مجھ سے جلد وہ ملیں گی جسکا ہاتھ لمبا ہوگا۔" یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا، لیکن ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اسکو حقیقت سمجھیں چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشن گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سب سے پہلے انتقال کیا، کفن کا سامان خود تیار کر لیا تھا۔ اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اسکے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا، انہوں نے کہا وہ شخص جو انکے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا،

چنانچہ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہ، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش نے انکو قبر میں اتارا اور بقیع میں سپرد خاک کیا،

حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا نے سن بیس ہجری میں انتقال کیا اور 53 برس کی عمر پائی، واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس وقت نکاح ہوا اس وقت 35 سال کی تھیں لیکن یہ عام روایت کے خلاف ہے، عام روایت کے مطابق انکا سن 38 سال کا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا نے مال متروکہ میں صرف ایک مکان یادگار چھوڑا تھا، جسکو ولید بن عبدالمالک نے اپنے زمانہ حکومت میں پچاس ہزار درہم پر خرید کیا اور مسجد نبوی میں شامل کر دیا گیا،

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں۔ "میں نے کوئی عورت زینب (رضی اللہ تعالی عنہا) سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض، مخیّر اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر انکو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا کا زہد و تورع میں یہ حال تھا۔ کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا کی بہن حمنہ شریک تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہدیا۔ "مجھکو عائشہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو انکے اس صدق و قرار حق کا اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مصروف رہتی تھیں، ایک مرتبہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے، حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا اس معاملہ میں کچھ بول پڑیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ڈانٹا، آپ نے فرمایا ان سے درگزر کرو یہ اَواہ ہیں یعنی خاشع و متضرع ہیں۔ نہایت قانع و فیاض طبع تھیں، خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اسکو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا کا انتقال ہوا، تو مدینہ کے فقراء کو مساکین میں سخت کھلبلی پیدا ہوگئی اور وہ گھبرا گئے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے انکا سالانہ نفقہ بھیجا، انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کردو۔ برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انہوں نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے، دیکھا تو پچاسی درہم نکلے جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا اسی سال کے بعد عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے عطیہ کے فائدہ نہ اٹھاؤں، دعا قبول ہوئی اور اسی سال انتقال ہو گیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کا نام ونسب

جویریہ نام، قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو مزیقیاء۔ حارث بن ابی ضرار حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد بنو مصطلق کے سردار تھے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ اور شوہر مسافع دونوں دشمن اسلام تھے چنانچہ حارث نے قریش کو اشارے سے یا خود سے مدینے پر حملہ کی تیاریاں شروع کی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو مزید تحقیقات کے لیے بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حصیب اسلمی کو روانہ کیا، انہوں نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی اپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، 2 شعبان سن پانچ ہجری کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں اور مریسیع میں جو مدینہ منورہ سے نو منزل ہے پہنچ کر قیام کیا، لیکن حارث کو یہ خبریں پہلے سے پہنچ چکی تھیں، اس لیے اسکی جمیعت منتشر ہوگئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا، لیکن مریسیع میں جو لوگ آباد تھے، انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے مسلمانوں نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو انکے پاؤں اکھڑ گئے، 11 آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہو گئے، جنکی تعداد تقریباً 600 تھی، مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے۔ ان میں حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں، ابن اسحاق کی روایت ہے جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ تمام اسیران جنگ لونڈی وغلام بنا کر تقسیم کر دیے گئے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے ثابت سے درخواست کی کہ مکاتبت کرلو یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لیکر چھوڑ دو، ثابت نے 9 اوقیہ سونے پر منظور کیا حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس روپیہ نہ تھا، چاہا کہ لوگوں سے روپیہ مانگ کر یہ رقم ادا کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی آئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی وہاں موجود تھیں۔

ابن اسحٰق نےحضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً انکی ذاتی رائے ہے کہ چونکہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت شیریں ادا تھیں، میں نے انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی انکے حسن وجمال کا وہی اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا۔ غرض وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمکو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "تمھاری طرف سے میں روپیہ ادا کر دیتا

ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں" حضرت جویریہ راضی ہوگئیں آپ نے تنہا وہ رقم ادا کردی، اور ان سے شادی کر لی۔

لیکن دوسری روایت میں اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا جب گرفتار ہوئیں، تو حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی، میری شان اس سے بالاتر ہے میں اپنے قبیلے کا سردار اور رئیس عرب ہوں آپ اسکو آزاد کردیں، آپ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے، حارث نے جا کر جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تیری مرضی پر رکھا ہے دیکھنا مجھکو رسوا نہ کرنا، انہوں نے کہا "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔" چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی۔

ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا کے والد نے انکا زر فدیہ کیا اور جب وہ آزاد ہو گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالی عنہ سے جب نکاح کیا تو تمام اسیران جنگ جو اہل فوج کے حصہ میں آ گئے تھے، دفعۃً رہا کر دیئے گئے، فوج نے کہا کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہوسکتا،

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کو جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا سے بڑھکر اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں دیکھا، انکے سبب سے بنو مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے،

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا کا نام برہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا رکھا کیونکہ اس میں بدفالی تھی۔

آپ کی وفات

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا نے ربیع الاول سن 50 ہجری میں وفات پائی، اس وقت انکا سن 65 برس کا تھا، مروان نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں،

آپ کا فضل وکمال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کیں، ان سے حسب ذیل بزرگوں نے حدیث سنی ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ، جابر رضی اللہ تعالی عنہ، ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ، عبید بن السباق، طفیل، ابوایوب مراغی، کلثوم، ابن مصطلق، عبداللہ بن شداد بن الہاد، کریب۔

آپ کے اچھے اخلاق

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں، ایکدن صبح کو مسجد میں دعا کر رہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ

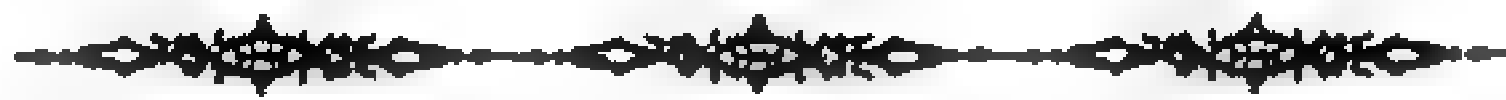
وسلم گزرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے، دوپہر کے قریب آئے تب بھی انکو اسی حالت میں پایا۔

جمعہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکے گھر تشریف لائے تو روزہ سے تھیں، حضرت جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا سے دریافت کیا کہ کل روزہ سے تھیں؟ بولیں، "نہیں "فرمایا" تو کل رکھوگی؟ "جواب ملا" نہیں "ارشاد ہوا" تو پھر تمکو افطار کر لینا چاہیے۔

دوسری روائتوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے ان تین دنوں میں ایک دن جمعہ کا ضرور ہوتا تھا۔ اس لیے تنہا جمعہ کے دن ایک روزہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے، آئمہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالک سے بھی جواز کی روایت ہے۔ بعض شافعیہ نے اس سے روکا ہے، (فتح الباری جلد 4 صفحہ 204)

امام ابو یوسف کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ جمعہ کے روزہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملالیا جایا کرے (بذل المجہو رجلد صفحہ 169) یہ بحث صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے متعلق ہے اور دنوں سے اسکا تعلق نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت تھی۔ اور انکے گھر آتے جاتے تھے ایک مرتبہ آکر پوچھا کہ " کچھ کھانے کو ہے؟" جواب ملا۔ "میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا تھا وہی رکھا ہے اور اسکے سوا اور کچھ نہیں" فرمایا" اسے اٹھا لاؤ، کیونکہ صدقہ جسکو دیا گیا تھا اسکو پہنچ چکا۔ (الاصابہ، استیعاب، طبقات ابن سعد)



حضرت ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا نام نسب کا بیان

ریحانہ نام۔ یہود کے خاندان بنو قریظہ سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ ریحانہ بنت شمعون بن زید بن خنافہ اور بعض روایات میں ان کا سلسلہ نسب اس طرح درج ہے۔ ریحانہ بنت زید بن عمر بن جنافہ بن شمعون بن زید۔ لیکن جمہور اہل سیر کے نزدیک پہلا سلسلہ نسب معتبر ہے۔ حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام شمعون بن زید رضی اللہ عنہ ہی ہے۔ ان کو صحابیت، سماع اور روایت کا شرف حاصل ہے۔

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام کا واقعہ

حضرت ریحانہ کا نکاح بنو قریظہ کے ایک شخص حکم سے ہوا۔ غزوہ قریظہ کے بعد جس یہودیوں کو قتل کیا گیا حکم بھی ان میں شامل تھا۔ حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا یہودیوں کی ان عورتوں میں تھیں جنہیں اس موقع پر مسلمانوں نے گرفتار کیا۔ ابن سعد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت ام المنذر بنت قیس رضی اللہ عنہا کے گھر میں ٹھہرایا۔ ان کے قبول اسلام کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم چاہو تو اسلام قبول کرلو اور چاہو تو اپنے مذہب (یہودیت) پر قائم رہو۔ انہوں نے اپنے مذہب کو ترجیح دی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا لیکن وہ اپنی بات پر قائم رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے رویے سے رنج ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

ایک دن آپ صحابہ کی ایک جماعت کے درمیان رونق افروز تھے کہ ایک شخص کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر بشاشت پھیل گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: یہ ثعلبہ بن سعیہ ہیں جو ریحانہ کے اسلام کی خوشخبری لے کر آ رہے ہیں۔ (ابن ہشام نے لکھا ہے کہ ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر آہستہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام کی خوشخبری سنائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور صحابہ سے فرمایا کہ ثعلبہ ریحانہ کے اسلام کی خوشخبری لے کر آئے ہیں)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا اسیر ہو کر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اگر تم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرلو تو میں تمہیں اپنے لئے خاص کرلوں گا۔ انہوں نے عرض کیا، میں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرتی ہوں۔

قبول اسلام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی ملک میں رکھا اور بعض روایتوں کے مطابق آپ نے انہیں آزاد کر دیا اور پھر ان سے نکاح فرما کر ازواج مطہرات میں شامل کر لیا۔ بہر صورت وہ باپردہ رہتی تھیں اور ان کی بھی باری کا دن مقرر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہر فرمائش پوری کرتے تھے۔ ان کی مستقل قیام گاہ دار قیس بن فہد میں تھی۔ حسن صورت کے ساتھ پاکیزہ اخلاق کی حامل تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چند ماہ (ایک روایت کے مطابق دس ماہ) قبل وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔



آپ کا نام ونسب

رملہ نام، ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس، والدہ کا نام صفیہ بنت ابو العاص تھا، جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی پھوپھی تھیں، حضرت ام حبیبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے 17 سال پہلے پیدا ہوئیں۔

آپ کا قبول اسلام

اوران ہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں، اور حبش کو ہجرت کی، حبش میں جا کر عبید اللہ نے عیسائی مذہب اختیار کیا، ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی کہا لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں، اب وہ وقت آ گیا کہ انکو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہو۔ عبید اللہ نے عیسائی ہو کر بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کر دی، مے نوشی کی عادت ہوگئی، آخر انکا انتقال ہو گیا،

آپ کا نکاح ثانی

عدت کے دن ختم ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمیری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ پیغام دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو تمھارے نکاح کے لیے لکھا ہے، انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں، جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا، نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جہاز میں بیٹھکر روانہ ہوئیں اور مدینہ کی بندرگاہ میں اتریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ سن 6 ہجری کا واقعہ ہے اس وقت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 36 یا 37 سال کی تھی،

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے متعلق کئی روائتیں ہیں، ہم نے جو روایت لی ہے وہ مسند کی ہے اور مشہور روائتوں کے مطابق کی ہے، البتہ مہر کی تعداد میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے، عام روایت یہ ہے اور مسند میں بھی ہے کہ ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کا مہر چار چار سو درہم تھا، اسی بنا پر چار سو دینار راوی کا سہو ہے، اس موقع پر سید سلیمان ندوی نے صحیح مسلم کی ایک روایت کی تنقید کی ہے،

صحیح مسلم میں ہے کہ لوگ ابوسفیان کو نظر اٹھا کر دیکھنا اور انکے پاس بیٹھنا ناپسند کرتے تھے اس بنا پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزوں کی درخواست کی جن میں ایک یہ بھی تھی کہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا سے شادی کرلیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی درخواست منظور فرمائی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کے مسلمان ہونے کے وقت حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا ازواج مطہرات میں داخل نہیں ہوئی تھیں لیکن یہ راوی کا وہم ہے چنانچہ ابن سعد، ابن حزم، ابن جوزی۔ ابن اثیر، بیہقی اور عبدالعظیم منذری نے اسکے خلاف روائتیں کی ہیں، اور ابن سعد کے سوا سب نے اس روایت کی تردید کی ہے۔

آپ کی وفات

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنے بھائی امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ خلافت میں سن 44 ہجری میں انتقال کیا اور مدینہ میں دفن ہوئیں، اس وقت 73 برس کا سن تھا۔ قبر کے متعلق اس قدر معلوم ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے مکان میں تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ بن حسین سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا کہ "یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے" چنانچہ اسکو میں نے اسی جگہ رکھ دیا،

وفات کے قریب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حضرت عائشہ و حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہما کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ سوکنوں میں باہم جو کچھ ہوتا ہے وہ ہم لوگوں میں بھی کبھی ہو جایا کرتا تھا، اس لیے مجھکو معاف کردو، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کردیا اور انکے لیے دعائے مغفرت کی تو بولیں تم نے مجھکو خوش کیا خدا تمکو خوش کرے،

آپ کا فضل وکمال

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا سے حدیث کی کتابوں میں 65 روائتیں منقول ہیں، راویوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے، بعض کے نام یہ ہیں، حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا (دختر) معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ اور عتبہ رضی اللہ تعالی عنہ پسران ابوسفیان عبداللہ بن عتبہ، ابو سفیان بن سعید ثقفی (خواہرزادہ) سالم بن سوار (مولی) ابوالجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ابوسلمہ رضی اللہ تعالی عنہ، عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ، ابوصالح السمان، شہر بن حوشب۔

آپ کے اچھے اخلاق

حجرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا کے جوش ایمان کا یہ منظر قابل دید ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب انکے باپ ابوسفیان کفر کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچھونے پر بیٹھنا چاہتے تھے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا نے یہ دیکھ کر بچھونا الٹ دیا، ابوسفیان سخت برہم ہوئے کہ بچھونا اس قدر عزیز ہے۔ بولیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش ہے۔ اور آپ مشرک ہیں اور اس بناء پر ناپاک ہیں، ابوسفیان نے کہا کہ تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی،

حدیث پر بہت شدت سے عمل کرتی تھیں۔ اور دوسروں کو بھی تاکید کرتی تھیں۔ انکے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ

آئے اور انہوں نے ستو کھا کر کلی کی تو بولیں تمکو وضو کرنا چاہیے کیونکہ جس چیز کو آگ پکائے اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ (یہ حکم منسوخ ہے، یعنی پہلے تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو باقی نہیں رکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے اور اگر پہلے سے وضو ہوتا تو دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے۔ بلکہ پہلے ہی وضو سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے اس قسم کی ایک حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے خالات میں ملے گی۔

ابوسفیان رضی اللہ تعالی عنہ کا انتقال ہوا۔ تو خوشبو لگا کر رخساروں پر ملی اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ تین دن سے زیادہ غم نہ کیا جائے، البتہ شوہر کے لیے 4 مہینہ 10 دن سوگ کرنا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ جو شخص بارہ رکعت روزانہ نفل پڑھے گا، اسکے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا، فرماتی ہیں فما برحت اصلیھن بعد! میں انکو ہمیشہ پڑھتی ہوں، اسکا یہ اثر ہوا کہ انکے شاگرد اور بھائی عتبہ اور عتبہ کے شاگرد عمرو بن اولیس اور عمر کے شاگرد نعمان بن سالم سب اپنے اپنے زمانہ میں برابر یہ نمازیں پڑھتے رہے۔

فطرۃً نیک مزاج تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میری بہن سے آپ نکاح کر لیجیے فرمایا" کیا تمہیں یہ پسند ہے۔" بولیں "ہاں میں ہی آپ کی تنہا بیوی نہیں ہوں، اس لیے میں یہ پسند کرتی ہوں کہ آپ کے نکاح کی سعادت میں میرے ساتھ میری بہن بھی شریک ہو۔ (اصابہ، طبقات ابن سعد، استیعاب)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا

آپ نام ونسب

اصلی نام زینب تھالیکن وہ چونکہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں اور عرب میں غنیمت کے ایسے حصے کو جوامام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا ہے صفیہ کہتے تھے اس لیے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہوگئیں، یہ زرقانی کی روایت ہے۔

حضرت صفیہ کو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے سیادت حاصل ہے۔ باپ کا نام حیی بن اخطب تھا۔ جو قبیلہ بنونضیر کا سردار تھا۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا۔ ماں جسکا نام ضرہ تھا، سموال رئیس قریظہ کی بیٹی تھی۔ اور یہ دونوں خاندان (قریظہ اور نضیر) بنواسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

آپ کا نکاح

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی پہلے سلام بن مشکم القریظی سے ہوئی تھی۔ سلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔ جو ابورافع تاجر حجاز اور رئیس اور خیبر کا بھتیجا تھا۔ کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبی رضی اللہ تعالی عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب کرنے کی اجازت دی، انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کو منتخب کیا، لیکن ایک صحابی نے آپکی خدمت میں آکر عرض کی کہ آپ نے رئیسہ بنونضیر وقریظہ کو دحیہ کو دے دیا، وہ تو صرف آپکے لیے سزاوار ہے، مقصود یہ تھا کہ رئیسہ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ مناسب نہیں۔ چنانچہ حضرت دحیہ رضی اللہ تعالی عنہ کو آپ نے دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہ کو آزاد کر کے نکاح کرلیا، خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی، اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا۔ اسکو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی، وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے انکو خود اپنے اونٹ پر سوار کرلیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا، یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں۔

عام حالات

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے، جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایام محاصرہ میں جو سن 35 ہجری میں ہوا تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انکی بیحد مدد کی تھی، جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ضروریات زندگی مسدود کردی گئیں، اور انکے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر انکے مکان کی طرف چلیں، غلام ساتھ تھا، اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے آکر خچر کو مارنا شروع کیا، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا مجھکو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں میں واپس جاتی ہوں تم خچر کو چھوڑ دو۔ گھر واپس آئیں تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا، وہ انکے مکان سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔

آپ کی وفات

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رمضان 50 ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، اس وقت انکی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ ایک لاکھ ترکہ چھوڑا، اور ایک ثلث کے لیے اپنے یہودی بھانجے کے لیے وصیت کر گئیں،

آپ کا فضل و کمال

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چند حدیثیں مروی ہیں، جنکو حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب وغیرہ نے روایت کیا ہے، دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں، چنانچہ حضرت صہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت جیفر حج کر کے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں، صہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی یہی مقصد تھا۔ اس لیے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے اور ایک فتویٰ نبیذ کے متعلق تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنا تو بولیں اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں،

آپ کے اچھے اخلاق

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے، اسد الغابہ میں ہے، "وہ عقلمند عورتوں میں نہایت عقلمند تھیں۔" زرقانی میں ہے۔ یعنی صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عقل والی، فاضلہ اور حلم والی تھیں۔

حلم و تحمل انکے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے، غزوہ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آرہی تھیں تو انکی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں لیکن اب بھی اسی طرح پیکر متانت تھیں اور انکی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی،

ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے انکو یہودیہ کہا، انکو معلوم ہوا۔ تو رونے لگیں، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس ایک کنیز تھی، جو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے جا کر انکی شکایت کیا کرتی تھی، چنانچہ ایکدن کہا ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے، وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں۔ اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے تصدیق کے لیے ایک شخص کو بھیجا،

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جوابدیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں، اسکے بدلے خدا نے ہمکو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے۔ البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں، وہ میرے خویش و اقارب ہیں اسکے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تم نے میری شکایت کی تھی؟ بولی "ہاں مجھے شیطان نے بہکا دیا تھا۔" حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا خاموش ہو گئیں اور اس لونڈی کو آزاد کر دیا،

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی، چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں "کاش آپکی بیماری مجھکو ہو جاتی۔" ازواج نے انکی طرف دیکھنا شروع کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچ کہہ رہی ہیں۔ یعنی اس میں تصنع کا شائبہ نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی انکے ساتھ نہایت محبت تھی۔ اور ہر موقع پر انکی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے، ازواج مطہرات بھی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کا اونٹ سوئے اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس اونٹ ضرورت سے زیادہ تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ ایک اونٹ صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کو دیدو۔ انہوں نے کہا، کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک انکے پاس نہ گئے،

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے انکی قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے۔

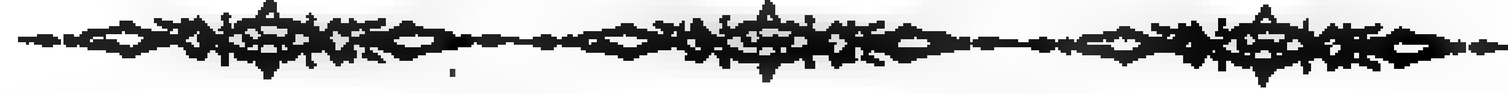
ایک بار آپ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ رو رہی ہیں آپ نے رونے کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے کہا کہ "عائشہ و حفصہ (رضی اللہ تعالی عنہما) کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں، ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپکی چچازاد بہنیں بھی ہیں۔" آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہدیا کہ "ہارون میرے باپ، موسی میرے چچا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے شوہر ہیں اسلیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو،

سفر حج میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا تھا۔ اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں، آپ نے رداء اور دست مبارک سے انکے آنسو پونچھے، آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بیاختیار روتی جاتی تھیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں، چنانچہ جب وہ ام المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو اپنی سونے کی بجلیاں تقسیم کیں۔

کھانا بہایت عمدہ پکاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحفۃً بھیجا کرتی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انہوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اسکا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔



حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں سے ایک تھیں۔ وہ پہلے عیسائی تھیں اور بازنطینی شاہ مقوقس نے 628ء میں انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بطور ہدیہ بھیجا تھا۔

سال 6ھ (627ء) میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرق وسطی کے مختلف اکابرین اور بادشاہوں کو خطوط ارسال کیے جن میں اسلام کی حقانیت بیان کی گئی تھی اور ایک اللہ کی عبادت کرنے کا پیغام شامل ہوتا تھا۔ ان خطوط کی تفصیل ابن جریر طبری کی تصنیف تاریخ طبری میں موجود ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح

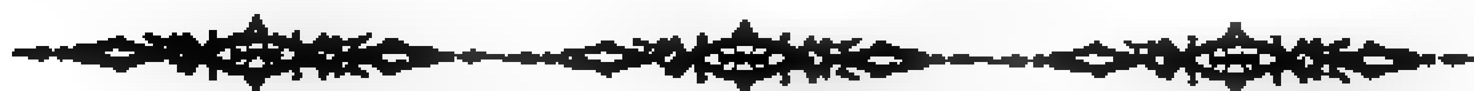
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی سے ملحق اپنی ازواج کے حجروں میں رہتے تھے۔ بعض مؤرخین کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا سے شادی نہیں کی تھی لیکن بعض کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تھی۔

آپ کی اولاد

حضرت ماریہ، حضرت خدیجہ کے بعد دوسری زوجہ محترمہ ہیں جن سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہوئی۔ حضرت ماریہ حضور پاک کے بیٹے ابراہیم بن محمد کی ماں ہیں۔ ابراہیم کا نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا۔ ابراہیم سولہ مہینے کی عمر میں ہی انتقال کر گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بیٹے کی جدائی کا بہت غم تھا۔

انتقال

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے پانچ سال کے بعد حضرت ماریہ بھی انتقال کر گئیں۔



حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کا نام ونسب

میمونہ نام، قبیلہ قریش سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، میمونہ بنت حارث بن حزن ابن بجرین ہزم بن روبتہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن عکرمتہ بن خصیفتہ بن قیس بن عیلان بن مضر، والدہ قبیلہ حمیر سے تھیں اور انکا نام و نسب حسب ذیل ہے، ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطتہ بن جرش۔

آپ کا نکاح

پہلے مسعود بن عمروب، عمیر ثقفی سے نکاح ہوا، لیکن کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی، پھر ابورہم بن ربدالعزی کے نکاح میں آئیں، ابورہم نے سن 7 ہجری میں وفات پائی تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتساب کی کوشش کی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالعقدہ سن 7 ہجری میں عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے تھے اسی احرام کی حالت میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکاح کے متولی ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ سے فارغ ہوکر جب مدینہ واپس ہوئے تو سرف میں جو مدینہ کے راستہ پر مکہ سے دس میل ہے۔ قیام فرمایا، ابورافع (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام) حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لیکر سرف پہنچے اور یہیں رسم عروسی ادا ہوئی، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نکاح تھا، اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے آخری بیوی تھیں۔

آپ کی وفات

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف میں انکا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال بھی کیا۔ حضرت ابن عباس نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا، صحاح میں ہے کہ جب انکا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت ابن عباس نے کہا" یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو۔ باادب آہستہ لے چلو۔ سال وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے سن اکاون ہجری میں وفات پائی۔

آپ کا فضل وکمال

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے 46 حدیثیں مروی ہیں، جن میں بعض سے انکی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔ ایک ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پراگندہ ہوئے تو کہا بیٹا! اسکا کیا سبب ہے،؟ جوابدیا ام عمار میرے کنگھا کرتی تھیں (اور آجکل

انکے ایام کا زمانہ ہے) بولیں کیا خوب! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے تھے۔ اور قرآن پڑھتے تھے، اور ہم اسی حالت میں ہوتے تھے، اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے، بیٹا! کہیں یہ ہاتھ میں بھی ہوتا ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جن بزرگوں نے روایت کی ہے انکے نام یہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن شداد بن الہاد، عبدالرحمٰن بن السائب، یزید بن اصم (یہ سب انکے بھانجے تھے) ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس، کریب (ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام) عبیدہ بن ساق، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عالیہ بنت سبیع،

آپ کے اچھے اخلاق

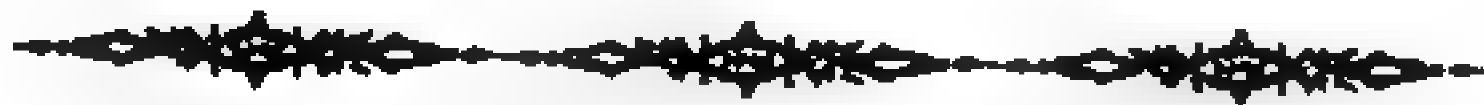
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ "میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خدا سے بہت ڈرتی اور صلہ رحمی کرتی تھیں۔ احکام نبوی کی تعمیل میں ہر وقت پیش نظر رہتی تھیں، ایک دفعہ انکی کنیز بدیہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گئی تو دیکھا کہ میاں بیوی کے بچھونے دور دور بچھے ہیں، خیال ہوا کہ شائد کچھ رنجش ہوگئی ہے لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بیوی کے ایام کے زمانہ میں) اپنا بستر ان سے الگ کر لیتے ہیں۔ آ کر حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کیا تو بولیں، ان سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ ولیہ وسلم کے طریقہ سے اس قدر کیوں اعراض ہے؟ آپ برابر ہم لوگوں کے بچھونوں پر آرام فرماتے تھے،

بیمار کی نذر ماننے کا واقعہ

ایک عورت بیمار پڑی تو اس نے منت مانی کہ شفا ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی، خدا کی شان وہ اچھی ہوگئی اور سفر کی تیاریاں شروع کیں، جب رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئی، تو بولیں تم یہیں رہو، اور مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو کیونکہ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غلام آزاد کرنے کا شوق تھا، ایک لونڈی کو آزاد کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تمکو اسکا اجر دے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کبھی کبھی قرض لیتی تھیں، ایک بار زیادہ رقم قرض لی تو کسی نے کہا کہ آپ اسکو کسطرح ادا کرینگی؟ فرمایا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا خود اسکا قرض ادا کر دیتا ہے۔





حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے فضائل وکمالات کا بیان

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں،

((اصابہ ج8 ص157))

آپ نے ارشاد فرمایا ہے، "فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جو اس کو ناراض کرے گا مجھ کو ناراض کرے گا۔

((صحیح بخاری ج1 ص532))

ابو جہل کی لڑکی کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا، بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں اطلاع ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

آل ہشام، علی بن ابی طالب سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتی ہے اور مجھ سے اجازت مانگتی ہے لیکن میں اجازت نہ دونگا۔ اور کبھی نہ دونگا۔ البتہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دیکر انکی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے، جس نے اسکو اذیت دی مجھ کو اذیت دی۔ (صحیح بخاری ج2 ص787))

اسکے بعد ابو العاص بن ربیع کا جو آپکے داماد تھے ذکر فرمایا کہ اس نے مجھ سے جو بات کہی اسکو سچ کر کے دکھلا دیا اور جو وعدہ کیا وفا کیا، اور میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے نہیں کھڑا ہوا۔ لیکن خدا کی قسم! ایک پیغمبر اور ایک دشمن خدا کی بیٹیاں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں، (صحیح بخاری ج1 ص428))

اسکا اثر یہ ہوا کہ جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چند مقدس خواتین میں فرمایا ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نیک برگزیدہ قرار پائی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

تمھاری تقلید کے لیے تمام دنیا کی عورتوں میں مریم علیہ السلام، خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کافی ہیں۔ (ترمذی کتاب المناقب)

زہد و ورع کی یہ کیفیت تھی کہ گو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اسلام میں رہبانیت کا قلع قمع بھی کر دیا گیا تھا۔ اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹا رہی تھی، لیکن جانتے ہو کہ اس میں جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا

کتنا حصہ تھا؟ اسکا جواب سننے سے پہلے آنکھوں کو اشکبار ہو جانا چاہیے۔

سیدہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گیے تھے گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے، چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے، لیکن باایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لونڈی مانگی، اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو ارشاد ہوا کہ جان پدر! بدر کے یتیم تم سے پہلے اسکے مستحق ہیں۔ (ابوداؤد)

ایک دفعہ آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے، دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔

یوں کی ہے اہل بیت مطہر نے زندگی　　　　یہ ماجرائے دختر خیر الانام عنہا تھا

صرف یہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود انکو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے بلکہ اس قسم کی جو چیزیں انکو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں۔ انکو بھی ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکو سونے کا ایک ہار دیا آپکو معلوم ہوا تو فرمایا" کیوں فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے۔" حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً اسکو بیچ کر اسکی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازے پر پردے لگائے، اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے، آپ حسب معمول حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپکی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے، بچے آپکی خدمت میں روتے ہوئے آئے، آپ نے فرمایا" یہ میرے اہل بیت ہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف سے آلودہ ہوں" اسکے بدلے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے ایک عصیب کا ہار اور ہاتھی دانت کے کنگن خرید لاؤ۔ (یہ تمام واقعات ابوداؤد اور نسائی میں مذکور ہیں۔ صدق و راستی میں بھی انکا کوئی حریف نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ (استیعاب ج2 ص772))

میں نے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا۔ انکے والد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔"

حد درجہ حیادار تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو طلب فرمایا تو وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں۔ اپنے جنازہ پر جو پردہ کرنے کی وصیت کی تھی وہ بھی اسی بنا پر تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت کرتی تھیں۔ جب وہ خورد سال تھیں اور آپ مکہ معظمہ میں مقیم تھے تو عقبہ بن ابی معیط نے نماز پڑھنے کی حالت میں ایک مرتبہ آپکی گردن پر اونٹ کی اوجھ لا کر رکھ دی، قریش مارے خوشی کے ایکدوسرے پر گرے

پڑتے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو خبر کی، وہ اگرچہ اس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں۔ (صحیح بخاری ج1 ص38،74)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے نہایت محبت کرتے تھے، معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس جاتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا ہی ہوتیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے انکی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

آپ ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں صلح کرا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا، آپ گھر میں تشریف لے گئے اور صلح صفائی کرا دی، گھر سے مسرور نکلے، لوگوں نے پوچھا آپ گھر میں گئے تھے تو حالت اور تھی۔ اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کر دی ہے جو مجھ کو محبوب تر ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لیکر چلیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ بھی آئے، حضرت فاطمہ نے شکایت کی، آپ نے فرمایا "بیٹی! تمکو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے۔" حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ پر اسکا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کہا، "اب میں تمھارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کرونگا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کا اپنے ہاتھوں سے چکی پیسنے کا بیان

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا رفتار و گفتار، عادات اور فضائل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہترن نمونہ تھیں۔ وہ نہایت متقی، صابر، قانع اور دیندار خاتون تھیں۔ گھر کا تمام کام کاج خود کرتی تھیں۔ چکی پیتے پیتے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے لیکن ان کے ماتھے پر بل نہیں آتا تھا۔ گھر کے کاموں کے علاوہ عبادت بھی کثرت سے کرتی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سلطان الفقراء تھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی فقر و فاقہ میں ان کا پورا پورا ساتھ دیا۔ جلیل القدر والد شہنشاہ عرب بلکہ شہنشاہ دو جہاں تھے لیکن داماد اور بیٹی پر کئی کئی وقت کے فاقے گزر جاتے تھے۔

سرور عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر کا گھریلو کام خود کرنے کا بیان

ایک دن دونوں میاں بیوی آٹھ پہر سے بھوکے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہیں سے مزدوری میں ایک درہم مل گیا۔ رات ہو چکی تھی ایک درہم کے جو کہیں سے خرید کر گھر پہنچے، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہنسی خوشی اپنے نامدار خاوند کا استقبال کیا۔ جو ان سے لے کر چکی میں پیسے، روٹی پکائی اور علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دی۔ جب وہ کھا چکے تو خود کھانے بیٹھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت سید البشر کا یہ ارشاد یاد آیا کہ فاطمہ دنیا کی بہترین عورت ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب فتوحات اسلام روز بروز وسعت پذیر ہو رہی تھیں۔ مدینہ منورہ میں بکثرت مال غنیمت آنا شروع ہو گیا تھا۔ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ مال غنیمت میں کچھ لونڈیاں آئی ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: فاطمہ چکی پیستے پیستے تمہارے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے ہیں اور چولہا پھونکتے پھونکتے تمہارے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ہے۔ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت میں بہت سی لونڈیاں آئی ہیں جاؤ سرکار دو عالم سے ایک لونڈی مانگ لاؤ۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں لیکن شرم وحیا حرف مدعا زبان پر لانے میں مانع ہوئی۔ تھوڑی دیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہ کر واپس آ گئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کنیز مانگنے کا حوصلہ نہیں پڑتا۔ پھر دونوں میاں بیوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تکالیف بیان کیں اور ایک لونڈی کیلئے درخواست کی۔ سرور کائنات نے فرمایا: میں تم کو کوئی قیدی خدمت کیلئے نہیں دے سکتا ابھی اصحاب صفہ کی خورد ونوش کا تسلی بخش انتظام مجھے کرنا ہے، میں ان لوگوں کو کیسے بھول جاؤں جنہوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر اللہ اور اللہ کے رسول کی خوشنودی کی خاطر فقر وفاقہ اختیار کیا ہے۔

دونوں میاں بیوی خاموشی سے گھر تشریف لے گئے۔ ابن سعد رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم جس چیز کے خواہش مند تھے اس سے بہتر ایک چیز تم کو بتاتا ہوں۔ ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھا کرو اور سوتے وقت سبحان اللہ، الحمد للہ 33، 33 بار اور اللہ اکبر 34 بار پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل تمہارے لئے بہترین خادم ثابت ہوگا۔

کرامات سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا ہے کہ "حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئیں جس میں ان کو موت آ گئی، وہ بیمار تھیں اور میں تیماردار تھی، ایک دن صبح سویرے میں نے دیکھا کہ ان کو افاقہ نظر آ رہا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کہنے پر کہ اے اماں! میں نہانا چاہتی ہوں میرے لئے نہانے کا پانی انڈیل دو، میں نے پانی تیار کر دیا اور جس طرح وہ تندرستی میں نہاتی تھیں ویسے ہی خوب نہائیں، پھر انہوں نے نئے کپڑے مانگے، میں نے ان کو نئے کپڑے بھی دے دیئے جو انہوں نے خود پہن کر کہا: امی اب آپ ذرا میرے لئے گھر کے بیچوں بیچ بچھونا بچھا دیجئے، میں نے یہ بھی کر دیا، بس وہ بستر پر جا لیٹیں اور قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنا ایک ہاتھ اپنے گال کے نیچے رکھ کر کہا: اے امی جان! اب میں اللہ تعالیٰ سے ملنے جا رہی ہوں اور بالکل پاک ہوں، اب کوئی بلا ضرورت مجھے کھولے نہیں، اس کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنے کے بعد پورا واقعہ میں نے ان سے کہہ سنایا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب وفضائل اور تفصیلی حالات کتاب مناقب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مولفہ احمد حسن

صاحب سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں،امام احمد بن حنبل (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مسند ابن حنبل میں حضرت ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کپڑے دینے اور ان کا بستر بچھانے والی خاتون کا نام زوجہ ابی رافع رضی اللہ عنہ ہے، ہمیں اس کرامت کے ضمن میں یہ بتاتا ہے کہ حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس مرض الموت میں تھیں ان کو قرب موت کا کشفِ الہامی ہوا، چنانچہ وہ تندرستوں کی طرح نہا دھو کر نئے کپڑے بدل کر خدا سے ملنے کے لئے تیار ہوگئیں، جوان کی کرامت ہے، کتاب اسد الغابۃ () میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس طرح غسل سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ آپ کو غسل میت نہ دیا جائے؛ بلکہ ایک دوسری روایت میں حضرت اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا جب میں مرجاوں تو اے اسماء! تم اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجھے نہلائیں اور ان کے سواء میرے غسل میں کوئی ہاتھ نہ لگائے۔

الحاصل! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مرنے سے پہلے اپنی موت کا الہام ہوا جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "رسول اللہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا پردہ کے پیچھے سے پکار کر کہے گا :اے حاضرین! اپنی آنکھیں بند کرلو؛ اس لئے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزر رہی ہیں۔

اللہ اللہ! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بزرگی اور بلند درجات کہ قیامت کے دن بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ عزت ہوگی کہ آپ کی خاطرداری کے لئے الگ الگ احکام جاری ہوتے رہیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے فاطمہ! تمہاری خفگی سے اللہ تعالیٰ غضبناک ہوجاتا ہے اور تمہاری رضامندی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوجاتا ہے۔

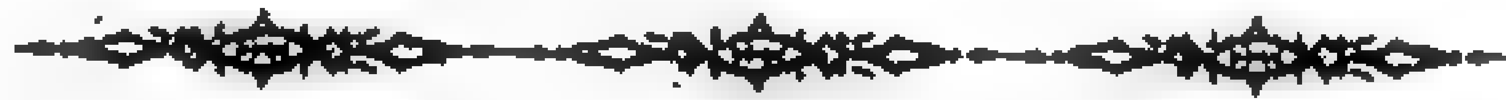
یعنی اگر تم کسی سے ناراض ہوجاو اور اس پر خفا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی غضبناک ہوکر اس شخص پر قہر و غضب کی بجلیاں گراتا ہے؛ کیونکہ تم کسی سے ناحق ناراض نہیں ہوتی ہو، تو تمہارا غصہ اور تمہاری رضامندی سب کچھ اللہ کے واسطے ہے؛ اس لئے تم کو اللہ تعالیٰ نے اتنی عزت دی ہے اور تمہارے رتبہ کو بلند کیا ہے، اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رضا کو اللہ پاک کی خوشنودی اور آپ کی خفگی کو اللہ کا غضب قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے کہ ان کا کوئی کام اللہ کے سوائے کسی دوسرے کے لئے نہیں تھا، سب لوگ اور خصوصاً عورتیں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قدم بقدم چل کر اپنا رتبہ اونچا کرسکتی ہیں، بس عمل کی دیر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک طویل قصہ میں بیان کیا ہے کہ "ایک مرتبہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے تو کافروں نے سجدہ کی حالت میں نجاست ڈال دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے لگے، میں نے ان کافروں کو سمجھایا؛ لیکن وہ سمجھنے کے بجائے الٹا برہم ہوگئے اور فساد ہونے کو ہی تھا کہ میں نے خود کو اکیلا پا کر اس واقعہ کی اطلاع

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیدی؛ تا کہ ان کی صغرسنی پر ہی یہ ظالم اپنی حرکتوں سے باز آجائیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگرچہ چھوٹی عمر کی لڑکی تھیں؛ لیکن انہوں نے میری گفتگو کو نہایت غور سے سنا اور پھر دوڑتی ہوئی جا کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک سجدہ کی حالت میں تھے، اس نجاست کو اٹھا کر دور پھینک دیا اور ان کافروں سے خوشامد کی کوئی بات کہے بغیر نہایت دلیری سے بات کر کے ان کو خوب خوب صلواتیں سنائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس حدیث کی جو شرح کی ہے اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے: "حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس عالی ہمتی اور قوت گفتار سے ان کی بزرگی اور کرامت ظاہر ہوتی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچپن کے باوجود نہایت دلیری سے دشمنوں کو گالیاں دیں اور ان ظالموں کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تعرض و مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی"۔

کوئی دشمن غصہ کی حالت میں اپنے مخالف کے بچہ کی سخت و سست گفتگو اور گالیوں کو کبھی بھی یہ کہہ کر نہیں ٹالتا کہ جانے دو بچہ ہے ،اس کی گالیاں ہی کیا؛ بلکہ وہ اور بھی برسر پیکار ہو جاتا ہے اور یہ ایک نئی لڑائی کا پیش خیمہ ثابت ہو جاتی ہیں، چہ جائیکہ مسلمانوں کے پکے دشمن یہ ظالم کافر جو لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کے عادی تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بچپن کی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گالیوں سے خاموش نہ بیٹھے؛ بلکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دلیرانہ گفتگو کے سبب اللہ نے ان ظالم کافروں کا منہ بند کر دیا۔ الحاصل حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی بزرگ شخصیت تھیں اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہت سی کرامتیں تھی۔



حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کا نام نام ونسب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئیں۔

نکاح، ابوالعاص بن ربیع لقیط سے جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی تھے نکاح ہوا۔

عام حالات

نبوت کے تیرھویں سال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ میں رہ گئے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنی سسرال میں تھیں، غزوہ بدر میں ابوالعاص کفار کی طرف سے شریک ہوئے تھے، عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ انصاری نے ان کو گرفتار کیا اور اس شرط پر رہا کیے گئے کہ مکہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیں گے۔ (طبقات ابن سعد)

ابوالعاص نے مکہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا؛ کیونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا، کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لیے تھے، مقام ذی طوی میں پہنچے تو قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا، ہبار بن اسود نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ سے زمین پر گرادیا، وہ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہوگیا، کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہوگا، لوگ ہٹ گئے تو ابوسفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا اور کہا تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے، انہوں نے تیر ترکش میں ڈال دیئے، ابوسفیان نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں، اب اگر تم علانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے، ہم کو زینب رضی اللہ عنہا کے روکنے کی ضرورت نہیں جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے اس وقت چھپے چوری لے جانا، کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر مکہ واپس آئے، چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لے کر روانہ ہوئے، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے بھیج دیا تھا، وہ بطن یاجج میں تھے، کنانہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالے کیا وہ ان کو لے کر روانہ ہوگئے۔ (زرقانی)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ میں آئیں اور اپنے شوہر ابوالعاص کو حالتِ شرک میں چھوڑا، جمادی الاوّل سنہ میں

ابوالعاص، قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ۷۰ سواروں کے ساتھ بھیجا، مقام عیص میں قافلہ ملا، کچھ لوگ گرفتار کیے گئے اور مال واسباب لوٹ میں آیا، ان ہی میں ابوالعاص بھی تھے، ابوالعاص آئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال بھی واپس کرادیا، ابوالعاص نے مکہ جاکر لوگوں کی امانتیں حوالہ کیں اور اسلام لائے، اسلام لانے کے بعد ہجرت کرکے مدینہ میں آئے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو حالتِ شرک میں چھوڑا تھا، اس لیے دونوں میں باہم تفریق ہوگئی تھی، وہ مدینہ آئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں، ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا؛ لیکن دوسری روایت میں تجدیدِ نکاح کی تصریح ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے؛ لیکن فقہا نے دوسری صورت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو نکاحِ اوّل سے تعبیر کیا؛ ورنہ بعد تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔

ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی۔ (طبقات ابنِ سعد)

آپ کی وفات

نکاحِ جدید کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت کم زندہ رہیں اور ۸ھ میں انہوں نے انتقال کیا، حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اور اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے غسل دیا جس کا طریقہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھائی خود قبر میں اُترے اور اپنے نورِ دیدہ کو خاک کے سپرد کیا، اس وقت چہرہ مبارک پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے۔ (طبقات ابن سعد)

آپ کی اولاد

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دو اولاد چھوڑی، علی اور اُمامہ رضی اللہ عنہم، علی کی نسبت ایک روایت ہے کہ بچپن میں وفات پائی؛ لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے، ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی، فتح مکہ میں یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے، اُمامہ رضی اللہ عنہا عرصہ تک زندہ رہیں، ان کا حال آگے آئے گا۔

آپ کے اخلاق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو ریشمی چادر اوڑھے دیکھا تھا، جس پر زرد دھاریاں پڑی ہوئی تھیں۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام ونسب

مشہور روایت کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی ہیں، جو سنہ ۳۳ھ قبل نبوت میں پیدا ہوئیں۔

پہلے ابولہب کے بیٹے (عتبہ) سے شادی ہوئی یہ قبل نبوت کا واقعہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتبہ سے ہوئی تھی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوتِ اسلام کا اظہار فرمایا تو ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا اگر تم محمد کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا اُٹھنا بیٹھنا حرام ہے، دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دی۔

عام حالات

نبوت کے پانچویں سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حبش کی طرف ہجرت کی، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ گئیں، جب واپس آئیں تو مکہ کی سرزمین پہلے سے زیادہ خونخوار تھی، چنانچہ دوبارہ ہجرت کی مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا، ایک عورت نے آ کر خبر دی کہ میں نے اُن دونوں کو دیکھا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بی بی کو لیکر ہجرت کی ہے۔ (اسد الغابہ)

اس مرتبہ حبش میں زیادہ عرصہ تک مقیم رہیں، جب یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو چند بزرگ جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں مکہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی، جہاں انہوں نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام کیا۔

آپ کی وفات

سنہ ۲ھ میں غزوہ بدر کا سال تھا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے دانے نکلے اور نہایت سخت تکلیف ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں بدر کی تیاریاں کر رہے تھے، غزوہ کو روانہ ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا (بخاری: ۲) عین اسی دن جس دن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں آ کر فتح کا مژدہ سنایا حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے

وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ کی وجہ سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے؛ لیکن جب واپس آئے اور اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو نہایت رنجیدہ ہو کر قبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ پہلے جا چکے اب تم بھی ان کے پاس چلی جاؤ اس فقرہ نے عورتوں میں کہرام برپا کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوڑا لے کر مارنے کے لیے اُٹھے آپ نے ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: رونے میں کچھ حرج نہیں؛ لیکن نوحہ وبین شیطانی حرکت ہے، اس سے قطعاً بچنا چاہئے، سیدہ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں، وہ قبر کے پاس بیٹھ کر روتی جاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے سے اُن کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

آپ کی اولاد

حبش کے زمانہ قیام میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا، جس کا نام عبداللہ تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ اسی کے نام پر تھی، چھ سال تک زندہ رہا، ایک مرتبہ ایک مرغ نے اس کے چہرہ پر چونچ ماری اور جاں بحق تسلیم ہوگیا، یہ جمادی الاوّل سنہ ۴ھ کا واقعہ ہے، عبداللہ کے بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

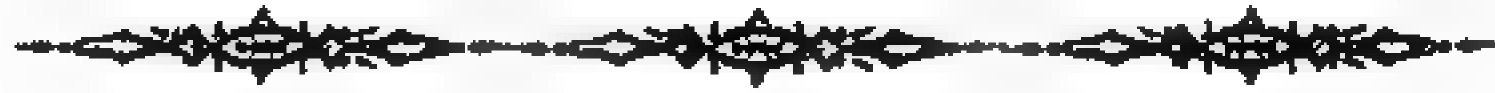
آپ کا نام ونسب

یہ تیسری صاحبزادی ہیں اور کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہیں۔

نکاح، سنہ ۳ ھ میں جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو ربیع الاوّل میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کرلیا، بخاری میں ہے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تامل کیا؛ لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: میں تم کو عثمان سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں، تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کردو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمان رضی اللہ عنہ سے کردیتا ہوں؛ بہرحال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا ۶ برس تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں۔

آپ کی وفات

شعبان سنہ ۹ ھ میں وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا، قبر پر بیٹھے تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے، آپ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے قبر میں اُتارا۔ (طبقات ابن سعد، ص ۲۵)



حضرت فاطمہ بن اسد رضی اللہ عنھا

آپ کا نام ونسب

فاطمہ نام، اسد بن ہاشم کی بیٹی اور عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی تھیں۔

نکاح

ابو طالب بن عبدالملطلب سے نکاح ہوا، جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

آپ کا قبول اسلام

آغازِ اسلام میں خاندان ہاشم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ ساتھ دیا تھا اور ان میں اکثر مسلمان بھی ہوگئے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان ہی لوگوں میں تھیں اور گو ان کے شوہر ایمان نہیں لائے؛ تاہم وہ اور ان کی بعض اولاد مشرف بہ اسلام ہوئی، جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو ان کے بجائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دست وبازو رہیں۔

ہجرت اور عام حالات

جب مسلمان ہو کر ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ کی طرف ہجرت کی؛ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہا کا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے عقد ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی والدہ (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد) سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی آتی ہیں میں پانی بھرونگا اور باہر کا کام کرونگا اور وہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔ (اسد الغابہ)

آپ کی وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وفات پائی، بعض کا خیال ہے کہ ہجرت سے قبل فوت ہوئیں؛ لیکن یہ صحیح نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اُتار کر کفن دیا اور قبر میں اتر کر لیٹ گئے، لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے سلوک نہیں کیا تھا، اس بنا پر میں نے ان کو قمیص پہنایا کہ جنت میں ان کو حلہ ملے اور قبر میں لیٹ گیا کہ شدائد قبر میں کمی واقع ہو۔ (اسد الغابہ)

اولاد حسب ذیل اولاد چھوڑی، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، طالب عقیل۔

اخلاق، اصابہ میں لکھا ہے: وہ نہایت صالح بی بی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زیارت کو تشریف لاتے اور ان کے گھر میں آرام کرتے تھے۔ (الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ)

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا

حضرت سمیہ کا اسلام کیلئے شہیدہ اول ہونے کے شرف کا بیان

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد دعوت حق کا آغاز فرمایا تو وہی قریش مکہ جن کی زبانیں آپ کو امین امین کہتے نہیں تھکتی تھیں وہ نہ صرف آپ کے خون کے پیاسے بن گئے بلکہ جو شخص بھی دعوت حق پر لبیک کہتا اس پر بے تحاشہ ظلم وستم ڈھانا شروع کر دیتے تھے۔ اس میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ اسی زمانے میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بنو مخزوم کے محلّے سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کفارِ قریش نے ایک ضعیف العمر خاتون کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں لٹا رکھا ہے اور پاس کھڑے ہو کر قہقہے لگا رہے ہیں۔ ساتھ ہی اس خاتون سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں محمد کا دین قبول کرنے کا مزہ چکھ۔

مظلوم خاتون کی بے بسی دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: صبر کرو تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے۔

راہ حق میں ظلم سہنے والی یہ خاتون جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی تلقین فرمائی اور جنت کی بشارت دی حضرت سُمیہ بنت خباط رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت سُمیہ بنت خباط رضی اللہ عنہا کا شمار نہایت بلند پایہ صحابیات میں ہوتا ہے۔ انہوں نے راہِ حق میں ضعف اور کبر سنی کے باوجود زہرہ گداز مظالم جھیلے یہاں تک کہ اپنی جان بھی اسی راہ میں قربان کر دی اور اسلام کی سب سے پہلی شہید ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل کیا۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے آباؤ اجداد میں صرف ان کے باپ خباط کا نام معلوم ہے۔ ان کا وطن اور خاندان کون سا تھا اور وہ کب اور کیسے مکہ پہنچیں؟ کُتب سیَر ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں دیتیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ایامِ جاہلیت میں مکہ کے ایک رئیس ابوحذیفہ بن المغیر ہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ یہ بعثت نبوی سے تقریباً پینتالیس سال پہلے کا ذکر ہے۔ اسی زمانے میں یمن سے ایک قحطانی النسل شخص یاسر بن عامر اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش کرتے ہوئے مکّے میں وارد ہوئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر کے ابوحذیفہ بن المغیر ہ کے حلیف بن گئے۔ اس نے حضرت سمیہ کی شادی حضرت یاسر بن عامر سے کر دی۔ ان کی صلب سے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے دو بیٹے پیدا ہوئے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ

وسلم بچپن اور جوانی کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس کا یہ سارا دور یاسر، سمیہ عبداللہ اور عمار کے سامنے گزرا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم ترین شخصیت اور اعلیٰ سیرت و کردار کا نہایت گہرا اثر قبول کیا۔ کیونکہ بعثت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز فرمایا تو اس سارے خاندان نے کسی تامّل کے بغیر اس پر لبیک کہا۔ اس وقت ابوحذیفہ مخزومی کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اس کے ورثا کی غلامی میں تھیں۔

مظالم کفار کو رضائے الٰہی کیلئے برداشت کرنے والوں کے صبر کا بیان

یہ اہل حق کیلئے بڑا پُر آشوب زمانہ تھا۔ مکّہ کا جو شخص اسلام قبول کرتا مشرکین قریش کے غیظ و غضب اور لرزہ خیز جور و تشدّد کا نشانہ بن جاتا۔ مشرکین اس معاملے میں اپنے قریب ترین عزیزوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے لڑکے غریب الوطن تھے اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بھی ابھی بنو مخزوم نے رہا نہیں کیا تھا۔ ان بے چاروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں مشرکین کو کوئی چیز مانع نہیں تھی۔ انہوں نے اس بے کس خاندان پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا دونوں بہت ضعیف اور کبرالسن تھے مگر ان کی قوت ایمانی اور استقامت کا یہ عالم تھا کہ مشرکین ان کو طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتے تھے اور شرک پر مجبور کرتے تھے لیکن انکے قدم جادہ حق سے ایک لحہ کیلئے بھی نہیں ڈگمگاتے تھے۔ یہی حال ان کے بیٹوں کا تھا۔ ان مظلوموں کو لوہے کی زرہیں پہنا کر مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لٹانا، ان کی پشت کو آگ کے انگاروں سے داغنا اور پانی میں غوطے دینا کفار کا روز کا معمول بن گیا تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام سے گزرے جہاں ان مظلوموں کو عذاب دیا جا رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر سخت دکھ ہوا اور آپ صلی اللہ علہ وسلم نے فرمایا: صبر کرو اے آل یاسر تمہارے لئے جنّت کا وعدہ ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا، اور ان کے بچوں کو مبتلائے مصیبت دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر کرو۔ الٰہی آل یاسر کی مغفرت فرما دے اور تو نے ان کی مغفرت کر ہی دی۔ بوڑھے یاسر رضی اللہ عنہ یہ ظلم سہتے سہتے ایک دن جاں بحق ہو گئے لیکن مشرکین کو پھر بھی اس خاندان پر رحم نہیں آیا اور انہوں نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بچوں پر ظلم و ستم کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

ایک دن حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا دن بھر سختیاں سہنے کے بعد شام کو گھر واپس آئیں تو ابوجہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اپنا برچھا حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو کھینچ مارا۔ وہ اسی وقت زمین پر گر گئیں اور اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل نے حضرت سمیہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی تیر مار کر شہید کر دیا۔ اب صرف حضرت عمار رضی اللہ عنہ رہ گئے تھے۔ ان کو اپنی والدہ کی مرگ بیکسی پر سخت صدمہ ہوا روتے ہوئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سنا کر عرض کیا: یارسول اللہ اب تو ظلم کی انتہا ہو گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا: اے اللہ آل یاسر کو دوزخ سے بچا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ تو بیٹے تھے ان کو والدہ کی مظلومانہ شہادت کبھی نہیں بھول سکتی تھی لیکن سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی

ابو جہل کی شقاوت اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی مرگ بیکسی یاد رہی۔ چنانچہ غزوہ بدر (رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری) میں ابو جہل جہنم واصل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا: قَدْ قَتَلَ اللّٰهُ قَاتِلَ اُمِّكَ (اللہ نے تمہاری ماں کے قاتل سے بدلہ لے لیا)

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شہادت ہجرتِ نبوی سے کئی سال قبل واقع ہوئی تھی اسلئے تمام اہل سیر انہیں اسلام کی شہیدِ اوّل قرار دیتے ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شہیدہ اسلام نے قیامت تک کیلئے جذبہ جہاد کو زندہ کر دیا ہے

یہ حضرت عمار بن یاسر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ ہیں اسلام لانے کی وجہ سے مکہ کے کافروں نے ان کو بہت زیادہ ستایا ایک مرتبہ ابو جہل نے نیزہ تان کر ان سے دھمکا کر کہا کہ تو کلمہ نہ پڑھ ورنہ میں تجھے یہ نیزہ ماردوں گا حضرت بی بی سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سینہ تان کر زور زور سے کلمہ پڑھنا شروع کیا ابو جہل نے غصہ میں بھر کر ان کی ناف کے نیچے اس زور سے نیزہ مارا کہ وہ خون میں لت پت ہو کر گر پڑیں اور شہید ہو گئیں۔

تبصرہ یہ ایک جاں باز مسلمان عورت کا پہلا خون تھا جس سے خدا کی زمین رنگین ہوگی مگر اس خون کی گرمی نے ہزاروں مسلمان مردوں اور عورتوں میں جوش جہاد کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا کہ بدر و احد اور حنین کا میدان کفار کا قبرستان بن گیا اور مکہ و خیبر میں کفر و شرک کے جنگلات کٹ گئے اور ہر طرف اسلام کا باغ پھلنے پھولنے لگا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب اور دین پر استقامت

نام و نسب: فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نام، ام جمیل کنیت، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔ نکاح: حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید سے نکاح ہوا۔

اسلام: اور انہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے۔ انکے کچھ دنوں کے بعد ہی بھائی، یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے، اور انہی کے سبب سے ہوئے، اسکا قصہ جیسا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہے تھے راہ میں ایک مخزومی صحابی سے ملاقات ہوئی، پوچھا کہ تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب اختیار کر لیا؟ بولے ہاں، لیکن پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہارے بہنوئی اور بہن نے بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب قبول کر لیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدھے بہن کے گھر پہنچے، دروازہ بند تھا اور وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، انکی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا دیئے لیکن آواز انکے کان میں پڑ چکی تھی، پوچھا کہ یہ آواز کیا تھی؟ انہوں نے کہا کچھ نہیں، بولے میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہکر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچانے کو آئیں تو انکی بھی خبر لی،

بال گھسیٹے اور اس قدر مارا کہ انکا بدن لہولہان ہو گیا۔ اسی حالت میں انکی زبان سے نکلا۔ عمر! جو ہو سکے کرو لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا ان لفاظ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دل پہ خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، انکے بدن سے خون جاری تھا، یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھکو بھی سناؤ، فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ انکو پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رعب چھاتا جارہا تھا یہاں تک کہ ایک آیت پر پہنچ کر پکار اٹھے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ۔ (اصابہ ج 8 ص 161 و اسد الغابہ، ج 4 ص 54)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی بہادری سے یہودیت بوکھلا گئی

نام و نسب: صفیہ نام، عبدالمطلب جد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا، جو حضرت آمنہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ) کی ہمشیرہ ہیں، اس بنا پر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہونے کے ساتھ آپ کی خالہ زاد بہن بھی تھیں، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہالہ سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے وہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہ حقیقی بھائی بہن تھے۔

نکاح: ابوسفیان بن حرب کے بھائی حارث سے شادی ہوئی، جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اسکے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بھائی خویلد سے نکاح ہوا۔ جس سے حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ پیدا ہوئے۔

اسلام: 40 برس کی عمر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسد الغابہ میں ہے۔ یعنی "صحیح یہ ہے کہ انکے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پھوپھی ایمان نہیں لائیں۔" (اسد الغابہ ج 5 ص 492)

غزوہ احد کی طرح غزوہ خندق میں بھی انہوں نے نہایت ہمت اور استقلال کا ثبوت دیا، انصار کے قلعوں میں فارع سب سے مستحکم قلعہ تھا، اور حضرت حسان رضی اللہ تعالی عنہ کا تھا، یہ قلعہ یہود بنو قریظہ کے آبادی سے متصل تھا، مستورات اسی میں تھیں اور انکی حفاظت کے لیے حضرت حسان رضی اللہ تعالی عنہ (شاعر) متعین کر دیئے گئے تھے، یہود نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کر دیا، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا نے دیکھ لیا۔

حسان رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا کہ اتر کر قتل کر دو۔ ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دیگا، حضرت حسان رضی اللہ تعالی عنہ کو ایک عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ جس نے ان میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے اسی بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا نے خیمہ کی چوب اکھاڑ لی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا چلی آئیں اور حسان رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ، حسان رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے کہا جانے دیجیئے، مجھکو اسکی کوئی ضرورت نہیں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اچھا جاؤ اسکا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو تا کہ یہودی مرعوب ہو جائیں، لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کو انجام دینی پڑی، یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے۔ اسی خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرأت نہیں کی۔

(طبقات ابن سعد ج8 ص27، 28 و اسد الغابہ ج5 ص493))

سن گیارہ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے، جسکا مطلع یہ ہے۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اے آنکھ خوب آنسو بہا۔" اس کو ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے۔ (اصابہ ج8 ص129))

حضرت ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہادری کی روشن کرنیں

نام ونسب: نسیبہ نام، ام عمارہ کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے ام عمارہ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار۔

نکاح: پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا۔ پھر عربہ بن عمرو کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسلام: اور انہی کے ساتھ بیعت عقبہ میں شرکت کی، سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بیعت عقبہ میں 73 مرد اور 2 عورتیں شامل تھیں۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی انہی میں شمار ہے۔

غزوات: غزوہ احد میں شریک ہوئیں اور نہایت پامردی سے لڑیں، جب تک مسلمان فتح یاب تھے۔ وہ مشک میں پانی بھر کر لوگوں کو پلاتی رہیں لیکن جب شکست ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں، کفار جب آپ پر بڑھتے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود بیان ہے کہ میں احد میں انکو اپنے داہنے و بائیں برابر لڑتے ہوئے دیکھتا تھا، ابن قمیہ جب ڈراتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑھکر روکا چنانچہ کندھے پر زخم آیا۔ اور غار پڑ گیا انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا، اس لیے کارگر نہیں ہوئی۔ (ابن ہشام ص84) بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے ایک کافر کو قتل کیا تھا۔ احد کے بعد بیعت الرضوان، خیبر اور فتح مکہ میں بھی شرکت کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یمامہ کی جنگ پیش آئی مسیلمہ کذاب سے جو مدعی نبوت تھا، مقابلہ تھا، حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے ایک لڑکے حبیب کو لیکر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ روانہ ہوئیں، اور جب مسیلمہ نے انکے لڑکے کو قتل کر دیا تو انہوں نے منت مانی کہ "یا مسیلمہ قتل ہوگا یا وہ خود جان دے دیں گے" یہ کہکر تلوار کھینچ لی اور میدان جنگ کیطرف روانہ ہوئیں اور پامردی سے مقابلہ کیا اور 12 زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔ اس جنگ میں مسیلمہ بھی مارا گیا۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کا اسلام کو نذرانہ بینائی دینے کا بیان

یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھرانے کی ایک لونڈی تھیں انہوں نے بھی جب اسلام قبول کرلیا تو سارا گھران کی جان کا دشمن ہوگیا اوران کافروں نے اتنا مارا کہ ان کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تو کافران کو یہ طعنہ دینے لگے کہ تو نے ہمارے دیوتاؤں کو چھوڑ دیا تو تیری آنکھیں پھوٹ گئیں اب کہاں ہے تیرا ایک خدا تو کیوں نہیں اس کو بلاتی کہ وہ تیری آنکھوں کو روشن کردے یہ طعنہ سن کر وہ نہایت جرات کے ساتھ کہا کرتی تھیں میں جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی ہوں یقیناً وہ خدا کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور میرا ایک خدا اگر چاہے گا تو ضرور میری آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور تمہارے سیکڑوں دیوتا میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کا یہ طعنہ سنا تو فرمایا کہ اے زنیرہ! تو صبر کر پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمادی تو ان کی آنکھوں میں ایک دم روشنی آ گی یہ معجزہ دیکھ کر کفار کہنے لگے کہ یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو ہے وہ رسول نہیں ہیں بلکہ وہ تو عرب کے سب سے بڑے جادوگر ہیں (معاذ اللہ)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کردیا۔

تبصرہ اے مسلمان ماؤں بہنو! تمہیں خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ حضرت لبینہ وحضرت نہدیہ وحضرت ام عبیس وحضرت زنیرہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی جاں سوز ودل دوز حکایتوں کو بغور اور بار بار پڑھو اور سوچو کہ ان اللہ والیوں نے اسلام کیلئے کیسی کیسی مصیبتیں اٹھائیں مگر ایک سیکنڈ کے لئے بھی اسلام سے ان کے قدم نہیں ڈگمگائے ایک تم ہو کہ ذرا کوئی تکلیف پہنچ تو تم گھبرا کر اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتی ہو اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناشکری کے الفاظ بولنے لگتی ہو اور ذرا کافروں نے دھونس دی تو تم کافروں کی بولیاں بولنے لگتی ہو خدا کے لئے اے مسلمان مردو اور اے مسلمان عورتو! تم ان اللہ کی مقدس بندیوں کا کردار پیش کرو کہ اپنے ایمان واسلام پر اتنی مضبوطی کے ساتھ قائم رہو کہ تمہیں دیکھ کر کافروں کی دنیا پکار اٹھے کہ۔

بنائے آسمان بھی اس ستم پر ڈگمگائے گی　　　مگر مومن کے قدموں میں کبھی لغزش نہ آئے گی

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ایک مشہور صحابیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب ان کے لڑکے عمیر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بہت غمگین ہوئیں، ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر ایک ماں کو کتنا غم ہوا ہوگا۔ اور ایک ماں ہی اس غم کو اچھی طرح جانتی ہے، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اس دکھ وملال کے موقع پر پورے صبر وضبط کے ساتھ نوحہ وواویلہ کیئے بغیر اپنے چہیتے لڑکے کو غسل دیا اور کفن وغیرہ دے کر چارپائی پر لٹادیا۔

حضرت ام سلیم کے صبر وہمت کا عظیم درس

شام جب ام سلیم رضی اللہ عنہا کے خاوند ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سفر سے گھر لوٹے تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کے گھر آنے پر نہ کسی قسم کا واویلہ ونوحہ کا اور نہ کسی قسم کے رنج وملال کا اظہار کیا۔ بلکہ عام حالات میں ایک مسافر جب تھکا ماندہ گھر آتا ہے تو جس طرح اس کی خیر خیریت دریافت کی جاتی ہے اور اس کے کھانے پینے اور آرام کا انتظام کیا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح سے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر سے خیر خیریت دریافت کی اور کھانے پینے کا انتظام فرمایا اور آرام وغیرہ کا انتظام کیا، اس کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ رات بھی گزاری۔

انسان کو عطا کردہ نعمتیں اللہ کی امانت ہیں

اور جب صبح ہوئی تو حضرت ام سلیم انتہائی سنجیدگی کے ساتھ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا دیکھئے میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں ضرور کیجئے! حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا اگر کوئی شخص ہمارے پاس کوئی امانت رکھوائے اور کچھ دن بعد ہم سے واپس طلب کرلے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اسے تو اس کے حوالہ کردینا چاہئے۔ اور یہی عقلمندی وانصاف کا تقاضہ ہے۔ پھر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا دیکھو ہمارا جو لڑکا عمیر رضی اللہ عنہ تھا وہ اللہ کی امانت تھی اور اللہ نے اسے لے لی اور اللہ کو پورا حق ہے کہ وہ اپنی چیز جس سے چاہے جب چاہے لے لے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے اس طرز عمل پر حیرت زدہ ہوئے کہ ایک عورت کو اللہ نے صبر وضبط اور سنجیدگی کا ایک بڑا حصہ عطا کیا ہے اور اسے دین کی اتنی اعلیٰ سمجھ عطا فرمائی ہے۔

یہ واقعہ اپنے دامن میں اتنا عظیم سبق رکھتا ہے کہ اس سے عبرت وموعظت حاصل کرنے والی ہر عورت طرح کے سبق موجود

ہیں۔

شوہر کا پاس ولحاظ ،اپنی متاع عزیز کے کھونے پر صبر واستقامت۔ شکوہ وگلہ سے پرہیز

شوہر کا پاس ولحاظ: اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ عورتیں شوہروں کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کی پوری کوشش کرتی ہیں اور اس کے لئے طرح طرح کے داؤ پیچ کا استعمال کرتی ہیں حالانکہ یہ بات بہت ہی سنگین ہے جس کے نتائج اکثر اوقات نقصان دہ ہوتے ہیں۔ جو عورتیں اس طرح کی عادات وصفات رکھتی ہیں بھلاوہ کیسے اپنے شوہروں کے دکھ درد کا خیال رکھیں گی، جب شام کو تھکا ماندہ گھر لوٹے تو اسے کس طرح سے دلی سکون وچین پہنچائیں گی۔

ایک بیوی بحیثیت بیوی اپنے گھر دار کا اپنے نفس وآبرو کا اور اپنے شوہر کا پورا پورا خیال رکھنا چاہئے اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی خاطر مدارت میں کوتاہی کرتی ہے تو یقیناً ایسی عورت گناہ گار ہوگی اور اللہ کی رحمت سے دور ہوگی ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ بیوی اس طرح کی ہنس مکھ اور ملنسار ہونی چاہئے کہ اگر شوہر اسے ایک نظر دیکھ لے تو دل باغ باغ ہو جائے اور اس کی ساری تھکان دور ہو جائے اور شوہر کے اچھے برے کا خیال ہر حال میں رکھے خواہ اس کی حالت خوشی ومسرت کی ہو یا غم وملال کی۔ ایسا نہیں کہ خوشی و مسرت کے موقع پر تو شوہر کا ساتھ دے اور غم ورنج کے موقع پر شوہر کا ساتھ چھوڑ دے۔

کھوئی ہوئی چیز پر صبر استقامت: عورتیں چھوٹی چھوٹی سی بات پر اور معمولی سے نقصان پر صبر وہمت کا دامن چھوڑ دیتی ہیں اور واویلا اور نوحہ کرنے لگتی ہیں۔ حالانکہ اسلام نے اس طرح کی حرکت سے باز رکھا ہے اور یہ سبق دیا ہے کہ انسان کو جب کوئی اچھی چیز مل جائے تو اس پر خوش ہو اور اللہ کا شکر بجالائے اور کوئی چیز گم ہو جائے تو اس پر زیادہ رنج وملال کا اظہار نہ کرے۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ہی دیکھئے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے لاڈلے اور پیارے بیٹے کے فوت ہونے پر کس طرح سے صبر ہمت کا دامن تھامے کر رکھا۔ اور کس طرح سے سنجیدگی ومتانت کا اظہار کیا۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا عجیب حق مہر ہونے کا واقعہ

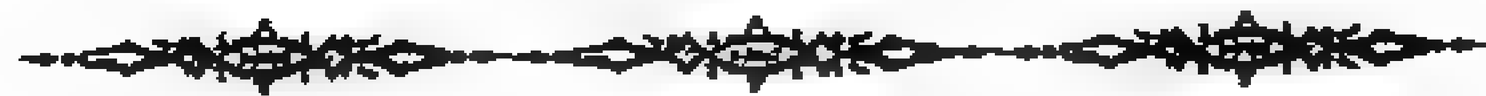
مدینہ میں اوائل اسلام میں مسلمان ہوئیں، مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے اور حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا تبدیل مذہب پر اصرار کرتی تھیں اس لیے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا، ابوطلحہ نے جو اسی قبیلہ سے تھے نکاح کا پیغام دیا؛ لیکن حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کو اب بھی وہی عذرت تھا، یعنی ابوطلحہ مشرک تھے، اس لیے وہ ان سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں؛ غرض ابوطلحہ نے کچھ دن غور کر کے اسلام کا اعلان کیا اور حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کے سامنے آ کر کلمہ پڑھا، حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کر دو (اصابہ، بحوالہ ابنِ سعد) ساتھ ہی مہر معاف کر دیا اور کہا، میرا مہر اسلام ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ یہ نہایت عجیب وغریب مہر تھا۔



بکری کے دودھ کے آسودہ کرنے کا واقعہ

جلیل القدر صحابی سادس الاسلام حضرت خباب رضی اللہ عنہ بن الارت کی صاحبزادی تھیں اور خود بھی شرف صحابیت سے بہرہ ور تھیں۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میرے والد (حضرت خباب رضی اللہ عنہ بن ارت) کو کسی غزوہ کے لیے گھر سے باہر جانا پڑا۔ گھر سے چلتے وقت وہ ہمارے پاس ایک بکری چھوڑ گئے اور کہہ گئے کہ جب تم اس بکری کا دودھ دوہنا چاہو تو اس کو اصحاب صفہ کے پاس لے جانا۔ چنانچہ میں اس بکری کو اصحاب صفہ کے پاس لے گئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما تھے آپ نے اس بکری کو پکڑا اور اس کے پیر رسی سے باندھ دیئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارے پاس جو سب سے بڑا برتن ہے وہ میرے پاس لے آؤ۔ میں گئی اور مجھے سوائے اس برتن کے جس میں آٹا گوندھا جاتا تھا اور کوئی برتن نہ ملا میں اسی کو لے آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ دوہا اور وہ برتن بھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو لے جاؤ خود بھی پیو اور پڑوسیوں کو بھی پلاؤ، جب تم اس بکری کا دودھ دوہنا چاہو اسے میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ میں صبح و شام اس بکری کو آپ کے پاس لے جاتی تھی اور آپ دودھ دوہ دیتے تھے۔ دودھ کی کثرت نے ہمیں بہت آسودہ کر دیا۔ جب میرے والد واپس آئے اور اس بکری کو دوہا تو وہ اپنے دودھ کی پہلی مقدار پر لوٹ آئی، میری والدہ نے ان سے کہا آپ نے تو اس بکری کو خراب کر دیا۔ انہوں نے پوچھا کیا بات ہے ماں نے کہا یہ بکری تو تغار بھر کر دودھ دیتی تھی۔ والد نے پوچھا کون دوہا کرتے تھا میری والدہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میرے والد نے کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر سمجھ رہی ہو، خدا کی قسم آپ کا دست مبارک میرے ہاتھ سے کہیں زیادہ برکت والا ہے۔ حضرت خباب بن الارت کی صاحبزادی کے مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔



حفصہ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنھا

فضائل کا میدان

فضائل کے میدان میں درجات کی دوڑ میں یہ تابعیہ عصر تابعین کی خواتین کے مقدمہ میں نظر آتی ہیں۔ان کے دادا حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔کیا آپ ان صدیق کو جانتے ہیں ان کو فضائل میں اتنا کافی ہے کہ یہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے اور جب غار ثور میں تھے ثانی اثنین کہلائے اور انکا اسلام میں وہ بلند کردار ہے جس کو اس کتاب میں بیان نہیں کیا جاسکتا اور انکے اور بھی کارنامے ہیں جو کسی اور میں نہیں پائے جاتے۔یعنی یہ کہ یہ اسلام کے پہلے خلیفہ تھے اور پہلے شخص تھے جنھیں حج کا امیر بنا کر بھیجا گیا۔ہجرت کے نویں سال آپ نے لوگوں کو حج پڑھایا پہلے خلیفۂ راشد ان سب میں افضل اور ان بڑے صحابہ میں سے تھے جنہوں نے پورا قرآن کریم حفظ کیا تھا۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ان کی دادی ام رومان بنت عامر بن عویمر کلنانیہ ہیں جو رسول اللہ کی عزیز مددگار اور آپ کی زوجہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اور ام رومان اسلام کی عبادت کرنے والی خاتون تھیں۔

ان کے بارے میں آنحضرت کا ارشاد ہے کہ جو پسند کرے کہ حورعین میں سے کسی عورت کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ وہ ام رومان کو دیکھے۔ان کی پھوپھی ان کے والد کی سگی بہن، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ہیں جو الامام صدیق اکبر خلیفہ رسول ابوبکر کی بیٹی اور نبی کریم کی زوجہ اور امت محمدیہ کی عورتوں میں علی الاطلاق سب سے بری فقیہ تھیں۔

انکی خالہ ام سلمہ ام المومنین ھند بنت ابی امیہ المخز ومیہ جو سیدہ طاہرہ گوشہ نشین خاتون تھیں پہلی مہاجرات میں سے اور حسب نسب کے اعتبار سے سب خواتین میں افضل اور یہ امہات المومنین میں سب سے آخر میں فوت ہوئی ہیں انہیں فقہاء صحابیات میں شمار کیا جاتا ہے(رضی اللہ عنہا)

ان کے والد عبدالرحمٰن بن ابی بکر اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ کے بھائی مدرسہ نبوی کی ایک شہسوار اولاد صدیق اکبر میں سب سے زیادہ عمر پانے والے اور یاد رہنے والے تیرانداز اور مشہور بہادر تھے جنہوں نے جنگ یمامہ میں اکیلے نے سات بڑے مشرکین کو واصل جہنم کیا۔ان کو فخر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ آنحضرت کے برادر نسبتی ہیں۔

ان کی والدہ قریبہ بنت ابی امیہ المخز ومیہ ہیں جو ام سلمہ ام المومنین کی والد کی طرف سے بہن ہیں یہ ایمان لائیں اور رسول اللہ سے بندہ کی اور پھر عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی شریک حیات بنیں یہ ذرا سخت مزاج تھیں تو ایک مرتبہ عبدالرحمٰن کو کہا کہ خدا کی قسم میں تجھ سے اب بچوں گی۔تو عبدالرحمٰن نے کہا کہ پھر تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ ہے(یعنی طلاق کا اختیار دے دیا) تو انہوں نے کہا کہ میں

صدیق کے بیٹے پر کسی اور ترجیح نہیں دوں گی۔ تو عبدالرحمٰن نے انہیں اپنائے رکھا اور طلاق نہیں ہوئی یہ ان کی فضیلت اور نسلی بزرگی کی دلیل ہے۔

ان فضائل کے سمندروں اور اتوارات میں حفصہ بنت عبدالرحمٰن نے پرورش پائی تو یہ ان مشہور تابعیات میں سے بن گئیں جن سے روایت لی جاتی ہے۔

حفصہ اپنی پھوپی عائشہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ

اپنی پھوپھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے سائے میں حفصہ کو ہر رعایت اور اہمیت حاصل ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ ان سے بہت محبت کرتیں اور ان کا اکرام کرتی تھیں اور ان کے امور کا خیال رکھتیں اور جب یہ شادی کی عمر کو پہنچیں تو ان کی شادی ان کے ایک کفو قریش کے وجیہ بہادر اور اکابر میں سے ایک شخص منذر بن زبیر بن العوام الاسدی سے شادی کر دی یہ حضرت عائشہ کے بھانجے تھے اور یہی منذر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہت مقرب تھے حتی کہ حضرت معاویہ نے وصیت کی تھی کہ ان کے غسل میت میں منذر شریک ہوں انکے بہت قصے ہیں یہ اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ میں شہید ہو گئے۔

الطبقات میں ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بھتیجی حفصہ کا نکاح اپنے بھانجے منذر بن زبیر سے کر دیا تھا تو اس وقت عبدالرحمٰن مدینے میں نہیں تھے، جب وہ سفر سے واپس آئے تو انہوں نے اس نکاح کی اجازت نہیں دی اور اسے رد کر دیا اور حفصہ کا معاملہ ان کے ہاتھ

حفصہ کی روایت اور حفظ

شاید کہ اس گھر نے جس میں حفصہ رہیں اور اس خاندان نے جس کے سائے میں انہوں نے زندگی گزاری ان کو حدیث نبوی کی ثقہ راویہ بنا دیا تھا اور واضح بات یہ ہے کہ حفصہ نے صرف اپنے اقارب سے روایت کی ہے اور وہ سب حفظ و اتقان میں بڑے علماء تھے۔ انہوں نے اپنے والدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے اور اپنی پھوپھی عائشہ ام المومنین سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کو سب سے زیادہ جانتی تھیں اسی طرح اپنی خالہ ام سلمہ ام المومنین سے روایت کی۔

یہاں یہ ذکر کرن امناسب ہوگا کہ حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہ اسد کی عورتوں میں مطلقاً روایت اور حفظ احادیث میں سب سے آگے تھیں حضرت عائشہ نے رسول اللہ سے ۰ حدیثیں اور ام سلمہ کی احادیث تک جا پہنچتی ہیں۔ اس کے علاوہ جن لوگوں نے حفصہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت کی وہ سب کے سب بڑے تابعین اور ان کے علماء تھے اور حدیث نبوی کے فن کے ماہر تھے ان میں سے عراک بن مالک عبدالرحمٰن بن سابط، یوسف بن ماہک اور عون بن عباس شامل ہیں۔ حفصہ کی احادیث صحیح اور سنن میں ہیں صحیح مسلم اور سنن میں سے ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت موجود ہیں۔

اور ان کی توثیق کئی علماء حدیث نے کی ہے علامہ العجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حفصہ بنت عبدالرحمن تابعیہ اور ثقہ ہیں اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ثقات میں لکھا ہے۔

مجاھدہ ام حکیم رضی اللہ عنہا بنت الحارث

حضرت ام حکیم مجاہدہ خاتوں تھیں

یہ ام حکیم رضی اللہ عنہا بڑی بہادر دل مجاہدہ عورتوں میں سے تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے شوہر سے سچی محبت کرنے والی تھیں، اسلام لانے سے پہلے اپنے شوہر کے لیکن فتح مکہ کے وقت اللہ نے اسلام کی حقانیت دل میں ڈال دی اپنی فطری سلامت روی کی بنا پر اسلام قبول کرنے میں بہت جلدی کی اور مسلمان ہوگئیں مگر خاوند نے بات نہ مانی اور جان بچا کر یمن بھاگ گئے اور اسلام نہ لائے۔

شوہر کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر

چونکہ ان کو شوہر سے بہت زیادہ محبت تھی جیسا کہ ایک سچی وفادار بیوی کو اپنے شوہر سے ہونا چاہیے، آپ سے انہوں نے اپنے شوہر کیلئے امن چاہا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کشادہ دل و دامن عفو سے جو سب کیلئے عام تھا (یہاں تک کہ اپنے جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کیلئے بھی یہ معافی کا دستر خوان بچھا ہوا تھا) امن دے دیا۔

اور یہ اپنے خاوند کو جہنم کی آگ سے بچانے، اور ہمیشہ ہمیشہ کی ناکامی و رسوائی اور ذلت سے بچانے کیلئے، ڈھونڈتے ڈھونڈتے یمن پہنچیں، ان کو ساحل سمندر پر پایا جب وہ کشتی میں سفر کے لئے تیار ہو چکے تھے ان کو آواز دے کر روکا اور عجیب محبت بھرے الفاظ میں ان کو خطاب فرما کر دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

اس عورت کا حکیمانہ انداز دیکھئے! واقعۃً حکیمہ تھیں سب سے پہلے ان کو اپنے خونی رشتے سے مخاطب کر کے اپنے قریب کیا اور کہا: اے میرے چچا کے بیٹے۔ اور یہ فطری عمل ہے کہ خونی رشتہ کی پکار محبت کے مردہ جذبات میں نئی روح ڈال کر ان کو زندہ کر دیتی ہے اور انسان مجبور ہو کر اپنے محبوب کی پکار پر لبیک کہہ دیتا ہے۔

جئتك من اوصل الناس وابر الناس وخير الناس!

میں آپ کے پاس آئی ہوں ایک ایسے رحم دل آدمی کی طرف سے جو سب لوگوں سے ملاپ رکھنے والا صلہ رحمی کرنے والا لوگوں میں سب سے زیادہ نیک اور سب سے زیادہ اچھائیوں اور بھلائیوں کا مالک ہے۔

اس لئے آپ اپنے آپ کو ہلاک نہ کیجئے میرے ساتھ چل کر ایمان لے آیئے۔ اور میں نے آپ کے لئے ان سے امن چاہا ہے اور انہوں نے آپ کو امن بھی دے دیا ہے۔ تو ان کے شوہر نے تعجب سے پوچھا (انت فعلت ذلک؟) کیا آپ نے ایسا کر لیا

ہے؟

انہوں نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہوا ہے تو یہ واپس لوٹے اور اسلام قبول کیا اور پھر اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کیا اور پھر اسلام پھیلانے میں جان توڑ کوشش کی، نہایت جوش وخروش سے غزوات میں شرکت کی بڑی بہادری اور جان بازی سے اسلام کے لئے لڑے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب رومیوں سے جنگ چھڑی تو ام حکیم اپنے شوہر عکرمہ کے ساتھ شام کے کنارے بستی یرموک گئیں، اور وہاں ان کے شوہر شہید ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

دوسرا نکاح

پھر عدت کے بعد خالد بن سعید سے ان کا نکاح دمشق کی بستی مرج الصفر میں ہوا، شوہر نے رسم عروسی ادا کرنے کی تیاری کی تو ام حکیم رضی اللہ عنہا نے کہا: رومیوں کے حملہ کرنے کا ہر وقت اندیشہ ہے لہذا تھوڑا سا توقف کر لو! خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اس معرکہ میں اپنے شہید ہونے کا یقین ہے تو وہ بھی راضی ہو گئیں۔ وہیں ایک پل کے پاس جس کو اب (قنطرہ ام حکیم) کہتے ہیں، خیمہ میں رخصتی ہوئی، خالد رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں گئے، اور شہادت حاصل کی، اس کے بعد ام حکیم رضی اللہ عنہا اٹھیں اور چونکہ یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بھانجی تھیں ان کی والدہ فاطمہ بنت ولید حضرت خالد بن ولید کی ہمشیرہ تھیں، تو بھانجی پر بھی بہادری اور ہمت اور جرات کا یہ اثر تھا کہ یہ خود اٹھیں اور کافروں سے مقابلہ کیا، بہادری اور دلیری کے ساتھ مکان کے کھونٹے سے سات آدمیوں کو قتل کا دو۔ اس واقعہ سے ایک اور سبق یہ بھی ملا کہ بیوی اپنے شوہر کی آخرت سنوارنے کی بھی فکر کرے۔

fmet.com

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا

حضرت کے مضبوط ایمان کا بیان

حضرت قتادہ فرماتے ہیں روئے زمین کے تمام تر لوگوں میں سب سے زیادہ سرکش فرعون تھا لیکن اس کے کفر نے بھی اس کی بیوی کو کچھ نقصان نہ پہنچایا اس لئے کہ وہ اپنے زبردست ایمان پر پوری طرح قائم تھیں اور رہیں جان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے وہ ایک گناہ پر دوسرے کو نہیں پکڑتا۔ حضرت سلمان فرماتے ہیں فرعون اس نیک بخت بیوی کو طرح طرح سے ستاتا تھا سخت گرمیوں میں انہیں دھوپ میں کھڑا کر دیتا لیکن پروردگار اپنے فرشتوں کے پروں کا سایہ ان پر کر دیتا اور انہیں گرمی کی تکلیف سے بچا لیتا بلکہ ان کے جنتی مکان کو دکھا دیتا جس سے ان کی روح کی تازگی اور ایمان کی زیادتی ہو جاتی۔ فرعون اور حضرت موسیٰ کی بابت یہ دریافت کرتی رہتی تھیں کہ کون غالب رہا تو ہر وقت یہی سنتیں کہ موسیٰ غالب رہے۔ بس یہی ان کے ایمان کا باعث بنا اور یہ پکار اٹھیں کہ میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائی۔

پتھر کی چٹان کے نیچے سے حق کی آواز کے بلند ہونے کا واقعہ

فرعون کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ جو بڑی سے بڑی پتھر کی چٹان تمہیں ملے اسے اٹھوا لاؤ اور اسے چت لٹاؤ اور اسے کہو کہ اپنے اس عقیدے سے باز آئے اگر باز آ جائے تو میری بیوی ہے عزت وحرمت کے ساتھ واپس لاؤ اور اگر نہ مانے تو وہ چٹان اس پر گرا دو اور اس کا قیمہ قیمہ کر ڈالو۔ جب یہ لوگ پتھر لائے انہیں لے گئے لٹایا اور پتھر ان پر گرانے کے لئے اٹھایا تو انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی پروردگار نے حجاب ہٹا دیئے اور جنت کو اور وہاں جو مکان ان کے لئے بنایا گیا تھا اسے انہوں نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا اور اسی میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ جس وقت پتھر پھینکا گیا اس وقت ان میں روح تھی ہی نہیں، اپنی شہادت کے وقت دعا مانگتی ہیں کہ اللہ جنت میں اپنے قریب کی جگہ مجھے عنایت فرما اس دعا کی اس باریکی پر بھی نگاہ ڈالئے کہ پہلے اللہ کا پڑوس مانگا جا رہا ہے پھر گھر کی درخواست کی جا رہی ہے۔

اس واقعہ کے بیان میں مرفوع حدیث بھی وارد ہوئی ہے، پھر دعا کرتی ہیں کہ مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے میں اس کی کفریہ حرکتوں سے بیزار ہوں، مجھے اس ظالم قوم سے عافیت میں رکھ، ان بیوی صاحبہ کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا رضی اللہ عنہا۔ ان کے ایمان کا باعث بنا، وہ ایک روز فرعون کی لڑکی کا سر گوندھ رہی تھی اچانک کنگھی ہاتھ سے گر گئی اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ کفار برباد ہوں اس پر فرعون کی لڑکی نے پوچھا کہ کیا میرے باپ کے سوا تو کسی اور کو اپنا رب مانتی ہے؟ اس نے کہا میرا اور تیرے باپ کا

اور ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے، اس نے غصہ میں آ کر انہیں خوب مارا پیٹا اور اپنے باپ کو اس کی خبر دی، فرعون نے انہیں بلا کر خود پوچھا کہ کیا تم میرے سوا کسی اور کی عبادت کرتی ہو؟ جواب دیا کہ ہاں میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ ہے میں اسی کی عبادت کرتی ہوں، فرعون نے حکم دیا اور انہیں چت لٹا کر ان کے ہاتھ پیروں پر میخیں گڑوا دیں اور سانپ چھوڑ دیئے جو انہیں کاٹتے رہیں، پھر ایک دن آیا اور کہا اب تیرے خیالات درست ہوئے؟

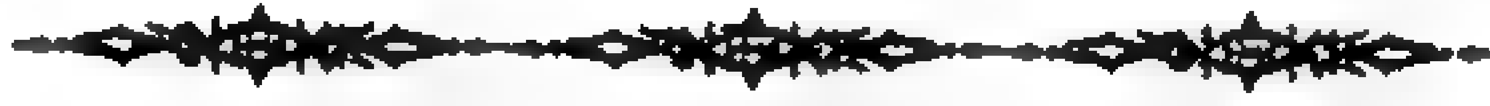
وہاں سے جواب ملا کہ میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ ہی ہے، فرعون نے کہا اب تیرے سامنے میں تیرے لڑکے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دونگا ورنہ اب بھی میرا کہا مان لے اور اس دین سے باز آ جا، انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ تو کر سکتا ہو کر ڈال، اس ظالم نے ان کے لڑکے کو منگوایا اور ان کے سامنے اسے مار ڈالا جب اس بچہ کی روح نکلی تو اس نے کہا اے ماں خوش ہو جا تیرے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے ثواب تیار کر رکھے ہیں اور فلاں فلاں نعمتیں تجھے ملیں گی، انہوں نے اس روح فرسا سانحہ کو بچشم خود دیکھا لیکن صبر کیا اور راضی بہ قضاء ہو کر بیٹھی رہیں فرعون نے انہیں پھر اسی طرح باندھ کر ڈلوا دیا اور سانپ چھوڑ دیئے پھر ایک دن آیا اور اپنی بات دہرائی بیوی صاحبہ نے پھر نہایت صبر و استقلال سے وہی جواب دیا اس نے پھر وہی دھمکی دی اور ان کے دوسرے بچے کو بھی ان کے سامنے ہی قتل کرا دیا۔

دنیا میں رہ کر جنتی مکان دیکھنے والی خوش نصیب خاتون کا واقعہ

اس کی روح نے بھی اسی طرح اپنی والدہ کو خوشخبری دی اور صبر کی تلقین کی، فرعون کی بیوی صاحبہ نے بڑے بچہ کی روح کی خوش خبری سنی تھی اب اس چھوٹے بچے کی روح کی بھی خوش خبری سنی اور ایمان لے آئیں، ادھر ان بیوی صاحبہ کی روح اللہ تعالیٰ نے قبض کر لی اور ان کی منزل و مرتبہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تھا وہ حجاب ہٹا کر فرعون کی بیوی کو دکھا دیا گیا۔ یہ اپنے ایمان و یقین میں بہت بڑھ گئیں یہاں تک کہ فرعون کو بھی ان کے ایمان کی خبر ہو گئی، اس نے ایک روز اپنے درباریوں سے کہا تمہیں کچھ میری بیوی کی خبر ہے؟ تم اسے کیا جانتے ہو؟ سب نے بڑی تعریف کی اور ان کی بھلائیاں بیان کیں فرعون نے کہا تمہیں نہیں معلوم وہ بھی میرا سوا دوسرے کو اللہ مانتی ہے پھر مشورہ ہوا کہ انہیں قتل کر دیا جائے، چنانچہ میخیں گاڑی گئیں اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا گیا اس وقت حضرت آسیہ نے اپنے رب سے دعا کی کہ پروردگار میرے لئے اپنے پاس جنت میں مکان بنا، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حجاب ہٹا کر انہیں ان کا جنتی درجہ دکھا دیا جس پر یہ ہنسنے لگیں، ٹھیک اسی وقت فرعون آ گیا اور انہیں ہنستا ہوا دیکھ کر کہنے لگا لوگو تمہیں تعجب نہیں معلوم ہوتا کہ اتنی سخت سزا میں یہ مبتلا ہے اور پھر ہنس رہی ہے یقیناً اس کا دماغ ٹھکانے نہیں، الغرض انہی عذابوں میں یہ بھی شہید ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

پھر دوسری مثال حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کی بیان کی جاتی ہے کہ وہ نہایت پاک دامن تھیں، ہم نے اپنے فرشتے جبرائیل کی معرفت ان میں روح پھونکی حضرت جبرائیل کو انسانی صورت میں اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ اپنے منہ سے ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک مار دیں، اسی سے حمل رہ گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، پس فرمان ہے کہ میں نے

اس میں اپنی روح پھونکی، پھر حضرت مریم کی اور تعریف ہو رہی ہے کہ وہ اپنے رب کی تقدیر اور شریعت کو سچ ماننے والی تھیں اور پوری فرمانبردار تھیں، مسند احمد میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور صحابہ سے دریافت کیا کہ جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو پورا علم ہے، آپ نے فرمایا سنو تمام جنتی عورتوں میں سے افضل خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد اور مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں، صحیح بخاری صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے تو صاحب کمال بہت سارے ہوئے ہیں، لیکن عورتوں میں سے کامل عورتیں صرف حضرت آسیہ ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں اور حضرت مریم بنت عمران ہیں اور حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں اور حضرت عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے سالن میں چوری ہوئی روٹی کی فضیلت باقی کھانوں پر ہے۔



حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء

نام ونسب:

ربیع نام۔قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ربیع بنت، معوذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار، والدہ کا نام ام تزید تھا۔جو قیس بن زعورا کی بیٹی تھی، حضرت ربیع رضی اللہ تعالی عنہا اورانکے تمام بھائی عفراء کی اولاد مشہور ہیں، عفراء ان لوگوں کی دادی رہیں۔(تہذیب التہذیب ج12 ص418)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نہ کہو(اوراسکے علاوہ جو کہتی تھیں وہ کہو)(صحیح بخاری ج2 ص570)

عام حالات: غزوات میں شرکت کرتی تھیں زخمیوں کا علاج کرتیں لوگوں کو پانی پلاتیں اور مقتولوں کو مدینہ پہنچاتیں اور فوج کی خدمت کرتی تھیں،(مسندج6 ص358)

غزوہ حدیبیہ میں بھی موجود تھیں، جب بیعت رضوان کا وقت آیا تو انہوں نے بھی آ کر بیعت کی۔سن پینتیس ہجری میں اپنے شوہر سے علیحدہ ہوئیں، شرط یہ تھی کہ جو کچھ میرے پاس ہے اسکو لیکر مجھ سے دستبردار ہو جاؤ، چنانچہ اپنا تمام سامان انکو دیدیا، صرف ایک کرتی رہنے دی لیکن شوہر کو یہ بھی گوارہ نہ ہوا، جا کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، چونکہ ربیع نے کل چیزوں کی شرط کی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا تمکو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے۔اور شوہر سے فرمایا کہ تم انکے جوڑا باندھنے کی دھجی تک لے جا سکتے ہو،(اصابہ ج8 ص80 بحوالہ ابن سعد)

وفات: حضرت ربیع رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات کا سال نامعلوم ہے۔اولاد: اولاد میں محمد مشہور ہیں۔

حضرت ربیع کا فضل وکمال کا بیان

حضرت ربیع سے اکیس حدیثیں مروی ہیں، علمی حیثیت سے انکا یہ پایہ تھا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔(مسند ج6 ص358) راویوں میں بہت سے لوگ ہیں مثلاً عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بنت انس بن مالک، سلیمان بن یسار، ابوسلمہ بن عبدالرحمن نافع، عبادہ بن الولید، خالد بن ذکوان، عبداللہ بن محمد بن عقیل، ابوعبیدہ بن محمد (حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ، ابن یاسر کے پوتے) محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان،

حضرت ربیع رضی اللہ عنہا اور جذبہ ایمان

جوش ایمان اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت مخربہ جو ابو ربیعہ مخزومی کی بیوی تھی، اور عطر بیچتی تھی چند عورتوں کے ساتھ ربیع رضی اللہ تعالی عنہا کے گھر آئی اور انکا نام ونسب دریافت کیا، چونکہ ربیع رضی اللہ تعالی عنہا کے بھائی نے ابوجہل کو بدر میں قتل کیا

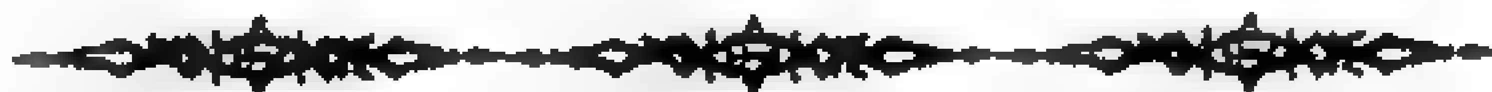
تھا، اور اسماء قریش کے قبیلے سے تھی بولی، "تو تم ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہو؟" حضرت ربیع رضی اللہ تعالی عنہا کو ابوجہل کی نسبت سردار کا لفظ نہایت ناگوار ہوا۔ اور بولیں "سردار نہیں بلکہ غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں۔" اسماء کو ابوجہل کی شان میں یہ گستاخی پسند نہ آئی، جھنجھلا کر کہا مجھکو تمھارے ہاتھ سودا بیچنا حرام ہے۔ حضرت ربیع رضی اللہ تعالی عنہا نے برجستہ کہا، مجھکو تم سے کچھ خریدنا حرام ہے، کیونکہ تمھارا عطر، عطر نہیں بلکہ گندگی ہے۔ (اسد الغابہ ج5 ص456)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیانتہا محبت تھی، آپ انکے گھر اکثر تشریف لیجاتے تھے۔ (مسند ج6 ص352)

ایک مرتبہ آپ تشریف لائے اور ان سے وضو کے لیے پانی مانگا۔ (ابوداؤد ج1 ص13) ایک مرتبہ دو طباقوں میں چھوہارے اور انگور لیکر گئیں، تو آپ نے زیور یا سونا مرحمت فرمایا۔ (مسند ج6 ص359)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مرتبہ کسی نے حلیہ پوچھا تو بولیں "بس یہ سمجھ لو کہ آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔"

(اسد الغابہ ج5 ص452)



واقعات فقہاء و تابعین

حضرت امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ

نعمان نام، ابوحنیفہ کنیت اور امام اعظم آپ کا لقب ہے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے شجرۂ نسب کے سلسلہ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اسماعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ہمارے پردادا ثابت بچپن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے برکت کی دعا کی، اللہ نے یہ دعا ہمارے حق میں قبول فرمائی۔

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی گریہ وزاری

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی گریہ وزاری اور معافی مانگنے کا بھی عجب معمول تھا۔ تبع تابعین کے دور کے ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ میں کوفہ کی جامع مسجد میں اس ارادے سے رات بسر کرنے آیا کہ دیکھوں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی شب بیداری کیسی ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ نماز عشاء پڑھنے کے بعد امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ گھر گئے۔ دن کو جو عالمانہ لباس پہنا ہوا تھا تبدیل کر کے اللہ کے حضور پیش ہونے کے لئے غلامانہ لباس پہن آئے اور مسجد کے کونے میں کھڑے ہو گئے، ساری رات اپنی داڑھی کھینچتے رہے اور عرض کرتے رہے مولا! ابوحنیفہ تیرا مجرم ہے۔ اسے معاف کر دے، حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ وہ رو رو کر بے ہوش ہو جاتے جب ہوش آتا تو عرض کرتے مولا! اگر قیامت کے دن ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ بخشا گیا تو بڑے تعجب کی بات ہوگی۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا دیوار کے سائے میں نہ بیٹھنے کا واقعہ

ابوالمؤید خوارزمی نے یزید بن ہارون سے روایت کی ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر پرہیز گار نہیں دیکھا۔ ایک دن میں نے ان کو دھوپ میں ایک آدمی کے دروازہ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں نے عرض کیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ سایہ میں ہو جاتے؟ فرمایا اس گھر والے پر میرے کچھ درہم قرض ہیں، میں پسند نہیں کرتا کہ اس کے گھر کی دیوار کے سایہ میں بیٹھوں۔ یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ کون سی پرہیز گاری اس سے زیادہ ہو سکتی ہے۔

حضرت امام اعظم کا شرمندگی پر قرض معاف کر دینے کا واقعہ

حضرت شقیق بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ امام صاحب کے ساتھ تھا، وہ ایک مریض کی عیادت کے لئے جارہے تھے، ادھر سے ایک آدمی آرہا تھا اس نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دور سے دیکھا تو چھپ گیا اور دوسرے راستہ پر چل پڑا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام لے کر زور سے پکارا اے فلاں! وہ راستہ چل، جس پر چل رہا تھا، دوسرا راستہ مت اختیار کر۔ اس آدمی کو معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دیکھ لیا ہے تو شرمندہ ہو کر کھڑا ہو گیا، جب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے پاس پہنچے تو پوچھا تم نے وہ راستہ کیوں چھوڑا جس پر تم چل رہے تھے؟ اس آدمی نے عرض کیا کہ آپ کے دس ہزار درہم میرے اوپر قرض ہیں اور مدت لمبی ہوگئی میں ادا نہیں کر سکا۔ وعدہ خلافی ہوئی، آپ کو دیکھ کر میں شرما گیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سبحان اللہ! یہاں تک نوبت آگئی کہ آپ مجھے دیکھیں تو چھپ جائیں، میں نے یہ ساری رقم آپ کو بخش دی اور میں خود اپنے اوپر شاہد ہوں اب خبردار مجھ سے مت چھپنا اور میری طرف سے جو کچھ تمہارے قلب میں آگیا اس کو معاف کر دو۔ شقیق فرماتے ہیں اس وقت مجھے مکمل یقین ہو گیا کہ یہ حقیقی زاہد ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا زہد وتقویٰ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے زائد متقی کسی کو نہ دیکھا۔ تم ایسے شخص کی کیا بات کرتے ہو جس کے سامنے کثیر مال پیش کیا گیا اور اس نے اس مال کو نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ اس پر اسے کوڑوں سے مارا گیا مگر اس نے صبر کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مصائب کو برداشت کیا مگر مال ومتاع قبول نہ کیا بلکہ دوسروں کی طرح (جاہ ومال دنیا کی) کبھی تمنا اور آرزو بھی نہ کی حالانکہ لوگ ان چیزوں کے لیے سو سو جتن اور حیلے کرتے ہیں۔ بخدا آپ ان تمام علماء کے برعکس تھے جنہیں ہم مال وانعام کے لیے دوڑتا دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے طالب ہیں اور دنیا ان سے بھاگتی ہے۔ جبکہ امامِ اعظم رحمہ اللہ وہ تھے کہ دنیا انکے پیچھے آتی تھی اور آپ اس سے دور بھاگتے تھے۔ (مناقب للموفق)

شبہ کی بناء پر مال کو چھوڑ دینے کا واقعہ

مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ نے فرمایا، میں کوفہ والوں کے ساتھ رہا ہوں لیکن میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ متقی کوئی نہ دیکھا۔ حسن بن صالح رحمہ اللہ کہتے ہیں، آپ سخت پرہیزگار تھے، حرام سے ڈرتے تھے اور شبہ کی وجہ سے کئی حلال چیزیں بھی چھوڑ دیتے تھے۔ میں نے کوئی فقیہ ایسا نہ دیکھا جو اپنے نفس اور علم کی حفاظت آپ سے زیادہ کرتا ہو، وہ آخری عمر تک جہاد کرتے رہے۔

یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے ایک ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا مگر میں نے ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زائد نہ تو کسی کو متقی پایا اور نہ اپنی زبان کا حفاظت کرنے والا۔ آپ کو زبان کی حفاظت کا اس قدر شدید احساس تھا کہ وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں، آپ نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی سچی قسم کھائی تو ایک درہم صدقہ کریں گے۔ چنانچہ ایک بار قسم کھائی تو ایک

درہم صدقہ کیا پھر عہد کیا کہ اگر اب قسم کھائی تو ایک دینار صدقہ کریں گے۔ (الخیرات الحسان)

آپکے کاروباری شریک حفص رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ تیس سال تک رہا لیکن میں نے کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے اس چیز کے خلاف ظاہر کیا ہو جو آپکے دل میں ہو۔ جب آپکو کسی چیز کے بارے میں شبہ پیدا ہوتا تو آپ اپنے دل سے اسکو نکال دیتے تھے اگرچہ اس کی خاطر اپنا تمام مال ہی کیوں نہ خرچ کرنا پڑے۔

اسکی مثال وہ واقعہ ہے کہ آپکے ایک کاروباری شریک نے کپڑے کا عیب ظاہر کیے بغیر اسے بیچ دیا تو آپ نے اس دن کی ساری کمائی تیس ہزار درہم خیرات کردی۔ یہ واقعہ امام اعظم بحیثیت تاجر کے عنوان کے تحت بیان ہو چکا ہے۔

کسی نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کی، آپ کو دنیا کا مال واسباب پیش کیا جاتا ہے مگر آپ اسے قبول نہیں فرماتے حالانکہ آپ ایماندار ہیں اور یہ آپکا حق ہے۔ آپ نے فرمایا، میں نے اپنے اہل وعیال کو اللہ کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہ انکا خود کفیل ہے۔ میرا ذاتی خرچ دو درہم ماہانہ ہے، تو میں اپنی ضرورت سے بڑھ کر کیوں جمع کروں۔ (مناقب للموفق)

جب آپ کو بغداد میں قید کر دیا گیا تو اپنے بیٹے حماد رحمہ اللہ کو پیغام بھیجا، اے میرے بیٹے! میرا خرچ دو درہم ماہانہ ہے کبھی ستو کے لیے اور کبھی روٹی کے لیے۔ اور اب میں یہاں قید میں ہوں تو جلد خرچ بھیج دو۔ یہ تقویٰ تھا کہ جیل میں بھی حکومت کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔

سانپ کو گود سے اٹھا کر الگ کر دینے کا واقعہ

شقیق بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہم ایک دن امام اعظم رحمہ اللہ کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک چھت سے ایک سانپ آپ کے سر پر لٹکتا دکھائی دیا۔ سانپ دیکھ کر لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی، سانپ سانپ کہہ کر سب بھاگے۔ مگر امام اعظم رحمہ اللہ نہ تو اپنی جگہ سے اٹھے اور نہ ہی ان کے چہرے پر کوئی پریشانی کے آثار نظر آئے۔ ادھر سانپ سیدھا امام اعظم رحمہ اللہ کی گود میں آ گرا۔ آپ نے ہاتھ سے جھٹک کر اسے ایک طرف پھینک دیا مگر خود اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اس دن سے مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین اور پختہ اعتماد ہے۔

سات سال تک بکری کا گوشت نہ کھانے کا واقعہ

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بے مثال تقویٰ کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ایک بار کوفہ میں کچھ بکریاں چوری ہو گئیں تو آپ نے دریافت کیا، بکری زیادہ سے زیادہ کتنے سال زندہ رہتی ہے؟ لوگوں نے بتایا، سات سال، تو آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا (کہ کہیں چوری کی بکری کا گوشت جسم میں نہ چلا جائے)۔

انہی دنوں آپ نے ایک فوجی کو دیکھا کہ اس نے گوشت کھا کر اس کا فضلہ کوفہ کی نہر میں پھینک دیا تو آپ نے مچھلی کی طبعی عمر کے بارے میں دریافت کیا اور پھر اتنے سال تک مچھلی کے گوشت سے پرہیز کیا۔ (الخیرات الحسان)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، میں نے اس گھر والے سے قرض واپس لینا ہے، اگر میں اس کی دیوار کے سائے میں کھڑے ہو کر فائدہ اٹھاؤں تو یہ ایک قسم کا سود ہے۔ یہ فتویٰ عوام کے لیے نہیں ہے لیکن عالم کو اس سے زیادہ عمل کرنا چاہیے جس نیکی کی طرف وہ لوگوں کو بلاتا ہے۔ (مناقب للموفق)

کمال احتیاط دیکھ کر مجوسی کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ

امام رازی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ایک مرتبہ امامِ اعظم رحمہ اللہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں اتفاقاً آپکی جوتی کو کچھ نجاست لگ گئی۔ آپ نے نجاست دور کرنے کے لیے جوتی کو جھاڑا تو کچھ نجاست اڑ کر ایک مکان کی دیوار سے لگ گئی۔ آپ پریشان ہو گئے کہ اگر نجاست یونہی چھوڑ دی جائے تو اسکی دیوار خراب ہوتی ہے اور اگر اسے کرید کر دیوار صاف کی جائے تو دیوار کی مٹی بھی اتر آئے گی اور اس سے مالکِ مکان کو نقصان ہے۔ چنانچہ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا، صاحب خانہ باہر آیا۔ اتفاق سے وہ شخص مجوسی تھا اور آپکا مقروض تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ آپ قرض واپس لینے آئے ہیں۔ پریشان ہو کر عذر پیش کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، قرض کو چھوڑو میں تو اس الجھن میں ہوں کہ تمہاری دیوار کیسے صاف کروں۔ پھر سارا واقعہ بتا دیا۔ وہ مجوسی آپ کا تقویٰ اور کمال احتیاط دیکھ کر بے ساختہ بولا، آپ دیوار بعد میں صاف کیجیے گا، پہلے کلمہ پڑھا کر میرا دل صاف کر دیں، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔

(تفسیر کبیر زیرِ آیت مالکِ یوم الدین)

امام اعظم کا وصال

خلیفہ منصور نے آپکو چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) کے عہدہ کے لیے بغداد بلایا اور یہ لالچ دیا کہ دنیائے اسلام کے تمام قاضی آپکے ماتحت ہوں گے۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں آپکو قید کر دیا گیا۔ وہ روز آپ کو پیغام بھیجتا کہ اگر رہائی چاہتے ہو یہ عہدہ قبول کر لو لیکن آپ ہر بار انکار کر دیتے، اُدھر اسکے درباری خلیفہ کو بھڑکاتے کہ یہ تو آپکی سخت توہین ہے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ آپ کو روزانہ قید سے نکال کر دس کوڑے لگائے جائیں اور اسکا بازاروں میں اعلان کیا جائے، چنانچہ آپ کو دردناک طریقہ سے مارا گیا یہانتک کہ خون بہہ کر آپکی ایڑیوں پر گرنے لگا۔ اس طرح دس دن تک آپکو روزانہ دس کوڑے مارے گئے۔

پھر خلیفہ نے حکم دیا کہ آپ کے سر پر کوڑے مارے جائیں۔ اس بدترین ظلم و ستم کے باوجود آپکے پائے استقلال میں کوئی جنبش نہ آئی تو خلیفہ کے حکم سے آپ کو جیل میں زہر دیدیا گیا۔ اس طرح ظاہری اور خفیہ طور پر آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ صحیح سند سے مروی ہے کہ جب آپکو زہر کا اثر محسوس ہوا تو آپ سربسجود ہو گئے اور سجدے ہی کی حالت میں آپ کی شہادت ہوئی۔

(مناقب للموفق:، الخیرات الحسان)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، محض قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ سے خلیفہ آپکو اس ظالمانہ طریقے سے شہید نہیں کر سکتا تھا دراصل آپکے بعض دشمنوں نے خلیفہ سے خفیہ طور پر کہا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کو خلافتِ عباسیہ سے بغاوت پر اکسایا تھا (انہوں نے بصرہ میں عباسی خلیفہ کے خلاف علم

جہاد بلند کیا تھا) اور انکی مالی مدد بھی کی تھی۔ اس بات سے خلیفہ منصور بہت ڈرا کیونکہ آپ عزت و وجاہت والے اور مالدار تاجر تھے۔ چنانچہ اس نے آپ سے عہدۂ قضا قبول کرنے کو کہا جبکہ اسے علم تھا کہ آپ ایسا ہرگز نہ کریں گے۔ اس نے صرف اس لیے ایسا کہا تا کہ یہ آپ کے قتل کا بہانہ بن جائے۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال ماہ رجب یا شعبان میں ۱۵۰ھ میں ہوا۔

علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، حضرت حسن بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھا کہ آپ حضرت محمد بن عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہم کا نام لیکر روتے تھے اور آپکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے آپ اہلِ بیت کی محبت سے سرشار تھے اور خلافتِ عباسیہ کو غلط سمجھتے تھے۔ (مناقب)

عبداللہ بن واقد رحمہ اللہ (اہلِ ہرات کے امام) فرماتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حسن بن عمارہ رحمہ اللہ نے غسل دیا اور میں نے بدنِ مبارک پر پانی ڈالنے کا شرف حاصل کیا۔ جب امامِ اعظم رحمہ اللہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو بغداد میں لوگوں کا سمندر موجزن تھا جن میں اکثر دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ رحمۃ القوی فرماتے ہیں، امام اعظم کے ولی صاحبزادۂ جلیل حضرت سیّدنا حماد بن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تھے۔ جب انہوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی تو پھر کسی نے نہ پڑھی۔ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ، الخیرات الحسان میں فرماتے ہیں، امام اعظم کے غسل سے فارغ ہونے تک بغداد میں اس قدر خلقت جمع ہوگئی کہ جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے گویا کسی نے انتقالِ امام کی خبر پکار دی تھی۔ نماز پڑھنے والوں کا اندازہ کیا گیا تو کوئی کہتا، پچاس ہزار تھے اور کوئی کہتا کہ اس سے بھی زیادہ تھے ان پر چھ بار نماز ہوئی اور آخری مرتبہ صاحبزادۂ امام حضرت حماد رحمہ اللہ نے پڑھی۔ (فتاویٰ رضویہ)

علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، آپ کے جنازے پر اس قدر لوگ آئے کہ آپکی نمازِ جنازہ چھ بار پڑھی گئی۔ آخری مرتبہ آپکے بیٹے حضرت حماد بن نعمان رحمہما اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور تقریباً 20 دن تک آپکی قبرانور پر نماز ہوتی رہی۔ آپکی وصیت تھی کہ چونکہ خلیفہ کے محلات کے اردگرد لوگوں کی غصب شدہ زمین ہے اسلیے مجھے مقبرہ خیزراں کی وقف شدہ زمین میں دفن کیا جائے، چنانچہ آپکو وہاں دفن کیا گیا۔

خلیفہ منصور نے احساسِ ندامت کم کرنے کے لیے بیس دن گزرنے کے بعد آپکے مزار پر آ کر نمازِ جنازہ ادا کی۔ جب اسے بتایا گیا کہ امامِ اعظم رحمہ اللہ کو ان کی اس وصیت کے پیشِ نظر مقبرہ خیزراں میں دفن کیا گیا ہے تو منصور نے کہا، ابوحنیفہ! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تو نے زندگی میں بھی مجھے شکست دی اور موت کے بعد بھی مجھے شرمندہ کیا ہے۔ (مناقب للموفق)

جب آپ کے وصال کی خبر ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ مکہ کو پہنچی جو امام شافعی رحمہ اللہ کے استاذ الاستاذ تھے تو انھوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا، کوفہ سے علم کا نور بجھ گیا اور اب ان کی مثل وہ کبھی نہ دیکھیں گے۔ (الخیرات الحسان)

سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے آپکے مزار پر ایک عظیم الشان قبہ بنوایا اور ایک مدرسہ بھی۔ (مقدمہ نزھۃ القاری)

صدقۃ المغابری رحمہ اللہ (جن کی دعا قبول ہوتی تھی) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا گیا تو مسلسل تین راتوں تک غیب سے یہ آواز آتی رہی،

فقیہ چلا گیا اب تمہارے لیے فقہ نہیں، تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کے جانشیں بنو۔ نعمان کا وصال ہو گیا، اب کون ہے جو شب کو بیدار ہو جب وہ پردے پھیلا دے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس رات آپ کا وصال ہوا اس رات آپ پر جنات روئے۔ (الخیرات الحسان)

جب حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ آپ کی قبر مبارک پر آئے تو فرمایا، اللہ آپ پر رحم کرے، حضرت ابراہیم نخعی اور امام حماد رحمہما اللہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنا نائب چھوڑا مگر آپ نے اپنے وصال کے بعد روئے زمین پر اپنا نائب نہ چھوڑا۔ پھر بہت روئے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور نانبائی کا واقعہ

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ایک واقعہ ہے کہ امام احمد سفر میں تھے راستے میں ایک مسجد میں رات گزارنے کا ارادہ کیا لیکن مسجد کے خادم نے منع کر دیا امام فرمانے لگے: میں مسجد کے دروازے کے پاس سو جاتا ہوں جب خادم نے امام کو مسجد کے دروازے پر سوتے دیکھا

امام کو کھینچ کر مسجد سے دور کرنا چاہا یہ منظر ایک نانبائی نے دیکھ لیا جو مسجد کے آگے سے گزر رہا تھا اُس نے امام کو اپنے گھر رات گزارنے کی پیشکش کی وہ امام کو جانتا بھی نہیں تھا اُس کے گھر میں امام نے دیکھا کہ وہ نانبائی آٹا گوندھ رہا ہے اور کثرت سے استغفار (استغفر اللہ) کر رہا ہے

امام فرمانے لگے: کیا اس استغفار کرنے کا ثمرہ اور پھل بھی تمہیں ملا، نانبائی بولا: میں نے جو بھی مانگا اللہ مالک الملک نے عطا کیا ہاں ایک دعا ہے جو ابھی تک قبول نہیں ہوئی

امام نے فرمایا وہ کونسی دعا ہے۔ نانبائی بولا: میرے دل میں کچھ دنوں سے یہ خواہش مچل رہی ہے کہ امام احمد بن حنبل کو دیکھوں امام فرمانے لگے: میں ہی احمد بن حنبل ہوں تمہاری دعا مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔

حضرت ابراہیم تیمی رضی اللہ عنہ کے ایثار و وصال کا واقعہ

ایثار کا بے مثل نمونہ اور شہادت، ایثار اور قربانی کا مجسم پیکر تھے، اس کی آخری حد یہ ہے کہ دوسروں کے لیے جان تک دینے میں دریغ نہ کیا، انہوں نے ایثار، قربانی کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کی مثالیں کم ملتی ہیں، حجاج ثقفی ابراہیم نخعی کا جو بڑے ممتاز عالم تابعی ہیں سخت دشمن تھا اور ان کے درپے آزار رہا کرتا تھا، لیکن دست رس حاصل نہ ہو سکا، اس کے آدمی ہمیشہ ان کی تلاش میں رہتے تھے، ایک مرتبہ وہ ابراہیم نخعی کو تلاش کر رہے تھے، ابراہیم تیمی کو دونوں کی مخالفت کا علم تھا اس علم کے باوجود انہوں نے ان کے بچانے کے لیے

کہہ دیا کہ ابراہیم میں ہوں تلاش کرنے والے آدمی ابراہیم نخعی کو پہچانتے نہ تھے، اس لیے ان کے اقرار پر انہی کو پکڑ لے گئے، حجاج نے زنجیروں میں جکڑوا کے دیماس کے قید خانہ میں جس کو اُس نے سنگین مجرموں کے لیے خاص طور سے بنوایا تھا ڈلوا دیا، یہ قید خانہ کیا تھا موت کا گھر تھا، اس میں سردی اور گرمی پانی اور دھوپ سے بچنے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، اس پر محن قید نے چند ہی دنوں میں ابراہیم کا رنگ وروپ ایسا بدل دیا کہ ان کی ماں تک ان کو پہچان نہ سکیں؛ لیکن وہ نہایت صبر واستقلال کے ساتھ ان مصائب کا مقابلہ کرتے رہا اور ان کو جھیلتے جھیلتے بالآخر انتقال کر گئے، اُن کی شب وفات کو حجاج نے خواب میں دیکھا کہ آج شہر میں ایک جنتی مر گیا ہے، صبح کو اس نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ابراہیم نے قید خانہ میں انتقال کیا، یہ سن کر اس جفا شعار نے کہا خواب شیطانی وسوسہ معلوم ہوتا ہے اور ابراہیم کی لاش گھوڑ پر پھینکوادی۔ (ابن سعد، ج۶ص ۱۹۹)

حضرت اعمش رضی اللہ عنہ کا امراء سے استغنا اور بے نیازی

اعمش خاصان خدا اور صلحائے امت کی طرح دولت دنیا سے بالکل تہی دامن تھے، معیشت کی طرف سے بھی ان کو پورا اطمینان نہ تھا، لیکن اس فقر واحتیاج کے باوجود امراء اور ارباب دول سے نہ صرف بے نیاز تھے؛ بلکہ ان کو نہایت حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے، عیسیٰ بن یونس کا بیان ہے کہ اعمش کے فقر واحتیاج کے باوجود میں نے ان سے زیادہ امراء اور سلاطین کو کسی کی نگاہ میں حقیر نہیں پایا (تہذیب التہذیب)

امام شعرانی لکھتے ہیں کہ اعمش کو روٹی تک میسر نہ تھی، لیکن ان کی مجلس میں اغنیا اور سلاطین سب سے بڑے فقیر معلوم ہوتے تھے۔ (طبقات کبریٰ امام شعرانی)

ان کی جرات کا ایک واقعہ

امراء کے مقابلہ میں ان کی جرات و بے باکی کا یہ واقعہ لائق ذکر ہے خلیفہ ہشام نے ایک مرتبہ ان کو لکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برائیاں میرے لیے قلمبند کر دیجئے، انہوں نے شاہی قاصد کے سامنے اس خط کو بکری کو کھلا دیا اور قاصد سے کہا یہ تمہاری تحریر کا جواب ہے، جب قاصد نے جواب کے لیے زیادہ اصرار کیا۔

تو یہ جواب لکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! امابعد اگر عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات میں ساری دنیا کے انسانوں کی خوبیاں جمع ہوں تو بھی اس سے تمہاری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور اگر علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں دنیا بھر کی برائیاں مجتمع ہوں تو اس سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تم کو صرف اپنے نفس کی خبر رکھنی چاہئے۔ (شذرات الذہب، ج۱ص ۲۹۱)

حضرت ایاس بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت کا واقعہ

قضا میں مہارت بڑی حد تک ذہانت اور ذکاوت پر منحصر ہے، اس لیے ایاس اس عہد کے ممتاز ترین قضاۃ میں تھے، اس موقع پر ان کی ذہانت کے بعض واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔

ایک شخص نے ایک شخص کے پاس کچھ مال امانت رکھوایا تھا، جب اُس نے واپس مانگا تو امانت دار نے انکار کر دیا، مال کے مالک نے ایاس کی عدالت میں دعویٰ کیا، انہوں نے کہا اس وقت لوٹ جاؤ اس واقعہ کو پوشیدہ رکھنا، اس شخص کو یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ تم میرے پاس آئے تھے، دو دن کے بعد پھر آنا، اس کو لوٹا کر ایاس نے امانت دار کو بلوایا اور اس سے کہا کہ میرے پاس بہت سا مال آ گیا ہے میں اس کو تمہارے پاس رکھوانا چاہتا ہوں تمہارا گھر محفوظ ہے، اس نے کہا ہاں، ایاس نے کہا تو مال رکھنے کے لیے کوئی جگہ منتخب کر لو، اور دو بار بردار لے کر آؤ، اس گفتگو کے بعد ایاس نے مال کے مالک کو بلوا کر کہا کہ اب جا کر تم اس شخص سے اپنا مال مانگو، اگر دے دے تو فبہا ورنہ اس سے کہنا کہ میں جا کر قاضی کو اطلاع دے دوں گا، اس شخص نے جا کر کہا کہ میرا مال دو، ورنہ میں قاضی کو جا کر اطلاع دیتا ہوں، یہ سن کر اس نے کل روپیہ واپس کر دیا اور صاحب مال نے آ کر قاضی ایاس کو اطلاع دے دی کہ میرا مال مجھ کو مل گیا اس کے بعد سابق قرارداد کے مطابق وہ شخص ایاس کے پاس روپے لینے کے لیے آیا، انہوں نے اس کو ڈانٹ کر نکال دیا۔ (الطرق الحکمیہ ابن قیم جوزی)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا ایک تعجب انگیز امر

اس سلسلہ میں یہ واقعہ لائقِ ذکر ہے کہ ابن جبیر کے جسم سے عام قتل ہونے والوں سے بہت زیادہ خون نکلا تھا، حجاج نے اطبا کو بلا کر اس کا سبب دریافت کیا کہ دوسرے مقتولوں کے جسم سے خون بہت کم نکلتا ہے اور ان کے جسم سے خون کے فوارے رواں تھے، اطباء نے جواب دیا کہ خون روح کے تابع ہے، جن لوگوں کو پہلے قتل کیا گیا۔ ان کی روح قتل سے پہلے ہی اس کے حکم ہی سے تحلیل ہو چکی تھی اور ابن جبیر کی روح پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔

حضرت حسن بصری پر اثر

سعید بن جبیر کی شخصیت ایسی تھی کہ تمام اکابر تابعین اس واقعہ سے سخت متاثر ہوئے، حضرت حسن بصری نے فرمایا، خدایا ثقیف کے فاسق (حجاج) سے اس کا انتقام لے، خدا کی قسم اگر سارے روئے زمین کے باشندے بھی ان کے قتل میں شریک ہوتے تو خدا ان سب کو منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیتا۔ (ابن خلکان)

حجاج کا انجام

سعید کی بددعا بے اثر نہ رہی، ان کا خونِ ناحق رنگ لایا؛ چنانچہ ان کے مقتول ہونے کے بعد ہی حجاج سخت دماغی امراض اور توہم میں مبتلا ہو کر چند ہی دنوں کے بعد بستر مرگ پر لیٹ گیا، بیماری کی حالت میں اس کو بے ہوشی کے دورے ہوتے تھے، بے ہوشی غنودگی کی حالت میں اسے نظر آتا تھا کہ ابن جبیر اپنے کپڑے سمیٹے ہوئے اس سے پوچھ رہے ہیں کہ دشمن خدا تو نے مجھے کس جرم میں قتل کیا؟ یہ خواب پریشان دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھتا تھا اور کہتا تھا، مجھے سعید سے کیا واسطہ، اسی مجنونانہ حالت میں مر گیا، اس طرح ابن جبیر کے قتل کے بعد اسے دوسرے آدمیوں کے قتل کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

حجاج کی موت کے بعد اس کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا، پوچھا خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا، اس نے کہا ہر ہر مقتول کے بدلہ میں مجھے ایک ایک مرتبہ قتل کیا گیا اور ابن جبیر کے انتقال میں ستر مرتبہ قتل کیا گیا۔ (ابن خلکان)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اور خوابوں کی تعبیر کا واقعہ

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالملک کی جنگ کے زمانہ میں ایک شخص نے آپ سے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ عبدالملک کو میں نے چت لٹا کر پھر منہ کے بل کر کے اس کی پیٹھ میں چار میخیں ٹھونک دی ہیں، یہ خواب سُن کر انہوں نے اس شخص سے کہا تم نے خود یہ خواب نہیں دیکھا ہے، اس نے کہا نہیں میں ہی نے دیکھا ہے، سعید نے کہا اگر تم صحیح نہیں بیان کرتے تو میں خود بتائے دیتا ہوں، ان کے اس کہنے پر اس شخص نے اقرار کیا کہ میں نے نہیں؛ بلکہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا ہے اور مجھے آپ کے پاس تعبیر کے لیے بھیجا ہے، فرمایا اگر تم نے خواب صحیح بیان کیا ہے تو عبدالملک ابن زبیر کو قتل کر دے گا اور اس کی صلب سے چار خلیفہ ہوں گے۔

ایک اور شخص نے اس کی یہ تعبیر دی کہ عبدالملک نے چار مرتبہ مسجد نبوی کے سامنے پیشاب کیا ہے۔

سعید بن مسیب نے اس کی یہ تعبیر دی کہ عبدالملک کی صلب سے چار خلیفہ ہوں گے۔ ان دونوں خوابوں کی تعبیر بالکل صحیح نکلی، ابن زبیر رضی اللہ عنہ عبدالملک کے مقابلہ میں مقتول ہوئے اور عبدالملک کے چار لڑکے خلیفہ ہوئے، ولید، سلیمان، یزید ثانی، اور ہشام۔

شریک بن نمیر نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میرے دانت میرے ہاتھوں میں گر گئے ہیں اور میں نے انہیں دفن کر دیا ابن مسیب نے اس کی یہ تعبیر دی کہ تم اپنے خاندان کے اپنے ہم سنوں کو دفن کرو گے۔

ایک اور شخص نے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا کہ اپنے ہاتھ میں پیشاب کر رہا ہوں، سعید نے تعبیر دی کہ تمہاری بیوی تمہاری محرم ہے، تحقیقات کی تو واقعی اس کی بیوی اس کے رضاعی محرمات میں نکلی۔ مسلم انحیاط کا بیان ہے کہ ایک شخص نے یہ خواب بیان کیا کہ ایک کبوتر مسجد کے منارہ پر آ کر بیٹھ گیا، آپ نے تعبیر دی کہ حجاج جعفر بن ابی طالب کی پوتی سے شادی کرے گا۔

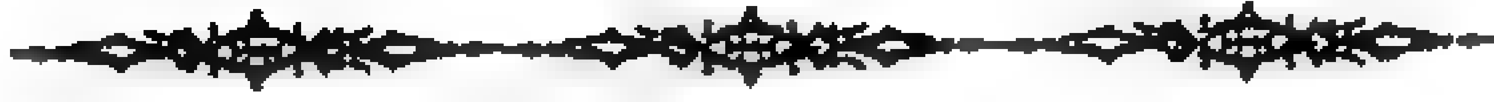
ایک اور شخص نے اپنا خواب بیان کیا کہ ایک بکرا ثنیۃ الوداع سے دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا مجھے ذبح کرو، مجھے ذبح کرو، میں نے ذبح کر دیا، ابن مسیب نے تعبیر دی کہ ابن صلاء مر جائیں گے، ابن صلاء مدینہ کے موالی میں تھے اور لوگوں کے ساتھ سعی کیا کرتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن سائب کا بیان ہے کہ قبیلہ فہم کے ایک آدمی نے بیان کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ آگ میں گھس رہا ہے، ابن مسیب نے تعبیر دی کہ تم اپنی موت سے پہلے بحری سفر کرو گے اور تمہاری موت قتل کے ذریعہ سے ہوگی، عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ واقعی اس شخص نے سمندر کا سفر کیا اور دورانِ سفر میں ہلاک ہوتے ہوتے بچا، پھر قدید کے معرکہ میں مقتول ہوا۔

حصین بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میری خواہش کے باوجود میرے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی، میں نے خواب دیکھا کہ میری گود میں

کسی نے ایک انڈا پھینک دیا ہے، میں نے ابن مسیب سے بیان کیا، انہوں نے کہا وہ انڈا عجمی مرغی کا ہے تم عجم میں رشتہ پیدا کرو
؛ چنانچہ میں نے ایک عجمی لونڈی کو بیوی بنالیا، اس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔

ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں سایہ میں بیٹھا ہوں، پھر اٹھ کر دھوپ میں چلا گیا، ابن مسیب نے کہا خدا کی قسم اگر تمہارا خواب سچا ہے تو تم اسلام کے دائرہ سے نکل جاؤ گے، یہ سن کر اس شخص نے اپنے بیان کی تصحیح کی کہ مجھے زبردستی دھوپ میں لایا گیا لیکن پھر میں موقع پا کے نکل آیا، اس وقت ابن مسیب نے تعبیر میں یہ ترمیم کردی کہ تم کفر پر مجبور کیے جاؤ گے، یہ تعبیر بالکل صحیح نکلی، یہ شخص عبدالملک کے زمانہ میں کسی جنگ میں قید ہو کر زبردستی کفر پر مجبور کیا گیا، لیکن پھر چھوٹ کر مدینہ واپس آیا یہ واقعہ خود یہ شخص بیان کرتا تھا۔ (طبقات ابن سعد)



واقعات تبع تابعین کرام

کدو شریف کی محبت اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا فتویٰ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک غلام کو آزاد کر دیا۔ اس نے درزی کا کام شروع کیا۔ اللہ نے برکت ڈالی اور ممنونیت کے اظہار میں اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خادم خاص سمیت کھانے کی دعوت کی۔ اس دعوت کی روئیداد حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ یوں بیان کرتے ہیں ایک درزی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانے کی دعوت کی۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گیا۔ اس نے جو کی روٹی اور سوکھے گوشت کے سالن میں کدو پیش کیا۔

میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھالی کے اطراف سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے کھاتے تھے۔ اس دن کے بعد سے مجھے کدو سے محبت ہوگئی۔ (بخاری، ترمذی، ابوداود)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کدو سے اس لئے محبت ہوگئی کہ وہ تاجدارِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرغوب غذا تھی۔ اور بے شک یہی محب صادق کی پہچان ہے کہ وہ اپنی پسند ناپسند کو محبوب کی پسند ناپسند میں فنا کر دیتا ہے۔ محب صادق وہی چاہتا ہے جو اس کا محبوب چاہے اور اسے ہرگز نہیں چاہتا جسے اس کا محبوب نہ چاہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو سے ایسی محبت کیوں تھی۔۔؟؟؟

اس کی وجہ اسماعیل حقی حنفی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ یہ بتاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدو سے کیوں محبت فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کا درخت ہے۔

(روح البیان، پ23، سورۃ الصافات)

حضرت امام قاضی ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو بہت پسند تھا تو اگر کسی دوسرے نے کہہ دیا کہ مجھے پسند نہیں تو وہ کافر ہو گیا۔ تفسیر روح البیان جلد 2 صفحہ 489

حضرت ابوداؤد حفری علیہ الرحمہ اور دنیا سے بے رغبتی کا حال

حسین بن علی الصدائی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں ابوداود الحفری کی فرودگاہ پر گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے اندر ہی سے دریافت کیا کون ہے؟ میں نے عرض کیا، ایک حدیث کا طالب علم حاضر ہے، فرمایا: اچھا ذرا ٹھہرو، راوی کا بیان ہے کہ اسی اثنا

میں میں نے دروازے کے ایک سوراخ سے اندر جھانکا، کیا دیکھتا ہوں کہ شیخ ایک تہبند باندھے اون کات رہے ہیں، جس کو بیچ کر وہ روزی فراہم کرتے تھے؛ چنانچہ میری آواز پر اون سمیٹ کر اکٹھا کیا اور اس پر ایک کپڑا ڈال دیا، پھر مجھے اندر بلایا اور حدیثیں املاء کرانا شروع کیں، یہاں تک کہ کاغذ ختم ہو گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان کے علاوہ خالصۃً لوجہ اللہ روایت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

ابن عبدربہ فرماتے ہیں کہ میں نے عباس الدوری کو اکثر یہ کہتے سنا کہ: ہم سے ابوداود حفری نے حدیثیں روایت کی ہیں اور تم اگر ان کو دیکھتے تو ایک ایسا شخص پاتے جس نے گویا آگ کے اندر جھانک کر اس حقیقت کو دیکھ لیا ہو۔

یعنی خوفِ آخرت اور خشیتِ الٰہی سے ہمہ وقت لرزاں رہتے تھے، اسی فقر و استغنا اور دنیا سے کنارہ کشی کا نتیجہ تھا کہ وفات کے وقت ان کے گھر میں کوئی بھی سامان نہ تھا؛ چنانچہ ابوحمدون جو شیخ کے جنازہ میں شریک تھے کہتے ہیں کہ: جب ہم نے ان کو دفن کر دیا تو ان کے گھر کے دروازہ کو کھلا چھوڑ دیا؛ کیونکہ انہوں نے اپنے پیچھے کچھ چھوڑا ہی نہ تھا۔

حضرت فضل بن موسیٰ علیہ الرحمہ کے ترک وطن کا واقعہ

جب شیخ فضل بن موسیٰ کے آفتاب علم و فضل کی کرنیں اطراف عالم میں پھیلیں، تو تشنگانِ علم کے قافلے ہر سمت سے اسی ایک مرکز ثقل کی طرف کھنچے چلے آنے لگے، بیان کیا جاتا ہے کہ قریہ سینان طالبانِ علم کی کثرت سے بھر گیا تھا، شیخ کی اس درجہ مقبولیت اور شہرت بہت سے دلوں میں کھٹکنے لگی اور وہ ان کی بدنامی کی تدبیریں کرنے لگے؛ چنانچہ انہوں نے ایک فاحشہ عورت سے مال و زر کی حرص دلا کر یہ اقرار کرالیا کہ شیخ فضل (حاشا وکلا) اس کو اپنی طرف راغب کرنا چاہتے ہیں، پھر حاسدین نے ان پر بدکرداری کا اتہام عائد کیا جس سے دل برداشتہ اور ملول خاطر ہو کر فضل بن موسیٰ نے وہ گاؤں ہی چھوڑ دیا اور ایک دوسرے قریہ "راماشاۃ" نامی میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔

لیکن چند ہی دن بعد خدائے عز وجل نے اپنے مقبول بندہ کی برات کا سامان بھی کر دیا اور ہوا یہ کہ شیخ فضل کے ترک وطن کے بعد قریہ سینان میں شدید ترین خشک سالی پیدا ہو گئی، لوگوں کو اپنی غلطی اور قدرت کے انتقام کا فوراً احساس ہو گیا، چنانچہ وہ لوگ ایک وفد کی شکل میں حاضر خدمت ہوئے اور اپنی نازیبا حرکتوں کی معافی مانگی اور بہت منت سماجت کر کے دوبارہ سینان چلنے کی درخواست کی، لیکن شیخ نے فرمایا کہ پہلے تم لوگ اپنے کذب صریح اور بہتان عظیم کا اعتراف کرو؛ چنانچہ لوگوں نے کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا، اپنی برات سننے کے بعد انہوں نے فرمایا: میں ایسے گاؤں میں ہرگز نہیں رہوں گا، جس کے باشندے جھوٹے ہیں۔ اور پھر تاحیات راماشاۃ ہی میں مقیم رہے۔ (اللباب فی الانساب)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ اور فتنہ خلق قرآن

خلیفہ مامون نے معتزلی علماء کے اکسانے پر علمائے امت کو ایک خط لکھا جس میں قرآن کو مخلوق اور محدث ماننے کی بہ جبر دعوت تھی۔ انکار کی صورت میں سختیاں شروع کر دیں، معاش بند کر دیا اور سخت سزاؤں کی دھمکی بھی دی۔ بہت سے جبراً قائل ہو گئے

کہ قرآن مخلوق ہے۔ مگر امام احمد رحمہ اللہ اور محمد رحمہ اللہ بن نوح نیسابوری نے اس نظریے کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ آزمائش کے اس مرحلے پر دونوں ثابت قدم رہے بلکہ کندن بن کر نکلے اور بڑا رتبہ بھی پایا مگر درجہ بدرجہ۔ جتنا ایمان اتنی آزمائش، جو تا حیات قائم رہتی ہے حالانکہ وہ گناہ گار نہیں ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد انہیں ازبر تھا: یہ دنیا ہمیشہ مصائب اور فتنے دکھایا کرتی ہے۔ بعد کے ادوار میں مصائب کی شدت تیز تر ہوگی۔

خلیفہ مامون نے سب علماء کو بلا بھیجا۔ کمزور لوگ حکومت کی سطوت اور قہر کے آگے گردن خم کر بیٹھے۔ امام احمد اور محمد بن نوح نے جب نہ مانا تو دونوں حضرات کو اونٹ پر سوار کر کے مامون کے ہاں لے جایا گیا۔ راستہ میں ایک بدو نے نصیحت کرتے ہوئے کہا: آپ مسلمانوں کی نمائندگی کرنے جا رہے ہیں۔ سب کی نظر آپ پر ہے۔ للہ آپ مسلمانوں کو رسوا نہ کیجئے گا۔ اللہ آپ کا دوست ہے صبر کیجئے گا۔ جنت آپ اور آپ کے شہید ہونے کی دیر تک ہے۔ موت تو بہر حال آنی ہے اس فتنہ میں آپ اگر کامیاب ہو گئے تو دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نصیحتیں میرے دل کو لگ گئیں اور میں نے مامون کے خیالات کی نفی کا پورا عزم کر لیا۔

مامون کے ہاں جب یہ دونوں حضرات پہنچے تو قریب ہی ایک جگہ میں انہیں ٹھہرا دیا گیا۔ خادم نے اطلاع دی کہ مامون نے رسول اللہ سے قرابت کا واسطہ دے کر قسم کھائی ہے: اگر احمد رحمہ اللہ نے خلق قرآن کا اقرار نہ کیا تو اسی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے یہ سنتے ہی گھٹنے زمین پر ٹیک دیے اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور عرض کی: خدایا! اس فاجر کو تیرے حلم نے بہت مغرور کر دیا ہے کہ وہ اب تیرے دوستوں پر بھی تلوار اٹھاتا ہے۔ خدایا! اگر تیرا کلام غیر مخلوق ہے تو تو مجھے اس پر ثابت قدم رکھ میں اس کے لئے ہر مصیبت سہنے کو تیار ہوں۔ اسی رات صبح ہونے سے پہلے مامون کا انتقال ہو گیا۔ مگر معتصم خلیفہ بن گیا۔ اس نے محمد بن ابی دؤاد کو اپنا وزیر اور قوت بازو بنایا۔ اس طرح معتصم، مامون سے بھی زیادہ اس نظریے کے لئے سخت گیر ثابت ہوا۔ اس نے امام محترم کو دیگر قیدیوں کے ساتھ بیڑیاں باندھ کر ایک کشتی میں پایہ تخت بغداد بھیج دیا۔ محمد رحمہ اللہ بن نوح راستہ میں ہی انتقال کر گئے۔

امام محترم جب بغداد پہنچے تو پاؤں میں بوجھل بیڑیاں تھیں جن کی وجہ سے چلنا دشوار تھا۔ سخت علیل ہو گئے۔ قید خانہ میں ڈال دیئے گئے اور تیس ماہ قید میں رہے۔ پھر معتصم کے پاس انہی بیڑیوں میں لائے گئے۔ مُسْرَمَنْ رَأَى (گلبرگ) میں ایک کمرہ میں بند کر دیا گیا۔ جس میں اندھیرا ایسا تھا کہ کوئی چیز نظر نہ آتی۔ رب کے حضور نماز شکرانہ ادا کی۔ امام محترم فرماتے ہیں: معتصم کے پاس اسی حالت میں مجھے لے جایا گیا۔ میں نے سلام کے بعد گفتگو کی اور کہا کہ آپ کے نانا محترم کا کیا پیغام تھا؟ معتصم نے کہا لا الہ الا اللہ کی طرف۔ تھوڑی گفتگو کے بعد معتصم نے عبدالرحمٰن معتزلی کو کہا کہ ان سے پوچھو۔

عبدالرحمٰن نے مجھ سے کہا: قرآن کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ میں چپ رہا۔ لیکن معتصم نے اصرار کیا جواب دو تو میں نے کہا: باری تعالیٰ کے علم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ اس نے جواب نہ دیا۔ میں نے کہا: قرآن اللہ کا علم ہے اور جس نے اللہ

کے علم کو مخلوق کہا اس نے کفر کیا۔ کفر کے لفظ سے یہ جماعت بڑی سیخ پا ہوئی اور معتصم سے کہا: دیکھئے اس نے آپ کو اور ہم سب کو کافر کہہ دیا۔ مگر معتصم نے توجہ نہ دی۔ پھر عبدالرحمٰن نے سوال کیا: یہ بتاؤ ایک زمانہ تھا جب اللہ تھا اور قرآن نہ تھا۔ میں نے جواباً کہا: کیا ایسا تھا کہ خدا تھا اور اس کا علم نہ تھا؟ عبدالرحمٰن چپ ہو گیا۔ بہر حال وہ جو دلائل دیتے میرے سوال یا جواب میں وہ خاموش ہوتے رہے اور بدتمیزی و بدکلامی بھی کرتے رہے۔ اور خلیفہ کو بہکاتے بھی۔ میں کہتا: دین کی بنیاد کتاب وسنت کے علاوہ کسی تیسری چیز پر نہیں ہے۔ مگر ابن ابی دؤاد کہتا: بحث کا دارومدار نقل کے علاوہ عقل پر بھی ہونا چاہئے۔ اسی طرح دوسرے اور تیسرے دن گفتگو ہوتی رہی۔ آخری دن امام محترم کی آواز ان سب کی آوازوں سے بھاری اور اونچی رہی جو معتزلی فقہاء اور قضاۃ کی تھی۔ وہ لاجواب رہے۔ اور خلیفہ مجھے یہی کہتا رہا کہ تم میرے مسلک کی تائید کرو میں تمہیں مقرب خاص بنالوں گا۔ میں نے یہی کہا: کہ اگر کوئی دلیل قرآن وحدیث سے پیش کر دیجئے تو میں ماننے کو تیار ہوں۔ بعد ازاں خلیفہ نے میرے ہاتھ پاؤں بندھوا دیئے اور مجھے کوڑے برسوائے۔ میں بار بار بے ہوش ہوا۔ جب پہلا کوڑا برسا میں نے بِسْمِ اللّٰهِ کہا۔ جب دوسرا پڑا تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہا اور جب تیسرا پڑا تو کہا: (قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا)۔ بے ہوش ہوتا تو چھوڑ دیا جاتا۔ ہوش میں آتا تو دوبارہ مارنا شروع کر دیتے۔ میں جلد بے ہوش ہونے لگا تو معتصم ڈر گیا کہ کہیں اب یہ فوت ہی نہ ہو جائیں۔ اس نے ضرب بند کرا دی۔ جب ہوش آیا تو معتصم کے ایک کمرہ میں ہی خود کو بغیر سلاسل کے آزاد پایا۔

مجھے گھر پہنچانے کا خلیفہ نے حکم دیا۔ راستہ میں اسحٰق بن ابراہیم کے ہاں ٹھہرے۔ کہتے ہیں کہ میں صائم تھا۔ کپڑے خون آلود تھے اسی حالت میں نماز ادا کی۔ ابن سماعہ نے کہا کہ آپ نے خون کے کپڑوں میں نماز ادا کی؟۔ میں نے کہا: ہاں! سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خون بہنے کی حالت میں نماز ادا تھی اور ان کے زخم کا خون فوارہ کی صورت میں نکل رہا تھا۔ کوڑوں کے ضرب کی وجہ سے ہاتھ اور ہونٹوں پر سردی کا اثر تاوفات رہا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے عدل وانصاف کا بیان

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دورِ حکومت صرف ڈھائی سال ہے، اس مختصر اور قلیل مدت میں خلقِ خدا نے یوں محسوس کیا کہ زمین وآسمان کے درمیان عدل کا ترازو کھڑا ہو گیا ہے اور فطرتِ الٰہی خود آگے بڑھ کر انسانیت کو آزادی محبت اور خوشحالی کا تاج پہنا رہی ہے، لوگ ہاتھوں میں خیرات لیے پھرتے تھے، مگر کوئی محتاج نہیں ملتا تھا کہ یہاں کوئی حاجت مند باقی نہیں رہا، اور عطیات کو واپس کر دیتے تھے، عدی بن ارطاط (والیِ فارس) نے آپ کو لکھا کہ یہاں خوش حالی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ عام لوگوں کے کبر وغرور میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو گیا ہے، آپ نے جواب بھیجا لوگوں کو خدا کا شکر ادا کرنے کی تعلیم دینا شروع کر دو۔

ایک طرف لاکھوں اور کروڑوں لوگ امن ومسرت اور راحت وشادمانی کے شادیانے بجا رہے تھے، تو دوسری طرف وہ وجودِ مقدس جس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا تھا روز بروز لاغر وضعیف ونزار ہوتا چلا جا رہا تھا، اسے دن کا چین میسر نہیں تھا، اسے رات کی نیند نصیب نہ تھی، جب حضرت عمر بن عبدالعزیز؟ مدینہ کے گورنر بنائے گئے، تو اس وقت ان کا ذاتی ساز وسامان اس قدر وسیع اور

عظیم تھا کہ صرف اسی سے پورے تیس اونٹ لاد کر مدینہ منورہ بھیجے گئے، جسم اس قدر تر و تازہ تھا کہ ازار بند پیٹ کے پٹوں میں غائب ہو جاتا تھا، لباسِ فاخرہ و عطریات کے بے حد شوقین تھے، نفاست پسندی کا یہ عالم تھا کہ جس کپڑے کو دوسرے لوگ آپ ؟ کے جسم پر ایک دفعہ دیکھ لیتے تھے دوبارہ نہیں دیکھتے تھے، خوشبو کے لیے مشک اور عنبر استعمال کرتے تھے، رجاء بن حیوۃ کا بیان ہے کہ ہماری سلطنت میں سب سے زیادہ خوش لباس، معطر اور خوش خرام شخص عمر بن عبدالعزیز ؟ تھے، آپ جس طرف سے گزرتے تھے گلیاں اور بازار خوشبو میں نہا جاتے؛ لیکن جس دن خلیفۂ اسلام بنائے گئے، آپ ؟ نے ساری جاگیریں اصل مالکوں کو واپس کر دیں اور فرش، لباس، عطریات، ساز و سامان، محلات، لونڈی و غلام اور سواریاں سب بیچ دیے، اور قیمت بیت المال میں داخل کر دی، آپ ؟ کے پاس صرف ایک جوڑا رہتا تھا جب وہ میلا ہوتا، اسی کو دھو کر پہن لیتے تھے، مرض الموت میں آپ کے سالے نے اپنی بہن فاطمہ یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اہلیہ سے کہا: امیر المومنین کی قمیص بہت میلی ہو رہی ہے لوگ بیمار پرسی کے لیے آتے ہیں اسے بدل دو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بیوی نے یہ سنا اور خاموش ہو گئیں، بھائی نے جب پھر یہی تقاضا کیا تو فرمایا: خدا کی قسم! خلیفۂ اسلام کے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہیں ہے، میں کہاں سے دوسرا کپڑا پہنا دوں اور یہ جوڑا بھی خلیفۂ وقت کے بدن پر جو تھا صحیح سالم نہ تھا، اس میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔

ایک دن آپ کو انگور کھانے کی تمنا ہوئی، آپ بیوی کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا تمہارے پاس ایک درہم ہے؟ میں انگور کھانا چاہتا ہوں بیوی (فاطمہ) نے کہا: خلیفۃ المسلمین ہو کر کیا آپ میں ایک پیسہ خرچ کرنے کی بھی طاقت نہیں ہے فرمایا: میرے لیے جہنم کی ہتھکڑی سے زیادہ یہ آسان ہے۔

جب خلافت کی ذمہ داریوں کا پہاڑ آپ پر ٹوٹ پڑا، تو غذا اور خوراک کے علاوہ میاں بیوی کے تعلقات سے بھی علیحدگی اختیار کر لی، سارا دن سلطنت کی ذمہ داریاں نبھاتے اور رات کے وقت عشاء پڑھ کر تنِ تنہا مسجد میں بیٹھ جاتے اور ساری ساری رات جاگتے، سوتے، گریہ وزاری میں بسر کر دیتے، بیوی سے ان کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی، ایک دن انھوں نے تنگ آ کر پوچھا، تو ارشاد فرمایا: میں نے ذمہ داری کے سوال پر بڑی اچھی طرح غور و خوض کیا ہے اور اس کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سفید کاموں کا ذمہ دار ہوں، مجھے یہ یقین ہو چکا ہے کہ میری سلطنت کے اندر جس قدر بھی غریب، مسکین، یتیم، مسافر اور مظلوم موجود ہیں ان سب کی ذمہ داری مجھ پر ہے، خدا تعالیٰ ان سب کے متعلق مجھ سے پوچھے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے متعلق مجھ پر دعویٰ کریں گے؛ اگر میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جواب نہ دے سکا تو میرا انجام کیا ہوگا؟ جب میں ان سب باتوں کو سوچتا ہوں تو میری طاقت گم ہو جاتی ہے، دل بیٹھ جاتا ہے، آنکھوں میں آنسو بے دریغ بہنے لگتے ہیں۔

اموی خاندان کے بعض لوگوں نے آپ کے غلام کو ایک ہزار اشرفی دے کر آپ کو زہر دلوا دیا، آپ کو اس کا علم ہوا تو غلام کو بلایا، اس سے رشوت کی اشرفیاں لے کر بیت المال میں بھجوا دیا اور فرمایا: جاؤ میں تمہیں اللہ کے لیے معاف اور آزاد کرتا ہوں۔

پھر اپنے بیٹوں کو پاس بلایا اور فرمایا: اے میرے بچو! دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی، ایک یہ کہ تم دولت مند ہو جاؤ اور تمہارا باپ دوزخ میں جائے، دوسری یہ کہ تمہارا باپ جنت میں داخل ہو، میں نے آخری بات پسند کرلی، اب میں تمہیں صرف خدا ہی کے حوالے کرتا ہوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ اور ادب نبوت

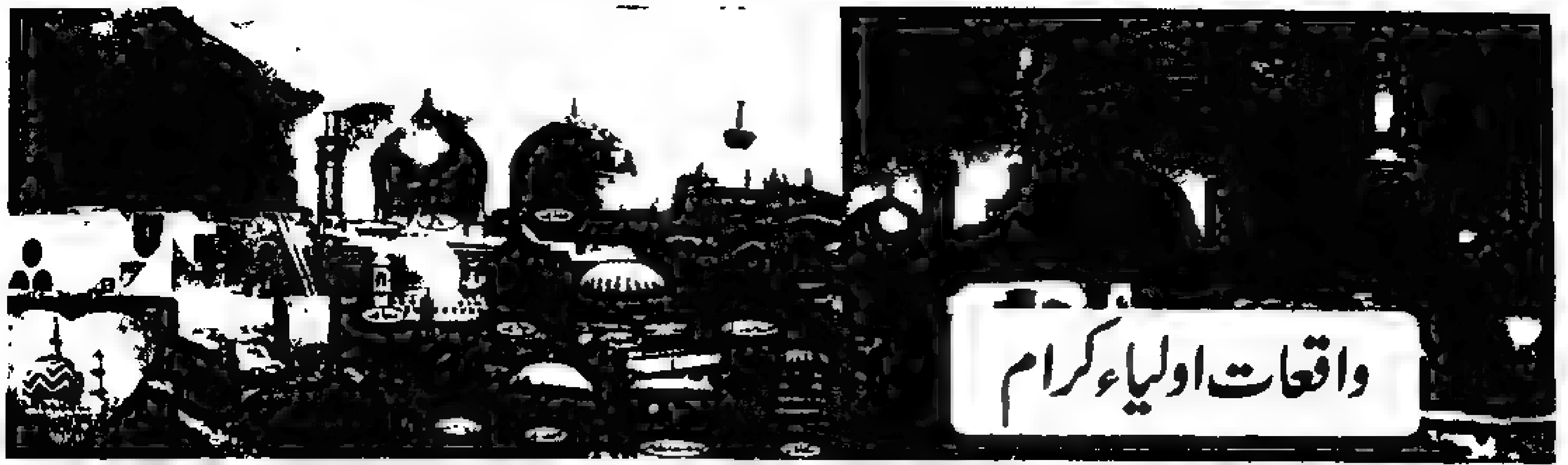
ایک شخص نے کہا: حضرت کو روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر چوتھی خالی جگہ میں دفن کیا جائے یہ سن کر فرمایا: خدا کی قسم! میں ہر عذاب برداشت کرلوں گا؛ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کے برابر اپنا جسم رکھواؤں، یہ جرأت مجھے برداشت نہیں۔

اس کے بعد آپ نے ایک عیسائی کو بلوایا اور اس سے اپنی قبر کی زمین خریدی، عیسائی نے کہا: میرے لیے یہ عزت کیا کم ہے کہ آپ کی ذات پاک میری زمین میں دفن ہو، میں اب عزت کی قیمت وصول نہیں کروں گا۔ فرمایا: یہ نہیں ہوسکتا آپ نے اصرار کرکے قیمت اسی وقت ادا کردی، پھر فرمایا جب مجھے دفن کرو تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن اور موئے مبارک میرے کفن کے اندر رکھ دینا، اسی وقت پیغام ربانی آگیا اور زبانِ مبارک پر یہ آیات جاری ہوگئیں تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ اور روحِ اطہر جسم سے پرواز کرگئی۔ اِنّا للّٰہ و انا الیہ راجعون

حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ایک سیب کا کھانے کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ کے پاس بیت المال کے سیب آئے۔ سیب مسلمانوں میں تقسیم کیے جا رہے تھے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ کا چھوٹا بیٹا آیا اور سیبوں کے ڈھیر میں سے ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ نے اس کے منہ سے یہ سیب چھین لیا۔ وہ روتا ہوا ماں کے پاس پہنچا۔ ماں نے بازار سے سیب منگوا دیئے۔ جب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ گھر واپس پہنچے تو سیبوں کی خوشبو آئی تو بیوی سے پوچھا کہ کیا تمہیں بیت المال میں سے کچھ سیب ملے؟ بیوی نے کہا نے کہ نہیں، میں نے بازار سے منگوائے ہیں اور بیٹے کو دیئے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! جب میں نے اپنے بیٹے سے سیب چھینا تو مجھے ایسا لگا کہ میں نے اپنا دل چیر دیا ہے لیکن مجھے یہ برا معلوم ہوا کہ میں مسلمانوں کے مال میں سے ایک سیب کیلئے اپنے آپ کو اللہ کے سامنے رسوا کروں۔



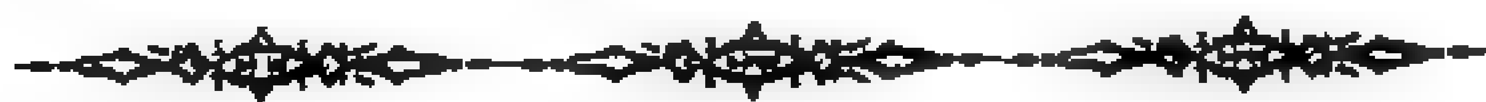
ولی کی تعریف کا بیان

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ولی سے مراد وہ شخص ہے جو عالم باللہ ہو اور اخلاص کے ساتھ ہمیشگی کے ساتھ عبادت کرنے والا ہو (فتح الباری۔ ج ۱۱۔ ۳۴۲۔ عمدۃ القاری، جز ۳۔ ص ۸۹۔ مطبوعہ مصر)

حواس خمسہ میں خصوصی عطائے الٰہی

قرآن کی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اولیاء اللہ نہ تو خوف زدہ ہوں گے اور نہ ہی غم زدہ۔ جبکہ اس کا تعلق ہماری توجیہ کے مطابق صحیح بخاری شریف کی اس حدیث کے ساتھ واضح ہے اور وہی حدیث اس کا معنی بیان فرما رہی ہے۔ کہ جب اللہ اپنے ولی کو مقام قرب عطا فرماتا ہے تو وہ اسکی ساعت بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور اسی طرح بصارت اور دیگر حواس خمسہ کی قوت کا بیان کیا گیا ہے حالانکہ کائنات کا ہر شخص بلکہ ہر ذی روح یا ہر مخلوق اسی کی عطا کردہ قوت کے ساتھ ہی حواس خمسہ یا دیگر اعضاء کی طاقتوں کا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اولیاء کرام کو حواس خمسہ کے ذریعے ایک خاص قوت عطا کی جاتی ہے جس سے وہ باقی طاقتوں سے ممتاز اور جداگانہ طاقت رکھتے ہیں۔ اسی لئے تو لوح محفوظ پر لکھی ہوئی تحریر پڑھ لیتے ہیں آخر ان کے پاس نگاہ بصیرت کا خاص عطیہ ہے جسکی وجہ سے پڑھتے ہیں۔

اسی طرح جب ہم خوف اور غم کی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہیں تو اس کا اظہار بھی حواس خمسہ سے محسوس کرتے ہیں اور حواس خمسہ ہی اس کا اظہار کرتے ہیں یا دیگر اعضاء بھی اس کا اظہار کرتے ہیں۔ جہاں تک دنیا کے خوف اور غم کا تعلق ہے اس پر اولیاء کرام کو عطا کردہ خصوصی عطیہ الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے تمام کائنات کے خوفوں اور غموں سے وہ بے پرواہ ہوتے ہیں کیا آپ نہیں دیکھتے کہ منصور حلاج نے مسکرا کر پھانسی کے رسے کو چومتے ہوئے اور بے خوف ہو کر ہاتھ میں تھام لیا۔ کیا آپ نے نہیں سمجھا کہ کئی اولیاء کرام جن کا دنیاوی مال و اسباب سب کچھ لٹ جاتا تو وہ اس پر کچھ غمزدہ نہ ہوتے۔ کیونکہ اس قسم کے خوف اور غم پر ان کے حواس کو غلبہ حاصل تھا۔



حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ

حضرت داتا گنج بخش سید ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری رضی اللہ تعالی عنہ

حضرت سید ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری ثم لاہوری معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ 400) ھ تا 465ھ / 1009 ء تا 1079 ء) ہجویر اور جلاب غزنین کے دو گاؤں ہیں شروع میں آپ کا قیام یہیں رہا اس لیے ہجویری اور جلابی کہلائے۔ سلسلہ نسب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ روحانی تعلیم جنیدیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ سے پائی۔ مرشد کے حکم سے 1039ء میں لاہور پہنچے. کشف المحجوب آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ لاہور میں بھاٹی دروازہ کے باہر آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ عوام آپ کو گنج بخش (خزانے بخشنے والا) اور داتا صاحب کہتے ہیں اور آپ انہی القابات سے مشہور ہیں۔

حضرت علی ہجویری علیہ الرحمہ کا نام ونسب

آپ کا پورا نام شیخ سید ابوالحسن علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ لیکن عوام وخواص سب میں " گنج بخش "یا" داتا گنج بخش" کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ ۰۰ ہجری میں غزنی شہر سے متصل ایک بستی ہجویر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید عثمان جلابی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ جلاب بھی غزنی سے متصل ایک دوسری بستی کا نام ہے جہاں سید عثمان رحمتہ اللہ علیہ رہتے تھے۔ حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت زید رحمتہ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں۔

دو اہم واقعات

اپنے تلاش وجستجو کے زمانے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ایک مشکل پیش آئی۔ اس کے حل کے لیے میں نے بہت مجاہدے کیے۔ مگر یہ مشکل حل نہ ہوئی۔ اس سے پہلے بھی مجھے ایک مشکل پیش آئی تھی اور اس کے حل کے لیے میں نے حضرت شیخ ابویزید رحمتہ اللہ علیہ کی قبر کی مجاوری اختیار کر کے اس پر غور وفکر کیا تھا اور میری وہ مشکل وہاں حل ہوگئی تھی۔ اب کے میں نے پھر ایسا کیا۔ برابر تین ماہ تک ان کا مجاور (پڑوسی) بنا رہا۔ ہر روز تین مرتبہ غسل کرتا رہا۔ اور تیس دفعہ وضو کرتا رہا۔ لیکن میری یہ مشکل حل نہ ہوئی۔ بالآخر میں نے خراسان جانے کا ارادہ کیا اور راستے میں رات کے وقت ایک خانقاہ میں رات بسر کرنے کے لیے ٹھہرا۔ وہاں صوفیوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ میرے پاس اس وقت موٹے کھردرے ٹاٹ کی ایک گودڑی تھی۔ اور وہی میں نے پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں ایک عصا اور کوزہ (لوٹا) تھا۔ اس کے سوا اور کوئی سامان میرے پاس نہیں تھا۔ ان صوفیوں نے مجھے

بہت حقارت کی نظر سے دیکھا۔ اور اپنے خاص انداز میں ایک دوسرے سے کہا کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور وہ اپنی اس بات میں سچے تھے، کیونکہ میں فی الواقع ان میں سے نہ تھا۔ میں تو محض ایک مسافر کی حیثیت سے رات بسر کرنے کے لیے ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ ورنہ ان کے طور طریقوں سے میرا کوئی سروکار نہ تھا۔ انھوں نے خانقاہ کے نیچے کے ایک کمرہ میں مجھے بٹھا دیا۔ اور ایک سُوکھی روٹی اور وہ بھی روکھی میرے آگے رکھ کر خود کھانے کے لیے اوپر چوبارہ میں جا بیٹھے۔ جو کھانے وہ خود کھا رہے تھے ان کی خوشبو مجھے آ رہی تھی۔ اور اس کے ساتھ چوبارہ پر سے وہ طنزیہ انداز میں مجھ سے باتیں کرتے تھے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو خربوزے کے کر بیٹھ گئے۔ اور چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی طبیعت کی خوشی اس وقت میری توہین پر موقوف تھی۔ میں اپنے دل میں خدا سے کہہ رہا تھا، بار خدایا، اگر میں نے تیرے دوستوں کا لباس نہ پہنا ہوا ہوتا تو میں ضرور ان کی ان حرکات کا مزا ان کو چکھا دیتا۔ لیکن چونکہ میں اسے خداوند تعالیٰ کی طرف سے ابتلا سمجھ کر برداشت کر رہا تھا، اس لیے جس قدر وہ طعن و ملامت مجھ پر زیادہ کرتے تھے میں خوش ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اس طعن کا بوجھ اٹھانے سے میری وہ مشکل جس کے لیے میں مجاہدوں اور اس سفر کی مشقت اٹھا رہا تھا وہیں حل ہوگئی۔ اور اسی وقت مجھ کو معلوم ہوگیا کہ مشائخ رحمہم اللہ جاہلوں کو اپنے درمیان کیوں رہنے دیتے ہیں اور ان کا بوجھ کس لیے اٹھاتے ہیں۔ نیز یہ کہ بعض بزرگوں نے ملامت کا طریقہ کیوں اختیار کیا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ اس سے بعض اوقات وہ عقدے حل ہوجاتے ہیں جو دوسرے طریقوں سے حل نہیں ہوتے۔

حقیقت انسان کے کچھ نہ ہونے کا بیان

عراق کا ایک واقعہ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں کہ عراق میں اپنے قیام کے زمانے میں ایک دفعہ میں دنیا کمانے اور اسے خرچ کرنے میں بہت دلیر ہوگیا تھا۔ جس کسی کو ضرورت پیش آتی وہ میری طرف رجوع کرتا اور میں نہ چاہتا کہ میرے دروازے سے کوئی خالی جائے۔ اِس لیے اس کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتا، یہاں تک کہ میں بہت زیادہ مقروض اور اس صورتحال سے پریشان ہوگیا۔ آخر وقت کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے مجھے لکھا؛ بیٹا دیکھو! اس قسم کی مشغولیت میں کہیں خدا سے دور نہ ہو جاؤ، یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے۔ اگر کسی کے دل کو اپنے سے بہتر پاؤ۔ تو اس کی خاطر پریشانی اُٹھاؤ۔ تمام مخلوق کے کفیل بننے کی کوشش نہ کرو۔ کیوں کہ اپنے بندوں کے لیے خدا خود کافی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس نصیحت سے مجھے سکون قلب حاصل ہوا۔ اور میں نے یہ جانا کہ مخلوقات سے دور رہنا صحت و سلامتی کی راہ ہے۔

انسان کو چاہیے کہ وہ خود اپنی طرف نہ دیکھے تا کہ کوئی اور بھی اس کی طرف نہ دیکھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آدمی خود ہی اپنے آپ کو اہم اور بڑی چیز عیاں کرتا ہے ورنہ دنیا اسے کچھ بھی نہیں سمجھتی۔ وہ تو صرف اس سے اپنا کام نکالتی ہے۔

خانہ کعبہ کی زیارت اور رائے راجو کا قبول اسلام

حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کا رخ سیدھا مغرب کی بجائے مائل بجنوب رکھا تو لاہور کے علماء معترض ہوئے تو آپ نے تمام علماء لاہور کو کھانے پر دعوت دی نماز کی امامت خود فرمائی اور بعد ازاں فرمایا بعض لوگوں کو مسجد کی سمت قبلہ پر کچھ شک ہے۔ میری

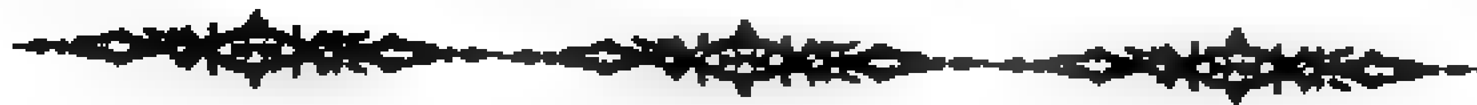
درخواست ہے کہ ایک ساعت کے لیے آنکھیں بند کر کے مراقبہ کریں چنانچہ آپ نے ایسی توجہ فرمائی کہ تمام نمازیوں کے لیے تمام حجابات اٹھ گئے اور سب نے دیکھا کہ خانہ کعبہ سامنے ہے اور مسجد مبارک بالکل صحیح سمت پر تعمیر کی گئی ہے۔

رائے راجو ایک ہندو اور انتہائی سخت جادوگر تھا اسے جو دودھ کا نذرانہ نہ دیتا اسکے جانور پر ایسا جادو کرتا کہ اس جانور سے دودھ کی بجائے خون نکلتا تھا۔ ایک بوڑھی عورت رائے راجو کے پاس دودھ کا نذرانہ لے جارہی تھی کہ آپ نے اسے آواز دی کہ کچھ دودھ قیمت لے کر مجھے دے دو تو اس بوڑھی عورت نے رائے راجو کے جادو کا عذر کر کے دودھ بیچنے سے انکار کر دیا اس پر حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ نے مسکرا کر فرمایا اگر تم دودھ دے دو تو تمہارے جانوروں کا دودھ بڑھ جائے گا چنانچہ اس خاتون نے بادل نخواستہ دودھ پیش کر دیا جب گھر گئی تو اس کی حیرت کی حد نہ رہی کہ جانوروں کا دودھ اس قدر زیادہ ہو گیا کہ تمام برتن دودھ سے بھر گئے تو تھنوں سے دودھ ختم نہیں ہو رہا تھا۔

جب یہ خبر پھیلی تو اگلے روز گرد و نواح کے تمام لوگ دودھ کا نذرانہ لے کر حاضر ہونے لگے تو اس طرح درویشوں اور مسافروں کے لیے لنگر کا سلسلہ شروع ہوا جو کہ آج تک جاری ہے۔ رائے راجو کا دودھ کا نذرانہ بند ہوا تو اسے بڑا طیش آیا اور وہ حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ کرنے کے لیے سامنے آیا اور آپ کو مقابلے کے لیے للکارتے ہوئے کہا کہ تمہارے پاس کوئی کمال ہے تو دکھاؤ۔

آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا عاجز بندہ ہوں اگر تمہارے پاس کوئی کمال ہو تو دکھاؤ۔ رائے راجو نے جواب دیا تو لو دیکھو میرا کرشمہ یہ کہا اور جادو کے زور پر ہوا میں اڑنے لگا۔ حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور اپنے جوتے ہوا میں پھینک دیئے اور وہ جوتے رائے راجو کے ساتھ ہوا میں اڑنے لگے۔

حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کرامت دیکھ کر رائے راجو نے توبہ کر کے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شاندار روحانی تربیت کی اور اسے شیخ ہندی کا خطاب دیا چونکہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد نہیں تھی لہٰذا شیخ ہندی کی اولاد اس وقت سے لے کر آج تک خانقاہ کی خدمت کے فرائض انجام دیتی آرہی ہے۔



حضرت سید ابو صالح والد گرامی حضور غوث اعظم

وطن جیلان (ایران) نام محی الدین ۔۔۔ والد محترم سید ابو صالح ۔۔ مادر گرامی ام الخیر فاطمہ ۔۔۔ نجیب الطرفین سید ۔۔ علوم ظاہری کے قافلہء سالار ۔۔ قصر معرفت کے روشن مینار ۔۔۔ سکون جاں، قرار، قرار دل ناصبور ۔۔۔ اولیاء کرام میں سب سے زیادہ محبوب و مشہور ۔ مرکز احترام وادب اور غوث اعظم لقب تھا۔

آپ کے کلام کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ حاضرین جوش جذبات میں گریبان چاک کر دیتے تھے اور مجلس وعظ سے بیک وقت کئی جنازے اٹھتے تھے۔

نوجوان یاد الہی میں غرق ہو چکا تھا۔ ہر شئی سے آواز دوست آ رہی تھی اب عشق کا وہ مرحلہ آ گیا تھا جہاں دنیا کے تمام مادی رشتے توڑ دیئے جاتے ہیں اور سجدہ گاہ دل کو بتوں سے خالی کر دیا جاتا ہے نوجوان بھی ذہنی یکسوئی اور سکون دل کی خاطر دنیا سے کنارہ کش ہو کر دریا کے کنارے آ پڑا یہاں حرص و ہوس کے ہنگامے نہیں تھے۔ یہاں آزاد ہوائیں نوجوان کو قلندرانہ پیغام دے رہی تھیں کہ اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی۔

دریا کا بہتا ہوا صاف وشفاف پانی دل و دماغ کو دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھنے کے لئے نغمہء ازلی سنا رہا تھا۔ کئی دن جذب کے اسی عالم میں گزر گئے نوجوان دنیا و مافیہا سے بے خبر مراقبے کی منزلیں طے کرتا بالآخر روح کا سفر جاری رہا مگر جسم تھک چکا تھا نوجوان نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا ہر طرف ہو کا عالم تھا۔

نوجوان جس کو شدت سے بھوک محسوس ہو رہی تھی اس نے دور تک نظریں دوڑائیں قرب وجوار میں انسانی آبادی کے آثار ناپید تھے۔

"سرمستی اے عشق اسے کہاں لے آئی"

نوجوان نے ایک لمحے کیلئے سوچا پھر آسمان کی جانب نگاہ اٹھائی۔ ایک صابر و شاکر بندے کی طرح پھر اچانک اس کی نظر دریا میں بہتے ہوئے سیب پر پڑی۔ رزاق عالم کی رزاقی پر اس کا یقین اور بھی پختہ ہو گیا، وہ تیزی سے جھکا اور اس نے سیب کو پانی سے نکال کر کھا لیا۔ پھر بآواز بلند خالق کائنات کا شکر ادا کیا۔

سیب کھانے کے بعد بھوک سے کسی حد تک نجات مل گئی اور نوجوان اس حسن اتفاق کو دست غیب کی کارفرمائی سمجھ کر مطمئن ہو گیا ۔۔۔ مگر کچھ دیر بعد ہی یکا یک اس کے ذہن میں ایک اندیشے نے سر ابھارا۔ یہ سیب کسی کی ملکیت تو نہیں تھا؟

اس خیال کے آتے ہی نوجوان مضطرب ہو گیا اور اس کے پُر نور چہرے پر وحشت برسنے لگی جیسے اسے کسی نے چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا ہو

کیا تو نے سیب کے مالک سے اسے کھانے کی اجازت مانگی تھی؟ کسی نے پکار کر کہا۔

نوجوان نے گھبرا کر اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔۔مگر وہاں کوئی موجود نہ تھا نوجوان ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا کہ چند لمحوں بعد اسے وہی آواز پھر سنائی دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ذہنی کشمکش وحشت میں تبدیل ہو گئی نوجوان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسی آوازیں ہیں اور اسے پکارنے والا کون ہے؟ آخر بہت دیر بعد اس پر یہ راز فاش ہوا کہ یہ آوازیں کسی غیر کی نہیں بلکہ خود اسے اس کا ضمیر پکار رہا ہے پھر یہ خلش اس سے برداشت نہ ہو سکی اور وہ بے اختیار دریا کی اس سمت روانہ ہو گیا جدھر سے سیب بہہ کر آیا تھا۔

نوجوان تیز رفتاری کے ساتھ دریا کے کنارے کنارے چلتا رہا اور قدم قدم پر دعا مانگتا رہا۔ کہ سیب کے مالک سے ملاقات ہو جائے اور وہ اس سے اس بد دیانتی کی معافی مانگ سکے۔ کافی طویل سفر تھا وقت کے فاقوں سے نیم جان مسافر تھکتا جا رہا تھا کہ اسے سیبوں کا ایک باغ دیکھائی دیا۔ نوجوان کو اپنے نڈھال جسم میں تازگی کی ایک لہر سی محسوس ہوئی۔

اس نے دیکھا کہ سیب کے کچھ درخت پانی پر جھکے ہوئے تھے نوجوان کو یقین آ گیا کہ جس سیب نے کچھ دیر کیلئے اس کے شکم کی آگ کو سرد کیا تھا اس کا تعلق اسی باغ سے تھا۔

نوجوان نے باغ میں کام کرتے ہوئے مزدوروں سے پوچھا؟ اس باغ کے مالک کون ہیں؟ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں ایک مزدور نے نوجوان کو ٹھہرا کر انتظار کرنے کیلئے کہا اور خود باغ کے ایک گوشے کی طرف چلا گیا۔

کچھ دیر بعد باغ کا ایک مالک نظر آیا جو ایک عمر رسیدہ شخص تھا کیسے آئے ہو نوجوان؟ بوڑھے کا لہجہ نہایت شگفتہ تھا مجھ سے کوئی کام ہے؟

نوجوان باغ کے مالک کی بزرگی دیکھتے ہوئے احتراماً کھڑا ہو گیا تھا۔ میں دریا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سیب پانی میں بہتے ہوئے نظر آیا مجھے اس وقت شدت کی بھوک محسوس ہو رہی تھی جس کی وجہ سے میں نے اس سیب کو اٹھا کر کھا لیا۔ مگر اب میں ضمیر پر نا قابل برداشت ایک بوجھ محسوس کر رہا ہوں۔

باغ کے مالک نے بڑی حیرت کے ساتھ نوجوان کی گفتگو سنی۔ کچھ دیر تک غور کرتا رہا۔ پھر نوجوان سے مخاطب ہوا۔ ''اب تم کیا چاہتے ہو''

میں اپاہج نہیں ہوں ورنہ آپ سے اپنی اس غلطی کی معافی مانگ لیتا۔ نوجوان نے مودبانہ لہجے میں عرض کیا۔

بوڑھا استفہامیہ نظروں سے نوجوان کی طرف دیکھنے لگا، پھر آہستہ سے بولا۔ میں تمہاری اس بات کا مفہوم نہیں سمجھا، ذرا وضاحت سے اپنا مقصد بیان کرو۔

میرا مطلب یہ ہے کہ بزرگو: جب کسی انسان کے دست و پا صحیح سلامت ہوں تو اسے اپنے جرم کی سزا برداشت کرنی چاہیے۔نوجوان نے ٹھہر ٹھہر کر مدھم آواز میں کہا۔

میں جانتا ہوں کہ مجھ میں ایک سیب کی قیمت ادا کرنے کی صلاحیت موجود ہے مگر چونکہ میں نے نہ جانتے ہوئے ایک جرم کیا ہے اس لئے اب اس سیب کی قیمت بازار میں نہیں ہوگی بلکہ جو کچھ آپ طے کریں گے وہی دل سے تسلیم کی جائے گی اور میں بہ رضاورغبت اسے تسلیم کروں گا اس کے بعد خدا کے یہاں میرے ذمے آپ کا کوئی حساب باقی نہیں رہے گا۔

باغ کے مالک نے سر سے پاؤں تک دوبارہ نوجوان کی ظاہری شخصیت کا جائزہ لیا پھر انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہنے لگا۔

نوجوان: میرا تمہارا حساب برابر ہونے کی دو شرطیں ہیں۔

نوجوان نے حیرت سے باغ کے مالک کی طرف دیکھا ایک معمولی سی چیز کی قیمت کی ادائیگی کیلئے پیشگی شرائط؟ اس نے سوچا مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔

پہلی شرط یہ ہے کہ تم ایک ماہ تک مسلسل میرے باغ کے درختوں کو پانی دو گے۔باغ کے مالک نے اپنی شرائط کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔جب تم میری مرضی کے مطابق اس کام کی تکمیل تک پہنچ جاؤ گے، تو پھر میں اپنی دوسری شرط بیان کروں گا۔اگر ان میں سے ایک شرط بھی پوری نہ ہوئی۔تو میدان حشر تک تم میرے قرض دار رہو گے۔

آپ مطمئن رہیں۔خدا نے چاہا تو میں بحسن وخوبی آپ کی یہ شرائط پوری کردوں گا نوجوان نے کسی تامل کے بغیر جواب دیا۔

باغ کے مالک نے ایک بار پھر حیرت بھری نظروں سے اس نوجوان کی طرف دیکھا ''تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ ایک ماہ کی شدید محنت ومشقت ایک سیب کی قیمت کے برابر کس طرح ہوسکتی ہے؟

ایک لمحے کیلئے مجھے خیال آیا تھا مگر پھر یہ سوچ کر مطمئن ہوگیا کہ بہرحال آپ کو راضی کرنا ہے اگر آپ راضی نہ ہوں گے تو میرے جرم کا یہ داغ کس طرح مٹے گا؟

باغ کے مالک پر کچھ دیر تک حیرت وسکوت کی کیفیت طاری رہی، پھر نوجوان کو مخاطب کر کے بولا۔اب تم اپنا کام شروع کردو۔ایک ماہ بعد ملاقات ہوگی۔یہ کہہ کر بوڑھا شخص بڑے بے نیازانہ انداز میں اپنے مکان کی طرف چلا گیا۔

الغرض شدید محنت کے بعد جب نوجوان نے باغ کے مالک کی اس شرط کو تکمیل تک پہنچایا۔تو وہ جہاندیدہ شخص ذمہ داری کے اس احساس پر حیران رہ گیا۔نوجوان کی پیشانی پسینے سے تر تھی مگر اسکے ساتھ سجدے کا وہ نشان بھی جھلک رہا تھا جو اس بات کی گواہی تھی کہ نوجوان نے اپنے ماہ وسال کس طرح گزارے ہیں۔بوڑھے کی حیرت بڑھتی جارہی تھی مگر اس نے اپنی دلی کیفیات کا اظہار نہیں کیا۔

اب آپ مجھے اپنی دوسری شرط بتائیں'' نوجوان کے لہجے میں بیزاری نہیں، بے قراری تھی، وہ جلد از جلد باغ کے مالک کا

قرض ادا کر دینا چاہتا تھا۔ تا کہ اسے اپنی ریاضت میں یکسوئی اور قلبی سکون حاصل ہو سکے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تمہیں میری لڑکی سے شادی کرنا ہوگی۔ باغ کے مالک نے انتہائی سرد لہجے میں نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نوجوان بوڑھے شخص کی دوسری شرط سن کر حیران رہ گیا۔ آپ مجھے جانتے تک نہیں کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ میرا نسب کیا ہے؟ کس کردار کا مالک ہوں؟ اور میرا ذریعہ معاش کیا ہے ان تمام باتوں کو جانے بغیر آپ نے کس قدر اہم فیصلہ کر لیا۔۔؟

ایک بار پھر نوجوان کی سوچ اور گفتگو نے باغ کے مالک کو متاثر کیا مگر وہ اپنی شرط پر قائم رہا یہ تمہاری ذمہ داری نہیں۔

بہر حال میں نے اپنا فرض ادا کر دیا'' نوجوان نے انتہائی پرسکون لہجے میں کہا'' میں آپ کی صاحبزادی سے شادی کرنے کیلئے تیار ہوں۔

مگر شادی سے پہلے میں تمہیں اپنی بیٹی کے عیب بھی بتا دینا چاہتا ہوں۔ باغ کا مالک بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ میری لڑکی پیدائشی بدصورت ہے جسے گردش تقدیر نے اپاج اور اندھا بنا دیا ہے یہ کہہ کر بوڑھا شخص نوجوان کے چہرے پر اپنی دوسری شرط کا رد عمل تلاش کرنے لگا۔

نوجوان نے فوری طور پر بوڑھے کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا وہ اس عجیب وغریب شرط پر غور کرنے لگا، پھر اس نے دل ہی دل میں دعا کی۔ اے رب عزیز و جلیل: اپنے اس حقیر ناتواں بندے کی دستگیری فرما۔

پھر وہ باغ کے مالک سے مخاطب ہوا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میری غلطی اسی وقت معاف ہو سکتی ہے جب میں آنکھوں کی روشنی سے محروم، ایک بدصورت اپاج لڑکی سے شادی کرلوں۔

سوال یقیناً بہت پیچیدہ تھا جس کا باغ کے مالک کے پاس کوئی معقول جواب نہ تھا مگر صورت حال اس قدر الجھ گئی تھی کہ اب بوڑھے شخص کا اپنی بات پر قائم رہنا ضروری ہو گیا تھا۔ ممکن ہے تمہیں دنیاوی قانون کے مطابق یہ شرط کڑی اور غیر مناسب معلوم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم اسے جبر سمجھو مگر میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جب تک میری دوسری شرط پوری نہیں ہو جاتی، اس وقت تک میں تمہیں اپنا مجرم سمجھتا رہوں گا۔

نوجوان نے بوڑھے شخص کی اس وضاحت کے بعد پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ بس اس نے پُر عزم انداز میں آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اے رب ذوالجلال: آزمائش کے اس راستے میں میرے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کو استقامت دے۔ میں صرف تیری رضا چاہتا ہوں تو مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر۔

آسمان سے نوجوان کی دعا کا کیا جواب آیا۔ یہ انسان کی ظاہری آنکھ نہ دیکھ سکی۔ مگر باغ کے مالک نے اتنا ضرور دیکھا کہ

دعائیہ کلمات کی ادائیگی کے بعد نوجوان کا چہرہ پُر سکون ہو گیا جیسے تائید غیبی کے سبب اس کے نفس میں یہ بوجھ اٹھانے کی طاقت پیدا ہو گئی تھی۔

اس کے بعد نوجوان نے باغ کے مالک سے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ایک باپ کی اس سے بڑی اور کیا خواہش ہو سکتی تھی کہ اس کی اپاہج ،نابینا اور بدصورت بیٹی کو ایک خوبصورت نوجوان شوہر مل جائے۔بالآخر باغ کے مالک نے شادی میں بہت عجلت کی اور مسرت کا اظہار ہو رہا تھا نوجوان کے چہرے پر بھی خوشی کی ایک لہر نمایاں تھی جسے پہلی ہی نظر محسوس کیا جا سکتا تھا دونوں کے چہروں پر اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کا نور تھا۔بوڑھا یوں مطمئن تھا کہ اس کی بیٹی کا مستقبل محفوظ ہو چکا تھا۔اور نوجوان اس لئے مسرور تھا کہ اس نے بحسن وخوبی اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا تھا۔اور جب اس نے پہلی بار اپنی بیوی کو دیکھا۔تو اس طرح گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا، جیسے کوئی اور لڑکی اس کی خلوت گاہ میں موجود ہے۔باغ کے مالک نے اپنی بیٹی کا جو حلیہ بیان کیا تھا حجلہ عروسی میں موجود لڑکی اس سے یکسر مختلف تھی۔روشن آنکھیں ،دست و پا سالم ،اور پُر نور چہرہ لڑکی کے نقش ونگار پر ملکوتی حسن کا گمان ہوتا تھا۔نوجوان انتہائی سراسیمگی کے عالم میں باغ کے مالک اور اپنے خسر کو ڈھونڈتا ہوا اس کے پاس آیا۔

بزرگ: شاید اہل خانہ سے غلطی ہوگئی'' نوجوان بہت گھبرایا ہوا تھا۔ایسا لگتا ہے کہ جیسے مجھے کسی نئی آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے۔

کیسی غلطی اور کیسی آزمائش؟ باغ کے مالک نے مسکراتے ہوئے اپنے داماد سے پوچھا، جو سر سے پاؤں تک تصویر حیرت بنا کھڑا تھا۔

آپ نے اپنی دوسری شرط میں جو لڑکی کا ظاہری حلیہ بیان کیا تھا میری بیوی اس کے مطابق نہیں ہے نوجوان نے حیرت و پریشانی کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا۔

باغ کا بوڑھا مالک نوجوان کی شدت اضطراب پر مسکرایا اور ایک شفیق باپ کی طرح بولا اے میرے نیک بچے۔وہ تیری ہی بیوی ہے خالق کائنات نے تجھے اس سخت آزمائش میں ثابت قدم رکھا۔اللہ صبر کرنے والوں کو ایسے انعامات سے نوازتا ہے۔

باغ کے مالک کی گفتگو میں عجیب رمز تھا نوجوان چونکے بغیر نہ رہ سکا۔آج وہ ایک بوڑھے تاجر کی شخصیت کا بالکل نیا انداز دیکھ رہا تھا۔

مگر آپ نے غلط بیانی سے کام کیوں لیا؟ میں یہ راز جاننے کیلئے سخت مضطرب ہوں۔نوجوان کی حیرت و بے قراری کا وہی عالم تھا۔

فرزند: میں نے تم سے ہرگز جھوٹ نہیں بولا۔اپنی بیٹی کے بارے میں جو کچھ کہا وہ حرف بہ حرف سچ ہے۔باغ کے مالک کے ہونٹوں پر ایک اطمینان اور آسودہ مسکراہٹ تھی

میں نے کہا تھا میری بیٹی بدصورت ہے تم عنقریب دیکھ لو گے، کہ تمہاری بیوی پر دنیاداری کا غازہ نہیں ،ایسی لڑکیاں اس

معاشرے میں بدصورت ہی کہلاتی ہیں جو اپنی شخصیت کو دنیاوی رنگوں اور لباسوں سے آراستہ نہیں کرسکتیں۔ میں نے کہا تھا کہ میری بیٹی اندھی بھی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں اسلامی طرز معاشرت کے مطابق اس کی پرورش کی ہے۔ وہ اب تک کسی غیر محرم کے سامنے نہیں آئی اور آئندہ بھی اس کی آنکھیں بے نور ہی رہیں گی وہ اپاہج یوں ہے کہ اس کے قدم آج تک کفر و گناہ کے کوچے تک نہیں گئے۔ اب تم بتاؤ کہ میں نے کیا غلط کہا تھا۔؟

اپنے خسر کی بات سن کر نوجوان حیرت زدہ رہ گیا پھر وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ جہاں ایک پاک باز دوشیزہ اپنے شوہر کا انتظار کررہی تھی۔

باغ کے مالک مشہور صوفی بزرگ حضرت عبداللہ صومعی علیہ الرحمہ ہیں جن کا سلسلہ نسب تیرھویں پشت میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بڑے زاہد اور پرہیزگار انسان تھے۔ ممنوعہ ایام کے علاوہ ہمیشہ روزہ رکھتے اور ساری ساری رات عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ حضرت سید عبداللہ علیہ الرحمہ کی ہزاروں کرامات مشہور ہیں۔

شیخ محمد قزوینی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ ایک بار ان کے کچھ دوست اپنا مال لیکر ایک تجارتی قافلے کے ساتھ سمرقند کی طرف روانہ ہوئے جب وہ لوگ ایک صحرا سے گزر رہے تھے۔ تو اچانک سینکڑوں سوار مسلح نمودار ہوئے، اور انہوں نے تجارتی قافلے کو چاروں طرف سے گھیر لیا تاجروں نے گھبرا کر حضرت عبداللہ صومعی علیہ الرحمہ کو آواز دی۔

سیدی: یہ رہزن و قزاق ہمارے سروں پر پہنچ چکے ہیں دعا فرمایئے خدا ہمیں، ان کے شر سے محفوظ فرمائے۔

ابھی صحرا میں ان آوازوں کی گونج باقی تھی۔ کہ دیکھنے والوں نے دیکھا۔ حضرت سید صومعی علیہ الرحمہ ان کے درمیان کھڑے مسلح سواروں کو مخاطب کرکے فرمارہے ہیں۔

ہمارا پروردگار! پاک اور بے عیب ہے اے سوارو: ہم سے دور ہوجاؤ۔

حضرت عبداللہ علیہ الرحمہ کا اتنا فرمانا تھا۔ کہ یکا یک تمام گھوڑے بھڑک اٹھے اور پھر اپنے سواروں کو لیکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ سواروں نے بار بار لگامیں کھینچیں۔ مگر گھوڑے بھاگتے ہی رہے۔ یہاں تک کہ وہ دور دراز جنگلوں میں روپوش ہوگئے۔

پھر جب یہ تاجر حضرات کامیاب سفر کے بعد جیلان واپس آئے۔ اور انہوں نے اپنے مقامی دوستوں کو یہ واقعہ سنایا۔ تو سب لوگ حیرت زدہ رہ گئے اور بے اختیار پکار اٹھے۔

واللہ: شیخ تو یہیں موجود تھے۔ وہ ایک لمحے کیلئے بھی جیلان کی حدود سے باہر نہیں گئے۔

حضرت عبداللہ صومعی علیہ الرحمہ کی دختر کا خاندانی نام "فاطمہ" تھا۔ کنیت ام الخیر اور لقب امت الجبار تھا۔ یہ اپنے وقت کی بہت بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔

اور جس نوجوان سے سیدہ فاطمہ رحمہ اللہ علیہا کی شادی ہوئی تھی۔ وہ اپنے عہد کے نامور بزرگ حضرت سید ابوصالح موسیٰ علیہ الرحمہ تھے اور ان ہی عالی مرتبت ماں باپ کی روشن ترین نشانی تھے۔ حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ ربانی۔



حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ قمطراز ہیں۔

شیخ العصر و قدوۃ العارفین و سلطان المشائخ، صاحب المقامات و الکرامات و العلوم والمعارف والاحوال المشہورۃ ۔ (ذیل الطبقات)

البتہ آج کل آپ کو پیران پیر، غوث اعظم، غوث پاک، قطب الاقطاب جیسا لقاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

پیدائش

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ ھ میں صوبہ گیلان کے بشتیر نامی شہر میں پیدا ہوئے۔ (دائرۃ المعارف للبستانی)

آپ کا خاندان ایک علمی گھرانہ تھا، آپ کے نانا ابو عبداللہ الصومعی مشہور صوفی بزرگ تھے حتیٰ کہ آپ سبط ابی عبداللہ الصومعی الزاھد کے نام سے جانے جاتے تھے۔ (السیر)۔ یعنی ابو عبداللہ الصومعی زاہد کے نواسے۔

<u>بچے نے ماں کا دودھ نہ پی رمضان المبارک خبر دے دی</u>

آپ کی والدہ ماجدہ بیان فرماتی ہیں کہ عبدالقادر رمضان المبارک میں پیدا ہوئے اور انہوں نے پورے مہینے دن کے وقت دودھ نہیں پیا۔ دوسرے سال گھرے بادل ہونے کی وجہ سے رمضان المبارک کا چاند نظر نہیں آسکا۔ اور لوگ شبے میں پڑ گئے آخر قرب وجوار کے چند لوگوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی والدہ ماجدہ سے دریافت کیا۔

''سیدہ! کیا تمہیں کوئی رویئت ہلال کی خبر ملی ہے؟

جواب میں سیدہ نے فرمایا: آج میرے عبدالقادر نے خلاف عادت دن کے وقت دودھ نہیں پیا ہے اس لئے میں سمجھتی ہوں کہ آج پہلا روزہ ہے۔

کچھ دن بعد معتبر شہادتوں سے اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ دوسرے شہروں میں رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا تھا پھر یہ بات دور دراز کے علاقوں میں بھی مشہور ہوگئی کہ سادات عجم میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان المبارک میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا۔

خود حضرت غوث اعظم علیہ الرحمہ بھی ایک اپنے شعر میں اسی واقعے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں ''میرے ابتدائی حالات کے ذکر سے تمام عالم بھرا ہوا ہے اور میرا گھوارے میں روزہ رکھنا مشہور ہے''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ نے ابھی ہوش نہیں سنبھالا تھا کہ اچانک آپ کے والد محترم بیمار ہوئے اور دار فانی سے رخصت ہو گئے اکثر اولیاء کرام کے درمیان یہ قدر مشترک پائی جاتی ہے وہ عہد طفلی ہی میں سایہ پدری سے محروم ہو جاتے تھے اور پھر مادہ پرست لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان یتیم بچوں کی زیست کیسے بسر ہوگی اور دنیا میں کون ان کا پرسان حال ہوگا مگر ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ جب یہی بے سہارا بچے ساری دنیا کا مرکز نظر قرار پاتے ہیں اور بڑے بڑے شاہان وقت ان کے آستانے پر کاسئہ سوال لئے کھڑے رہتے ہیں۔ قدرت کی اسی رسم خاص کے مطابق حضرت شیخ عبدالقادر بھی بچپن میں یتیم ہو گئے لیکن ابھی ان کے نانا حیات تھے حضرت عبداللہ علیہ الرحمہ نے ان کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور محبوب نواسے کی تربیت جاری رکھی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کا عہد طفلی دوسرے بچوں سے یکسر مختلف تھا آپ کو دوسرے بچوں کے کھیلوں سے اور مشغلوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پھر بھی اگر بشری تقاضوں سے مجبور ہو کر دوسرے بچوں کی طرف متوجہ ہوتے تو ایک غیبی صدا آپ کا تعاقب کرتی:

''اے برکت دیئے جانے والے میری طرف آجا'' یہ آواز سن کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ خوف زدہ ہو جاتے اور بھاگ کر اپنی والدہ کی گود میں چھپ جاتے۔

علم فقہ حاصل کرنے میں مشکلات کا سامنا

ایام طالب علمی کا اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں بیابان میں فقہ کے درس کا مراجعہ کر رہا تھا اس وقت مجھے سخت بھوک پیاس کا احساس ہوا جب میں بہت تنگ آ گیا تو غیب سے ایک آواز آتی ہے لیکن کوئی آواز دینے والا دکھائی نہیں دے رہا تھا، آواز دینے والا کہہ رہا تھا کہ قرض لے کر علم فقہ حاصل کرنے پر مدد حاصل کرو، میں نے جواب دیا کہ قرض کی ادائیگی کا میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے، میں فقیر ہوں اگر قرض لیتا ہوں تو اس کی ادائیگی کیسے کر پاؤں گا۔ آواز دینے والے نے کہا: قرض لے لو ادائیگی میں کر دوں گا۔ چنانچہ میں ایک کرانہ کی دوکان پر آیا اور دکاندار سے کہا کہ تم مجھے روزانہ ایک روٹی اور کچھ حب رشاد اس شرط پر دے دیا کرو کہ جب میرے پاس ادائیگی کی طاقت ہوگی تو میں ادا کر دوں گا اور اگر میں مر گیا تو مجھے معاف کر دینا، میری یہ بات سن کر وہ رونے لگا اور کہا کہ آپ جس طرح چاہیں میں تیار ہوں،

خلاصہ یہ کہ میں ایک مدت تک اس سے روٹی اور حب رشاد لیتا رہا اس طرح کافی دن گزر گئے تو مجھے بڑی الجھن محسوس ہوئی کہ میں کب تک اس سے اس طرح لے کر کھاتا رہوں گا، اس پر ابھی تھوڑی ہی مدت گزری ہوگی کہ مجھے محسوس ہوا کہ کوئی شخص مجھ سے کہہ رہا ہے فلاں جگہ چلے جاؤ اور اس جگہ جو چیز بھی ملے تم اسے اٹھا لو اور دکاندار کا قرض ادا کر دو، چنانچہ میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں سونے کا ایک ٹکڑا پڑا ہے اسے میں نے لے لیا اور دکاندار کا قرض ادا کر دیا۔ (السیر ذیل الطبقات)

گیلان کے متعلم فقہ کے ملاقات ہونے کا واقعہ

اسی طرح شیخ رحمہ اللہ اپنا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار سخت مہنگائی کے ایام میں مجھے بہت ہی تنگی کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ کئی دن تک مجھے کچھ کھانے کو نہ ملا صورت حال یہ تھی کہ میں گری پڑی چیزیں اٹھا کر کھاتا رہا یہاں تک کہ ایک دن سخت

بھوک کی وجہ سے میں گھر سے نکلا اور دریا کی طرف چلا کہ شاید وہاں کوئی سبزی کا پتہ یا اور کوئی چیز مل جائے جس سے میں اپنے بھوک کی آگ بجھاؤں، اس تلاش میں جس جگہ بھی پہنچتا دیکھتا کہ فقیر و مسکین لوگ ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکے ہیں چنانچہ میں شرما کر واپس ہو جاتا۔ یہ صورت حال دیکھ کر وہاں سے واپس ہوا کہ شاید شہر میں کوئی گری پڑی چیز بھوک مٹانے کے لئے مل جائے لیکن کوئی چیز کھانے کے لئے نہ مل سکی اب میں بہت تھک چکا تھا اور مجھ میں برداشت کی طاقت نہ رہ گئی تھی۔

اس لئے ایک مسجد میں جا کر بیٹھ گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا، اتنے میں دیکھتا ہوں کہ ایک اجنبی نوجوان مسجد میں داخل ہوتا ہے اس کے پاس روٹی اور بھونا ہوا گوشت تھا وہ بیٹھ کر کھانے لگا، میں اس کی طرف للچائی نظروں سے دیکھ رہا تھا، وہ جب بھی کوئی لقمہ اٹھاتا تو لالچ سے میرا منہ کھل جاتا کچھ دیر میں وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ بسم اللہ کرو، میں نے انکار کیا لیکن اس نے قسم دلائی کہ تمہیں ضرور کھانا ہے چنانچہ میں بھی اس کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھانے لگا اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو، کیا کرتے ہو اور تمہارا گھر کہاں ہے؟ میں نے اسے بتلایا کہ میں گیلان کا رہنے والا ایک متفقہ (طالب فقہ) ہوں،

اس نے کہا کہ میں بھی گیلان کا رہنے والا ہوں، کیا تم مجھے ایک گیلانی نوجوان کے بارے میں کچھ بتلا سکتے ہو جس کا نام عبد القادر ہے اسے لوگ سبط ابوعبداللہ الصومعی الزاہد کے نام سے جانتے ہیں، میں نے جواب دیا کہ وہ تو میں ہی ہوں، یہ سن کر وہ پریشان ہو گیا، اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور کہنے لگا اللہ کی قسم اے بھائی میں جب بغداد پہنچا تو میرے پاس کچھ زاد سفر باقی تھا، میں تمہارے بارے میں پوچھتا رہا لیکن تمہارے بارے میں کسی نے کوئی خبر نہ دی، یہاں تک کہ میرا زادراہ ختم ہو گیا، حتی کہ تین دن ایسے گزر گئے کہ میرے پاس تمہاری امانت کے علاوہ کوئی اور چیز باقی نہ رہ گئی، اس لئے جب آج چوتھا دن ہوا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ بھوک پر تین دن گزر گئے اب تو میرے لئے مردار بھی حلال ہے اس لئے تمہاری امانت میں ایک روٹی اور بھونے ہوئے گوشت کے اس ٹکڑے کی قیمت لے لی،

یہ لو کھاؤ یہ تمہارا مال ہے اور میں اب تمہارا مہمان ہوں ہم نے اس سے پوچھا کہ اصل قصہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تمہاری ماں نے مجھے آٹھ دینار دے کر بھیجا تھا واللہ اس میں سے ہم نے کوئی خیانت نہیں کی ہے، شیخ کہتے ہیں کہ میں نے اسے تسلی دی، اس کے دل کو اطمینان دلایا اور جو امانت لے کر آیا تھا اس میں سے کچھ اسے بھی دے دیا۔ (السیر، ذیل الطبقات)۔

بچے کے زندہ ہونے کی کرامت کا واقعہ

خانقاہ میں ایک باپردہ خاتون اپنے منے کی لاش چادر میں لپٹائے، سینے سے چمٹائے زار و قطار رو رہی تھی۔ اتنے میں ایک مدنی منا دوڑتا ہوا آتا ہے اور ہمدردانہ لہجے میں اس خاتون سے رونے کا سبب دریافت کرتا ہے۔ وہ روتے ہوئے کہتی ہے، بیٹا! میرا شوہر اپنے لخت جگر کے دیدار کی حسرت لئے دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ یہ بچہ اس وقت پیٹ میں تھا اور اب یہی اپنے باپ کی نشانی اور میری زندگانی کا سرمایہ تھا، یہ بیمار ہو گیا، میں اسے اس خانقاہ میں دم کروانے لا رہی تھی کہ راستے میں اس نے دم توڑ دیا ہے۔ میں پھر بھی بڑی امید لے کر یہاں حاضر ہو گئی کہ اس خانقاہ والے بزرگ کی ولایت کی ہر طرف دھوم ہے اور ان کی نگاہ کرم سے اب بھی

بہت کچھ ہوسکتا ہے مگر وہ مجھے صبر کی تلقین کر کے اندر تشریف لے جاچکے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ خاتون پھر رونے لگی۔ مدنی منے کا دل پگھل گیا اور اس کی رحمت بھری زبان پر یہ الفاظ کھیلنے لگے، محترمہ! آپ کا منا مرا ہوا نہیں بلکہ زندہ ہے، دیکھو تو سہی وہ حرکت کر رہا ہے! دکھیاری ماں نے بے تابی کے ساتھ اپنے منے کی لاش پر سے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو وہ سچ مچ زندہ تھا اور ہاتھ پیر ہلا کر کھیل رہا تھا۔ اتنے میں خانقاہ والے بزرگ اندر سے واپس تشریف لائے، بچے کو زندہ دیکھ کر ساری بات سمجھ گئے اور لاٹھی اٹھا کر یہ کہتے ہوئے منے کی طرف لپکے کہ تو نے ابھی سے تقدیر خداوندی عزوجل کے سربستہ راز کھولنے شروع کر دیئے ہیں!

منا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور وہ بزرگ اس کے پیچھے دوڑنے لگے۔ منا یکا یک قبرستان کی طرف مڑا اور بلند آواز سے پکارنے لگا، اے قبر والو! مجھے بچاؤ! تیزی سے لپکتے ہوئے بزرگ اچانک ٹھٹھک کر رک گئے کیونکہ قبرستان سے تین سو 300)) مردے اٹھ کر اسی مدنی منے کی ڈھال بن چکے تھے اور وہ منا دور کھڑا اپنا چاند سا چہرہ چمکا تا مسکرا رہا تھا۔ اس بزرگ نے بڑی حسرت کے ساتھ منے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، بیٹا! ہم تیرے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے تیری مرضی کے آگے اپنا سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں وہ منا کون تھا؟ اس منے کا نام عبدالقادر تھا اور آگے چل کر وہ غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرام کے لقب سے مشہور ہوئے اور وہ بزرگ ان کے نانا جان حضرت سیدنا عبداللہ صومعی علیہ رحمۃ اللہ القوی تھے۔ (الحقائق فی الحدائق)

بچپن کی سات کرامات

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں تھے اور ماں کو جب چھینک آتی اور اس پر وہ الحمد للہ کہتیں تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پیٹ ہی میں جواباً یرحمک اللہ کہتے

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یکم رمضان المبارک بروز پیر صبح صادق کے وقت دنیا میں جلوہ گر ہوئے اس وقت ہونٹ آہستہ آہستہ حرکت کر رہے تھے اور اللہ، اللہ کی آواز آرہی تھی

جس دن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت ہوئی اس دن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دیار ولادت جیلان شریف میں گیارہ سو بچے پیدا ہوئے وہ سب کے سب لڑکے تھے اور سب ولی اللہ بنے۔

غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرام نے پیدا ہوتے ہی روزہ رکھ لیا اور جب سورج غروب ہوا اس وقت ماں کا دودھ نوش فرمایا۔ سارا مہینہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی معمول رہا

پانچ برس کی عمر میں جب پہلی بار بسم اللہ پڑھنے کی رسم کیلئے کسی بزرگ کے پاس بیٹھے تو اعوذ اور بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ اور آلم سے لے کر اٹھارہ پارے روشن پڑھ کر سنا دیئے۔ اس بزرگ نے کہا، بیٹے اور پڑھیے! فرمایا، بس مجھے اتنا ہی یاد ہے کیونکہ میری ماں کو بھی اتنا ہی یاد تھا۔ جب میں اپنی ماں کے پیٹ میں تھا اس وقت وہ پڑھا کرتی تھیں۔ میں نے سن کر یاد کر لیا تھا

جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لڑکپن میں کھیلنے کا ارادہ فرماتے، غیب سے آواز آتی، اے عبدالقادر (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)! ہم نے تجھے کھیلنے کے واسطے نہیں پیدا کیا

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدرسہ میں تشریف لے جاتے تو آواز آتی، اللہ عزوجل کے ولی کو جگہ دے دو۔ (کتب کثیرہ)

ڈوبی ہوئی بارات

ایک بار سرکار بغداد حضور سیدنا غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم دریا کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں ایک نوے سال کی بڑھیا کو دیکھا جو زار و قطار رو رہی تھی۔ ایک مرید نے بارگاہ غوثیت میں عرض کی، یا مرشدی! اس ضعیفہ کا ایک اکلوتا خوبرو بیٹا تھا۔ بے چاری نے اس کی شادی رچائی دولہا نکاح کر کے دلہن کو اسی دریا میں کشتی کے ذریعہ اپنے گھر لا رہا تھا کہ کشتی الٹ گئی اور دولہا دلہن سمیت بارات ڈوب گئی۔ اس واقعہ کو آج بارہ برس گزر چکے ہیں مگر ماں کا جگر ہے، بے چاری کا غم جاتا نہیں ہے، یہ روزانہ یہاں دریا پر آتی ہے اور بارات کو نہ پا کر رو دھو کر چلی جاتی ہے۔

حضور غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کو اس ضعیفہ پر بڑا ترس آیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعاء کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ چند منٹ تک کچھ بھی ظہور نہ ہوا۔ بے تاب ہو کر بارگاہ الٰہی عزوجل میں عرض کی، یا اللہ عزوجل! اس قدر تاخیر کیوں؟ ارشاد ہوا، اے میرے پیارے! یہ تاخیر خلاف تقدیر و تدبیر نہیں ہے، ہم چاہتے تو ایک حکم کن سے تمام زمین و آسمان پیدا کر دیتے مگر بمقتضائے حکمت چھ دن میں پیدا کئے، بارات کو ڈوبے بارہ سال بیت چکے ہیں، اب نہ وہ کشتی باقی رہی ہے نہ ہی اس کی کوئی سواری، تمام انسانوں کا گوشت وغیرہ بھی دریائی جانور کھا چکے ہیں، ریزہ ریزہ کو اجزائے جسم میں اکٹھا کروا کر دوبارہ زندگی کے مرحلے میں داخل کر دیا ہے، اب ان کی آمد کا وقت ہے۔

ابھی یہ کلام اختتام کو بھی نہ پہنچا تھا کہ یکایک وہ کشتی اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ بمع دولہا دلہن و براتی سطح آب پر نمودار ہو گئی اور چند ہی لمحوں میں کنارے آ لگی۔ تمام باراتی سرکار بغداد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دعائیں لے کر خوشی خوشی اپنے گھر پہنچے۔ اس کرامت کو سن کر بے شمار کفار نے آ آ کر سیدنا غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔

(سلطان الاذکار فی مناقب غوث الابرار)

بدعقیدہ قاتل کی سزا

اب وصال شریف کے طویل عرصے کے بعد ہندوستان میں رونما ہونے والا ایک ایمان افروز واقعہ پڑھئے اور جھومئے۔ رنجیت سنگھ کے دور حکومت کا واقعہ ہے، ایک نام نہاد مسلمان جو کہ کرامات اولیاء کا منکر تھا شومئی قسمت سے ایک شادی شدہ ہندوانی کو دل سے بیٹھا۔ ایک بار ہندو اپنی بیوی کو میکے پہنچانے کے لئے گھر سے باہر نکلا ادھر سے بدبخت عاشق پر شہوت نے غلبہ کیا۔ چنانچہ اس نے ان کا پیچھا کیا اور ایک سنسان مقام پر اس نے دونوں کو گھیر لیا، وہ دونوں پیدل تھے اور یہ گھوڑے پر سوار تھے۔ اس نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے سواری کی پیشکش کی مگر ہندو نے انکار کیا، وہ اصرار کرنے لگا کہ اچھا عورت ہی کو پیچھے بیٹھنے کی اجازت دے دو کہ یہ بے چاری تھک جائے گی۔ ہندو کو اس کی نیت پر شبہ ہو چلا تھا، لہٰذا اس نے کہا، تم ضمانت دو کہ کسی قسم کی خیانت کئے بغیر میری بیوی کو منزل پر پہنچا دو گے۔ اس نے کہا کہ یہاں جنگل میں ضامن کہاں سے لاؤں؟ عورت بول اٹھی، مسلمان گیارہوں

والے بڑے پیر صاحب کو بہت مانتے ہیں تم انہیں کی ضمانت دے دو۔ وہ اگرچہ غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے تصرفات کا قائل نہیں تھا مگر یہ سوچ کر کہ ہاں کہہ دینے میں کیا جاتا ہے اس نے ہاں کہہ دی۔ جوں ہی عورت گھوڑے پر سوار ہوئی اس ظالم نے تلوار سے اس کے شوہر کی گردن اڑا دی اور گھوڑے کو ایڑھ لگا دی۔ عورت غم سے نڈھال اور سہمی ہوئی بار بار مڑ کر پیچھے دیکھے جا رہی تھی۔ اس نے کہا کہ بار بار پیچھے دیکھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، تمھارا شوہر اب واپس نہیں آ سکتا۔ اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا، میں تو بڑے پیر صاحب کو دیکھ رہی ہوں۔ اس پر اس نے ایک قہقہہ لگا کر کہا کہ بڑے پیر صاحب کو تو فوت ہوئے سو سال گزر چکے ہیں اب بھلا سو سال گزر چکے ہیں اب بھلا وہ کہاں سے آ سکتے ہیں! اتنا کہنا تھا کہ اچانک دو بزرگ نمودار ہوئے ان میں سے ایک نے بڑھ کر تلوار سے اس بدعقیدہ عاشق کا سر اڑا دیا۔ پھر عورت کو مع گھوڑا اس جگہ لائے جہاں وہ ہندو کٹا ہوا پڑا تھا۔ دونوں میں سے ایک بزرگ نے کٹا ہوا سر دھڑ سے ملا کر کہا، قم باذن اللہ یعنی اٹھ اللہ (عزوجل) کے حکم سے۔ وہ ہندو اسی وقت زندہ ہو گیا۔ وہ دونوں بزرگ غائب ہو گئے۔ یہ دونوں میاں بیوی گھوڑے پر سوار ہو کر بخیریت گھر لوٹ آئے۔ مقتول کے وارثوں نے گھوڑا پہچان کر رنجیت سنگھ کی کورٹ میں دونوں میاں بیوی پر کیس کر دیا کہ ہمارا آدمی غائب ہے اور گھوڑا ان کے پاس ہے شاید ان لوگوں نے ہمارے آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ پیشی ہوئی، ان میاں بیوی نے جنگل کا سارا واقعہ کہہ سنایا اور کہا کہ ان دونوں بزرگوں میں سے ایک بزرگ یہاں کے مشہور مجذوب گل محمد شاہ صاحب کے ہمشکل تھے۔ چنانچہ ان مجذوب بزرگ کو بلوایا گیا۔ وہ تشریف لے آئے اور انھوں نے آتے ہی اول تا آخر سارا واقعہ لفظ بہ لفظ بیان کر دیا۔ لوگ حضور غوث اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی یہ زندہ کرامت سن کر عش عش کر اٹھے۔ رنجیت سنگھ نے مقدمہ خارج کرتے ہوئے ان دونوں میاں بیوی کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

(الحقائق فی الحدائق)

غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا کنواں

ایک بار بغداد معلی میں طاعون کی بیماری پھیل گئی اور لوگ دھڑا دھڑ مرنے لگے۔ لوگوں نے آپ کی خدمت میں اس مصیبت سے نجات دلانے کی درخواست پیش کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا، ہمارے مدرسہ کے اردگرد جو گھاس ہے وہ کھاؤ اور ہمارے مدرسے کے کنویں کا پانی پیو۔ جو ایسا کرے گا ان شاء اللہ عزوجل ہر مرض سے شفاء پائے گا۔ چنانچہ گھاس اور کنویں کے پانی سے شفاء ملنی شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ بغداد شریف سے طاعون ایسا بھاگا کہ پھر کبھی پلٹ کر نہ آیا۔ (تفریح الخاطر، ص 34۔35 مصر)

طبقات الکبریٰ میں غوث اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے، جس مسلمان کا میرے مدرسے سے گزر ہوا قیامت کے روز اس کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔ (طبقات الکبریٰ، ج1، ص179)

عظیم الشان کرامت

ابوالمظفر حسن نامی ایک تاجر نے حضرت سیدنا شیخ حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی، حضور! میں تجارت کیلئے قافلہ کے ہمراہ ملک شام جا رہا ہوں۔ آپ سے دعاء کی درخواست ہے۔ سیدنا شیخ حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، تم اپنا سفر

ملتوی کردو، اگر گئے تو ڈاکو تمہارا سارا مال بھی لوٹ لیں گے اور تمہیں بھی قتل کر ڈالیں گے۔ تاجر یہ سن کر بڑا پریشان ہوا، اسی پریشانی کے عالم میں واپس آ رہا تھا کہ راستے میں حضور غوث اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم مل گئے۔ پوچھا، کیوں پریشان ہو؟ اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا، پریشان نہ ہو شوق سے ملک شام کا سفر کرو۔ انشاء اللہ عزوجل سب بہتر ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ قافلے کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اسے کاروبار میں بہت نفع ہوا۔ وہ ایک ہزار (1000)) اشرفیوں کی تھیلی لئے حلب پہنچا۔ اتفاقاً وہ اشرفیوں کی تھیلی کہیں رکھ کر بھول گیا، اسی فکر میں نیند نے غلبہ کیا اور سو گیا، نیند میں اس نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا کہ ڈاکوؤں نے قافلے پر حملہ کر کے سارا مال لوٹ لیا ہے اور اسے بھی قتل کر ڈالا ہے۔ خوف کے مارے اس کی آنکھ کھل گئی۔ گھبرا کر اٹھا تو وہاں کوئی ڈاکو وغیرہ نہ تھا۔ اب اسے یاد آیا کہ اشرفیوں کی تھیلی اس نے فلاں جگہ رکھی ہے۔ جھٹ وہاں پہنچا تو تھیلی مل گئی۔ خوشی خوشی بغداد شریف واپس آیا۔ اب سوچنے لگا کہ پہلے غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے ملوں یا شیخ حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے؟ اتفاقاً راستے میں ہی سیّدنا شیخ حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مل گئے اور دیکھتے ہی فرمانے لگے، پہلے جا کر غوث اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے ملو کہ وہ محبوب ربانی ہیں، انہوں نے تمہارے حق میں ستر بار دعاء مانگی تھی تب کہیں جا کر تمہاری تقدیر بدلی جس کی میں نے خبر دی تھی۔ اللہ عزوجل نے تمہارے ساتھ ہونے والے واقعہ کو غوث اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی دعاء کی برکت سے بیداری سے خواب میں منتقل کر دیا۔ چنانچہ وہ بارگاہ غوثیت مآب میں حاضر ہوا۔ غوث اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم نے دیکھتے ہی فرمایا، واقعی میں نے تمہارے لئے ستر مرتبہ دعاء مانگی تھی۔ (بہجۃ الاسرار و معدن الانوار، ص 64))

عذاب قبر سے رہائی

ایک غمگین نوجوان نے آ کر بارگاہ غوثیت میں فریاد کی، حضور! میں نے اپنے والد مرحوم کو رات خواب میں دیکھا، وہ کہہ رہے تھے، بیٹا! میں عذاب قبر میں مبتلا ہوں، تو سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النورانی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر میرے لئے دعاء کی درخواست کر۔ یہ سن کر سرکار بغداد حضور غوث اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم نے استفسار فرمایا، کیا تمہارے ابا جان میرے مدرسے سے کبھی گزرے ہیں؟ اس نے عرض کی، جی ہاں۔ بس آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خاموش ہو گئے۔ وہ نوجوان چلا گیا۔ دوسرے روز خوش خوش حاضر خدمت ہوا اور کہنے لگا، یا مرشد! آج رات والد مرحوم سبز حلہ (یعنی سبز لباس) زیب تن کئے خواب میں تشریف لائے وہ بے حد خوش تھے، کہہ رہے تھے، بیٹا! سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الربانی کی برکت سے مجھ سے عذاب دور کر دیا گیا ہے اور یہ سبز حلّہ بھی ملا ہے۔ میرے پیارے بیٹے! تو ان کی خدمت میں رہا کر۔ یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو مسلمان تیرے مدرسے سے گزرے گا اس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔

(ایضاً، ص194)

علم نہیں بلکہ اللہ کے فضل نے شیطان سے بچایا ہوا ہے

روایات میں آتا ہے کہ شیطان آپ کے چاروں طرف مکر و فریب کے جال پھینکتا رہا تاکہ ان جالوں میں آپ کو پھانس کر زیر

کر لے مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان شیطانی پھندوں کو توڑنے میں مشغول رہے یہاں تک کہ اللہ عزوجل کی رحمت خاص کے سبب کامیاب ہو گئے۔

روایت ہے کہ ایک دن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبادت و ریاضت میں مشغول تھے کہ زمین سے آسمان تک آنکھوں کو چندھیا دینے والی تیز روشنی ظاہر ہوئی پھر اسی روشنی میں ایک چہرہ ظاہر ہوا جس نے گرجدار آواز میں آپ کو پکارا، اے عبدالقادر میں تیرا رب ہوں اور تیری عبادت و ریاضت سے خوش ہو کر تجھ پر تمام فرائض کو معاف کرتا ہوں اور تجھ پر حرام چیزوں کو حلال کرتا ہوں لہٰذا اب جو جی میں آئے کر۔

حضور غوث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اتنا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہونے کے باوجود عمر بھر عبادت میں مشغول رہے اور حلال و حرام پر سختی سے پابند رہے تو کوئی اور کیونکر اس سے آزاد ہو سکتا ہے چنانچہ میں نے لاحول پڑھا تو وہ تیز روشنی فوراً غائب ہو گئی اور اندھیرا پھیل گیا وہ چہرہ جو ظاہر ہوا تھا دھواں بن کر غائب ہو گیا پھر اس میں سے آواز آئی، اے عبدالقادر! تیرے علم نے تجھے بچا لیا۔ یہ شیطان کا آخری وار تھا جس کا آپ نے فوراً جواب دیا کہ اے مردود علم نے نہیں بلکہ مجھے میرے رب کی رحمت نے بچایا ہے۔ یہ سن کر ابلیس سر پیٹنے لگا اور کہنے لگا کہ اب تو میں آپ سے بالکل مایوس ہو چکا ہوں اور آئندہ آپ پر وقت ضائع نہ کروں گا۔ اس پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دور ہو جا مردود میں تیری کسی بات کا اعتبار نہیں کرتا اور ہمیشہ تیرے مکر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ (طبقات الکبریٰ، جلد 1، صفحہ 127، قلائد الجواہر صفحہ 11، 20، 21، بہجۃ الاسرار صفحہ 85، 86)

وعظ و نصیحت

درس و تدریس و فتاویٰ نویسی کی مصروفیات ابھی جاری ہی تھیں کہ ایک دن 14 شوال 521ھ کی دوپہر آپ نے خواب میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت باسعادت حاصل کی آپ نے دیکھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ سے ارشاد فرما رہے ہیں! بیٹا عبدالقادر تم عوام کو وعظ و نصیحت کیوں نہیں کرتے۔

عرض کی، میرے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں عجمی ہوں فصحائے عرب کے سامنے کیسے زبان کھولوں؟ تو حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن مبارک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک پر لگایا اور فرمایا، اب جاؤ اور عوام کو وعظ و نصیحت کرو۔ اور اس طرح قدرت نے آپ کو لازوال و شاندار زورِ خطابت سے نوازا۔

(سفینۃ الاولیاء، صفحہ 67، اخبار الاخیار فارسی، صفحہ 18))

چنانچہ جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو ظہر کا وقت تھا آپ نے نماز ادا فرمائی اور منبر پر تشریف لے گئے اور وعظ و نصیحت شروع کی آپ کا وعظ کرنا تھا آپ کی زبان سے فصاحت و بلاغت کا سمندر جاری ہو گیا حاضرینِ محفل آپ کی اس پُراثر زبان کے سحر میں گم ہو گئے اور ان کے دل اس کے اثر سے پگھلنے لگے۔ اور ہوتے ہوتے اس مجلس وعظ میں شہر کے کونے کونے سے لوگ آ کر جمع ہونے لگے آپ کی زورِ خطابت اور وعظ و نصیحت کی شہرت عراق سے نکل کر عرب و شام و ایران تک جا پہنچی آپ کی

مجلس وعظ میں تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی بالآخر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منبر شریف شہر سے باہر عیدگاہ کے وسیع میدان میں رکھوا دیا گیا آپ کی مجلس وعظ میں ایک وقت میں ستر ستر ہزار سامعین آپ کے وعظ سننے کیلئے موجود ہوتے اور آپ کی یہ کرامت ہے کہ دور نزدیک سب کو آپ کی آواز یکساں سنائی دیتی آپ کے وعظ کا یہ اثر تھا کہ لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے اور بے ہوش ہو جاتے کچھ گریبان پھاڑ کر جنگل میں نکل جاتے اور کچھ وہیں تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے آپ کے وعظ کے وقت فضا سے رونے کی آوازیں آتی تھیں اور اکثر اوقات حاضرین مجلس اپنے ہاتھ جب فرش پر رکھتے تو اُن لوگوں پر پڑتے جو بظاہر نظر نہ آتے تھے آپ کی مجلس وعظ میں ایک ایک وقت میں چار چار سو دواتیں آپ کے مواعظ حسنہ کو لکھنے کیلئے استعمال ہوتی تھیں آپ کی مجلسِ وعظ میں عام لوگ ہی نہیں بلکہ اپنے وقت کے بیشمار اکابر مشائخ اور علماء وفقہاء بھی شریک ہوا کرتے تھے یہاں تک کہ امراء وزراء اور خلیفہ بھی آپ کی مجلس وعظ میں بے ادب سر جھکا کر بیٹھتے۔ (تحفۃ القادریہ صفحہ 109، بہجۃ الاسرار، قلائد الجواہر)

علماء کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے کا واقعہ

حضرت ابو محمد مفرج بن شہاب شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ، سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہرت و مقبولیت دیکھ کر بغداد کے علماء وفضلاء کی ایک جماعت آپ کا امتحان لینے کی نیت سے آئی اس جماعت میں ایک سو فقیہ تھے جن پر اہل بغداد کو کامل اعتماد تھا ابھی وہ سب آ کر حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہی تھے کہ معاً میں نے دیکھا کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ مبارک سے نور پھوٹنا شروع ہوا جس کو دیکھتے ہی دیکھتے علماء وقت کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں حتیٰ کہ وہ سب دیوانے ہو کر چیخنے لگے اور اپنے کپڑے پھاڑنے لگے انہوں نے اپنی پگڑیاں اتار پھینکیں اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدموں پر اپنے سر رکھ دیئے، مجلس میں ان کی چیخ وپکار سے ایسا شور برپا ہوا کہ میں نے خیال کیا کہ زلزلہ آ گیا ہے آخر غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُن کی حالت پر رحم آیا سب کو معاف فرمایا، پھر ایک ایک کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اور بتایا کہ تمہارا سوال یہ تھا اور اس کا جواب یہ ہے۔ اس واقعہ کی سارے بغداد میں دھوم مچ گئی جب علماء سے میں نے خود حقیقت حال معلوم کی تو انہوں نے بتایا کہ ہم جیسے ہی مجلس میں جا کر بیٹھتے تو ہمارا علم سلب ہو گیا یہاں تک کہ جب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سینہ مبارک سے لگایا تو ہمارا علم واپس آ گیا اور ہمارے سوالات کے جو جوابات آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عنایت فرمائے وہ اس قدر مدلل تھے کہ اس سے پیشتر ہمارے ذہن میں نہ تھے۔ (تفریح الخاطر، صفحہ 51، طبقات الکبریٰ، جلد 1، صفحہ 128، نزہۃ الخاطر، صفحہ 68)

آپ کے پُر اثر وعظ ونصیحت کا ہی اثر تھا کہ اہل بغداد جو کچھ عرصہ پہلے لہو ولعب وفتنہ انگیزیوں میں مبتلا تھے بدکاریوں اور بے ہودگیوں کے غلیظ کیچڑ میں دھنسے ہوئے تھے اس پیکر رشد وہدایت کا دامن تھام کر باہر نکل آئے اور آپ کے وعظ ونصیحت سے اپنے ظاہر وباطن کو چمکا ڈالا حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دستگیری کیا فرمائی کہ یہودی ہو یا نصرانی بدعقیدہ ہو یا بدمذہب گناہگار ہو یا بدکار قاتل ہو یا لٹیرا غرض ہر ایک آپ کے دامنِ رحمت میں آ کر تائب ہو جاتا آپ کے اس روحانی فیض سے ایک لاکھ فاسق وفاجر راہ راست پر آئے اور ہزاروں بدمذہبوں نے اسلام قبول کر لیا آپ کے مُریدین عالم اسلام کے چپے چپے میں

پھیل گئے اور یوں اسلام کی نورانی شعاعیں عراق، شام، عرب و ایران غرض تمام عالم میں پھیل گئیں۔ مسلسل نصف صدی تک طالبانِ فیض آپ سے روحانی فیض لیتے رہے اور یوں دینِ اسلام جو نحیف و کمزور ہو چکا تھا اور اس کی آب و تاب ماند پڑنے لگی تھی آپ کے وعظ و نصیحت اور فیض روحانی کے سبب پوری آب و تاب کے ساتھ ایسا منور ہوا کہ تمام عالم اسلام منور ہو گیا۔

دینِ اسلام کی نئی زندگی

بغداد کے ایک سنسان راستے پر ایک نوجوان مسافر اپنی دھن میں مگن چلا جا رہا تھا کہ اس نے راستے میں ایک جگہ ایک پریشان حال بوڑھے کو دیکھا جو نہایت نحیف و کمزور اور آخری سانسیں لے رہا تھا اس نوجوان کو بوڑھے کی اس حالت پر بہت رحم آیا اور اس دم توڑتے ہوئے ناتواں بوڑھے کو سہارا دینے کیلئے اپنا ہاتھ بڑھایا بوڑھے نے اپنا لرزتا کانپتا ناتواں ہاتھ نوجوان کی طرف بڑھا دیا نوجوان نے بوڑھے کا ہاتھ لیا پکڑا دیکھتے ہی دیکھتے اس بوڑھے کی حالت بدلنے لگی اور اس میں تیزی سے طاقت و توانائی آنے لگی اور کچھ ہی لمحوں بعد وہ نحیف و ناتواں کمزور بوڑھا ایک صحت مند نوجوان میں بدل گیا اس کا چہرہ پھول کی مانند کھل گیا اور مسکرانے لگا اور آنکھیں زندگی کی روشنی سے جگمگانے لگیں وہ مسافر یہ منظر دیکھ کر سخت حیرت میں مبتلا ہو گیا اس کی اس حیرت کو دیکھ کر اُس نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا، اے عبدالقادر! اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں میں آپ کے نانا جان کا دین ہوں میری حالت خستہ و خراب ہو چکی تھی آپ کے ذریعے سے اللہ عزوجل نے بھی نئی زندگی بخشی ہے دراصل آپ محی الدین ہیں۔

(خزینۃ الاصفیاء، جلد 1، صفحہ 94، سفینۃ الاولیاء، صفحہ 61، نفحات الانس، صفحہ 60)

اس واقعہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اللہ عزوجل نے آپ کی ذات اقدس کو نبوت کی نیابت جیسے عظیم منصب کے لئے پہلے ہی چن لیا تھا چنانچہ اسی مقصد کے تحت آپ کی خاص تربیت فرمائی گئی اور اللہ عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت و تعلیمات نورانی کے مطابق ہر طرح کی ظاہری و باطنی تکمیل فرمائی اور آپ کو خود محی الدین کے عظیم لقب سے سرفراز فرمایا۔ اور حقیقتاً آپ اس عظیم لقب کے حقدار بھی ہیں کہ محی الدین کے معنی ہیں دین کو زندہ کرنے والا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دین اسلام جو دم توڑ رہا تھا آپ کے بابرکت وجود سے دوبارہ زندہ ہو گیا اور پورے عالم اسلام میں لوگ آپ کو محی الدین کے لقب سے پکارنے لگے اور آپ کو محی الدین تسلیم کرنے میں کوئی پس و پیش نہ کی حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی وہ عارف کامل ہیں جنہوں نے روحانی اور نورانی تعلیمات و کاوشوں سے تاریک دلوں کو منور کر دیا اپنے عظیم دینی کارناموں کے سبب لوگوں میں اسلام کی نئی روح پھونک دی آپ نے جہاں توحید ربانی کا سبق عام کیا وہیں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں کے دلوں کو منور کیا لوگوں کی اخلاقی اصلاح فرمائی اور شریعت و سنت کا درس دیا دنیا سے نفرت اور آخرت کی فکر کو عام کیا معرفتِ الٰہی سے روشناس فرمایا اور تمام عالمِ اسلام میں اپنے فیوض و برکات جاری فرما دیئے۔

غوث اعظم کی سچائی سے متاثر ڈاکوؤں کی توبہ کرنے کا واقعہ

ایک مشہور واقعہ ہے ایک بار حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا آپ کو اپنے ولی ہونے کا علم کب ہوا؟ تو

جواب میں آپ نے فرمایا: جب میں دس برس کا تھا تو اپنے شہر کے مکتب میں پڑھنے جایا کرتا تھا راستے میں مردان غیب میرے پیچھے پیچھے چلتے دکھائی دیتے تھے پھر جیسے ہی میں مدرسے میں داخل ہوتا تو مردان غیب کو بار بار کہتے ہوئے سنتا۔ اللہ کے ولی کو بیٹھنے کیلئے جگہ دو۔ اللہ کے ولی کو بیٹھنے کیلئے جگہ دو۔

اٹھارہ سال کی عمر میں والدہ محترمہ نے ایک قافلے کے ساتھ آپ کو مزید تعلیم حاصل کرنے کیلئے بغداد بھیجا۔ قافلہ ایک سنسان راستے سے گزرا تو اس علاقے کے ڈاکوؤں نے مسافروں کا تمام سازوسامان لوٹ لیا۔ اور حضرت عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کو کسی غریب آدمی کا بچہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ جب یہ لٹا ہوا قافلہ آگے بڑھا تو ڈاکوؤں کے سردار نے آپ سے ازراہ مذاق پوچھا۔ بچے تیرے پاس بھی کچھ ہے؟

ہاں۔ غوث اعظم نے لٹیروں کی توقع کے خلاف جواب دیا۔ آخر سردار کے اشارے پر آپ کی جامہ تلاشی کی گئی۔ مگر رہزنوں کو کچھ نہیں ملا۔

""ہمیں بے وقوف بناتا ہے" ڈاکوؤں کا سردار ایک بچے کی بات کو مذاق سمجھ کر جھنجھلاہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔

مجھے نہیں معلوم کہ مذاق کیا ہوتا ہے میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں جو قبا میں دبیز استر میں بغل کے نیچے ٹانکی گئی ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے مطمئن لہجے میں کہا۔

سردار کے کہنے پر دوبارہ تلاشی لی گئی آخر اس کے ساتھی اشرفیاں پانے میں کامیاب ہو گئے تمام رہزنوں کو اس بات پر حیرت تھی کہ اگر لڑکا ان اشرفیوں کی نشاندہی نہ کرتا تو وہ اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتے۔ لڑکے کی صاف گوئی پر سردار کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ تعجب ہوا تھا اس لئے وہ عبدالقادر سے سوال کئے بغیر نہ رہ سکا۔

لڑکے تو جھوٹ بول کر اپنی اشرفیوں کو چھپا سکتا تھا پھر تو نے ایسا کیوں نہیں کیا؟

رخصت کرتے وقت میری ماں نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ اگر جان پر بھی بن جائے تو جھوٹ نہ بولنا۔ یہی میری والدہ کا حکم تھا اگر تم مجھے قتل بھی کر دیتے تو میں اپنی والدہ کے حکم کو نہیں ٹال سکتا تھا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ نے یہ جواب بڑی جرات و بے باکی سے دیا کہ سارے ڈاکو حیران رہ گئے۔ قزاقوں کے سردار پر سکتہ طاری تھا پھر اچانک اس کے ساتھیوں نے اسے روتے ہوئے دیکھا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چند لفظوں کی حرارت سے پتھر پگھل جائے گا عجیب انقلابی لمحات تھے جس شخص کیلئے قتل وغارت ایک کھیل تھا اس کی آنکھیں اشک برسا رہی تھیں۔ "سردار یہ آپ کو کیا ہو گیا"؟ ساتھی لٹیروں نے پوچھا۔

افسوس! میں ہلاک ہو گیا اس لڑکے کو اپنی ماں سے کیے ہوئے عہد کا اس قدر پاس ہے اور میں اپنے عہد کو دن میں کئی بار توڑ دیتا ہوں جو میں نے خالق کائنات سے کیا ہوا ہے یہ کہہ کر سردار نے لوٹا ہوا سارا مال مسافروں کو واپس کر دیا اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کے ہاتھوں کو بے اختیار چوم لیا۔

تو عظیم ہے کہ مجھ جیسے پستی میں گرے ہوئے انسان سے ملا۔ تو میرا رہنما ہے کہ تو نے مجھے سچائی کا راستہ دکھایا، تو ہی حق کی

روشنی ہے اگر آج کی رات تجھ سے ملاقات نہ ہوتی تو میں زندگی بھر گناہوں کے اندھیرے میں بھٹکتا رہتا۔
پھر قزاقوں کے سردار پر ناقابل بیان وحشت طاری ہوگئی اور وہ رات سناٹے میں چیختا ہوا کہیں گم ہوگیا۔ "اے دنیا میرا پیچھا چھوڑ دے میں تجھ پر لعنت بھیجتا ہوں"
یہ غوث اعظم علیہ الرحمہ کی پہلی کرامت تھی جس نے ایک رہزن کی زندگی کا نقشہ بدل دیا تھا۔

شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی سخاوت واحساس ہمدردی کا واقعہ

حضرت غوث اعظم علیہ الرحمہ فطرتاً نہایت رقیق قلب اور فیاض انسان تھے آپ سے لوگوں کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی تھی نتیجے کے طور پر آپ نے بغداد پہنچتے پہنچتے تمام اشرفیاں ضرورت مندوں پر صرف کردیں اور خود فاقہ کشی میں مبتلا ہوگئے۔
ایک موقع پر آپ نے فرمایا: جب میں پہلے پہل بغداد میں داخل ہوا تو وہاں تین دن مجھے کھانے کیلئے کوئی چیز نہ ملی آخر میں تنگ آکر "ایوان کسریٰ" کی طرف نکل گیا (یہ وہی ایوان کسریٰ ہے جس کے چودہ کنگرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت گر گئے تھے)
وہاں پہنچ کر اندازہ ہوا کہ مجھ سے بھی زیادہ ضرورت مند لوگ اس دنیا میں موجود ہیں میں نے دیکھا کہ ایوان کسریٰ میں تقریباً ستر اولیاء اپنے شکم کی آگ بجھانے کیلئے جائز اور حلال چیزیں تلاش کر رہے ہیں اس لئے میں نے سوچا کہ ان بزرگوں کے راستے میں رکاوٹ ڈالنا مروت کے خلاف ہے مجبوراً بغداد کی طرف لوٹ آیا۔
راستے میں ایک اجنبی شخص ملا اس نے بتایا کہ وہ میرے شہر جیلان کا رہنے والا ہے اگرچہ میں اس سے واقف نہیں تھا لیکن پھر بھی ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔ کچھ دیر بعد اس شخص نے سونے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نکالا اور میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ یہ تمہاری والدہ نے بھیجا ہے میں نے سونے کے اس ٹکڑے سے کھانے پینے کی اشیاء خریدیں اور دوبارہ ایوان کسریٰ پہنچ کر وہ ساری چیزیں ان درویشوں کے سامنے رکھ دیں۔
یہ کیا ہے؟ ان فاقہ زدہ مگر غیرت مند درویشوں نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے سارا ماجرہ بیان کرتے ہوئے کہا مجھے گوارہ نہیں ہوا کہ میں تو پیٹ بھر کر روٹی کھالوں اور آپ جیسے صاحبان کمال بھوکے رہ جائیں اسے قبول فرمالیجئے۔ تاکہ مجھے سکون قلب حاصل ہو۔
درویشوں نے میری اس نذر کو قبول فرمالیا اور میں ان کی دعاؤں کے سائے میں بغداد کی طرف لوٹ آیا میرے پاس کچھ رقم باقی تھی میں نے اس سے کچھ اور کھانا خریدا پھر فقراء کو آواز دی آؤ میرے بھائیو: رزاق عالم نے ہمارے لئے غیب سے سامان رزق فراہم کردیا ہے۔

میری آواز سنتے ہی وہ درویش جمع ہو گئے جو فاقہ کشی کی شدت سے جاں بہ لب ہو رہے تھے پھر ہم سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور دوسرے وقت کیلئے ایک لقمہ بھی بچا کر نہیں رکھا۔

روشن ضمیری کا واقعہ

حضرت امام شیخ ابوالبقا مکبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت سیّدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا، میں پہلے کبھی حاضر نہ ہوا تھا اور نہ ہی کبھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام سنا تھا، میں نے دل میں کہا کہ اس مجلس میں حاضر ہو کر اس عجمی کا کلام سنوں؟ جب میں مدرسہ میں داخل ہوا اور دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام شروع ہے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا کلام موقوف فرما دیا اور فرمایا: اے آنکھوں اور دل کے اندھے! تو اس عجمی کے کلام کو کیا سنے گا؟ تو میں نہ رہ سکا یہاں تک کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے منبر کے قریب پہنچ گیا پھر میں نے اپنا سر کھولا اور بارگاہِ غوثیت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں عرض کیا: یا حضرت! مجھے خرقہ پہنائیں۔ تو حضرت سیّدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھے خرقہ پہنا کر ارشاد فرمایا: اے عبداللہ! اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے تمہارے انجام کی خبر نہ دی ہوتی تو تم ہلاک ہو جاتے۔ (بہجۃ الاسرار، ص ۲۱۱)

انگلی مبارک کی کرامت کا واقعہ

ایک مرتبہ رات میں سرکار بغداد حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہمراہ شیخ احمد رفاعی اور عدی بن مسافر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزارِ پُر انوار کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، مگر اس وقت اندھیرا بہت زیادہ تھا حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کے آگے آگے تھے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی پتھر، لکڑی، دیوار یا قبر کے پاس سے گزرتے تو اپنے ہاتھ سے اشارہ فرماتے تو اس وقت آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہاتھ مبارک چاند کی طرح روشن ہو جاتا تھا اور اس طرح وہ سب حضرات آپ کے مبارک ہاتھ کی روشنی کے ذریعے حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار مبارک تک پہنچ گئے۔ (قلائد الجواہر، ص ۷۷)

نگاہ غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے چور قطب بن گیا

سیّدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدینہ منورہ سے حاضری دے کر ننگے پاؤں بغداد شریف کی طرف آ رہے تھے کہ راستہ میں ایک چور کھڑا کسی مسافر کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کو لوٹ لے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب اس کے قریب پہنچے تو پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ دیہاتی ہوں۔ مگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کشف کے ذریعے اس کی معصیت اور بدکرداری کو لکھا ہوا دیکھ لیا اور اس چور کے دل میں خیال آیا: شاید یہ غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس کے دل میں پیدا ہونے والے خیال کا علم ہو گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: میں عبدالقادر ہوں۔

تو وہ چور سنتے ہی فوراً آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مبارک قدموں پر گر پڑا اور اس کی زبان پر یَا سَیِّدِیْ عَبْدَالْقَادِرِ شَیْئًا لِلّٰہِ (یعنی اے میرے سردار عبدالقادر میرے حال پر رحم فرمائیے) جاری ہو گیا۔ آپ کو اس کی حالت پر رحم آ گیا اور اس کی اصلاح کے لئے بارگاہ الٰہی عزوجل میں متوجہ ہوئے تو غیب سے ندا آئی: اے غوث اعظم! اس چور کو سیدھا راستہ دکھا دو اور ہدایت کی طرف رہنمائی فرماتے ہوئے اسے قطب بنا دو۔ چنانچہ آپ کی نگاہ فیض رساں سے وہ قطبیت کے درجہ پر فائز ہو گیا۔
(سیرت غوث الثقلین، ص ۱۳۰)

جانور بھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں:

حضرت ابوالحسن علی الازجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیمار ہوئے تو حضور غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کے گھر ایک کبوتری اور ایک قمری کو بیٹھے ہوئے دیکھا، حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کیا: حضور والا (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)! یہ کبوتری چھ مہینے سے انڈے نہیں دے رہی اور قمری (فاختہ) نو مہینے سے بولتی نہیں ہے تو حضور غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کبوتری کے پاس کھڑے ہو کر اس سے فرمایا: اپنے مالک کو فائدہ پہنچاؤ۔ اور قمری سے فرمایا کہ اپنے خالق عزوجل کی تسبیح بیان کرو۔ تو قمری نے اسی دن سے بولنا شروع کر دیا اور کبوتری عمر بھر انڈے دیتی رہی۔
(بہجۃ الاسرار، ص ۵۳)

اندھوں کو بینا اور مردوں کو زندہ کرنا:

حضرت شیخ برگزیدہ ابوالحسن قرشی فرماتے ہیں کہ میں اور شیخ ابوالحسن علی بن ہیتی حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ان کے مدرسہ میں موجود تھے تو ان کے پاس ابو غالب فضل اللہ بن اسمٰعیل بغدادی ازجی سوداگر حاضر ہوا وہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کرنے لگا کہ:

اے میرے سردار! آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جدامجد حضور پرنور شافع یوم النشور احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ذیشان ہے کہ جو شخص دعوت میں بلایا جائے اس کو دعوت قبول کرنی چاہیے۔ میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میرے گھر دعوت پر تشریف لائیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اگر مجھے اجازت ملی تو میں آؤں گا۔ پھر کچھ دیر بعد آپ نے مراقبہ کر کے فرمایا: ہاں آؤں گا۔

پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے خچر پر سوار ہوئے، شیخ علی نے آپ کی دائیں رکاب پکڑی اور میں نے بائیں رکاب تھامی اور جب اس کے گھر میں ہم آئے دیکھا تو اس میں بغداد کے مشائخ، علماء اور معززین جمع ہیں، دسترخوان بچھایا گیا جس میں تمام شیریں اور ترش چیزیں کھانے کے لئے موجود تھیں اور ایک بڑا صندوق لایا گیا جو سربمہر تھا دو آدمی اسے اٹھائے ہوئے تھے اسے دسترخوان

کے ایک طرف رکھ دیا گیا، تو ابو غالب نے کہا: بسم اللہ! اجازت ہے۔ اس وقت حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مراقبہ میں تھے اور آپ نے کھانا نہ کھایا اور نہ ہی کھانے کی اجازت دی تو کسی نے بھی نہ کھایا، آپ کی ہیبت کے سبب مجلس والوں کا حال ایسا تھا کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، پھر آپ نے شیخ علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ صندوق اٹھا لایئے۔ ہم اٹھے اور اسے اٹھایا تو وہ وزنی تھا ہم نے صندوق کو آپ کے سامنے لاکر رکھ دیا آپ نے حکم دیا کہ صندوق کو کھولا جائے۔

ہم نے کھولا تو اس میں ابو غالب کا لڑکا موجود تھا جو مادر زاد اندھا تھا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے کہا: کھڑا ہو جا۔ ہم نے دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کہنے کی دیر تھی کہ لڑکا دوڑنے لگا اور بینا بھی ہو گیا اور ایسا ہو گیا کہ کبھی بیماری میں مبتلا نہیں تھا، یہ حال دیکھ کر مجلس میں شور برپا ہو گیا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حالت میں باہر نکل آئے اور کچھ نہ کھایا۔

اس کے بعد میں شیخ ابو سعد قیلوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ حال بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی، قطب ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مادر زاد اندھے اور برص والوں کو اچھا کرتے ہیں اور خدا عزوجل کے حکم سے مردے زندہ کرتے ہیں۔ (الف، بہجۃ الاسرار، ۱۲۳)

عصا مبارک چراغ کی طرح روشن ہو گیا

حضرت عبدالملک ذیال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات حضور پرنور غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مدرسے میں کھڑا تھا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اندر سے ایک عصا دست اقدس میں لئے ہوئے تشریف فرما ہوئے میرے دل میں خیال آیا کہ کاش حضور اپنے اس عصا سے کوئی کرامت دکھلائیں۔ ادھر میرے دل میں یہ خیال گزرا اور ادھر حضور نے عصا کو زمین پر گاڑ دیا تو وہ عصا مثل چراغ کے روشن ہو گیا اور بہت دیر تک روشن رہا پھر حضور پرنور نے اسے اکھیڑ لیا تو وہ عصا جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا، اس کے بعد حضور نے فرمایا: بس اے ذیال! تم یہی چاہتے تھے۔ (بہجۃ الاسرار، ۱۵۰)

مرگی کی بیماری بغداد سے بھاگ گئی

ایک شخص حضرت سیدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا کہ میں اصبہان کا رہنے والا ہوں میری ایک بیوی ہے جس کو اکثر مرگی کا دورہ رہتا ہے اور اس پر کسی تعویذ کا اثر نہیں ہوتا۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، قطب ربانی، غوث صمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ ایک جن ہے جو وادی سراندیپ کا رہنے والا ہے، اُس کا نام خانس ہے اور جب تیری بیوی پر مرگی آئے تو اس کے کان میں یہ کہنا کہ اے خانس! تمہارے لئے شیخ عبدالقادر جو کہ بغداد میں رہتے ہیں ان کا فرمان ہے کہ آج کے بعد پھر نہ آنا ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔ تو وہ شخص چلا گیا اور دس سال تک غائب رہا پھر وہ آیا اور ہم نے اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں نے شیخ کے حکم کے مطابق کیا پھر اب تک اس پر مرگی کا اثر نہیں ہوا۔

جھاڑ پھونک کرنے والوں کا مشترکہ بیان ہے: حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی مبارک میں چالیس برس تک بغداد میں کسی پر مرگی کا اثر نہیں ہوا، جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وصال فرمایا تو وہاں مرگی کا اثر ہوا۔

دریاوں پر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حکومت

ایک دفعہ دریائے دجلہ میں زوردار سیلاب آ گیا، دریا کی طغیانی کی شدت کی وجہ سے لوگ ہراساں اور پریشان ہو گئے اور حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مدد طلب کرنے لگے حضرت نے اپنا عصاء مبارک پکڑا اور دریا کی طرف چل پڑے اور دریا کے کنارے پر پہنچ کر آپ نے عصاء مبارک کو دریا کی اصلی حد پر نصب کر دیا اور دریا کو فرمایا کہ بس یہیں تک۔ آپ کا فرمانا ہی تھا کہ اسی وقت پانی کم ہونا شروع ہو گیا اور آپ کے عصاء مبارک تک آ گیا۔ (بہجۃ الاسرار، ص ۱۵۳)

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کو والدین حسن کہہ کر پکارتے تھے

سرزمینِ ہند میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سرخیل اور سالار حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی حسن سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام معین الدین ہے، والدین محبت سے آپ کو حسن کہہ کر پکارتے تھے، آپ حسنی اور حسینی سید تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب بارہویں پشت میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

پدری سلسلۂ نسب: خواجہ معین الدین بن غیاث الدین بن کمال الدین بن احمد حسین بن نجم الدین طاہر بن عبدالعزیز بن ابراہیم بن امام علی رضا بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سیّدنا امام حسین بن علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین ورحمہم اللہ تعالیٰ۔

مادری سلسلۂ نسب: بی بی ام الورع موسوم بہ بی بی ماہ نور بنت سید داود بن سید عبداللہ حنبلی بن سید یحییٰ زاہد بن سید محمد روحی بن سید داود بن سید موسیٰ ثانی بن سید عبداللہ ثانی بن سید موسیٰ اخوند بن سید عبداللہ بن سید حسن مثنیٰ بن سیّدنا امام حسن بن سیّدنا علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین ورحمہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت خواجہ غیاث الدین حسن صاحب اپنے علاقہ کے دولت منداور بااثر بزرگ تھے۔ صبر و زہد اور تقویٰ و پرہیزگاری میں بھی آپ بہت ممتاز تھے۔ علمِ ظاہر و باطن سے آراستہ تھے۔ ملکِ سیستان کی تباہی و بربادی کے بعد آپ نے وہاں سے ہجرت کر کے خراسان میں قیام کیا، جہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی پرورش و پرداخت ہوئی۔

راجہ کے اونٹ بیٹھے تو بیٹھے ہی رہ گئے

جب حضرت خواجہ اور آپ کے مریدین اجمیر پہنچے تو آپ نے شہر کے باہر ایک سایادار جگہ پر رکنا چاہا تو راجا کے سپاہیوں نے آپ کو منع کرتے ہوئے کہا کہ آپ یہاں نہیں ٹھہر سکتے کیوں کہ یہاں راجا کے اونٹ بیٹھتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے اتنا سن کر کہا کہ اچھی بات ہے میں یہاں سے جاتا ہوں تمہارے راجا کے اونٹ بیٹھتے ہیں تو بیٹھے ہی رہیں۔ اور وہاں سے حضرت خواجہ اناساگر کے پاس تشریف لائے جہاں اس وقت بہت زیادہ تعداد میں بت خانے تھے۔ آپ نے ایک بلند مقام پر قیام فرمایا، جو کہ اس وقت آپ کی چلہ گاہ کے نام سے منسوب ہے۔

جب شام ہوئی تو روزانہ کی طرح راجا کے اونٹ آئے اور اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور ایسا بیٹھے کہ بیٹھے ہی رہ گئے۔ صبح جب سپاہیوں نے اونٹوں کو اٹھانا چاہا تو وہ نہ اٹھ سکے یوں لگتا تھا جیسے کہ ان کے سینے زمین سے چپک گئے ہوں۔ سپاہی بہت حیران ہوئے سب نے مل کر مشورہ کیا کہ کل ہم نے جس فقیر کو یہاں بیٹھنے نہ دیا تھا شاید اسی کی بددعا لگ گئی ہے۔ وہ سب کے سب حضرت خواجہ کے پاس آئے اور معافی طلب کی۔

آپ نے فرمایا: جاؤ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے تمہارے اونٹوں کے اٹھنے کا حکم ہو چکا ہے۔ جب وہ لوگ اس جگہ پہنچے جہاں اونٹ بیٹھے تھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ تمام اونٹ کھڑے ہو چکے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر وہ بہت حیران ہوئے۔ (مونس الارواح)

رام دیو کا قبولِ اسلام

جب اجمیر شہر میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتوں اور بزرگی کا چرچا ہر طرف ہونے لگا تو لوگ مسلمان ہوتے گئے۔ آپ کی خاموش اور پُر اثر تبلیغ کا اثر ایسا ہوا کہ یہاں کے متعصب ہندو پریشان ہو کر آپ کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن ان کا ہر وار ناکام ہی رہا۔ اناساگر جس کے گرد ہزاروں بت نصب تھے اور جن پر روزانہ صبح سے شام تک سیکڑوں من تیل اور پھول لوگ آ کر چڑھاتے تھے۔ کثیر تعداد میں لوگوں کا ہجوم رہا کرتا تھا۔ جب برہموں اور پجاریوں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ اسی مقام پر قیام پذیر ہیں تو وہ آگ بگولہ ہو گئے۔ ایک روز پنڈتوں کا سردار رام دیو کئی پنڈتوں اور پجاریوں کے ساتھ آپ کے پاس آیا تا کہ آپ کو یہاں سے کسی دوسری جگہ مسکن بنانے کے لیے کہیں۔ لیکن جوں ہی ان کی نظر حضرت خواجہ کے پُر جلال اور بارونق چہرے پر پڑی سب کے سب کانپنے لگے۔ حضرت خواجہ کی ایک نظر نے بڑے پنڈت رام دیو کے دل کی کیفیت بدل دی، وہ قریب آیا اور حضرت خواجہ کے ہاتھ پر خلوصِ دل کے ساتھ اسلام کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

پجاریوں کا سردار رام دیو جو کہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ حضرت خواجہ کو پریشان کرنے کے لیے آیا تھا وہ فضلِ الٰہی اور حضرت خواجہ کی روحانی کرامت سے نہ صرف یہ کہ مسلمان ہو گیا بل کہ حضرت خواجہ کا ایسا جاں نثار غلام اور ساتھی بن گیا کہ شر پسندوں کے پتھر مار مار کر بھگا دیا۔ حضرت خواجہ نے جب رام دیو کی یہ وفاداری دیکھی تو اسے ایک پیالہ پانی عطا فرمایا اور پینے کا حکم دیا۔ پانی پیتے ہیں اس کا دل بالکل صاف وشفاف آئینے کی طرح ہو گیا۔ اس کے قلب و روح میں ایک نئی توانائی عود کر آئی وہ حضرت خواجہ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر مرید بن گیا۔ آپ نے ان کا نام شادی دیو رکھا۔

جادوگروں کی شکستِ فاش

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی پُر اثر تبلیغ اور کرامتوں سے اجمیر شہر کے باطل مذہب کے پیروکار بتوں کی پوجا چھوڑ کر مسلمان ہونے لگے تو اجمیر کے سرکردہ غیر مسلم ہی نہیں بل کہ خود راجا پرتھوی راج چوہان کو اپنا اقتدار خطرے میں نظر آنے لگا۔ چناں چہ اس نے حق وصداقت کی پاکیزہ فضا کو مکدر کرنے اور اور اسلام و ایمان کی آواز کو دبانے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈوں کا استعمال کرنا شروع کیا۔

پرتھوی راج چوہان کے درباریوں کا کہنا تھا کہ یہ بوریہ نشین فقیر شاید کوئی بہت بڑا جادوگر ہے اس لیے اس کے مقابلے کے لیے سلطنت کے تمام جادوگروں کو اکٹھا کرنا بے حد ضروری ہے کہ انھیں کی مدد سے یہ فقیر اس شہر سے بھاگ سکتا ہے۔ راجا نے حکم دیا کہ پوری سلطنت کے سب سے بڑے جادوگر جوگی جے پال کو اس کے تمام چیلوں اور شاگردوں کے ساتھ اجمیر طلب کیا جائے۔ چناں چہ جوگی جے پال اپنے ڈیڑھ ہزار شاگردوں کے ساتھ جو کہ جادوگری اور شعبدہ بازی میں بہت زیادہ کمال رکھتے تھے اجمیر میں وارد ہوا۔ اس کی آمد سے راجا پرتھوی راج چوہان اور اس کے درباریوں اور سپاہیوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ جے پال اپنے ڈیڑھ ہزار شاگردوں اور سلطنت کے ذمہ داروں کے ہمراہ حضرت خواجہ کی قیام گاہ کی طرف بڑے جوش وخروش کے ساتھ بڑھا۔ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی کو جوگی جے پال اور اس کے چیلوں کے آنے کی خبر ہوئی تو آپ نے وضو کر کے اپنی مجلس کے گرد اپنے عصا سے ایک حصار بنا دیا اور فرمایا کہ ان شاء اللہ کوئی بھی دشمن اس دائرہ کے اندر داخل نہیں ہو سکے گا۔

جے پال اپنے باطل علم پر گھمنڈ کرتے اور اتراتے ہوئے جب قریب پہنچا۔ اس کے شاگردوں میں سے جو بھی دائرۂ حصار میں آیا وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ حضرت خواجہ کی یہ کرامت دیکھ کر وہ سب کے سب وہاں سے بھاگ کر دربار میں واپس چلے گئے۔

اناساگر کا پانی پیالے میں سما گیا

جب حضرت خواجہ کی روحانی قوتوں کے آگے جادوگروں کی ایک نہ چلی تو ان لوگوں نے دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا کہ اناساگر جس سے اجمیر کے لوگ پانی پیتے تھے اس کا پانی حضرت خواجہ اور آپ کے ساتھیوں کے لیے بند کر دیا اور اس کے لیے اناساگر پر سخت پہرہ بٹھا دیا تا کہ حضرت خواجہ کا کوئی بھی ساتھی ایک قطرہ پانی نہ لے سکے۔ جب حضرت خواجہ کو راجا پرتھوی راج چوہان کی اس انتہائی غیر اخلاقی حرکت کا علم ہوا تو آپ نے بزرگانہ جلال میں آ کر شادی دیو سے کہا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اناساگر سے ایک پیالہ پانی لاؤ۔ شادی نے پیالہ لیا اور ہمت و جواں مردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سخت پہرے کے درمیان تالاب پر پہنچ کر جوں ہی پیالہ پانی میں ڈالا اناساگر تالاب کا سارا پانی سمٹ کر پیالے میں آ گیا۔ لوگوں نے یہ حیرت ناک منظر دیکھا کہ ابھی تو یہاں پانی موجیں مار رہا تھا اب تو یہ بالکل سوکھ گیا ہے اور یہاں خاک اُڑ رہی ہے۔ شادی دیو پانی سے بھرا ہوا پیالہ لے کر حضرت خواجہ کی خدمت میں پہنچا آپ کے ساتھیوں نے اپنی تمام ضروریات پوری کر لی لیکن پیالے کا پانی ذرا بھی کم نہ ہوا۔ چوں کہ اجمیر کے تمام تر باشندے اسی اناساگر سے پانی لیا کرتے تھے اس لیے جب اناساگر سوکھ گیا تو لوگ بے حد پریشان ہو گئے۔ جے پال نے جب یہ دیکھا تو دائرۂ حصار کے قریب آیا اور کہا کہ اے فقیر لوگ پیاس کی شدت سے مرنے پر آ چکے ہیں، تم خود کو فقیر کہتے ہو فقیر کو رحم دل ہونا چاہیے نہ کہ ظالم دریا دلی کا تقاضا یہی ہے کہ لوگوں کو پانی دے دو۔ حضرت خواجہ نے جے پال کی عرض سن کر شادی دیو کو حکم دیا کہ جاؤ اور اناساگر کے جس مقام سے پانی لائے ہو وہیں پانی ڈال دو۔ شادی نے جیسے ہی پیالہ انڈیلا دوبارہ اناساگر میں لہریں اٹھنے لگیں۔

جوگی جے پال کی جادوگری

جوگی جے پال اور اس کے ساتھیوں نے کچھ دن آرام سے بیٹھنے کے بعد دوبارہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے

خلاف ان کی دانست میں پہلے سے بھی سخت جادوگری کے کرشمے دکھانا شروع کیا۔ پہاڑوں کی طرف سے جادو کے زور سے ہزاروں کالے سانپ نکال کر حضرت خواجہ کی طرف بڑھایا لیکن جب سانپوں کا یہ لشکر آپ کے قریب پہنچا تو حصار کی لکیر پر سر رکھ کر ایک ایک سانپ بے دم ہو گئے۔ جب یہ جادو بری طرح ناکام ہو گیا تو جوگی جے پال نے خود پنجہ آزمائی کا آغاز کیا اور اپنے فنِ جادوگری کے زور سے آگ کی بارش برسانے لگا ہر طرف انگاروں کے ڈھیر لگ گئے، ہزاروں درخت جل کر راکھ ہو گئے مگر دائرۂ حصار اور اس کی فضا کا آگ کچھ بھی نہ بگاڑ سکی۔

جب جادو کی آگ سے بھی حضرت خواجہ اور ان کے ماننے والوں کا کچھ بھی نقصان نہیں ہوا تو جے پال نے حضرت خواجہ سے کہا کہ: اب میرا اور تمہارا مقابلہ باقی ہے بہتر ہے کہ تم فوراً اجمیر چھوڑ دو ورنہ میں آسمان پر جا کر تمہارے سروں پر اس قدر بلائیں برساؤں گا کہ تمہارا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا: تو زمین پر رہ کر ہمارا مقابلہ نہیں کر سکا اور زمین پر تیرا اور نا کام ہی رہا تو آسمان پر اڑ کر بھی تو کیا کر سکے گا؟

جوگی جے پال نے ہرن کی کھال ہوا میں پھینکی اور اچھل کر اس پر سوار ہو گیا دیکھتے ہی دیکھتے وہ فضا میں اڑنے لگا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا، لوگ حیران تھے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟ حضرت خواجہ نے جے پال کی یہ جادوگری اور لوگوں کا حیرت واستعجاب دیکھا تو اپنی کھڑاؤں کو حکم دیا کہ جاؤ اور مغرور جے پال کو سزا دیتے ہوئے نیچے لے آؤ۔ یہ فرمان سنتے ہی کھڑاؤں ہوا میں اڑتے ہوئے نگاہوں سے غائب ہو گئیں چند لمحوں بعد لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ حضرت کی نعلین جے پال کے سر پر بُری طرح مارتے ہوئے اسے حضرت خواجہ کے قدموں کے پاس لے آئی۔

جوگی جے پال کا قبولِ اسلام

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی کھڑاؤں کی مار سے جوگی جے پال کا غرور و گھمنڈ اور تکبر و خودسری سب ایک ہی لمحے کے اندر خاک میں مل گیا۔ روحانی صداقت و طاقت کے سامنے جادوگری کے تمام حربے بُری طرح ناکام ہو گئے۔ جوگی جے پال کو معلوم ہو گیا کہ یہ بوریہ نشین فقیر کوئی جادوگر نہیں، بل کہ روحانیت و عرفانیت کی لازوال قوت و طاقت کا مالک اللہ کا نیک بندہ ہے کہ اس کے حکم سے اس کے پیروں کی کھڑاؤں جب ہوا میں اڑ کر مجھ جیسے بڑے جادوگر کو سزا دیتے ہوئے نیچے لا سکتی ہے۔ جوگی جے پال کے دماغ میں سوار جادوگری کا تمام نشہ ہرن ہو گیا اس کے دل سے بھی کفر و شرک کے پردے اٹھنے لگے، اس نے اپنا سر حضرت خواجہ کے قدموں میں رکھ دیا اور خلوص کے ساتھ اسلام قبول کر کے حضرت خواجہ کی غلامی میں داخل ہو گیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے عرض کی کہ حضور دعا فرمایئے کہ میں اَمر ہو جاؤں یعنی تا قیامت زندہ رہوں، حضرت نے دعا فرمائی، الٰہی! اس بندے کی دعا قبول فرما، جب حضرت پر دعا کی قبولیت کے آثار نمایاں ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا تو نے ہمیشہ کی زندگی پالی مگر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے گا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا، یہ روایت بے حد مشہور و معروف ہے کہ جوگی جے پال اب تک اجمیر کے پہاڑوں میں رہتا ہے جو مسافر راستہ بھٹک جاتا ہے اس کی رہبری کرتا ہے ہر شبِ جمعہ کو روضۂ خواجہ کی زیارت کا شرف حاصل کرتا

ہے۔حضرت خواجہ نے اس کا نام عبداللہ رکھا تھا۔(خزینۃ الاصفیاء ج ص)

جب پرتھوی راج نے جوگی جے پال اوراس کے چیلوں کی شکستِ فاش دیکھی تو بہت گھبرا گیا۔اوراپنے ساتھیوں کے ساتھ محل میں واپس آیا۔جب رائے پتھورا کی ماں کو حضرت خواجہ کی اجمیر میں آمد،اونٹوں کے بیٹھے رہ جانے،انا ساگر کے سوکھ جانے،جوگی جے پال کے جادو کی ناکامی اور اس کے اسلام لے آنے جیسے واقعات کا علم ہوا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ یہ وہی شخص ہے،جس کی خبر میں نے علمِ نجوم سے تجھے بارہ سال پہلے ہی دے دی تھی۔اب تم اس سے کوئی مقابلہ نہ کرنا کہ اس سے جنگ وجدال نقصان سے خالی نہ ہوگی،بل کہ اس کی تعظیم وتوقیر کرنا۔(مونس الارواح)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے حُسنِ اَخلاق،مؤثر کرامات اور باطنی تصرفات نے اجمیر شہر کے لوگوں کو آپ کا گرویدہ بنا دیا۔عوام وخواص کی ایک بڑی تعداد بت پرستی اور کفر وشرک سے توبہ کر کے مشرف بہ اسلام ہوگئی۔حضرت خواجہ کے مریدوں اور عقیدت مندوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی تو اناساگر کے پاس کی جگہ ناکافی ہوگئی۔چناں چہ آپ نے اجمیر شہر میں قیام کرنے کا ارادہ کیا۔اوراپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ شہر اجمیر میں اس مقام پر مستقل سکونت اختیار فرمائی جہاں اس وقت درگاہ شریف ہے۔

پرتھوی راج کو دعوتِ اسلام

اجمیر شہر میں قیام پذیر ہونے کے بعد حضرت خواجہ نے راجا پرتھوی راج چوہان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اسے ایک خط لکھا کہ:اے راجا تیرا اعتقاد جن لوگوں پر تھا وہ بہ حکمِ خدا مسلمان ہوگئے ہیں۔اگر بھلائی چاہتا ہے تو تو بھی مسلمان ہو جا ورنہ ذلیل وخوار ہوگا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی مسلسل روحانی فتوحات نے راجا پرتھوی راج چوہان کو بالکل خاموش ہی کر کے رکھ دیا۔لیکن وہ اندر اندر ہی گھل رہا تھا اسے اسلام کی بڑھتی ہوئی افرادی قوت وطاقت نے سخت متفکر کر دیا تھا۔اور وہ حضرت خواجہ اورآپ کے ماننے والوں کو اجمیر سے باہر نکالنے کے لیے خفیہ سازش کے جال بچھانے لگا۔

ایک مرتبہ اس نے حضرت خواجہ کے ایک مرید کو بے حد ستایا۔مرید نے راجا کے بے انتہا ظلم وستم کی کہانی حضرت خواجہ کی بارگاہ میں سنائی۔حضرت کو بہت جلال آیا اس نے ایک شخص کو راجا کے پاس بھیجا اور مسلمانوں پر ظلم وتشدد کرنے سے باز رہنے کا حکم صادر فرمایا۔حضرت خواجہ کی یہ ہدایت اسے بہت ناگوار گذری اس نے غصے سے کہا کہ:کیا ہی اچھا ہو جو یہ فقیر یہاں سے چلا جائے۔

راجا کی یہ بات سن کر وہ شخص بارگاہِ خواجہ میں حاضر ہوا اوراس کی گستاخانہ بکواس گوش گزار کی۔حضرت نے جب اس کی بکواس سماعت کی تو غیظ وغضب کے عالم میں وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جس نے ہندوستان کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا،حضرت نے کہا کہ:پتھورا را زندہ گرفتیم ودادیم۔یعنی ہم نے رائے پتھورا کو زندہ گرفتار کیا اور دے دیا۔(فوائد السالکین)

اخلاق حسنہ کی تلوار سے فاتح ہونے کا واقعہ

حضرت خواجہ کی یہ پیشین گوئی ہندوستان میں سیاسی وتاریخی لحاظ سے بے حد اہمیت کی حامل ہے۔جس کا اندازہ ہندوستان

میں مسلمان بادشاہوں کی پیش قدمی اور جنگی سرگرمیوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی باطل شکن کرامتوں، خاموش تبلیغ اور اخلاقِ حسنہ کی تلوار سے لوگوں کے دل فتح ہونے لگے اور یہاں کی زمین اسلام وایمان کی فصلِ بہاری سے لہلہانے لگی۔ اسی دوران شہاب الدین غوری جو کہ شکست خوردہ مسلم حکمراں تھا اس نے خواب میں ایک نورانی صورت بزرگ کو دیکھا جو ارشاد فرمارہے ہیں کہ ملکِ ہندوستان کی طرف توجہ کرو اب تمہاری شکست کا داغ دھل جائے اور تمہیں فتح نصیب ہوگی۔ چناں چہ اس نے اپنی فوج کے ساتھ ہندوستان کا رخ کیا۔ اور ترائن کے مقام پر ۵ء میں فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں شہاب الدین غوری نے تین لاکھ راجپوتوں کو شکستِ فاش دے دی۔

حضرت خواجہ کی کوششوں سے لوگوں کے دلوں پر اسلام کا نقش مرتب ہوا اور شہاب الدین غوری کے حملوں سے یہاں کی زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ ترائن کی جنگ میں فتح پانے کے بعد شہاب الدین اجمیر کے پہاڑی علاقوں میں داخل ہوا تو شام ہو چکی تھی کہ یکایک اس نے مغرب کی اذان کی آواز سنی اس طرح اجنبی علاقے میں اذان کی آواز سن کر اسے سخت حیرانی ہوئی اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک فقیر کچھ دنوں سے یہاں مقیم ہیں یہ آواز وہیں سے آرہی ہے۔ شہاب الدین تلاش کرتا ہوا جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ اللہ کے بندوں کی ایک جماعت صف باندھے نماز پڑھنے میں مصروف ہے وہ بھی شاملِ نماز ہوگیا۔ حضرت خواجہ امامت فرمارہے تھے۔ جب نماز ختم ہوئی اور اس کی نظر حضرت خواجہ کے چہرے پر پڑی تو اس کی حیرت اور مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیوں کہ یہ وہی بزرگ تھے جنھوں نے اسے خواب میں فتح وکامرانی کی بشارت دی تھی وہ بے تابانہ آگے بڑھا اور قدموں پر سر رکھ کر دیر تک روتا رہا۔ اور حضرت کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر مرید ہوگیا۔

جوتی کے پہنچتے ہی آگ کے ٹھنڈا ہو جانے کا واقعہ

خواجہ غریب نواز مُریدوں کے ساتھ سیر وسیاحت میں ایک جنگل سے گزرے۔ وہاں کی ایک جماعت آتش پرستی میں مشغول تھی اور ان کا مجاہدہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ چھ چھ ماہ تک بغیر آب ودانہ رہ جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے مخلوق گمراہ ہو رہی تھی۔ خواجہ صاحب نے ان کی یہ حالت دیکھ کر پوچھا کہ تم لوگ خدا کو چھوڑ کر آگ کیوں پوجتے ہو؟ بولے اس لئے تا کہ دوزخ کی آگ ہم کو نہ جلائے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا۔ یہ طریقہ تو آگ سے بچا نہیں سکتا۔ اتنے دنوں سے تم پوجتے ہو ہاتھ ڈال کر دیکھو۔ بولے بیشک آگ جلا دے گی یہ کیسے یقین ہو کہ خدا کے پوجنے والے آگ میں نہیں جلتے۔ آپ ہاتھ ڈال کر دکھایئے۔ آپ نے فوراً اپنی جوتیں کو نکال کر آگ میں ڈال دیا آگ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے آگ! یہ خدا کے کسی مقبول بندے کی جوتی ہے۔ اس کو ذرا بھی آنچ نہ آئے۔

جوتی کا آگ میں پہنچنا تھا کہ آگ فوراً ٹھنڈی ہوگئی۔ اور جوتی صحیح وسلامت رہی۔ یہ دیکھ کر تمام آتش پرستوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ اور دل سے اسلام قبول کر کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے۔

دودھ پینے کا عجیب واقعہ

خواجہ صاحب نواز شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ احد الدین کرمانی ایک جگہ رونق افروز تھے۔ ایک نوعمر لڑکا تیر و کمان ہاتھ میں لے کر نکلا۔ خواجہ صاحب نے اس کو دیکھ کر فرمایا۔ یہ بچہ دہلی کا بادشاہ ہوگا۔ چنانچہ یہی بچہ سلطان شمس الدین التمش کے نام سے دہلی کے تخت پر بیٹھا اور چھبیس سال تک حکومت کی۔ یہ خواجہ صاحب کی نظر تھی جو آئندہ ہونے والے واقعے کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔

ایک عورت گریہ وزاری کرتی ہوئی آپ کے پاس آئی اور بلک بلک کر کہنے لگی کہ شہر کے حاکم نے بلاقصور میرے بچے کو قتل کر دیا ہے آپ فوراً عصا لیکر گئے آپ کے ساتھ خدام بھی تھے۔ تھوڑی دیر تک بچے کی لاش پر کھڑے رہے۔ پھر بڑھے اور بچے کے جسم پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ اے مقتول! اگر تو بے گناہ مارا گیا ہے تو اللہ کے حکم سے زندہ ہوگا۔ فوراً بچہ زندہ ہوگیا۔ آپ بتائیں کہ یہ ولی کے اختیار کی بات ہے یا نہیں۔ کیا بالکل مجبور بھی مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔

جو لوگ اطراف و جوانب سے حج کیلئے تشریف لے جاتے سب آکر متفقہ بیان کرتے کہ ہم نے سرکار خواجہ کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حالانکہ اجمیر شریف آنے کے بعد آپ کو حج کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ولیوں کو اتنا اختیار ہے کہ ایک وقت میں کئی جگہوں پر رونق افروز ہو سکتے ہیں۔

اناساگر کے قریب تشریف فرما تھے کہ ایک چرواہا گائے کے چند بچوں کو چراتا ہوا نکلا۔ آپ نے فرمایا، بیٹا! مجھے تھوڑا سا دودھ پلادے۔ اس نے مذاق سمجھا۔ اس نے کہا۔ بابا! یہ تو ابھی بچے ہیں۔ ان میں دودھ کہاں؟ آپ نے مسکرا کر ایک بچھیا کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ بھائی اس کا دودھ پیوں گا۔ وہ حیران ہو کر بچھیا کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کا تھن دودھ سے بھر گیا ہے۔ اس نے برتن بھر کر دودھ نکالا جس کو پی کر چالیس آدمی شکم سیر ہو گئے اور وہ چرواہا قدموں پر گر کر غلامی میں داخل ہوگیا۔ اسی طرح آپ کی زندگی میں بے شمار کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیلئے ہاتھ مبارک کا باہر آنا

شیخ الاسلام کمال الدین امام کاملیہ نے روایت کی ہے، انہوں نے ہمارے مشائخ کے شیخ امام علامہ شیخ شمس الدین جزری سے، انہوں نے اپنے شیخ امام زین الدین مراغی سے، انہوں نے شیخ الشیوخ شجاع و محدث و واعظ و فقیہ و مقرر و مفسر، امام و مقتدا و حجت شیخ عز الدین احمد فاروقی سے، انہوں نے اپنے والد استاد اصیل علامہ جلیل شیخ ابو اسحاق فقرائے ابراہیم فاروقی سے، اور انہوں نے اپنے والد امام فقہاء و محدثین شیخ فقرائے اکابر و علمائے عاملین شیخ عز الدین عمر ابو الفرج قدس اللہ سرہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ 555ھ کے حج میں، میں اپنے شیخ و ملجا اور اپنے سردار ابو العباس قطب و غوث شیخ سید احمد رفاعی حسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ تھا۔ اس سال آپ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حج کی سعادت حاصل ہوئی تھی، جب حضرت رفاعی مدینہ پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے سامنے کھڑے ہو کر لوگوں کی موجودگی میں بلند آواز سے عرض کیا۔ السلام علیک یا جدی یعنی

اے میرے جد آپ پر سلام ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعلیک السلام یا ولدی اے میرے بیٹے تم پر بھی سلامتی ہو اور اس (جواب) کو مسجد نبوی میں موجود ہر شخص نے سنا اور یہ سن کر سیدنا احمد رفاعی پر جذب طاری ہو گیا۔ آپ تھرا اٹھے، آپ کا رنگ زرد پڑ گیا، گریہ وزاری کرتے ہوئے گھٹنے کے بل کھڑے ہو گئے اور دیر تک سسکیاں لیتے رہے پھر عرض کیا اے جد کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها   تقبل الارض عنی وهی نائبتی

وهذه دولة الاشباح قد حضرت   فامدد یمینك کی تحظی بها شفتی

اے جد کریم! دوری کی حالت میں اپنی روح و خیال کو بھیجا کرتا ہے جو میری نیابت میں آستاں بوسی کرتے تھے اور آج یہ دور افتادہ خود در دولت پر حاضر ہے لہذا آپ اپنے دست کرم کو دراز فرمائیں تاکہ میرے لب دست بوسی کی سعادت حاصل کر سکیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معطر دست مبارک کو قبر انور شریف سے باہر نکالا، جسے نوے ہزار زائرین کے ہجوم میں امام رفاعی نے چوما، یہ سارے لوگ دست مبارک کو دیکھ رہے تھے، اس وقت مسجد میں حجاج کرام کے درمیان شیخ حیات بن قیس حرانی، شیخ عبدالقادر جیلی (حضرت غوث اعظم مقیم) بغداد، شیخ خمیس اور شیخ عدی بن مسافر شامی وغیرہ بھی موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو ان حضرات کے علوم و اسرار سے نفع بخشے، ہم نے بھی ان حضرات کے ساتھ حضور کے پاکیزہ دست مبارک کی زیارت کی اور اسی دن شیخ حیات بن قیس حرانی نے سید احمد کبیر رفاعی سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور آپ کے مریدین و مسترشدین میں شامل ہو گئے۔

ایک دوسرے طریقے سے مجھ سے روایت کیا ہے۔ شیخ محمد علی نے ان سے شیخ ابی الرجال یونینی بعلبکی نے، ان سے شیخ عبداللہ بطائحی قادری نے، ان سے شیخ علی بن ادریس یعقوبی نے اور ان سے ان کے شیخ قطب یگانہ و غوث زمانہ شیخ عبدالقادر جیلی بغدادی نے روایت کیا ہے۔ فرمایا کہ اس محفل کرامت میں، میں بھی موجود تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کی دست بوسی کے ذریعہ شیخ احمد کبیر رفاعی کی کرامت و بزرگی کا اظہار کیا۔ یعقوبی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ حضرت جیلانی سے عرض کیا: حضور حاضرین کو اس کرامت و بزرگی سے حسد نہیں ہوا تو یہ سوال سن کر حضرت غوث صمدانی رونے لگے اور جواب دیا۔ اے ابن ادریس اس پر تو ملاء اعلیٰ (فرشتوں) نے بھی رشک کیا ہے۔ ایک اور طریقے سے، مجھ سے امام قوصی نے بیان کیا ہے۔ ان سے شیخ قطب الدین خزانچی نے، ان سے شیخ رکن الدین سنجاری نے، ان سے ان کے شیخ عدی بن مسافر نے اور ان کے خادم شیخ علی بن موہوب نے بیان کیا ہے، دونوں فرماتے ہیں کہ:

حج والے سال ہم مسجد نبوی میں تھے تو دیکھا کہ شیخ احمد بن رفاعی رضی اللہ عنہ حجرہ طیبہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہیں اور کچھ عرض کر رہے ہیں جسے بہت سے حضرات نے یاد رکھا اور نقل کیا ہے اور جیسے ہی آپ کی گفتگو ختم ہوئی، فوراً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک قبر شریف سے باہر نکلا اور شیخ رفاعی نے اس کا بوسہ دیا۔ ہم جملہ حاضرین کے ساتھ اس (روح پرور اور ایمان

افروز) منظر کو دیکھ رہے تھے (شیخ عدی کے خادم) ابن موہوب کہتے ہیں کہ: خدا کی قسم! گویا اب بھی وہ نظارہ میرے سامنے ہے، جب سفید گورا معتدل ہاتھ قبر مبارک سے باہر نکلا جس کی انگلیاں خوب لمبی لمبی تھیں، گویا بجلی چمک رہی ہو، حرم واہل حرم گویا سبھی رقص کناں ہوں۔

لوگ سلطان محمدی اور جلال احمدی سے اس قدر مرعوب ولرزاں وترساں تھے اور (اس معجزۂ گرامی) سے اس طرح حیرت زدہ تھے گویا قیامت آنے والی ہو۔ لوگ حیرت ودہشت میں بے قرار و بے اختیار اٹھ بیٹھ رہے تھے۔ کبھی اللہ کی تکبیر و بڑھائی بولتے تو کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے۔

یہ بات معروف ہے کہ حضرت رفاعی کی یہ منقبت مسلمانوں کے درمیان درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے۔ اس کی سندیں عالی اور بلند مرتبہ ہیں اور اس کی روایتیں صحیح ہیں۔ تمام راویوں کا اس کی صحت وصداقت پر اتفاق ہے، اور اس کا انکار منافقت کی نشانیوں میں سے ہے۔

فائدہ: اگر یہ کہا جائے کہ کیا اس فضل ومنقبت کے سبب سید احمد (رفاعی) رضی اللہ عنہ اور دوسرے زائرین صحابہ کے زمرے میں داخل ہو گئے؟ کیونکہ ان حضرات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت حاصل ہوئی ہے۔

جواب: ہمارے اساتذہ کے موقف کے مطابق زمرۂ صحابیت میں ان کا دخول محل نظر ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ یہ لوگ داخل نہیں ہیں۔ یہی رائے سخاوی وغیرہ کی ہے کیونکہ صحابیت کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری دنیوی حیات سے متعلق ہے اور یہ حیات اخروی ہے، دنیوی نہیں ہے اور دنیا کے احکام بھی اس سے متعلق نہیں ہیں۔

یہ واقعہ بھی ثابت شدہ ہے کہ جب سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حج فرمایا اور اسی سال میں ان کا وصال بھی ہوا تھا تو انہوں نے روضہ مبارک علی ساکنہا افضل الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کھڑے ہو کر انتہائی عاجزی وخاکساری سے عرض کیا یعنی اگر کہا گیا کہ تم نے زیارت کی تو کیا لے کر لوٹے؟ تو اے بزرگ ترین رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم کیا جواب دیں گے؟

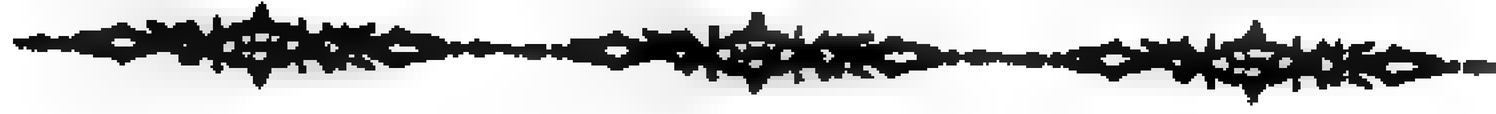
تو قبر انور سے ایک آواز آئی جسے مسجد میں موجود ہر شخص نے سنا۔

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو اس کی زبان میں مخاطب کرتے تھے، جب حمیری نے پوچھا ہل من امبر امصیام فی امسفر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حمیری لہجے میں جواب دیا اور لام تعریف کی جگہ میم استعمال فرمایا تھا اور یہ مشہور ومعروف بات ہے، سید احمد رفاعی کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب اسی قبیل سے تھا۔

میں (امام سیوطی) اللہ تعالیٰ کے لئے جس بات کو مانتا ہوں اور جس پر عقیدہ رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ سید احمد ابن رفاعی فاطمی حسینی رضی اللہ عنہ معرفت الٰہی میں پائیدار پہاڑ کی مانند تھے، عظیم ترین سردار تھے، بہت بڑے ولی تھے اور سنت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحر بے کنار تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اولیاء اللہ اور گروہ صوفیا کے ایسے مستند سردار تھے جن کی ذات پر طریقت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، جن کی عظمت پر علماء واولیاء کا اجماع واقع ہے۔ ان کے تمام معاصر اولیاء نے ان کی سربراہی میں اور ان کے تقدم کا اعتراف کیا ہے۔ آپ

کے زمانے کے اکابر مشائخ نے آپ کے پرچم رشد و ہدایت کے نیچے راہ سلوک طے کیا ہے۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر پختگی کے ساتھ کاربند اور ان کی اتباع میں خوب راسخ قدم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر تواضع اور حسن اخلاق کا خاتمہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت سید احمد ابن رفاعی رضی اللہ عنہ کے علوم، روحانی امداد سے اور حال و قال سے مستفیض فرمائے اور ہمیں ان کے اور ان کے ولی دوستوں کے زمرے میں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء کے سائے میں رکھے۔



حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ

ملتان کے اولے بخارا کی برف سے بڑھ گئے

حامد بن فضل اللہ جمالی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد حضرت شیخ سماء الحق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری ایک سرد علاقے کے رہنے والے تھے اور اسکے برعکس ملتان روئے زمین کے گرم ترین خطوں میں شامل تھا۔ اگر حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتان میں قیام فرما نہ ہوتے تو سید جلال الدین بخاری ایک لمحے کیلئے بھی اس علاقے میں نہ ٹھہرتے مگر یہ ان کا اپنے پیرومرشد سے انتہائی عشق تھا کہ سورج کی تمازت اور موسم کی سختیوں کو خوش دلی کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔

ایک دن ہوا بند تھی اور حبس کا یہ عالم تھا کہ سانس لینا بھی دشوار تھا۔ حضرت سید جلال الدین بخاری اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ پورا بدن پسینے سے شرابور تھا اور آپ بڑی بے چینی کے عالم میں پنکھا جل رہے تھے پھر اسی حالت اضطراب میں آپ کے منہ سے آہ سرد نکلی اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا۔

آہ! یخ بخارا در چنیں حرارت کجا یابیم، آہ! اس گرم موسم میں بخارا کا برف کہاں مل سکتا ہے

اس وقت حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا اپنے دولت کدے میں قیام فرما تھے۔ اچانک آپ باہر تشریف لائے اور خدمت گاروں کو جماعت خانے کی صفیں لپیٹنے اور جھاڑو دینے کا حکم دیا۔ تمام خدام فرمودہ شیخ سن کر حیران تھے۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پہلے عین دوپہر کے وقت صفیں لپیٹنے اور جھاڑو دینے کا حکم نہیں دیا تھا۔ الغرض خدمت گار تپتی ہوئی دھوپ میں حکم شیخ پر عمل کرتے رہے۔ نیلے آسمان پر سورج اپنی پوری توانائی کے ساتھ چمک رہا تھا۔ یکایک مشرق کی سمت سے ابر کا ایک ٹکڑا اٹھا اور خانقاہ کے اوپر سایہ فگن ہو گیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس سیاہ بادل نے گرجنا شروع کر دیا اور بجلی پوری شدت سے کڑکنے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہی بارش شروع ہو گئی اور مرغی کے انڈے کے برابر اولے برسنے لگے۔ آن کی آن میں مسجد کا پورا صحن آسمانی برف سے ڈھک گیا۔ گرمی کی شدت سے سبھی لوگ پریشان تھے۔ رحمتِ الٰہی کا یہ جانفزا منظر دیکھ کر تمام خدمت گار شاداں و فرحاں نظر آنے لگے۔ قرب وجوار کے لوگ بھی خانقاہ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی جانب دوڑ پڑے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ پورے ملتان میں تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور سیاہ بادل حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ عالیہ پر برس رہا تھا۔ مقامی باشندے اولوں کو تبرک سمجھ کر لے گئے۔ خانقاہ کے درویشوں نے بھی آسمانی برف کا ذائقہ چکھا اور حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری نے اپنے کھانے پینے کے برتن اولوں سے بھر لئے۔ نماز ظہر سے کچھ دیر پہلے بارش رک گئی اور سورج اسی آب و تاب کے ساتھ دوبارہ نکل

آیا۔ خدمت گاروں نے صفیں بچھادیں اور موذن نے خوش الحانی کے ساتھ اذان دی۔ جماعت سے چند لمحے قبل حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ اگلی صف میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔ پیر و مرشد آپ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔

سید جلال! دریں حال ژالہ ملتان بہتر است یا یخ بخارا؟ سید جلال! اس حالت میں ملتان کے اولے بہتر ہیں یا بخارا کی برف؟

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ پیر و مرشد کے احترام میں کھڑے ہو گئے اور نہایت عقیدت مندانہ لہجے میں عرض کیا۔

سیدی! ژالہ ملتان از یخ بخارا بہ ہزار درجہ بہتر و اولیٰ است۔ سیدی! ملتان کے اولے بخارا کی برف سے ہزار درجہ بہتر اور اعلیٰ ہیں۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے تبسم فرمایا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔

حضرت شیخ بہاؤالدین کی دعا اور جذامیوں کے شفاء کا واقعہ

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ جب شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ سمرقند پہنچے تو وہاں جذامیوں (کوڑھیوں) کا ایک گروہ انسانی آبادی سے الگ تھلگ ایک غار میں رہتا تھا۔ اتفاق سے ایک دن حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اس طرف جا نکلے۔ ایک خوفناک مرض میں مبتلا ہونے کے باعث مقامی لوگ اُدھر جاتے ہوئے بھی ڈرتے تھے۔ جذامیوں نے ایک انسان کو اپنی طرف آتے دیکھا تو انہیں شدید حیرت ہوئی۔ پھر جب حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ قریب پہنچے تو جذامی غار سے نکل آئے اور آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ انہیں یقین تھا کہ آنے والا کوئی عام انسان نہیں ہے۔

بہت دنوں بعد اِدھر کوئی انسان آیا تھا۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر جذامی حیرت زدہ لہجے میں کہنے لگے ہمیں اہل دنیا نے چھوڑ دیا۔ نہ وہ ہماری طرف آتے ہیں اور نہ ہمیں اپنی طرف آنے دیتے ہیں۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے جذامیوں کی طرف دیکھ کر فرمایا تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ آپ کی دعاؤں کے طالب ہیں جذامیوں نے روتے ہوئے عرض کیا۔

تم خود اپنے حق میں دعا کیوں نہیں کرتے؟ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اس کی رحمت سے مایوس ہو کر ایک غار میں آ پڑے ہو۔ بہت روئے، بہت فریادیں کیں مگر وہ ہماری نہیں سنتا۔ جذامی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنی حالتِ زار بیان کر رہے تھے۔

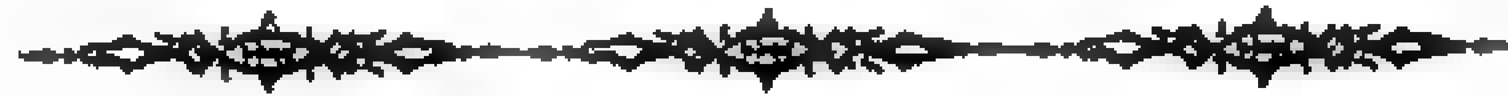
آخر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے غار کے قریب واقع ایک تالاب میں وضو کیا پھر دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد جذامیوں کے لئے دعائے خیر کرنے لگے۔ ناگہاں ایک صدائے غیبی سُنائی دی جسے جذامیوں نے بھی سُنا بہاء الدین! تمہیں نہیں معلوم، یہ گروہ زیرِ عتاب ہے، اس لئے ان لوگوں کا معاملہ ہماری بارگاہ میں پیش نہ کرو۔

ندائے غیب سُن کر جذامیوں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اب وہ اپنی صحت و زندگی سے مکمل طور پر مایوس ہو چکے تھے کہ ان کے لئے

ایک مردِ خدا بھی کچھ نہ کر سکتا تھا۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دعا جاری رکھی۔ آپ کے لہجے میں مزید رقت پیدا ہو گئی تھی۔ اے میرے پروردگار! تیری بارگاہ کرم کے سوا یہاں کون سی بارگاہ ہے؟ اگر میں ان لوگوں کا معاملہ تیرے دربار کرم میں پیش نہ کروں تو یہ مجبور و مقہور کس کے دروازے پر جائیں گے؟ یہ کتنے بھی معتوب سہی مگر تیری رحمت ہمیشہ تیرے قہر پر غالب رہتی ہے۔ اپنی اسی رحمتِ بے پناہ کے صدقے میں انہیں معاف کر دے۔

بالآخر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی دعا قبول ہوئی اور آپ نے جذامیوں سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر تالاب میں غسل کریں حالانکہ وہ کوڑھی روزانہ اس تالاب میں نہاتے تھے مگر جب ایک مردِ حق نے بیماروں کے لئے دعا کی تو وہ عام سا پانی آبِ شفا بن گیا اور تمام جذامیوں کے بدن اس طرح صاف شفاف ہو گئے جیسے وہ بھی اس خوفناک مرض میں مبتلا ہی نہ تھے۔



امام بری شاہ عبداللطیف سرکار علیہ الرحمہ

گوجر کی بھینس کے پتھر ہونے کا واقعہ

امام سرکار ندی نیلاں میں جن دنوں آپ چلہ کشی کر رہے تھے اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ کچھ کھا پی نہیں سکتے تھے صرف دودھ پیا کرتے تھے گوجر قوم کا ایک عقیدت مند روزانہ آپ کو دودھ دینے آتا تھا جس بھینس کا دودھ وہ گوجر آپ کے پاس لاتا وہ مرجاتی ہے گوجر دھن کا پکا تھا اپنی زبان سے یہ بات بری امام سرکار کو نہیں بتائی آخر کار ایک ایک کر کے تمام ختم ہو گئیں تو اگلے روز دودھ کی خاطر تمام گاؤں میں پھرا مگر ہر طرف سے مایوس ہوا چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اپنی داستان سنائی۔ آپ مسکرائے اور فرمایا جاؤ ندی کے کنارے چلتے جاؤ اور اپنی بھینسوں کے نام پکارتے جاؤ سب تمہارے پیچھے چلی آئی گی مگر خیال رکھنا کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا چنانچہ اس گوجر نے ایسا ہی کیا جب آخری بھینس کا نام لیا جو کہ ندی سے نکل رہی تھی تو گوجر نے پیچھے موڑ کر دیکھ لیا بھینس اسی جگہ پتھر کی بن گئی۔ گوجر پہلے تو پریشان ہوا مگر باقی بھینسوں کو دیکھ کر خوشی خوشی گھر چلا آیا۔

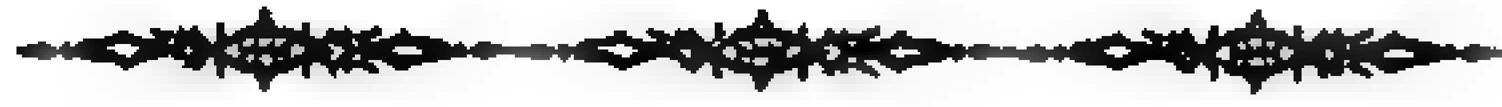
چور پور کو نور پور بنا دینے کا واقعہ

ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کہیں سفر پر جا رہے تھے اور آپ کا مرید خاص مٹھا شاہ بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ ابھی آپ نے چار کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ اچانک جنگل سے چند ڈاکو نکلے اور انہوں نے لوٹنے کی غرض سے آپ کا راستہ روک لیا مگر جونہی ان کی نظر آپ کے چہرہ مبارک پر پڑی اور انہوں نے آپ کی گفتگو سنی تو جرائم سے ہمیشہ کیلئے تائب ہو گئے اور اسی وقت آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کے مرید بن گئے۔ آپ نے یہیں اقامت اختیار کر کے تبلیغ کا کام شروع کر دیا اور اس طرح چور پور میں اسلام کے نور کی روشنی پھیلا کر اسے ہمیشہ کیلئے نور پور بنا دیا۔ یہ وہی نور پور شاہاں ہے جہاں آج آپ کا مزار مبارک ہے اور ہزاروں لوگ یہاں اپنی عقیدتوں کا اظہار کرنے آتے ہیں۔

درخت کو سرسبز ہوتے دیکھ کر ہندوؤں کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ

ایک روز آپ رحمۃ اللہ علیہ نور پور شاہاں کے جنگل میں عبادت الٰہی میں مصروف تھے کہ ہندوؤں کا ایک گروہ سبع سازو سامان سے داپھندا آپ کے قریب سے گزرا آپ نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں انہوں نے ہم اپنے گناہوں کو دھونے کیلئے گنگا میں نہانے کیلئے جا رہے ہیں تو حضرت بری امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انسانوں کے گناہ دریاؤں میں نہانے سے نہیں دھلتے بلکہ یہ گناہ عبادت الٰہی اور اعمال صالح سے جھڑتے ہیں اس پر ہندوؤں کے پنڈت نے کہا کہ اگر آپ کی بات درست

ہوتی تو آپ جو یہاں سالہا سال سے عبادت الٰہی میں مصروف ہیں اس کا کچھ تو اثر ظاہر ہوتا کم از کم اتنا ہی ہو جاتا کہ جس درخت کے نیچے بیٹھ کر آپ عبادت کر رہے ہیں وہی سرسبز و شاداب ہو جاتا تاکہ آپ سکون سے عبادت تو کر سکتے۔ بارش دھوپ اور دوسری موسی سختیوں سے آپ عبادت کرتے ہوئے محفوظ رہتے۔ اس پر حضرت بری امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کے قبضہ قدرت میں تو سب کچھ ہے ہم نے اس سے کچھ مانگا ہی نہیں اس کے بعد آپ نے درخت کی طرف رخ کر کے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے درخت سرسبز و شاداب ہو گیا۔ ہندوؤں نے جب یہ دیکھا تو اس قدر متاثر ہوئے کہ اسی وقت سارا گروہ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا۔



سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو علیہ الرحمہ

ایمان سلامت ہر کوئی منگے عشق سلامت کوئی ھُو
ایمان منگن شرماون عشقوں، دل نوں غیرت ہوئی ھُو
عشق بچاوے جس منزل، ایمان نوں خبر نہ کوئی ھُو
میرا عشق سلامت رکھیں باھو ایمانوں دیاں دھروئی ھُو

حضرت سلطان باھو علیہ الرحمہ کی فقہاہت کا بیان

سلطان الفقر (پنجم) سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ یکم جمادی الثانی 1039ھ (17 جنوری 1630ء) بروز جمعرات بوقت فجر شاہجہان کے عہدِ حکومت میں قصبہ شورکوٹ ضلع جھنگ ہندوستان (موجودہ پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ اعوان قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اعوانوں کا شجرہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریمُ سے جاملتا ہے۔ اعوان حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی غیر فاطمی اولاد ہیں۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کے والد بازید محمد رحمتہ اللہ علیہ پیشہ ور سپاہی تھے اور شاہجہان کے لشکر میں ممتاز عہدے پر فائز تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ ایک صالح، شریعت کے پابند، حافظِ قرآن فقیہہ شخص تھے۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ بی بی راستی رحمتہ اللہ علیہا عارفہ کاملہ تھیں اور پاکیزگی اور پارسائی میں اپنے خاندان میں معروف تھیں۔ حضرت سخی سلطان باھورحمتہ اللہ علیہ کی پیدائش سے قبل ہی بی بی راستی رحمتہ اللہ علیہا کو ان کے اعلیٰ مرتبہ کی اطلاع دے دی گئی تھی اور ان کے مرتبہ فنا فی ھُو کے مطابق ان کا اسمِ گرامی "باھُو" الہاماً بتا دیا گیا تھا جیسا کہ حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ باھُو رحمتہ اللہ علیہ کی ماں نے نام باھُو رحمتہ اللہ علیہ رکھا کیونکہ باھُو رحمتہ اللہ علیہ ہمیشہ ھُو کے ساتھ رہا۔

کافر بھی دیکھتا تو مسلمان ہو جاتا تھا

حضرت سخی سلطان باھورحمتہ اللہ علیہ پیدائشی عارف باللہ تھے۔ اوائل عمری میں ہی آپ رحمتہ اللہ علیہ واردات غیبی اور فتوحات لاریبی میں مستغرق رہتے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ابتدائی باطنی و روحانی تربیت اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی پیشانی نورِ حق سے اس قدر منور تھی کہ اگر کوئی کافر آپ رحمتہ اللہ علیہ کے مبارک چہرے پر نظر ڈالتا تو فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا۔

تیس سال تک مرشد کی تلاش میں گزارنے کا بیان

آپ رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتب میں بیان فرماتے ہیں کہ "میں تیس سال تک مرشد کی تلاش میں رہا مگر مجھے اپنے پائے کا مرشد نہ مل سکا"۔ یہ اس لیے کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ فقر کے اس اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے جہاں دوسروں کی رسائی بہت مشکل تھی۔ چنانچہ آپ

رحمتہ اللہ علیہ اپنا ایک کشف اپنی کتب میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ رحمتہ اللہ علیہ دیدار الٰہی میں مستغرق شور کوٹ کے نواح میں گھوم رہے تھے کہ اچانک ایک صاحبِ نور، صاحب حشمت سوار نمودار ہوئے جنہوں نے اپنائیت سے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے قریب کیا اور آگاہ کیا کہ میں علی رضی اللہ عنہ ابنِ ابی طالب رضی اللہ عنہ ہوں اور پھر فرمایا کہ "آج تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں طلب کیے گئے ہو"۔ پھر ایک لمحے میں آپ رحمتہ اللہ علیہ نے خود کو آقا پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پایا۔ اس وقت اس بارگاہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام اہل بیت رضی اللہ عنھم حاضر تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ رحمتہ اللہ علیہ پر توجہ فرمائی اور مجلس سے رخصت ہوئے، بعدازاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی توجہ فرمانے کے بعد مجلس سے رخصت ہو گئے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں دستِ مبارک میری طرف بڑھا کر فرمایا "میرے ہاتھ پکڑو" اور مجھے دونوں ہاتھوں سے بیعت فرمایا۔ بعدازاں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمایا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جب فقر کے شاہسوار نے مجھ پر کرم کی نگاہ ڈالی تو ازل سے ابد تک کا تمام راستہ میں نے طے کر لیا"۔ پھر حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے دہلی میں حضرت عبدالرحمٰن جیلانی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر ظاہری بیعت کی اور ایک ہی ملاقات میں فقر کی وراثت کی صورت میں اپنا ازلی نصیبہ ان سے حاصل کر لیا۔

بارہ سال بغیر کھانے کے ریاضت کرنے کا واقعہ

حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کا تعلق سلسلہ سروری قادری سے ہے۔ سلسلہ قادری کا آغاز حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا اور اس کی دو شاخیں "سروری قادری" اور "زاہدی قادری" ہیں۔ حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کا سلسلہ سروری قادری ہے اور آپ رحمتہ اللہ علیہ سروری قادری طریقہ کو ہی اصل قادری یا کامل قادری تسلیم کرتے ہیں۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قادری طریقہ بھی دو قسم کا ہے، ایک سروری قادری اور دوسرا زاہدی قادری۔ سروری قادری مرشد صاحب اسمذات ہوتا ہے اس لیے وہ جس طالب اللہ کو حاضرات اسمِ ذات کی تعلیم و تلقین سے نوازتا ہے تو اسے پہلے ہی روز اپنا ہم مرتبہ بنا دیتا ہے جس سے طالب اللہ اتنا لایحتاج و بے نیاز متوکل الی اللہ ہو جاتا ہے کہ اس کی نظر میں مٹی و سونا برابر ہو جاتا ہے۔ زاہدی قادری طریقے کا طالب بارہ سال تک ایسی ریاضت کرتا ہے کہ اس کے پیٹ میں طعام تک نہیں جاتا، بارہ سال کی ریاضت کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی دستگیری فرماتے ہیں اور اسے سالک مجذوب یا مجذوب سالک بنا دیتے ہیں اس کے مقابلے میں سروری قادری کا مرتبہ محبوبیت کا مرتبہ ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

آپ رحمتہ اللہ علیہ سروری قادری مرشد کا مرتبہ یوں بیان فرماتے ہیں: سروری قادری کی ابتداء کیا ہے؟ قادری کامل (سروری قادری) نظر سے یا تصورِ اسمِ ذات سے یا ضربِ کلمہ طیب سے یا باطنی توجہ سے طالب اللہ کو معرفتِ الٰہی کے نور میں غرق کر کے مجلسِ

محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حضوری میں پہنچا دیتا ہے کہ طریقہ قادری میں یہ پہلے ہی روز کا سبق ہے۔ جو مرشد اس سبق کو نہیں جانتا اور طالبوں کو مجلسِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حضوری میں نہیں پہنچاتا وہ قادری کامل ہرگز نہیں۔ (کلید التوحید کلاں)

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اسی اعلیٰ ترین پائے کے مرشد کامل اکمل ہیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو حق تعالیٰ کا طالب ہے میں اس کے لیے حاضر ہوں۔ میں اسے ابتدا سے انتہا تک فوراً پہنچا دیتا ہوں۔ اے طالب آ۔ اے طالب آ۔ اے طالب آ تا کہ میں تجھے پہلے ہی دن اللہ تعالیٰ تک پہنچا دوں۔

فقر میں حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کا مقام و مرتبہ ہر کسی کے وہم و گمان سے بھی بالاتر ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ سلطان الفقر پنجم کے مرتبہ پر فائز ہیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کو وہ خاص روحانی قوت حاصل ہے کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ قبر میں بھی زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جب سے لطفِ ازلی کے باعث حقیقتِ حق کی عین نوازش سے سربلندی حاصل ہوئی ہے اور حضور فائض النور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام خلقت، کیا مسلم، کیا کافر، کیا بانصیب کیا بے نصیب، کیا زندہ کیا مردہ سب کو ہدایت کا حکم ملا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ گوہر فشاں سے مجھے مصطفیٰ ثانی اور مجتبیٰ آخر زمانی فرمایا ہے"۔ (رسالہ روحی شریف)

حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے ہر لحہ استغراقِ حق میں مستغرق رہنے کی وجہ سے ظاہری علم حاصل نہیں کیا لیکن پھر بھی آپ رحمتہ اللہ علیہ نے طالبانِ مولیٰ کی رہنمائی کے لیے ایک سو چالیس کتب تصنیف فرمائیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی تمام کتب علمِ لدنی کا شاہکار ہیں۔ ان کتب کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ انہیں ادب اور اعتقاد سے پڑھنے والے کی مرشدِ کامل اکمل تک راہنمائی ہو جاتی ہے۔ اپنی تمام کتب میں آپ رحمتہ اللہ علیہ نے معرفتِ الٰہی کی منازل طے کرنے کے لیے راہِ فقر اختیار کرنے اور مرشدِ کامل کی زیرِ نگرانی ذکر و تصورِ اسمِ ذات کی تلقین کی ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ ذکر و تصورِ اسمِ ذات کو قلب (باطن) کی کلید فرماتے ہیں جس کے ذریعے تزکیہ نفس اور تجلیۂ روح کے بعد طالبِ مولیٰ کو دیدارِ الٰہی اور مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری کے اعلیٰ ترین مقامات عطا ہوتے ہیں۔

حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں تیس سال ایسے طالبِ حق کی تلاش میں رہا جسے میں وہاں پہنچا سکوں جہاں میں ہوں لیکن مجھے ایسا طالبِ حق نہ مل سکا"۔ چنانچہ آپ رحمتہ اللہ علیہ امانتِ فقر کسی کے بھی حوالے کیے بغیر وصال فرما گئے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کا وصال یکم جمادی الثانی 1102ھ (بمطابق یکم مارچ 1691ء) بروز جمعرات بوقت عصر ہوا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے ظاہری وصال کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے سیّد محمد عبداللہ شاہ مدنی جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کو آپ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں منتخب کر کے بھیجا گیا جنہیں آپ رحمتہ اللہ علیہ نے امانتِ فقر سونپی۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کا مزار مبارک گڑھ مہاراجہ ضلع جھنگ پاکستان میں ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کا عرس ہر سال جمادی الثانی کی پہلی جمعرات کو منایا جاتا ہے۔



فرشتوں کا لنگر خانے میں لنگر جمع کرانے کا واقعہ

ایک دفعہ حضرت میاں شیر محمد صاحب کے عرس مبارک پر ایک خادم نے آ کر حضور ثانی صاحب سے کہا کہ حضور آٹا، دال، گھی وغیرہ ختم ہو گیا ہے حضرت ثانی صاحب نے ٹین کے شیڈ کے پاس کھڑے ہو کر دربار شریف حضرت میاں شیر محمد صاحب کی طرف توجہ فرمائی اور بیٹھک میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بیل گاڑی آئی جس پر آٹے اور دال کے تھیلے اور گھی کے ٹین تھے۔ بیل سفید رنگ کے تھے اور آدمیوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے آپ کو بتایا گیا۔ آپ نے کہا سامان اتروالو اور ان سے کچھ نہیں کہنا۔ جب سامان اتار لیا گیا تو وہ آدمی بیل گاڑی لے کر حضرت میاں صاحب کی بھینسوں والی حویلی کی طرف چل پڑے۔ ایک خادم کے دل میں خیال آیا کہ یہ آدمی اتنا لنگر کا سامان لے کر آئے ہیں اور ہم نے انہیں کھانا تک نہیں پوچھا وہ ان کے پیچھے بھاگا جب ان کے قریب ہی پہنچا تھا تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی آدمی نے اسے پیچھے سے کھینچا ہے جب اس نے پیچھے دیکھا تو پیچھے کوئی نہیں تھا اور جب آگے دیکھا تو بیل گاڑی غائب تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ ان کے سے کچھ نہ کہنا وہ فرشتے تھے وہ لنگر کا سامان لے کر آئے تھے۔

صحبت نیکاں اَنج کر جانی جیویں دکان عطاراں بھانویں کُجھ خریدے ناہی ہُلّے آن ہزاراں

صحبت کیمیا اثر کرتی ہے۔ یہ ذکر سے بہتر ہوتی ہے یہ انداز فکر بدل ڈالتی ہے۔ حضرت ثانی لاثانی کی مثال نے لاتعداد لوگوں کو دل کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ آپ کی یہی کرامت تھی کہ آپ سے ملنے والے دوسروں سے ممتاز نظر آتے تھے وہ عام لوگوں جیسے نہ تھے وہ دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار اور شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے تھے۔

پاک دامنی کی برکت نے دعاؤں کے شہر پر فتح حاصل کر لی

ایک مرتبہ دہلی میں قحط پڑا۔ بارش ہونا بند ہو گئی۔ جس کی وجہ سے دریا، نہریں اور تالاب خشک ہو گئے۔ پانی اور غلے کی قلت ہو گئی۔ ہر طرف گرمی کی وجہ سے لوگ بے تاب ہو گئے، بچے تڑپنے لگے جانور پریشان ہو گئے، چرند پرند نڈھال ہو گئے سب پریشان تھے کہ قحط سالی کیسے ختم ہو۔

علماء کرام نے فیصلہ کیا کہ سارے شہر والے مرد عورتیں بچے بوڑھے خود بھی باہر نکلیں اور اپنے جانوروں کو بھی باہر لائیں اور ایک بڑے میدان میں نماز استسقاء ادا کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں تاکہ اللہ تعالیٰ رحمت کی بارش برسا دیں۔

دہلی کا شہر اس وقت چھوٹا ہوتا تھا۔ چنانچہ سب لوگ باہر نکلے، نماز استسقاء ادا کی اور رو رو کر دعائیں مانگنے لگے کہ اے رب کریم اپنی رحمت سے بارش نازل فرما اور ہمیں اس مشکل سے نجات عطا فرما۔ مگر ظاہری طور پر کوئی اسباب نظر نہ آئے۔

اسی دوران ایک نوجوان اپنی والدہ کے ہمراہ اونٹ پر سوار قریب سے گزرا۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو رک گیا۔ اپنے اونٹ کو وہیں روک کر مجمع کے پاس آیا اور پوچھا کہ یہ لوگ کیوں جمع ہیں؟

لوگوں نے بتایا کہ قحط سالی سے تنگ آ کر لوگ بارش کے لئے دعا مانگ رہے ہیں لیکن بارش کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ میں آپ کے لئے بارش کی دعا مانگتا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنی سواری کے پاس گیا۔ اس نے اپنی والدہ کی چادر کا دھاگہ لے کر کچھ الفاظ کہے۔ اس کے الفاظ کہنے کی دیر تھی کہ اسی وقت آسمان پر بادل نمودار ہوئے۔ مجمع وہی تھا۔ علماء مشائخ وہیں، مرد عورتیں وہیں کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کی بارش برسا دی۔ اتنی بارش ہوئی کہ لوگ نہال ہو گئے۔ علماء کرام بڑے حیران ہوئے کہ کیا وجہ ہے کہ اتنے لوگوں نے دعا مانگی مگر قبول نہ ہوئی اور اس نوجوان نے دعا مانگی اور قبول ہو گئی۔ چنانچہ اس نوجوان کے پاس جا کر پوچھا کہ آپ نے کونسی دعا مانگی؟

وہ کہنے لگا کوئی ایسی خاص دعا تو نہیں البتہ میں ایک نیک ماں کا بیٹا ہوں میری ماں بہت نیک ہے، کبھی جان بوجھ کر گناہ کا کوئی کام نہیں کیا۔ اور ہمیشہ باپردہ رہتیں ہیں۔ جب آپ نے کہا کہ ہم مشکل اور پریشانی میں گرفتار ہیں تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں ایک ایسی ماں کا بیٹا ہوں جس نے اپنی پوری زندگی پاک دامنی میں گزار دی ہے۔

چنانچہ میں اپنے ماں کی چادر کا دھاگا لے کر دعا کہ یا اللہ عزوجل یہ اس خاتون کے دامن کا دھاگہ ہے، جس پر کسی نامحرم کی نظر نہ پڑی، اس کے طفیل باران رحمت عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ کو میری ماں کی نیکی اتنی پسند آئی کہ اس نے اس کے واسطے سے رحمت کی بارش برسا دی۔

پیاری بچیو! کیا آپ جانتیں ہیں وہ نیک اور پاک دامن خاتون کون تھیں۔ وہ مشہور زمانہ ولی اللہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی والدہ محترمہ تھیں، ان کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے آج کل کی بچیوں کو بھی چاہئے کہ باپردہ رہیں اور نیکی کی زندگی بسر کریں۔

لباس فقر و فکر میں عقل مند بیٹی کی نگاہ روحانیت کا بیان

یہ واقعہ حضرت رابعہ بصریہ کا ہے۔ 97ھ کی ایک رات ان کے والدین پر بڑی بھاری اور نازک تھی۔ یہ سرد اور تاریک رات تھی۔ اچانک رابعہ بصریہ کی والدہ کو دردِزہ شروع ہوا۔ آپ کے والد گرامی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ بڑے پریشان ہوئے کروں تو کیا کروں۔ چراغ جلانے کے لئے تیل کہاں سے لاؤں۔ پکانے کیلئے گھی کدھر سے لاؤں۔ یہ مشکل گھڑی بھی گزری اور نوازئیدہ کی آواز نے سب کو متوجہ کیا۔ اسماعیل کے کانوں میں آواز پڑی تو دل دھڑ کنے لگا کہیں ایسا نہ ہو کہ اب کے بھی لڑکی پیدا ہوئی ہو۔ کیونکہ وہ پہلے بھی تین لڑکیوں کے باپ تھے۔ مگر یہ آواز لڑکی ہی کی تھی، لڑکا یا لڑکی دینا اللہ کا کام ہے۔ اس میں باپ یا ماں کا کچھ ہاتھ نہیں ہوتا۔ اسماعیل نے بچی کا نام رابعہ رکھ دیا کیونکہ یہ چوتھی لڑکی تھی۔ غربت کا یہ عالم تھا کہ گھر میں سردی سے بچاؤ کیلئے کپڑا بھی کم تھا ماں

اور بہنوں نے اصرار کیا کہ فلاں پڑوسی کے ہاں جاؤ اور تھوڑا سا تیل ہی لے آؤ۔

جب باپ پڑوسی کے گھر پہنچا تو وہ سو رہا تھا آپ بنا مانگے ہی واپس آ گئے۔ غیرت نے گوارہ نہ کیا کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤں۔ واپس آئے تو بڑی بیٹی نے قدموں کی آہٹ سنتے ہوئے پوچھا، بابا تیل ملا؟ تیل لائے ہو؟ نہیں بیٹی! باپ نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

باپ کا یہ جواب سن کر بیٹی نے کہا آپ کسی دوسرے دروازے پر چلے جاتے تیل مل جاتا تو روشنی ہو جاتی۔ باپ نے کہا دوسرا دروازہ ہاں بابا دوسرا دروازہ باپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور روتے ہوئے کہنے لگے بیٹی دوسرا دروازہ تو ہمیشہ کھلا رہتا ہے مگر اسے دستک دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ ہمارے حال کو جانتا ہے۔ اسی حال میں آنکھ لگ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا۔ فرمانے لگے اسماعیل رنجیدہ نہ ہو۔ تم امیر بصرہ کے پاس جاؤ۔ اس سے جا کر کہو تم جورات کو 100 بار اور ہر جمعہ کی رات 400 بار درود پڑھا کرتے تھے اس جمعہ کو کیوں نہ پڑھا؟ اور کہنا کہ اس کفارہ میں 400 دینار میرے حوالے کر دیجئے۔

بیدار ہوتے ہی عجیب کیفیت کہ حضور کا دیدار ہوا اور اپنا قاصد بنا کر بصرہ بھیجا!!! چنانچہ رابعہ کے والد گرامی امیر بصرہ کے پاس گئے اس نے آمد کا سبب پوچھا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پہنچایا۔ اس پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی کیونکہ اس کے اس وظیفہ کی کسی اور کو خبر نہ تھی اٹھا اور چار سو دینار لا کر خدمت میں پیش کیے۔ زندگی کی گاڑی میں کچھ تیل پڑا۔ پھر ختم ہو گیا۔ رابعہ بصریہ اپنے باپ کے ساتھ ساتھ رہتیں جو ہمیشہ پریشان اور عبادت میں مشغول رہتا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ فجر کے وقت اٹھتیں۔ جب باپ دعا مانگتا تو ساتھ گریہ وزاری کرتیں۔ باپ سے ادب اور دین کی تعلیم بچپن ہی سے لینا شروع کر دی۔ ایک دن والد گرامی کھانے کو کچھ لائے تو سب بیٹھ کر شام کا کھانا کھانے لگے مگر رابعہ بصریہ کھانے سے دور رہیں۔ باپ نے کہا۔ رابعہ! تو کیوں نہیں کھاتی؟ آپ نے جواب دیا۔ ابو جی! خدا جانے یہ کھانا حلال ہے یا۔۔ یہ سن کر باپ چونکا اور دریافت کرنے لگا بیٹی کبھی ایسا پہلے ہوا ہے کہ حلال نہ ملا ہو۔ تو ہم نے حرام کی طرف ہاتھ بڑھایا ہو؟ آپ نے کہا ابو جی! ہمیں اس دنیا میں بھوک پر صبر کرنا چاہیے تاکہ آخرت میں آگ پر صبر نہ کرنا پڑے۔

اس بچی کی باتیں سن کر باپ بڑا خوش ہوتا اور حیران بھی جب کبھی کوئی سورت رابعہ بصری یاد کرتیں تو پہلے باپ کو سناتیں۔ باپ سن کر خوشی سے رونے لگ جاتا۔ باپ نے اس بچی کو اس نہج پر پرورش کی کہ بڑے بڑے اولیاء میں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔ آپ بھی باپ ہیں بچی کے بچے کے۔ آپ سے بھی پوچھ ہوگی کہ اولاد کو ادب سکھایا تھا؟ دین سکھایا تھا؟ کیا جواب دو گے؟ بچہ پیدا کرنے میں تمہارا کوئی کمال نہیں ہے۔ کمال یہ ہے کہ بچہ کمال تک پہنچا ہے کہ نہیں۔ بچیوں کو پردہ کراؤ اور سب سے پہلے سورہ نور پڑھاؤ۔ لڑکوں کو ادب سکھلاؤ اور سب سے پہلے سورہ یوسف پڑھاؤ۔

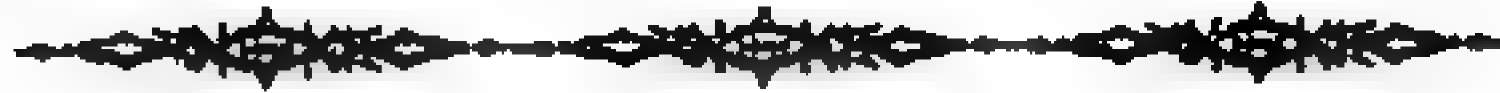
حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ

دین اکبر اور گمراہیوں کے خلاف سیسہ پلائی دیوار ہونے کا واقعہ

جب اکبر کا دین الٰہی بھی اپنا کام دکھانے لگا تھا حضرت شیخ احمد سرہندی نے ان تمام فتنوں کے خلاف مسلمانوں کو شعور اور آگہی عطا کی۔ علماء سوء اور بھٹکے ہوئے صوفیاء نے اپنے اپنے مفادات کے تابع حضرت شیخ احمد کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کی، لیکن حضرت شیخ احمد نے اپنے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کے سوچے ہوئے مشن اور نصب العین کو پورا کرنے کا پختہ عزم کرلیا تھا۔ اکبر اور جہانگیر کے دربار میں دو ہزاری اور پنج ہزاری خلعتیں رکھنے والے متعدد درباری ان کے خلاف کھل کر سامنے آنے لگے حضرت مجدد الف ثانی ایک طرف تبلیغ و تربیت کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے اور دوسری طرف شاہی درباروں میں ہونے والی سازشوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ کئی مسلمانوں علماء جہانگیر کے کان بھرنے لگے اور حضرت شیخ احمد سرہندی کے خلاف زہر اگلنے کا کام تیز تر ہوگیا۔ ادھر حضرت کی تبلیغ کے ثمرات سامنے آنے لگے اور کئی اعلیٰ افسر شیخ احمد سرہندی کی تعلیمات سے متاثر ہو کر ان کے مرید بن گئے۔ سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے متاثر ہوکر جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی کے حامی کئی فوجی جرنیلوں کو دور دراز علاقوں میں تبدیل کر دیا اور آپ کے ایک خاص مرید جرنیل مہابت خان کو انتقام کے طور پر کابل بھیج دیا۔ لیکن حضرت کے پایہ استقلال میں لغزش نہ آنے پائی اور انہوں نے لوگوں کو اللہ اور رسول اللہ کی تعلیمات کی طرف بلانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ جہانگیر نے حکم دیا کہ حضرت مجدد الف ثانی ان کے دربار میں حاضر ہوں اور دربار کی روایت کے مطابق بادشاہ کو سجدہ تعظیمی بجا لائیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندی نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ سجدہ صرف خدا تعالیٰ کو روا ہے اور وہ اس کے سوا نہ کسی کے سامنے جھکے ہیں اور نہ جھکیں گے، کوئی فانی شخص سجدہ کا سزاوار نہیں۔

بادشاہ حضرت مجدد الف ثانی کے اس اعلان حق پر مشتعل ہوگیا اور اس نے غصے میں بپھر کر یہ حکم دے دیا کہ حضرت مجدد الف ثانی کو گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا جائے۔ جہانگیر کے اس اقدام نے حضرت مجدد الف ثانی کے پیروکاروں کو سخت مضطرب کر دیا، کابل سے مہابت خان نے جہانگیر کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا فیصلہ کیا لیکن حضرت مجدد الف ثانی نے مہابت خان کو پیغام بھیجا کہ وہ اس فیصلہ پر عمل سے باز رہے حضرت مجدد الف ثانی نے تین سال تک قلعہ گوالیار کے قید خانے میں صعوبتیں جھیلیں اور قفس میں بھی قیدیوں کو قرآن و سنت کی تعلیم دیتے رہے اور بادشاہ کے مصاحبوں کو گوالیار سے بھی مکاتیب لکھتے رہے اور انہیں اسلام کی حقانیت اور صداقت کا پیغام پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

پھر وہ سعید گھڑی آئی جب جہانگیر کو حضرت مجدد الف ثانی کے پیغام کی سچائی کا احساس ہوا اور پھر وہ اپنی حماقتوں پر ہاتھ ملنے لگا اور اس نے حضرت سے اپنی غلطیوں پر شرمندگی اور ندامت کا اظہار کیا اور وہ تمام احکامات اور روایات منسوخ کر دی گئیں جو اکبر کے دین الٰہی کا ورثہ تھیں اور جنہوں نے اسلام کے چہرہ کو دھندلا دیا تھا، گمراہی کے بادل چھٹ گئے اور اسلام کا آفتاب پھر ہندوستان کے آسمان پر ضوفشاں ہو گیا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کا وصال 63 سال کی عمر میں 26 نومبر 1624ء کو ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے وصال سے تبلیغ، تصوف، معاشرتی اصلاح، تزکیہ و تقویٰ کا وہ سورج غروب ہو گیا۔



حضرت خواجہ نور محمد مھاوری علیہ الرحمہ

قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی علیہ الرحمہ کی ولایت کا بیان

خواجہ نور محمد مہاروی کھرل 14 رمضان 1146ھ کو چشتیاں بہاولنگر کی بستی چھوٹا سا مہار شریف میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا اسم گرامی پھندال خاں کھرل اور والدہ کا نام عاقل خاتون تھا۔ آپ کا سلسلہ چشتیہ ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں مہار شریف سے حاصل کی پھر تعلیم و تربیت اور فکری و روحانی فیض پانے کے لئے ڈیرہ غازی خاں لاہور اور پھر دہلی تشریف لے گئے اور یہاں پر حضرت خواجہ فخر الدین دھلوی کے مرید ہوئے جو نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ اور بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ پاکپتن والوں کے مرید تھے۔ اس وجہ سے آپ پاکپتن شریف سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور اس طرح آپ کا سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔ آپ اکثر جمعۃ المبارک کیلئے پاکپتن تشریف لے جاتے۔ طبیعت کی ناسازی اور ضعف العمری کی وجہ سے آپ کو شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بشارت ہوئی کہ پرانی چشتیاں میں میرے پوتے بابا تاج سرور مدفون ہیں وہاں پر جمعۃ المبارک کی ادائیگی کیا کرو۔ بعدازاں آپ نے اس درگاہ مبارکہ پر باقاعدہ حاضری دینا شروع کی اور باقی زندگی یہیں گزار دی۔

آپ کی اولاد مبارکہ میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ آپ مادرزاد ولی تھے۔ ایک روایت ہے کہ ایک فقیر نے والدہ محترمہ کو دیکھ کر کہا کہ دختر نیک اختر کے پہلو میں لال چھپا ہے۔ ایک اور بزرگ نے آپ کی والدہ محترمہ کو دیکھ کر فرمایا اور تعظیم کیلئے کھڑے ہو گئے کہ زمانہ قطب اور آفتاب جہاں تمہاری پیشانی میں جلوہ گر ہے۔ آپ کے کشف و روحانیت کا سلسلہ ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا ہوا ہے۔ آپ کے خلیفہ اول شاہ سلیمان تونسوی تھے۔ جن پر آپ انتہائی محبت اور شفقت فرماتے تھے۔ ایک روایت ہے کہ ایک شخص آپ سے بیعت ہونے کیلئے حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم بڑی دیر سے آئے ہو کہ دودھ کی بالائی تو پیر پٹھان کھا گیا۔ یعنی میری فقیری، کشف اور روحانیت کا زیادہ حصہ شاہ سلیمان تونسوی لے گئے ہیں، باقی لسی رہ گئی ہے۔

آپ کے خلفاء میں حضرت غلام فرید چاچڑاں شریف کوٹ مٹھن والے جن کی کافیاں دل موہ لیتی ہیں۔ نواب آف بہاولپور، محمد بہاول خاں ثانی کو بھی آپ سے والہانہ عقیدت تھی جو آپ کی بیعت بھی ہوئے۔ یہ سلسلہ حضرت خواجہ غلام رسول تونسوی، خواجہ نور محمد نکی مانیکا حضرت خواجہ عبدالکریم نوری، منڈی صادق گنج اور حضرت خواجہ خدا بخش خیر پور ٹامے والی تک جاتا ہے۔

قبلہ عالم کا وصال 1205ھ میں ہوا اور ہر سال یکم تا تین ذوالحج آپ کا عرس مبارک بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا

ہے۔دربارعالیہ پرتمام رسومات کی سرپرستی حضرت خواجہ غلام معین الدین مہاروی سجادہ نشین کرتے ہیں۔اس مرتبہ بھی عرس کا آغاز محفل حمد ونعت سے شروع ہوا۔سلسلہ چشتیہ سے منسلک تمام سجادگان محفل میں شریک ہوئے اور مزار اقدس پر حاضری دی۔عرس مبارک اپنے روایتی انداز میں جاری وساری ہے۔بڑی تعداد میں آپ کے عقیدت مند مزار شریف پر حاضری دیں گے۔تین ذوالحج کو چراغاں کی رات ہوگی اور آخر میں اجتماعی دعا ہوگی۔



شاہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ کا تعارف

سلطان العارفین، برہان العاشقین، سید الطائفہ، غوث زمان حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ العزیز تیرھویں صدی ہجری کے بڑے برگزیدہ اور جلیل القدر بزرگ تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے برصغیر ہندوپاک کے شمالی کونے میں جو مرکز رشد وہدایت قائم کیا اس کی کرنیں ہندو پاکستان کے گوشے گوشے میں پہنچیں۔ پنجاب، سندھ، سرحد، دہلی، لکھنو، دکن کے علاوہ افغانستان، ایران، عربستان تک سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہدایت کا چراغ بن کر واپس لوٹے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ چشتیہ نظامیہ سلسلہ کے آخری عظیم الشان بزرگ تھے، جن کے فیوض وبرکات اور جن کی مقبولیت عامہ نے مشائخ متقدمین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ، شیخ کبیر رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالی علیہ اور سلطان مشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی یاد تازہ کردی اور ان کی خانقاہوں کا مکمل نمونہ پیش کردیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے علمی تبحر، زہد وتقدس اور روحانیت وللہیت سے اتنی دنیا فیض یاب ہوئی اور اتنے لوگوں کی اخلاقی اصلاح ہوئی جس کا شمار کرنا مشکل ہے۔

خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے جس وقت شمالی ہندوستان میں مسند ارشاد بچھائی اس وقت مغلیہ حکومت دم توڑ چکی تھی، پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا اور انگریزی حکومت اپنے قدم جما رہی تھی، مسلمان معاشرہ پر ایک یاس وافسردگی کا عالم طاری تھا۔ حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے مسلمانوں کی دم توڑتی ہوئی سوسائٹی کو سہارا دینے کیلئے توکلا علی اللہ، شریعت اسلامی کے احیا کے لئے سرتوڑ کوشش کی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے تونسہ شریف میں اپنے پاس جید علماء کی ایک جماعت جمع کرکے ہزاروں مسلمانون کو علوم دینیہ کی انتہائی تعلیم دینے اور اس طرح اشاعت دین کا سامان پیدا کرنے کا اہم کام سرانجام دیا۔

آپ کی پیدائش وتربیت

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی ولادت ۱۱۸۰ھ میں گڑگوجی کے مقام پر ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی ولادت سے قبل بعض اہل کشف بزرگوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے والدین کو آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے متعلق بشارات دیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے والد ماجد کا اسم گرامی زکریا رحمۃ اللہ تعالی علیہ ہے۔ گڑگوجی ضلع لورالائی (بلوچستان) میں ہے اور تونسہ شریف سے شمال مغرب کی جانب تیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے والد ماجد کا انتقال

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بچپن میں ہو گیا تھا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک بڑے بھائی یوسف بھی عین عنفوان شباب میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی چار بہنیں تھیں۔ جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عمر چار برس کی ہوئی تو والدہ ماجدہ نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو قرآن مجید کی تعلیم کے لئے ملا یوسف جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سپرد کر دیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پندرہ پارے ان کے پاس رہ کر حفظ کئے۔ اس کے بعد جعفر قوم کے ایک حاجی صاحب کے پاس چند پارے پڑھے۔ پھر تونسہ شریف میں میاں حسن علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں آ گئے اور تونسہ کی بگی مسجد میں مقیم رہ کر پورا قرآن مجید حفظ کیا اور فارسی نظم ونثر کی ابتدائی کتابیں بھی انہی میاں حسن علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھیں۔ کچھ عرصہ بعد لانگھ پہنچے۔ یہ مقام تونسہ سے پانچ کوس مشرق کی جانب دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا۔ وہاں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولوی ولی محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ لانگھ سے کوٹ مٹھن چلے گئے وہاں قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے صاحبزادے قاضی احمد علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دارالعلوم قائم کر رکھا تھا جہاں علوم دینیہ کی انتہائی تعلیم دی جاتی تھی اس مدرسہ میں آپ نے نحو، منطق وفلسفہ کی کتابیں پڑھیں اور فقہ پر عبور حاصل کیا۔

آپ لوگوں کو نیکی کی دعوت دینے والے تھے

تمام تذکرہ نویسوں نے یہ روایت لکھی ہے کہ حضرت مولانا خواجہ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرمایا تھا کہ کوہ سلیمان کی بلند چوٹیوں پر ایک بلند پرواز شاہباز ہے اگر اس کو قید میں لا کر سدھا دیا گیا تو اس کی پرواز سدرۃ المنتہیٰ تک ہوگی اور وہ ملک سلیمان کا وارث ہوگا جس سے ہمارے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی بڑی اشاعت ہوگی اور چند علامات بھی بتلا دی تھیں۔ چنانچہ حضرت قبلہ عالم مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمیشہ اس شاہباز کی تلاش میں اوچ شریف اور کوٹ مٹھن وغیرہ کی طرف سفر فرمایا کرتے تھے۔ ادھر شکار کا یہ حال تھا کہ افغانی خون آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رگوں میں ابل رہا تھا اور جوش جوانی کے ساتھ دینی غیرت اور ایمانی جرأت کا یہ حال تھا کہ جہاں کہیں کوئی خلاف شریعت کام دیکھتے امر معروف کے لئے چلے جاتے۔

سینے کے منور ہو جانے کا واقعہ

اسی عرصہ میں ایک روز قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقام اوچ شریف پر تشریف فرما ہوئے۔ قاضی محمد عاقل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سب طلباء وفقراء آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت کے لئے اوچ روانہ ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سن رکھا تھا کہ قبلۂ عالم سماع، سنتے ہیں اور ان کے بعض مریدین وجد کی حالت میں رقص کرتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ بات ناپسند تھی (انہیں یہ گمان گزرا کہ شاید سماع مزامیر کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ آپ علیہ الرحمۃ جملہ شرائط وآداب مشائخ کے ساتھ مجلس سماع سنتے تھے)۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ موقع غنیمت جانا اور امر معروف کے ارادہ سے اوچ شریف روانہ ہوئے مگر قدرت الٰہی اپنا فیصلہ کچھ اور رقم کر چکی تھی اور جہاں امر معروف کرنے چلے تھے وہاں کے غلام بے دام بن کے آ گئے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے پیرزادہ حضرت نور احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنی بیعت کا واقعہ سناتے ہوئے اس ملاقات و بیعت کی تفصیل یوں بیان فرمائی:

جب ہم وہاں (اوچ) پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کے ایک گروہ کے بیچ میں ایک بزرگ نہایت سادہ لباس میں مجلس آرا ہیں۔ ان کی سادگی دیکھ کر میرا یقین بڑھ گیا۔ تین روز ہم ان کی خدمت میں رہے، مگر مجھے اپنا کام کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ میں دیکھتا رہا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بار ہا میری طرف گھور گھور کر دیکھتے اور قاضی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے میرے متعلق کچھ پوچھتے ہیں۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو میرے ارادہ کا علم تھا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ فقیر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں امر معروف کی نیت سے حاضر ہوا ہے۔ یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اچھا! بڑا عالی ہمت اور بلند ارادہ شخص معلوم ہوتا ہے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا، آخری روز میں نے بڑی حسرت کے ساتھ اپنے ساتھی سے کہا کہ افسوس ہم اپنا کام نہ کر سکے اور اب جا رہے ہیں۔ چلو سلام کر کے رخصت ہو لیں۔

میں نے سلام کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ابھی میں چند قدم پیچھے تھا کہ فوراً حضرت نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ نہیں معلوم کیا تھا کہ لرزہ میرے جسم پر اور بے حسی میری روح پر غالب آئی۔ چھری میرے ہاتھ میں سے گر پڑی جو میرے ساتھی نے اٹھالی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیر تک میرے دائیں ہاتھ کو پکڑے رہے یہاں تک کہ جوتا اسے دوسرے ہاتھ سے رخصت کرتے۔ اسی حالت میں چل دیے اور ایسے تیز چلے کہ میرے قدم اکھڑے جاتے تھے یہاں تک کہ میرے ایک پاؤں سے جوتا نکل گیا۔ اسی صورت میں مجھے آپ سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے روضۂ منورہ میں لے گئے اور مزار کے سرہانے ٹھہرا دیا۔ میرا دل اڑ گیا جی میں آیا خدا کرے میرا ہاتھ کبھی نہ چھوڑیں۔ اپنے دونوں ہاتھ میرے ہاتھ سمیت مزار پر رکھ کر کافی دیر چپ چاپ کھڑے رہے۔ پھر فاتحہ پڑھ کر دروازہ پر تشریف لائے۔ لوگوں کو روضۂ سے باہر نکال کر بائیں ہاتھ سے دروازہ اندر سے بند کر کے بیٹھ گئے اور مجھے بھی بٹھا دیا مگر ابھی تک میرا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ کچھ کلام خود پڑھی اور کچھ مجھے پڑھائی اور میرے سینہ پر دم کی اور میرے دونوں ہاتھ سینہ پر ملے اور پھر ان کو چھوڑ دیا اور فرمایا اے میاں جہاں علم حاصل کرنا چاہے جا اور پڑھ اس کے بعد وقفے وقفے سے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے ایک دفعہ انہوں نے دہلی میں خواجہ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضری کا حکم دیا۔

دہلی کی جانب سفر کرنے کا واقعہ

اس وقت آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عمر سولہ برس کی تھی۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زاد سفر کے بغیر سخت گرمی میں دہلی کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اوچ، بہاولپور، دلاور، جودھپور، اجمیر شریف، جے پور اور ریواڑی سے ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ یہ عشق کی بات ہے۔ عشق و محبت کا یہ متوالا، ریگستان کا طویل اور کٹھن سفر طے کرنے کے بعد جب دہلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ دو روز قبل حضرت مولانا خواجہ فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت کے مدرسہ میں ٹھہرے اور چالیس روز

تک حضرت کے مزار پر معتکف رہ کر روحانی فیوض حاصل کئے۔ پھر واپس مہار تشریف لائے۔

مہار شریف پہنچ کر قبلۂ عالم کے حکم کے مطابق حافظ خدا بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مسجد میں مقیم ہو کر ریاضت وعبادت میں مشغول ہو گئے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رات دن ذکر پاس انفاس اور وقوف قلبی میں مصروف رہتے۔ صرف مجلس کے اوقات میں حضرت قبلۂ عالم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حضرت سے تصوف کی کتابوں کا سبق پڑھتے۔

ریاضت شاقہ اور ذکر الٰہی کی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا دل عشق حق تعالیٰ میں بھونا گیا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو محبت ذاتیہ کا مرتبہ نصیب ہوا۔ حالات عشقیہ اور کیفیات وجد کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

آنکھوں سے آنسو جاری ہو جانے کا واقعہ

ایک مرتبہ مہار شریف میں نواب غازی الدین خان کے مکان پر جملہ شرائط و آداب مشائخ کے ساتھ مجلس سماع ہو رہی تھی۔ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی موجود تھے۔ قوال مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی غزل پڑھ رہے تھے جب یہ شعر پڑھا:

از مدرسہ بہ کعبہ روم یا بہ میکدہ   اے پیرِ رہ بگو کہ طریق صواب چیست

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایسا وجد ہوا کہ دونوں آنکھوں سے خون کے آنسو جاری ہو گئے کچھ دیر بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سماع بند کرادیا اور اپنی چادر مبارک آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اوپر ڈال دی اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اٹھوا کر اپنے حجرہ میں لے گئے۔ حضرت میاں نور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نارووالہ اور قاضی محمد عاقل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ پٹھان بہت خوش نصیب ہے۔ ایک ہی دفعہ پرواز کر کے تجلی ذاتی کے مقام تک پہنچ گیا ہے۔ ظہر کی اذان کے ساتھ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ہوش آ گیا۔ قبلۂ عالم کی چادر کو پہچانا اور سر پر رکھ کر مسجد کو چلے گئے۔

آپ کا قیام تونسہ شریف

تونسہ شریف میں مقیم ہو کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مشائخ سلسلہ کی طرح وسیع پیمانہ پر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آہستہ آہستہ بہت سے بلند پایہ علماء آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں آ کر مستقل طور پر آباد ہو گئے اور ہزاروں طلبہ ان سے دینی علوم حاصل کرنے لگے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود بھی تصوف کی بعض کتابیں احیاء العلوم، عوارف المعارف، فتوحات مکیہ وغیرہ اپنے مخصوص مریدین وخلفا کو پڑھاتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں تقریباً پچاس استاد تھے اور ہر ایک استاد کا الگ الگ حلقہ تھا، جہاں منطق وفلسفہ کے علاوہ فقہ، حدیث، تفسیر کی تعلیم دی جاتی تھی اور علماء اور طلبا کے سب اخراجات آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لنگر سے پورے ہوتے تھے۔ اس طرح گویا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تونسہ شریف میں ایک دار العلوم قائم کر دیا جس کے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود سرپرست تھے۔ جہاں ان تمام علماء وطلبا کی اخلاقی تربیت بھی کی جاتی اس لحاظ سے یہ مدارس اپنا

ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔

سکھوں کے قبضہ کی پیش گوئی کا واقعہ

اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں، جیسا کہ اہلسنت والجماعت کی تمام کتابوں میں تصریح ہے اور تواتر اور تسلسل کے ساتھ اولیاء کاملین سے ظاہر ہوتی چلی آئی ہیں۔ حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی رات دن کشف و کرامات اور خرق عادات کا ظہور ہوتا رہتا تھا۔

نواب اسد خان والئی سنگھڑ کے ظلم و تعدی سے لوگ تنگ آ گئے، تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں شکایت کی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے بلا کر فرمایا: تمہاری حکومت میں ہمیں صرف اتنا فائدہ ہے کہ اذان کی آواز سن لیتے ہیں، ظلم وستم سے ہاتھ اٹھا ورنہ میں تو سکھوں کی فوج کو یہاں دیکھ رہا ہوں۔ لیکن نواب مذکور ظلم سے باز نہ آیا اور تھوڑے دنوں میں سکھوں کا لشکر آ گیا اور جس ٹیلہ کی طرف آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اشارہ کیا تھا وہیں آ کر ڈیرہ ڈالا۔ بعد میں جب لوگوں نے اس بارے میں عرض کیا تو فرمایا: اعمالکم عمالکم تمہارے اعمال ہی تمہارے حاکم ہیں تم نے جب شریعت کی پابندی چھوڑ دی ہے تو حق تعالیٰ نے تم پر کافروں کو مسلط کر دیا ہے۔

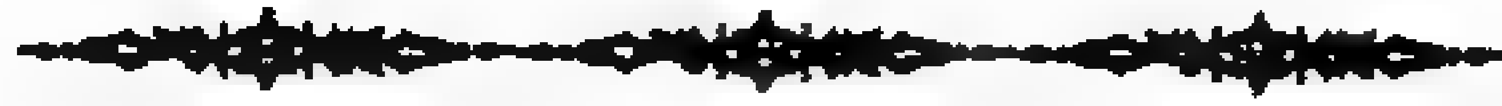
آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ہر حال میں اس بات کا خیال رہتا تھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قدم جادۂ شریعت سے ہٹنے نہ پائے۔ چنانچہ ہر قول و فعل آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شریعت کے مطابق ہوتا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے، ہمارا اصلی کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے، اگر ایک شخص ہوا میں اڑتا ہوا نیچے اتر آئے لیکن اس کا ایک فعل بھی جادۂ شریعت سے باہر ہو تو وہ کوئی شے نہیں، ایک دفعہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دونوں پاؤں قرآن مجید کے اوپر ہیں، گھبرا کر اٹھے، اور بہت پریشان ہوئے۔ علماء کو بلا کر تعبیر پوچھی۔ مولانا محمد عابد سوکڑی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تعبیر دی کہ خدا نے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ظاہری و باطنی متابعت عطا فرمائی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دونوں قدم قرآن مجید کے احکام پر ثابت ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اور سب علماء نے اس تعبیر کو پسند کیا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مشائخ سلسلہ کی طرح امراء اہل دول سے بہت اجتناب فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے دولت مندوں کی دوستی دلوں کو مردہ کر دیتی ہے۔

فقراء کی جوتیوں کے سبب مقام مقربین ملنے کا بیان

ایک مرتبہ ڈیرہ غازی خان کے نواب عبدالجبار خان نے درویشوں کے اخراجات کے لئے جاگیر کی پیش کش کی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہم ہرگز جاگیر نہ لیں گے۔ یہ ہمارے مشائخ کی سنت کے خلاف ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ صاحبزادہ گل محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لئے قبول فرمالیں۔ فرمایا گل محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی اس کی حاجت نہیں۔ اگر یہ فقرا کی جوتیاں سیدھی کرتا رہا تو مقربین اس کی خدمت کریں گے۔ تقریباً تریسٹھ برس تک مسند ارشاد پر بیٹھ کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علماء، صلحاء،

امراء اور عامۃ المسلمین کی رہنمائی فرمائی آخری عمر میں آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو سلسل البول اور گھٹنوں کے درد کی تکلیف رہنے لگی مگر معمولات میں کوئی فرق نہ آنے دیا حتیٰ کہ صفرہ کو سحری کے وقت پاس انفاس کا شغل کرتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔ جنازہ میں اتنی مخلوق نے شرکت کی، جس کا شمار نہیں ہوسکتا تھا۔



حضرت خواجہ عظمت اللہ تو گیروی علیہ الرحمہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ حضور خواجہ حافظ قبلہ عظمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ تو گیرہ شریف کے باشندہ ہیں، مہار شریف سے مشرق کی طرف اٹھارہ کوس کے فاصلے پر یہ گاؤں تو گیرہ شریف واقع ہے۔ ضلع بہاولنگر کے دیہات میں سے اس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی سکونت قدیمی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آباء واجداد پرانے زمانے سے یہاں آباد تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آباء واجداد بھی نیکی ،شرافت ،اور دینداری میں مشہور ہیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان علمِ دینیہ سے ہمیشہ بہرور رہا چنانچہ اپنی سابقہ روایات کے مطابق جناب حافظ عظمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بچپن میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا بعد از حفظِ قرآن علومِ اسلامیہ کے حصول میں کوشاں ہوئے ،مختلف علماء حق سے خوشہ چینی کی اور آخر العمر حضور قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے فراغت علمِ اصول وفروع کے بعد علمِ باطن اور علمِ قلب کے حصول میں مصروف ہوئے ،خواجہ قبلہ عالم کے دستِ مبارک پر شرف بیعت حاصل کیا اور کارِ فقر میں ہمہ تن مشغول ہو گئے نہایت ہی مشکل و بھاری اوراد و وظائف کی چلہ کشی کی۔ اور اپنے پیرِ طریقت میں ہمہ دم حاضر باش بھی رہے۔ تا آنکہ خواجہ قبلہ عالم کا وقت وصال قریب ہوا تو خواجہ قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو شرف خلافت سے نوازا۔

اور باقی ماندہ امورِ مخفیہ کے کشف کے لیے خواجہ محمد فاضل کے سپرد فرما دیا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اعلیٰ درجہ حاصل کیا اور اکثر اوقات خدمت میں حاضر رہے تا آنکہ خواجہ محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ نے تبرکاتِ بزرگانِ چشت کے ساتھ خرقہ خلافت عنایت فرمایا۔ تکمیل کارِ فقر اور شرف خلافت کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے آبائی گاؤں تو گیرہ شریف تشریف لائے اور ہدایتِ خلق میں مصروف و مشغول ہو گئے۔ آپ عشق الہی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے خود کو چھپانے میں بھی مصروف ہو گئے۔ آ علومِ عقلیہ ونقلیہ کے ماہر اور قرآن وحدیث کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہونے کے باوجود اکثر خاموش رہتے اور اگر بات کرتے تو وہی کرتے جو کتب ظواہر میں مل جاتی اور رازدارانہ تفسیر وتشریح نہ فرماتے کرامات دکھانے کا آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کبھی بھی خیال نہیں آیا زیادہ تر گمنامی میں رہنے کو پسند فرمایا، جلوت کی بجائے خلوت کو پسند فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی مکتومین میں ہی ہوتا ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ مرید کرنے کی طرف بھی توجہ نہیں فرمائی، آپ رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے والے لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید جو شرف بیعت سے مشرف ہوئے وہ چند گنتی کے آدمی ہیں نقل ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت مین ایک مجذوب رہا کرتا تھا وہ اکثر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کہتا تھا کہ حافظ صاحب آپ دنیا سے چھپ سکتے ہیں لیکن قبر

میں پوشیدہ نہ رہ سکو گے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اپنے آپ میں گم رہتے تھے۔ دراصل جو اصل بحق ہو وہ اس دنیا فانی اور کالعدم جہان کی طرف کیوں مصروف ہو گا آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مقام عشق پر فائز تھے کہ سر کو جھکایا تو دیدار محبوب ہو گیا اور سر کو اٹھایا تو دیدار یار کر لیا، ان کی نگاہ محبت میں محبوب حقیقی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

حضرت خواجہ عظمت تو کیروی علیہ الرحمہ کی کرامت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کرامات سے پرہیز کیا کرتے تھے مکتوم لوگ کرامات نہیں دکھایا کرتے بلکہ خود کو چھپایا کرتے ہیں۔ پھر بھی بلا اختیار آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کرامات کا ظہور ہوتا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات بے شمار ہیں لیکن سب بے اختیاری ہیں یعنی ان کے افعال کا فاعل کوئی اور تھا تبرکاً آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت درج ذیل ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خادم تھا جو موضع دھمیٔ کا رہنے والا تھا یہ گاؤں تو کیرہ شریف سے جنوب کی سمت تقریباً بائیس میل دور تھا، ایک بار اس نے اپنے گھر جانے اور اہلِ خانہ وخویش واقرباء کو ملنے کے لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے رخصت طلب کی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت عنایت نہ فرمائی اس نے دوسرے دن پھر اجازت طلب کی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے منع فرمایا اس نے جب اصرار کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اچھا میرا لوٹا اٹھا لاؤ ہم تجھے رخصت کر آئیں وہ خادم حسب الحکم آپ رحمۃ اللہ علیہ کا کوزہ اٹھا لایا آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ساتھ چل پڑے تو کیرہ شریف سے باہر نکلے تو وہ خادم پکار اٹھا کہ حضور ہم تو دھمیٔ میں آگئے ہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوٹا مجھے دو اور جاؤ اپنے گھر والوں سے مل آؤ جلدی آجانا اور یہ بات کسی کو نہ بتانا وہ خادم اپنے گھر گیا اور کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد واپس آیا تو حضور جناب حافظ صاحب وہیں کھڑے تھے اس نے لوٹا پکڑا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ واپس چل دیا وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ تو تو کیرہ شریف ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ بہت کم کلام فرماتے اور اگر فرماتے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام شریعتِ مطہرہ و قرآن و حدیث کا ترجمان ہوتا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ پرہیز گاری میں درجہ کمال پر فائز تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف حمیدہ کا بیان حروف والفاظ میں ناممکن ہے، از راہ تبرکاً درج ذیل حکایت آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف حمیدہ کے لیے کچھ نہ کچھ وضاحت ہے۔

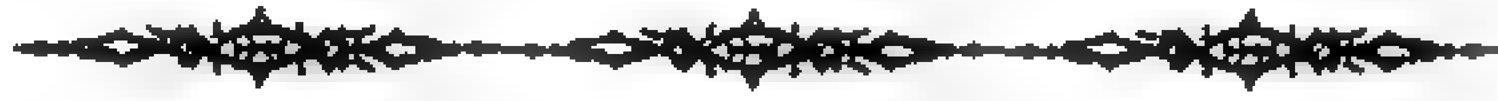
خواجہ نور محمد مہاروی علیہ الرحمہ کی امامت کروانے کا واقعہ

جناب خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ اقدس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کی اور ان کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہنا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا وطیرہ بنالیا جب خواجہ قبلہ عالم نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پرہیز گاری، تقوی و ورع کو ملاحظہ فرمایا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے آگے مصلیٰ امامت پر کھڑا کر دیا جناب حافظ صاحب نماز میں امامت فرماتے اور خواجہ قبلہ عالم آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے مقتدی ہوتے ان دنوں میں اگر حافظ بوجوہ موجود نہ ہوتے اور جماعتِ نماز کا وقت آجاتا تو خواجہ قبلہ عالم دیر تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کا انتظار فرماتے اور جب حافظ عظمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آتے تو ان کی اقتداء میں نماز ادا فرماتے۔ اس معاملہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ جناب کے ارد گرد لوگوں پر مختلف اثر ڈالا کچھ تو جناب حافظ صاحب کے زیادہ اعتقاد مند ہو گئے اور کچھ کو

حسد بھی ہوا۔ چنانچہ جب ایک بار آپ رحمۃ اللہ علیہ کا انتظار کرتے ہوئے ادائیگی نماز میں زیادہ دیر محسوس ہونے لگی تو کسی شخص نے حضور قبلہ عالم کی خدمت میں عرض کی کہ حضور غریب نواز اگر حافظ امام نہ ہوں تو کیا نماز درست نہ ہوگی؟ خواجہ قبلہ عالم نے فرمایا تم لوگ حافظ جی کو بس الفاظ قرآن کا ہی حافظ سمجھتے ہو خیال رکھیے اسے صرف حافظ نہ جانیے بلکہ ہمارے خزانے کی تمام کنجیاں حافظ جی کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ زندگی بھر عبادت وریاضت میں مشغول رہے، تلاوت قرآن آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اہم ترین مشغلہ تھا اکثر الاوقات لوگوں سے علیحدہ کنج تنہائی میں محو بحق رہتے۔

وصال شریف: اس عالی صفات کی وفات تیئس (۲۳) ذیقعدہ ۱۲۵۴ھ کو واقع ہوئی اور مزار پُر انوار تو گیرہ شریف میں نہر دولت واہ کے قریب زیارتگاہ خاص وعام ہے۔

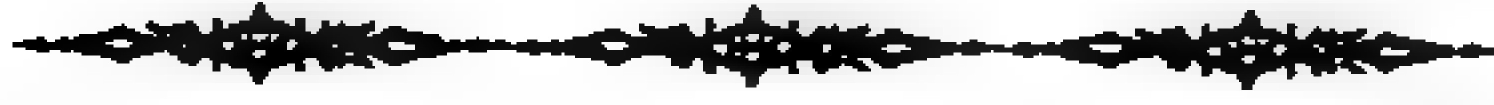
خلفاء: جناب حافظ عظمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے تو مریدین بھی چند گنتی کے تھے تو خلفاء کہاں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ارادت وخلافت واجازت سب کچھ ایک شخص کو عنایت فرما کر اسے شبستان چشت کا چراغ بنا دیا، خواجہ غلام رسول تو گیروی رحمۃ اللہ علیہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اکلوتے خلیفہ وسجادہ نشین ہیں۔



حضرت خواجہ غلام رسول تو گیروی علیہ الرحمہ

آپ خواجہ فیاض عالم غلام رسول تو گیروی رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہری علم نقلیہ و عقلیہ کی تکمیل کے بعد اپنے جدِ امجد خواجہ حافظ عظمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعتِ طریقت کا شرف حاصل کیا اور کارِ فقر پایہ تکمیل تک پہنچایا اور جناب قبلہ صاحب سے جُبہ خلافت حاصل کیا آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے جدِ امجد خواجہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اکلوتے خلیفہ بھی ہیں اور سجادہ نشیں بھی۔ گویا جو کچھ امورِ باطنیہ سے خواجہ حافظ صاحب کے پاس تھے وہ سب کے سب آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بطور وراثت مل گئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وراثت کا کماحقہ، قدر و احترام فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم و فاضل تھے، علامہ وقت تھے اس دور کے بڑے بڑے علماء خود کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے طفلِ مکتب سمجھتے۔ دوسری طرف آپ رحمۃ اللہ علیہ اتنے حسین تھے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چہرۂ انور پر عام شخص کی نظر نہیں ٹکتی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشیں ہوئے تو خلقِ خدا کی ہدایت میں مصروف و مشغول ہو گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ طالبانِ حق کو پہلے قرآن و حدیث کا علم پڑھاتے اور پھر علم باطنی کی تلقین فرماتے سنتِ رسول کی اتباع کا تاکیداً حکم فرماتے اور شریعتِ مطہرہ کی پابندی پر سختی سے عمل درآمد کرواتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہدایت، کرامات، تقویٰ و پرہیزگاری سے مشہور ہو گئے اور عنایات و سخاوت میں معروف ہو گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دولت عرفان بے شمار تھی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس دولت کو دونوں ہاتھوں سے فراخدلی کے ساتھ خلقِ خدا میں تقسیم فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت مندی اور ارادت لاکھوں لوگوں کو حاصل ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لوگوں کا رجوع اس طرح کثرت سے ہوا کہ دنیا والے تو گیرہ شریف کو بیت العتیق دیکھتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کرامات ظاہر کرنے سے پرہیز فرماتے پھر بھی کوئی نہ کوئی کرامت آپ رحمۃ اللہ علیہ سے ظہور پذیر ہو جاتی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات بے حساب ہیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات، عالی درجات اور مناقب احاطۂ قلم و کتاب سے باہر ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ مقامِ محبوبیت پر فائز ہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے جو نکلتا وہ ہو جاتا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی محفل بے مثال ہوتی تھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں اہلِ محفل پر حالتِ کیف و وجد ہر وقت طاری رہتی اور بلا چنگ و رباب اور سماع و سرود کے اہلِ محفل میں صوفیوں پر وجد طاری ہو جاتا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ نظر بھی تھے اور صاحبِ دل بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ فیضِ نظر جس پر بھی ڈالتے اسے محوِ حق کر دیتے۔ فیاض عالم کے فیض سے ہزاروں لوگ بہرہ ور ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین کو کمال محویت حاصل تھا فیاض عالم کا فیض خلقت میں بے اندازہ تھا اور اب تک موجود ہے۔ اور وہی اثرِ محویت ، بفضلہ و منہٖ آج تک ہم لوگوں میں پورا پورا اثر پذیر ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ چراغ اللہ ہیں اور اس اللہ کے چراغ کی روشنی یقیناً ابھی تک موجود ہے وہ اللہ کا چراغ ابھی تک فروزاں ہے اور فروزاں و درخشاں رہے گا، انشاء اللہ

وفات: آپ جناب عالی درجات رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اٹھائیس (۲۸) رمضان المبارک ھ میں ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار فیض شعار جناب قبلہ حافظ عظمت اللہ کے مزار پر انوار کے قبلہ کی سمت ہے۔ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ تو گیرہ شریف میں جہاں کی فیض رسائی کے لیے جلوہ فرما ہیں۔



حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اور بصرہ کی ایک باندی

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ بصرہ کے بازار میں سے گزر رہے تھے راستہ میں ایک باندی ایسے جاہ وجلال حشم خدم کے ساتھ جارہی تھی جیسا کہ باشاہوں کی باندیاں ہوتی ہیں۔ حضرت مالک نے اس کو دیکھا تو آواز دے کر فرمایا کہ اے باندی تیرا آقا تجھے فروخت کرتا ہے یا کہ نہیں۔ وہ باندی اس فقرہ کو سن کر حیران رہ گئی کہنے لگی کیا کہا پھر کہو۔

حضرت مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ کیا تیرا مالک تجھے فروخت کرتا ہی؟ باندی نے کہا اگر وہ فروخت کر بھی دے تو کیا تجھ جیسا فقیر مجھے خرید سکتا ہے؟ فرمانے لگے ہاں۔ اور تجھ سے بہتر کو خرید سکتا ہے۔

وہ باندی یہ سن کر ہنس پڑی اور اپنے خدام کو حکم دیا کہ اس فقیر کو پکڑ کر ہمارے ساتھ لے چلو ذرا مذاق ہی رہے گا۔ خدام نے پکڑ کر ساتھ لے لیا۔ وہ جب گھر واپس پہنچی تو اس نے اپنے آقا سے یہ قصہ سنایا وہ سن کر بہت ہنسا اور ان کو اپنے سامنے لانے کا حکم دیا۔

جب سامنے پیش کیے گئے تو اس آقا کے دل پر ایک ہیبت سی ان کی چھا گئی۔ وہ کہنے لگا آپ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تو اپنی باندی میرے ہاتھ فروخت کردے۔ اس نے پوچھا کہ آپ اس کی قیمت دے سکتے ہیں؟ حضرت مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس کی قیمت کھجور کی دو گھٹلیاں ہین۔

یہ سن کر سب ہنسنے لگے۔ اُس نے پوچھا کہ آپ نے یہ قیمت کس مناسبت سے تجویز کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کی اس میں عیب بہت ہیں۔ اس نے پوچھا کہ اس میں کیا کیا عیب ہیں۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اگر عطر نہ لگائے تو بدن میں سے بو آنے لگے، اگر دانت صاف نہ کرے تو منہ میں سے سڑاہنڈ آنے لگے، اگر بالوں میں تیل کنگھی نہ کرے تو پریشان حال ہو جائے

جوئیں ان میں پڑ جائیں۔ اور سر میں سے بو آنے لگے، ذرا عمر زیادہ ہو جائے گی تو بوڑھی بن جائے گی منہ لگانے کے بھی قابل نہ رہے گی، حیض اس کو آتا ہے، پیشاب وغیرہ اس کو آتا ہے۔ ہر قسم کی گندگیاں اس میں سے نکلتی ہیں۔

غم، رنج، مصیبتیں اس کو ہیش آتی رہتی ہیں۔ خود غرض اتنی ہے کہ محض اپنی غرض سے تجھ سے محبت ظاہر کرتی ہے۔ انتہائی بے وفا کوئی قول قرار پورانی کرے اس کی ساری محبت جھوٹی ہیں۔ کل کو تیرے بعد کسی دوسرے کے پہلو میں بیٹھے گی تو اس سے بھی ایسی ہی

محبت کے دعوے کرنے لگے گی۔ میرے پاس اس سے ہزار درجہ بہتر باندی ہے۔ جو اس سے نہایت کم قیمت ہے۔ وہ کافور کے جوہر سے بنی ہوئی ہے، مشک اور زعفران کی ملاوٹ سے پیدا کی گئی ہے۔ اس پر موتی اور نور لپیٹا گیا ہے۔ اگر کھارے پانی میں اس کا آب دہن ڈال دیا جائے تو وہ میٹھا ہو جائے۔ اور اگر وہ مردہ سے بات کرے تو وہ زندہ ہو جائے۔ اگر اس کی کلائی آفتاب کے سامنے کر دی جائے تو آفتاب بے نور ہو جائے۔

اگر وہ اندھیرے میں آ جائے تو سارا گھر روشن ہو جائے۔ اگر وہ دنیا میں اپنی زیب و زینت کے ساتھ آ جائے تو سارا جہان معطر ہو جائے چمک جائے۔ اس باندی نے مشک و زعفران کے باغوں میں پرورش پائی ہے، یاقوت اور مرجان کی ٹہنیوں میں کھیلی ہے۔ ہر طرح کی نعمتوں کے خیموں میں اس کا محل سرائے ہی۔ تسنیم: جو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر ہے: کا پانی پیتی ہی۔ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتی۔

اپنی محبت کو نہیں بدلتی ہرجائی نہیں ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ قیمت خرچ کرنے کے اعتبار سے کون سی باندی بہتر ہے۔ سب نے کہا کہ وہ ہی باندی جس کی آپ نے خبر دی۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اُس باندی کی قیمت ہر وقت، ہر زمانہ میں ، ہر شخص کے پاس موجود ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اُس کی قیمت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اتنی بڑی اہم اور عالی شان چیز کے خریدنے کے لیے بہت معمولی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ رات کا تھوڑا سا وقت فارغ کر کے صرف اللہ جل شانہ کے لیے کم از کم دو رکعت تہجد کی نماز پڑھ لی جائے اور جب تم کھانا کھانے بیٹھو تو کسی غریب محتاج کو بھی یاد کر لو۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنی خواہشات پر غالب کر دو۔ راستہ میں کوئی تکلیف دینے والی چیز کانٹا اینٹ وغیرہ پڑی دیکھو تو اُس کو ہٹا دو۔ ان چیزوں پر اہتمام کرنے سے تم دنیا میں عزت کی زندگی گزارو گے، آخرت میں بے فکر اور اعزاز و اکرام کے ساتھ پہنچو گے۔ اس باندی کے آقا نے کہ باندی سے پوچھا کہ تو نے شیخ کی باتیں سن لیں یہ سچ ہیں یا نہیں

باندی نے کہا کہ بالکل سچ ہیں۔ آقا نے کہا کہ اچھا تو تُو۔ اب آزاد ہے اور اتنا مال تیری نذر ہے۔ اور اپنے سب غلاموں سے کہا کہ اتنا اتنا مال تمہاری نذر ہے۔ میرا یہ گھر اور جو کچھ مال اس میں ہے سب اللہ کی راہ میں صدقہ ہے۔

اور گھر کے دروازے پر ایک موٹے سے کپڑے کا پردہ پڑا ہوا تھا، اس کو اُتار کر اپنے بدن پر لپیٹ لیا، اور اپنا سارا لباس فاخرہ اُتار کر صدقہ کر دیا۔ اس باندی نے کہا کہ میرے آقا تمہارے بعد میرے لیے یہ زندگی اب خوشگوار نہیں ہے۔ اور اس نے بھی ایک موٹا سا کپڑا پہن کر اپنا سارا زیب و زینت کا لباس، اور اپنا سارا مال و متاع صدقہ کر کے آقا کے ساتھ ہی ہو گئی۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ان کو دعائیں دیتے ہوئے ان سے رخصت ہو گئے۔ اور وہ دونوں اس سارے عیش و عشرت کو طلاق دے کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ اور صالح نوجوان

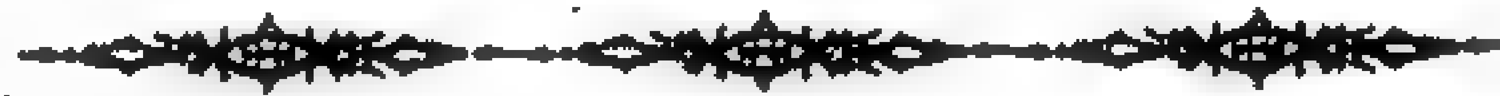
حضرت ذوالنون مصری ملک شام تشریف لے گئے تو دیکھا وہاں درخت کے نیچے ایک نوجوان عبادت کر رہا ہے۔ آپ نے

آگے بڑھ کر نوجوان کو سلام کیا لیکن اس نوجوان نے کوئی جواب نہ دیا۔ ذرا دیر بعد آپ نے دوبارہ السلام علیکم کہا۔ اس پر نوجوان نے عبادت سے جلدی فراغت حاصل کر لی اور زمین پر انگلی سے ایک شعر لکھا جس کا مطلب یہ تھا کہ زبان کو بولنے سے اس لئے روکا گیا ہے کیونکہ وہ طرح طرح کی غلطیوں کی مرتکب ہوتی ہے۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ جب تم زبان کو زحمت دو تو اللہ کا ہی ذکر کرو۔ اس کو کسی وقت بھی نہ بھولو اور ہر حالت میں اس کی تعریف کرتے رہو۔

حضرت ذوالنون نے جب یہ شعر پڑھا تو ایسی رقت طاری ہوئی کہ بہت دیر تک روتے رہے پھر حضرت ذوالنون مصری نے بھی جواب میں زمین پر عربی کا یہ شعر تحریر فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ ہر لکھنے والا ایک روز قبر میں خاک ہوگا مگر اس کی تحریر ہمیشہ باقی رہے گی۔ اس لئے لازم ہے کہ ایسی چیزوں کے سوا کچھ نہ لکھا جائے جن کے لکھنے سے حشر کے روز مسرت و انبساط حاصل ہو کچھ اور نہ لکھا جائے

جب اس نوجوان نے یہ تحریر پڑھی تو بلند آواز سے ایک چیخ نکالی اور وہیں واصل بحق ہو گیا۔ آپ نے چاہا کہ اس نوجوان کو غسل دے کر دفن کر دیں کہ یکا یک ایک آواز سنائی دی جیسے کوئی کہہ رہا ہو کہ ذوالنون اسے چھوڑ دو حق تعالیٰ نے اس نوجوان سے وعدہ فرمایا ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین کی سعادت فرشتوں کے سپرد کر دی گئی ہے۔

یہ سن کر آپ اس نوجوان سے علیحدہ ہو گئے اور نماز میں مصروف ہو گئے جب نماز سے فارغ ہوئے تو دوبارہ اس جگہ تشریف لے گئے جہاں اس نوجوان کی میت رکھی تھی وہاں دیکھا تو نہ ہی میت کا وہاں نام و نشان تھا اور نہ ہی اس کی کچھ خبر تھی۔





اللہ تعالیٰ نے ہمیں نہ صرف مختلف شکل وصورت میں پیدا کیا بلکہ ہمارا کردار بھی ایک دوسرے سے مختلف بنایا ہے۔ اسی طرح ہمارا ذوقِ ادب بھی مختلف ہوتا ہے میں اپنے بارے میں عرض کروں گا کہ مجھے طالب علمی کے زمانہ سے ہی اسلامی تاریخ، اردو ادب اور مشہور لوگوں کی سوانح حیات پڑھنے کا بڑا شوق تھا بہت سی کتابیں میری پسندیدہ ہیں اور آج بھی ان کی ورق گردانی کر کے لطف اندوز ہوتا ہوں تمام پرانے شعراء کے کلام کا مطالعہ محبوب مشغلہ ہے۔ قرآن، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ابن بطوطہ کا سفرنامہ اور تذکرۃ الاولیاء مجھے بہت پسند ہے۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے تذکرۃ الاولیاء بہت مفید اور معلوماتی کتاب ہے۔ اس میں چھیانوے اولیاء کرام کی زندگی کے حالات اور ان کے مکاشفات کے بارے میں نہایت دلچسپ واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

تذکرۃ الاولیاء حضرت فریدالدین عطار علیہ الرحمہ کی تصنیف کردہ کتاب ہے جو خود بھی ولی اللہ ہیں اس کو شائع ہوئے تقریباً آٹھ سو سال ہو گئے ہیں حضرت عطار پانچ سو تیرہ ہجری کو نیشاپور کے مضافات میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں ایک تاتاری سپاہی کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔

اس کتاب میں حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کا تذکرہ بھی ہے آپ کے بارے میں حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا کہ حضرت بایزید بسطامی کو اولیاء میں وہی مرتبہ حاصل ہے جو حضرت جبرائیل کو ملائکہ میں۔ تذکرۃ الاولیاء میں حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کے بارے میں بہت سی معلومات ہیں مگر ایک اہم واقعہ بیان نہیں کیا گیا ہے میں نے مناسب سمجھا کہ وہ آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ یہ واقعہ مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری نے اپنی تصنیف ''روحانیت اسلام'' میں تفصیلی طور پر بیان کیا ہے۔ یہ وہی کپتان سیال ہے جنہوں نے اسلام آباد ایئرپورٹ پر بوئنگ 747 جس کے پہیے نہیں کھلے تھے بحفاظت اُتار دیا اور کسی مسافر کو خراش تک نہ آئی تھی میں ان کی اس کتاب سے حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ اور پانچ سو عیسائی پادریوں کے مسلمان ہونے کا واقعہ حرف بحرف پیش کر رہا ہوں۔

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ:

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں خلوت سے لذت حاصل کر رہا تھا اور فکر میں مستغرق تھا اور ذکر سے اُنس کر رہا تھا۔ کہ میرے دل میں ندا سنائی دی۔ اے بایزید! ''در سمعان'' کی طرف چل اور عیسائیوں کے ساتھ ان کی عید اور

قربانی میں حاضر ہو۔اس میں ایک شاندار واقعہ ہوگا۔میں نے "اعوذ باللہ" پڑھا اور کہا کہ پھر اس وسوسہ کو نہیں آنے دوں گا جب رات ہوئی تو خواب میں ہاتف کی وہی آواز آئی۔جب بیدار ہوا تو بدن میں لرزہ تھا پھر سوچ رہا تھا کہ اس بارے میں فرمانبرداری کروں یا نہ کروں۔تو پھر میرے باطن سے آواز آئی کہ ڈرو مت تم اولیاء اخیار سے ہو۔اور ابرار کے دفتر میں لکھے ہوئے ہو۔لیکن راہبوں کا لباس پہن لو اور ہماری رضا کیلئے زنار باندھ لو۔آپ پر کوئی گناہ یا انکار نہیں ہوگا۔حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ صبح سویرے میں نے عیسائیوں کا لباس پہنا، زنار کو باندھا اور "دیر سمعان" پہنچ گیا۔وہ ان کی عید کا دن تھا مختلف علاقوں کے راہب "دیر سمعان" کے بڑے راہب سے فیض حاصل کرنے کیلئے اور ارشادات سننے کیلئے حاضر ہو رہے تھے۔میں بھی راہب کے لباس میں ان کی مجلس میں جا بیٹھا۔جب بڑا راہب آ کر بیٹھا۔تو سب خاموش ہو گئے۔

بڑے راہب نے جب بولنے کا ارادہ کیا تو اس کا ممبر لرزنے لگا اور کچھ بول نہ سکا۔گویا اس کا منہ کسی نے لگام سے بند کر رکھا تھا۔تو سب راہب اور علماء کہنے لگے اے مرشد ربانی! کونسی چیز آپ کو گفتگو کرنے سے مانع ہے۔ہم آپ کے ارشادات سے ہدایت پاتے ہیں اور آپ کے علم کی اقتداء کرتے ہیں بڑے راہب نے کہا کہ میرے بولنے میں یہ امر مانع ہے کہ تم میں ایک محمدی شخص آ بیٹھا ہے۔وہ تمہارے دین کی آزمائش کیلئے آیا ہے۔لیکن یہ اس کی زیادتی ہے سب نے کہا ہمیں وہ شخص دکھا دو ہم فوراً اس کو قتل کر دیں گے۔

اس نے کہا کہ بغیر دلیل اور حجت کے اس کو قتل نہ کرو۔میں امتحان کے طور پر اس سے علم الادیان کے چند مسائل پوچھتا ہوں۔اگر اس نے سب کے صحیح جواب دے دیئے تو ہم اس کو چھوڑ دیں گے ورنہ قتل کر دیں گے۔کیونکہ امتحان مرد کی عزت ہوتی ہے یا رسوائی۔سب نے کہا آپ جس طرح چاہیں ہم سب آپ کے خوشہ چیں ہے۔

تو وہ بڑا راہب ممبر پر کھڑا ہو کر کہنے لگا اے محمدی! تجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قسم! کھڑا ہو جا کہ سب لوگ تجھے دیکھ سکیں تو بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کھڑے ہو گئے۔اس وقت آپ کی زبان پر اللہ تعالی کی تسبیح اور تمجید کی کلمات جاری تھے۔اس بڑے پادری نے کہا میں تجھ سے چند مسائل پوچھتا ہوں۔اگر تو نے پوری وضاحت سے ان سوالوں کا جواب باصواب دیا تو ہم تیری اتباع کریں گے ورنہ تجھے قتل کر دیں گے۔تو بایزید علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ تو معقول و منقول میں جو چیز پوچھنا چاہتا ہے پوچھ لے۔اللہ تعالی تمہارے اور ہمارے درمیان گواہ ہے۔

اس پادری نے کہا کہ وہ ایک بتاؤ جس کا دوسرا نہ ہو۔وہ دو بتاؤ جس کا تیسرا نہ ہو۔وہ تین جس کا چوتھا نہ ہو۔وہ چار جس کا پانچواں نہ ہو۔وہ پانچ جس کا چھٹا نہ ہو۔اور وہ چھ جس کا ساتواں نہ ہو۔اور وہ سات جس کا آٹھواں نہ ہو۔اور وہ آٹھ جس کا نواں نہ ہو۔وہ نو جس کا دسواں نہ ہو۔وہ دس جس کا گیارھواں نہ ہو۔وہ بارہ جس کا تیرھواں نہ ہو۔

وہ قوم جو جھوٹی ہو اور بہشت میں جائے اور وہ قوم بتاؤ جو سچی ہو اور دوزخ میں جائے اور بتاؤ کہ تمہارے جسم میں وہ کونسی جگہ تمہارے نام کی قرارگاہ ہے۔اور "الذاریات ذروا" کیا ہے۔اور "الحاملات وقرا" کیا ہے اور "الجاریات یسرا" کیا

ہے اور "المقسمات امرا" کیا ہے۔ اور وہ کیا ہے جو بے جان ہو اور سانس لے۔ اور ہم آپ سے وہ چودہ پوچھتے ہیں جنہوں نے رب العالمین کے ساتھ گفتگو کی۔ اور وہ قبر پوچھتے ہیں جو مقبور کو لیکر چلی ہو۔ اور وہ پانی جو نہ آسمان سے اترا ہو اور نہ ہی زمین سے نکلا ہو۔ اور وہ چار جو نہ باپ کی پشت اور نہ شکم مادر سے ہوئے۔ اور پہلا خون جو زمین پر بہایا گیا۔ اور وہ چیز پوچھتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہو اور پھر اس کو خرید لیا ہو اور وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر نا پسند فرمایا ہو۔ اور وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور پھر اس کی عظمت کو بیان فرمایا ہو۔ اور وہ چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہو اور پھر پوچھا ہو یہ کیا ہے۔ اور وہ کونسی عورتیں ہیں جو دنیا بھر کی عورتوں سے افضل ہیں۔ اور کونسے دریا دنیا بھر کے دریاؤں سے افضل ہیں اور کونسے پہاڑ دنیا بھر کے پہاڑوں سے افضل ہیں اور وہ کونسا جانور ہے جو سب جانوروں سے افضل ہے۔ اور کونسے مہینے افضل ہیں اور "طامہ" کیا ہے۔ اور وہ درخت بتاؤ جس کی بارہ ٹہنیاں ہیں اور ہر ٹہنی پر تیس پتے ہیں۔ اور ہر پتے پر پانچ پھول ہیں دو پھول دھوپ میں اور تین پھول سایہ میں ہیں۔

اور وہ چیز بتاؤ جس نے بیت اللہ کا حج کیا ہو نہ اس میں جان ہو اور نہ اس پر حج فرض ہو۔ اور کتنے نبی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے

اور ان میں سے رسول کتنے ہیں اور غیر رسول کتنے۔ اور وہ چار چیزیں بتاؤ جن کا مزہ اور رنگ اپنا اپنا ہو اور سب کی جڑ ایک ہو۔

نقیر کیا اور قطمیر کیا ہے اور فتیل کیا ہے۔ اور سبد و لبد کیا ہے طم ورم کیا ہے اور ہمیں یہ بتاؤ کہ کتا بھونکتے وقت کیا کہتا ہے اور گدھا ہنکتے وقت کیا کہتا ہے۔ اور گھوڑا کیا کہتا ہے اور اونٹ کیا کہتا ہے۔ اور مور کیا کہتا ہے۔ بلبل کیا کہتا ہے۔ اور مینڈک کیا کہتا ہے جب ناقوس بجتا ہے تو کیا کہتا ہے۔ اور وہ قوم بتاؤ جن پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی ہو اور وہ نہ انسان ہو اور نہ جن اور نہ فرشتے۔ اور یہ بتاؤ کہ جب دن ہوتا ہے تو رات کہاں چلی جاتی ہے اور جب رات ہوتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے۔ تو حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کوئی اور سوال ہو تو بتاؤ۔ وہ پادری بولا اور کوئی سوال نہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر میں ان سب سوالوں کا جواب دے دوں تو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لاؤ گے سب نے کہا ہاں۔ پھر آپ نے کہا اے اللہ! تو ان کی بات کا گواہ ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

آپ نے فرمایا: تمہارا سوال کہ ایسا ایک بتاؤ جس کا دوسرا نہ ہو وہ "اللہ تعالیٰ واحد لاشریک" ہے۔ اور وہ دو جن کا تیسرا نہ ہو وہ رات اور دن ہیں۔ اور وہ تین جس کا چوتھا نہ ہو وہ "عرش، کرسی، اور قلم ہے" وہ چار جن کا پانچواں نہ ہو۔ وہ چار بڑی آسمانی کتابیں" تورات

، انجیل، زبور اور قرآن مجید ہے" اور وہ پانچ جن کا چھٹا نہ ہو وہ پانچ فرض نمازیں ہیں۔ اور وہ چھ جن کا ساتواں نہ ہو وہ چھ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں کو پیدا فرمایا۔ اور وہ سات جن کا آٹھواں نہ ہو۔ وہ سات آسمان ہیں اور وہ آٹھ جس کا نواں نہ ہو وہ عرش بریں کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں۔ وہ نو جس کا دسواں نہ ہو۔

وہ بنی اسرائیل کے نو فسادی شخص تھے۔ اور وہ دس جس کا گیارھواں نہ ہو وہ متمتع پر دس روزے فرض ہیں جب اسکو قربانی کی

طاقت نہ ہو۔اور وہ گیارہ جن کا بارھواں نہ ہو وہ یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں۔جو گیارہ ہیں ان کا بارواں بھائی نہیں۔اور وہ بارہ جن کا تیرھواں نہ ہو وہ بارہ مہینے ہیں۔وہ تیرہ جن کا چودھواں نہ ہو وہ یوسف علیہ السلام کا خواب ہے۔وہ جھوٹی قوم جو بہشت میں جائے گی وہ یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطاء معاف فرمادی۔

وہ سچی قوم جو دوزخ میں جائے گی وہ یہود و نصاریٰ کی قوم ہے۔ان میں سے ہر ایک دوسرے کے دین کو" **لاشی**" بتانے میں سچا ہے۔لیکن دونوں دوزخ میں جائیں گے۔اور تم نے جو سوال کیا ہے کہ تیرا نام تیرے جسم میں کہاں رہتا ہے۔تو جواب یہ ہے کہ میرے کان میں میرے نام کے رہنے کی جگہ ہے۔اور" **الذاریات ذروا**" وہ چار ہوائیں ہے مشرقی ،غربی ،جنوبی ،شمالی اور "الحاملات وقرا" بادل ہیں۔اور" **الجاریات یسرا**" سمندر میں چلنے والی کشتیاں ہیں اور" **المقسمات امرا**" وہ دو فرشتے جو پندرہ شعبان سے دوسرے پندرہ شعبان تک لوگوں کا رزق تقسیم کرتے ہیں۔اور چودہ جنہوں نے رب تعالیٰ سے گفتگو کی وہ سات آسمان اور سات زمینیں ہیں۔اور وہ قبر جو مقبور کو لے کر چلی وہ یونس علیہ السلام کو نگلنے والی مچھلی ہے۔اور بغیر روح کے سانس والی چیز صبح ہے۔اور وہ پانی جو نہ آسمان سے اترا اور نہ زمین سے نکلا ہو وہ پانی ہے جو گھوڑوں کا پسینہ بلقیس نے آزمائش کیلئے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔اور وہ چار جو نہ کسی باپ کی پشت سے ہیں اور نہ شکم مادر سے وہ اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ذبح ہونے والا دنبہ اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور آدم علیہ السلام اور حضرت حواء ہیں اور پہلا خون ناحق جو زمین پر بہایا گیا وہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل کا خون ہے جسے بھائی قابیل نے قتل کر کے بہایا تھا اور وہ چیز پوچھتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہو اور پھر اس کو خرید لیا ہو وہ مؤمنوں کی جان ہے۔اور وہ چیز پوچھتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہو اور پھر اس کو ناپسند کیا ہو وہ گدھے کی آواز ہے۔وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر اسے برا کہا وہ عورتوں کا مکر ہے۔

اور وہ جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر پوچھا یہ کیا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے یہ سوال کہ کونسی عورتیں دنیا بھر کی عورتوں سے افضل ہیں وہ ام البشر حضرت حواء ،حضرت خدیجہ حضرت عائشہ اور حضرت آسیہ اور حضرت مریم رضی اللہ عنہن ہیں۔

باقی رہا افضل دریا ،سیحون ،جیحون ،دجلہ ،فرات اور نیل مصر ہے۔سب پہاڑوں سے افضل کوہ طور ہے اور سب جانوروں سے افضل گھوڑا ہے۔اور سب مہینوں سے افضل رمضان کا مہینہ ہے۔اور سب راتوں سے افضل "لیلۃ القدر" ہے۔اور تم نے پوچھا "طامہ" کیا ہے وہ قیامت ہے۔ایسا درخت جس کی بارہ ٹہنیاں ہیں اور ہر ٹہنی کے تیس پتے ہیں اور ہر پر پانچ پھول ہیں جن میں سے دو دھوپ میں ہیں اور تین سایہ میں ہیں تو وہ درخت سال ہے۔بارہ ٹہنیاں اس کے بارہ مہینے ہیں تیس پتے ہر ماہ کے تیس دن ہیں اور ہر پتے پر پانچ پھول ہر روز کی پانچ نمازیں ہیں۔دو نمازیں ظہر اور عصر آفتاب کی روشنی میں پڑھی جاتی ہیں اور باقی تین نمازیں اندھیرے میں۔

اور وہ چیز جو بے جان ہو اور حج اس پر فرض نہ ہو پھر اس نے حج کیا ہو اور بیت اللہ کا حج کیا ہو وہ نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔تم نے نبیوں کی تعداد پوچھی ہے وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار اور رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے باقی تمام انبیاء کرام غیر رسل سے ہیں۔تم وہ

چار چیزیں پوچھی ہیں جن کا رنگ ذائقہ مختلف ہے حالانکہ جڑ ایک ہے وہ "ناک، کان، آنکھیں اور منہ ہیں" کہ مغز سران سب کی جڑ ہے آنکھوں کا پانی نمکین ہے۔ منہ کا پانی میٹھا ہے ناک کا پانی ترش ہے اور کان کا پانی کڑوا ہے۔

تم نے معانی پوچھے "نقیر کا معنی، کھجور کی گٹھلی کی پشت پر جو نقطہ ہوتا ہے اسے نقیر کہتے ہیں اور گٹھلی پر جو باریک سے چھلکا ہوتا ہے اسے قطمیر کہتے ہیں اور گٹھلی کے اندر جو سفیدی ہوتی ہے اسے فتیل کہتے ہیں۔ سبد و لبد بھیڑ بکری کے بالوں کو کہا جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش سے پہلے کی مخلوقات کو "طم ورم" کہا جاتا ہے۔ اور گدھا ہینگتے وقت شیطان کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے "**لعن الله العشار**" اور کتا بھونکتے وقت کہتا ہے۔ **ویل لاهل النار من غضب الجبار** اور بیل کہتا ہے سبحان اللہ وبحمدہ الخ۔ اور اونٹ کہتا ہے "**حسبی الله وكفى بالله وكيلا**" اور مور کہتا ہے۔ "**الرحمن على العرش استوىٰ**" اور بلبل کہتا ہے "**سبحان الله حين تمسون** الخ" اور ناقوس جب بجتا ہے تو کہتا ہے **سبحان الله حقاً حقاً** الخ۔ اور مینڈک اپنی تسبیح میں کہتا ہے۔ **سبحان المعبود** الخ۔ اور تم نے وہ قوم پوچھی جن پر وحی آئی حالانکہ وہ نہ انسان نہ جن نہ فرشتے ہیں وہ شہد کی مکھیاں ہیں۔

تم نے پوچھا ہے جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے اور جب دن آتا ہے تو رات کہاں چلی جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رات اللہ تعالیٰ کے غامض علم میں چلی جاتی ہے اور جب رات آجائے تو دن اللہ تعالیٰ غامض علم میں چلا جاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: تمہارا کوئی ایسا سوال رہ گیا ہو جس کا جواب نہ دیا گیا ہو تو انہوں نے کہا نہیں بلکہ آپ نے تمام سوالوں کے تسلی بخش جواب دیئے ہیں تو آپ نے بڑے راہب سے فرمایا میں تم سے صرف ایک بات پوچھتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم بتاؤ کہ آسمانوں اور بہشت کی کنجی کونسی چیز ہے؟

وہ پادری سرگریباں خاموش ہو گیا تو سب پادری اس سے کہنے لگے کہ اس شیخ نے تمہارے اس قدر سوالوں کے جواب دیئے ہیں لیکن آپ اس کے ایک سوال کا جواب بھی نہیں دے سکتے۔

وہ بولا اگر میں جواب مجھے آتا ہے اگر میں جواب بتاؤں تو تم لوگ میری موافقت نہیں کرو گے سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ ہمارے پیشوا ہیں ہم ہر حالت میں آپ کی موافقت کریں گے۔ تو بڑے پادری نے کہا آسمانوں اور زمینوں کی کنجی "**لا اله الا الله محمد رسول الله** (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے تو سب کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اور اپنے اپنے زنار وہیں توڑ دیئے۔ غیب سے ندا آئی اے بایزید! ہم نے تجھے ایک زنار پہننے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ ان کے پانچ سو زنار تڑواؤں۔



برصغیر پاک وہند کی عظیم روحانی شخصیت اور اہل تصوف میں ایک چمکتا ہوا آفتاب جو کسی تعارف کا محتاج نہیں۔حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمہ ہیں۔تاریخ ولادت:582ھ

خاندانی نام فریدالدین مسعود۔گنج شکر لقب۔والد محترم قاضی جلال الدین سلیمان۔مادر گرامی قرسم خاتون۔پانچ سال کی عمر میں یتیم ہوئے۔ طلب علم کیلئے اسلامی ممالک کے طویل سفر کیے۔اور مشائخ عظام کی کثیر تعداد سے فیضیاب ہوئے۔سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ نے جب آپ کو پہلی بار دیکھا تو اپنے خلیفہ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔قطب''تم اس شہباز کو زیر دام لائے ہو جس کا آشیانہ آسمان کی انتہائی بلندیوں پر ہے۔

حضرت بابا فرید کو شکر گنج یا گنج شکر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔جب پہلی بار قرسم خاتون نے اپنے بیٹے کو نماز کی تلقین کی اور فرمایا:

فرزند! نماز ادا کیا کرو۔اس سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اپنے عبادت گزار بندوں کو بے شمار انعامات سے نوازتا ہے۔

حضرت فریدالدین مسعود علیہ الرحمہ اس وقت بہت کم سن تھے۔اس لئے پوچھنے لگے جو بچے نماز پڑھتے ہیں انہیں اللہ کی طرف کیا انعام ملتا ہے۔مادر گرامی نے فرمایا: نماز پڑھنے والے بچوں کو پہلے شکر ملتی ہے اور جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو پھر انہیں دوسرے بے شمار انعامات ملتے ہیں۔

حضرت فریدالدین مسعود علیہ الرحمہ والدہ محترمہ کی یہ بات سن کر مطمئن ہو گئے۔پھر جب وہ ادھر اُدھر ہوئے تو قرسم خاتون خاموشی سے مصلی کے نیچے پڑیا رکھ دیتیں۔حضرت بابا فرید علیہ الرحمہ نماز ادا کرتے اور''شکر'' کی صورت میں اپنا انعام پالیتے۔

یہ سلسلہ کئی ماہ تک جاری رہا۔پھر ایک روز قرسم خاتون گھریلو مصروفیات میں اپنا روزانہ کا عمل بھول گئیں۔دوسرے دن یاد آیا تو آپ نے اپنے فرزند کو بلا کر پوچھا۔

فرید! کیا کل تمہیں مصلے کے نیچے شکر ملی تھی؟ قرسم خاتون کے لہجے میں اضطراب تھا۔

جی ہاں! مجھے ہر نماز کے بعد شکر مل جاتی ہے حضرت بابا فرید علیہ الرحمہ نے بصد احترام عرض کیا۔بیٹے کی بات سنتے ہی قرسم خاتون کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔وہ دل ہی دل میں اللہ تعالی کا شکر ادا کر رہی تھی۔تو نے مجھے فرید کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لیا۔اگر تیرا دست غیب اسے شکر مہیا نہ کرتا تو وہ میرے بارے میں کیا سوچتا؟ پھر قرسم خاتون نے بابا فرید علیہ الرحمہ کو گلے لگالیا۔اور

نہایت محبت بھرے لہجے میں فرمایا: میرا بیٹا فرید الدین "گنج شکر" ہے۔

طے کا روزہ رکھنے کا واقعہ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ نے بابا فرید علیہ الرحمہ کو "طے کا روزہ" رکھنے کا حکم دیا اس روزے کی خصوصیت یہ ہے کہ تیسرے دن مغرب کے وقت افطار کیا جاتا ہے یہ بھی ایک قسم کا چلہ تھا جس کیلئے گوشہ تنہائی کی ضرورت تھی۔ روایت ہے کہ غزنی دروازے کے قریب ایک برج تھا۔ حضرت بابا فرید علیہ الرحمہ کو اسی برج میں ٹھہرایا گیا تھا۔

پھر جب آپ نے روزہ رکھا۔ تو تیسرے دن افطار کیلئے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اتفاق سے ایک شخص کو معلوم ہو گیا۔ کہ یہاں کوئی نوجوان درویش چلہ کش ہے وہ صوفیا کی خدمت اور حصول ثواب کی نیت سے کھانا لے آیا۔ اور بابا فرید علیہ الرحمہ کی خوشامد کرنے لگا۔ کہ اس کے لائے ہوئے کھانے سے افطار کر کے اسے شرف یاب فرمائیں۔

حضرت بابا فرید علیہ الرحمہ نے اپنے مسلک کے تقاضوں کے مطابق ایک اجنبی شخص کا دل توڑنا گوارہ نہ کیا۔ اور بغیر تحقیق کے کھانا لے لیا۔ اجنبی شخص خوشی خوشی واپس چلا گیا۔ پھر جب افطار کا وقت آیا۔ تو حضرت بابا فرید علیہ الرحمہ نے اسی کھانے سے افطار کیا۔ ابھی مشکل سے چند لمحے گزرے تھے۔ کہ بابا فرید علیہ الرحمہ نے پیٹ میں درد محسوس کیا۔ اور فوراً ہی قئے آگئی۔ غذا کا ایک ایک ذرہ نکل گیا۔ حضرت بابا فرید علیہ الرحمہ نے ساری رات عبادت میں گزاری۔

جب نماز فجر کے بعد حضرت قطب الدین علیہ الرحمہ کی مجلس درس آراستہ ہوئی تو بابا فرید نے سارا واقعہ حضور شیخ کو بیان فرما دیا۔

جواب میں پیر و مرشد نے فرمایا: فرید! میں جانتا ہوں کہ تین دن تک مسلسل روزے رکھنے سے تمہارے جسم کی نقاہت کا کیا حال ہے؟ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ قئے کے بعد جسم کی باقی توانائی سلب ہوتی محسوس ہو رہی ہے۔ تمہاری یہ تکلیف اپنی جگہ مگر یاد رکھو! اللہ جو کچھ کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ جو شخص تمہارے لئے کھانا لیکر آیا تھا۔ وہ ایک شراب نوش اور بدکار انسان تھا۔ بے شک! اس نے تمہیں بڑی عقیدت سے کھانا پیش کیا تھا مگر اللہ نہیں چاہتا کہ ایک کثیف اور ناپسندیدہ غذا تمہارے شکم میں ٹھہرے اور پھر اس سے بننے والے خون کے قطرے تمہارے جسم میں فساد برپا کر دیں۔ تمہیں اپنے رب کا مزید شکر ادا کرنا چاہیے۔ کہ وہ تمہیں شیطان کے کیسے کیسے حملوں سے بچاتا ہے۔

حضرت قطب الدین علیہ الرحمہ کے اس انکشاف نے بابا فرید علیہ الرحمہ اور دوسرے درویشوں پر حیرت طاری کر دی۔ آج پہلی بار حاضرین مجلس کو اس نازک حقیقت کا اندازہ ہوا تھا کہ اللہ کے نزدیک صرف حرام روزی ہی ناپسندیدہ نہیں بلکہ اس کا ایک نوالہ بھی ناگوار ہے

پھر کچھ دیر بعد حضرت قطب الدین علیہ الرحمہ نے بابا فرید علیہ الرحمہ کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: مولانا! تمہیں "طے" کا ایک روزہ اور رکھنا ہو گا۔ شراب نوش کی لائی ہوئی غذا نے تمہاری اس روحانی عبادت کے اثرات زائل کر دیئے۔ اب کی بار کسی

انسان کے لائے ہوئے کھانے کی طرف متوجہ نہ ہونا۔ بلکہ کچھ غیب سے میسر آئے۔ تو اسی سے افطار کرنا۔

اگرچہ بابا فرید جسمانی طور پر نقاہت محسوس کر رہے تھے۔ مگر مرشد کے حکم نے آپ کو دوبارہ تازہ دم کر دیا۔ حاضرین مجلس ایک نوجوان کی جرأت دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ اور یہ بات واضح طور پر نظر آنے لگی تھی۔ کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ اس نوادر شوق کی تربیت پر خصوصی توجہ دے رہے ہیں۔

بابا فرید نے حضرت قطب الدین کے حکم کے مطابق "طے" کا روزہ رکھ لیا۔ پھر جب تیسرے روز افطار کا وقت آیا۔ تو آپ غیب سے بھیجے جانے والے کھانے کا انتظار کرنے لگے۔ مگر ایسی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی۔ آخر جب وقت تنگ ہونے لگا۔ تو آپ نے پانی سے روزہ افطار کیا۔ اور نماز مغرب میں انتہائی ذوق و شوق سے مشغول ہو گئے۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت بابا فرید علیہ الرحمہ دوبارہ انتظار کرنے لگے۔ کہ غیب سے کھانے کا کوئی انتظام ہو جائے۔ مگر اس بار کسی غیبی مدد کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ مدت انتظار طویل ہوئی۔ تو عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا۔ بابا فرید علیہ الرحمہ اپنے رب کی بارگاہ میں دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ نقاہت کا یہ عالم تھا کہ پاؤں کانپ رہے تھے۔ اور کھڑا ہونا مشکل نظر آ رہا تھا پھر بھی تمام قوت ارادی کو ایک نقطے پر مرکوز کر کے آپ اللہ کی بارگاہ کے سامنے کھڑے رہے اور نماز کے پورے ارکان پوری صحت کے ساتھ ادا کرتے رہے۔

نماز عشاء کے بعد بابا فرید علیہ الرحمہ عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ مگر جب بھی شکم کی آگ ستاتی۔ تو آپ آنکھیں کھول کر دیکھ لیتے۔ کہ شاید اب غیب سے کچھ ظاہر ہوا ہو۔ مگر وہاں سناٹے اور ویرانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ آزمائش کی عجیب منزل تھی۔ بابا فرید علیہ الرحمہ کو اللہ کی ذات پر مکمل یقین تھا۔ کہ وہ اس مرحلے میں اپنے بندے کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔ اور مرشد کی بات پر بھی مکمل اعتماد تھا کچھ نہ کچھ ضرور ظاہر ہوگا۔

غرض اسی انتظار میں آدھی رات گزر گئی۔ اب یہ کیفیت تھی کہ بھوک کی شدت سے بابا فرید کا شکم بھی جل اٹھا۔ اور آپ اس تکلیف کو کم کرنے کیلئے بار بار پہلو بدلتے تھے۔ بالآخر جب شکم کا درد اپنی انتہاء کو پہنچ گیا۔ تو بابا فرید نے بیقرار ہو کر اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے۔ اچانک آپ کو ہتھیلیوں میں چبھن محسوس ہوئی۔ غور سے دیکھا تو وہ چند سنگریزے تھے۔ جو ہاتھوں سے چپک کر رہ گئے تھے۔

اہل نظر اندازہ کریں کہ چھ دن مسلسل فاقے کے بعد انسان کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔ بابا فرید بھی ایک بشر تھے۔ جب قوت برداشت جواب دے گئی، تو اضطراری طور پر آپ نے ان سنگریزوں کو منہ میں رکھ لیا۔ اچانک بابا فرید کو محسوس ہوا کہ کوئی میٹھی چیز آپ کے دہن میں موجود ہے۔ فوراً ہی خیال گزرا کہ سنگریزوں کی شرینی بھی کہیں شرابی کے کھانے کی طرح فریب نہ ہو اس احساس کے پیدا ہوتے ہی بابا فرید نے منہ کے تمام سنگریزے زمین پر تھوک دیئے۔

کچھ دیر بعد آپ پر دوبارہ وہی کیفیت طاری ہوئی اور آپ نے شدید عالم اضطراب میں اپنے ہاتھ زمین پر مارے۔ اس مرتبہ

بھی وہی واقعہ پیش آیا اور بابا فرید نے سنگریزوں کو اس طرح اگل دیا جیسے کوئی لقمہ حرام منہ میں پہنچ گیا ہو۔

پھر تیسری بار یہی واقعہ پیش آیا کہ سنگریزے شکر محسوس ہونے لگے تو بابا فرید نے اسے تحفہ غیب سمجھا اور اس کے ساتھ ہی آپ کو قطب الدین علیہ الرحمہ کے الفاظ یاد آنے لگے۔

مولانا فرید! جو کچھ غیب سے ظاہر ہو اسی سے روزہ افطار کر لینا۔

جیسے ہی بابا فرید کی سماعت میں پیر و مرشد کے کلمات گونجے، آپ نے سنگریزے حلق سے نیچے اتار لیے۔ یہاں تک کہ آپ کی بھوک بھی مٹ گئی اور آپ کو جسمانی طور پر بھی نئی طاقت کا احساس ہونے لگا۔

دوسرے دن بابا فرید علیہ الرحمہ جب حضرت قطب الدین علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو دیکھتے ہی پیر و مرشد نے فرمایا: مولانا فرید! روزہ مکمل ہو گیا۔ حضرت بابا فرید علیہ الرحمہ کا وصال مبارک 666ھ میں ہوا آپ کا مزار پاکپتن میں ہے۔

پاکپتن میں جنتی دروازہ ہونے کا واقعہ

برصغیر پاک و ہند میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہی وہ عظیم صوفی شاعر اور اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر ولی اللہ ہیں جنہیں آفتاب روحانیت کہا جاتا ہے۔ اور سلسلہ چشتیہ کا انہیں آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ جن کا دربار گوہر بار نہ صرف نگاہ عوام بلکہ وہاں بڑے بڑے اولیاء کرام نے حاضری دی اور آپ کے فیوض و برکات کی تعریف کی۔ آپ کا وصال ۵ محرم الحرام کو ہوا جبکہ جنتی دروازہ ۶ محرم الحرام بعد نماز عشاء تا فجر ۱۰ محرم الحرام تک کھلا رہتا ہے۔ جہاں سے مسلمانوں اتنی تعداد میں گزرنے کا شوق رکھتے ہیں کہ لوگوں کی لمبی قطاریں ایک روح پرور منظر پیش کرتی ہیں۔

خواجہ نظام الدین علیہ الرحمہ:

حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء ایک مرتبہ جب پاکپتن شریف پہنچے تو انہوں نے ایک رات دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خلفائے راشدین کے ساتھ تشریف لائے اور بابا فرید علیہ الرحمہ کے مزار کے ایک دروازے سے گزرے اور دوسرے دروازے سے باہر تشریف لائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس دروازے سے اندر داخل ہوئے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"یا نظام من دخل فی هذا الباب فقد امن" اے نظام جو اس دروازے میں داخل ہوا وہ امن پا گیا۔

قطب عالم پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمہ

ایک دفعہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ حضرت شیخ الاسلام بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمہ کے عرس میں شرکت کے بعد واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ان کی ملاقات غیر مقلدین کے ایک مشہور عالم حسین علی بچھروی سے ہوئی جو کہ اس علاقے میں کافی مشہور تھے انہوں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے دریافت کیا کہ یا حضرت کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ تو اس پر حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا: بابا فرید علیہ الرحمہ کے عرس مبارک میں شرکت کی سعادت

حاصل کر کے آ رہا ہوں۔ پھر علامہ موصوف نے پوچھا پھر تو آپ بہشتی دروازے سے گزر کر آئے ہوں گے تو پیر صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں وہاں اور کس کام کیلئے گیا تھا؟ اسی لئے تو گیا تھا کہ جنتی دروازے سے گزر سکوں۔ حسین علی بچھروی کہنے لگا حیران کن بات یہ ہے کہ آپ جیسا بلند پایہ عالم اور پیر بھی یہ عقیدہ رکھتا ہے اور اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ وہ بہشتی دروازہ ہے۔ تو پیر سید مہر علی شاہ علیہ الرحمہ نے جواب میں ارشاد فرمایا: اس میں حیران ہونے والی اور یقین نہ کرنے والی کونسی بات ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے کہ "مؤمن کی قبر جنت الفردوس کا ٹکڑا ہوتی ہے" (مشکوۃ المصابیح) ولی کے مزار پر جانے والا گویا جنت کے دروازہ ہی میں داخل ہوتا ہے یہ سن کر مولانا حسین علی بچھروی خاموش ہو گئے۔ (مہر منیر)

ضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ہر سال پاکپتن شریف عرس کے موقع پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ قصور اور ریاست بہاولپور اور بہاولنگر کے غیر مقلد علماء متواتر کئی سال وہاں پہنچ کر آپ سے سوال کرتے رہے کہ آپ عالم ہو کر اس بات کو درست مانتے ہیں کہ جو شخص بابا صاحب علیہ الرحمہ کے روضہ کے "بہشتی دروازہ" سے گزر جائے گا وہ گویا جنتی دروازے سے گزر گیا۔ تو اس پر حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ ہر سال نئے انداز سے استدلال فرمایا کرتے تھے۔ مولوی غلام محمد چکو کہ تحصیل مچن آباد نے جب یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا: کیا یہ حدیث صحیح نہیں کہ مؤمن کی قبر "**روضة من رياض الجنة**" ہوتی ہے تو اس نے کہا صحیح ہے فرمایا: لفظ جنت کا اطلاق مؤمن کی قبر پر صحیح ٹھہرا تو اس کے دروازے کو جنتی دروازہ کہنے پر کیا اعتراض ہے؟ مولوی صاحب نے کہا اس لفظ کا اطلاق تو درست ہوا مگر جنتی دروازے کو بابا فرید علیہ الرحمہ کے دروازے کے ساتھ خاص کیوں کیا گیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: کہ حضرت محبوب الٰہی کا ارشاد ہے ایک رات میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خلفائے راشدین کے ساتھ تشریف لائے اور بابا فرید علیہ الرحمہ کے مزار کے ایک دروازے سے گزرے اور دوسرے دروازے سے باہر تشریف لائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس دروازے سے اندر داخل ہوئے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"**یا نظام من دخل فی هذا الباب فقد امن** "اے نظام جو اس دروازے میں داخل ہوا وہ امن پا گیا۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے اعتراض کیا کہ زائرین "فرید فرید" کیوں پکارتے ہیں "اللہ اللہ" کیوں نہیں پکارتے۔ تو آپ نے فرمایا: عرس مبارک کے موقع پر زائرین کا یہ نعرہ ہوتا ہے۔

اللہ (جل شانہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چار یار حاجی خواجہ قطب فرید، حق فرید

اس کے جواز میں قرآن مجید کی ایک آیت موجود ہے مولوی صاحب نے چونک کر پوچھا وہ کونسی آیت ہے؟ تو پیر مہر علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

"**فاذكروني اذكركم واشكروا لي ولا تكفرون**" (البقرہ، ۱۵۲)

پس تم مجھے یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا شکر ادا کرو میرا کفر نہ کرو۔ (مہر منیر)

خواجہ شاہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ:

ایک مرتبہ شاہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ کا عظیم الشان قافلہ پاکپتن جاتے ہوئے دریائے راوی کے کنارے کے پار قیام پذیر تھا دریا طغیانی پر تھا کوئی کشتی نہ ملتی تھی۔ جس سے سامان پار کیا جائے آپ کے ساتھ اس وقت چار سو سے زیادہ آدمی تھے۔ اور عرس کے دن قریب تھے ہر شخص بے چین اور مضطرب تھا۔ کہ دریا کی طغیانی کو کس طرح روکا جائے اور وقت پر عرس مبارک میں شرکت کی جائے۔ شاہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ اسی بے چینی میں تھے اچانک اٹھے اپنا عصا لیا اور طغیانی دریا کے کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ اور درویشوں کو حکم دیا کہ دریا عبور کرنا شروع کر دیں۔

اشارہ پاتے ہی عقیدت مند دریا میں کود پڑے۔ مال، مویشی، گھوڑے اور سامان لدے ہوئے قافلہ دریا کو عبور کرنے لگا تمام قافلہ گزر گیا۔ آپ سب سے آخر میں گزرے۔ اس کے بعد حضرت شاہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ان شاء اللہ ہم اپنے خواجگان کی برکت سے قیامت کے دن بھی اپنے سلسلہ کے تمام معتقدین کو مصائب کے طوفان سے گزار دیں گے اور خود سب کے بعد آئیں گے۔ (قصر عارفاں)

خواجہ غلام رسول ثانی تو گیروی

خواجہ غلام رسول ثانی تو گیروی فرماتے ہیں کہ "بہشتی دروازے" سے گزرنے کے بعد گناہ پر نڈر اور بے باک ہو جانا بھی گمراہی ہے جو لوگ سال بھر گناہ کرتے رہتے ہیں اور پھر بابا صاحب علیہ الرحمہ کے "بہشتی دروازے" سے گزر جانے کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ تمام بداعمالیاں معاف ہو گئی ہیں اور پھر سال بھر گناہ کرتے ہیں یہ غلط کرتے ہیں۔ البتہ بہشتی دروازے سے گزرنے کے بعد توبہ کی جائے اور توبہ یہ ہے کہ آئندہ گناہ نہ کیا جائے۔ ورنہ زبانی توبہ تو اللہ تعالیٰ سے مزاح ہے۔ جو اس کے غضب کو ابھارتا ہے جو شخص جنتی دروازے سے گزرنے کے بعد سچے دل سے توبہ پر قائم رہا۔ ان شاء اللہ اس کی بخشش ہو جائے گی اور وہ آتش دوزخ سے آرام پائے گا۔

قلندر کے خطاب کرنے کا واقعہ

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک دن حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ مریدوں اور خدمت گاروں کے درمیان تشریف فرماتے۔ آپ کے رعب وجلال کا یہ عالم ہوتا کہ لوگ دوزانو اور دست بستہ بیٹھے رہتے تھے۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوتی تھیں اور کبھی کبھی اس قدر سکوت ہوتا تھا کہ حاضرین مجلس کی سانسوں کی آواز تک سنائی نہیں دیتی تھی۔ ایک دن ایک قلندر حضرت بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ جلال میں حاضر ہوا۔ اس وقت بھی حاضرین کی یہی کیفیت تھی۔ اگر نیا آنے والا یہ منظر دیکھتا تو یہی تاثر قبول کرتا کہ وہ کسی باجبروت شہنشاہ کے دربار میں داخل ہو گیا ہے۔

قلندر نے خانقاہ میں داخل ہوتے ہی حاضرین پر ایک نظر ڈالی اور نہایت گستاخانہ لہجے میں حضرت شیخ سے مخاطب ہوا فرید! یہ

کیا تماشا ہے؟ اگرچہ قلندر کی آواز نہایت کرخت تھی لیکن حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روایتی شیریں کلامی کے ساتھ فرمایا مہمان! تم کس تماشے کی بات کرر ہے ہو؟

یہی کہ تو نے اپنے آپ کو بت بناڈالا ہے اور لوگوں سے اپنی پرستش کراتا ہے اس بار بھی قلندر کے لہجے میں گستاخی کا وہی رنگ نمایاں تھا۔ میں تو ایک بندہ عاجز ہوں۔ جو کچھ بنایا ہے، خدا نے بنایا ہے قلندر کے سوال کے جواب میں حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ نہیں! تو نے خود اپنے آپ کو بت بنایا ہے قلندر کے لہجے کی کرختگی کا وہی عالم تھا۔

ہرگز نہیں۔۔۔ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے کمال انکسار کے ساتھ فرمایا دنیا کا کوئی شخص اپنے آپ کو کچھ نہیں بنا سکتا مگر حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے سرفراز کر دیتا ہے

قلندر نے ایک نظر حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا۔ کچھ دیر کھڑا رہا اور پھر با آواز بلند کہنے لگا شیخ! آپ کے صبر و تحمل پر ہزار آفرین۔ جب تک دنیا باقی ہے، یہ تحمل باعزت رہے یہ کہہ کر وہ قلندر چلا گیا۔

اہل نظر کا خیال ہے کہ وہ قلندر مردان غیب میں سے تھا۔ آٹھ صدیاں گزر گئیں مگر وہ تحمل آج بھی باعزت ہے اور اس عزت میں قیامت تک اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے دنیاداروں کے ہاتھوں سخت اذیتیں برداشت کیں اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے۔۔۔ مگر جب کسی نے بزرگ کے طریقے کی خلاف ورزی کی تو آپ خاموش نہ رہ سکے۔ حضرت شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اس رشتے سے حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو برادر محترم کہا کرتے تھے جب بھی حضرت شیخ سے ملاقات ہوتی تو آپ بڑے والہانہ انداز میں فرماتے۔

میرے پیر و مرشد کی نشانی! میرے شیخ کی یادگار

حضرت قطب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کچھ دن ہانسی میں مقیم رہے تھے اور پھر اجودھن تشریف لے آئے تھے۔ حضرت شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں تھے۔ اس لئے مرکز نگاہ بن گئے۔ حکومت کا ایک اعلیٰ عہدیدار ملک نظام الدین خریطہ دار حضرت شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں میں تھا۔ اس نے شیخ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایک عالی شان خانقاہ تعمیر کرائی اور پھر حضرت بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا۔

کسی شکستہ مکان یا جھونپڑی میں بیٹھنا آپ جیسے بزرگوں کے شایان شان نہیں۔ اس خانقاہ میں جلوہ افروز ہو کر مخلوق خدا کو مستفیض فرمائیے

حضرت شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ملک نظام الدین کی تعمیر کردہ خانقاہ دیکھی تو نفس کے فریب میں آ گئے۔ عمارت کے دلکش نقش و نگار، خوبصورت حجرے اور طویل و عریض لنگر خانے۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر آرام و آسائش کے سارے

اسباب۔۔۔حضرت شیخ بدر الدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ اس اظہار عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور ملک نظام الدین کی بہت تعریف کی۔

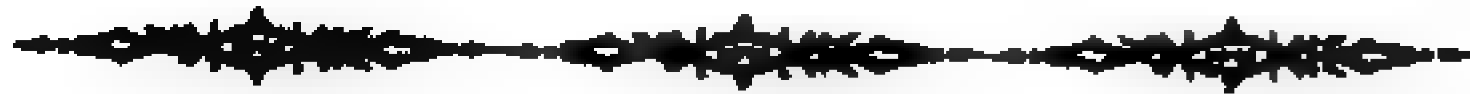
ابھی کچھ دن ہی گزرے تھے کہ ملک نظام الدین حکومت کے زیر عتاب آ گیا اور اس سے حساب طلب کر لیا گیا۔شاہی خزانے کی ایک بڑی رقم نظام الدین کے ذمے نکلتی تھی پھر جب حکومت نے اپنی تفتیش کا دائرہ وسیع کیا تو حضرت شیخ بدر الدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ معاملہ خانقاہ کی تعمیر سے گزر کر کہیں ان کی ذات تک نہ پہنچ جائے۔اسی خطرے کے پیش نظر حضرت شیخ بدر الدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کو ایک خط تحریر کیا۔

میرے بزرگ دوست! واضح ہو کہ ملک نظام الدین عدالت کے اعلیٰ عہدیداروں میں سے ہے اور اس فقیر سے عقیدت رکھتا ہے۔اسی شخص نے میرے لئے خانقاہ کی تعمیر کرائی اور درویشوں کی خدمت کے لئے نعمت و دعوت کے سامان فراہم کئے۔اب اچانک ملک نظام الدین سے حساب طلب کیا گیا ہے۔اسی وجہ سے میری طبیعت سخت پریشان ہے۔دنیا جانتی ہے کہ تمہاری پوری زندگی ایک کرامت ہے۔اس لئے تم سے درخواست گزار ہوں کہ ملک نظام الدین کی رہائی کے لئے دعا فرمائیں تاکہ درویشوں کا کاروبار درست رہے۔مجھے امید ہے کہ جناب اس سلسلے میں فوری توجہ فرمائیں گے۔والسلام

حضرت بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیر بھائی اور بزرگ دوست کے خط کو کئی بار پڑھا۔ہر مرتبہ آپ کے چہرے پر اداسی کا رنگ نمایاں ہو جاتا تھا پھر آپ نے خط کے جواب میں لکھا۔

عزیز الوجود کا رقعہ ملا جسے پڑھ کر خوشی ہوئی اور افسوس بھی۔خوشی اس لئے کہ ایک مدت دراز کے بعد میرے پیر و مرشد کی نشانی نے مجھے یاد کیا۔۔۔اور افسوس اس لئے کہ میرا بزرگ دوست اس وقت پریشانی کے دور سے گزر رہا ہے۔تمہارے ساتھ جو کچھ پیش آیا ہے، وہ خلاف توقع نہیں ہے جو لوگ اپنے بزرگوں کے طریقہ کار پر کاربند نہیں ہوتے، انہیں ایسی ہی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔تم ہی بتاؤ کہ ہمارے بزرگوں میں سے کون ایسا تھا جس نے اپنے لئے ایک محل نما خانقاہ تعمیر کرائی ہو اور اس میں شان سے جلوہ افروز ہوا ہو۔

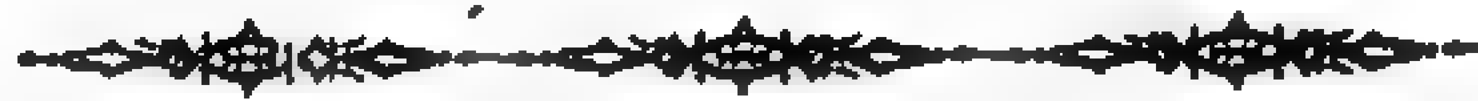
حضرت بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ کا اشارہ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف تھا۔شاہان وقت ان دونوں بزرگوں کے عقیدت مند تھے۔اگر حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قطب رحمتہ اللہ علیہ ہلکا سا اشارہ بھی کر دیتے تو سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان شمس الدین التمش ایسی خانقاہیں تعمیر کرا دیتے کہ ان کے آگے قصر شاہی کی رونق و دلکشی بھی ہیچ ہوتی۔حضرت بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنے بزرگوں کی اسی روش پر قائم رہے اور جب حضرت شیخ بدر الدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا راستہ تبدیل کیا تو آپ نے کسی رعایت کے بغیر کہہ دیا کہ بزرگوں کے طریقے سے انحراف کرنے والے ہمیشہ اسی قسم کی پریشانیوں کا شکار رہتے ہیں۔



حضرت میراں حسین زنجانی علیہ الرحمہ

چندر نامی شخص کے مسلمان ہونے کا واقعہ

ایک یہ بھی روایت ہے کہ چندر نامی شخص رہتا تھا جو بہت امیر تھا وہ جذام جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے اپنی دولت پانی کی طرح بہادی تاہم وہ بہت سے املاک زمینوں اور عالی شان حویلیوں کا تنہا مالک تھا حکیموں، ویدوں کے علاج سے عاجز ہو کر دوائیاں کھا کھا کر تنگ آگیا منتر جنتر بھی کروا چکا، مگر آفاقہ نہ ہوا۔ آخر کار وہ اپنی زندگی سے بے زار ہو گیا۔ بیماری نے جانے کا نام نہ لیا اور وہی بات ہوئی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ یہاں تک وہ کپڑے پہننے سے بھی قاصر ہو گیا جسم سے کون رستا رہتا تھا بدن سے ہر وقت بو آتی رہتی تھی لوگوں نے مشورہ دیا کہ اسے حضرت میراں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دم کروانا چاہئے۔ رام چند کو چارپائی پر لٹا کر آپ کے ہاں لایا گیا۔ اس وقت بھی اس کے جسم سے بدبو اٹھ رہی تھی۔ آپ نے اس کو قریب بٹھایا اور پورے جسم پر دم کیا اور پھر پانی بھی دم کر کے پلایا گیا اور ساتھ پانی دم کر کے دیا گیا وہ اس پانی سے غسل کرے اس نے ایسا ہی کیا جیسے آپ نے فرمایا تین دن دم شدہ پانی سے غسل کر کے وہ پوری طرح صحت یاب ہو گیا۔ یہ حضرت میراں رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت کا اثر تھا جو عطائے رب العالمین تھی وہ آپ کے پاس حاضر ہو کر فوراً مسلمان ہو گیا۔





حضرت خواجہ غلام فرید گوریجہ 26 نومبر 1845ء بروز منگل کو بہاولپور کے قصبہ چاچڑاں شریف میں پیدا ہوئے- آپ کے خاندان کا نسلی سلسلہ یا شجرہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے- آپ کے خاندان میں ایک شخص، جس کا نام شیخ کوربن، حضرت شیخ پریا تھا اس لیے کور کی وجہ سے لفظ کوریجہ بن گیا-

آپ کا تاریخی نام خورشید عالم رکھا گیا- آپ کے والد کا نام حضرت خواجہ خدا بخش عرف محبوب الٰہی تھا- آپ چار برس کے ہوئے تو آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور جب آپ کی عمر آٹھ برس ہوئی تو آپ کے والد بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے-

آپ نے قرآن کی تعلیم میاں صدر الدین اور میاں محمد بخش سے حاصل کی، آپ نے فارسی کی تعلیم میاں حافظ خواجہ جی اور میاں احمد یار خواجہ سے حاصل کی-

حضرت خواجہ غلام فرید کے بزرگوں کے ایک مرید مٹھن خان جتوئی تھے، جس کے نام سے قصبہ مٹھن کوٹ آباد ہوا- جب مٹھن کوٹ پر قابض پنجاب کے سکھ حاکم مسلمانوں کو تنگ کرنے لگے تو آپ کے والد حضرت خواجہ خدا بخش اپنے خاندان کے ساتھ مٹھن کوٹ سے چاچڑاں شریف، ریاست بہاول پور منتقل ہو گئے-

جب آپ نواب آف بہاول پور جس کا نام نواب فتح محمد جو کہ آپ کے والد کے مرید خاص بھی تھے کے پاس رہائش پذیر تھے تو وہاں پر بھی اساتذہ کرام موجود رہتے تھے جو آپ کو تعلیم دیتے تھے- آپ شاہی محل میں تقریباً" چار سال رہے- جب آپ تیرہ برس کے ہوئے تو آپ نے اپنے بڑے بھائی حضرت فخر جہاں سے بیعت کی- جب آپ کی عمر 27 برس تھی تو اس وقت آپ کے مرشد اور بڑے بھائی حضرت فخر جہاں کا انتقال ہو گیا- پھر آپ سجادہ نشین بنے-

آپ بڑے سخی تھے، آپ کے لنگر کا روزانہ کا خرچہ 12 من چاول اور 8 من گندم تھا- تقریباً" 100 سے 500 آدمی ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے- آپ کے پاس جو کچھ آتا سب شام تک غرباء و مساکین میں بانٹ دیتے تھے-

جب آپ نواب صاحب کے ہاں دعوت پر جاتے تو نواب صاحب آپ کو آتے وقت پچیس تیس ہزار اور وہاں سے روانہ ہوتے وقت بھی تیس چالیس ہزار پیش کرتے- اتنی نذر نیاز حاصل ہوتے ہوئے بھی جب آپ چاچڑاں شریف آتے تو اکثر اوقات خرچ کے لیے قرض لے کر آتے-

آپ کی جاگیر سے سالانہ آمدنی 35 ہزار روپے تھی، آپ انتہائی سادہ تھے- آپ دن میں گندم کی ایک روٹی کھاتے اور رات کو گائے کا

دودھ پیتے تھے۔

آپ 18 برس روہی (چولستان) میں رہے۔ آپؒ نے اپنے مرید خاص نواب آف بہاولپور جس کا نام نواب صادق محمد رابع عباسی تھا کو نصیحت کی تھی کہ "زیرتھی، زبر نہ بن، متاں پیش اندی ہووی" یعنی نرمی اختیار کرو، سختی نہ کیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر بھی سختی کر سکتے ہیں۔

آپ نے شاعری بھی کی، اور آپ کا زیادہ تر کلام سرائیکی زبان میں ہے۔ جس کا نام "دیوان فرید" ہے اس کے علاوہ اردو، عربی، فارسی، پوربی، سندھی اور ہندی میں شاعری بھی کی ہے۔ اور آپ کا اردو دیوان بھی موجود ہے۔ آپ کے سرائیکی دیوان میں 272 کافیاں ہیں۔

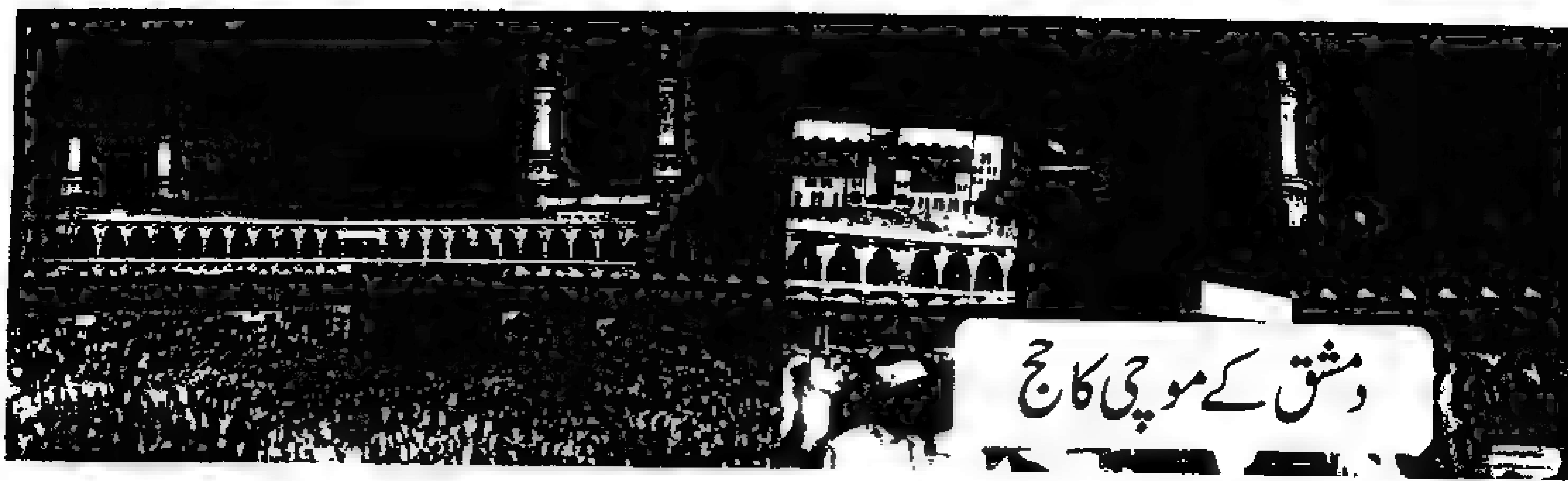
حضرت خواجہ غلام فریدؒ نے وصال کے وقت تین حسرتوں ک اظہار کیا تھا۔

(۱) کاش کوئی مجھ سے کہتا فرید مجھے راستہ بتاؤ. (۲) کاش کوئی مجھ سے یکمشت ایک لاکھ روپے طلب کرتا. (۳) کاش کوئی مجھ سے کہتا فرید مجھے پانی پلاؤ۔ وفات کے وقت کلمہ شہادت سے پہلے حضرت خواجہ غلام فریدؒ نے کافی کا یہ بند پڑھا.

آیا وقت فرید چلن دا　　گزریا ویلا کھلن ھسن دا

او کھا پینڈا یار ملن دا　　جان لباں تے آندی اے

آپ کا وصال چاچڑاں شریف میں 24 جولائی 1901ء بروز بدھ ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر 56 برس تھی. آپ کا ایک بیٹا حضرت خواجہ محمد بخش عرف نازک کریم اور ایک بیٹی تھیں آپ کا مزار مٹھن کوٹ (ضلع راجن پور) میں ہے۔



چھ لاکھ لوگوں کے حج قبول نہ ہونے کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حج سے فارغ ہونے کے بعد بیت اللہ میں سو گئے اور خواب میں دیکھا کہ فرشتے آپس میں باتیں کر رہے ہیں اور ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں۔ ایک فرشتے نے دوسرے فرشتے سے سوال کیا کہ اس سال کتنے لوگ حج میں شریک ہوئے اور کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا۔ دوسرے نے جواب دیا کہ چھ لاکھ لوگوں نے اس سال فریضہ حج ادا کیا، لیکن ایک بھی فرد کا حج قبول نہیں ہوا۔ مگر دمشق میں ایک موچی رہتا ہے جو حج میں شریک تو نہیں ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا حج قبول فرما کر اس کے طفیل سب کا حج قبول کر لیا ہے۔

یہ خواب دیکھنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس موچی سے ملاقات کرنی چاہیئے آپ فوراً دمشق روانہ ہو گئے۔ دمشق پہنچ کر اس شخص کو تلاش کیا اور ملاقات ہونے پر اس کا نام اور حالات دریافت کیے، اس نے اپنا نام اور پیشہ بیان کرنے کے بعد آپ سے نام پوچھا آپ نے اسے بتایا کہ میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہوں۔ حال احوال معلوم کرنے کے بعد جب حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے حج کے بارے میں پوچھا تو اس شخص نے یہ سنتے ہی ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا۔

ہوش میں آنے کے بعد اس نے اپنے بارے میں بیان کیا کہ بہت عرصے سے میرے دل میں حج کی تمنا تھی، میں نے اس نیت سے تھوڑے تھوڑے کر کے تین سو دینار جمع کر لیئے تھے اور حج کے دن بھی قریب تھے۔ ایک دن میرے پڑوسی کے گھر سے کھانا پکنے کی خوشبو آئی تو میری بیوی نے کہا کہ تم اس کے گھر سے کھانا لے آؤ تا کہ ہم بھی کھانا کھالیں۔ چنانچہ میں نے جا کر اپنے پڑوسی سے کہا کہ آج آپ نے جو کچھ پکایا ہے۔ ہمیں بھی عنایت کر دیں تو اس نے کہا کہ جو کھانا ہم نے پکایا ہے وہ آپکے کھانے کا نہیں ہے۔ میں اور میرے بیوی بچے کیونکہ کئی دن سے بھوکے تھے لہٰذا میں نے مجبور ہو کر ایک مرے ہوئے گدھے کا گوشت پکا لیا ہے۔ پڑوسی کی بات سن کر میں لرز گیا اور اپنی تمام جمع شدہ رقم لا کر اس غریب پڑوسی کے حوالے کر کے یہ تصور کر لیا کہ ایک مسلمان کی مدد میرے حج کے برابر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سن فرمایا کہ واقعی فرشتوں نے خواب میں یہ بات سچ کہی تھی، بے شک اللہ دلوں کا حال جانتا ہے۔ (ماخوذ: قصص اولیاء)

اس حکایت میں ہمارے لئے یہ نصیحت ہے کہ ہم اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھیں ان سے محبت اور اخلاق سے پیش آئیں، اگر وہ

غریب ہوں تو ان کی مدد بھی کریں۔اسلام نے پڑوسیوں کے بہت سے حقوق بتائے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: اسے کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے، اس سے بے ہودگی نہ کی جائے، خوشی کے موقع پر اسے مبارک باد دی جائے، بیماری کے موقع پر اس کی تیمار داری (عیادت) کی جائے، اس کے عیبوں کو چھپایا جائے۔اس کے بیوی بچوں کو بری نگاہ سے نہ دیکھا جائے۔

ہمارے پیارے نبی خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار یہ الفاظ ارشاد فرمائے اور اس شخص کی وضاحت نہیں کی تو) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ شخص کون ہے۔(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس بدنصیب شخص کے بارے میں قسم کے ساتھ ارشاد فرما رہے ہیں کہ وہ مومن نہیں، اور اس میں ایمان نہیں)۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جس کے پڑوسی اس کی برائیوں اور اس کے شر سے محفوظ و مامون اور بے خوف نہ ہوں۔(بخاری مسلم)

مسند احمد میں تحریر ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے جن دو آدمیوں کا مقدمہ اللہ کی عدالت میں پیش ہوگا وہ دو پڑوسی ہونگے (جنہوں نے ایک دوسرے کا حق ادا نہیں کیا اور آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے)۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو پڑوسیوں کے حقوق پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

ایثار و ہمدردی کا انوکھا واقعہ

ایثار و ہمدردی یعنی دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دینا اور دوسرے کے غم اور دکھ درد میں شریک ہونا اسلام کی معاشرتی تعلیمات میں سے ہے معاشرہ کے اجتماعی نظام کے استحکام اور بقاء میں اس کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے، اسلامی معاشرہ کی تاریخ میں اسلام کی تعلیم ایثار و ہمدردی کے بڑے عجیب واقعات ملتے ہیں ان میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو خطیب بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب تاریخ بغداد میں امام واقدی کے حالات میں لکھا ہے۔

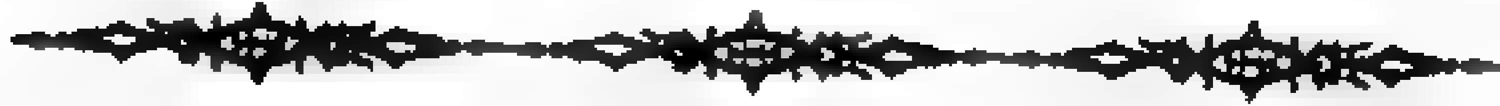
واقدی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے بڑی مالی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔فاقوں تک نوبت پہنچی گھر سے اطلاع آئی عید کی آمد آمد ہے اور گھر میں کچھ نہیں، بڑے تو صبر کرلیں گے لیکن بچے مفلسی کی عید کیسے گزاریں گے؟ یہ بات سن کر میں اپنے تاجر دوست کے پاس قرض لینے گیا وہ مجھے دیکھتے ہی سمجھ گیا اور بارہ سو درہم کی سربمہر ایک تھیلی میرے ہاتھ میں تھما دی، میں گھر آیا، ابھی بیٹھا ہی تھا کہ میرا ایک ہاشمی دوست آیا اس کے گھر بھی افلاس اور غربت نے ڈیرہ ڈالا تھا وہ قرض کی رقم چاہتا تھا میں نے گھر جا کر اہلیہ کو قصہ سنایا، کہنے لگی کتنی رقم دینے کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا تھیلی کی رقم نصف تقسیم کرلیں گے۔

اس طرح دونوں کا کام چل جائے گا، کہنے لگی بڑی عجیب بات ہے ایک عام آدمی کے پاس گئے اس نے آپ کو بارہ سو درہم دیئے اور آپ اسے ایک عام آدمی کے عطیہ کا نصف دے رہے ہیں آپ اسے پوری تھیلی دے دیں۔چنانچہ میں نے تھیلی کھولے بغیر سربمہر اس کے حوالے کردی وہ تھیلی لے کر گھر پہنچا تو میرا تاجر دوست اس کے پاس گیا کہا عید کی آمد آمد ہے گھر میں کچھ نہیں، کچھ رقم قرض چاہیے، ہاشمی دوست نے وہی تھیلی سربمہر اس کے حوالے کردی، اپنی ہی تھیلی دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی یہ کیا ماجرا

ہے؟ وہ تھیلی ہاشمی دوست کے ہاں چھوڑ کر میرے پاس آیا میں نے اسے پورا قصہ سنایا۔ درحقیقت تاجر دوست کے پاس بھی اس تھیلی کے علاوہ کچھ نہیں تھا وہ سارا مجھے دے گیا تھا اور خود قرض لینے ہاشمی کے پاس چلا۔

ہاشمی نے جب وہ حوالے کرنا چاہی تو راز کھل گیا۔ ایثار و ہمدردی کے اس انوکھے واقعے کی اطلاع جب وزیر یحییٰ بن خالد کے پاس پہنچی تو وہ دس ہزار دینار لے کر آئے کہنے لگے ان میں دو ہزار آپ اور دو ہزار ہاشمی دوست کے اور دو ہزار تاجر دوست کے اور چار ہزار آپ کی اہلیہ کے ہیں کیونکہ وہ تو سب میں زیادہ قابل قدر اور لائق اعزاز ہے۔ یہ تھے وہ لوگ جن میں اسلام کی اخلاقی قدریں آباد تھیں اور جنہیں دیکھ کر غیر مسلم اسلام قبول کرنے پر خود بخود آمادہ ہو جاتے تھے۔

اب ڈھونڈ انہیں چراغ رخ زیبا لے کر



حضرت پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمہ

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے کردار و سیرت میں اولیاء کرام اور علماء کرام دونوں کا عکس ملتا ہے۔ اسی طرح آپ نے عقیدہ ختم نبوت کے منکرین اور ان کے جھوٹے دعوؤں کو اس طرح تہس نہس کر کے دنیا کے سامنے رسوا کیا گویا جھوٹ اور کفر کے تمام پلندے مکمل کر عوام کے سامنے پیش کر دیئے۔ قادیانیت کے مکروہ فتنے کے مقابلے میں آپ کی علمی تلوار ہر وقت کمان میں رہتی۔ حتیٰ کہ انہیں علمی دلائل کے ساتھ شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

مہر منیر میں شیخ الحدیث مولانا فیض احمد فیض صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب اور مولانا وحی احمد دو طالب علم تھے جو مولانا احمد علی کے درس حدیث میں حنفی المذہب تھے باقی تمام طلباء غیر مقلد تھے۔ سبق کے دوران اکثر اختلافی مسائل پر بحث چھڑ جاتی تھی۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے ہمیشہ حنفی مذہب کی فوقیت ثابت ہوتی تھی۔ غیر مقلد حضرت پیر مہر شاہ صاحب کی موجودگی میں اپنی شکست سمجھتے تھے۔

ایک دن بخاری شریف کی اس حدیث پر گفتگو ہوئی اور وہ حدیث یہ ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو قریظہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر اتر آئے کہ جو وہ فیصلہ ہمارے حق میں کر دیں، اگر چہ وہ قتل کرنے کا ہو یا غلام بنانے کا ہو وہ ہمیں منظور ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: **قوموا الی سیدکم** " تم اپنے سردار کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ بنو قریظہ مدینہ شریف کے تین مشہور قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ شریف تشریف لے گئے تو ان سے معاہدہ ہوا تھا کہ وہ مل کر رہیں گے اور ایک دوسرے کے خلاف کسی قسم کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیں گے۔ جبکہ دفاع کی صورت میں اکٹھے دشمن کا مقابلہ کریں گے لیکن انہوں نے بار بار اس معاہدے کو توڑا۔ آخر کار مجبوری کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے بعد ان کا محاصرہ کیا اور ان کے خلاف جنگ کی۔ انہوں نے مزاحمت کی لیکن جب محاصرہ تنگ ہوا تو انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے۔ اور صلح پر آمادگی کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم پسند کرو گے کہ جو تمہارے حلیف سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فیصلہ کر دیں، تو وہ سب راضی ہو گئے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کے بالغ مردوں کے قتل کا فیصلہ دیا۔

حضرت استاذ احمد علی صاحب نے اس حدیث پر جو تقریر فرمائی اس سے یہی ثابت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام کو کھڑے ہونے کا حکم دینا حضرت سعد کی تعظیم کیلئے تھا۔ تو اس پر مخالفین نے اعتراض کیا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ زخمی تھے اور قیام کا

حکم انہیں سواری سے اتارنے کیلئے تھا۔ نہ تعظیم کیلئے۔

استاذ صاحب نے میری طرف (پیر مہر علی) دیکھا تو میں نے عرض کیا کہ یہاں ''قوموا'' جمع کا صیغہ ہے اور زخمی ہونے کی صورت میں امداد کی حاجت تو ایک شخص کے قیام سے بھی پوری ہو سکتی تھی۔ سب انصار کو کھڑے ہونے کا حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم برائے تعظیم تھا۔ اس کے علاوہ قاعدہ، قانون یہ ہے کہ اگر مشتق پر حکم کیا جائے تو مشتق منہ علت ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ ''**الکاتب متحرك الاصابع**'' کہ لکھنے والا انگلیوں کو حرکت دینے والا ہے۔ جبکہ انگلیوں کا حرکت دینے کی علت اس کا مبداء اشتقاق کتابت ہوگی۔

جیسے قرآن مجید میں ہے ''**السارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما**'' چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔ زانیہ عورت اور زنا کرنے والے مرد کو سو کوڑے مارو، کاٹنے (قطع) اس کا مبداء اشتقاق چوری (سرقہ) اور کوڑوں کی علت اس کا مبداء اشتقاق زنا ہے۔ لہٰذا ''**قوموا الی سیدکم**'' میں '**قوموا** یعنی کھڑے ہونے کی علت و سبب سید کا مبداء اشتقاق سیادت یعنی سرداری قرار پائے گی۔ پس ثابت ہوا کھڑے ہونے کا حکم تعظیم کیلئے تھا نہ کہ مرض کی وجہ سے، کیونکہ اگر مرض کی وجہ سے ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے **قوموا الی مریضکم** '' یعنی تم اپنے مریض کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔

حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی علیہ الرحمہ کے عرس مبارک پر حاضری کیلئے تیار تھے کہ دوران تیاری کسی نے عرض کیا حضور! آج کل آپ کی طبیعت ناساز ہے سفر کے قابل نہیں۔ پھر بھی آپ سیال شریف تشریف لے جا رہے ہیں فرمایا: ہاں! بخوشی نہ کہ کسی کے جبر کے تحت، دوسری بات یہ ہے ہمیں اس سفر کرنے میں حرج ہی کیا ہے کیونکہ سیال شریف سے ہم نے خدا کا نام حاصل کیا ہے جی چاہتا ہے کہ عرس پر ہمیشہ وہاں کی حاضری نصیب رہے۔ آخر دوسرے دنیاوی کام بھی تو مشقت کے بغیر نہیں کیے جا سکتے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی خصوص الحکم میں لکھتے ہیں کہ حقیقت میں ولی وہ ہے جو فنا فی اللہ ہو جائے اور فنا کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی بشریت کی جہت کو ربوبیت کی جہت میں بالکل نیست و نابود کر دے۔ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ انہیں اولیاء کرام میں سے تھے۔ عمر بھر دین کی خدمت سرانجام دی، مسلک حق اہل سنت و جماعت کی حمایت اور بد مذہبوں کی سرکوبی پر خاص توجہ فرمائی۔

خاص کر مرزا غلام احمد جس نے جھوٹا نبوت کا دعوی کیا ہوا تھا اس کی سرکوبی کیلئے علمی تلوار اور مناظرہ و مباہلہ کی تلوار سے بھی کام لیا تاہم ہر موقع پر فتح و نصرت نے آپ کے قدم چومے اور قادیانی کذاب ملعون کو جگہ جگہ رسوا ہونا پڑا، اور لاکھوں کی تعداد میں آپ نے مسلمانوں کے ایمانوں کے تحفظ کیلئے ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ خوشبوئے جنت نصیب کرے، امین۔

واقعات شہداء وغازیان اسلام

غازی علم الدین شہید کا راج پال پر حملہ

علم الدین ایک محنت کش نجار طالع مند کا بیٹا تھا جب علم الدین پیدا ہوا تو اس کی ماں کی گود میں دیکھ کر ایک فقیر نے بشارت دی کہ تم لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہو کہ ایسا نیک بخت بچہ تمہارے گھر پیدا ہوا ہے۔ علم الدین نے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم اپنے محلہ کی مسجد میں حاصل کی جو اس زمانہ میں بازار سرفروشاں کے نام سے مشہور تھا جب یہ بچہ ذرا بڑا ہوا تو باپ نے جلدی اسے اپنے ساتھ کام پر لگایا جس میں اس نے بڑی جلدی مہارت حاصل کر لی علم الدین کا ایک بچپن کا ساتھی عبدالرشید تھا جسے سب پیار سے شیدا کے نام سے پکارتے تھے شیدا کے والد کی دکان مسجد وزیر خان کے سامنے واقع تھی ایک دن دونوں دوست گھر سے شام کے وقت جب مسجد وزیر خان پہنچے تو وہاں ایک جلسہ عام میں شیطان راج پال کے خلاف تقریریں ہو رہی تھیں جس میں یہ اعلان ہو رہا تھا کہ مسلمان اپنی جانیں قربان کر دیں گے لیکن اس مردود راج پال کو زندہ نہیں چھوڑیں گے یہ تقریر سن کر دونوں دوست تڑپ اٹھے گھر آ کر علم الدین نے اپنے والد طالع مند سے پوچھا:

سوال: کیا کوئی شخص جو ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں گستاخی کرے وہ زندہ رہ سکتا ہے صلی اللہ

جواب: باپ نے جواب دیا: بیٹا! مسلمان اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

سوال: کیا اسے مارنے والے کو سزا ملے گی۔ علم الدین نے باپ سے دریافت کیا۔

جواب: ہاں بیٹا! یہاں گوروں کے قانون کے مطابق اس کو پھانسی کی سزا ملے گی۔

اسی رات علم الدین نے دیکھا کہ خواب میں ایک بزرگ نمودار ہوئے ہیں اور اس سے کہہ رہے ہیں: علم الدین دشمن نے تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں گستاخی کی ہے تم ابھی تک سو رہے ہو اٹھو اور جلدی کرو۔

یہ خواب دیکھ کر وہ فدائی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) فوراً اٹھ بیٹھا اور اپنے اوزار لے کر صبح سویرے اپنے دوست شیدا کے گھر پہنچا اور وہاں سے دونوں دوست بھاٹی دروازے کے سامنے والے کھلے میدان میں جا پہنچے علم الدین نے وہاں رازدارانہ طریقہ سے اپنے دوست شیدا کو رات والا خواب سنایا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ اس نے بھی گزشتہ رات یہی خواب دیکھا تھا اب دونوں دوستوں میں تکرار ہونے لگی دونوں کا اصرار تھا کہ اس موذی کو مارنے کے لئے اسے بشارت ہوئی ہے آخر طے پایا کہ قرعہ ڈالا جائے اس میں جس کا نام آئے وہی اس کام کو سرانجام دے تین بار قرعہ ڈالا گیا اور ہر بار قرعہ فال طالع مند کے خوش نصیب فرزند علم الدین کے نام نکلا جس پر اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا شیدا کو اپنے اس دوست کی خوش بختی پر رشک آیا اس نے علم الدین کو اس کامیابی پر مبارکباد دی جس کے بعد دونوں دوست ایک دوسرے سے جدا ہو گئے وہاں سے علم الدین سیدھے گھر پہنچے وہ گھر آ کر کچھ دیر کے لئے لیٹ گئے تو ذرا دیر کے لئے ان کی آنکھ لگ گئی کیا دیکھتے ہیں کہ وہی بزرگ دوبارہ نمودار ہو کر ان سے کہہ رہے ہیں:

علم الدین یہ وقت سونے کا نہیں بلکہ جس کام کے لئے تمہیں چن لیا گیا ہے اس کی تکمیل کے لئے فوراً پہنچو ورنہ بازی کوئی اور لے جائے

گا۔

جس پر وہ ایک بار پھر اپنے دوست شیدا کے پاس الوداعی ملاقات کے لئے پہنچے اسے اپنی کچھ چیزیں بطور یادگار دیں اور دوبارہ گھر پہنچ کر انہوں نے اپنے منصوبے کی تکمیل کا پروگرام اپنے ذہن میں مرتب کرلیا اور گھر میں کسی سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی اس ڈر سے کہ کہیں خون اور قرابت کے رشتے اس راہ میں حائل نہ ہو جائیں اس دن انہوں نے غسل کیا سرخ دھاری دار قمیص اور سفید شلوار پہنی سر پر پگڑی باندھی صاف اور سجل لباس پر خوشبو لگائی اس سے قبل انہوں نے اپنی ماں سے میٹھے چاول کی فرمائش کی تھی جسے باپ بیٹے نے مل کر تناول کیا باپ کے کسی کام پر جانے کے بعد علم الدین نے اپنی معصوم بھتیجی کے ماتھے کو سوتے میں بڑے پیار سے چوما اور اپنی بھابھی سے کچھ پیسے لے کر اس سج دھج سے خوشی خوشی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے مگر کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ علم الدین نے آج کے دن یہ سارا اہتمام کیوں کیا ہے گھر سے گمٹی بازار پہنچ کر وہاں آتمارام کباڑیئے کی دکان سے ایک روپیہ میں ایک لمبا چاقو خریدا اور اسے شلوار کے نیفہ میں رکھ لیا پھر وہ سیدھے دوپہر کے وقت انارکلی ہسپتال روڈ راج پال کی دکان کے سامنے والی ٹال پر پہنچے۔

راج پال کو جہنم رسید کرنے کا واقعہ

جوں ہی ٹال والے جوان نے علم الدین کو بتلایا کہ وہ منحوس دکان کے اندر داخل ہوا ہے تو وہ اپنے شکار کے تعاقب میں دکان کے اندر پہنچ گئے اور اسے دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس کے ساتھ ہی ان کے اندر عقابی روح بیدار ہوئی اور انہیں اپنی منزل آسمانوں میں نظر آنے لگی چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ جھپٹ کر علم الدین نے راج پال خبیث کے سینے میں چاقو پیوست کر دیا جو اس کے دل کو چیرتا ہوا نکل گیا یہ ضرب ایسی کاری ثابت ہوئی کہ وہ مردود زخموں کی تاب نہ لا کر اوندھے منہ زمین پر گر پڑا اور وہیں اس نے دم توڑ دیا اس طرح اس بدبخت کو کیفر کردار پہنچانے کے بعد غازی علم الدین جب دکان سے باہر نکلے تو مقتول کے ملازمین نے مار دیا مار دیا کا شور مچانا شروع کر دیا جس پر قریب کے ایک ہندو دکاندار سیتارام کے لڑکے اور اس کے ساتھیوں نے آ کر پیچھے سے اس نوجوان غازی کو پکڑ لیا جس پر علم الدین نے کہا:

آج میں نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بدلہ لے لیا آج میں نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بدلہ لے لیا۔

اس عرصہ میں پولیس بھی جائے واردات پر پہنچ گئی جس نے غازی علم الدین کو گرفتار کر لیا اور ۱۰ر اپریل ء کو مسٹر لوئیس ایڈیشنل مجسٹریٹ لاہور کی عدالت میں علم الدین کے خلاف زیر دفعہ تعزیرات ہند مقدمہ قتل کی کارروائی شروع ہوئی۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران علم الدین کے چہرے پر معصوم مسکراہٹ کھیلتی رہی شہادت قلم بند ہونے کے بعد سرسری بحث کے بعد مقدمہ سیشن کے سپرد ہوا سیشن کورٹ نے ۲۲ مئی کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا اور مسلسل حسب ضابطہ توثیق کے لئے لاہور ہائی کورٹ بھجوائی گئی، والدین کے حکم کی تعمیل میں علم الدین کی جانب سے بھی اس فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کی گئی جس کی پیروی اس وقت کے چوٹی کے قانون دان قائداعظم محمد علی جناح نے کی قائداعظم کی بحث کا سب سے اہم نکتہ یہ تھا کہ راج پال نے رنگیلا رسول جیسی قابل اعتراض کتاب شائع کر کے پیغمبر اسلام کی توہین کی ہے جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا چونکہ یہ کتاب اشتعال انگیزی کا سبب بنی اس لئے ملزم نے قتل عمد کا ارتکاب نہیں کیا لہٰذا اسے سزائے موت نہیں دی جا سکتی اس کے جواب میں وکیل سرکار رام لال نے من جملہ دیگر دلائل کے یہ موقف اختیار کیا کہ پیغمبر اسلام کی اہانت واقعی افسوسناک بات

ہے لیکن تعزیرات ہند میں اس جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں اس لئے مقتول نے کوئی خلاف قانون حرکت نہیں کی تھی چنانچہ ملزم کا یہ فعل اشتعال انگیزی کی تعریف میں نہیں آتا اور اس نے سیشن کورٹ کی سزائے موت کا فیصلہ بحال رکھا جب یہ فیصلہ غازی علم الدین کو سنایا گیا تو وہ مارے خوشی کے چیخ اٹھے اور کہا:

اس سے بڑھ کر میری اور کیا خوش نصیبی ہوگی کہ مجھے شہادت کی موت نصیب ہو رہی ہے اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کی سعادت سے بھی مجھے سرفراز کیا جا رہا ہے۔

جب ان کا غمگسار دوست شیدا ان سے ملاقات کے لئے میانوالی جیل پہنچا تو اسے غمگین دیکھ کر علم الدین نے کہا:

یار! آج تجھے تو میری طرح خوش ہونا چاہئے اپنے آقا کے نام پر کٹ مرنا ہی ایک مسلمان کی سب سے بڑی آرزو ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ کتنی بڑی کرم نوازی ہے کہ ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں سے اپنے اس حقیر بندے کے ہاتھوں اس ناپاک شیطان کو ختم کرایا اور دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہونے کی میری دلی مراد بھی پوری ہو رہی ہے اس لئے تمام مسلمان بھائیوں تک میری یہ بات پہنچا دو کہ وہ میری موت پر غم نہ کریں بلکہ میرے لئے دعائے خیر کریں۔

والدین اور عزیز واقارب سے آخری ملاقات کے موقع پر اپنی والدہ سے کہا کہ: وہ ان کا دودھ بخش دے ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کہنے لگے:

ماں دیکھ تو کتنی خوش نصیب ہے کہ تیرے بیٹے کو شہادت کی موت مل رہی ہے مجھے تو ہنسی وخوشی رخصت کرنا چاہئے۔

پھر علم الدین نے پیالہ سے پانی پیا اور اسی پیالہ سے اپنے عزیزوں اور والد طالع مند کو پانی پلا کر پوچھا کہ: انہیں بھی اس کی ٹھنڈک پہنچی ہے سب نے جب اثبات میں جواب دیا تو کہنے لگے: مجھے تو جگر تک ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے پھر ان سب سے کہا کہ: کوئی ان کی موت پر آنسو نہ بہائے ورنہ انہیں اس سے تکلیف ہوگی۔

جیل کے حکام کو وصیت نامہ میں اپنے عزیزوں کے لئے یہ بات بطور خاص لکھوائی کہ:

ان کے پھانسی پر چڑھنے سے وہ بخشے نہیں جائیں گے بلکہ ہر ایک اپنے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا حق دار ہوگا اور انہیں تاکید کی کہ وہ نماز نہ چھوڑیں اور زکوٰۃ برابر ادا کریں اور شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم رہیں۔

انجام کار راکتوبر کو وہ دن آ پہنچا جس کے لئے علم الدین کی جان بے تاب تڑپ رہی تھی رات اس جوان شب زندہ دار نے ذکرِ الٰہی اور تہجد میں گزاری اور طلوع سحر پر انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ نماز فجر ادا کی اجل سٹریٹ داروغہ جیل اور مسلح سپاہیوں کے ہمراہ استقبال کے لئے کوٹھڑی کے دروازے پر موجود تھا مجسٹریٹ نے اس مردِ غازی سے پوچھا: کوئی آخری خواہش تو کہا: صرف دو رکعت نماز شکرانہ کی مہلت اجازت ملنے پر سجدۂ شکر ادا کرنے کے بعد سرخوشی کے عالم میں وہ ان کے ساتھ سوئے دار چل پڑے اس وقت جیل کے قیدی اپنی اپنی کوٹھڑیوں اور بارکوں میں اس فدائی رسول کی آخری جھلک دیکھنے کے لئے تعظیماً ایستادہ کھڑے تھے رفیقانِ زنداں کو الوداع اور سلام آخر کہتے ہوئے مقتل میں پہنچ کر جب تختہ دار کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے جھوم اٹھے پھر ساعت سعید کو قریب دیکھ کر تیزی سے تختہ دار کی طرف بڑھے اور شوق میں چاہا کہ پھانسی کے پھندے کو جو وصالِ حبیب کا مژدۂ جاں فزا لے کر نمودار ہوا تھا خود اپنے ہاتھوں سے گلے میں ڈال لیں لیکن اسے

خلاف شریعت جان کر فوراً رک گئے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا:

لوگو! گواہ رہنا! میں نے ہی راج پال کو حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر قتل کیا تھا اور آج اپنے نبی پاک کا کلمہ پڑھتے ہوئے ان کی خاطر اپنی جان نثار کر رہا ہوں۔

یہ کہتے ہوئے اس نوجوان پروانہ نبوت نے دار ورسن کو چوم کر اپنی جان عزیز ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دی، جیل کے حکام نے اپنے افسران بالا کی ایما پر علم الدین شہید علیہ الرحمہ کی نعش کو ان کے والد اور عزیز واقارب اور سینکڑوں مسلمانوں کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا جو جیل سے باہر اسے لے جانے کے لئے منتظر کھڑے تھے اس بے تدبیری کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو گئے۔ لیکن نقضِ امن کے اندیشہ کے پیش نظر جیل کے کارندوں نے حکومت کی خفیہ ہدایات پر شہید نبوت کی لاش کو نہایت خاموشی کے ساتھ عجلت میں جیل کے احاطہ میں عام قیدیوں کے قبرستان کے اندر دفن کر دیا جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا لاہور اور دوسرے شہروں میں ہڑتالیں شروع ہوئیں کاروبار معطل ہو گیا برہنہ پا اور برہنہ سر ماتمی جلوس نکلنے لگے اور مسلمانوں میں شدید ہیجان پیدا ہو گیا اس پر اکابرین وقت جن میں علامہ اقبال پیش پیش تھے سر محمد شفیع جناب محسن شاہ والد محترم جناب جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ چیف جسٹس پاکستان اور دوسرے قائدین کے ہمراہ گورنر سے ملے اور اپنے جواں سال شہید کی لاش کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا جو اس یقین دہانی پر کہ وہ امن عامہ برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہوں گے حکومت نعش ان کے حوالہ کرنے پر رضامند ہو گئی چنانچہ تدفین کے تیرھویں دن مسلمان مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنروں کی موجودگی میں شہید کی میت قبر سے نکالی گئی عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ کئی دن گزر جانے کے باوجود لاش صحیح اور سالم حالت میں موجود تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی آنکھ لگی ہے۔

نومبر کو سارے شہر اور اس کے گرد ونواح سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کا ایک سیل بے پناہ فدائی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے رواں دواں تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے اس شہید رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی لحد میں تدفین سے قبل اتر کر کہا:

کاش! یہ سعادت مجھے نصیب ہوتی شہید کے جسم کو اشکبار آنکھوں سے علامہ اقبال جیسے شیدائی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں اتارا جس پر علامہ کی زبان سے بے اختیار نکل گیا: یہ جوان ہم سب پڑھے لکھوں سے بازی لے گیا۔

راج پال ہندو کی توہین رسالت

لاہور میں راج پال ہندو نے رسوائے زمانہ کتاب رنگیلا رسول شائع کی جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بڑی توہین کی گئی تھی جب یہ کتاب چھپ کر بازار میں آئی تو مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی مسلمان زعماء نے حکومت سے اس کتاب کی فوری ضبطی اور اس کے ناشر کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیا جس پر راج پال کے خلاف فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا لاہور کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ملزم کو چھ ماہ قید کی سزا دی لیکن اس وقت شادی لال جیسا متعصب چیف جسٹس تھا اس کی ایماء پر راج پال ملزم کو سزا سے بری کر دیا گیا جس نے مسلمانوں کی آتشِ غضب کو اور بھڑکا دیا۔

غازی خدابخش کا راج پال پر پہلا قاتلانہ حملہ

چنانچہ ستمبر کو جب ملعون راج پال اپنی دکان پر موجود کاروبار میں مشغول تھا ایک مردِ مجاہد خدا بخش جو لاہور کا رہنے والا تھا اس خبیث پر تیز دھار دار چاقو سے حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا لیکن اس بدبخت نے اس وقت بھاگ کر اپنی جان بچالی غازی خدا بخش کو زیرِ دفعہ الف تعزیرات ہند گرفتار کر لیا اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور مسٹر ایم بی اوگلوی کی عدالت میں اس کے مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ غازی خدا بخش نے اپنی طرف سے وکیل صفائی مقرر کرنے سے انکار کر دیا راج پال مستغیث نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا:

مجھ پر یہ حملہ کتاب رنگیلا رسول کی اشاعت اور مسلمانوں کے ایجی ٹیشن کی وجہ سے کیا گیا ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ ملزم خدا بخش اب بھی مجھے جان سے مار دے گا کیونکہ حملہ کے وقت ملزم چلایا تھا: کافر کے بچے! آج تو میرے ہاتھ آیا ہے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

عدالت کے استفسار پر اس مردِ غازی نے گرج دار آواز میں کہا: میں مسلمان ہوں ناموسِ رسالت کا تحفظ میرا فرض ہے میں اپنے آقا کی توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر راج پال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: اس نے میرے رسول کی شان میں گستاخی کی تھی اس لئے میں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن یہ کم بخت اس وقت میرے ہاتھ سے بچ نکلا۔ اقرارِ جرم کے بعد غازی خدا بخش کو سات سال قید سخت سنائی گئی۔

غازی عبدالعزیز

اس واقعہ کے چند دن بعد ایک اور مردِ غازی عبدالعزیز نے جو افغانستان سے اپنے سینہ میں اس دشمن اسلام راج پال کے خلاف غصہ کی آگ لے کر لاہور پہنچا تھا۔ ۸ اکتوبر ۲۷ء کی شام راج پال کی دکان پر آیا اتفاقاً اس وقت راج پال کا ایک دوست سوامی ستیا نند بیٹھا تھا جسے غازی عبدالعزیز نے شاتمِ رسول سمجھ کر چاقو سے حملہ کر کے زخمی کر دیا پولیس نے جائے واردات پر پہنچ کر غازی عبدالعزیز کو گرفتار کر لیا عدالت نے اس مردِ مجاہد کو بھی وہی سزا دی جو غازی خدا بخش کو دی گئی تھی جسے بھگت کر یہ دونوں غازی جیل سے سرخرو ہو کر نکلے۔

غازی عامر چیمہ شہید علیہ الرحمہ

پندرہویں صدی کے شہید اعظم اور عالم اسلام کے ہیرو حضرت غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ آج سے 32 سال قبل 4 دسمبر 1977ء کو ضلع حافظ آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا جبکہ والدہ محترمہ نے ان کا نام عامر رکھا۔ اس طرح ان کا نام عامر عبدالرحمٰن چیمہ بن گیا۔ عامر چیمہ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ان کی تین بہنیں ہیں۔ ان کے والدین کئی سال پہلے راولپنڈی منتقل ہو گئے تھے۔ عامر چیمہ نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول راولپنڈی سے شروع کی اور 1993ء میں گورنمنٹ ہائی سکول راولپنڈی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ایف ایس سی سرسید کالج راولپنڈی سے پاس کرنے کے بعد 1996ء میں عامر چیمہ فیصل آباد چلے گئے۔ یہاں انہوں نے نیشنل کالج آف ٹیکسٹائل انجینئرنگ میں داخلہ لیا۔ یہاں سے انہوں نے 2000ء میں انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے سب سے پہلے رائیونڈ کی ایک ٹیکسٹائل مل میں ملازمت اختیار کی۔ وہاں کچھ عرصہ ملازمت کر کے عامر چیمہ واپس راولپنڈی آ گئے اور ایک پرائیویٹ کالج میں تدریس کا کام شروع کر دیا۔ جلد ہی انہوں نے یہ ملازمت چھوڑ کر پھر سے ایک ٹیکسٹائل مل میں نوکری کر لی۔ کچھ عرصے کے بعد ٹیکسٹائل مل سے ملازمت چھوڑ کر عامر چیمہ لاہور چلے گئے۔ لاہور میں انہوں نے یونیورسٹی آف مینجمنٹ میں داخل لیا اور وہ 26 نومبر 2004ء کو ماسٹر آف ٹیکسٹائل مینجمنٹ کا کورس کرنے کے لئے جرمنی چلے گئے۔ یونیورسٹی میں ان کے تین سمسٹر مکمل ہو چکے تھے۔ آخری سمسٹر باقی تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور کو ایسا عظیم الشان مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ آپ جیسی کوئی ہستی کائنات میں نہ کبھی تھی نہ ہے نہ ہو گی۔ آپ نبی آخرالزماں ہیں، رحمۃ اللعالمین اور قیامت تک تمام انسانوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ ہم سب حضور سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ جب تک ہم اپنے ماں، باپ، بہن، بھائیوں، سے بھی زیادہ حضور سے پیار نہ کریں ہمارا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ہم حضور کی اتنی عزت کرتے ہیں، ان سے اس قدر محبت کرتے ہیں ان کو ایسا مقدس جانتے ہیں کہ درود پاک کے بغیر ان کا نام نامی اسم گرامی زبان پر نہیں لاتے۔ ظاہر ہے ہم جن کی اتنی عزت کرتے ہیں کوئی ان کی توہین کرے، ہم یہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ کی توہین ہو اور مسلمان خاموش رہیں۔ ہو ہی نہیں سکتا، یہ دراصل محبت، عشق ادب اور احترام کی نرالی ہی دنیا ہے ،کوئی انوکھا ہی رنگ ہے۔ جسے غیر مسلم ،مغرب والے، یہودی، عیسائی اور ہندو سمجھ ہی نہیں سکتے۔

عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ محبت رسول اللہ کے اسی نوکھے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ جرمنی کے ایک اخبار Die Welte میں رسول اللہ کے توہین آمیز خاکے شائع ہوئے تو عامر چیمہ غم اور غصے سے تڑپ اٹھے۔ اخبارات و رسائل میں شائع

ہونے والی مختلف رپورٹوں کے مطابق اپنے پیارے نبی کی توہین نے انہیں سخت بے قرار اور بے چین کر دیا تھا۔ ان کی یہ بے قراری اور بے چینی عامر چیمہ کو اس رسوائے زمانہ اخبار کے مرکزی دفتر میں لے گئی۔ وہ تیز قدموں سے اخبار کے گستاخ رسول ایڈیٹر کے کمرے کی طرف بڑھے۔

عامر چیمہ دوڑتے ہوئے ایڈیٹر کے کمرے میں گھس گئے اور اپنے کپڑوں میں چھپایا ہوا خاص قسم کا شکاری خنجر نکال کر اس پر پے در پے وار کر کے اسے شدید زخمی کر دیا۔ اتنے میں دفتر کا عملہ اور سیکورٹی گارڈز جمع ہو گئے اور انہوں نے عامر چیمہ کو پکڑ لیا۔ عامر چیمہ نے مزید وار کرنے کے لئے اپنے آپ کو ان لوگوں کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی لیکن وہ بہت سے لوگ تھے اس لئے عامر چیمہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جرمن پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا۔

تین دن بعد جرمن پولیس نے عامر چیمہ کو اپنے اس تحریری بیان کے ساتھ عدالت کے روبرو پیش کیا جس میں عامر چیمہ نے کہا تھا: میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے Welte Die کے ایڈیٹر پر قاتلانہ حملہ کیا۔ یہ شخص ہمارے نبی کی شان میں گستاخی کا ذمہ دار تھا۔ اگر مجھے آئندہ بھی موقع ملا تو میں ایسے ہر شخص کو قتل کر دوں گا۔ عامر چیمہ کے اس جرأت مندانہ اعتراف کے بعد کسی ریمانڈ، کسی تحقیق اور تشدد کی گنجائش نہیں تھی، لیکن ظالم ہٹلر کے ظالم اور درندہ صفت جانشینوں نے عامر چیمہ پر ظلم و ستم اور تشدد کے پہاڑ توڑ دیئے۔ بعض اخباری رپورٹوں کے مطابق تفتیش کے دوران جب جرمن پولیس کے ایک اہلکار نے رسول اللہ اور دیگر انبیاء کرام کے بارے میں گستاخانہ گفتگو کی تو عامر چیمہ نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ ان کو ایسی اذیتیں اور تکلیفیں دی گئیں کہ وہ بالآخر جبر و تشدد کی تاب نہ لاتے ہوئے آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ عامر چیمہ کی شہادت کی خبر سامنے آئی تو جرمن پولیس کے اس ظلم و ستم پر پاکستان کے ہر فرد کے دل پر ایک قیامت گزر گئی۔ وطن کے ہر گھر میں ہر زبان پر عامر چیمہ کا تذکرہ تھا۔ سب نے عامر چیمہ کو ہیرو بنا کر اپنے دل کی دھڑکنوں میں بسا لیا تھا۔ لوگ جوق در جوق راولپنڈی کے علاقے ڈھوک کشمیریاں کی گلی نمبر 18 میں واقع عامر چیمہ کے گھر جاتے گئے۔

وہاں ہر وقت ہجوم رہنے لگا۔ روزانہ سینکڑوں لوگ پھول، گلدستے اور تہنیتی کارڈ لے کر عامر چیمہ کے گھر جاتے ان کے والدین سے ملتے انہیں عامر چیمہ کی شہادت پر مبارک باد دیتے اور شہید کو خراج عقیدت پیش کرتے۔ کئی دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ لوگوں نے عاشق رسول اللہ عامر چیمہ شہید کے ساتھ عشق کا حق ادا کر دیا۔ جب 13 مئی کو عامر چیمہ شہید کا جسد خاکی ان کے آبائی گاؤں سارو کی چیمہ (گوجرانوالہ) پہنچا تو عامر چیمہ کے ساتھ لوگوں کا عشق اپنی انتہا پر تھا۔ بچے، بوڑھے، جوان، عورتیں، مرد، امیر، غریب، صبح سویرے ہی سارو کی چیمہ پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ سخت گرمی اور چلچلاتی دھوپ میں شمع رسالت کے پروانوں کا جوش و جذبہ دیکھ کر غیر ملکی میڈیا کے نمائندے ہی نہیں آسمان دنگ رہ گیا تھا۔ پرنم آنکھوں، درد سے بھرے ہوئے دلوں اور بے قابو جذبات کے ساتھ لاکھوں لوگ عامر چیمہ شہید کے تابوت کو چھونے کے لئے لپک رہے تھے۔ تڑپ رہے تھے۔ فضاء میں عجب سا نور رقص کر رہا تھا۔ تلاوت قرآن، نعرہ تکبیر، نعرہ رسالت اور درود و سلام کی گونج نے ایک نرالا سماں پیدا کر دیا۔

تھا۔انوار وتجلیات کی پرکیف برسات جاری تھی جب وہ دوپہر تقریباً پونے دو بجے کے قریب عامر چیمہ شہید کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا گیا۔

آفرین صد آفرین، عامر بھائی! آپ بازی لے گئے، اللہ تعالیٰ آپ کی قربانی کو قبول فرمائے، آپ پر رحمتیں نازل کرے اور آپ کی قبر کو ہمیشہ نور سے آباد رکھے۔

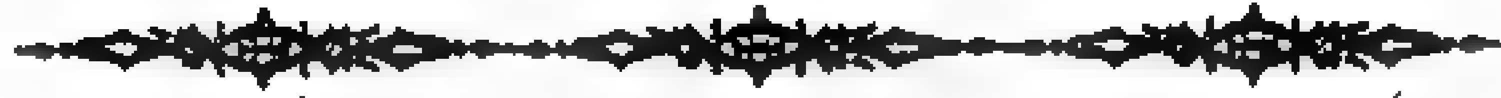
حضرت غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد پروفیسر نذیر احمد چیمہ اپنے اکلوتے بیٹے کی شہادت پر مطمئن ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ ان کے بیٹے نے حضرت محمد کی عزت وحرمت کی خاطر جان دی ہے۔عامر بہت نیک اور سعادت مند بیٹا تھا۔اس کی شہادت نے ہمارا سر فخر سے بلند کر دیا۔عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والدہ محترمہ کہتی ہیں کہ میرا شیر جیسا بیٹا اعلیٰ ڈگری لینے جرمنی گیا تھا اور وہاں سے ایسی اعلیٰ ڈگری لے کر آیا کہ اس سے بڑی کوئی ڈگری نہیں۔اگر میرا کوئی اور بیٹا ہوتا تو میں اسے بھی اسی راستے میں بھیجتی۔اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کی شہادت قبول فرمائے۔عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بہنیں کہتی ہیں کہ آخری دفعہ 6 مارچ کو کزن کی شادی کے موقع پر بھائی نے مبارکباد کے لئے فون کیا تھا۔ان کی بہنیں کہتی ہیں کہ عامر بھائی ہماری ہر بات مانتے تھے۔کبھی انکار نہیں کرتے تھے۔ہم نے اپنے بھائی جیسا خیال رکھنے والا اور محبت کرنے والا بھائی کبھی نہیں دیکھا۔وہ ہم تینوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بھائی کو اتنی شان بخشی۔

پندرہویں صدی کے شہید اعظم اور عالم اسلام کے ہیرو حضرت غازی عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کا تیسرا سالانہ عرس مبارک نہایت شان وشوکت سے مورخہ 13 مئی 2009ء بروز بدھ بوقت صبح 9 بجے تا ظہر ساروکی چیمہ میں زیر سرپرستی پروفیسر نذیر احمد چیمہ منعقد ہو رہا ہے۔جس میں مرکزی جمعیت علماء پاکستان کے صدر حاجی فضل کریم ایم این اے۔تحریک اویسیہ پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ وسربراہ اتحاد تنظیمات اہلسنت مفکر اسلام حضرت علامہ پیر محمد تبسم بشیر اویسی سجادہ نشین مرکز اویسیاں نارووال، علامہ رضا ثاقب مصطفائی امیر اعلیٰ ادارۃ المصطفیٰ، علامہ پیر سید محفوظ شاہ مشہدی صوبائی صدر مرکزی جمعیت علمائے پاکستان کے علاوہ نامور علماء ومشائخ خطابات فرمائیں گے۔جبکہ سیکورٹی کے فرائض انجمن طلباء اسلام کے نوجوان انجام دیں گے۔عرس مبارک میں عشاقانِ رسالت ملک بھر سے قافلہ در قافلہ جوق در جوق عظیم عاشق رسول کے عرس مبارک میں حاضری کی سعادت حاصل کریں گے۔

جبکہ ہر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے ممتاز دانشور، صحافی، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے حضرات بھی شرکت کریں گے۔عرس مبارک میں تحریک اویسیہ پاکستان، جماعت اہلسنت پاکستان، سنی تحریک، انجمن طلباء اسلام، ادارہ تاجدار یمن پاکستان کے علاوہ دیگر سنی تنظیمات کے کارکنان بھرپور انداز میں شریک ہوں گے۔

حکومت کو چاہیے کہ ملت اسلامیہ کے ہیرو حضرت غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم الشان مزار کی تعمیر کرنے کا اعلان کرے اور ان کے عظیم کارنامے کو شامل نصاب کرے تاکہ نوجوان نسل جذبۂ جہاد وعشق رسول سے سرشار ہو سکے اور

ان کے دلوں میں عشق مصطفیٰ کی شمع فروزاں ہو سکے۔ جبکہ شہید کے والدین کے لئے مراعات کا اعلان کرے تاکہ ان کی دل جوئی ہو اور دیگر مسلم نوجوانوں میں گستاخ رسول کو واصل جہنم کرنے اور ناموس رسالت پر جان قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ شہید ناموسِ رسالت آج بھی سوال کر رہا ہے کہ اسلام کے نام پر سوات اور سرحد میں جو لوگ نظام عدل کی آڑ میں قتل و غارت دہشت گردی کو فروغ دیکر امن کو سبوتاژ کر رہے ہیں جبکہ عظیم صوفیاء کے مزارات کی بے حرمتی اور ان کو شہید کر رہے ہیں حکومت ان کے ساتھ سختی سے نمٹے۔ کیونکہ اولیاء کرام اور صوفیاء کے مزارات روحانیت کے مراکز ہیں۔ نظامِ عدل کے نام پر ملک کو عالمی سطح پر بدنام کیا جا رہا ہے حکومت ان کی سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے سخت اقدامات کرے تاکہ ملک میں افراتفری، بدامنی اور دہشت گردی کو فروغ دینے کا خاتمہ ہو اور ملک حقیقی معنوں میں امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکے۔



حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی

حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمہ کی بہادری کا واقعہ

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ تعالیٰ جنہوں نے اسلامی تاریخ پر اپنی عظمت وشوکت کے نقوش ثبت کیے ہیں۔ ابھی نوعمر ہی ہیں، عیسائی فوجیں، "رہا" پر قبضہ کر کے مال واسباب لوٹ کر عورتوں کو پکڑ کر لے جاتی ہیں۔ یہ ظلم دیکھ کر نوعمر صلاح الدین ایک ترکی بوڑھے کو لے کر سلطان عمادالدین زنگی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتے ہیں۔ عیسائیوں کے مظالم سے بادشاہ کو آگاہ کرتے ہیں۔ اس کی اسلامی حمیت وغیرت کو بیدار کرتے ہیں اور رو رو کر (مدد کے لئے) فریاد کرتے ہیں۔

نیک دل بادشاہ نورالدین زنگی کو ان حالات کا علم ہوتا ہے تو تمام فوجیوں کو جمع کرتا ہے۔ انہیں "رہا" کے حالات سناتا ہے اور جہاد پر ابھارتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ:

"کل صبح میری تلوار "رہا" کے قلعے پر لہرائے گی، تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟" یہ اعلان سن کر تمام فوجی حیران رہ جاتے ہیں کہ یہاں سے "رہا" 90 میل کی دوری پر ہے، راتوں رات وہاں کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟ یہ تو کسی طرح ممکن نہیں۔ تمام فوجی ابھی غور ہی کر رہے تھے کہ ایک نوعمر لڑکے کی آواز گونجتی ہے: "ہم بادشاہ کا ساتھ دیں گے۔" لوگوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک نوعمر لڑکا کھڑا تھا، بعضوں نے فقرے کسے کہ: "جاؤ میاں کھیلو کودو! یہ جنگ ہے بچوں کا کھیل نہیں۔" سلطان نے یہ فقرے سنے تو غصے سے چہرہ سرخ ہوگیا، بولا: "یہ بچہ سچ کہتا ہے اس کی صورت بتاتی ہے کہ یہ کل میرا ساتھ دے گا۔ یہی وہ بچہ جو "رہا" سے میرے پاس فریاد لے کر آیا ہے، اس کا نام صلاح الدین ہے۔" یہ سن کر فوجیوں کو غیرت آتی ہے، سب تیار ہو جاتے ہیں اور اگلے روز دوپہر تک "رہا" پہنچ کر حملہ کر دیتے ہیں۔ گھمسان کی جنگ ہوئی، عیسائی سپہ سالار بڑی آن وبان کے ساتھ مقابلے کے لئے نکلا۔ سلطان زنگی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کاری ضرب لگائی، مگر لوہے کی زرہ نے وار کو بے اثر بنا دیا۔ عیسائی سپہ سالار نے پلٹ کر سلطان زنگی رحمہ اللہ تعالیٰ پر حملہ کیا اور نیزہ تان کر سلطان کی طرف پھینکنا ہی چاہتا تھا کہ نوعمر لڑکے صلاح الدین کی تلوار فضا میں بجلی کی طرح چمک اٹھی اور زرہ کے کٹے ہوئے حصے پر گر کر عیسائی سپہ سالار کے دو ٹکڑے کر کے رکھ دیئے۔ عیسائی سپہ سالار کے موت کے گھاٹ اترتے ہی عیسائی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور "رہا" پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

آج ہر شخص کی زبان پر نوعمر صلاح الدین کی شجاعت کے چرچے ہیں اور یہ واقعہ تاریخ اسلام میں سنہرے الفاظ سے لکھا جاتا ہے۔

ہرمزان ایران کے قبول اسلام کا واقعہ

ایران کا مشہور سپہ سالار ہرمزان قیدی بنا کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جسے اسنے ٹھکرا دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ جب اسکے قتل کی تیاری ہوگئی تو اسنے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا: "میں پیاس سے نڈھال ہوں کیا ایسا ممکن ہے کہ مجھے قتل کرنے سے پہلے پانی پینے دیا جائے؟

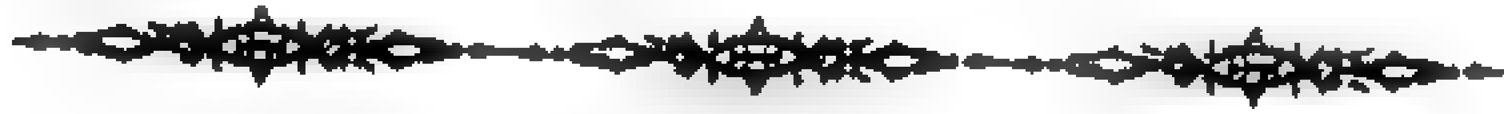
حکم ہوا کہ اسے پانی پلایا جائے۔ ہرمزان نے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لیا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: "اس پانی کے پینے تک آپ مجھے قتل نہیں کرینگے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب تک تم پانی نہیں پیو گے تمھیں قتل نہیں کیا جائیگا"۔ اسنے پانی کو فوراً گرا کر ضائع کیا اور کہا "امیر المومنین! دیکھئے آپ نے وعدہ کیا ہے اسے پورا کیجئے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "تمھیں قتل کرنے سے رک جاتے ہیں اور تمھارے بارے میں غور و فکر کرینگے"۔ پھر جلاد کو حکم دیا گیا کہ تلوار کو ہٹالو۔ اسنے تلوار ہٹتے ہی " اشهد ان لا اله الاالله واشهد ان محمد الرسول الله" بلند آواز سے پکارا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تم نے اسلام قبول کیا اچھی بات ہے مگر تم یہ بتاؤ کہ جب تم سے کہا گیا کہ اسلام قبول کرلو تو تم نے اسی وقت کیوں نہ قبول کیا"۔ اسنے کہا کہ "مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ اگر میں اسلام قبول کروں گا تو میرے بارے میں کہا جائیگا کہ موت کے ڈر سے اسلام قبول کر رہا ہوں"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اہل فارس کی عقلیں پہاڑوں جیسی ہیں"۔ مطلب یہ کہ یہ بڑے عقلمند ہیں انکی عقلیں عظیم الشان ہیں۔

جان دیکر تمام لوگوں کو ایمان بخشنے والے نوجوان کا واقعہ

مروی ہے کہ پہلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا، جب اس کا جادوگر بوڑھا ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میرے پاس ایک لڑکا بھیج، جسے میں جادو سکھادوں، بادشاہ نے ایک لڑکا مقرر کردیا، وہ جادو سیکھنے لگا، راہ میں ایک راہب رہتا تھا، اس کے پاس بیٹھنے لگا اور اس کا کلام اس کے دلنشین ہوتا گیا، اب آتے جاتے اس نے راہب کی صحبت میں بیٹھنا مقرر کرلیا، ایک روز راستہ میں ایک مہیب جانور ملا، لڑکے نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر یہ دعا کی کہ یارب اگر راہب تجھے پیارا ہو تو میرے پتھر سے اس جانور کو ہلاک کردے، وہ جانور اس کے پتھر سے مرگیا، اس کے بعد لڑکا مستجاب الدعوۃ ہوا اور اس کی دعا سے کوڑھی اور اندھے اچھے ہونے لگے، بادشاہ کا ایک مصاحب نابینا ہوگیا تھا، وہ آیا لڑکے نے دعا کی وہ اچھا ہوگیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور بادشاہ کے دربار میں پہنچا، اس نے کہا تجھے کس نے اچھا کیا، کہا میرے رب نے، بادشاہ نے کہا میرے سوا اور بھی کوئی رب ہے، یہ کہہ کر اس نے اس پر سختیاں شروع کیں، یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا پتا بتایا، لڑکے پر سختیاں کیں اور اس نے راہب کا پتہ بتایا، راہب پر سختیاں کیں اور اس سے کہا اپنا دین ترک کر، اس نے انکار کیا تو اس کے سر پر آرا رکھ کر چروادیا، پھر مصاحب کو بھی چروادیا، پھر لڑکے کو حکم دیا کہ پہاڑ کی

چوٹی سے گرا دیا جائے، سپاہی اس کو پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے، اس نے دعا کی، پہاڑ میں زلزلہ آیا سب گر کر ہلاک ہو گئے، لڑکا صحیح و سلامت چلا آیا، بادشاہ نے کہا سپاہی کیا ہوئے، کہا سب کو خدا نے ہلاک کر دیا، پھر بادشاہ نے لڑکے کو سمندر میں غرق کرنے کے لئے بھیجا، لڑکے نے دعا کی، کشتی ڈوب گئی، تمام شاہی آدمی ڈوب گئے، لڑکا صحیح و سلامت بادشاہ کے پاس آ گیا، بادشاہ نے کہا وہ آدمی کیا ہوئے، کہا سب کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا اور تو مجھے قتل کر ہی نہیں سکتا جب تک وہ کام نہ کرے جو میں بتاؤں، کہا وہ کیا؟ لڑکے نے کہا ایک میدان میں سب لوگوں کو جمع کر اور مجھے کھجور کے ڈھنڈ پر سولی دے، پھر میرے ترکش سے ایک تیر نکال کر بسم اللہ رب الغلام کہہ کر مار، ایسا کرے گا تو مجھے قتل کر سکے گا، بادشاہ نے ایسا ہی کیا، تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا، اس نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور واصل بحق ہو گیا، یہ دیکھ کر تمام لوگ ایمان لے آئے اس سے بادشاہ کو اور زیادہ صدمہ ہوا اور اس نے ایک خندق کھدوائی اور اس میں آگ جلوائی اور حکم دیا جو دین سے نہ پھرے، اسے اس آگ میں ڈال دو، لوگ ڈالے گئے، یہاں تک کہ ایک عورت آئی، اس کی گود میں بچہ تھا، وہ ذرا جھجکی، بچے نے کہا اے ماں صبر کر، نہ جھجک تو سچے دین پر ہے، وہ بچہ اور ماں بھی آگ میں ڈال دیئے گئے۔ یہ حدیث صحیح ہے مسلم نے اس کی تخریج کی، اس سے اولیاء کی کرامتیں ثابت ہوتی ہیں۔ آیت میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔



معرکہ روم وفارس کا انجام

جب نیشاپور کا شاہ فارس بلاد شام اور جزیرہ کے آس پاس کے شہروں پر غالب آ گیا اور روم کا بادشاہ ہرقل تنگ آ کر قسطنطیہ میں محصور ہو گیا۔ مدتوں محاصرہ رہا آخر پانسہ پلٹا اور ہرقل کی فتح ہوگئی۔ مفصل بیان آگے آ رہا ہے۔ مسند احمد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ رومیوں کو شکست پر شکست ہوئی اور مشرکین نے اس پر بہت خوشیاں منائیں۔ اس لئے کہ جیسے یہ بت پرست تھے ایسے ہی فارس والے بھی ان سے ملتے جلتے تھے اور مسلمانوں کی چاہت تھی کہ رومی غالب آئیں اس لئے کم از کم وہ اہل کتاب تو تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا رومی عنقریب پھر غالب آ جائیں گے۔ صدیق اکبر نے مشرکین کو جب یہ خبر پہنچائی تو انہوں نے کہا آؤ کچھ شرط بدلو اور مدت مقرر کر لو اگر رومی اس مدت میں غالب نہ آئیں تو تم ہمیں اتنا اتنا دینار دینا اور اگر تم سچے نکلے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔ پانچ سال کی مدت مقرر ہوئی وہ مدت پوری ہوگئی اور رومی غالب نہ آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدمت نبوی میں یہ خبر پہنچائی آپ نے فرمایا تم نے دس سال کی مدت مقرر کیوں نہ کی۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں قرآن میں مدت کے لئے لفظ بضع استعمال ہوا ہے اور یہ دس سے کم پر اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ یہی ہوا بھی کہ دس سال کے اندر اندر رومی پھر غالب آ گئے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کے بعد رومی بھی فارسیوں پر غالب آ گئے حضرت عبداللہ کا فرمان ہے کہ پانچ چیزیں گذر چکی ہیں دخان اور لزام اور بطشہ اور شق قمر کا معجزہ اور رومیوں کا غالب آنا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر کی شرط سات سال کی تھی۔ حضور نے ان سے پوچھا کہ بضع کے کیا معنی تم میں ہوتے ہیں؟ جواب دیا کہ دس سے کم۔

فرمایا پھر جاؤ مدت میں دو سال بڑھا دو چنانچہ اسی مدت کے اندر اندر رومیوں کے غالب آ جانے کی خبریں عرب میں پہنچ گئی۔ اور مسلمان خوشیاں منانے لگے۔ اسی کا بیان ان آیتوں میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ مشرکوں نے حضرت صدیق اکبر سے یہ آیت سن کر کہا کہ کیا تم اس میں بھی اپنے نبی کو سچا مانتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں اس پر شرط ٹھہری اور مدت گذر چکی اور رومی غالب نہ آئے۔ حضور کو جب اس شرط کا علم ہوا تو آپ رنجیدہ ہوئے اور جناب صدیق اکبر سے فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟

جواب ملا کہ اللہ اور اس کے رسول کی سچائی پر بھروسہ کر کے آپ نے فرمایا پھر جاؤ اور مدت میں دس سال مقرر کر لو خواہ چیز بھی بڑھانی پڑے۔ آپ گئے مشرکین نے دوبارہ یہ مدت بڑھا کر شرط منظور کر لی۔ ابھی دس سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ رومی فارس پر

غالب آ گئے اور مدائن میں ان کے لشکر پہنچ گئے۔ اور رومیہ کی بنا انہوں نے ڈال لی۔ حضرت صدیق نے قریش سے شرط کا مال لیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے فرمایا اسے صدقہ کردو۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ایسی شرط بدنے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس میں ہے کہ مدت چھ سال مقرر ہوئی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ پیشن گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب ہوئے تو بہت سے مشرکین ایمان بھی لے آئے (ترمذی)

اہل روم پر اہل کتاب کے غالب آجانے کا واقعہ

ایک بہت عجیب و غریب قصہ امام جنید ابن داؤد نے اپنی تفسیر میں وارد کیا ہے کہ عکرمہ فرماتے ہیں فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان اور بادشاہ ہی ہوتے تھے۔ کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا اور اس سے کہا کہ میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تیری اولاد میں سے کسی کو اس لشکر کا سردار بنانا چاہتا ہوں۔ اب تم مشورہ کرلو کہ کسے سردار بناؤ؟ اس نے کہا کہ میرا فلاں لڑکا تو لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے سے زیادہ ہوشیار ہے۔ دوسرا لڑکا فرخان تیر جیسا ہے۔ تیسرا لڑکا شہر براز سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔ اب تم جسے چاہو سرداری دو۔ بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہر براز کو سردار بنایا۔

یہ لشکروں کو لے کر چلا رومیوں سے لڑا بھڑا اور ان پر غالب آ گیا۔ ان کے لشکر کاٹ ڈالے ان کے شہر اجاڑ دیئے۔ ان کے باغات برباد کر دیئے اس سرسبز و شاداب ملک کو ویران و غارت کر دیا۔ اور اذرعات اور بصرہ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں ایک زبردست معرکہ ہوا۔ اور وہاں فارسی رومیوں پر غالب آ گئے۔ جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان ناخوش ہوئے۔ کفار قریش مسلمانوں کو طعنے دینے لگے کہ دیکھو تم اور نصرانی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارسی ان پڑھ ہیں ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آ گئے۔ اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور اگر لڑائی ہوئی تم ہم بتلا دیں گے کہ تم ان اہل کتاب کی طرح ہمارے ہاتھوں شکست اٹھاؤ گے۔ اس پر قرآن کی یہ آیتیں اتریں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان آیتوں کو سن کر مشرکین کے پاس آئے اور فرمانے لگے اپنی اس فتح پر نہ اتراؤ یہ عنقریب شکست سے بدل جائے گی اور ہمارے بھائی اہل کتاب تمہارے بھائیوں پر غالب آئیں گے۔

اس بات کا یقین کرلو اس لئے کہ یہ میری بات نہیں بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی ہے۔ یہ سن کر ابی بن خلف کھڑا ہو کر کہنے لگا اے ابوالفضل تم جھوٹ کہتے ہو۔ آپ نے فرمایا اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے۔ اس نے کہا اچھا میں دس دس اونٹنیوں کی شرط بدتا ہوں۔ اگر تین سال تک رومی فارسیوں پر غالب آ گئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دوں گا ورنہ تم مجھے دینا۔ حضرت صدیق اکبر نے یہ شرط قبول کر لی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر اس کا ذکر کیا تو آپ نے کہا میں نے تم سے تین سال کا نہیں کہا تھا بضع کا لفظ قرآن میں ہے اور تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔ جاؤ اونٹنیاں بھی بڑھا دو اور مدت بھی بڑھا دو۔ حضرت ابوبکر چلے جب ابی کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا شاید تمہیں پچھتاوا ہوا؟ آپ نے فرمایا سنو میں تو پہلے سے بھی زیادہ تیار ہو کر آیا ہوں۔ آؤ مدت بھی بڑھاؤ اور شرط کا مال بھی زیادہ کرو۔ چنانچہ ایک سو اونٹ مقرر ہوئے اور نو سال کی مدت ٹھہری اسی مدت میں رومی فارس پر غالب آ گئے اور مسلمان قریش

پر چھاگئے۔ رومیوں کے غلبے کا واقعہ یوں ہوا کہ جب فارس غالب آ گئے تو شہر براز کا بھائی فرخان شراب نوشی کرتے ہوئے کہنے لگا میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کسریٰ کے تخت پر آ گیا ہوں اور فارس کا بادشاہ بن گیا ہوں۔

یہ خبر کسریٰ کو بھی پہنچ گئی۔ کسریٰ نے شہر براز کو لکھا کہ میرا یہ خط پاتے ہی اپنے اس بھائی کو قتل کر کے اسکا سر میرے پاس بھیج دو۔ شہر براز نے لکھا کہ اے بادشاہ تم اتنی جلدی نہ کرو۔ فرخان جیسا بہادر شیر اور جرات کے ساتھ دشمنوں کے جمگھٹے میں گھسنے والا کسی کو تم نہ پاؤ گے بادشاہ نے پھر جواب لکھا کہ اس سے بہت زیادہ اور شیر دل پہلوان میرے دربار میں ایک سے بہتر ایک موجود ہیں تم اس کا غم نہ کرو اور میرے حکم کی فوراً تعمیل کرو شہر براز نے پھر اس کا جواب لکھ اور دوبارہ بادشاہ کسریٰ کو سمجھایا اس پر بادشاہ آگ بگولا ہو گیا اس نے اعلان کر دیا کہ شہر براز سے میں نے سرداری چھین لی اور اس کی جگہ اس کے بھائی فرخان کو اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اسی مضمون کا ایک خط لکھ کر قاصد کے ہمراہ شہر بزار کو بھیج دیا کہ تم آج سے معزول ہو اور تم اپنا عہدہ فرخان کو دے دو۔

ساتھ ہی قاصد کو ایک پوشیدہ خط دیا کہ شہر براز جب اپنے عہدے سے اتر جائے اور فرخان اس عہدے پر آ جائے تو تم اسے میرا یہ فرمان دے دینا۔ قاصد جب وہاں پہنچا تو شہر براز نے خط پڑھتے ہی کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم منظور ہے، میں بخوشی اپنا عہدہ فرخان کو دے رہا ہوں۔ فرخان جب تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور لشکر نے اس کی اطاعت قبول کر لی تو قاصد نے وہ دوسرا خط فرخان کے سامنے پیش کیا جس میں شہر براز کے قتل کا اور اس کا سر دربار شاہی میں بھیجنے کا فرمان تھا۔ فرخان نے اسے پڑھ کر شہر براز کو بلایا اور اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا شہر براز نے کہا بادشاہ جلدی نہ کر مجھے وصیت تو لکھ لینے دے۔ اس نے منظور کر لیا تو شہر براز نے اپنا دفتر منگوایا اور اس میں وہ کاغذات جو شاہ کسریٰ نے فرخان کے قتل کے لئے اسے لکھے تھے وہ سب نکالے اور فرخان کے سامنے پیش کئے اور کہا دیکھ اتنے سوال و جواب میرے اور بادشاہ کے درمیان تیرے بارے میں ہوئے۔

لیکن میں نے اپنی عقلمندی سے کام لیا اور عجلت نہ کی تو ایک خط دیکھتے ہی میرے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ ذرا سوچ لے ان خطوط کو دیکھ کر فرخان کی آنکھیں کھل گئیں وہ فوراً تخت سے نیچے اتر گیا اور اپنے بھائی شہر براز کو پھر سے مالک کل بنا دیا۔ شہر براز نے اسی وقت شاہ روم ہرقل کو خط لکھا کہ مجھے تم سے خفیہ ملاقات کرنی ہے اور ایک ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے اسے میں نہ تو کسی قاصد کی معرفت آپ کو کہلوا سکتا ہوں نہ خط میں لکھ سکتا ہوں۔

بلکہ میں خود ہی آمنے سامنے پیش کرونگا۔ پچاس آدمی اپنے ساتھ لے کر خود آ جائے اور پچاس ہی میرے ساتھ ہونگے قیصر کو جب یہ پیغام پہنچا تو وہ اس سے ملاقات کے لئے چل پڑا۔ لیکن احتیاطاً اپنے ساتھ پانچ ہزار سوار لے لئے۔ اور آگے آگے جاسوسوں کو بھیج دیا تا کہ کوئی مکر یا فریب ہو تو کھل جائے جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ کوئی بات نہیں اور شہر براز تنہا اپنے ساتھ صرف پچاس سواروں کو لے کر آیا ہے اس کے ساتھ کوئی اور نہیں۔

چنانچہ قیصر نے بھی مطمئن ہو کر اپنے سواروں کو لوٹا دیا اور اپنے ساتھ صرف پچاس آدمی رکھ لئے۔ جو جگہ ملاقات کی مقرر ہوئی تھی وہاں پہنچ گئے۔ وہاں ایک ریشمی قبہ تھا اس میں جا کر دونوں تنہا بیٹھ گئے پچاس پچاس آدمی الگ چھوڑ دیئے گئے دونوں وہاں

ہتھیار تھے صرف چھریاں پاس تھیں اور دونوں کی طرف سے ایک ترجمان ساتھ تھا۔ خیمہ میں پہنچ کر شہر براز نے کہا اے بادشاہ روم بات یہ ہے کہ تمہارے ملک کو ویران کرنے والے اور تمہارے لشکروں کو شکست دینے والے ہم دونوں بھائی ہیں ہم نے اپنی چالاکیوں اور شجاعت سے یہ ملک اپنے قبضہ میں کرلیا ہے۔ لیکن اب ہمارا بادشاہ کسریٰ ہمارا حسد کرتا ہے اور ہمارا مخالف بن بیٹھا ہے مجھے اس نے میرے بھائی کو قتل کرنے کا فرمان بھیجا میں نے فرمان کو نہ مانا تو اس نے اب یہ طے کرلیا ہے کہ ہم آپ کے لشکر میں آ جائیں اور کسریٰ کے لشکروں سے آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں۔

قیصر نے یہ بات بڑی خوشی سے منظور کرلی۔ پھر ان دونوں میں آپس میں اشاروں کنایوں سے باتیں ہوئی جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ترجمان قتل کردیئے جائیں ایسا نہ ہو کہ یہ راز ان کی وجہ سے کھل جائے کیونکہ جہاں دو کے سوا تیسرے کے کان میں کوئی بات پہنچی تو پھر وہ پھیل جاتی ہے۔ دونوں اس پر اتفاق کر کے کھڑے ہوگئے اور ہر ایک نے اپنے ترجمان کا کام تمام کردیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو ہلاک کردیا اور حدیبیہ والے دن اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش ہوئے۔ یہ سیاق عجیب ہے اور یہ خبر غریب ہے۔

اہل روم کا عیص بن اسحاق کے نسب سے ہونے کا بیان

رومی سب کے سب عیص بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں بنو اسرائیل کے چچازاد بھائی ہیں۔ رومیوں کو بنو اصفر بھی کہتے ہیں یہ یونانیوں کے مذہب پر تھے یونانی یافث بن نوح کی اولاد میں ہیں ترکوں کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں یہ ستارہ پرست تھے ساتوں ستاروں کو مانتے اور پوجتے تھے۔ انہیں متحیرہ بھی کہا جاتا ہے یہ قطب شمالی کو قبلہ مانتے تھے۔ دمشق کی بنا انہی کے ہاتھوں پڑی وہیں انہوں نے اپنی عبادت گاہ بنائی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد بھی تین سو سال تک رومی اپنے پرانے خیالات پر ہی رہے ان میں سے جو کوئی شام کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے رومیوں کا بادشاہ قسطنطین بن قسطس نے نصرانی مذہب قبول کیا۔ اس کی ماں کا نام مریم تھا۔ ہیلانیہ غندقانیہ تھی حران کی رہنے والی۔ پہلے اسی نے نصرانیت قبول کی تھی پھر اس کے کہنے سننے سے اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کرلیا۔ یہ بڑا فلسفی عقلمند اور مکار آدمی تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دراصل دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا۔ اس کے زمانے میں نصرانی جمع ہوگئے۔ ان میں آپس میں مذہبی چھیڑ چھاڑ اور اختلاف اور مناظرے چھڑ گئے۔ عبداللہ بن اویوس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور اس قدر انتشار اور تفریق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ تین سو اٹھارہ پادریوں نے مل کر ایک کتاب لکھی جو بادشاہ کو دی گئی اور وہ شاہی عقیدہ تسلیم کی گئی۔

اسی کو امانت کبریٰ کہا جاتا ہے۔ جو درحقیقت خیانت صغریٰ ہے۔ یہیں فقہی کتابیں اسی کے زمانے میں لکھی گئی۔ ان میں حلال حرام کے مسائل بیان کئے گئے اور ان کے علماء نے دل کھول کر جو چاہا ان میں لکھا۔ جس قدر جی میں آئی کمی یا زیادتی اصل دین مسیح میں کی۔ اور اصل مذہب محرف و مبدل ہوگیا مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے۔ بجائے ہفتہ کے اتوار کو بڑا دن بنایا۔ صلیب کی

پرستش شروع ہوگئی۔ خنزیر کو حلال کرلیا گیا اور بہت سے تہوار ایجاد کر لئے جیسے عید صلیب عید قدس عید غطاس وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان علماء کے سلسلے قائم کئے گئے ایک تو بڑا پادری ہوتا تھا پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ اور تھکمے ہوتے تھے۔ رہبانیت اور ترک دنیا کی بدعت بھی ایجاد کرلی۔ کلیسا اور گرجے بہت سارے بنالئے گئے اور شہر قسطنطنیہ کی بنا رکھی گئی۔ اور اس بڑے شہر کو اسی بادشاہ کے نام پر نامزد کیا گیا۔ اس بادشاہ نے بارہ ہزار گرجے بنادیئے۔ تین محرابوں سے بیت لحم بنا۔ اس کی ماں نے بھی قمامہ بنایا۔ ان لوگوں کو ملکیہ کہتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر تھے۔ ان کے بعد یعقوبیہ پھر سطوریہ۔ یہ سب سطور کے مقلد تھے۔ پھر ان کے بہت سے گروہ تھے جیسے حدیث میں ہے کہ انکے بہتر (۷۲) فرقے ہوگئے۔

ان کی سلطنت برابر چلی آتی تھی ایک کے بعد ایک قیصر ہوتا آتا تھا یہاں تک کہ آخر میں قیصر ہرقل ہوا۔ یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ عقلمند تھا بہت بڑا عالم تھا دانائی زیرکی دوراندیشی اور دور بینی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے سلطنت بہت وسیع کرلی اور مملکت دور دراز تک پھیلادی اس کے مقابلے میں فارس کا بادشاہ کسریٰ کھڑا ہوا اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اس کی سلطنت قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی۔ یہ مجوسی لوگ تھے آگ کو پوجتے تھے۔ مندرجہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلہ پر گیا لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود کسریٰ اس کے مقابلے پر گیا۔ قیصر کو شکست ہوئی یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ میں گھر گیا۔ نصرانی اس کی بڑی عزت اور تعظیم کرتے تھے کو کسریٰ لمبی مدت تک محاصرہ کئے پڑا رہا لیکن دارالسلطنت کو فتح نہ کرسکا۔

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا ملک نصف سمندر کی طرف تھا اور نصف خشکی کی طرف تھا۔ تو شاہ قیصر کو کمک اور رسد تری کے راستے سے برابر پہنچتی رہی آخر میں قیصر نے ایک چال چلی اس نے کسریٰ کو کہلوا بھیجا کہ آپ جو چاہیں مجھ سے تسلی لے لیجئے اور جن شرائط پر چاہیں مجھ سے صلح کر لیجئے۔ کسریٰ اس پر راضی ہوگیا اور اتنا مال طلب کیا کہ وہ اور یہ مل کر بھی جمع کرنا چاہے تو ناممکن تھا۔ قیصر نے اسے قبول کرلیا کیونکہ اس نے اس سے کسریٰ کی بیوقوفی کا پتہ چلالیا کہ یہ وہ چیز مانگتا ہے جس کا جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے بلکہ ساری دنیا مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کرسکتی۔

قیصر نے کسریٰ سے کہلوا بھیجا کہ مجھے اجازت دے کہ میں اپنے ملک سے باہر چل پھر کر اس دولت کو جمع کرلوں اور آپ کو سونپ دوں۔ اس نے یہ درخواست منظور کرلی اب شاہ روم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا میں ایک ضروری اور اہم کام کے لئے اپنے مخصوص احباب کے ساتھ جارہا ہوں۔ اگر ایک سال کے اندر اندر آجاؤں تو یہ ملک میرا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کرلینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس سال تک بھی آپ نہ لوٹے تو کیا ہوا۔ یہ یہاں سے مختصر سی جانباز جماعت لے کر چپ چاپ چل کھڑا ہوا۔

پوشیدہ راستوں سے نہایت ہوشیاری احتیاط اور چالاکی سے بہت جلد فارس کے شہروں تک پہنچ گیا اور یکا یک دھاوا بول دیا چونکہ یہاں کی فوجیں تو روم پہنچ چکی تھیں عوام کہاں تک مقابلہ کرتے۔ اس نے قتل عام شروع کیا۔ جو سامنے آیا تلوار کے کام آیا یونہی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا جو کسریٰ کی سلطنت کی کرسی تھی وہاں کی محافظ فوج پر بھی غالب آیا انہیں بھی قتل کردیا اور

چاروں طرف سے مال جمع کیا۔ ان کی تمام عورتوں کو قید کر لیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کر ڈالا۔ کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا اس محل سرائے کی عورتوں کو زندہ گرفتار کیا۔ اس کی درباری عورتیں وغیرہ بھی پکڑی گئیں اسکے لشکر کا سر منڈوا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیجا کہ لیجئے جو مال اور عورتیں اور غلام تو نے مانگے تھے وہ سب حاضر ہیں۔

جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا یہ ابھی تک قسطنطیہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے پاس اس کا کل خاندان اور ساری حرم سرا اس ذلت کی حالت میں پہنچی۔ یہ سخت غضبناک ہوا اور شہر پر بہت سخت حملہ کر دیا لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی اب یہ نہر جیجون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے کیونکہ قیصر کا فارس سے قسطنطیہ آنے کا راستہ یہی تھا۔ قیصر نے اسے سن کر پہلے سے بھی زبردست حملہ کیا یعنی اس نے اپنے لشکر کو تو دریا کے اس دہانے چھوڑا اور خود تھوڑے سے آدمی لے کر سوار ہو کر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو کچھ چارہ لید گوبر وغیرہ لے گیا تھا اسے پانی میں بہا دیا۔ یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسرا کے لشکر کے پاس سے گذریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گذر گیا ہے۔ یہ اس کے لشکروں کے جانوروں کے آثار ہیں۔

اب قیصر واپس اپنے لشکر میں پہنچ گیا ادھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے چلا گیا۔ قیصر اپنے لشکروں سمیت جیجون کا دہانہ عبور کر کے راستہ بدل کر قسطنطیہ پہنچ گیا۔ جس دن یہ اپنے دارالسلطنت میں پہنچا نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ کسریٰ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کا عجب حال ہوا کہ نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن نہ تو روم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا رومی غالب آگئے فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آئے۔ یہ کل امور نو سال میں ہوئے اور رومیوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت فارسیوں سے دوبارہ لے لی اور مغلوب ہو کر غالب آگئے۔

اذراعات اور بصرہ کے معرکے میں اہل فارس غالب آگئے تھے اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر نو سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آگئے قرآن کریم میں لفظ بضع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نو تک ہوتا ہے اور یہی تفسیر اس لفظ کی ترمذی اور ابن جریر والی حدیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر سے فرمایا تھا کہ تمہیں احتیاطا دس سال تک رکھنے چاہئے تھے کیونکہ بضع کے لفظ اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے اس کے بعد قبل اور بعد پر پیش اضافت ہٹا دینے کی وجہ ہے کہ اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے اس دن جب کہ روم فارس پر غالب آجائے گا تو مسلمان خوشیاں منائیں گے۔

اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی والے دن رومی فارسیوں پر غالب آگئے۔ ابن عباس سدی ثوری اور ابو سعید یہی فرماتے ہیں ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ والے سال ہوا تھا عکرمہ زہری اور قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے بعض نے اس کی توجیہہ یہ بیان کی کہ قیصر روم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے فارس پر غالب کرے گا تو وہ اس کے شکر میں پیادہ بیت المقدس تک جائے گا چنانچہ اس نے اپنی نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا۔ یہ یہیں تھا اور اس کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا جو

آپ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت بصری کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچایا تھا ہرقل نے نامہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاتے ہی شام میں جو حجازی عرب تھے انہیں اپنے پاس بلایا ان میں ابوسفیان صخر بن حرب اموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے ذی عزت بڑے بڑے لوگ تھے اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر ان سے پوچھا کہ تم میں سے اس کا سب زیادہ قریبی رشتہ دار کون ہے؟

جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں ہوں۔ بادشاہ نے انہیں آگے بٹھالیا اور ان کے ساتھیوں کو پیچھے بٹھالیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کرونگا اگر یہ کسی سوال کا غلط جواب دے تو تم اس کو جھٹلا دینا ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو لوگ اس کو ظاہر کردیں گے اور پھر اس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو یقیناً میں جھوٹ بولتا۔ اب ہرقل نے بہت سے سوالات کیے۔ مثلاً حضور کے حسب نسب کہ نسبت آپ کے اوصاف وعادات کے متعلق وغیرہ وغیرہ ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے ابوسفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بدعہدی وعدہ شکنی اور غداری کی نہیں۔ اس وقت ہم میں اس میں ایک معاہدہ ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کرے؟

ابوسفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان یہ بات ٹھہری تھی کہ آپس میں دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔ یہ واقعہ اس قول کی پوری دلیل بن سکتا ہے کہ رومی فارس پر حدیبیہ والے سال غالب آئے تھے۔ اس لیے کہ قیصر نے اپنی نذر حدیبیہ کے بعد پوری کی تھی واللہ اعلم۔ لیکن اس کا جواب وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ غلبہ روم فارس پر بدر والے سال ہوا تھا یہ دے سکتے ہیں کہ چونکہ ملک کی اقتصادی اور مالی حالت خراب ہو چکی تھی ویرانی غیر آبادی وتنگ حالی بہت بڑھ گئی تھی اس لئے چار سال تک ہرقل نے اپنی پوری توجہ ملک کی خوشحالی اور آبادی پر رکھی۔ اس کے بعد اس طرف سے اطمینان حاصل کر کے نذر کو پوری کرنے کے لئے روانہ ہوا واللہ اعلم۔

یہ اختلاف کوئی ایسا اہم امر نہیں۔ ہاں مسلمان رومیوں کے غلبہ سے خوش ہوئے اس لئے کہ وہ کیسے ہی ہوں تاہم تھے اہل کتاب۔ اور ان کے مقابلے مجوسیوں کی جماعت تھی جنہیں کتاب سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ تو لازمی امر تھا کہ مسلمان ان کے غلبے سے ناخوش ہوں اور رومیوں کے غلبے سے خوش ہوں۔ خود قرآن میں موجود ہے کہ ایمان والوں کے سب سے زیادہ دشمن یہود اور مشرک ہیں اور ان سے دوستیاں رکھنے میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں اس لئے کہ ان میں علماء اور درویش لوگ ہیں اور یہ متکبر نہیں قرآن سن کر یہ رو دیتے ہیں کیونکہ حق کو جان لیتے ہیں پھر اقرار کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم ایمان لائے تو ہمیں بھی ماننے والوں میں کرلے۔ پس یہاں بھی یہی فرمایا کہ مسلمان اس دن خوش ہونگے جس دن اللہ تعالیٰ رومیوں کی مدد کرے گا وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ بڑا غالب اور بہت مہربان ہے۔

حضرت زبیر کلابی فرماتے ہیں میں نے فارسیوں کا رومیوں پر غالب آنا پھر رومیوں کا فارسیوں پر غالب آنا پھر روم اور فارس دونوں پر مسلمانوں کا غالب آنا اپنی آنکھوں سے پندرہ سال کے اندر دیکھا لیا۔

نفس کی سات اقسام کا بیان

نفس کی سات اقسام ہیں جنکے نام درج ذیل ہیں :1۔ نفس امارہ 2۔ نفس لوامہ 3۔ نفس ملھمہ 4۔ نفس مطمئنہ 5۔ نفس راضیہ 6۔ نفس مرضیہ 7۔ نفس کاملہ

نفس امارہ پہلا نفس ہے یہ سب سے زیادہ گناہوں کی طرف مائل کرنے والا اور دنیاوی رغبتوں کی جانب کھینچ لے جانے والا ہے۔ ریاضت اور مجاہدہ سے اس کی برائی کے غلبہ کو کم کر کے جب انسان نفس امارہ کے دائرہ سے نکل آتا ہے تو لوامہ کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر دل میں نور پیدا ہو جاتا ہے۔ جو باطنی طور پر ہدایت کا باعث بنتا ہے جب نفس لوامہ کا حامل انسان کسی گناہ یا زیادتی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اس کا نفس اسے فوری طور پر سخت ملامت کرنے لگتا ہے اسی وجہ سے اسے لوامہ یعنی سخت ملامت کرنے والا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس نفس کی قسم کھائی ہے:

وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِO

اور میں نفس لوامہ کی قسم کھاتا ہوں۔ القیامۃ، 2:75

تیسرا نفس نفس ملہمہ ہے۔ جب بندہ ملہمہ کے مقام پر فائز ہوتا ہے تو اس کے داخلی نور کے فیض سے دل اور طبیعت میں نیکی اور تقوی کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے چوتھا نفس مطمئنہ ہے جو بری خصلتوں سے بالکل پاک اور صاف ہو جاتا ہے اور حالت سکون و اطمینان میں آجاتا ہے۔ یہ نفس بارگاہ الوہیت میں اسقدر محبوب ہے کہ حکم ہوتا ہے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُO ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ.

اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ الفجر، 28،27:89

یہ نفس مطمئنہ اولیاء اللہ کا نفس ہے یہی ولایت صغریٰ کا مقام ہے۔ اس کے بعد نفس راضیہ، مرضیہ اور کاملہ یہ سب ہی نفس مطمئنہ کی اعلیٰ حالتیں اور صفتیں ہیں اس مقام پر بندہ ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہتا ہے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةًO

اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ آ اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو۔ الفجر، 28:89

سچی تقریر کے اثر نے تقدیر ہی بدل ڈالی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار یہ سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ بنی اسرائیل میں کفل نامی ایک شخص تھا جو ہمیشہ رات دن برائی میں پھنسا رہتا تھا. کوئی سیاہ کاری ایسی نہ تھی جو اس سے چھوٹی ہو نفس کی کوئی ایسی خواہش نہ تھی جو اس نے پوری نہ کی ہو. ایک مرتبہ اس نے ایک عورت کو ساٹھ (60) دینار دے کر بدکاری کیلئے آمادہ کیا. جب وہ تنہائی میں اپنے برے کام کے ارادے پر مستعد ہوتا ہے تو وہ نیک بخت بید لرزاں کی طرح تھرانے لگتی ہے.

اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی ہیں. چہرے کا رنگ فق پڑ جاتا ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کلیجہ بانسوں اچھلنے لگتا ہے، کفل حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ اس ڈر، خوف، دہشت اور وحشت کی کیا وجہ ہے؟

پاک باطن، شریف النفس، باعصمت لڑکی اپنی لڑکھڑاتی زبان سے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیتی ہے. مجھے اللہ کے عذابوں کا خیال ہے اس زبوں کام کو ہمارے پیدا کرنے والے اللہ نے حرام کر دیا ہے. یہ فعل بد ہمارے مالک ذوالجلال کے سامنے ذلیل ورسوا کرے گا.

منعم حقیقی محسن قدیمی کی یہ نمک حرام ہے واللہ! میں نے کبھی بھی اللہ کی نافرمانی پر جرات نہ کی. ہائے حاجت اور فقر و فاقہ، کم صبر اور بے استقلالی نے یہ روز بد دکھایا کہ جس کی لونڈی ہوں اس کے سامنے اس کے دیکھتے ہوئے اس کی نافرمانی کرنے پر آمادہ ہو کر اپنی عصمت بیچنے اور اچھوت دامن پر دھبہ لگانے پر تیار ہو گئی. لیکن اے کفل! بخدائے لایزال، خوف اللہ مجھے گھلائے جا رہا ہے. اس کے عذابوں کا کھٹکا کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے. ہائے آج کا دو گھڑی کا لطف صدیوں خون تھکوائے گا اور عذاب الٰہی کا لقمہ بنوائے گا. اے کفل! اللہ کیلئے اس بدکاری سے باز آ اور اپنی اور میری جان پر رحم کر. آخر اللہ کو منہ دکھانا ہے.

اس نیک نہاد اور پاک باطن اور عصمت مآب خاتون کی پر اثر اور بے لوث مخلصانہ سچی تقریر اور خیر صوابی نے کفل پر اپنا گہرا اثر ڈالا اور چونکہ جو بات سچی ہوتی ہے دل ہی میں اپنا گھر کرتی ہے ندامت اور شرمندگی ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اور عذاب الٰہی کی خوفناک شکلیں ایک دم آنکھوں کے سامنے آ کر ہر طرف سے حتیٰ کہ در و دیوار سے دکھائی دینے لگتی ہیں جسم بے جان ہو جاتا ہے، قدم بھاری ہو جاتے ہیں، دل تھرا جاتے ہیں سو ایسا ہی کفل کو معلوم ہوا وہ اپنے انجام پر غور کر کے اپنی سیاہ کاریاں یاد کر کے رو دیا اور کہنے لگا

اے پاکباز عورت! تو محض ایک گناہ وہ بھی ناکردہ پر اس قدر کبریائے ذوالجلال سے لرزاں ہے ہائے میری تو ساری عمر اپنی بدکاریوں اور سیہ اعمالیوں میں بسر ہو گئی میں نے اپنے منہ کی طرح اپنے اعمال نامے کو بھی سیاہ کر دیا خوف اللہ کبھی پاس بھی نہ بھٹکنے دیا عذاب الٰہی کی کبھی بھولے سے بھی پرواہ نہ کی ہائے میرا مالک مجھ سے غصے ہوگا اس کے عذاب کے فرشتے میری تاک میں ہوں گے جہنم کی غیظ و غضب اور قہر آلودہ نگاہیں میری طرف ہوں گے میری قبر کے سانپ بچھو میرے انتظار میں ہوں گے مجھے تو تیری نسبت زیادہ ڈرنا چاہیے نہ جانے میدان محشر میں میرا کیا حال ہوگا اے بزرگ عورت گواہ رہ میں آج سے تیرے سامنے سچے دل سے توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ رب کی ناراضگی کا کوئی کام نہ کروں گا اللہ کی نافرمانیوں کے پاس نہ پھٹکوں گا میں نے وہ رقم تمہیں اللہ کے واسطے دی اور میں اپنے ناپاک ارادے سے ہمیشہ کیلئے باز آیا پھر گریہ زاری کے جناب باری تعالیٰ توبہ واستغفار کرتا ہے اور رو رو کر اعمال کی سیاہی دھوتا ہے. دامن امید پھیلا کر دست دعا دراز کرتا ہے کہ یاالٰہ العالمین میری سرکشی سے درگزر فرما مجھے اپنی دامن عفو میں چھپا لے میرے گناہوں سے چشم پوشی کر مجھے اپنے عذابوں سے آزاد کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسی رات اس کا انتقال ہو گیا صبح کو لوگ دیکھتے ہیں اس کے دروازے پر قدرتاً لکھا ہوا ہے ان اللہ قد غفر الکفل یعنی اللہ تعالیٰ نے کفل کے گناہ معاف کر دیئے۔ (ترمذی) (سچے اسلامی واقعات" صفحہ نمبر 108-103)

روح سوز تاریخی واقعات

ایک قصہ ایک عبرت، مسجد ضرار کا واقعہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے شریف سے ہجرت کر کے مدینے پہنچے۔ اس سے پہلے مدینے میں ایک شخص تھا جس کا نام ابو عامر راہب تھا۔ یہ خزرج کے قبیلے میں سے تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں نصرانی بن گیا تھا، اہل کتاب کا علم بھی پڑھا تھا۔ عابد بھی تھا اور قبیلہ خزرج اس کی بزرگی کا قائل تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آئے، مسلمانوں کا اجتماع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہونے لگا۔ یہ قوت پکڑنے لگے یہاں تک کہ بدر کی لڑائی ہوئی اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں غالب رکھا تو یہ جل بھن گیا۔ کھلم کھلا مخالفت وعداوت کرنے لگا اور یہاں سے بھاگ کر کفار مکہ سے مل گیا۔ اور انہیں مسلمانوں سے لڑائی کرنے پر آمادہ کرنے لگا۔

یہ تو عداوت اسلام میں پاگل ہو رہے تھے، تیار ہو گئے اور اپنے ساتھ عرب کے اور بھی بہت سے قبائل کو ملا کر جنگ کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے اور میدان احد میں جم کر لڑے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کا جو حال ہوا وہ ظاہر ہے۔ انکا پورا امتحان ہو گیا۔ گو انجام کار مسلمانوں کا ہی بھلا ہوا اور عاقبت اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہی ہے۔ اسی فاسق نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان بہت سے گڑھے کھود رکھے تھے، جن میں سے ایک میں اللہ کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم گر پڑے، چہرے پر زخم آئے۔ سامنے سے نیچے کی طرف کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ سر بھی زخمی ہوا۔ صلوات اللہ وسلمہ علیہ۔

شروع لڑائی کے وقت ہی ابو عامر فاسق اپنے قوم کے پاس گیا اور بہت ہی خوشامد اور چاپلوسی کی کہ تم میری مدد اور موافقت کرو۔ لیکن انہوں نے بالاتفاق جواب دیا کہ اللہ تیری آنکھیں ٹھنڈی نہ کرے تو نامراد ہے۔ اے بدکار اے اللہ کے دشمن تو ہمیں راہ حق سے بہکانے کو آیا ہے، الغرض برا بھلا کہہ کر نا امید کر دیا گیا۔ یہ لوٹا اور یہ کہتا ہوا کہ میری قوم تو میرے بعد بہت ہی شریر ہو گئی ہے۔ مدینے میں اس نابکار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سمجھایا تھا قرآن پڑھ پڑھ کر نصیحت کی تھی اور اسلام کی رغبت دلائی تھی لیکن اس نے نہ مانا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے لئے دعائے ضرر کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے کہیں دور دراز ذلت وحقارت کے ساتھ موت دے۔ جب اس نے دیکھا کہ احد میں بھی اس کی چاہت پوری نہ ہوئی اور اسلام کا کلمہ بلندی پر ہی ہے تو یہ یہاں سے شاہ روم ہرقل کے پاس پہنچا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کے لئے آمادہ کیا۔

اس نے بھی اس سے وعدہ کر لیا اور تمنائیں دلائیں۔ اس وقت اس نے اپنے ہم خیال لوگوں کو جو منافقانہ رنگ میں مدینے

شریف میں رہتے سہتے تھے اور جن کے دل اب تک شک وشبہ میں تھے لکھا کہ اب میں مسلمانوں کی جڑیں کاٹ دونگا، میں نے ہرقل کو آمادہ کر دیا ہے وہ لشکر جرار لے کر چڑھائی کرنے والا ہے۔ مسلمانوں کو ناک چنے جبوادے گا اور ان کا بیج بھی باقی نہ رکھے گا۔ تم ایک مکان مسجد کے نام سے تعمیر کرو تا کہ میرے قاصد جو آئیں وہ وہیں ٹھہریں، وہیں مشورے ہوں اور ہمارے لئے وہ پناہ کی اور گھات لگانے کی محفوظ جگہ بن جائے۔ انہوں نے مسجد قبا کے پاس ہی ایک اور مسجد کی تعمیر شروع کر دی اور تبوک کی لڑائی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی سے پہلے ہی اسے خوب مضبوط اور پختہ بنالیا اور آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مسجد میں تشریف لائیے اور نماز ادا کیجئے تا کہ ہمارے لئے یہ بات حجت ہو جائے اور ہم وہاں نماز شروع کر دیں۔ ضعیف اور کمزور لوگوں کو دور جانے میں بڑی تکلیف ہوتی تھی۔

خصوصاً جاڑے کی راتوں میں کمزور، بیمار اور معذور لوگ دور دراز کی مسجد میں بڑی دقت سے پہنچتے ہیں اس لئے ہم نے قریب ہی یہ مسجد بنالی ہے۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو سفر درپیش ہے پابہ رکاب ہوں انشاء اللہ واپسی میں سہی۔ اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کو اس کفر کے مورچے سے بچالیا۔ جب میدان تبوک سے آپ سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے، ابھی مدینے شریف سے ایک دن یا کچھ کم کے فاصلے پر تھے کہ اللہ کی وحی نازل ہوئی اور اس مسجد ضرار کی حقیقت آپ پر ظاہر کر دی گئی۔ اور اس کے بانیوں کی نیت کا بھی علم آپ کو کرا دیا گیا۔ اور وہاں کی نماز سے روک کر مسجد قبا میں جس کی بنیاد اللہ کے خوف پر رکھی گئی تھی، نماز پڑھنے کا حکم صادر ہوا۔ پس آپ نے وہیں سے مسلمانوں کو بھیج دیا کہ جاؤ میرے پہنچنے سے پہلے اس مسجد کو توڑ دو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "ابو عامر خبیث ان انصاریوں سے کہہ گیا تھا کہ تم مسجد کے نام سے عمارت بنالو اور جو تم سے ہو سکے تیاری رکھو، ہتھیار وغیرہ مہیا کر لو، میں شاہ روم قیصر کے پاس جا رہا ہوں اور اس سے مدد لے کر محمد اور اس کے ساتھیوں کو یہاں سے نکال دوں گا۔ پس یہ لوگ جب یہ مسجد تیار کر چکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہماری چاہت ہے کہ آپ ہماری اس مسجد میں تشریف لائیں، وہاں نماز پڑھیں اور ہمارے لئے برکت کی دعا کریں۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ اس مسجد میں ہرگز کھڑے بھی نہ ہونا۔ اور روایت میں ہے کہ جب آپ ذی اوراوان میں اترے اور مسجد کی اطلاع ملی آپ نے مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ اور معن بن یزید رضی اللہ عنہ کو بلایا، ان کے بھائی عمر بن عدی کو بلوایا اور حکم دیا کہ ان ظالموں کی مسجد میں جاؤ اور اسے گرا دو بلکہ جلا دو۔ یہ دونوں بزرگ تابڑ توڑ جلدی جلدی چلے۔ سالم بن عوف کے محلے میں جا کر حضرت مالک نے حضرت معن سے فرمایا آپ یہیں ٹھہریئے، یہ میرے قبیلے کے لوگوں کے مکان ہیں یہاں سے آگ لاتا ہوں۔ چنانچہ گئے اور ایک کھجور کا سلگتا ہوا تنا لے آئے اور سیدھے اس مسجد ضرار میں پہنچ کر اس میں آگ لگا دی اور کدال چلانی شروع کر دی۔

وہاں جو لوگ تھے ادھر ادھر بھاگ گئے اور ان بزرگوں نے اس عمارت کو جڑ سے کھود ڈالا۔ پس اس بارے میں یہ آیتیں اتری ہیں۔ اس کے بانی بارہ شخص تھے۔ خدام بن خالد بنو عبد بن زید میں سے جو بنی عمرو بن عوف میں سے ہیں اسی کے گھر میں سے مسجد

شقاق نکلی تھی۔ اور ثعلبہ بن حاطب جو بنی عبید میں سے تھا اور بنو امیہ کے موالی جو ابولبابہ بن عبدالمنذر کے قبیلے میں سے تھے۔ قرآن فرماتا ہے کہ یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہماری نیت نیک تھی۔ لوگوں کے آرام کی غرض سے ہم نے اسے بنایا ہے۔ لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ بلکہ انہوں نے مسجد قبا کو ضرر پہنچانے اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور مومنوں میں جدائی ڈالنے اور اللہ ورسول کے دشمنوں کو پناہ دینے کے لئے اسے بنایا ہے۔ یہ کمین گاہ ہے ابو عامر فاسق کی جو لوگوں میں راہب مشہور ہے۔ اللہ کی لعنتیں اس پر نازل ہوں۔

وہ شمع کیسے بجھے جسے روشن خدا کرے

روایت میں ہے کہ عامر نے کہا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جو سب مسلمانوں کا حال وہی تیرا حال۔ اس نے کہا پھر تو میں مسلمان نہیں ہوتا۔ اگر آپ کے بعد اس امر کا والی میں بنوں تو میں دین قبول کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ امر خلافت نہ تیرے لئے ہے نہ تیری قوم کے لئے ہاں ہمارا لشکر تیری مدد پر ہوگا۔ اس نے کہا اس کی مجھے ضرورت نہیں اب بھی نجدی لشکر میری پشت پناہی پر ہے مجھے تو کچے پکے کا مالک کر دیں تو میں دین اسلام قبول کرلوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ دونوں آپ کے پاس سے چلے گئے۔

عامر کہنے لگا واللہ میں مدینے کو چاروں طرف لشکروں سے محصور کرلوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تیرا یہ ارادہ پورا نہیں ہونے دے گا۔ اب ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایک تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باتوں میں لگائے دوسرا تلوار سے آپ کا کام تمام کردے۔ پھر ان میں سے لڑے گا کون؟ زیادہ سے زیادہ دیت دے کر پیچھا چھوٹ جائے گا۔ اب یہ دونوں پھر آپ کے پاس آئے۔ عامر نے کہا ذرا آپ اٹھ کر یہاں آیئے۔ میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اٹھے، اس کے ساتھ چلے، ایک دیوار تلے وہ باتیں کرنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پشت کی جانب پڑی تو آپ نے یہ حالت دیکھی اور وہاں سے لوٹ کر چلے آئے۔ اب یہ دونوں مدینے سے چلے حرہ راقم میں آ کر ٹھہرے لیکن حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں پہنچے اور انہیں وہاں سے نکالا، راقم میں پہنچے ہی تھے جو اربد پر بجلی گری اس کا تو وہیں ڈھیر ہو گیا۔ عامر یہاں سے بھاگ چلا لیکن درریح میں پہنچا تھا جو اسے طاعون کی گلٹی نکلی۔

بنوسلول قبیلے کی ایک عورت کے ہاں یہ ٹھہرا۔ وہ کبھی کبھی اپنی گردن کی گلٹی کو دباتا اور تعجب سے کہتا یہ تو ایسی ہے جیسے اونٹ کی گلٹی ہوتی ہے، افسوس میں سلولیہ عورت کے گھر پر مروں گا۔ کیا اچھا ہوتا کہ میں اپنے گھر ہوتا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا، گھوڑا منگوایا، سوار ہوا اور چل دیا لیکن راستے ہی میں ہلاک ہو گیا۔

مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے　　　نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کے ناکام ہونے کا واقعہ

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب تاریخ مدینہ میں تین بڑی سازشوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلی سازش ابن نجار نے اپنی

کتاب بغداد کی تاریخ میں لکھا ہے کہ 386ھ سے 411ھ تک ایک فاطمی حکمران مصر کا بادشاہ تھا اور مدینہ منورہ اس کے زیر اثر تھا۔ اس حکمران کی سوچ اور کوشش یہ تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے اجسام مبارک کو مدینہ منورہ سے مصر منتقل کیا جائے۔ اس طرح لوگوں کی توجہ مدینہ منورہ سے کی بجائے مصر کی طرف مبذول ہو جائے گی۔ اس نے اس مقصد کے لئے مصر میں ایک نہایت شاندار عمارت تعمیر کی جس میں وہ ان اجسام کو رکھنا چاہتا تھا۔

حکمران نے اس مقصد کے لئے اپنے ایک کارندے ابوالفتوح کو مدینہ بھیجا۔ جب یہ کارندہ مدینہ پہنچا تو اہل مدینہ کو اس سازش کی خبر ہو گئی۔ اہل مدینہ کو ابوالفتوح پر بہت غصہ آیا۔ وہ ابوالفتوح اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دینے کو تیار ہو گئے۔ ابوالفتوح ڈر گیا اور بول اٹھا۔ میں اس سازش کو کبھی بھی عملی جامہ نہ پہناؤں گا خواہ حاکم مصر مجھے قتل ہی کر دے۔ اسی دوران مدینہ منورہ میں ایک بہت بڑا طوفان آیا جس سے کئی گھر تباہ ہوئے اور جانی و مالی نقصان ہوا۔ ابوالفتوح کو مدینہ سے بھاگنے کا ایک اچھا بہانہ مل گیا اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو ان مجرموں سے نجات دی۔ اس حکمران نے ایک اور کوشش بھی کی لیکن وہ دوبارہ ناکام ہوا۔

سلطان نورالدین زنگی علیہ الرحمہ نے سازش کو ناکام بنادیا

دوسری سازش سمہودی کے قول کے مطابق عیسائیوں نے یہ سازش 557ھ میں مرتب کی اس وقت شام کے بادشاہ کا نام سلطان نورالدین زنگی تھا۔ اور اس کے مشیر کا نام جمال الدین اصفہانی تھا۔

ایک رات نورالدین زنگی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں تین بار دیکھا۔ ہر بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلطان سے کہا مجھے ان دونوں کی شرارت سے بچاؤ۔

اس رات، نماز تہجد کے بعد، سلطان نورالدین زنگی نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو سرخی مائل رنگت کے آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے سلطان سے کہہ رہے ہیں کہ مجھے ان کے شر سے بچاؤ۔ سلطان ہڑبڑا کر اٹھا، وضو کیا، نفل ادا کیے اور پھر اس کی آنکھ لگ گئی۔

دوبارہ وہی خواب دیکھا۔ اٹھا وضو کیا۔ نفل پڑھے اور سو گیا۔ تیسری بار وہی خواب دیکھا۔ اب اس کی نیند اڑ گئی۔ اس نے رات کو ہی اپنے مشیر جمال الدین موصلی کو بلا کر پورا واقعہ سنایا۔

مشیر نے کہا: سلطان یہ خواب تین بار دیکھنے کے بعد آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ اس کا اب کسی سے ذکر نہ کریں اور فوراً مدینے روانہ ہو جائیں۔ اگلے روز سلطان نے بیس مخصوص افراد اور بہت سے تحائف کے ساتھ مدینے کے لیے کوچ کیا اور سولہویں روز شام کے وقت وہاں پہنچ گیا۔ سلطان نے روضہ رسول پر حاضری دی اور مسجد نبوی میں بیٹھ گیا۔ اعلان کیا کہ اہل مدینہ مسجد نبوی میں پہنچ جائیں، جہاں سلطان ان میں تحائف تقسیم کرے گا۔ لوگ آتے گئے اور سلطان ہر آنے والے کو باری باری تحفہ دیتا رہا۔ اس دوران وہ ہر شخص کو غور سے دیکھتا رہا، لیکن وہ دو چہرے نظر نہ آئے جو اسے ایک رات میں تین بار خواب میں دکھائے گئے تھے۔

سلطان نے حاضرین سے پوچھا: کیا مدینے کا ہر شہری مجھ سے مل چکا ہے؟ جواب اثبات میں تھا۔ سلطان نے پھر پوچھا: کیا تمہیں یقین ہے کہ ہر شہری مجھ سے مل چکا ہے؟ اس بار حاضرین نے کہا: سوائے دو آدمیوں کے۔ راز تقریباً فاش ہو چکا تھا۔

سلطان نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ اور اپنا تحفہ لینے کیوں نہیں آئے؟ بتایا گیا کہ یہ مراکش کے صوم وصلوٰۃ کے پابند دو متقی باشندے ہیں، دن رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہیں اور ہر ہفتے مسجد قبا جاتے ہیں۔ فیاض اور مہمان نواز ہیں۔ کسی کا دیا نہیں لیتے۔

سلطان نے کہا: سبحان اللہ اور حکم دیا کہ ان دونوں کو بھی اپنے تحائف وصول کرنے کے لیے فوراً بلایا جائے۔ جب انہیں یہ خصوصی پیغام ملا تو انہوں نے کہا: الحمدللہ، ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے اور ہمیں کسی تحفے تحائف یا خیر خیرات کی حاجت نہیں۔

جب یہ جواب سلطان تک پہنچایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ ان دونوں کو فوراً پیش کیا جائے۔ حکم کی فوری تعمیل ہوئی۔ ایک جھلک ان کی شناخت کے لیے کافی تھی، تاہم سلطان نے اپنا غصہ قابو میں رکھا اور پوچھا: تم کون ہو؟ یہاں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا، ہم مراکش کے رہنے والے ہیں۔ حج کے لیے آئے تھے اور اب روضہء رسول کے سائے میں زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔

سلطان نے سختی سے کہا: کیا تم نے جھوٹ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے؟ اب وہ چپ رہے۔ سلطان نے حاضرین سے پوچھا: یہ کہاں رہ رہے ہیں؟ بتایا گیا کہ روضہء نبوی کے بالکل نزدیک ایک مکان میں (جو مسجدِ نبوی کے جنوب مغرب میں دیوار کے ساتھ تھا،

سلطان فوراً اٹھا اور انہیں ساتھ لے کر اس مکان میں داخل ہو گیا۔ سلطان مکان میں گھومتا پھرتا رہا۔ اچانک نئے اور قیمتی سامان سے بھرے ہوئے اس مکان میں، اس کی نظر فرش پر پڑی ہوئی ایک چٹائی پر پڑی۔ نظر پڑنی تھی کہ دونوں مراکشی باشندوں کی ہوائیاں اڑ گئیں۔ سلطان نے چٹائی اٹھائی۔ اس کے نیچے ایک تازہ کھدی ہوئی سرنگ تھی۔

سلطان نے گرج کر کہا: کیا اب بھی سچ نہ بولو گے؟

ان کے پاس سچ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ عیسائی ہیں اور ان کے حکمراں نے انہیں بہت سا مال و زر اور ساز وسامان دے کر حاجیوں کے روپ میں مراکش سے اس منصوبے پر حجاز بھیجا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اقدس روضہء مبارک سے نکال کر لے آئیں۔ اس ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لیے، انہوں نے حج کا بہانہ کیا اور اس کے بعد روضہء رسول سے نزدیک ترین جو مکان کرائے پر مل سکتا تھا، وہ لے کر اپنا مذموم کام شروع کر دیا۔

ہر رات وہ سرنگ کھودتے، جس کا رخ روضہء مبارک کی طرف تھا اور ہر صبح کھدی ہوئی مٹی چمڑے کے تھیلوں میں بھر کر جنت البقیع لے جاتے اور اسے قبروں پر بکھیر دیتے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی ناپاک مہم بالکل آخری مراحل میں تھی کہ ایک رات موسلا دھار بارش کے ساتھ ایسی گرج چمک ہوئی جیسے زلزلہ آ گیا ہو اور اب جب کہ ان کا کام پایہء تکمیل کو پہنچنے والا تھا تو سلطان نہ جانے کیسے مدینے پہنچ گئے۔

سلطان نورالدین زنگی نے حکم دیا کہ ان دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ روضہ مبارک کے گرد ایک خندق کھودی جائے اور اسے پگھلے ہوئے سیسے سے پاٹ دیا جائے، تا کہ آئندہ کوئی بد بخت ایسی مذموم حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے۔

مذکورہ بالا واقعہ ۵۵۷ھ (مطابق ۱۱۴۲ء) کا ہے۔ سلطان نے روضہ مبارک کے قریب ایک چبوترہ بھی بنوایا۔ تا کہ اس پر ان قبور کی حفاظت کے لئے ہر وقت پاسبان رہیں۔ یہ چبوترہ اب بھی موجود ہے۔ اور باب جبریل سے داخل ہوتے ہی دائیں جانب ہے۔ بعض زائرین اسے مقام صفہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مقام اصحاب صفہ مسجد نبوی کے اندر تھا۔ جب کہ چبوترہ اُس وقت کی مسجد کی چاردیواری سے باہر تھا۔ مقام اصحاب صفہ کے تعین کے لئے استونہ عائشہ سے شمال کو چلئے (یعنی قبلہ کی سمت کے خلاف) پانچویں ستون کے قریب مقام اصحاب صفہ ہے۔ یا یہ کہ پرانے باب جبریل کے بالمقابل یہ مقام تھا۔ یاد رہے کہ وہاں اس وقت کوئی چبوترہ نہیں۔

تیسری سازش طبری نے اپنی کتاب الریاض النضرہ میں اس کا یوں ذکر کیا ہے: حلب شہر (شام) کے چند لوگ مدینہ منورہ آئے وہ مدینہ کے گورنر کے لئے بیش بہا تحائف لائے۔ ان کی خواہش تھی کہ روضہ مبارک میں داخل ہو کر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اجسام مبارک نکال کر یہاں سے باہر پھینکیں۔

گورنر کی مذہبی سوچ بھی ایسی ہی تھی۔ اس نے منظوری دے دی۔ گورنر نے مسجد کے خادم سے کہا کہ اگر رات کو کچھ لوگ آئیں تو ان کے لئے مسجد کا دروازہ کھول دینا اور وہ جو کچھ کرنا چاہیں اس میں مداخلت نہ کرنا۔ عشاء کی نماز سے کافی دیر بعد کسی نے باب السلام پر دستک دی۔ خادم نے مسجد کا دروازہ کھول دیا۔ تقریباً چالیس آدمی مسجد میں داخل ہو گئے۔ ان کے پاس توڑ پھوڑ اور کھدائی کے ہتھیار بھی تھے۔ خادم سہم گیا۔ اور ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گیا۔ یہ لوگ روضہ مبارک کی طرف بڑھے۔ ابھی منبر تک نہ پہنچے تھے کہ اچانک ان کے نیچے کی زمین پھٹ گئی یہ سب لوگ اپنے ہتھیاروں سمیت اس زمین میں دفن ہو گئے۔

گورنر ان لوگوں کا بے تابی سے انتظار کرتا رہا۔ بالآخر خادم کو بلایا اور ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا۔ خادم نے اسے سارا واقعہ بتا دیا۔ گورنر نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم یقیناً پاگل ہو۔

خادم نے گورنر کو دعوت دی کہ وہ اپنی آنکھوں سے موقع دیکھے۔ گورنر نے اس جگہ کی زمین کو دھنسا ہوا پایا تو خادم سے کہنے لگا۔ تم اس معاملے کے بارے میں زبان نہ کھولنا ورنہ میں تمہارا سر اُڑا دوں گا۔ اللہ کے دشمن اپنی عقل کی تدبیریں بناتے ہیں اور اللہ تعالی بھی اپنی تدبیرین بناتے ہیں یقیناً اللہ کی تدبیریں انسانی تدبیروں پر حاوی ہیں۔

سورۃ الانفال:30 ویمکرون ویمکر اللہ ، واللہ خیر الماکرین ۔

یاد رہے کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور آپ کی دنیاوی حیات میں اور اس کے بعد بھی سب لوگوں سے حفاظت فرمائی۔

سورۃ المائدہ :67 واللہ یعصمک من الناس ۔

دعا کہ اللہ سب مسلمانوں کی ان کے دشمنوں کے بُرے منصوبوں اور ذلیل سازشوں سے حفاظت فرمائیں۔ اور مسلمانوں کو اچھے اعمال کی توفیق دے۔ تاکہ وہ رب العزت کی حفاظت کے مستحق بن جائیں۔ آمین

اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور ارنگزیب بادشاہ

اورنگ زیب عالمگیر بڑا مشہور مغل شہنشاہ گزرا ہے اس نے ہندوستان پر تقریباً 50 سال حکومت کی تھی۔ ایک دفعہ ایک ایرانی شہزادہ اسے ملنے کے لئے آیا۔ بادشاہ نے اسے رات کو سلانے کا بندوبست اس کمرے میں کرایا جو اس کی اپنی خوابگاہ سے منسلک تھا۔

ان دونوں کمروں کے باہر بادشاہ کا ایک بہت مقرب حبشی خدمت گزار ڈیوٹی پر تھا۔ اس کا نام محمد حسن تھا۔ اور بادشاہ اسے ہمیشہ محمد حسن ہی کہا کرتا تھا۔ اس رات نصف شب کے بعد بادشاہ نے آواز دی حسن!۔ نوکر نے لبیک کہا اور ایک لوٹا پانی سے بھر کر بادشاہ کے پاس رکھا اور خود واپس باہر آ گیا۔ ایرانی شہزادہ بادشاہ کی آواز سن کر بیدار ہو گیا تھا اور اس نے نوکر کو پانی کا لوٹا لیے ہوئے بادشاہ کے کمرے میں جاتے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ نوکر لوٹا اندر رکھ کر باہر واپس آ گیا ہے۔ اسے کچھ فکر لاحق ہوگئی کہ بادشاہ نے تو نوکر کو آواز دی تھی اور نوکر پانی کا لوٹا اس کے پاس رکھ کر واپس چلا گیا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟

صبح ہوئی شہزادے نے محمد حسن سے پوچھا کہ رات والا کیا معاملہ ہے؟ مجھے تو خطرہ تھا کہ بادشاہ دن نکلنے پر تمہیں قتل کرا دے گا کیونکہ تم نے بادشاہ کے کسی حکم کا انتظار کرنے کی بجائے لوٹا پانی سے بھر کر رکھ دیا اور خود چلے گئے۔

نوکر نے کہا: عالی جاہ! ہمارے بادشاہ حضور اکرم کا اسم گرامی بغیر وضو نہیں لیتے۔ جب انہوں نے مجھے حسن کہہ کر پکارا تو میں سمجھ گیا کہ ان کا وضو نہیں ہے ورنہ یہ مجھے محمد حسن کہہ کر پکارتے اس لیے میں نے پانی کا لوٹا رکھ دیا تاکہ وہ وضو کر لیں۔

دودھ پیتے بچے کا حکمت بھرا کلام کرنے کا واقعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بچہ اپنی ماں کی گود میں دودھ پی رہا تھا کہ سامنے سے ایک سوار عمدہ گھوڑے پر اچھے لباس اور اچھی شکل وصورت والا گزرا۔ ماں نے دعا کی کہ یا اللہ میرے بچہ کو اسی سوار جیسا شاندار بنانا۔ بچہ نے ماں کا دودھ چھوڑ کر اس سوار پر ایک نظر ڈالی اور صاف الفاظ میں کہا نہیں اے اللہ مجھے اس سوار جیسا مت بنانا یہ کہہ کر پھر دودھ پینے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ قصہ سناتے وقت آنحضرت نے اپنی شہادت کی انگلی (سبابہ) جس طرح اپنے دہن مبارک میں ڈالی اور بچہ کے دودھ پینے کو بتانے کے لئے جس طرح خود اس انگلی کو چوسا وہ منظر اس وقت تک میری نگاہوں کے سامنے ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ قصہ سنایا کہ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ ایک لڑکی کو پکڑے ہوئے اور اسے مارتے ہوئے سامنے سے گزرے اور کہہ رہے تھے کہ کمبخت تو نے زنا کیا اور چوری کی اور وہ بیچاری کہے جا رہی تھی کہ بس میرا سہارا اللہ ہی ہے اور وہ کیسا اچھا کام بنانے والا ہے۔ ماں نے یہ ذلت کا منظر دیکھ کر شفقت سے بچہ کے لئے دعا کی کہ اے اللہ میرے بچہ کو اس لونڈی (لڑکی)

کی طرح نہ بنانا۔ بچہ نے پھر دودھ چھوڑ کر ایک نظر اس لڑکی پر ڈالی اور صاف صاف کہا کہ اے اللہ مجھے اسی جیسا بنائیے گا۔ اس پر ماں بیٹوں میں حجت ہونے لگی۔ ماں بولی جب ایک آدمی اچھی حالت میں گزرا تو میں نے تیرے لئے دعا کی کہ یا اللہ میرے بچہ کو ایسا شاندار بنانا تو اس پر تو یوں کہنے لگا کہ نہیں یا اللہ مجھے ایسا نہ بنانا اور اب جو لوگ ایک لڑکی کو ذلت کے ساتھ پکڑے مارتے ہوئے جارہے ہیں اور میں نے یہ دعا کی کہ یا اللہ میرے بچہ کو ایسا نہ بنانا تو تو یوں کہنے لگا کہ اے اللہ مجھے ایسا ہی بنانا یہ کیا بے عقلی ہے؟ تب وہ بچہ پھر بولا سنو! بات یہ ہے کہ وہ آدمی بڑا ظالم جابر تھا تو میں نے کہا اے خدا مجھے اس کی طرح ظالم جابر نہ بنائیے گا اور بے چاری یہ لڑکی! لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا بھی کیا ہے، تو نے چوری بھی کی ہے مگر اس بیچاری نے نہ چوری کی ہے نہ زنا کیا ہے تو میں نے کہا اے اللہ مجھے ایسا ہی مظلوم بے گناہ بنائیے گا۔ (بخاری و مسلم)

اے عقل مندو! خدا کی مہربانی کو سمجھو

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگی قیدی عورت کو دیکھا جس سے اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا وہ اپنے بچہ کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ نہیں ملا تو قیدیوں میں سے جس کسی بچہ کو دیکھتی اسی کو گلے لگا لیتی یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھا لیا سینے سے لگایا پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا بتاؤ تو یہ اپنا بس چلتے ہوئے اس بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز نہیں آپ نے فرمایا اللہ کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچہ پہ مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف و رحیم ہے۔

دنیا کی تاریخ کا بے نظیر واقعہ

فتوح البلدان بلاذری میں ہے کہ: جب سمرقند فتح ہوا تو وہاں کے لوگوں کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ اصل ترتیب اسلام میں یہ ہے کہ: سب سے پہلے اسلامی لشکر کی طرف سے وہاں کے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی جائے اگر وہ لوگ دعوتِ اسلام قبول نہ کریں تو انہیں جزیہ کی پیش کش کی جائے، اگر وہ اس پیش کش کو بھی ٹھکرا دیں تو پھر اسلامی لشکر کو کفار کے اس ملک یا شہر پر حملہ کی اجازت ہے کہ وہ حملہ کر دے تو اہل سمرقند کو ایک عرصہ بعد ہوش آیا کہ اسلامی لشکر نے بغیر دعوت اسلام دیئے اور جزیہ کی پیش کش کئے سمرقند کو فتح کر لیا ہے جبکہ مسلمان وہاں بس گئے تھے اور گھر بنا لئے تھے تو اہل سمرقند نے ایک وفد حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کی خدمت میں روانہ کیا جنہیں خلفاء راشدین میں شمار کیا جاتا ہے اور خلیفہ خامس کہا جاتا ہے تو وفد نے ان کی خدمت میں جا کر شکایت کی کہ سمرقند کو اس سنت اور شرعی حکم پر عمل کئے بغیر مسلمانوں نے فتح کیا ہے تو انہوں نے سمرقند کے قاضی کے نام ایک خط لکھا کہ یہ خط ملتے ہی فوراً عدالت لگاؤ اور گواہی طلب کرو کہ جس وقت مسلمانوں نے سمرقند کو فتح کیا تو کیا اس سنت پر عمل کیا گیا تھا کہ نہیں؟ اگر اس سنت پر عمل کا کوئی ثبوت نہ ملے تو تمام مسلمان فوجیں اسی وقت سمرقند چھوڑ کر اس کی حدود سے باہر جا کر کھڑی ہو جائیں اس کے بعد اس سنت پر عمل کریں۔ پہلے اہل سمرقند کو اسلام کی دعوت دیں اگر منظور ہو تو فبہا ورنہ جزیہ کا کہیں اسے بھی اگر نہ مانیں تب جہاد کریں۔ قاضی صاحب نے خط ملتے ہیں عدالت قائم کی، مدعا علیہ مسلمانوں کی فوج کے کمانڈر ہیں اور دنیا کی تاریخ میں شاید اس

واقعہ کی نظیر نہ ملے کہ ایک کمانڈر جس نے اپنی شمشیر کی نوک سے اتنا اہم علاقہ ترکستان کا دارالخلافہ فتح کیا تھا وہ قاضی کے سامنے ایک مدعا علیہ اور ایک معمولی مسلمان کی حیثیت سے حاضر تھا اس سے پوچھا گیا اس نے اعتراف کیا کہ ہاں مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں یلغار میں اور اسلامی فتوحات کے تسلسل میں اس اہم شرعی حکم پر عمل نہیں کر سکا۔ جب یہ معاملہ ثابت ہو گیا تو قاضی صاحب نے حکم دیا کہ مسلمان سمرقند شہر خالی کر دیں مسلمانوں نے گھر بنا لئے تھے کھیتیاں جوت لیں تھیں۔ بہت سے لوگوں نے سمرقند کو اپنا شہر بنا لیا تھا تو سب کچھ چھوڑ کر دامن جھاڑ کر چلے گئے۔ باہر جا کر کھڑے ہو گئے جب وہاں کے بت پرستوں اور مشرکوں نے یہ معاملہ دیکھا کہ ان کے دلوں میں شریعت کا اتنا احترام ہے اور عدل وانصاف کا ان کے دلوں میں اتنا لحاظ ہے کہ وہ اپنے قائد اور چیف آف آرمی سٹاف پر اسے نافذ کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ: اب لڑائی کی ضرورت نہیں ہم خود مسلمان ہوتے ہیں چنانچہ سمرقند سارے کا سارا مسلمان ہو گیا۔

خون ابلنے والے پتھر کا واقعہ

امام ابن ابی حاتم نے ایک عجیب وغریب قصہ نقل کیا ہے بخت نصر یہ ایک فقیر تھا پڑا رہتا تھا اور بھیک مانگ کر گزارہ کرتا تھا پھر تو بیت المقدس تک اس نے فتح کر لیا اور وہاں پر بنی اسرائیل کو بیدریغ قتل کیا۔

کہ بنی اسرائیل کی سرکشی کے وقت اللہ نے ان کے دشمن ان پر مسلط کر دئے جنہوں نے انہیں خوب مزہ چکھایا بری طرح درگت بنائی ان کے بال بچوں کو تہ تیغ کیا انہیں اس قدر روذلیل کیا کہ ان کے گھروں تک میں گھس کر ان کا ستیاناس کیا اور ان کی سرکشی کی پوری سزا دی۔ انہوں نے بھی ظلم وزیادتی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی عوام تو عوام انہوں نے تو نبیوں کے گلے کاٹے تھے، علماء کو سربازار قتل کیا تھا۔

بخت نصر ملک شام پر غالب آیا بیت المقدس کو ویران کر دیا وہاں کم باشندوں کو قتل کیا پھر دمشق پہنچا یہاں دیکھا کہ ایک سخت پتھر پر خون جوش مار رہا ہے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہم نے تو اسے باپ دادوں سے اسی طرح دیکھا ہے یہ خون برابر ابلتا رہتا ہے ٹھیرتا نہیں اس نے وہیں پر قتل عام شروع کر دیا ستر ہزرا مسلمان وغیرہ اس کے ہاتھوں یہاں یہ قتل ہوئے پس وہ خون ٹھہر گیا۔ اس نے علماء اور حفاظ کو اور تمام شریف اور ذی عزت لوگوں کو بیدردی سے قتل کیا ان میں کوئی بھی حافظ تورات نہ بچا۔ پھر قید کرنا شروع کیا ان قیدیوں میں نبی زادے بھی تھے۔ غرض ایک لرزہ خیز ہنگامہ ہوا لیکن چونکہ صحیح روایتوں سے بلکہ صحت کے قریب والی روایتوں سے بھی تفصیلات نہیں ملتی اس لئے ہم نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔

دنیا میں 100 میں سے 99 آدمی اندھے ہوتے ہیں

اکبر بادشاہ کا ایک وزیر تھا بیربل۔ ایک دن اس نے بادشاہ سے کہا دنیا میں 100 میں سے 99 آدمی اندھے ہوتے ہیں۔

بادشاہ کو اس کی بات پر حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا اور حکم دیا کہ اپنی اس بات کو ثابت کرو ورنہ سزا کے لیے تیار ہو جاؤ۔

بیربل نے کہا حضور حکم کی تعمیل ہوگی۔ اگلے روز بیربل شاہراہ عام پر بیٹھ کر چارپائی بننے لگا اور ایک آدمی ساتھ بٹھا لیا جس کو حکم

تھا کہ ایک فہرست اندھوں کی تیار کرنی ہے اور ایک دیکھنے والوں کی۔

ایک آدمی آیا اس نے کہا بیربل کیا کر رہے ہو۔؟

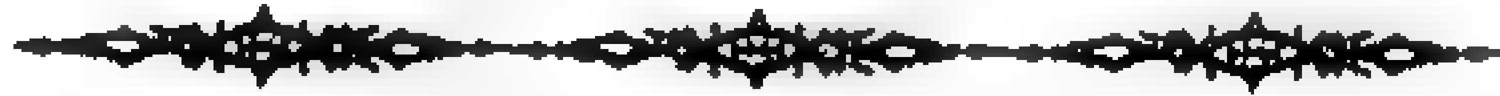
بیربل نے اسے جواب دینے سے پہلے اپنے معاون کو کہا اس اک نام اندھوں میں لکھ دو۔ پھر اسے جواب دیا چار پائی بن رہا ہوں۔ یوں لوگ آتے گئے پوچھتے گئے بیربل کیا کر رہے ہو اور اندھوں میں اپنا نام لکھواتے گئے۔۔ اتنے میں شاہی قافلہ گذرا تو بادشاہ نے پوچھا بیربل کیا کر رہے ہو۔ بیربل کے معاون نے بادشاہ کا نام بھی اندھوں میں لکھ دیا۔ اتنے میں ایک آدمی آیا اور اس نے پوچھا خیریت ہے بیربل چار پائی کیوں بن رہے ہو۔؟

بیربل نے معاون سے کہا اس کا نام دیکھنے والوں میں لکھو اور پھر بادشاہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ عالی جناب فہرست دیکھ لیجیے جس میں آپ کا نام بھی شامل ہے کہ سب لوگ یہ دیکھ رہے تھے کہ میں چار پائی بن رہا ہوں لیکن انہیں اپنی بصارت پر یقین نہیں تھا گویا اندھے تھے اس لیے مجھ سے پوچھتے تھے کیا کر رہے ہو۔ صرف ایک شخص آیا جسے اپنی بصارت پر یقین تھا اس نے مجھ سے تصدیق نہیں چاہی بلکہ چار پائی بننے کی وجہ پوچھی۔

نیک اعمال والوں سے غار کی چٹان کے ہٹ جانے کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی چلے جا رہے تھے کہ ان کو بارش نے آگھیرا، تو وہ پہاڑ کے ایک غار میں پناہ کے لئے گئے، ان کی غار کے دہانے پر ایک چٹان آگری، جس سے اس کا منہ بند ہوگیا، تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تم لوگ اپنے اپنے نیک کاموں پر غور کرو جو تم نے اللہ کے لئے کئے ہوں اور اس کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، امید ہے کہ اللہ اس چٹان کو ہٹا دے گا، ان میں سے ایک نے کہا یا اللہ میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے، میں ان کے لئے جانور چراتا تھا، جب شام کو واپس آتا تو ان جانوروں کو دوہتا اور اپنے بچوں سے پہلے اپنے والدین کو پینے کو دیتا، ایک دن جنگل میں دور تک چرانے کو لے گیا، واپسی میں شام ہوگئی، جب آیا تو وہ دونوں سو چکے تھے، میں نے حسب دستور جانوروں کو دوہا اور دودھ لے کر آیا اور ان کے سرہانے کھڑا ہوگیا، میں نے ناپسند سمجھا کہ انہیں نیند سے بیدا کروں اور یہ بھی برا معلوم ہوا کہ میں پہلے اپنے بچوں کو دوں، حالانکہ بچے میرے قدموں کے پاس آکر چیخ رہے تھے، طلوع فجر تک میرا اور میرے بچوں کا یہی حال رہا، اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ صرف تیری رضا کی خاطر کیا ہے تو یہ چٹان تھوڑی سے ہٹا دے، تا کہ آسمان نظر آسکے، تو اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو تھوڑا سا ہٹا دیا، یہاں تک کہ آسمان نظر آنے لگا اور دوسرے آدمی نے کہا یا اللہ میری ایک چچا زاد بہن تھی، میں اسے بہت چاہتا تھا، جتنا کہ مرد عورتوں سے محبت کرتے ہیں، میں نے اس کی جان اس سے طلب کی، (یعنی وہ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دے) لیکن اس نے انکار کیا، یہاں تک کہ میں اس کے پاس سو دینار لے کر آؤں، چنانچہ میں نے محنت کی یہاں تک کہ سو دینار ہو گئے، تو میں انہیں لے کر اس کے پاس آیا، جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھا تو اس نے کہا کہ اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈر اور مہر (سیل) کو نہ کھول، یہ سن کر میں کھڑا ہوگیا، یا اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے

یہ صرف تیری خوشی کی خاطر کیا ہے، تو ہم سے اس چٹان کو ہٹادے، تو اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو تھوڑا سا سرکا دیا، تیسرے آدمی نے کہا یا اللہ میں نے ایک فرق چاول پر ایک مزدور کام پر لگایا، جب وہ کام پورا کر چکا تو اس نے کہا کہ میرا حق دے دو، میں نے اس کی مزدوری دے دی، لیکن اس نے اپنی مزدوری چھوڑ دی اور لینے سے انکار کر دیا، میں نے اس کو مسلسل کاشت کیا یہاں تک کہ میں نے مویشی اور چرواہا اکٹھا کیا (یعنی بڑھتے بڑھتے بہت سے مویشی ہو گئے اور اس کے لئے ایک چرواہا بھی رکھ لیا) وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ اللہ سے ڈرو اور مجھ پہ ظلم نہ کرو اور مجھے میرا حق دے دو، میں نے کہا ان مویشیوں اور چرواہے کے پاس جا (اور ان سب کو لے جا) اس نے کہا اللہ سے ڈر اور میرے ساتھ مذاق نہ کر، میں نے کہا میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا ہوں، یہ جانور اور چرواہا لے جا، چنانچہ اس نے لے لیا اور چلا گیا اس لئے اگر تو جانتا ہے کہ یہ میں نے صرف تیری رضا کی خاطر کیا ہے تو باقی حصہ بھی دور کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی سرکا دیا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 934)



منصور وفرعون کی ''انا'' میں فرق

درجہ فنافی اللہ اور منصور وفرعون کی انا میں فرق

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (پارہ 9 سورہ انفال رکوع 2)

اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی، ہم نے پھینکی۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس علیہ السلام کی صریح نعت ہے۔ اولاً غور کرنا چاہیئے ۔ کہ اس میں کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، دوسرے اس میں نعت کس طرح ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ جنگ بدر جو 2ھ میں واقع ہوئی، اس میں کفار مکہ بہت ساز وسامان کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے آئے اور اہل مدینہ کے پاس سوائے اللہ کی مدد اور رسول علیہ السلام کی برکت کے اور کچھ بھی نہ تھا، کفار تقریبا ایک ہزار تھے اور مسلمان تین سو تیرہ، کفار کے پاس ہر طرح کے کھانے پینے کے سامان، مگر مسلمانوں کے منہ میں دن بھر روزہ اور رات میں آیات قرآن، کفار کے پاس تیر، تلوار، نیزے، بھالے مسلمانوں کے پاس خرمے کی لکڑیاں، بدن پر کپڑے بھی پھٹے ہوئے اور پاؤں میں چھالے کفار کے لشکر میں گانے والوں کے گانے اور باجوں کے نغمے، اور مسلمانوں کی طرف آیات قرآنی اور تکبیر کے کلمے، رات کے وقت کفار شراب میں مخمور، مسلمان نشہ ذکر الٰہی اور شراب محبت میں چور، غرضکہ ادھر شیطان کا لشکر، ادھر رحمان کا لشکر۔

مسلمانوں کی اس ظاہری حالت کو دیکھ کر حضور علیہ السلام نے سجدہ میں سر رکھ کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ خدایا اس وقت روئے زمین پر تیری سچی عبادت کرنے والی صرف مسلمانوں کی بے سروسامان چھوٹی سی جماعت ہے۔ اگر آج تو نے ان کی امداد نہ فرمائی، اور یہ جماعت شکست کھا کر ہلاک ہوگئی، تو دنیا میں تیرا سچا نام لیوا کوئی بھی نہ رہے گا۔ اور اس قدر گریہ زاری فرمائی۔ کہ اس جگہ کی کنکریاں حضور علیہ السلام کے آنسوؤں سے تر ہوگئیں، پھر سجدے سے سر اٹھایا اور ایک مٹھی خاک کی لے کر لشکر کفار کی طرف پھینکی، وہ اللہ جانے ایک مشت خاک تھی یا ابابیل کی کنکریاں تھیں کہ تمامی کافروں کی آنکھوں میں پہنچ گئیں، اور کافر آنکھیں ملتے ہوئے رہ گئے۔ بعد میں اللہ کے فضل سے مسلمانوں کی اس تھوڑی سی جماعت نے کافروں کے اس ساز وسامان والے لشکر پر ایسی فتح پائی کہ جس کا آج تک ذکر چلا آ رہا ہے، بڑے بڑے سرداران قریش کفار اس جنگ میں مارے گئے اور بہت سے قید ہوئے۔

یہ تو واقعہ تھا جس کا اس آیت پاک میں ذکر ہوا۔ اب آیت کیا فرما رہی ہے؟ یہ فرما رہی ہے کہ اے محبوب علیک السلام وہ واقعہ جبکہ آپ نے ایک مشت خاک کفار کی طرف پھینکی، اور سب کی آنکھوں میں پہنچ گئی، اے پیارے تم نے نہ پھینکی، بلکہ تمہارے رب نے پھینکی تھی، یعنی ہاتھ تو تمہارے تھے مگر کام ہمارا تھا۔

حضور علیہ السلام کے ایک کام کو رب نے ایسا پسند فرمایا کہ فرمادیا تم نے یہ کام کیا ہی نہیں تھا بلکہ ہم نے کیا تھا۔اس سے دو فائدے حاصل ہوئے ،ایک تو یہ کہ تصوف کا اعلیٰ درجہ ہے فنافی اللہ، جب بندہ فنافی اللہ اور باقی ہو جاوے اور دیکھنے میں تو وہ اپنی شکل میں ہو، مگر عشق الٰہی اس کی رگ رگ میں اس طرح سرایت کر جائے کہ اس کے ہر کام کو رب کی طرف منسوب کیا جائے جس طرف مولانا روم اشارہ فرماتے ہیں۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود — گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

یعنی جب وہ کلام کرتا ہے تو زبان تو عبد اللہ کی ہوتی ہے اور کلام اللہ کا ہوتا ہے

چوں روا باشد انا اللہ از درخت — کے روانہ بود کہ گوید نیک بخت

دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کلام الٰہی سے مشرف ہونے کو طور پر جاتے تھے، تو ایک درخت سے آواز آئی تھی مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يَا مُوسٰى اِنِّي اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کہ اے موسیٰ میں ہوں پروردگار عالم، تو کیا یہ درخت کی آواز تھی یا درخت کہہ رہا تھا کہ میں اللہ ہوں، ہرگز نہیں، بلکہ رب کا کلام تھا، درخت اس کا مظہر۔

اسی طرح ایک کوئلہ آگ میں رکھا گیا، آگ نے ایسی تاثیر کی، کوئلہ بھی آگ بن گیا۔اب جس چیز کو یہ انگارا چھو جاوے جلادے، اسی طرح ایک شخص کو جن نے چھولیا ہے، اب وہ جنوں کی حالت میں جو بولتا ہے کہ میرا یہ نام ہے، میں فلاں جگہ کا جن ہوں، اور مجھ میں یہ طاقت ہے، کیا یہ اس آدمی کی بات ہے، نہیں، بلکہ زبان تو اس انسان کی ہے، اور جسم تو اس کوئلہ کا ہے، مگر کلام اور کام اس کا ہے جس نے اس میں سرایت کی۔

یہ تو مثال تھی، اب سمجھو کہ اس درجہ میں قدم رکھ کر بعض عارفین **اَنَا اللّٰه یا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ** وغیرہ وغیرہ بول جاتے ہیں، یہ کلام ان کا نہیں ہوتا، زبان ان کی ہے، کلام کسی اور کا ہے، یہ ہی فرق ہے فرعون اور حضرت منصور میں کہ فرعون نے کہا **اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى** میں تمہارا بڑا رب ہوں کافر ہوا، کیونکہ وہ میں تھا اور پھر رب بنا، مگر حضور منصور نے جب کہا **اَنَا الْحَق** یعنی میں حق ہوں تب وہ اپنی انانیت فنا کر چکے تھے۔تو ہی تو میں فنا ہو گئے تھے۔

مگر لطف یہ ہے کہ یہاں تو خود منصور نے کہا **اَنَا الْحَق** میں حق ہوں واجب القتل ہوئے ، مگر یہ ضبط مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ خود اپنے پر اتنا قابو رکھتے ہیں کہ ہر دم **اَنَا الْعَبْدُ** ہی فرماتے ہیں، میں عبد اللہ ہوں۔ہاں رب فرماتا ہے کہ اے محبوب تم فنافی اللہ کے اس درجہ میں ہو کہ تمہارا کلام اور کام سب ہمارا ہوتا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تجلی صفات الٰہی دیکھی اور بے ہوش ہو گئے، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں پہ قربان کہ تجلی ذات دیکھ کر بھی معراج میں تبسم ہی فرمارہے ہیں

موسیٰ نہ زہوش رفت بہ یک پر تو صفات

تو عین ذات می نگری در تبسمی

رب تعالیٰ نے صرف اسی آیت میں یہ نہ فرمایا، بلکہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے پیارے جو تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ

سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (سورہ فتح) ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارے نبی اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں، ان کا کلام وحی الٰہی ہوتی ہے۔ (سورہ نجم پارہ 27)۔ دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ جو شخص حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی کام، کسی کلام یا حضور کی کسی چیز کی توہین کرے وہ کافر ہے، کیونکہ یہ در پردہ رب کی توہین ہے۔ اگر کوئی شخص صدہا سال تک عبادت کرتا رہے، متقی ہو، پرہیز گار ہو، مولوی ہو، پیر ہو، دنیا دار ہو، مگر کبھی کسی موقعہ پر نعلین پاک مصطفٰی علیہ السلام کی توہین کردے تو اس کی تمام عبادات ضبط ہو گئیں اور وہ مرتد و کافر ہو گیا۔ (دیکھو شفا شریف اور رد المختار وغیرہ) بلکہ دیکھو قرآن مجید، ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔

گناہوں کا ڈاکٹر

حضرت سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بصرہ کے ایک کوچے سے ایک مرتبہ نکل رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک مقام پر لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر کسی آدمی کو دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ نے خیال فرمایا آخر ایسا کون شخص ہے آپ بھی وہاں گئے دیکھا کہ ایک نوجوان عزت و وقار سے کرسی پر بیٹھا ہے۔ اور لوگ اسے نبض دکھا رہے ہیں کچھ لوگ قارورے کی شیشیاں لئے کھڑے ہیں وہ لوگوں کے امراض کی تشخیص کرتا جاتا ہے اور نسخے تجویز کرتا جاتا ہے۔ حضرت مولائے کائنات نے قریب جا کر پوچھا کیا تمہارے پاس جرم عصیاں کے مرض کی بھی کوئی دوا ہے۔ ڈاکٹر نے یہ سوال سن کر سر جھکا لیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ پوچھا پھر سہ بارہ جب اپنے سوال کو دہرایا تو اس نے سر اٹھا کر جواب دیا۔ جناب عالی اس مرض کا علاج کرنے سے پہلے لازم ہے کہ پہلے بوستان ایمان میں جائیں اور وہاں سے یہ مفردات یکجا کریں۔ بیخ نیت، حب ندامت، برگ تدبیر، تخم ورع، ثمر فقہ، شاخ یقین، مغز اخلاص، قشر اجتہاد، بیخ توکل، اکمال اعتبار، تریاق تواضع، خضوع قلب اور فہم کامل ان تمام کو کف توفیق اور انگشت تصدیق سے پکڑیں پھر طبق تحقیق میں رکھ کر ندامت کے آنسوؤں سے دھوئیں پھر امید و رجا کی دیگچی میں رکھیں اور اس قدر آتش شوق کی آنچ دیں کہ کف حکمت ابل کر اوپر آ جائے پھر اسے رضا کے پیالے میں انڈیل کر استغفار کے پنکھے سے ٹھنڈا کریں اس طرح ایک لاجواب شربت تیار ہو جائے گا۔ اس کو ایسی جگہ بیٹھ کر استعمال کریں جہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ دیکھے انشاء اللہ مرض عصیاں دفع ہو جائے گا۔ اس کے بعد اس نے دو شعر پڑھے۔ اور دل کی گہرائیوں سے ایک نعرہ مستانہ لگا کر جاں بحق ہو گیا۔ مولائے کائنات نے فرمایا واقعی تو دنیا و آخرت دونوں کا ڈاکٹر ہے۔

ماں کی دعا سے موسیٰ علیہ السلام کے پڑوس ہونے کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ پاک سے ہمکلام ہوتے اور بہت سی باتیں معلوم کرتے تھے جو کہ بہت ہی خوبصورت اور دلچسپ ہوا کرتی تھیں۔ ایک بار موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے پوچھا یا اللہ جنت میں جو میرا پڑوسی ہوگا اسے دیکھا دے اللہ نے کہا۔ فلاں بستی میں ایک گوشت بیچنے والا قصائی ہے وہ جنت میں آپ کا ہمسایہ بنے گا پھر ایک روز موسیٰ علیہ السلام اس بستی میں پہنچ گئے وہ قصائی جب گوشت فروخت کر کے فارغ ہوا تو اس نے گوشت کا ایک ٹکڑا بچا کر رکھا ہوا تھا۔ اس کو بہت ہی نفاست سے صاف کیا اس کے

چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیئے اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں مسافر ہوں رات قیام کرنا ہے اس گوشت والے نے بخوشی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہمراہ لیا۔ گھر جا کر اس نے سب سے پہلے اپنی ماں کے پاس جا کر خیریت معلوم کی اور پھر بڑی محنت سے وہ گوشت بھونا اور اپنی ماں کو کھلایا اور اس کی ماں بہت خوش ہوئی اور اس نے کھانا کھا کر کچھ کہا جس کو سن کر وہ ہنسا۔ وہ عورت کافی ضعیف تھی اور آہستہ بولتی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ تیری ماں نے کیا کہا؟ جو تو ہنس دیا اس شخص نے جواب دیا کہ جب ماں خوش ہوتی ہے تو مجھ کو دُعا دیتی ہے۔ اللہ تجھے جنت میں موسیٰ علیہ السلام کا پڑوسی بنائے تو میں اس لئے ہنسا کہ کہاں میں گنہگار بندہ اور کہاں اللہ کا پیارا نبی موسیٰ علیہ السلام اس کی بات پر دل ہی دل میں مسکراتے رہے واقعی ماں باپ کی خدمت بہت ہی عظیم کام ہے اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ڈوبنے والی کشتیوں کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے حکم دیا کہ سمندر کی طرف جاؤ تین کشتیاں ڈوبنے والی ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام فوری حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سمندر کی جانب چل دیئے۔ ساحل پرسکون تھا بہت دور سے ایک کشتی آتی ہوئی دکھائی دی جو آہستہ آہستہ ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی، ابھی وہ کنارے سے کچھ فاصلے پر تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آواز دی کہ اے کشتی والو اللہ کا حکم آنے والا ہے، ہوشیار رہنا، انہوں نے جواب دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو کوئی نہیں ٹال سکتا ہم تو اس کے بندے ہیں جو حکم الٰہی کے پابند ہیں، کشتی والے یہ کہہ رہے تھے کہ اچانک ایک موج اٹھی اور ٹکرائی کہ کشتی ڈولنے لگی اور سوار اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنے لگے اتنے میں ایک اور زبردست موج آئی اور کشتی کو سمندر کی تہہ میں لے گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خبردار کیا اور کہا کہ ذرا احتیاط ہو کر آنا، انہوں نے بھی پہلے والوں کی طرح جواب دیا کہ جو کچھ ہونا ہے ہو کر رہے گا اور کشتی کو کنارے کی طرف لاتے رہے، یہاں تک کہ ساحل کے قریب آتے آتے یہ کشتی بھی ڈوب گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی حکمت بارے سوچوں میں غلطاں تھے کہ انہیں ایک تیسری کشتی آتی دکھائی دی، آپ نے کشتی والوں کو نصیحت کی کہ دیکھو اللہ کا حکم آنے والا ہے، گناہوں کی معافی مانگنے، ذرا احتیاط ہو کر آؤ۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ اے اللہ کے نبی! جس طرح آپ سچے ہیں اس طرح اللہ کا حکم بھی اٹل ہے اسے کوئی نہیں بدل سکتا لیکن اللہ کی رحمت بھی تو کوئی چیز ہے اس کی رحمت سے کیوں مایوس ہوں۔ ہم اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے آ رہے ہیں اور وہ اپنی رحمت کے صدقے میں ہمیں ضرور امن وسلامتی کے ساتھ کنارے پر پہنچا دے گا کشتی والوں کا یہ جواب سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش ہو گئے، جب کشتی باحفاظت کنارے آ لگی تو اللہ کے پیغمبر علیہ السلام سوچنے لگے کہ اللہ نے تین کشتیاں ڈوبنے کا فرمایا تھا دو تو ڈوب گئیں لیکن تیسری سلامتی سے ساتھ کنارے آ لگی ہے یہ کیسے بچ گئی؟ ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ نے سنا نہیں کہ کشتی والوں نے کیا کہا انہوں نے میرے حکم کو بھی تسلیم کیا تھا اور میری رحمت کو بھی آواز دی تھی اور اس پر پورا بھروسہ کیا تھا تو یہ میری رحمت کے طفیل کشتی بچ گئی۔ جو بھی میری رحمت کے دروازے پر آ کر صدا دیتا ہے میں اسے ناامید نہیں کرتا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے فارغ ہو گیا تو اس نے عرش پہ

لکھ دیا: میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

بادشاہ اور قیدی کے درمیان مکالمہ کرنے کا واقعہ

کہتے ہیں۔ ایک بادشاہ کی عدالت میں کسی ملزم کو پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے مقدمہ سننے کے بعد اشارہ کیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ بادشاہ کے حکم پر پیادے اسے قتل گاہ کی طرف لے چلے تو اس نے بادشاہ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا کسی شخص کے لیے بڑی سے بڑی سزا یہی ہوسکتی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اور چونکہ اس شخص کو یہ سزا سنائی جا چکی تھی اس لیے اس کے دل سے یہ خوف دور ہو گیا تھا کہ بادشاہ ناراض ہو کر درپے آزار ہوگا۔

بادشاہ نے یہ دیکھا کہ قیدی کچھ کہہ رہا ہے تو اس نے اپنے وزیر سے پوچھا "یہ کیا کہہ رہا ہے؟" بادشاہ کا یہ وزیر بہت نیک دل تھا اس نے سوچا، اگر ٹھیک بات بتا دی جائے تو بادشاہ غصے سے دیوانہ ہو جائے گا اور ہوسکتا ہے قتل کرانے سے پہلے قیدی کو اور عذاب میں مبتلا کرے۔ اس نے جواب دیا جناب یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ پاک ان لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ جو غصے کو ضبط کر لیتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں"۔ وزیر کی بات سن کر بادشاہ مسکرایا اور اس نے حکم دیا کہ اس شخص کو آزاد کر دیا جائے۔

بادشاہ کا ایک اور وزیر پہلے وزیر کا مخالف اور تنگ دل تھا وہ خیر خواہی جتانے کے انداز میں بولا "یہ بات ہرگز مناسب نہیں ہے کہ کسی بادشاہ کے وزیر اسے دھوکے میں رکھیں اور سچ کے سوا کچھ اور زبان پر لائیں اور سچ یہ ہے کہ قیدی حضور کی شان میں گستاخی کر رہا تھا۔ غصہ ضبط کرنے اور بھلائی سے پیش آنے کی بات نہ کر رہا تھا"۔

وزیر کی یہ بات سن کر نیک دل بادشاہ نے کہا "اے وزیر! تیرے اس سچ سے جس کی بنیاد بغض اور کینے پر ہے، تیرے بھائی کی غلط بیانی بہتر ہے کہ اس سے ایک شخص کی جان بچ گئی۔ یاد رکھ! اس سچ سے جس سے کوئی فساد پھیلتا ہو، ایسا جھوٹ بہتر ہے جس سے کوئی برائی دور ہونے کی امید ہوئے۔

وہ سچ جو فساد کا سبب ہو بہتر ہے نہ وہ زباں پہ آئے ‏ ‏ ‏ ‏ اچھا ہے وہ کذب ایسے سچ سے جو آگ فساد کی بجھائے

حاسد وزیر بادشہ کی یہ بات سن کر بہت شرمندہ ہوا۔ بادشاہ نے قیدی کو آزاد کر دینے کا فیصلہ بحال رکھا اور اپنے وزیروں کو نصیحت کی کہ بادشاہ ہمیشہ اپنے وزیروں کے مشورے پر عمل کرتے ہیں۔ وزیروں کا فرض ہے کہ وہ ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالیں جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ اس نے مزید کہا یہ دنیاوی زندگی بہر حال ختم ہونے والی ہے۔ کوئی بادشاہ ہو یا فقیر، سب کا انجام موت ہے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کسی شخص کی روح تخت پر قبض کی جاتی ہے یا فرش خاک پر۔

لوگوں میں جذبہ بھلائی کو اجاگر کرنے کا سبق

حضرت سعدی کی یہ حکایت پڑھ کر سطحی سوچ رکھنے والے لوگ یہ نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں کہ مصلحت کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ لیکن یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں۔ حکایت کی اصل روح یہ ہے کہ خلق خدا کی بھلائی کا جذبہ انسان کے تمام جذبوں پر غالب رہنا چاہیے اور جب یہ اعلیٰ وارفع مقصد سامنے ہو تو مصلحت کے مطابق رویہ اختیار کرنے میں مضائقہ نہیں۔ جیسے جراح کو یہ اجازت ہے کہ

فاسد مواد خارج کرنے کے لیے اپنا نشتر استعمال کرے۔ کسی انسان کے جسم کو نشتر سے کاٹنا بذات، خود کوئی اچھی بات ہرگز نہیں ہے لیکن جب جراح یہ عمل کرتا ہے تو اسے اس کی قابلیت سمجھا جاتا ہے۔

مسلمان ہونا کوئی مشکل امر نہیں مگر مسلمان بن کر حدود شرع کی پاسداری کرتے ہوئے زندگی گزارنا دشوار ہے اور صحیح معنوں میں مسلمان وہی ہے جو شرعی احکام و مسائل پر سختی سے کاربند ہو کر کتاب زندگی کی اوراق گردانی کرے۔

ایک لڑکی کی شادی کا سبق آموز واقعہ

مشہور تابعی سعید بن مسیّب کی لڑکی کی شادی کا واقعہ نہایت سبق آموز اور اسلامی تاریخ میں ایثار، ہمدردی، غربت، پسندی اور سادگی کی شاندار مثال ہے، ان کی لڑکی انتہائی حسین وجمیل اور تعلیمی یافتہ تھی، خلیفہ عبدالملک اس کو اپنی بہو بنانا چاہتا تھا، اس نے اپنے ولی عہد کے ساتھ اس کی نسبت کا پیغام بھیجا، ابن مسیّب نے انکار کر دیا، خلیفہ نے بہت دباؤ ڈالا اور مختلف قسم کی سختیاں کیں لیکن ابن مسیّب اپنے انکار پر برابر قائم رہے، اور چند دنوں کے بعد قریش کے ایک نہایت معمولی آدمی ابووداعہ کے ساتھ اس کی شادی کر دی جوان کے ایک ادنیٰ شاگرد تھے۔

اس واقعہ کے بارے میں خود ابووداعہ کا بیان ہے کہ میں سعید بن مسیّب کے پاس پابندی سے جا کر بیٹھا کرتا تھا ایک مرتبہ چند دنوں کی غیر حاضری کے بعد جانے کا اتفاق ہوا، ابن مسیّب نے پوچھا اتنے دنوں تک کہاں غائب رہے، میں نے کہا میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اس لئے حاضر نہ ہو سکا، فرمایا مجھے خبر کیوں نہیں دی میں بھی تجہیز و تکفین میں شریک ہوتا، تھوڑی دیر بعد میں جب اٹھ کر جانے لگا تو انہوں نے کہا کیا تم نے دوسری کا انتظام کیا؟ میں غریب نادر دو چار پیسے کا آدمی ہوں میرے ساتھ کون شادی کرے گی، فرمایا میں انتظام کروں گا، تم تیار ہو؟ میں نے کہا بہت خوب! سعید نے اسی وقت دو تین درہم پر میرے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح پڑھوا دیا جب میں وہاں سے اٹھا تو فرط مسرت سے میری یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں؟ گھر پہنچ کر رخصتی کے لئے فکر میں پڑ گیا، شام کے وقت سعید ابن مسیّب نے اپنی لڑکی کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا، پہلے دو رکعت نماز ادا کی اور دو رکعت اپنی لڑکی سے پڑھوائی اس کے بعد اس کو لئے ہوئے میرے گھر پہنچے، میں مغرب کے بعد روزہ افطار کرنے جا رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون؟ جواب ملا سعید، میں نے سوچا سعید ابن مسیّب تو اپنے گھر اور مسجد کے علاوہ کہیں آتے جاتے نہیں، یہ سعید کون ہیں؟ اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا تو سعید ابن مسیّب تھے، انھیں دیکھ کر میں نے کہا آپ نے کیوں زحمت گواری کی مجھ بلا بھیجا ہوتا، فرمایا: نہیں مجھے تمہارے پاس آنا چاہئے تھا، پھر فرمایا تم تنہا آدمی تھے اور تمہاری بیوی موجود تھی، میں نے خیال کیا کہ تمہارات کیوں بسر کرو، اسی لئے تمہاری بیوی کو لیکر آیا ہوں، وہ ان کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی، انھوں نے اسے دروازے کے اندر کر کے باہر سے دروازہ بند کر دیا، میری بیوی شرم سے گر پڑی، میں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا، اس کے بعد چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں میں اعلان کر دیا کہ آج ابن مسیّب نے اپنی لڑکی کا عقد میرے ساتھ کر دیا اور اسے میرے گھر پہنچا گئے، میری ماں نے دستور کے مطابق تین دن تک اس کو بنایا سنوارا، بننے سنورنے کے بعد میں نے اس کو دیکھا تو وہ نہایت حسین، کتاب اللہ کی حافظ سنت رسول کی عالم اور حقوق شوہر کی واقف

کار عورت تھی۔ (ابن خلکان جلد اول ص 207)

بیوی کی غلطی معاف کرنے پر گناہوں کی معافی کا واقعہ

ایک شخص کی بیوی سے کھانے میں غلطی سے نمک تیز ہو گیا، اس کے شوہر نے اسے کچھ نہیں کہا اور یہ سوچا کہ اگر میری بیٹی سے نمک تیز ہو جاتا تو میں یہی چاہتا کہ میرا داماد اس کی پٹائی نہ کرے، اسے معاف کر دے، اے خدا یہ بھی کسی کی بیٹی ہے اور سب سے بڑھ کر آپ کی بندی ہے، میں آپ کی خاطر اسے معاف کرتا ہوں۔ جب اس کا انتقال ہوا تو ایک ولی اللہ نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تیرے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے معاصی پر گرفت فرمائی، میں سمجھا کہ شاید جہنم میں جاؤں گا، لیکن آخر میں فرمایا کہ اے شخص! تو نے ایک دن میری بندی کو نمک تیز کرنے کی غلطی پر معاف کر دیا تھا اور میری خاطر میری بندی سمجھ کر نہ اس کو گالی دی نہ پٹائی کی، تیرے اس عمل کے بدلے میں آج میں تجھ کو معاف کرتا ہوں۔

خون کے خود بولنے کا عبرت بھرا سبق آموز واقعہ

آج سے کوئی ۸۷ سال پہلے کا ایک سبق آموز واقعہ ہے کہ اعظم گڑھ کے گاؤں میں ایک مولا بخش نامی زمیندار رہتا تھا۔ مولا بخش اپنے باپ کا لاڈلہ اور اکلوتا بیٹا تھا اور اس کے والد گرامی بھی ابھی زندہ تھے۔ ان کے رشتہ داروں نے سوچا کہ اگر مولا بخش کو قتل کر دیا جائے تو اس کی ساری جائیداد مجوب ہونے کی وجہ سے ہمیں مل جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے خفیہ طور پر مولا بخش کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

عید قرباں اس وقت قریب تھی مولا بخش اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر شہر روانہ ہوئے تا کہ وہاں سے کچھ سامان خرید کر عید کیلئے لائیں۔ جبکہ ان کے دشمن پہلے اس موقع پر ان کی تاک میں تھے ادھر مولا بخش روانہ ہوئے ادھر دشمنوں نے مل کر مشورہ کیا۔

عصر کا وقت تھا مولا بخش کا گھوڑا گاؤں کے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ایک جنگل میں داخل ہوا۔ ٹھہر جاؤ'' اچانک مولا بخش کو ایک سخت آواز نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ دیکھا تو چار آدمی لاٹھیوں اور کدھالوں کو لئے سامنے چوکس تھے ایک آدمی نے جلدی سے لپک کر لگام کو پکڑ لیا اب مولا بخش کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے گھوڑے سے اتر آئیں۔

آخر تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ مولا بخش نے پریشانی کے لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا: تمہاری جان، گھوڑے کے پیچھے کھڑے ہوئے ایک خونخوار شخص نے کہا مولا بخش ان لوگوں کے اس ارادے کو سمجھ چکے تھے اس لئے انہوں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا کہ اچھا عصر کی نماز کا وقت ہے آپ مجھے اس قدر فرصت دو کہ میں نماز کو ادا کر لوں۔

ہاں تم اگر نماز پڑھنا چاہتے ہو تو پڑھ لیجئے۔ مولا بخش صاف ستھری زمین پر نماز کیلئے کھڑے ہوئے اور ابھی وہ سجدے میں گئے تھے کہ ان چاروں میں سے ایک بوڑھے سے حلیے والے شخص نے کہا: دیکھتے کیا ہو، اس سے بہتر وقت تمہیں نہ مل سکے گا۔ اور اگر کہیں کوئی مسافر آنکلا تو سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ یہ بات ان سب کی سمجھ میں آ گئی اور ان میں دو طاقتور جوان آدمیوں نے ایک لاٹھی سجدے کی حالت میں اس طرح مولا بخش کی گردن کے نیچے رکھی اور دوسری اوپر رکھی اس کے بعد دونوں طرف سے چاروں

آدمیوں نے مل کر اسے دبایا۔ تو مولا بخش کی زبان نکل پڑی۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ اس دنیا میں نہیں تھے۔ پھر دشمنوں نے گھوڑے کو بھی قتل کیا اور سوار اور اس کے گھوڑے، دونوں کی لاشوں کو قریب بہتے ہوئے دریا میں بہادیا۔

یہ برسات کا موسم تھا اسی رات اس قدر موسلا دھار بارش ہوئی اور ایک ہفتے تک بارش جاری رہی۔ اس بارش کی وجہ سے قتل کے تمام تر ثبوت فراہم کرنے والے ذرائع دھل کر نشانات کو مٹا گئے اور دریا کی طغیانی نے لاش کو بھی غائب کر دیا۔ اب قاتلین بہت خوش تھے کہ قتل بھی کر دیا اور منصوبہ بھی کامیاب ہو گیا اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا اور نہ ہی چلے گا۔

مولا بخش کے لواحقین ہفتہ بھر مارے مارے پھرتے رہے لیکن مولا بخش کا کوئی پتہ نہ چل سکا مولا بخش جس وقت جنگل میں داخل ہوا تھا تو اس کے کچھ فاصلے پر ایک بنیا بھی تھا جب اس نے مولا بخش کے ساتھ یہ ہونے والا واقعہ دیکھا تو وہ چھپ کر بیٹھ گیا اور پورا منظر دیکھا اور کچھ دنوں کے بعد اس نے سارا واقعہ مولا بخش کے لواحقین کو بتا دیا۔ تو اس پر رپورٹ درج ہوئی۔ پولیس آئی لیکن لاش نہ ملی اور نہ ہی قتل کا کوئی ثبوت فراہم ہو سکا۔ اس لئے قاتل بہت خوش تھے کہ کوئی فیصلہ نہ ہو سکا لیکن آخری عدالت کا فیصلہ ابھی باقی تھا چند روز بعد وہی چاروں قاتل بیمار ہوئے، پہلا شخص جب بیمار ہو تو سب لوگوں نے اسے کراہتے ہوئے سنا کہ وہ سخت پریشانی کے عالم میں کچھ کہہ رہا ہے۔

''مولا بھائی اپنے گھوڑے سے ہمیں مت کچلیں۔ مولا بھائی اپنے گھوڑے سے ہمیں مت کچلیں''

آخر کار چاروں قاتل اسی کراہنے کی آواز کے ساتھ اس دنیا میں انتہائی کرب مصیبت کی حالت میں رخصت ہوئے۔ جب نہلانے کیلئے ان کے جسموں سے کپڑا اتارا گیا تو سب لوگوں نے دیکھا کہ ان کے جسموں پر گھوڑے کے سُموں کے نشانات تھے۔ جیسے واقعی کسی گھوڑے نے انہیں پاؤں سے پامال کیا ہو۔ کہاں دنیا کی جائیداد، کہاں ان کے منصوبے اور کہاں ان کا انجام، کہاں جائیداد کے سبز باغات اور کہاں ان کی لاشوں کا قبروں میں جانے کی حقیقت۔

مسکینوں کی مدد کا وزن ستر سالہ عبادت سے بڑھ جانے کا واقعہ

حضرت بردہ علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ علیہ الرحمہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلا کر کہا کہ میں تمہیں صاحب الرغیف (یعنی روٹی والے) کا قصہ سناتا ہوں اسے ہمیشہ یاد رکھنا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا:

ایک عابد شخص اپنی جھونپڑی میں لوگوں سے الگ تھلگ عبادت کرتا تھا وہ 70 سال اسی جھونپڑی میں رہا۔ اس عرصے میں اس نے عبادت کو کبھی ترک نہ کیا۔ اور نہ ہی کبھی جھونپڑی سے باہر آیا۔ ایک دن جب وہ جھونپڑی سے باہر آیا تو اسے شیطان نے ایک عورت کے فتنے میں مبتلا کر دیا۔ اور وہ سات دن یا سات راتیں اسی عورت کے ساتھ رہا سات دنوں کے بعد جب اس کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ ہٹا۔ اور وہ اپنی اس حرکت پر نادم ہوا۔ اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی اور وہاں سے رخصت ہو گیا اب اس کی حالت یہ تھی کہ ہر قدم پر نماز پڑھتا تھا اور توبہ کرتا۔ پھر ایک رات وہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں بارہ

مسکین رہتے تھے وہ بہت تھکا ہوا تھا اور تھکاوٹ کی وجہ سے ان مسکینوں کے قریب گر پڑا ایک راہب روزانہ ان بارہ مسکینوں کو ایک ،ایک روٹی دیتا تھا۔ جب وہ راہب آیا تو اس نے روٹی دینا شروع کی۔ اور اس عابد کو بھی مسکین سمجھ کر ایک روٹی دے دی۔ اور ان بارہ مسکینوں میں سے ایک کو روٹی نہ ملی۔ تو اس نے راہب سے کہا کہ آج آپ نے مجھے روٹی کیوں نہیں دی۔ تو راہب نے کہا کہ روٹی میں تمہیں دے چکا ہوں کیونکہ میں بارہ کی بارہ روٹیاں تقسیم کر چکا ہوں۔ پھر اس نے مسکینوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا کسی کو دو روٹیاں ملی ہیں تو سب نے کہا کہ نہیں ہمیں تو ایک ہی روٹی ملی ہے۔ یہ سن کر راہب نے اس مسکین سے کہا شاید تم دو روٹیاں لینا چاہتے ہو۔ جاؤ آج کے بعد تمہیں روٹی نہیں ملے گی۔ عابد نے جب یہ سنا تو اسے مسکین پر بہت ترس آیا چنانچہ اس نے وہ روٹی مسکین کو دے دی۔ اور خود بھوکا رہا اور اسی بھوک کی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔ جب اسکی ۷۰ سالہ کی عبادت اور غفلت میں گزری ہوئی سات راتوں کا وزن کیا گیا تو اللہ کی نافرمانی میں گزری ہوئی راتیں اس کی ۷۰ سالہ عبادت پر غالب آگئیں۔ پھر ان سات راتوں کا وزن اس روٹی سے کیا گیا جو اس نے مسکین کو دی تھی۔ تو وہ روٹی ان راتوں پر غالب آگئی اور اسکی مغفرت کر دی گئی۔

حضرت ابو مسعود علیہ الرحمہ یہی حکایت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک عابد ۷۰ سال تک اللہ عبادت کرتا رہا۔ پھر اس نے ایک فاحشہ عورت سے گناہ کیا۔ تو اللہ تعالی نے اس کے تمام اعمال ضائع کر دیئے۔ پھر جب اسے اپنے گناہ کا احساس ہوا تو وہ تائب ہو گیا اور کچھ دنوں بعد ایسی بیماری لاحق ہوئی کہ وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک شخص روٹیاں تقسیم کر رہا ہے گرتے پڑتے یہ بھی وہاں پہنچ گیا اس نے بھی ایک روٹی حاصل کر لی۔ ابھی اس نے روٹی کھانا شروع نہ کی تھی کہ اسے ایک مسکین نظر آیا چنانچہ اس نے وہ روٹی مسکین کو دے دی۔ اور خود بھوکا ہی رہا۔ اللہ کی بارگاہ میں اس کا یہ عمل اتنا مقبول ہوا کہ اس کی مغفرت کر دی گئی۔ اور ۷۰ سالہ عبادت کا ثواب بھی لوٹا دیا گیا۔

مسلمان ہار گئے اسلام جیت گیا

انڈیا کا واقعہ ہے ایک شہر میں زمین کا ٹکڑا تھا جس میں تنازعہ کھڑا ہو گیا مسلمانوں کا دعوی تھا یہ زمین ہماری ہے جبکہ ہندوؤں کا دعوی تھا کہ یہ زمین ہماری ہے ہندو چاہتے تھے وہاں مندر بنایا جائے مسلمان چاہتے تھے وہاں مسجد بنائی جائے انگریز اس وقت حاکم تھا قریب تھا کہ آپس میں قتل و قتال تک نوبت جا پہنچ جاتی۔ مقدمہ بڑا نازک تھا حاکم بھی پریشان تھا کہ صلح صفائی کی کوئی صورت نکل آتی تو بہتر تھا جب مقدمے کی ساعت ہونے لگی تو انگریز جج نے سوال پوچھا؟ کہ تصفیہ کی کوئی صورت ہے؟ ہندوؤں نے کہا کہ ہم ایک تجویز پیش کرتے ہیں بغیر مقدمے کے بات سلجھ جائے گی جج نے کہا وہ کون سی؟ کہنے لگے ہم ایک مسلمان عالم کا نام بتاتے ہیں آپ ان کو اپنے پاس بلالیں اور ان سے پوچھ لیں یہ جگہ کس کی ہے اگر وہ کہہ دیں ہندوؤں کی ہے تو ہمارے حوالے کر دینا اور اگر وہ کہہ دیں کہ مسلمانوں کی ہے تو ان کے حوالے کر دینا۔ مگر ان کا نام ہم صرف آپ کو بتائیں گے لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کریں گے۔ جج نے فیصلہ موقوف کر دیا اور مقدمے کی ساعت کیلئے نئی

تاریخ دے دی۔لوگ کمرہ عدالت سے باہر نکلے تو ہندو عوام اپنے نمائندوں سے ناراض ہوگئے۔کہ بس تم نے ہمارا بیڑا غرق کردیا ہے۔

دوسری طرف مسلمان خوشی سے اچھل رہے تھے کہہ رہے تھے کہ ایک مسلمان کو چنا گیا ہے اور جب وہ ہے ہی مسلمان تو مسجد بنانے کی بات کرے گا۔

جب وہ تاریخ آئی جس کا شدت سے انتظار تھا تو لوگ بڑی تعداد میں کمرہ عدالت میں پہنچ گئے وہاں ایک اللہ والے،اور عالم دین کو پیش کیا گیا جس کی گواہی ہندوؤں کو بھی تسلیم تھی۔جج نے پوچھا؟ آپ بتائیں یہ جگہ ہندوؤں کی ہے یا مسلمانوں کی ہے؟اس عالم باعمل نے کہا ہندوؤں کی ہے جج نے پوچھا؟ کیا ہندو اس پر اپنا مندر بنا سکتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ جب زمین ان کی ملکیت ہے تو ہندو مندر بنائیں یا گھر ان کی مرضی ہے۔چنانچہ جج نے اسی وقت فیصلہ دیتے ہوئے ان الفاظ میں کیا جو تاریخ کے سنہری حروف ہیں۔"آج کے اس مقدمے میں مسلمان ہار گئے مگر اسلام جیت گیا"

جب جج نے یہ فیصلہ سنایا تو ہندوؤں نے کہا جج صاحب! آپ نے فیصلہ ہمارے حق میں دیا ہے ہم کلمہ پڑھتے ہیں اور مسلمان ہوتے ہیں اب ہم اپنے ہاتھوں سے اس جگہ مسجد بنائیں گے۔اللہ تعالی نے سچ بولنے کی برکت سے ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمادی۔

یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق ہزار خوف ہوں لیکن زبان ہو دل کی رفیق

نصوح کی توبہ کا رقت انگیز واقعہ

ایک شخص جن کا نام نصوح تھا۔اس کی شکل مردوں والی تھی لیکن اسکی آواز عورتوں کی سی تھی اور شاہی محلات میں بیگمات اور دختران خسروان کو نہلانے اور میل نکالنے کی خدمت پر مامور تھا اور عورت کے لباس میں یہ شخص ملازمہ اور خادمہ بنا ہوا تھا۔چونکہ یہ مرد شہوت کاملہ رکھتا تھا اس لئے مالش زنان خسروان سے نفسانی لذت بھی خوب پاتا تھا اور جب بھی توبہ کرتا اس کا نفس ظالم اس کی توبہ کو توڑ دیتا۔ایک دن اس عاجز نے سنا کہ کوئی بڑے عارف بزرگ تشریف لائے ہیں یہ بھی حاضر ہوا اور کہا۔

کہ ہم کو بھی دعا میں یاد رکھنا۔اس بزرگ کی دعا سات آسمانوں سے اوپر سے گزر گئی یعنی اس عاجز کا کام بن گیا۔اس خدائے پاک نے اپنی قدرۃ خاصہ سے ایک سبب اس عاجز کی خلاصی کا پیدا کیا وہ سبب غیب سے ظاہر ہوا۔کہ نصوح اور اس کے ساتھ تمام خادمات کی تلاشی کی ضرورت پیش آئی۔کیونکہ زنان خانہ میں ایک بیش بہا موتی گم ہو گیا تھا حمام خانے کو بند کر کے تلاشی لی گئی جب سامان میں وہ موتی نہ ملا۔

تو آواز دی گئی کہ سب خادمات عریاں ہو جائیں خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھی ہوں۔اس آواز سے نصوح پر لرزہ طاری ہو گیا۔کیونکہ دراصل یہ مرد تھا اور عورت کے بھیس میں یہ خادمہ بنا ہوا تھا اس نے سوچا کہ آج میں رسوا ہو جاؤں گا۔اور بادشاہ غیرت کے سبب اپنی عزت وناموس کا مجھ سے بدلہ لے گا اور مجھے قتل سے کم سزا نہیں ہو سکتی۔کیونکہ یہ جرم نہایت سنگین ہے۔

نصوح اسی خوف کی کیفیت سے دوچار ہو کر تنہائی میں گیا اس کا چہرہ زرد اور ہونٹ نیلے ہو رہے تھے اور ہیبت سے گھبرایا ہوا تھا۔ نصوح موت کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ اور یوں جھوم رہا تھا جیسے کوئی درخت زلزلہ کی وجہ سے جھومتا ہے اسی حالت و کیفیت میں وہ سجدہ میں گر گیا۔ اور رو، رو کر کہنے لگا۔ اے میرے رب! بار ہا میں نے غلط راستہ اپنایا اور توبہ و عہد کو بار ہا توڑا۔

اے خدا! اب وہ معاملہ فرما جو آپ کی شان کے لائق ہے کیونکہ میرے ہر سوراخ سے مجھے میرا سانپ ڈس رہا ہے۔ اگر موتی کی تلاشی خادمات سے گزر کر مجھ تک پہنچی تو اُف! میری جان کس قدر سختی و بلا اور عذاب کا مزہ چکھے گی۔

نصوح مناجات کرتے ہوئے کہنا لگا کہ اے خدا! اگر اس مرتبہ تو مجھے معاف فرما دے تو میں آئندہ کیلئے ہر قسم کے گناہ سے سچی توبہ کرتا ہوں۔ اے میرے رب! میرے جسم میں سینکڑوں شعلے غم کی آگ کے بھڑک رہے ہیں اور آپ میری مناجات میں میرے جگر کا خون دیکھ لیں کہ میں کس طرح حالت بے کسی اور درد سے فریاد کر رہا ہوں۔

نصوح اپنے رب کی بارگاہ میں اسی طرح کی گریہ زاری کر ہی رہا تھا کہ آواز آئی۔ سب کی تلاشی ہو چکی ہے اب نصوح کو لایا جائے۔ اور اے نصوح! اب تو سامنے آ، اور عریاں ہو جا، بس نصوح کا یہ سننا تھا کہ عریاں ہونے سے میرا پردہ فاش ہوگا۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اور اس کی روح عالم بالا کی سیر میں مشغول ہو گئی۔

اس کی روح بے ہوشی کے وقت حق کے قریب ہوئی اور بحر رحمت کو اس وقت جوش آیا اور حق تعالیٰ کی قدرت سے نصوح کی پردہ پوشی کیلئے بلا تاخیر وہ موتی مل گیا۔ اچانک آواز آئی کہ خوف ختم ہوا اور وہ موتی مل گیا۔

وہ بے ہوش نصوح پھر ہوش میں آیا۔ اس کی آنکھیں سینکڑوں دن سے زیادہ روشن تھیں، یعنی عالم بے ہوشی میں نصوح کی روح کو حق تعالیٰ نے رحمت و تجلیات قرب کا مشاہدہ کرا دیا تھا۔ جس کے انوار اس کی آنکھوں میں ہوش آنے کے بعد بھی تاباں تھے۔

شاہی خاندان کی عورتوں نے نصوح سے معذرت کی اور شفقت سے کہا کہ ہم نے غلطی کی اور بدگمانی کی وجہ سے تم کو تکلیف پہنچائی۔ نصوح نے کہا یہ تو مجھ پر میرے رب کا فضل ہو گیا ورنہ میں تو اس سے بھی برا تھا جو کچھ میرے بارے میں کہا گیا تھا۔

اس کے بعد سلطان کی ایک دختر نے اس کو مالش اور نہلانے کیلئے کہا مگر نصوح اللہ والا ہو چکا تھا۔ اور بے ہوشی میں اس روح قرب کے مقام پر فائز ہو چکی تھی۔ اتنے مضبوط تعلق مع اللہ اور یقین کی نعمت کے بعد کوئی گناہ کی ظلمت کی طرف کس طرح رخ کر سکتا ہے۔ روشنی کے بعد ظلمت سے کراہت محسوس ہونا فطری امر ہے۔ نصوح نے سلطان کی بیٹی سے کہا۔

اے دختر شاہ! میرے ہاتھ کی طاقت بیکار ہو گئی اور اب تمہارا نصوح بیمار ہو چکا ہے یعنی اس حیلہ سے اس نے اپنے آپ کو گناہ سے بچایا

نصوح نے اپنے دل میں کہا کہ جرم حد سے گزر گیا اب میرے دل سے وہ خوف اور گمان کیسے نکل سکتا ہے۔ نصوح نے کہا میں نے حقیقی توبہ اپنے مولیٰ سے کی ہے اب میں اس توبہ کو ہرگز نہ توڑوں گا۔ خواہ جان ہی میرے تن سے جدا ہو جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا یا اللہ! جب کوئی اطاعت گزار تجھے پکارتا ہے تو اس کے جواب میں کیا

ارشاد فرماتا ہے؟ فرمایا: ''لبی '' پھر عرض کیا یا اللہ! جب کوئی زاہد تجھے پکارتا ہے تو اس کے جواب میں کیا ارشاد فرماتا ہے؟ فرمایا: ''لبیک'' عرض کیا گیا جب کوئی گناہگار تجھے پکارتا ہے تو اس کے جواب میں کیا ارشاد فرماتا ہے؟ فرمایا: ''لبیک لبیک ،لبیک''

ارشاد فرمایا: اے کلیم اللہ! سنیئے اطاعت گزار اور عبادت کرنے والے زاہد کو تو اطاعت و عبادت پر بھروسہ تھا مگر گناہگار کو صرف میری رحمت درکار تھی میں اپنے دروازے سے کسی کو مایوس نہیں لوٹاتا۔

اس لئے کہ وہ تو مجھے پکارتا ہے اور میرا ارشاد ہے کہ جو مجھ پر بھروسہ کرتا ہے میں اسے کفایت کرنے والا ہوں۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی اور فرشتے ان لوگوں پر سلام بھیجتے ہیں جو اپنے گناہوں پر نادم ہوتے ہوئے ان کا اعتراف کرتے ہیں (اور توبہ صادقہ کرتے ہیں)۔ (نزہۃ المجالس، ۱۹۱)

بہلول کی عقلمندی نے ہارون رشید کو سبق پڑھادیا

بہلول مجذوب ہارون الرشید کے زمانے میں ایک مجذوب صفت بزرگ تھے۔ ہارون الرشید ان کی باتوں سے ظرافت کے مزے لیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی جذب کے عالم میں وہ پتے کی باتیں بھی کہہ جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بہلول مجذوب ہارون الرشید کے پاس پہنچے۔ ہارون الرشید نے ایک چھڑی اٹھا کر دی۔ مزاحا کہا کہ بہلول یہ چھڑی تمہیں دے رہا ہوں۔ جو شخص تمہیں اپنے سے زیادہ بے وقوف نظر آئے اسے دے دینا۔ بہلول مجذوب نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ چھڑی لے کر رکھ لی۔ اور واپس چلے آئے۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ شاید ہارون الرشید بھی بھول گئے ہوں گے۔ عرصہ کے بعد ہارون الرشید کو سخت بیماری لاحق ہوگئی۔ بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔

اطبا نے جواب دیا۔ بہلول مجذوب عیادت کے لئے پہنچے اور سلام کے بعد پوچھا۔ امیر المومنین کیا حال ہے؟ امیر المومنین نے کہا حال پوچھتے ہو بہلول؟ بڑا لمبا سفر درپیش ہے۔ کہاں کا سفر؟ جواب دیا۔ آخرت کا۔ بہلول نے سادگی سے پوچھا۔ واپسی کب ہوگی؟ جواب دیا بہلول! تم بھی عجیب آدمی ہو۔ بھلا آخرت کے سفر سے بھی کوئی واپس ہوا ہے۔ بہلول نے تعجب سے کہا۔ اچھا آپ واپس نہیں آئیں گے۔ تو آپ نے کتنے حفاظتی دستے آگے روانہ کئے اور ساتھ ساتھ کون جائے گا؟ جواب دیا۔ آخرت کے سفر میں کوئی ساتھ نہیں جایا کرتا۔ خالی ہاتھ جا رہا ہوں۔

بہلول مجذوب بولا۔ اچھا اتنا لمبا سفر کوئی معین و مددگار نہیں پھر تو لیجئے ہارون الرشید کی چھڑی بغل سے نکال کر کہا۔ یہ امانت واپس ہے۔ مجھے آپ کے سوا کوئی انسان اپنے سے زیادہ بے وقوف نہیں مل سکا۔ آپ جب کبھی چھوٹے سفر پر جاتے تھے۔ تو ہفتوں پہلے اس کی تیاریاں ہوتی تھیں۔ حفاظتی دستے آگے چلتے تھے۔ حشم و خدم کے ساتھ لشکر ہمرکاب ہوتے تھے۔ اتنے لمبے سفر میں جس میں واپسی بھی ناممکن ہے۔ آپ نے تیاری نہیں کی۔ ہارون الرشید نے یہ سنا تو رو پڑے اور کہا۔ بہلول ہم تجھے دیوانہ سمجھا کرتے تھے۔ مگر آج پتہ چلا۔ کہ تمہارے جیسا کوئی فرزانہ نہیں۔

عقلمندی سے پہچان حاصل ہونے کا واقعہ

ایک عقل مند آدمی کسی جنگل میں پھر رہا تھا۔اس نے دو آدمیوں کو دیکھا جو یہاں وہاں کچھ ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔اس آدمی نے اُن سے پوچھا کیا تمہارا اونٹ گم ہو گیا ہے؟

ایک آدمی نے جواب دیا ہاں بھائی! ہمارا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ہم بہت دیر سے اسے ڈھونڈ رہے ہیں مگر نہ جانے وہ کہاں چلا گیا ہے۔کیا تمہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟ اس آدمی نے پوچھا۔کیا تمہارے اونٹ کی ایک آنکھ پھوٹی ہوئی تھی؟ دونوں آدمی فوراً بولے۔ہاں،ہاں! آدمی نے پوچھا کیا وہ بائیں پاؤں سے لنگڑا ہے؟

آدمی بولے ہاں وہ لنگڑا ہے۔آدمی نے پھر سے سوال کیا کیا اس کا کوئی دانت بھی ٹوٹا ہوا ہے؟ آدمیوں نے کہا ہاں... اس کا ایک دانت ٹوٹا ہوا ہے۔اس آدمی نے آخر میں پوچھا کیا اس پر ایک طرف شہد اور دوسری طرف گیہوں لدے ہوئے ہیں؟ دونوں آدمیوں نے جواب دیا ہاں! بالکل ٹھیک۔وہی ہمارا اونٹ ہے۔ایسا لگتا ہے کہ تم نے اسے دیکھا ہے۔اب بتاؤ کہ وہ کہاں ہے؟

عقل مند آدمی نے جواب دیا میں نے کوئی اونٹ نہیں دیکھا۔

اس کا یہ جواب سن کر وہ دونوں آدمی اس سے لڑنے لگے۔کم بخت چور.... تم نے ضرور ہمارا اونٹ دیکھا ہے ورنہ تمہیں ان ساری نشانیوں کا کیسے پتہ چلا۔بتاؤ وہ کہاں ہے؟

وہ آدمی قسم کھا کر کہنے لگا بھائیو! میں نے واقعی تمہارا اونٹ نہیں دیکھا۔اونٹ والے یہ سن کر یقین نہ کر پائے اور اس آدمی کو پکڑ کر کوتوال کے پاس لے گئے۔کوتوال نے پورا واقعہ سنا اور پھر اس آدمی سے پوچھا اگر تم نے اونٹ دیکھا نہیں تو تمہیں اس کے متعلق اتنی باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟ عقل مند آدمی نے جواب دیا جناب! ریت میں اونٹ کے پاؤں کے نشان تھے،جن میں سے ایک نشان بہت ہلکا تھا،اس لئے میں سمجھ گیا کہ وہ لنگڑاتا ہے۔چونکہ اونٹ نے صرف ایک طرف کی گھاس کھائی ہوئی تھی اس لئے مجھے پتہ چل گیا کہ اس کی ایک آنکھ پھوٹی ہوئی ہے۔گھاس بیچ میں سے جگہ جگہ چھوٹی ہوئی تھی،اس سے مجھے اونٹ کے ٹوٹے ہوئے دانت کا پتہ چل گیا۔

اس راستے میں کچھ دور تک گیہوں گرے ہوئے تھے اور ایک طرف مکھیاں بھی اکٹھی ہو رہی تھیں،جس سے مجھے معلوم ہوا کہ اونٹ پر ایک طرف گیہوں اور دوسری طرف شہد لدا ہوا ہے۔کوتوال اس شخص کی عقل مندی سے بہت خوش ہوا اور اسے عزت سے رہا کر دیا۔اونٹ والوں نے بھی اس سے معافی مانگی اور چلے گئے۔سچ ہے کہ انسان عقل مند ہو تو بہت سی باتوں کا بغیر دیکھے پتہ چلا سکتا ہے۔

جوانی اور بڑھاپے سے سبق حاصل کرنے کا واقعہ

مجھے ایک بار ٹرین سے لاہور جانے کا اتفاق ہوا میں جس ڈبے میں سفر کر رہا تھا اس میں ایک بوڑھا بھی بیٹھا تھا۔اس کی عمر مجھ سے کافی زیادہ تھی اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔اس کے جسم سے عجیب سی smell آ رہی تھی ایسے لگتا

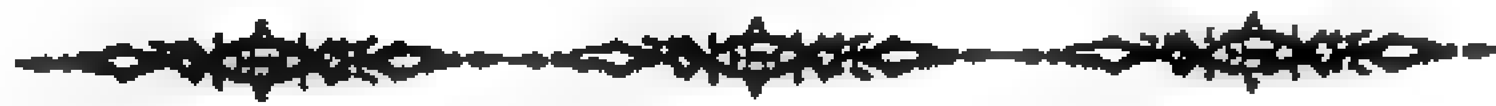
تھا کہ وہ دن بھر جسمانی مشقت کرتا رہا ہے اور بار بار کپڑے پسینے میں شرابور ہونے کی وجہ سے اس سے ایسی مہک آ رہی ہے۔

میں حسب عادت اس سے باتیں کرنے لگا گو طبیعت نہیں چاہ رہی تھی، تجسس کی حس بیدار ہوئی اور اس سے باتیں کرنے لگا۔

میں نے پوچھا بابا کہاں جانا ہے۔ وہ مسکرایا اور بولا "گھر"۔ اب میں تلملایا بھی لیکن مجھے لگا کہ وہ کوئی عام شخص نہیں کوئی بابا ہے جو اس نے مجھے اتنا مختصر اور جامع جواب دیا ہے۔

میں اس کے قریب ہو گیا اور پوچھا "جوانی اچھی ہوتی ہے کہ بڑھاپا" اس نے کہا "جوانوں کے لیے بڑھاپا اور بوڑھوں کے لیے جوانی"۔ میں نے کہا وہ کیسے۔

بولا "بوڑھے اگر جوان ہو جائیں تو شاید وہ پہلے والی غلطیاں کبھی نہ دہرائیں اور اگر جوان بوڑھوں کو تجربے کے طور پر لیں تو ان کی تو ان کی جوانی بے داغ اور بے عیب گزرے۔ اس بوسیدہ کپڑوں والے بوڑھے نے اتنی وزنی بات کر دی کہ بڑے مفکر اور دانشور ایسی بات نہیں کر سکتے۔



موت کے عبرت ناک اور سبق آموز واقعات

بادشاہ کو گھر جانے کی بھی مہلت عزرائیل نے نہ دی

حضرت وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا جس کا ارادہ اپنی مملکت کی زمین کی سیر اور حال دیکھنے کا ہوا۔ ا شاہانہ جوڑا منگایا۔ ایک جوڑا لایا گیا۔ وہ پسند نہ آیا۔ دوسرا منگایا وہ بھی پسند نہ آیا۔ غرض بار بار رد کرنے کے بعد نہایت پسنا پہن کر سواری منگائی گئی۔ ایک عمدہ گھوڑا لایا گیا۔ پسند نہ آیا۔ اس کو واپس کر دیا۔ دوسرا منگایا وہ بھی پسند نہ آیا۔ غرض سارے منگائے گئے۔ ان میں سے اپنی پسند کا گھوڑا لے کر سوار ہوا۔ شیطان مردود نے اور بھی نخوت اس کے ناک میں پھونک دی نہایت تکبر سے سوار ہوا، خدام، فوج پیادہ، بڑائی اور تکبر سے رعایا کی طرف التفات بھی نہ کرتا تھا۔ راستے میں چلتے چلتے ایک شخص نہایت سادہ خستہ حال ملا، سلام کیا۔ بادشاہ نے توجہ بھی نہ کی۔ خستہ حال نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ بادشاہ نے ڈانٹا۔ لگام چھوڑ۔ اتنی جرات کرتا ہے معلوم ہے میں کون ہوں؟ اس نے کہا مجھے تجھ سے کام ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ اچھا صبر کر۔ جب میں سواری سے اتروں گا۔ تب بات کر لینا۔ کہا نہیں۔ اب کام ہے۔ یہ کہہ کر زبردستی لگام چھین لیا۔ کہا میں ملک الموت ہوں اور تیری جان لینے آیا ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ کا چہرہ فق ہو گیا۔ دماغ چکرا گیا۔ زبان لڑکھڑا گئی۔ کہنے لگا۔ اچھا مجھے اتنی مہلت دے دے کہ میں گھر جا کر اپنے سامان کا نظم کر لوں۔ فرمایا مہلت نہیں ہے یہ کہہ کر اس کی روح قبض کر لی۔ وہ گھوڑے سے لکڑی کی طرح نیچے گر گیا۔ بغیر پوچھے بغیر اطلاع بغیر مرض وہ موت ہے۔

کیا نظام قدرت ہے۔ جو حکیم جس مرض میں ماہر تھا۔ اسی کا شکار ہو کر چل بسا سل کے مرض میں ارسطاطالیس، افلاطون فالج سے، حکیم لقمان اور جالینوس اسہال سے مرا، حکیم اجمل خان دل کی بیماری سے، جس بیماری میں ید طولیٰ رکھتے تھے اسی میں ختم ہوئے۔ دھنہ سانپ پکڑتا ہے۔ سانپ نے کاٹا اور چل بسا۔

دنیا یہ سدا عبرت و اندیشہ کی جگہ ہے   ہاں کیسا مقام آٹھ پہر کوچ لگا ہے

قبر آنے والوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے

حضرت عمر بن عبدالعزیز ایک مرتبہ ایک جنازہ کے ساتھ قبرستان گئے۔ قبرستان میں علیحدہ ایک جگہ بیٹھ کر سوچنے لگے۔ کسی نے عرض کیا۔ امیر المومنین! آپ اس جنازے کے ولی ہیں۔ آپ ہی علیحدہ جا کر بیٹھ گئے۔ فرمایا! ہاں مجھے ایک قبر نے آواز دی۔ مجھ سے یوں کہا: اے عمر ابن عبدالعزیز! مجھ سے تو یہ نہیں پوچھتا۔ کہ میں آنے والے کے ساتھ کیا کیا کرتی ہوں۔ میں نے کہا۔ تو ضرور بتا۔ اس نے کہا۔ اس کا کفن پھاڑ دیتی ہوں۔ بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہوں۔ گوشت کھا جاتی ہوں اور بتاؤں آدمی کے جوڑوں کے

ساتھ کیا کرتی ہوں۔ کندھوں کو بازوؤں سے جدا کرتی ہوں، کلائیوں کو پہنچوں سے، پنڈلیوں کو بدن سے، سرینوں کو رانوں سے جدا کرتی ہوں، یہ فرمایا کہ عمرو ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے۔ فرمایا! دنیا کا قیام بہت تھوڑا ہے۔ اس میں جو عزیز ہے۔ آخرت میں ذلیل ہے۔ اس میں جو دولت والا ہے۔ آخرت میں وہ فقیر ہے۔ آہ! ان کے عزیز وا قارب، رشتہ دار، پڑوسی، ہروقت دلداری کو تیار رہتے تھے۔ لیکن اب کیا ہورہا ہے؟ آواز دے کر ان سے پوچھ کیا گزر رہی ہے۔ غریب، امیر۔ سب ایک میدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے مالدار سے پوچھ، انکے مال نے کیا کام کیا۔ انکے فقیر سے پوچھ، اس کے فقر نے اس کو کیا نقصان دیا۔ ان لیے۔ ان سے پوچھ بہت چہکتی تھی۔ ان کی آنکھوں کو دیکھ جو ہر وقت دیکھتی تھیں۔ ان کے نازک بدن کو معلوم کر کہاں گیا۔ کیڑوں بوسب کا کیا حشر بنایا۔ ان کے رنگ کالے کر دیے انکے منہ پر مٹی ڈال دی۔

کی تو ان ڈ کہاں ہیں ان کے وہ آرام دہ کمرے جن میں وہ آرام کیا کرتے تھے۔ کہاں ہیں ان کے وہ مال اور خزانے جن کو جوڑ جوڑ دانشورالیے تھے۔ ان کے حشم و خدم نے قبر میں ان کے لئے کوئی بستر نہ بچھایا۔ کوئی تکیہ نہ رکھ دیا بلکہ زمین پر ڈال دیا۔ اب وہ بالکل لیلے پڑے ہیں۔ ان کے لئے اب رات دن برابر ہے۔ آنکھیں نکل کر منہ پر گر گئیں۔ گردن جدا ہوئی پڑی ہے۔ منہ سے پیپ بہہ رہی ہے۔ سارے بدن میں کیڑے چل رہے ہیں۔ اس حال میں پڑے ہیں کہ انکی بیویوں نے دوسرے نکاح کر لئے۔ وہ مزے اڑا رہی ہیں۔ بیٹوں نے مکانوں پر قبضہ کر لیا۔ وارثوں نے مال تقسیم کر لیا۔ یہ تھے اللہ والے۔ آخرت کا ڈر رکھنے والے۔ کہتے ہیں کہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔

شہزادے کی موت پر بے بس بادشاہ کا واقعہ

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ جواہرات کی تجارت کیا کرتے تھے پھرتے پھراتے روم پہنچے۔ کیا دیکھا کہ وزراء کی بیگمات، لونڈیاں اور فوج سب کہیں جا رہے ہیں۔ پوچھا کیا آج جشن ہے یا بے وطن ہو کر جا رہے ہو؟ وزیر نے کہا۔ ہمارے ساتھ چلو۔ ایک جنگل میں پہنچے۔ وہاں خیمہ ایستادہ ہے۔ نہایت شاندار خیمہ۔ پہلے لشکر مسلح نے طواف کیا اور روتے رہے۔ پھر حکماء فلاسفروں نے پھر لونڈیوں نے پھر شاہی بیگمات نے پھر وزیروں نے آخر میں بادشاہ نے طواف کیا۔ اندر گیا۔ بصد رنج و ملال، یاس و حسرت، پریشان روتا ہوا سر جھکائے باہر ملا۔ کچھ آہستہ آہستہ بادشاہ کہتا رہا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ماجرا پوچھا کہ کیا ہے؟ وزیر نے کہا۔ یہ نوجوان لڑکا بادشاہ کا فوت ہو گیا ہے۔ ہر سال پورا لشکر یونہی معہ بادشاہ اس کی قبر پر آتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ بے نیاز کے قبضہ میں یہ فرزند ہے؟ اے عزیز بچہ! اگر میرے اختیار میں ذرہ برابر زندہ کرنے کا امکان ہوتا تو ہم سعی بلیغ کرتے سب مال ملک اور دولت نثار کر دیتے کہ تیری ایک بار ملاقات ہو جاتی۔ مگر ہم ہار گئے۔ ہماری طاقت ہیچ ہے۔ تو ایسی ذات کے قبضہ میں ہے جو بے نیاز ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پر اتنا اثر ہوا۔ کہ سب کاروبار چھوڑ کر بصرہ واپس آئے اور تمام جواہرات فی سبیل اللہ غرباء میں تقسیم کر دیئے۔ دنیا ترک کر دی اور گوشہ نشین ہو گئے۔ ستر سال اللہ اللہ میں گزارے۔ ولی کامل بن کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حضرت بہلول علیہ الرحمہ قبر بنا کر سویا کرتے تھے

حضرت بہلول علیہ الرحمہ نے گھر میں قبر کھدوا رکھی تھی۔ روزانہ صبح و شام اس میں جا کر سو جاتے۔ روتے اور فرماتے! یہ تیرا اصل گھر ہے۔ بہلول رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی ملے گا یا نہیں۔ موت یاد کر آخرت پر نظر رکھ!

بے سہارا یتیم بچہ کس طرح ظالم بادشاہ بن گیا

حضرت ابن منبہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ملک الموت ایک بہت بڑے جابر ظالم کی روح قبض کر کے جا رہے تھے۔ فرشتہ نے ان سے پوچھا۔ کہ تم نے ہمیشہ جانیں قبض کیں۔ کبھی کسی پر رحم بھی آیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے سب سے زیادہ ترس اس عورت پر آیا۔ جو جنگل میں بالکل تنہا تھی۔ جونہی اس کا بچہ پیدا ہوا مجھے اس عورت کی جان قبض کرنے کا حکم ہوا۔ مجھے اس بچہ کی تنہائی پر ترس آیا کہ جنگل میں جہاں کوئی دوسرا نہیں ہے اس بچے کا کیا بنے گا؟ فرشتوں نے کہا یہ ظالم جس کی روح تم لے جا رہے ہو یہ وہی بچہ ہے۔ ملک الموت حیران ہو گئے۔ کہنے لگے مولیٰ تو پاک ہے بڑا مہربان ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

بیوہ کو اکلوتے بیٹے کی موت کے یقین آ جانے کا واقعہ

ایک بیوہ عورت کا اکلوتا بیٹا فوت ہو گیا۔ بیچاری ماںتا کی ماری در بدر پھرتی رہی کہ میرے بچے کا علاج کرو۔ اسے یقین نہ آیا کہ واقعی میرا بیٹا مر گیا ہے۔ لوگوں نے سمجھایا، بتایا، کفن اٹھا کر دکھایا کہ تیرا بچہ موت کی آغوش میں چلا گیا پھر بھی اس ماںتا، غمزدہ ماں کو یقین نہ آیا۔ ایک ولی اللہ کے پاس گئی۔ پوچھا میرا بچہ زندہ ہے یا مردہ؟ اگر مردہ ہے تو زندہ کر دو۔ اہل اللہ نے کہا کہ مردہ کو زندہ کرنا رب العالمین کا کام ہے، اچھا میں زندہ کروں گا۔ بشرطیکہ ایسے گھر سے پانی کا گھڑا بھر کر لا دے جہاں کوئی بھی نہ مرا ہو۔ اس نے تمام شہر چھان مارا۔ کالونی اور محلوں میں پھری۔ جھونپڑی، خیمہ تک پھری۔ مگر سب نے جواب دیا کہ ہر گھر سے جنازہ اٹھا ہے بلکہ زندہ کم ہیں مرے بہت ہیں۔ وہ عورت واپس آئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ لڑکا واقعی مر چکا ہے۔ یہ فقط میرے ساتھ نہیں ہوا بلکہ اوروں کے ساتھ بھی صدمہ ہوا ہے۔ پس صبر کے سوا چارہ نہیں۔

نیک اعمال کے وسیلے مشکلات حل ہونے کا واقعہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی چل رہے تھے کہ انہیں بارش نے گھیر لیا تو انہوں نے پہاڑ میں ایک غار کی طرف پناہ لی ان کے غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک پتھر آ کر گر گیا جس سے اس غار کا منہ بند ہو گیا ان میں سے ایک نے کہا اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو جو خالص اللہ کی رضا کے لئے کئے ہوں اور اس کے ذریعہ اللہ سے دعا مانگو شاید اللہ تم سے اس مصیبت کو ٹال دے تو ان میں سے ایک نے عرض کیا اے اللہ میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میری بیوی بھی تھی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے اور میں (جنگل میں مویشی) چرایا کرتا تھا جب میں ان کے پاس شام کو واپس آتا تو دودھ نکالتا تو میں اپنے والدین سے ابتدا کرتا اور انہیں اپنے بچوں سے قبل پلاتا ایک دن جنگل کے دور ہونے کی وجہ سے مجھے تاخیر ہو گئی اور میں رات کو آیا تو میں نے اپنے والدین کو سویا ہوا پایا میں نے پہلے کی طرح دودھ دوہا اور دودھ کا برتن لے کر ان کے سرہانے

کھڑا ہو گیا میں انہیں ان کی نیند سے اٹھانا ناپسند کرتا تھا اور مجھے ان سے پہلے اپنے بچوں کو پلانا بھی پسند نہ تھا اور بچے میرے قدموں کے پاس چلا رہے تھے مگر میں نے انہیں دودھ نہیں دیا اور صبح ہونے تک میرا (اور میرے بچوں اور والدین) کا معاملہ یونہی رہا پس تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل صرف اور صرف تیری رضا کے لئے کیا تھا تو ہمارے لئے کچھ کشادگی فرما دے جس سے ہم آسمان کو دیکھ سکیں پس اللہ نے ان کی لئے اتنی کشادگی فرما دی کہ انہوں نے آسمان دیکھا اور دوسرے نے عرض کیا اے اللہ میری ایک چچا زاد بہن تھی جس سے میں محبت کرتا تھا جس طرح مردوں کو عورتوں سے سخت محبت ہوتی ہے میں نے اس سے اس کی ذات کو طلب کیا یعنی لیے ،ی کا اظہار کیا تو اس نے ایک سو دینار لانے تک انکار کر دیا میں نے بڑی محنت کر کے سو دینار جمع کئے اور اس کے پاس لایا پس بس اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا تو اس نے کہا اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈر اور مہر کو اس کے حق (نکاح) کے بغیر کی تو ان رر اس سے کھڑا ہو گیا یا اللہ تجھے یقیناً علم ہے کہ میں نے یہ عمل صرف تیری رضا کے لئے کیا ہے پس ہمارے لئے اس غار دانشور ایسے ۔ تہ ،گی فرما دے پس ان کے لئے (ذرا اور) کھول دیا گیا۔

اور تیسرے نے عرض کیا اے اللہ میں نے ایک مزدور کو فرق چاول مزدوری پر رکھا جب اس نے اپنا کام پورا کر لیا تو کہا میرا حق مجھے دے دو میں نے اسے فرق دینا چاہا تو وہ منہ پھیر کر چلا گیا پس میں اس کے پیچھے زراعت کرتا رہا یہاں تک کہ اس سے گائے اور ان کے چرواہے میرے پاس جمع ہو گئے پس وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا اللہ سے ڈر اور میرے حق میں مجھ پر ظلم نہ کر میں نے کہا وہ گائیں اور ان کے چرواہے لے جاؤ اس نے کہا اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر میں نے کہا میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا وہ بیل اور ان کے چرواہے لے جاؤ اس نے انہیں لیا اور چلا گیا اگر تیرے علم میں (اے اللہ!) میرا یہ عمل تیری رضا مندی کے لئے تھا تو ہمارے لئے باقی راستہ بھی کھول دے تو اللہ نے باقی راستہ بھی کھول دیا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2448)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں عزرائیل کے حاضر ہونے کا واقعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ملک الموت آدمی کی صورت بن کر حاضر ہوا۔ ایک وزیر حضرت کے پاس بیٹھا تھا۔ ملک الموت نے کئی بار وزیر کو دیکھا۔ جب ملک الموت چلے گئے۔ وزیر نے پوچھا۔ حضرت یہ کون تھا؟ فرمایا۔ عزرائیل علیہ السلام۔ وزیر نے کہا۔ اس کے بار بار دیکھنے سے خوف پیدا ہوا۔ ابھی ہوا کو حکم دو کہ مجھے اپنے وطن بوماس جزیرہ میں پہنچا دے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا آن کی آن میں خدا کی شان وزیر باتدبیر وطن پہنچا۔ ابھی گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تھا۔ ملک الموت نے جان قبض کر لی۔ دوسری ملاقات میں سلیمان علیہ السلام کے دریافت فرمانے پر ملک الموت نے جواب دیا: میں حیران تھا کہ مجھے حکم ہوا کہ اس وزیر کی جان جزیرہ بوماس میں قبض کرنی ہے اور یہ یہاں آپ کے پاس تھا۔ مگر حکم پورا ہو گیا۔ مثل مشہور ہے۔ پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھی۔

محمد لیاقت علی رضوی بن محمد صادق عثمانکا سٹیکا جوئیہ
۷ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ بمطابق ۸ فروری ۲۰۱۴ء
چک سٹیکا تحصیل و ضلع بہاولنگر